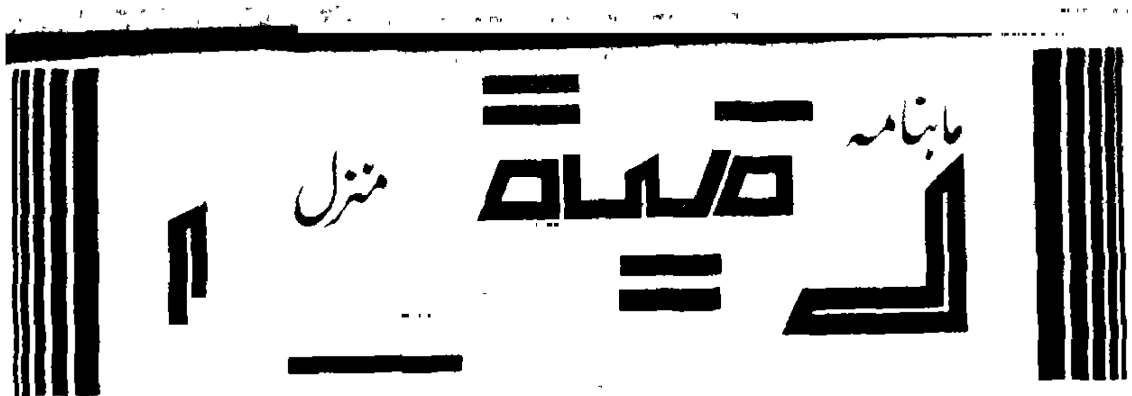
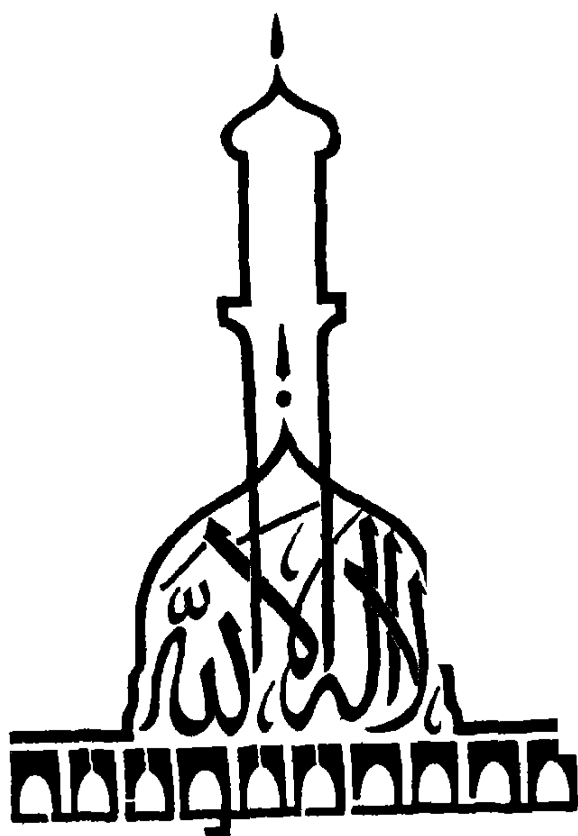




۲۳۰۔ ابوالفضل انکلیو ۔ اوکھلا ۔ نئی دہلی ۲۵

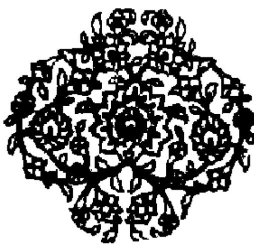
الحمد

محمد فاروق خان



لوٗ حمد ہے اس شاہدِ معنی کے لئے
سارا عالم یہ فقط جس کی فسوں کاری ہے
جس کے فیضان کا ادنیٰ سا کرشمہ ہے جہاں
جس کا فرمان ہر اک شے پہ یہاں جاری ہے
جس کے احکام کا منشا ہے ارتقائے نظر
جس کی طغیانیٔ رحمت کی کوئی حد نہ حساب
جس کی تخلیق کا آغاز حسین و خوش تر
جس کا انجام ہے لوگوں کے لیے روزِ حساب
حسنِ انجام مقدر ہے مگر ان کے لئے
زندگی جن کی حقیقت کی رہی ہو نگراں
تنگیٔ فکر و نظر سے جو گریزاں ہی رہے
جن کا احساس و تصور ہو کشادہ داماں
ہاں وہی شاہدِ معنی کہ جہاں جس کا اسیر
بات فطرت یہ سدا اس کی کیا کرتی ہے

ایک خلش ایک تڑپ جو کہ متاعِ جاں ہے
لب پہ اپنے وہ دعا بن کے رہا کرتی ہے
زندگی اپنی محض ایک حسیں خواب نہ ہو
سازِ ہستی یہ کہیں تشنۂ مضراب نہ ہو
تو نے گر دل کی متاع اور دیا درد ہمیں
زندگی وقف ہے بس تیری عبادت کے لئے
باریابی کا شرف تو نے اگر بخشا ہے
ہاتھ اٹھتے ہیں فقط تجھ سے اعانت کیلئے
وہ رہِ زیست جو فطری ہے صاف اور سیدھی
بس اس راہ پہ تو رکھ ہمیں سرگرمِ سفر
گر اس راہ پہ چل کر یہ زندگی گذرے
بالیقیں ہوں گے جہاں میں ترے منظورِ نظر
گر ہٹے راہ سے معتوب و رسوا ہوں گے
ہے ستم خود پہ جو محرومِ تمنا ہوں گے



ماہنامہ رفیقِ منزل نئی دہلی

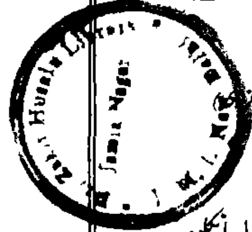
ربیع الآخر و جمادی الاوّل ۱۴۰۸ھ   مطابق دسمبر ۱۹۸۷ء   جلد ۱   شمارہ ۱

آئینۂ ترتیب

ڈرافٹ پر صرف اتنا لکھیں

RAFEEQUE-E-MANZIL





مدیر
منور حسین فلاحی (اعزازی)

مقام اشاعت
دفتر رفیقِ منزل۔ ۲۳۰۔ ابوالفضل انکلیو
اوکھلا۔ نئی دہلی ۲۵

طابع و ناشر
منور حسین فلاحی (اعزازی)

کتابت
ضمیر الاسلام، ظفر صادق

تزئین کار:- اعزاز الحسن جاوید

منیجر
جاوید اختر

طباعت -
جمال پرنٹنگ پریس۔ دہلی 6

شرح خریداری

فی پرچہ —— دو روپے پچاس پیسے

سالانہ —— پچیس روپے

ششماہی —— پندرہ روپے

اس شمارہ کی قیمت —— ڈھائی روپے

زر اعانت کی ترسیل اور انتظامی امور میں مراسلت کا پتہ

The Manager Rafeeque-e-Manzil
230 - Abul Fazl Enclave
Jamia Nagar, Okhla
New Delhi - 110025

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بے انتہا شکر و سپاس ہے اس مالک و رحیم ذات کے لئے جس کے فضل و کرم سے یہ شمارہ ایک طویل وقفہ کے بعد آپ تک پہنچ رہا ہے۔ اور بے شمار درود و سلام ہو اس محسن انسانیتؐ پر جن کی قربانیوں کے طفیل ہمیں راہ ہدایت ملی ہے

یہ ربیع الاول کا مہینہ ہے، روایتوں کے مطابق اس مہینہ میں اللہ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے، اس موقع کی مناسبت سے پوری دنیا میں عید میلاد النبی اور سیرت کے جلسوں کا انعقاد و اہتمام کیا جاتا ہے۔ اور شیدائیان رسول اپنی زبانی عقیدتوں اور محبتوں کے خوب خوب نذرانے پیش کرتے ہیں اور اس طرح پورے سال آپ کی تعلیمات سے کی گئی ناقابل تلافی غفلتوں کی تلافی کی جاتی ہے۔ عہد جدید کے لوگوں کا یہ ایک فرسودہ طریقہ ہے۔ جس کی تقلید آج ہر مذہب کے ماننے والے کر رہے ہیں۔ تاریخ انسانی کے وہ افراد جو کسی خاص وقت کے لئے پیغام لے کر آئے ہوں اور اپنے زمانے میں انھوں نے اصلاح و تعمیر کا کوئی بڑا کارنامہ انجام دیا ہو اور بعد میں ان کی ذات کے ساتھ ان کے پیغام کی افادیت بھی ختم ہو گئی ہو تو ایسے نامور افراد کے ساتھ اس طرح کا مروجہ سلوک بجا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن وہ شخصیت جو ابدی تعلیمات کی امین و پیامبر رہی ہو اور جس کی تعلیمات پر مبنی پیش آنے والا انقلاب دور اور دیر تک انسانیت کو مستفید کرتا رہا ہو۔ عقل اور عقیدت کی کسوٹی پر آج بھی اس پیغام کی افادیت و اثر انگیزی جوں کی توں باقی ہو، اس شخصیت کے ساتھ عام افراد تاریخ انسانی کا سا سلوک موزوں نہیں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تو وہ ہے کہ ان کے پیغام کو ہر وقت یاد کرنے اور یاد رکھنے کی ضرورت ہے۔ آپ نے انسانوں کے جملہ مسائل کا ایک بہترین حل پورے خلوص و بے غرضی، سچی بہی خواہی اور ہمدردی کے جذبات سے معمور ہو کر پیش کیا۔ آپ نے انسانوں کو صرف ایک خدائے قادر مطلق کی بندگی کی دعوت دے کر انھیں ہر قسم کی بندگیوں، نیازمندیوں اور ذلتوں سے آزاد کر دیا۔ اور انھیں ایسا مقام شرف عطا کیا جس کے وہ واقعی مستحق تھے۔ آپ نے یہ بھی بتایا کہ جملہ معاملات زندگی میں اگر مکمل اطاعت کی مستحق کوئی ذات ہو سکتی ہے تو وہ صرف خالق و مالک کی تنہا ذات ہے۔ دوسری ساری اطاعتیں اس بڑی اطاعت ہی کی تابع ہو سکتی ہیں۔

آپ نے فلاح و نجات کے لئے خدا و رسول پر ایمان کے ساتھ اس بڑی عدالت (آخرت) پر ایمان لانے کو ناگزیر و ضروری قرار دے کر اور وہاں اطاعتوں پر ملنے والے انعامات اور بغاوتوں پر ملنے والی سزاؤں کے حقائق بتا کر اطاعت کی راہ کو اپنانا آسان اور بغاوت کی راہ پر چلنا دشوار تر بنا دیا۔

آپ نے ایثار و قربانی کی زندہ ہدایتیں دے کر اس بات کی ضمانت پیش کر دی کہ آپ کی تعلیم پر مبنی سماج کا کوئی فرد بے سہارا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح بندوں کی حق تلفی کو ناقابل معافی جرم قرار دے کر انسانی مسائل کے حل کو یقینی بنا دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رہتی دنیا تک کے انسانوں کو فلاح و نجات کا وہ حیات بخش پیغام عطا فرمایا ہے جس کی نظیر تاریخ انسانی پیش کرنے سے قاصر ہے، عالم انسانی پر یہ آپ کا اس قدر عظیم احسان ہے جسے فراموش کرنا آسان نہیں۔

ہم اس موقع پر اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ "رفیق" کو اب تک جس قدر لائق و فائق مدیر کی خدمات میسر تھیں وہ لیاقت و صلاحیت موجودہ مدیر کے پاس نہیں۔ تاہم اس کی حتی المقدور کوشش ہو گی کہ رفیق کا سابقہ معیار برقرار رکھا جائے۔ ہمیں اس بات پر بھی خوشی ہے کہ آئندہ کئی شمارہ تک سابق مدیر محترم کی فیض رسانیاں جاری رہ سکیں گی۔ ہمیں اس پر بھی افسوس ہے کہ کانفرنس نمبر بعض انتظامی دشواریوں کے باعث اپنی اصل شکل میں منظر عام پر نہیں آ رہا ہے لیکن ہماری یہ کوشش ہو گی کہ کانفرنس کی تمام قابل ذکر باتیں ترجمان میں محفوظ ہو جائیں تاکہ کانفرنس نمبر کی دستاویزی حیثیت کی کمی کسی حد تک تو پوری ہو سکے۔ اسی طرح ہم بعض ان تاثرات کو بھی شامل کرنا چاہتے ہیں جو ہمارے لئے کسی نہ کسی حیثیت سے مفید ہیں۔

سب سے زیادہ خوشی و اطمینان کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ترجمان کو انتظامی اعتبار سے وہ مرکزیت عطا کی جس کی دیرینہ خواہش تمام متوسلین و قارئین رفیق کو تھی۔ ترجمان میں نئے فیصلوں کے مطابق جہاں جدت پیدا کی گئی ہے اس کے تعلق سے بھی ہمیں اپنے قارئین کی رائیں اور مشورے درکار ہیں۔ اس سلسلہ میں جہاں بعض تجربہ کار اہل قلم کی خدمات حاصل کی جائیں گی وہیں اپنے نوجوان ساتھیوں سے بھی اپنی پسند کے موضوعات پر لکھنے کی خواہش کی جاتی ہے کہ ترجمان کا مقصد اپنی تحریری صلاحیتوں کو نشو و نما دینا بھی ہے۔

ہم نے جہاں اپنے تمام بہی خواہوں سے ترجمان کو بہتر بنانے کے سلسلے میں مشورے طلب کئے ہیں وہیں ہم ان بزرگوں اور دوستوں کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں جنھوں نے اس اولین مرحلے پہ قولی یا عملی طور پر ہمارا تعاون فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ انھیں اسکی بہترین جزا دے، اور ہمیں اس کی توفیق دے کہ ہم اپنا فرض منصبی کا حقہ ادا کر سکیں۔

●●

ہم تحریک اسلامی کے کارکن کیسے بنیں؟ ★

مولانا سید جلال الدین انصر عمری

آئیے اس سوال پر غور کرنے سے پہلے اسی سے متعلق ایک اور سوال پر غور کرلیں۔ وہ یہ کہ کیا اسلام ایک تحریک ہے؟ اگر اس کا جواب اثبات میں ہو تو اوپر کا سوال بامعنی ہوگا ورنہ اس کے کوئی معنی نہیں ہوں گے اسلام کو جب ایک تحریک کہا جاتا ہے تو اس کی مخالفت دور جدید کے علم برداروں کی طرف سے بھی ہوتی ہے اور بعض مذاہب کے حاملین کی طرف سے بھی دور جدید اسلام کو ایک مذہب سمجھتا ہے اور مذہب کے بارے میں اس کا تصور یہ ہے کہ یہ پوجا پاٹ اور کچھ روایات اور مراسم کا مجموعہ ہے۔ جو لوگ اسے مانتے ہیں اس پر عمل کرسکتے ہیں لیکن زندگی کے اور معاملات سے نہ تو اس کا کوئی تعلق ہے اور نہ ہونا چاہیئے۔ آج پوری دنیا کا اجتماعی اور سیاسی نظام اسی تصور پر مبنی ہے کہ مذہب فرد کا ذاتی معاملہ ہے۔ اجتماعی زندگی اس سے الگ رہے گی۔ مذہب کے بارے میں اس رویہ کو صحیح ثابت کرنے کے لئے کہا جاتا ہے کہ اگر مذہب دنیا کے اجتماعی امور و معاملات سے متعلق ہوگا تو دنیا فتنہ و فساد کی آماجگاہ بن جائے گی۔ لیکن تعجب ہے یہ بات وہ لوگ کہتے ہیں جنہوں نے خود دنیا کو فتنہ و فساد سے بھر رکھا ہے۔ اس وقت دنیا میں جو بگاڑ ہے وہ مذہب کا پیدا کردہ نہیں ہے بلکہ خدا بے زاری اور مذہب دشمنی کے یہ کڑوے کسیلے پھل ہیں جو انسان کو چکھنے پڑ رہے ہیں بلکہ انہیں سے وہ پیٹ بھرنے پر مجبور ہے۔

یہ تو ہے مذہب کے بارے میں دور جدید کا نقطۂ نظر۔ اس کے ساتھ بعض مذاہب اور ان کے حاملین نے بھی یہ تصور دینے کی کوشش کی کہ مذہب اصلاً روح کے تزکیہ اور طہارت کے لیے ہے۔ یہ مقام بلند اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک انسان دنیا اور اس کے مسائل سے بے تعلق نہ ہو جائے اور نفس اور اس کی خواہشات کو پوری طرح کچل نہ دے۔ اس لئے خاص قسم کی ریاضتیں وجود میں آئیں، مشقیں اور تجربات ہونے لگے اور روحانی ترقی کے چاہنے والے دنیا کو چھوڑ کر پہاڑ کا غاروں اور جنگلوں میں چلے گئے۔ اس سے رہبانیت کا ایک پورا نظام وجود میں آیا۔ یہ نظام دور جدید کے تصور مذہب کو تقویت پہنچاتا رہا۔ اس لئے اسے پھلنے پھولنے کے مواقع بھی فراہم ہوتے رہے۔ اس طرح عملاً ایک نے ایک جذبہ سے اور دوسرے نے دوسرے جذبہ سے مذہب کو انسان کی اجتماعی زندگی سے بے دخل کر دیا۔ اسلام کو جو ہم تحریک کہتے ہیں تو ان دونوں نظریات کی تردید کرتے ہیں اور انہیں غلط اور باطل قرار دیتے ہیں۔

تحریک نام ہے کسی مقصد کے لئے حرکت اور جدوجہد کا۔ یہ مقصد جس نوعیت کا ہوگا اسی نوعیت کی جدوجہد ہوگی۔ اسے بعض مثالوں سے سمجھا جا سکتا ہے۔ اس وقت پورے سماج میں بے ایمانی اور رشوت پھیلی ہوئی ہے۔ فرض کیجئے آپ اس کے خلاف کوئی اصلاحی تحریک چلانا چاہتے ہیں تو اس کا ایک خاص میدان ہوگا یا تعلیم کو عام کرنے کی تحریک آپ کے پیش نظر ہو تو یہ کام خاص حدود میں ہوگا یا کوئی سیاسی تحریک چلانا چاہیں تو اس کا بھی ایک دائرہ ہوگا۔ لیکن اسلام انسان کو پوری طرح بدل دینے کا نام ہے۔ اس کی شخصی زندگی کو بھی اور اجتماعی زندگی کو بھی۔ یہ دنیا کی سب سے بڑی انقلابی تحریک ہے جو انسان کو نفس اور خواہش کی غلامی سے، قوم اور قبیلے کی غلامی سے، رسم و رواج کی غلامی سے، غرض یہ کہ ہر چھوٹی بڑی غلامی سے نجات دلا کر ایک خدا کا بندہ اور غلام اور اس کے احکام کا پابند بنانا چاہتی ہے۔ اس تحریک کا ہدف اور گول (GOAL) ہے

★ S.I.O کی کل ہند کانفرنس منعقدہ بنگلور میں اس کے ارکان کی نشست میں ۲۷ دسمبر ۱۹۸۶ء کو پڑھا گیا۔ اب کسی قدر نظر ثانی کے بعد اسے یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (نحل: ۳۶) اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو وہ اس اعلان کے ساتھ آتا ہے۔ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے) اس کا مطالبہ ہے اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً (اسلام میں پورے کے پورے داخل ہوجاؤ) وہ کامیابی کیلئے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو ضروری قرار دیتا ہے۔ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول کی امید ہے تم پر رحم کیا جائے گا) اس نظریہ کی بنیاد پر عرب کی سرزمین پر آج سے چودہ سو سال پہلے جو تحریک اٹھی اس نے پورے معاشرے میں ایک ہلچل پیدا کردی، اس نے مردوں کو زندہ کیا، سوتوں کو جگایا، کمزوروں کو توانائی عطا کی، اپاہجوں کو چلنا سکھایا اور جو لوگ اپنے نفس کے بندے تھے ان کو خدا کا بندہ بنایا، جو خواہشات کے پیچھے چل رہے تھے ان کو حدود و قیود میں رہنا سکھایا۔ اس سے ایک ایسی امت وجود میں آئی جو اس انقلابی فکر کو لے کر اطراف عالم میں پھیل گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کے ایک بڑے حصہ پر اس نے اسلام کا پرچم گاڑ دیا۔

اسلام نے انسانی زندگی کو جن حدود کا پابند بنایا ہے ان کا جب ذکر کیا جاتا ہے تو موجودہ دور کے سامنے سترہویں اور اٹھارہویں صدی کی مذہبی بندشیں آجاتی ہیں جن کی وجہ سے ذہن و فکر پر تالے لگانے اور سائنسی اور تمدنی ترقی کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنے کی کوشش کی گئی اور اس کے لئے بدترین قسم کی تشدد آمیز کارروائیاں کی گئیں۔ یہ سب کچھ مسیحیت کے نام پر اس کے غلط ترجمانوں نے کیا۔ اس قابل مذمت کارروائی کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس نے عقل و دانش کے استعمال پر کبھی کوئی پابندی نہیں لگائی بلکہ نئی تحقیقات کی راہ کھولی اور تمدن کو آگے بڑھایا۔ وہ تو انسان کے نفس اور خواہشات پر پابندی لگاتا ہے، اوہام خرافات، بے بنیاد تصورات سے نجات دلاتا ہے۔ غلط رسوم و رواج اور بیجا بندشوں سے محفوظ رکھتا ہے اس کی پابندیاں ترقی کی ضامن ہیں نہ کہ اس کی راہ کی رکاوٹ۔

تحریک اسلامی، مذہب کے جامد تصور کے خلاف اسلام کا جو حرکی تصور پیش کرتی ہے یہ اس کا ایک ہلکا سا تعارف ہے۔ اب آیئے یہ دیکھیں کہ آدمی اس تحریک کا رکن کیسے بنتا ہے؟ لیکن یہاں ایک بات کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ ہر اس شخص کو کسی تحریک کا کارکن کہا جاسکتا ہے جو اس کیلئے کچھ وقت دے، تھوڑی سی دوڑ دھوپ کرے اور اس کے بعض کاموں میں تعاون کرے۔ لیکن اس وقت میرے سامنے مثالی اور معیاری کارکن کا تصور ہے۔ مثالی کارکن وہ ہے جو اپنی پوری زندگی تحریک کے حوالہ کردے۔ اسی کے لئے سوچے، اسی کے لئے تگ و دو کرے۔ اس کی فکر میں تڑپتا رہے اور تحریک کے مفاد کے لئے اپنے ہر مفاد کو قربان کردے۔ اس کی جان، مال، قوت و صلاحیت سب کچھ تحریک کے لئے وقف ہوجائے۔ ہوسکتا ہے کہ آپ اس کے لیے کارکن کی اصطلاح ہلکی سمجھیں اور کوئی اور اصلاح تجویز کریں۔ لیکن میرے خیال میں تحریک کی بڑی سے بڑی خدمت انجام دینے والا بھی اس کا کارکن ہی ہوتا ہے۔

تحریک کے ہر کارکن کو مثالی کارکن بننے کی کوشش کرنی چاہیے اس کے اندر یہ تمنا، یہ جذبہ اور یہ تڑپ ہونی چاہیئے کہ وہ تحریک کا ایک عام کارکن نہیں بلکہ مثالی کارکن بن کر رہے گا اور تحریک کی بڑی سے بڑی خدمت انجام دے گا۔

اس تحریک کا معیاری اور مثالی کارکن بننے کے لیے آدمی کو زبردست تیاری کرنی ہوگی اور اپنے اندر خاص خوبیاں پیدا کرنی ہوں گی۔ یہاں ان ہی کا ذکر کیا جارہا ہے۔

۱۔ جو شخص تحریک اسلامی کا معیاری کارکن بننا چاہتا ہو اس کے لیے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اسلام کا گہرا علم حاصل کرے، اسے اچھی طرح سمجھے، اس کے احکام و مقاصد سے باخبر ہو۔ اس کی روح اور مزاج کو اپنے اندر جذب کرے اور یہ علم اور واقفیت اتنی بڑھ جائے اسے اسلام کی حقانیت پر کامل شرح صدر حاصل ہوجائے، اس کے اندر سے یہ یقین ابل رہا ہو کہ صرف اسلام ہی کے دامن میں نجات مل سکتی ہے۔ وہ دن کی روشنی میں دیکھ رہا ہو کہ دنیا باطل نظریات کی آگ میں جل رہی ہے اور غلط اخلاق و اعمال نے اس کو موت کے دہانے تک پہنچا دیا ہے۔ دنیا کا کوئی نظریہ اس کے اس یقین کو متزلزل نہ کرسکے کہ اس کے پاس نور حق ہے اور ظلمت کی ماری ہوئی دنیا کو وہ راہ حق دکھا سکتا ہے۔ خدا کے پیغمبر جنہوں نے کفر و ظلمت سے دنیا کو پاک کیا انھیں اللہ کے دین پر اسی طرح شرح صدر ہوتا تھا اسی شرح صدر کے بعد وہ اس پوزیشن میں ہوتے تھے کہ اس بھاری بوجھ کو اٹھا سکیں جو پہاڑ پر رکھ دیا جائے تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائے اور زمین پر ڈال دیا جائے تو اس کا سینہ شق ہوجائے۔ قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے کہا گیا ہے کہ تبلیغ دین کی بھاری ذمہ داری نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو شرح صدر کی دولت عطا فرمائی۔ جس کی وجہ سے اس راہ پر استقامت اور اس کے لیے دشواریوں کا برداشت کرنا آپ کے لیے آسان ہوگا۔

[illegible]

ڈال رہا تھا اور تمہاری خاطر تمہارے ذکر کا [illegible] کر دیا۔

یہ اللہ کا فضل ہے کہ ہم ایک ایسے دور سے گزر رہے ہیں جس میں اسلام کا نام لینے میں بعض وہ رکاوٹیں نہیں ہیں جو کسی زمانے میں تھیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی اللہ کا فضل ہے کہ اسلامی تحریکیں دنیا کے گوشے گوشے میں اسلام کی وکالت اور ترجمانی کا فرض انجام دی رہی ہیں۔ ان تحریکوں نے بہترین اسلوب میں دین کی تفہیم کی خدمت انجام دی ہے اور دے رہی ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ بہت سے لوگوں نے ان تحریکوں کے نقطۂ نظر، ان کی زبان اور ان کی اصطلاحات کو تو اپنا لیا ہے لیکن ان کی معنویت اور تقاضوں کو وہ پوری طرح اپنے دل و دماغ میں نہیں اتار سکے ہیں۔ ان تحریکوں کے زیر اثر یہ کہنا آسان ہے کہ اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے لیکن اس اجمال کو کھولنا آسان نہیں ہے۔ ان تحریکوں نے اس حقیقت کا بے باکانہ اظہار کیا کہ انسان کی سیرت کی تعمیر، معاشرہ کی تشکیل اور ریاست کی تنظیم صحیح خطوط پر اسلام ہی کے ذریعہ ہو سکتی ہے اس لیے اسی کو زندگی کے ہر پہلو پر حکمرانی کا حق حاصل ہے۔ آپ کو ایسے لوگ ملیں گے جو ان تحریکوں سے تعلق کی بنا پر اس انقلابی فکر کا چرچا تو کرتے ہیں لیکن اس کے مضمرات اور پیچیدگی سے پوری طرح واقف نہیں ہیں۔ ان تحریکوں نے بتایا کہ اسلام، عقیدہ، اخلاق، معاشرت، معیشت اور سیاست کے لیے بہترین اصول فراہم کرتا ہے اور دین و دنیا کے سارے مسائل بہت ہی عمدگی سے حل کرتا ہے، اس لیے دانش مندی کا تقاضہ یہ ہے کہ زندگی کے تمام شعبے اسی کے تابع ہوں اور اقتدار و حکومت صرف اسی کی تسلیم کی جائے لیکن ایسے لوگ کم ملیں گے جو اس فکر سے اتفاق کے باوجود زندگی کے کسی ایک شعبہ میں اسلام کی برتری ثابت کر سکیں۔

اس میں شک نہیں تحریک میں عوام بھی ہوتے ہیں اور خواص بھی۔ اس لئے تحریک کے ہر فرد سے اس فکری بلندی کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ خواص کا مقام قیادت اور رہنمائی کا ہے۔ عوام پیچھے چلتے ہیں۔ علم کے بغیر قیادت کا نازک منصب حاصل نہیں ہو سکتا۔ نعرے اور دعوے عوام کے لیے ہوتے ہیں۔ علم والے دنیا کو ان کی معنویت سمجھاتے ہیں۔ تحریک اسلامی کے مثالی کارکن کو علم والوں کی صف میں نظر آنا چاہئے۔ اس کے لیے اسلام کے [illegible] جیسے وہ اس کا اجمالی تعارف کرا سکے۔ تحریک [illegible] ہر کارکن کے لیے اس حد تک اسلام کا مطالعہ [illegible] اس سے غفلت کسی حال میں نہیں ہونی چاہیے۔ [illegible] ہے کہ اسلام کا خصوصی مطالعہ کیا جائے۔ اس سے [illegible] قابلیت اور گہری بصیرت پیدا کرنا ہے۔ اس میں شک [illegible] اسلام کے تمام پہلوؤں پر اس نوعیت کا مطالعہ خاص [illegible] موجودہ دور میں بہت دشوار بلکہ شاید ناممکن ہے [illegible] کے عمومی مطالعہ کے ساتھ اس کے کسی ایک پہلو پر [illegible] کارکنوں کو برتر علمی معیار کی تیاری کر لی چاہیئے۔ تاکہ [illegible] کے ساتھ اسلام کے اس پہلو پر اظہار خیال کر سکیں [illegible] کے ایک ایک نکتہ پر دنیا کو مطمئن کر سکیں۔ [illegible] لئے غیر معمولی محنت کی ضرورت ہے۔ اس وقت [illegible] ان نوجوانوں سے ہے جو علم کے مختلف میدانوں میں [illegible] ہیں ان سے یہ درخواست بے جا نہ ہوگی کہ وہ اس [illegible] غافل نہ ہوں۔ ایک طالب علم سے علم ہی سے متعلق [illegible] ہے۔ اگر وہ علم کے میدان میں ناکام رہا تو یہ اس کی [illegible] ہوگا کہ شاید کسی اور طریقہ سے وہ اس کی تلافی نہ کر سکے۔

۲۔ کسی تحریک کا کارکن اس کا ترجمان ہوتا ہے [illegible] عوام اور خواص میں، مسجدوں اور مدرسوں میں، اسکولوں [illegible] میں، بازاروں اور پارکوں میں بڑے اور چھوٹے مجمعوں [illegible] ہر مقام پر اور ہر جگہ کرنی ہوگی اور اپنی بات چیت سے [illegible] تحریر سے، صحافت سے مذاکروں اور مباحثوں سے [illegible] ذریعہ سے کرنی ہوگی جو اس کے اختیار میں ہو اور جو اس [illegible] کے مزاج سے مطابقت رکھتا ہو۔ آپ ہر محاذ پر اسلام [illegible] وکیل اور ترجمان بن کر نظر آئیں، دنیا کی ہر بحث کا [illegible] کی طرف موڑ دیں، ہر چیلنج کا جواب آپ کے پاس موجود [illegible] اور ہر الجھن کو آپ اس کی روشنی میں حل کر سکتے [illegible] طویل عمل ہے جو اس وقت تک جاری رہے گا [illegible] کہ دنیا اسلام کے زیر نگیں نہ آجائے اور ہر طرف [illegible] بالا نہ ہونے لگے۔ یہی زبردست مہم آپ کو سر کرنی [illegible] کیا آپ اس کے لئے تیار ہیں؟

۳۔ تحریک اسلامی کا کارکن وہ ہے جس کی [illegible] اس تحریک سے ہم آہنگ ہو، وہ جو کچھ اسٹیج پر نظر [illegible] وہی اپنی نجی زندگی میں نظر آئے۔ اس کے اخلاق، [illegible]

[illegible] ... [illegible]

[illegible] ہوں جس شخص کے اندر یہ [illegible]

[illegible] اس کی خدمت تو کیا کرے گا اس کی بدنامی کا اور رسوائی کا باعث ہوگا۔ قول و عمل کا تضاد ہر تحریک کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اسلامی تحریک کے لیے بھی یہ سمِ قاتل ہے۔ تحریک اسلامی سے وابستہ کسی نوجوان کے لیے اس بات کی بڑی اہمیت ہے کہ اس کا کردار اس تحریک کے عین مطابق ہو۔ آج کے دور میں جب کہ ہمارے اس ملک کے بلکہ دنیا بھر کے نوجوان ذہنی انتشار کا شکار ہیں۔ ان کی سیرت و اخلاق کو گھن لگ چکا ہے۔ وہ بے شمار غلط [illegible] میں مبتلا ہیں، ان کی وجہ سے ہنگامے ہیں، توڑ پھوڑ ہے، بداخلاقی کے مظاہرے ہیں، زنا و بدکاری ہے، ان کے درمیان سے بڑوں کا ادب ختم ہو چکا ہے، تعلیم سے ان کی دلچسپی باقی نہیں رہی، ان کے اوقات غلط اور بے مقصد کاموں میں صرف ہو رہے ہیں۔ ان کی وجہ سے ان کے ماں باپ پریشان ہیں، پاس پڑوس اور محلہ کے لوگ پریشان ہیں اور ملک پریشان ہے۔ اس صورت حال میں اگر کوئی نوجوان اسلام کی صحیح تصویر پیش کرے، وہ بااخلاق اور باکردار ہو، بڑوں کا ادب کرنے والا ہو، چھوٹوں کو اس سے تکلیف نہ پہنچے، اس کے دیکھے ماں، باپ، خویش و اقارب اور ملنے جلنے والے سب خوش ہوں تو اس کی بے زبانی بھی زبان بن جائے گی اور اس کی خاموشی میں گویائی کی طاقت ہوگی۔ وہ اسٹیج پر گئے بغیر بھی ہر وقت اسٹیج پر رہے گا۔ اس کی باتیں کانوں کے پردوں سے ٹکرا کر نہیں لوٹ آئیں گی بلکہ دلوں اور دماغوں کی گہرائیوں میں اتر جائیں گی۔ اس کا وجود خود اس بات کی دلیل بن جائے گا کہ وہ حق پر ہے اور حق کی طرف بلا رہا ہے۔ سوچئے کیا کوئی کارکن اتنے بڑے ہتھیار سے محروم ہو سکتا ہے؟

۴ - اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہت سی صلاحیتوں سے نوازا ہے اور ایک نوجوان تو ان صلاحیتوں سے مالا مال ہوتا ہے۔ یوں کہنا چاہیے کہ وہ انمول اور بیش بہا قوتوں اور صلاحیتوں کا ایک خزانہ لیے پھرتا ہے۔ ان سے وہ تخریبی کام بھی کر سکتا ہے اور تعمیری خدمات بھی انجام دے سکتا ہے۔ آپ تحریک اسلامی کے کارکن ہیں، آپ کے پاس قوتوں اور صلاحیتوں کا جو خزانہ ہے اسے اسی تحریک کی خدمت میں لگایئے۔ آپ جانتے ہیں کہ آپ کی یہ صلاحیتیں اور توانائیاں خود بخود آپ کو نہیں مل گئی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں۔ ان کے بارے میں قیامت کے روز سوال ہوگا۔ آپ کے پاس علم ہے تو اس علم کے بارے میں سوال ہوگا، آپ کو جوانی ملی ہے تو اس جوانی کے بارے میں سوال ہوگا۔ حدیث میں آتا ہے:

[illegible] من معروف فيما افناه [illegible] فيما
ابلاه وعن علمه ماذا عمل بما علم وعن
ماله من اين اكتسبه وفيما انفقه

(رواہ الترمذی)

قیامت کے روز انسان کے قدم ہٹ نہیں سکتے جب تک کہ اس سے پانچ سوالات نہ ہو جائیں اور وہ ان کا جواب نہ دے دے۔ اس نے اپنی عمر کیسے گذاری، اپنی جوانی کس طرح ختم کی، جو علم حاصل کیا اس کے مطابق کس حد تک عمل کیا، اپنا مال کہاں سے حاصل کیا اور اسے کہاں خرچ کیا؟

آپ کو جو صلاحیتیں ملی ہیں اس تحریک کو ان کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ وہ بغور دیکھ رہی ہے کہ آپ کی یہ صلاحیتیں اس کے کام آ رہی ہیں یا نہیں؟ ہو سکتا ہے کہ دنیا کے بازار میں آپ کی ان صلاحیتوں کی زیادہ قیمت ملے اور تحریک ان کی کوئی قیمت نہ ادا کر سکے۔ لیکن محض اس وجہ سے کہ بازار میں ان کی قیمت زیادہ ہے آپ ان کو نیلام نہ چڑھایئے۔ یہ دنیا اور متاعِ دنیا بے حقیقت ہے اور آپ کی صلاحیتیں، یقین مانیے اتنی قیمتی ہیں کہ وہ یہاں کے خزف ریزوں کے عوض نہیں بیچی جا سکتیں۔ یہ یہاں کے لعل و جواہر سے بھی تولی نہیں جا سکتیں، ان کی قیمت کا تو آج آپ اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ اس کی صحیح قیمت اس وقت معلوم ہوگی جبکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا صلہ ملے گا۔ آپ اتنا پائیں گے کہ اس دنیا کی ہر محرومی کا احساس ختم ہو جائے گا اور ہر تمنا پوری ہو جائے گی۔

یہ تحریک کس کی ہے؟ یہ آپ ہی کی ہے آپ اس کے دست و بازو ہیں، آپ مستقبل کے قائد ہیں جن پر اس کے چلانے کی ذمہ داری عائد ہوگی۔ آپ وہ ہیں جن کے حوالہ آئندہ یہ امانت کر دی جائے گی ذرا سوچیے کتنی بڑی ذمہ داری آپ پر آنے والی ہے۔ یاد رکھیے دنیا کا مستقبل اس تحریک سے وابستہ ہے۔ یہ تحریک ہر طرف چھا جانے کے لیے اٹھی ہے اور اللہ نے چاہا تو چھا کر رہے گی۔ دعا ہے کہ اس کا علم ہمارے ہاتھوں میں ہو اور ہمارے ذریعہ یہ کارنامہ انجام پائے۔ آمین۔ ●

(بقیہ صفحہ ۱۰ کا)

کے لئے نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کو زیادہ استعمال کیا جا رہا ہے۔ ہم اسلامی تنظیم طالبات بنا کر یہ ثابت کر دیں کہ ہم صرف معروف کے فروغ کے لئے ہیں اور منکر پھیلانے والی طاقت کے لئے ہم موت کا پیغام ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کے بازوؤں میں طاقت دے، اسلام کا صحیح نمائندہ بنا دے (آمین) ●

تحریک اسلامی اور طالبات تنظیم

نسیم انجم (کلکتہ)

آج میں آپ لوگوں کے سامنے وقت کے ایک اہم موضوع "تحریک اسلامی اور طالبات تنظیم" کے عنوان پہ کچھ کہنا چاہوں گی۔ سب سے پہلے یہ سمجھ لینے کی ضرورت ہے کہ تحریک اسلامی کیا ہے اس سے مراد کیا ہے؟ اس دنیا میں جب سے انسان نے قدم رکھا ہے اور جب جب انسان کے اندر یا اس معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوا ہے اس کی اصلاح کے لئے مختلف نوعیت کی تحریکیں اٹھتی رہی ہیں آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ مختلف نوعیت کی تحریکیں مختلف مقاصد کے لیے سرگرم عمل ہیں زمانہ قدیم میں بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ لیکن اسلام یا حضرت محمدؐ کا پیغام ایک عظیم الشان پیغام ہے یہی وہ پیغام ہے جسے ہر زمانے کے نبی اور رسول بنی نوع انسان تک پہونچاتے رہے ہیں یہ ایک ایسی ہمہ گیر تحریک ہے جو تمام شعبۂ زندگی پہ محیط ہے خواہ وہ سماجی ہو یا سیاسی' معاشرتی ہو یا تمدنی۔ یہ اپنی وسعت اور دوسری خصوصیات کی وجہ سے تمام تحریک سے منفرد و ممتاز ہے ایک طرف یہ انسان کو واقعی نفع و نقصان کا صحیح اور واضح مطلب سمجھاتی ہے تو دوسری طرف اس کی ابدی زندگی سنوارنے کا سلیقہ سکھاتی ہے اور ان تمام الجھنوں سے انسان کو نجات دلاتی ہے جن کو حل کرنے کے لیے وہ کل بھی پریشان تھا' اور آج بھی پریشان ہے مختصر یہ کہ اسلام کو بحیثیت مجموعی غالب کرنے کی سعی وجہد کرنے والی اجتماعیت کا نام تحریک اسلامی ہے اور اس جدوجہد کا مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہے جس کے پیش نظر جزوی اصلاح کا کام نہیں ہے بلکہ وہ مکمل انقلاب کے لئے کام کر رہی ہے جس میں فرد کی تربیت سماج کی تعمیر اور وقت کے اقتدار کی تشکیل اسلامی خطوط پر اور جو تمام باطل نظریات کو جڑ سے اکھیڑنے کی تڑپ اپنے دل میں رکھتی ہے۔ یہ ہے تحریک اسلامی کا اجمالی اور مختصر خاکہ۔ جیسا کہ ہم اور آپ جانتی ہیں کہ یہ تحریک اور تحریکوں کی طرح وقتی اور فانی نہیں اور نہ ہی یہ کوئی بشر کا پیغام ہے بلکہ یہ آفاقی پیغام ہے جو دائمی ہونے کے ساتھ ساتھ غالب ہونے کے لئے آیا ہے یہ پیغام زمانہ قدیم میں اپنی اثر انگیزی سے لوگوں کو متاثر کرتا رہا اور ہر دور میں اس پیغام کی اثر انگیزی ثابت ہوئی ہے فرق صرف یہ ہے کہ اس کی ابتدا پیغمبر علیہم السلام نے کی لیکن اللہ نے اس دین کو حضرت محمدؐ پر مکمل کر دیا لیکن یہ بات غور طلب ہے کہ ایک نبی کے بعد دوسرا نبی پہلے نبی کے مشن کو چلانے کے لئے آتا رہا ہے لیکن اسلام یا دین محمدی کو چلانے کیلئے اب کوئی نبی نہیں آئے گا بلکہ یہ ذمہ داری قرآن نے امت مسلمہ کے سپرد "کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر" کہہ کر کی ہے جس کے مخاطب مرد اور عورت دونوں ہی ہیں دونوں ہی اس دین کے داعی امین اور مبلغ ہیں مگر افسوس ہماری خواتین وطالبات اس طرف سے غافل ہیں وہ یہ ذمہ داری صرف مردوں کی سمجھتی ہیں جیسا کہ کھانے کپڑے کی ذمہ داری مردوں کی ہے۔ یہ عورتوں کی سخت بھول ہے یہ ذمہ داری دونوں پر برابر کی ہے البتہ صلاحیت اور دائرہ کار کے اعتبار سے دونوں کے کام کرنے کے حدود میں فرق ہے اس فرائض کو آپ مختلف روپ میں ادا کر سکتی ہیں نبیؐ نے فرمایا "عورت اپنے شوہر گھر والوں اور اس کی اولاد کی نگراں ہے اس سے اس کے بارے میں پوچھا جائے گا"۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو افراد آپ کے زیر اثر ہیں ان کے حقوق ومفادات کی نگہداشت کی جائے عورت کے یہ فرائض فکر وعمل کی آزادی کا جس حد تک مطالبہ کرتے ہیں شریعت اس حد تک اس کو اپنی صواب دید کے مطابق کام کرنے کی اجازت دیتی ہے۔ خانگی زندگی میں بچے کے سن شعور تک پہونچنے تک اس کی دیکھ ریکھ عورت کے ذمے ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جس دائرہ میں عورت کی خدمات سوسائٹی کے لئے مفید و کارآمد ہوں اسے انفرادی واجتماعی سعی وجہد کی اجازت ہے نبی کریمؐ کے زمانے میں بھی خواتین اپنے مسائل نبیؐ کے سامنے رکھتیں آپ ان کو حل فرماتے۔ ان تمام حقائق سے متعلق جب ہم دین کی اصولی تعلیمات کی طرف رجوع کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ شریعت خواتین کی علیحدہ تنظیم کی مخالفت نہیں کرتی بلکہ اس کی تائید کرتی ہے اگرچہ یہ سچ ہے کہ شریعت عورت کو مرد اور عورت کی مشترکہ تنظیم کی قیادت کا اہل نہیں سمجھتی لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ کسی بھی ذمہ داری کی اہل نہیں۔ بہت سی ایسی ذمہ داریاں ہیں جن کے بارے میں فقہا نے صراحت کی ہے کہ وہ ان کو سونپی جا سکتی ہیں۔

آج حالات کے تحت ہماری ذمہ داریاں بہت زیادہ بڑھ گئی ہیں جیسا کہ آپ جانتی ہیں کہ عورت نصف انسانیت ہے تعداد

[illegible] ادر اوز صادو، اس موقع پر حضرت خضرؓ نے آپ کو تسلی
[illegible] بندھا یا اگر آپ کی رفیقۂ حیات اس وقت تسلی نہ
[illegible] سوچیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسس مشن کو اکیلے کیسے کامیاب کر سکتے
[illegible] ہوا یا اس راہ میں لگا دیا نبیؐ کے ساتھ فاقے کئے۔ مگر تحریک
[illegible] کامیاب بنا کر دم لیا۔ حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہؓ بنت خطاب
[illegible] تو حضرت عمرؓ نے اتنا مارا کہ وہ لہولہان ہو گئیں ان کے
[illegible] پائے ثبات میں لغزش نہ ہوئی۔ اس کے علاوہ ہماری تاریخ
[illegible] اور حضرت اسماءؓ جیسی ہستیوں سے درخشاں ہیں ان سب
[illegible] رکھیں اور موجودہ حالات کو پیش نظر رکھیں تو کیا ہماری
[illegible] جیں بڑھ جاتیں کیا آپ اپنے کئے کا اجر نہ پا لیں گی

[illegible] ہے:-

[illegible] معاشرے کی تعمیر میں عورت مرد سے دوگنا رول ادا کرتی
[illegible] کی تعلیم ایک فرد کی تعلیم ہے ایک عورت کی تعلیم ایک
[illegible] تعلیم ہوتی ہے عورت اپنے گود میں صرف بچہ ہی نہیں پالتی
[illegible] نسل پالتی ہے کیوں کہ وہ بچے کو صرف اپنا قطرۂ شیر ہی نہیں
[illegible] اپنے احساسات و جذبات تک انڈیل دیتی ہے اسی وجہ
[illegible] نے کہا:

"If you give me a good mother,
I give you a good generation."

آج ہمارا معاشرہ جس اخلاقی و روحانی بحران اور انحطاط کا شکار
[illegible] نظروں سے پوشیدہ نہیں آج مغربی تہذیب نے ہمارے
[illegible] گاڑ دیئے ہیں فیشن پرستی، آوارگی، جنسی انارکی، زنا،
[illegible] کا چلن عام ہے آج ہماری عزت و آبرو سے کھیلا
[illegible] بازار ننگے اشتہاروں اور گھٹیا مقاصد کے لیے آزادی
[illegible] استعمال کیا جا رہا ہے آپ کو شرم نہیں آتی آپ کی
[illegible] مرگئی کہ آپ اپنی بہنوں کو ننگا ہونا اور ننگا دیکھنا دکھا
[illegible] آپ مومنہ اور مسلمہ ہیں شرم و حیا آپ کا زیور ہے آپ
[illegible] لیے ایک آہنی دیوار تھیں مگر آہ آپ برائیوں کو مٹانے
[illegible] اس کو برداشت کر رہی ہیں۔ ذرا سوچئے کیا آپ کو برائیاں
[illegible] نفرت نہیں یقیناً ہے تو آیئے عزم کریں کہ اس ماحول کی تاریکی
[illegible] سے بدل دیں ان حالات کے تحت ضرورت اس بات کی
[illegible] منظم و متحد ہو کر ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر اس کے
[illegible] آواز اٹھائیں۔

آج ملک کے گوشے گوشے میں اس طرح کی تحریکیں اور جماعتیں

خواتین کی تنظیم ہے تو پھر طالبات کی تنظیم قائم کرنا گویا ایک
مسجد قائم کرنے کے مترادف نہ ہو گا۔ نہیں بلکہ طالبات کی علیحدہ
تنظیم کی ضرورت شدید ہے کہ طالبات تعلیم یافتہ ہیں تعلیم یافتہ
طبقوں میں کام کرنے کے لیے تعلیم یافتہ ہی موزوں ہیں۔ بالخصوص
طالبات طبقہ میں طالبات تنظیم سے زیادہ مدد مل سکتی ہے۔

پڑھے لکھے نوجوان طبقہ میں کام کرنے کے لیے پڑھے لکھے اور اسی عمر کے
لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے طالبات طالبات کے مسائل کو اچھی طرح
سمجھ سکتی ہیں حل کر سکتی ہیں کیونکہ یہ طبقہ قوم و ملت کا قیمتی طبقہ
ہوتا ہے اس کے پاس سوچنے سمجھنے والا دماغ ہے علم کی روشنی
ہے اور وہ وقت کی باطل طاقتوں نیز اعتراضات کا علم کی روشنی میں
منہ توڑ جواب دے سکتی ہیں۔

آج برائیاں نوجوان طبقے بالخصوص طالبات میں زیادہ ہیں چونکہ
برائیاں اس طبقے میں زیادہ ہیں اس وجہ سے ان کو دور کرنے کے
لئے اسی طبقے کو اٹھنا ہے جب انہیں طالبات کے اندر اس سے
نفرت پیدا ہو گی تو جلد ہی برائیاں ختم ہو جائیں گی۔

آج کی نوجوان طالبات کل ماں اور بیوی کے روپ میں اندرون
خانہ کی ذمہ داریاں سنبھالیں گی اگر ابھی سے ان کا ذہن اسلامی
رہا تو انشاء اللہ آئندہ اس کے اثرات مرتب ہوں گے۔ طالبات
کی زندگی صرف دنیاوی تعلیم کے حصول کی جد و جہد تک محدود ہو کر
نہ رہ جائے بلکہ اس کے پیش نظر اُخروی فلاح ہو تاکہ دونوں جگہ
کامیاب و بامراد ہوں تحریک سے وابستہ ہونے کی صورت میں
انشاء اللہ دونوں چیز کا حصول آسان ہو گا اور اُخروی سعادت کا
ذریعہ بھی بن سکے گا۔ جو مومن کا منتہائے مقصود ہے۔

یہ ہیں وہ باتیں جن کے تحت طالبات تنظیم کے قیام کی اشد
ضرورت ہے آج کے پر فتن دور میں جبکہ اسلامی قوانین پر باطل
مسلسل یلغار کر رہا ہے۔ طالبات اپنے علم کی روشنی میں اس کا مقابلہ
کر سکتی ہیں اور ان کو بھرپور جواب دے کر اسلامی تعلیمات کو واضح
کر سکتی ہیں۔

لیکن آج جب کہ ہر طرف انسان نما شیطان انسانوں کو
گمراہ کرنے کے درپے ہیں طالبات کی تنظیم اس بات کا بھی مطالبہ
کرتی ہے کہ وہ آزاد نہ ہو بلکہ کسی کی سرپرستی میں ہو ان حدود و قیود کا
خیال رکھا جائے جو شریعت نے بتائی ہیں، طالبات تنظیم تو بنا سکتی
ہیں مگر وقت اور حالات کی نزاکت کے تحت ان کو ملحوظ رکھ کر
کام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ آج جب کہ برائیوں کے فروغ

بقیہ صفحہ

سید اسلام الدین مجاہد
ریسرچ اسکالر عثمانیہ یونیورسٹی

پہلی کل ہند کانفرنس

۲۶ر دسمبر سے ۲۸ر دسمبر تک کے ایام سارے ہندوستانی نوجوانوں اور بالخصوص مسلم نوجوانوں کے لیے ایک عرصہ تک یادگار رہیں گے۔ جب کہ اسٹوڈنٹس اسلامک آرگنائزیشن آف انڈیا کے بینر تلے ملک کی مختلف ریاستوں اور مرکزی علاقوں سے ۵۰ ہزار سے زائد طلبا و نوجوان شہر بنگلور کو پہونچے تھے جہاں "اسلام برائے امن، ترقی اور نجات" کے عنوان پر ایس۔ آئی۔ او کی پہلی آل انڈیا کانفرنس منعقد ہو رہی تھی۔ اس کانفرنس میں جہاں ملک کے گوشے گوشے سے ہزاروں کی تعداد میں طلبا و نوجوان قافلوں کی شکل میں شرکت کے لیے آئے تھے بیرون ملک کے وفود مندوبین بھی شامل تھے۔

کانفرنس کا آغاز اگرچہ ۲۵ر دسمبر کو ہی ہو چکا تھا جبکہ مشہور کرکیٹر سید کرمانی نے "ایکسپو ۸۷" نمائش کا افتتاح کیا۔ لیکن منتظمین نے اس تقریب کو کانفرنس کے پروگرام میں شامل نہیں کیا بہرحال ۲۶ر دسمبر کی شاداب صبح کے سورج نے منتظمین کانفرنس کو یہ مژدہ جانفزا سنایا کہ ان کے ارادوں کے مطابق یہ کانفرنس کامیابی سے ہمکنار ہوگی۔ چنانچہ بعد نماز فجر آیات قرآنی کی تلاوت اور اس کی تفسیر سے کانفرنس کا باضابطہ آغاز ہوا۔ علی گڑھ کے علمی اور تحقیقی ادارہ کی ذمہ دار شخصیت مولانا سید جلال الدین صاحب عمری نے اس فریضہ کو انجام دیا۔

کانفرنس کے افتتاحی اجلاس کا آغاز صبح نو بجے ہوا۔ قرأت کلام پاک کے بعد علی گڑھ کے طلبا نے پرجوش انداز میں ایس آئی او کا ترانہ پیش کیا۔ کانفرنس کے چیف آرگنائزر برادر پی۔ بی حمزہ کے خطبہ استقبالیہ کے بعد امیر جماعت اسلامی ہند و سرپرست اعلیٰ ایس آئی او مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی نے اپنا پُر مغز خطبہ افتتاحیہ پیش کرتے ہوئے بعد حمد و ثنا فرمایا کہ امت مسلمہ کا مقصد حیات دین کی اقامت ہے لہٰذا ملت کے نوجوان اپنی صلاحیتوں کو اس جانب مرکوز کر دیں۔ آپ نے نوجوانوں کو کتاب و سنت کو شعار زندگی بنانے اور انسانیت کو صراط مستقیم پر گامزن کرانے پر بھی زور دیا۔ ملک کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ اس وقت سارے ملک میں انتشار و اضطراب کی کیفیت ہے اور یہ صورت حال اسی وقت بدل ہو سکتی ہے جب کہ نوجوان آگے بڑھیں اور تعمیری کام انجام دیں۔ مولانا ندوی نے یکساں سول کوڈ کی بھرپور مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ اس کے نفاذ سے ملک کی صورت حال مزید ابتر ہو جائے گی اور اس کی ذمہ داری حکومت پر عائد ہوگی لہٰذا حکومت کا فریضہ ہے کہ وہ اس معاملے کو غیر معمولی اہمیت دے کر فرقہ پرست طاقتوں کو تقویت نہ پہونچائے۔ آپ نے بین الاقوامی حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ آج دنیا مادی حیثیت سے کافی ترقی کر چکی ہے لیکن اخلاقی اور روحانی اقدار کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ جوہری اسلحہ کی دوڑ نے بھی جنگی حالات پیدا کر دیئے ہیں اور اس بات کا خطرہ ہے کہ کسی بھی لمحہ ساری انسانیت صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر دی جائے گی ایسے حالات میں نوجوان اسلام کے پیغام امن و ترقی اور نجات کو لے کر آگے بڑھیں آپ نے ایس آئی او کی کارکردگی پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ اس تنظیم نے محدود ذرائع و وسائل اور مختلف مشکلات کے باوجود تین سال کے قلیل عرصہ میں ملک و ملت کے لیے جو خدمات انجام دی ہیں وہ قابل قدر ہیں۔

سرپرست اعلیٰ کے افتتاحی خطبہ کے بعد صدر تنظیم برادر محمد اشفاق احمد نے خطبۂ صدارت پیش کرتے ہوئے کہا کہ انسان کی زندگی میں جوانی ہی وہ قیمتی سرمایہ ہوتی ہے جب کہ انسان کے عزائم جوش و جذبے سے معمور ہوتے ہیں لیکن افسوس کہ آج کا نوجوان اپنی صلاحیتوں کو تخریبی کاموں کے لئے استعمال کر رہا ہے۔ موصوف نے اس صورتحال کی یہ وجہ بتائی کہ زندگی کے حقیقی نصب العین سے محروم نظام تعلیم، جہالت، مخرب الاخلاق۔ ٹی وی اور ریڈیو پروگرام اور مرد و زن کے اختلاط پر مشتمل اس معاشرہ نے ان جارحانہ عزائم کو پروان چڑھنے کا موقع دیا۔ انہوں نے کہا کہ ایس آئی او کے قیام کا مقصد یہ ہے کہ نوجوانوں میں دین کا شعور پیدا کیا جائے اور نوجوانوں کو چھوت چھات، فرقہ وارانہ منافرت جیسی لعنتوں سے دور رکھا جائے تاکہ ایک مثالی معاشرہ قائم ہو سکے۔ افتتاحی اجلاس میں جناب برادر سجاد بدر علی جنرل سکریٹری نے تین سالہ رپورٹ پیش کرتے ہوئے بتایا کہ ایس آئی او کا قیام ۱۹۸۲ء میں عمل میں آیا جس کے ارکان کی تعداد ۲۰۷۱ ہے اور ہمدردان ۱۶۷۵۴ ہیں جب کہ چلڈرنس

مرکز کی تعداد ۴۴۲ ہے اور ملک کی مختلف ریاستوں میں اس کی ۲۲۳ شاخیں قائم ہو چکی ہیں اس کانفرنس کا وہ منظر بڑا ہی روح پرور تھا جب کہ ایک لاکھ تیس ہزار مربع فٹ محیط آڈیٹوریم میں ہزار ہا افراد سجدہ ریز ہوئے یہ منظر نماز جمعہ کا تھا، سکریٹری جماعت اسلامی ہند مولانا سراج الحسن صاحب نے اپنے ولولہ انگیز خطبہ جمعہ میں نوجوانوں کو تقویٰ و پرہیزگاری کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ حقیقی کامیابی در اصل آخرت کی کامیابی ہے۔ کانفرنس میں تیسرے سیشن کا آغاز ۲۴ دسمبر کو ہی تھا جس کو "تناظر سیشن" کا نام دیا گیا اس اجلاس میں مختلف ممالک کی اسلامی طلبا تنظیموں نے شرکت کی جن میں قابل ذکر بنگلہ دیش، نیپال، امریکہ، برطانیہ اور کینیا وغیرہ تھے۔ اس اجلاس میں جس شخصیت نے مجمع کو متاثر کیا وہ جناب یوسف الاسلام (لندن) تھے جو قبول اسلام سے پہلے مشہور پاپ سنگر تھے۔ اس اجلاس کو ان کے علاوہ جناب نعیم نوشاد (نیپال) جناب محمد ابراہیم (کینیا) وغیرہ نے مخاطب کیا۔ جناب محمد جعفر سابق صدر ایس آئی او نے صدارت کی۔ رات دس بجے مشاعرہ تھا جس کی صدارت جناب حفیظ میرٹھی نے کی اس موقع پر موصوف کے مجموعہ کلام کی رسم اجرا جناب محمد افضل حسین قیم جماعت نے کی، جناب ریاض تنہا نظام آبادی نے نظامت کے فرائض انجام دیئے دوسرے دن کی کارروائی کا آغاز بعد نماز فجر برادر مسعود حسین فلاحی صدر ایس آئی او یو پی کے درس حدیث سے ہوا۔ صبح نو بجے کانفرنس کا اہم اجلاس کانفرنس کے مرکزی موضوع "اسلام برائے امن، ترقی و نجات" پر منعقد ہوا جس میں مولانا انعام الرحمٰن خاں امیر حلقہ مدھیہ پردیش جناب سید یوسف سکریٹری جماعت اسلامی ہند اور مولانا محمد فاروق خاں صدر ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی علی گڑھ نے حصہ لیا۔ مولانا محمد سراج الحسن صاحب نے صدارت فرمائی۔ مولانا انعام الرحمٰن خاں صاحب نے اسلام برائے امن، کے عنوان پر مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ حقیقی امن اسی وقت قائم ہو سکتا ہے جب کہ ہم بلا تفریق مذہب و ملت تمام انسانوں کو نفع پہونچانے کے لئے آگے بڑھیں انہوں نے کہا کہ اسلام ابتدا ہی سے امن و آشتی کا نقیب ہے اور اسی پر عمل کر کے انسانیت کو امن سے ہمکنار کرایا جا سکتا ہے۔ جناب سید یوسف نے اسلام برائے ترقی کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے کہا کہ آج دنیا ہر لحاظ سے مادی ترقی کر چکی ہے لیکن اس کے باوجود سکون و اطمینان کا خاتمہ ہو چکا ہے انہوں نے مزید کہا کہ آج کی ترقی سے انسانیت کو نقصان پہونچا ہے جب کہ قرون اولیٰ میں انسانیت کی فلاح و بہبود کے مختلف کام کئے جاتے تھے۔ مولانا فاروق خاں صاحب نے اسلام برائے نجات کے عنوان پر کہا کہ انسانیت کی نجات آخرت میں صرف تقویٰ و پرہیزگاری کے ذریعہ ممکن ہے۔ اسی دن دوپہر میں بچوں کا پروگرام رکھا گیا جس میں اندھرا پردیش اور کیرالہ کے کمسن طلبا نے بڑے ہی دلچسپ انداز میں ڈرامے وغیرہ پیش کئے۔ شام میں "ہمارے خوابوں کا ہندوستان" کے عنوان پر فکر انگیز سمپوزیم کا افتتاح کرتے ہوئے ملک کے ممتاز نقاد و دانشور جناب سید شہاب الدین ایم۔ پی نے کہا کہ جد وجہد آزادی کے دوران ہمارا یہ خواب تھا کہ ملک کی آزادی کے بعد تمام طبقوں کے ساتھ انصاف و مساوات کا رویہ اختیار کیا جائے گا لیکن آزادی کے چار دہوں کے بعد بھی یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا انہوں نے کہا کہ ملک سے دہشت گردی کا خاتمہ، تشدد، جہالت اور غربت سے دوری ہر ہندوستانی کا خواب ہے جسے پورا کئے بغیر ملکی ترقی ناممکن ہے انہوں نے مزید کہا کہ ہندوستان کو نہ "مسلم اسٹیٹ بنایا جا سکتا ہے اور نہ ہی ہندو اسٹیٹ" بلکہ ضرورت ہے کہ سیکولر بنیادوں پر تمام شہریوں کی بنیادی ضرورتوں کو پورا کیا جائے۔ اکھل بھارتیہ ودیارتھی پریشد کے نمائندے مسٹر شیام سندر نے کہا کہ باہمی اخوت اور کام کی لگن کو پیدا کر کے ہی فرقہ وارانہ ہم آہنگی ملک میں پیدا کی جا سکتی ہے۔ ایس آئی ایم کے نمائندے نے اسلامی حکومت کے قیام کے ذریعہ ہی ہندوستان کی ترقی کو ممکن قرار دیا جب کہ کیمونسٹ پارٹی کے مقرر نے کیمونزم کی بھرپور تائید کرتے ہوئے ہندوستان میں اس کو رائج کرنے پر زور دیا۔ ایس آئی او کے نمائندے نے بھی اسلامی طرز حکومت پر زور دیا یہ اجلاس بڑا ہی آزمائشی تھا کیوں کہ پروگرام کے دوران ہی دھواں دھار بارش شروع ہو گئی لیکن سامعین نے بھیگتے ہوئے بھی کارروائی کو سنا اور ڈسپلن کا بھرپور مظاہرہ کیا جس کا اعتراف تمام ہی افراد نے کیا۔ اسی دن رات میں کلچرل پروگرام تھا لیکن مسلسل بارش کی وجہ سے منسوخ کر دیا گیا۔ بارش کی وجہ سے یہ گمان تھا کہ اگلے روز کی کارروائی نہیں ہو گی لیکن خدا کے فضل سے کانفرنس کے آخری دن صورت حال معمول پر آ گئی چنانچہ دوسرے روز صبح میں "مبنی بر اقدار تعلیم اور سماجی ترقی" کے عنوان پر سمپوزیم جناب اعجاز احمد اسلم امیر حلقہ تمل ناڈو کے زیر صدارت منعقد ہوا جس میں دیگر مقررین کے علاوہ جناب ایس۔ ایم اقبال ایس آئی او نے بھی حصہ لیا۔ ڈاکٹر شنکر نارائن وائس چانسلر بنگلور یونیورسٹی نے کہا کہ اخلاقیات کی عدم شمولیت نے تعلیم کے مقصد کو فوت کر کے رکھ دیا۔ ڈاکٹر احمد سجاد ریڈر رانچی یونیورسٹی نے کہا کہ موجودہ تعلیمی نظام بجائے صلاحیت اور روزگار دینے کے صرف ڈگریاں عطا کر رہا ہے۔ جناب سید شہاب الدین ایم پی نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ دستور کے دفعہ ۳۰ کو بعض فرقہ پرست طاقتوں کے دباؤ میں آ کر کالعدم نہ کر دے انہوں نے کہا کہ دستور کے تحت اقلیتوں کو اس بات کی

ضمانت دی گئی ہے کہ وہ نہ صرف اپنے ادارے قائم کر سکتے ہیں بلکہ انھیں چلا بھی سکتے ہیں۔ موصوف نے اقلیتی اداروں کے ذمہ داروں کو بھی مشورہ دیا کہ وہ اپنے اداروں کو تجارتی مقاصد یا ذاتی منفعت کے لیے نہ چلائیں بلکہ اس کے معیار کو بلند کرنے کی فکر کریں تاکہ اقلیتی اداروں میں تعلیم پانے والے طلبا، دوسروں کے مقابلے میں پیچھے نہ رہ جائیں۔ جناب اعجاز احمد اسلم نے اپنی صدارتی خطاب میں بتایا کہ آزادی کے ۳۸ سال گذر جانے کے باوجود ملک میں صرف ۳۶ فی صد افراد تعلیم یافتہ ہیں انہوں نے کہا کہ تعلیم بھی جو دی جا رہی ہے وہ طلبا کو بجائے تعمیری کاموں کے تخریب کے رجحان پر ڈال رہی ہے۔ چنانچہ تاریخ کی کتابوں کے ذریعہ نفرت و حقارت کے جذبات مختلف فرقوں کے درمیان پھیلائے جا رہے ہیں جس کا نتیجہ فسادات کی شکل میں سامنے آ رہا ہے انھوں نے کہا کہ مذہبی تعلیم کے فقدان سے طلبا میں احساس ذمہ داری کا جذبہ کم ہوتا جا رہا ہے اور وہ غیر تعلیم یافتہ افراد کے مقابلے جرائم کے زیادہ مرتکب ہو رہے ہیں۔ چنانچہ انڈین کونسل آف میڈیکل ریسرچ کے بموجب نشیلی ادویات کا استعمال زیادہ تر کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ہے۔

کانفرنس کا ایک اہم اجلاس "ملت کے مسائل اور ان کے حل" کے عنوان پر بھی منعقد کیا گیا، جناب ابراہیم سلیمان سیٹھ رکن پارلیمنٹ و صدر انڈین یونین مسلم لیگ نے اس اجلاس کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایا کہ اُمت مسلمہ ایک آفاقی ملت ہے جو زبان، رنگ و نسل اور جغرافیائی حدود کی پابند نہیں۔ انہوں نے کہا کہ مسلمان خیر امت کے منصب پر فائز ہیں اس لیے ہمارا فریضہ ہے کہ ہم انسانیت کو راہ نجات دکھائیں انھوں نے مزید کہا کہ آج منظم سازش کے تحت ہمارے تشخص کو ختم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ آپ نے یکساں سول کوڈ کو ایک فتنہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ "مسلمان اللہ کے قانون کے سوا کسی پارلیمنٹ یا حکومت کا قانون قبول نہیں کریں گے"۔ ڈاکٹر طاہر محمود ڈین فیکلٹی آف لا، دہلی یونیورسٹی نے "دستور ہند اور ہندوستانی مسلمان" کے موضوع پر اپنے بصیرت افروز مقالہ میں کہا کہ دستور میں جو بنیادی حقوق دیئے گئے ہیں ان میں مسلمان برابر کا شریک ہے اور اسے اس حق سے کوئی محروم نہیں کر سکتا۔ ڈاکٹر محمود نے کہا کہ مسلمانوں کو یہ حق برابر حاصل ہے کہ وہ اپنے مذہب کی تبلیغ کریں کیوں کہ اس ملک میں مذہبی آزادی بھی حاصل ہے۔ انھوں نے زور دے کر کہا کہ آئین میں شہریوں کے لیے بیان کردہ حقوق و فرائض اسلامی تعلیمات کی دین ہے۔ جناب ابراہیم خلیل اللہ خاں چیرمین کرناٹک اقلیتی ترقیاتی کارپوریشن نے مسلمانوں کے معاشی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے کہا کہ تعلیمی میدان میں مسلمانوں کی پستی دراصل معاشی بدحالی کا نتیجہ ہے انھوں نے کہا کہ تعلیم کو حاصل کر کے ہی ہم صنعتی اور معاشی محاذ پر کامیاب ہو سکتے ہیں۔ رکن پارلیمنٹ جناب عزیز سیٹھ نے "ملت کا اتحاد" کے عنوان پر مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ہم فروعی اختلافات کو ختم کر کے متحد ہو جائیں انھوں نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ مسجدوں کی طرح کا اتحاد زندگی کے ہر میدان میں پیدا کریں۔ روزنامہ "پاسبان" بنگلور کے ایڈیٹر جناب محمد اسماعیل تابش نے مسلمانوں کے تعلیمی مسائل پر گفتگو کرتے ہوئے نوجوانوں کو حقیقی زیور تعلیم سے آراستہ ہونے کا مشورہ دیا۔ مولانا محمد شفیع مونس سکریٹری جماعت اسلامی ہند نے اپنے صدارتی خطاب میں فرمایا کہ امت مسلمہ کے تشخص کا مسئلہ آج بے حد سنگین ہے اور ہماری اولین توجہ کا مستحق ہے آپ نے مشورہ دیا کہ ملت اسلامیہ اپنی بنیاد توحید، رسالت اور آخرت کے اصولوں پر منظم کر لے اور اسی کے ذریعہ ہمارے بے شمار مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

کانفرنس کا اختتامی اجلاس "خطاب عام" تھا جس کی صدارت برادر محمد اشفاق احمد صدر تنظیم نے کی اختتامی خطاب میں مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی نے نوجوانوں کو مفید مشورے دیئے اس اجلاس کو برادر ملا لیاقت احمد، جناب ابراہیم سعید، جناب محمود خاں، جناب او۔ عبد الرحمان، جناب یوسف الاسلام (لندن) کے علاوہ مولانا عبد الرحیم امیر حلقہ آندھرا پردیش نے مخاطب کیا۔ برادر پی۔ سی حمزہ چیف آرگنائزر کے شکریے کے بعد مختلف قرار دادیں پیش کی گئی جس میں یکساں سول کوڈ کی مخالفت، اقلیتوں کو تعلیمی ادارے قائم کرنے اجازت، فرقہ پرستی کی روک تھام تعلیمی اداروں میں اخلاقیات اور مذہبی تعلیم کی سہولت کے علاوہ مسلم پرسنل لا بورڈ پر مکمل اعتماد کا اظہار وغیرہ تھا۔ ان قرار دادوں میں مسلمانوں کو بھی مشورہ دیا گیا کہ وہ شریعت پر عمل پیرا ہو جائیں اور اس کی جامعیت سے غیر مسلموں کو بھی واقف کرائیں۔ قرار دادوں کی منظوری کے بعد محترم مولانا محمد سراج الحسن صاحب قائم مقام امیر جماعت اسلامی ہند کی رقت آمیز دعا کے بعد طلبا و نوجوانوں کی یہ عظیم کانفرنس ایک نئے عزم اور ارادوں کے ساتھ رات گیارہ بجے اختتام پذیر ہوئی۔

اس کانفرنس میں مندوبین کی سب سے زیادہ تعداد ریاست کیرالا سے رہی جہاں سے تقریباً ۱۴ ہزار طلبا و نوجوانوں نے شرکت کی جب کہ آندھرا پردیش اور مہاراشٹرا علی الترتیب دوسرے اور تیسرے نمبر پر ہے اس کانفرنس کی یہ بھی ایک خصوصیت تھی کہ اس موقعہ پر برادر عبد الرقیب نے نکہت سلطانہ سے شرعی بنیادوں پر نکاح کی سنت ادا کی، مولانا محمد یوسف اصلاحی مدیر "ذکریٰ" نے نکاح کی محفل سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ جہیز کی لعنت کی وجہ سے ہزاروں لڑکیاں شادی کے انتظار میں اپنی عمر گذار دے رہی ہیں انھوں نے مسلم نوجوانوں کو مشورہ دیا کہ وہ لین دین کے مطالبات سے گریز کرتے ہوئے اس سنت کو ادا کریں۔ کانفرنس کی کامیابی کے لیے ریاست کرناٹک کی صحافت بالخصوص اُردو اخبارات روزنامہ "سالار" اور روزنامہ "پاسبان" بنگلور کا بھرپور تعاون حاصل رہا ان دو اخبارات نے ہر اجلاس کی کارروائی کو نمایاں انداز میں شائع کیا اور نوجوانوں کی ہمت افزائی کرتے ہوئے اپنے اداریوں کے ذریعہ بھرپور ستائش کی۔

نبی اور کتاب پر ایمان لانے کی ضرورت

عرفان احمد اعظمی
جامعہ اسلامیہ، نیوتنی، ضلع اناؤ

خدا کا شکر ہے کہ ہم مسلمان ہیں اور ہم نے اسلام کو شعوری طور پر سمجھا ہے اسی لیے تو ہم اللہ پر اس کی صفتوں کے ساتھ۔ ملائکہ پر، کتابوں پر، رسولوں پر، آخرت کے دن پر اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے پر مکمل ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن اس حیثیت سے بھی ہمارا مطمئن ہونا ضروری ہے کہ آخر ہم ان سب پر ایمان کیوں لائے ہیں؟ آخر اس کی ضرورت کیا ہے؟ ضرورت ہے بھی یا نہیں؟ ظاہر ہے ان سارے سوالوں کے جواب کے لیے کئی صفحات درکار ہوں گے لہٰذا اس مختصر مقالے میں صرف نبیؐ اور کتاب پر ایمان لانے کی ہی اہمیت و ضرورت پر روشنی ڈالنا مناسب ہے۔

اللہ پر جب ہم ایمان لاتے ہیں تو ہمارے ذہنوں میں اللہ کی ذات اپنی صفات کے ساتھ ابھر کر آجاتی ہے اور پھر ہم یہ مان لیتے ہیں کہ وہی خالقِ کائنات ہے اور دنیا کی ساری چیزیں صرف انسانوں کی ضرورت کے لیے پیدا کی ہیں تو پھر یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ جس اللہ نے انسانوں کے آرام و آسائش کے لیے اس قدر انتظام کیا ہو وہ بھلا ان کو یوں ہی زندگی گذارنے کے لیے چھوڑ دے گا یہ ممکن نہیں ہے۔ یقیناً اس نے کوئی ایسا مناسب انتظام کیا ہوگا جس سے انسانوں کو اللہ کی مرضی معلوم ہوسکے اور زندگی گذارنے کے لیے خطوطِ کار متعین ہوسکیں۔ ظاہر ہے اس کے لیے مناسب ترین کوئی انسان ہی ہوسکتا ہے۔ جو اعلیٰ صفات سے متصف ہو اور اللہ کے زیرِ تربیت ہو جو عوام الناس کے سامنے بطور آئیڈیل ہو۔ اسی شخص کو اللہ کا پیغامبر یا رسول کہا جاتا ہے جس پر ایمان لائے بغیر کوئی چارہ نہیں کیونکہ اگر ہم ایمان نہیں لاتے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہم اندھیرے میں بھٹکتے پھریں اور بندگی کا جو تقاضہ ہے اسے انجام نہ دے سکیں۔ ہماری دنیا و آخرت برباد ہو جائے۔ نسلِ انسانیت کے لیے ہم زہرِ ہلاہل ثابت ہوں حتیٰ کہ ہماری ذات موجب فتنہ و فساد بن جائے۔

اس کے باوجود کوئی یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ کیا ضروری ہے کہ کتاب و پیغمبر پر ایمان لایا ہی جائے۔ کیوں کہ بغیر ایمان لائے بھی اس کا امکان ہے کہ ہم صراطِ مستقیم پالیں لیکن شاید اسے نہیں معلوم کہ یہ انکارِ رسالت و کتاب اس کے کسی دماغی فتور کے سبب سے ہے اور یہ فتور اس کے دل میں تکبر یا ناقص عقل یا باپ دادا کی اندھی تقلید کے سبب ہوسکتا ہے اور ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں اس کا یہ دعویٰ کہ ممکن ہے انسان اپنی سوجھ بوجھ سے وہ راستہ تلاش کرلے جو اللہ کو پسند ہے۔ حماقت پر مبنی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب اللہ نے واضح اور دو ٹوک انداز میں یہ بات فرمادی ہے کہ رسولوں کے ذریعہ ہم نے ہدایت اور زندگی گذارنے کا صحیح راستہ بھیجا ہے تو اس راستے کو چھوڑ کر کہیں اور دینِ حق تلاش کرنا وقت کا زیاں اور حماقت نہیں ہے تو پھر کیا ہے؟ سورہ الفتح میں فرمایا گیا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ
لِیُظْهِرَہٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ۝

"وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق دیکر بھیجا تاکہ آپ اسے تمام طریقوں اور دینوں پر غالب کردیں اور اللہ تعالیٰ گواہی و شہادت کے لیے تنہا کافی ہے۔

اس آیت کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ تمام انبیائے کرام دینِ حق کی تعلیم لے کر آئے تھے لوگوں نے ان کی اصل تعلیمات کو یا تو بھلا دیا یا من مانی تبدیلیاں کر ڈالیں۔ آخری رسولؐ کے ذریعہ جس دین کو اللہ نے نوعِ انسانی کے لیے بھیجا وہی اصل شکل میں موجود ہے اور تا قیامت اپنی اسی اصل شکل میں موجود رہے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے کتاب و رسولؐ کے ذریعہ ہماری زندگیوں میں وہ زبردست انقلاب بپا کیا جس کا اندازہ آپ تاریخ کے اوراق سے لگا سکتے ہیں۔ آج سے ساڑھے چودہ سو سال کے معاشرہ پر ایک سرسری نظر ڈال لیجیے یہی تو انسان تھا جو بات بات پر برسوں لڑا کرتا تھا۔ شراب جس کی گھٹی میں پڑی تھی۔ بے حیائی اور عریانیت عام تھی یتیموں اور بیواؤں کا حق مارا جاتا تھا۔ بچیوں کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ یہ ایمان بالرسالت ہی کی دین تو تھی کہ اس طرح کا پلٹ ہوئی کہ لڑائی اور جھگڑے کی جگہ اخوت و محبت نے جنم لیا۔ شراب گلیوں میں بہا دی گئی۔ پڑوسیوں، یتیموں اور بیواؤں کا حق پہچانا جانے لگا۔ بچیوں کی پرورش اور ان کی تعلیم و تربیت دینی فریضہ بن گئی مختصر یہ کہ ایسا معاشرہ وجود میں آیا جس کی مثال آج تک تاریخ انسانی پیش کرنے سے قاصر ہے۔

لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولاً

درحقیقت اہل ایمان پر تو اللہ نے بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہیں میں سے ایک ایسا پیغمبر اٹھایا جو اس کی آیات انہیں سناتا ہے اور ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور ان کو کتاب و دانائی کی تعلیم دیتا ہے، حالانکہ اس سے پہلے یہی لوگ صریح گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے۔

سورہ الصف میں فرمایا گیا ہے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو میں بتاؤں وہ تجارت جو تم کو عذاب الیم سے بچا دے، ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے یہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو۔

حضور کا ارشاد ہے۔

ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بہما کتاب اللہ وسنۃ رسولہ

[illegible] کی زندگی [illegible] کہ گمراہی اور عذاب الیم سے بچنے، امن و سلامتی کا راستہ پانے آخرت کی کامیابی سے ہمکنار ہونے کا یہی واحد راستہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی مانا جائے اور قرآن مجید کو آخری کتاب اور اس پر ایمان کے جو تقاضے ہیں پورا کیا کہ اسی میں نسل انسانیت کی فلاح و کامیابی مضمر ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو شعور ایمان کی توفیق دے۔ آمین'

بقیہ صفحہ ۲۹ کا

مقررین نے دلیلوں سے ثابت کیا کہ مذہب اور سیاست کا ایک دوسرے گہرا تعلق ہے۔ اور بغیر مذہب کے سیاست ناممکن ہے۔ سیاست اور مذہب ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہیں۔ نشاۃ ثانیہ سے پہلے جتنی طرح کی حکومتیں قائم رہیں۔ سبھوں نے حکومت چلانے کے لئے مذہب کا ہی سہارا لیا۔ مذہب ہی اجتماعی زندگی کے اصول و ضوابط بتاتا ہے جس کی عملی شکل سیاست ہے۔ اسکے بعد صدر یونٹ نے اختتامی گفتگو فرمائی اور نصیحت کی کہ ہمارے لئے صرف اسی میں ہے کہ قرآن و حدیث پر مضبوطی سے عمل پیرا ہوں اور جو بھی کام ہو پیش نظر آخرت ہی رہے۔

اسکے بعد دعا پر ہمارا یہ تربیتی اجتماع اختتام پذیر ہوا اسکے ساتھ ہی تحریک کے شاہین صفت نوجوان ایک نئے ولولہ اور نئے جوش کے ساتھ اپنے اپنے گھر واپس ہوئے۔

قارئین کرام سے چند باتیں :

○ "رفیق منزل" کا پہلا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ پرچہ آپ کو کیسا لگا اس سلسلے میں ہمیں اپنی رائے سے آگاہ کریں۔

○ آئندہ ہم کئی نئے کالم شروع کریں گے۔ مثلاً عالم اسلام، حالات حاضرہ، ایجوکیشنل گائیڈنس، کھیل کھلاڑی، سوال و جواب، کارٹون، بچوں کا صفحہ، بہنوں کے لئے وغیرہ۔ آپ اپنے لئے ان میں سے کوئی ایک یا اس سے زائد کالم پسند کرلیں اور ان پر اپنے مضامین ہمیں روانہ فرمائیں۔

○ تحریکی سرگرمیوں کی رپورٹیں اگر EXACT میں بھی شائع کرانے کے خواہش مند ہوں تو رپورٹ کی دو نقلیں روانہ فرمائیں۔

(ادارہ)

کنفیوژن

شمیم احمد مدنی
آزاد نگر جمشید پور

ہو گیا مسجد میں اک دن ایک ہنگامہ بپا
مضطرب تھے مقتدی سب تھا پریشاں مقتدا

تھی نماز شب عشاء کا وقت رکعت چار تھیں
پڑھ تو لی تھیں سب نے گرچہ پڑھنا سب پہ بار تھیں

تھا یہ کنفیوژن ادا کیں تین رکعت یا کہ چار
مسئلہ تھا اک یہی جو اٹھ رہا تھا بار بار

اک طرف کچھ لوگ بیٹھے رٹ رہے تھے تین تین
چار رکعت کی بجائے تھے ادھر کچھ لوگ تین

مسئلہ ٹیڑھا تھا حل ہوتا نظر آتا نہ تھا
اور مسجد پر عجب ٹنشن کی طاری تھی فضا

ہو رہی تھی خوب گرما گرم بحث تین و چار
ایسا لگتا تھا کہ مسجد میں ہو جائے گی مار

دفعتاً اس بھیڑ سے آواز اک ابھری کہ ہاں
بند کیجئے شور و شر موقوف کیجئے ایں و آں

گھر ہے یہ اللہ کا کچھ آپ رکھیں اس کی لاج
تین ہی رکعت پڑھائیں مولوی صاحب آج

یہ سنا تو لوگ سارے جا کے اس سے بھڑ گئے
پیش امام و مقتدی سب اس کے پیچھے پڑ گئے

ایک نے پوچھا کہ تم ہو کون؟ رہتے ہو کہاں
کیا دلیلیں ہیں تمہاری ہے حقیقت یا گماں

بولا کلو نام ہے اور عرف ہے تجیدی میاں
ہے تجارت میرا پیشہ بیچتا ہوں سبزیاں

بات کرتا ہوں میں کچی پاس رکھتا ہوں دلیل
جھوٹ اور مسجد میں بولوں میں نہیں اتنا ذلیل

میں عشاء میں روز کرتا ہوں دونوں کا حساب
ٹھیک ہیں میری نظر میں سب ہی کھاتے کتاب

آج چونکہ کر سکا ہوں تین چوتھائی حساب
ہے یقیں مجھ کو ہوئی ہیں تین ہی رکعت جناب

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ
(التوبہ ۱۲۸)

تمہارے پاس تمہارے اپنے ہی اندر سے ایک رسول آیا ہوا ہے، تمہارا دکھ درد اس پر شاق ہوتا ہے، تمہاری بھلائی کا وہ حریص ہے اور مومنین کے لئے رؤف و رحیم ہے۔

مولانا ابوسلیم محمد عبدالحی علیہ الرحمۃ

محمود عالم
مدیر رفیق

تحریک اسلامی کے صف اول کے قائد اور اس کے ایک رکن اور مشہور مصنف ماہنامہ الحسنات، نور، بتول، ہادی اور ہلال کے بانی مدیر مولانا ابوسلیم محمد عبدالحی ۱۲ جولائی (جمعرات) کو شب میں اپنے خالق و مالک سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

انہیں مرحوم لکھتے ہوئے کلیجہ شق ہوتا ہے۔ ایسی شخصیتیں اب کہاں ملیں گی۔ شفیق، مہرباں اور سینے سے لگا کر پیار کرنے والے دل بھی خیرخواہی کے جذبے سے معمور زباں پہ حوصلہ افزا شیریں کلمات کی حلاوت آج یہ نالائق اگر کسی لائق ہے تو انھیں کا رہین منت ہے۔

چند ماہ پیشتر برادرم تقی ساحل تسلیمی کا خط موصول ہوا تھا جس میں لکھا تھا کہ "اباجان" کی طبیعت ناساز ہے صحت کے لئے دعا کیجیے گا۔ ان کے دفتر کے تمام کارکن، سوائے اس نالائق کے انھیں "اباجان" کہا کرتے تھے۔ احترام کا جذبہ دل میں ہونا کافی ہے زبان سے کچھ کہنے کا مطلب خوشامد اور چاپلوسی نہ سمجھ لیا جائے محض اس خیال سے ہمیشہ اس لفظ کے استعمال سے پرہیز رہا۔ لیکن آج جب وہ اس دنیا میں نہیں ہیں تو واقعتاً احساس ہوتا ہے کہ جیسے "اباجان" کا سایہ آج ہی سر سے اٹھا ہے۔ یہ نالائق اپنی کم عمری میں تحریک اسلامی سے متاثر ہوا۔ سر میں یہ سودا سمایا کہ سرکاری ملازمت نہیں کروں گا۔ مکتبہ الحسنات سے بچوں کا ماہنامہ "نور" شائع ہوتا ہے۔ مائل چچا اس کے مدیر تھے لیکن ۱۹۷۰ء میں وہ اس سے علیحدہ ہو گئے۔ اسسٹنٹ ایڈیٹر کی ضرورت کا اشتہار شائع ہوا اور میں نے درخواست دے دی۔ پتہ نہیں مرحوم کو میری درخواست میں کیا کچھ نظر آیا کہ مجھ سے زیادہ اعلیٰ تعلیم یافتہ امیدواروں کو نظر انداز کر کے میری تقرری فرمائی اور اٹھارہ سالہ نوجوان جس نے کل تک کوئی مضمون، کہانی یا نظم نہ لکھی ہو اسے "نور" کے ایڈیٹر کی کرسی پر بٹھا دیا ــــ ان کے بعض احباب نے سخت مخالفت کی۔ بھائی کو ایڈیٹر بنا رہے ہو یہ لوگ تو صحیح زبان تک بولنا نہیں جانتے ــــ لیکن انہوں نے اس کی ذرا بھی پروا نہیں کی ــــ

جولائی ۱۹۷۰ء سے فروری ۱۹۷۲ء تک میرا رامپور میں قیام رہا۔ اس مدت میں ان کی شفقتیں، محبتیں اور عنایتیں اتنی زیادہ رہیں کہ انھیں شمار نہیں کر سکتا۔ ان کی شفقتوں کے مقابلے میں اکثر میں ان کی ذات پر دوبدو سب کے سامنے تنقید کیا کرتا تھا اور وہ میری ناخوشگوار باتوں کے جواب میں صرف مسکرا دیا کرتے تھے۔ ایک ایسی دلنواز مسکراہٹ جو ساری کڑواہٹ کو ختم کر دے۔ ان کی شخصیت نہایت پرکشش تھی چہرے پر نور ہی نور تھا۔ جو لوگ دن رات ان کے خلاف زہر افشانی کرتے ان کے لیے بھی وہ دعائیں کرتے تھے۔

مکتبہ الحسنات سے وابستہ کسی کارکن کو وہ اپنا ملازم نہیں تصور کرتے تھے۔ اپنا ساتھی اور دوست سمجھتے تھے اور برابری کے درجہ پر رکھ کر بات کرتے تھے۔ معمولی چپراسی کو اپنے سامنے بٹھا کر چائے پلاتے اور بڑا احترام کرتے تھے۔

جب تک ادارہ الحسنات کی باگ ڈور ان کے ہاتھوں میں رہی وہ اسلام کی اشاعت کا ایک ایسا مرکز تھا جہاں سے مصنفین کتابیں شائع کرانا اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتے تھے۔ کتابوں کی قیمت متعین کرتے وقت کم سے کم قیمت رکھنا پسند کرتے تھے۔ لوگوں کو مالی اعانت اور قرضے دیا کرتے تھے۔ علی الاعلان بھی اور اس طرح بھی کہ اگر دائیں ہاتھ سے دیں تو بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو۔ اگر کوئی قرض دینے میں ٹال مٹول کرتا تو اسے معاف کر دیتے اور اپنے بڑے صاحبزادے سے کہتے "اسے فی سبیل اللہ میں ڈال دو" ــــ میں ان کے اس رویہ پر احتجاج کرتا تو وہ مسکرا کر رہ جاتے۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ اس فقرے کا کیا مفہوم رکھتے تھے۔ لیکن مجھے اچھی طرح یاد ہے ہر سال وہ مقروض لوگوں کو قرض سے نجات دلاتے تھے۔ اس زمانے میں "بلا سودی سوسائٹی" کا قیام عمل میں نہیں آیا تھا لیکن مولانا عبدالحیؒ صاحب اپنے ذاتی سرمایہ سے یہ اہم خدمات انجام دیتے تھے۔ لوگوں کو آسان قسطوں میں ادا کرنے کی سہولت کے ساتھ قرض دیا کرتے تھے۔ رفاہی کاموں میں وہ خود بھی

خرچ کرتے تھے اور رامپور کے خوشحال تاجروں کو بھی اس کی طرف توجہ دلاتے رہتے تھے۔ مشہور تاجر امجد میاں صاحب اور فیاض صاحب اور دیگر سرمایہ داروں سے اللہ کی راہ میں خوب خرچ کرواتے تھے۔ ان کی زبان میں تاثیر تھی تبھی تو لوگ ان کی ذرا سی توجہ دلانے پر لاکھوں روپے خرچ کرنے کے لیے تیار ہو جاتے تھے۔ بچیوں کا مدرسہ جو اب جامعۃ الصالحات کے نام سے مشہور ہے عبدالحئی صاحب اس کے روح رواں تھے۔ بچیوں میں اعلیٰ دینی تعلیم کی تحریک، عالمہ فاضلہ بنانے کا منصوبہ ان کے زرخیز ذہن کا نتیجہ ہے وہ مدتوں جماعت اسلامی کی مرکزی شوریٰ کے رکن رہے۔ قرآن پاک کو تمام علاقائی زبان میں ترجمہ کرانے کا منصوبہ اول اول انہوں نے پیش فرمایا تھا اور اس کے لیے جنوبی ہند کا دورہ فرمایا تھا اور ہر جگہ جا کر فنڈ فراہم کیا تھا۔

معاملات، سیرت و کردار کی اصل کسوٹی ہے۔ اس پہلو سے بھی وہ ایک بلند سیرت و کردار کے حامل تھے ممکن ہے ادارہ الحسنات سے کچھ لوگوں کو شکایت ہو لیکن جہاں تک مولانا عبدالحئی صاحب کی سیرت و کردار کا تعلق ہے مجھے ہر شخص ان کا مداح نظر آیا۔

ادارہ الحسنات کے کارکنوں کو وہ اپنا رفیق کار سمجھتے تھے۔ ہر جمعرات کو کارکنوں کا اجتماع کرتے خود درس قرآن دیتے، نہایت دلسوزی کے ساتھ نماز کی تلقین فرماتے دفتر کے اوقات میں ظہر اور عصر کی نمازوں میں تمام کارکنوں کو اپنے ساتھ مسجد لے جاتے۔ بہت سے کارکن جو تحریک اسلامی سے وابستہ نہیں تھے اسے بھی ایک ڈیوٹی سمجھ کر نماز ادا کر لیتے تھے۔ دفتر کے کسی کارکن سے کبھی یہ نہیں پوچھتے کہ سپرد کردہ کام کیوں نہیں ہوا؟ ہمیشہ یہ دریافت فرماتے "آپ کو کوئی دشواری تو نہیں پیش آ رہی ہے"؟

دوران قیام کا ایک واقعہ اب تک یاد ہے جس سے ان کی عظمت کے نقوش دل پر ہمیشہ کے لیے ثبت ہو گئے ـــــ مکتبہ الحسنات میں ایک لڑکا کام کرتا تھا کتب و رسائل کے پیکٹ باندھا کرتا غریب ناخواندہ تھا اور کم عمری ہی میں اس کی شادی ہو چکی تھی پتہ نہیں کیا بات ہوئی ایک دن وہ مولانا عبدالحئی صاحب کو بلا وجہ برا بھلا کہنے لگا۔ اپنی جہالت اور گنوار پن میں غصہ کے عالم میں نہایت نازیبا کلمات استعمال کرتا رہا۔ دفتر کے اسٹاف اسے پکڑ کر مولانا کے کمرے سے باہر لے آئے اور سمجھایا لیکن وہ اول فول بکتا رہا ـــ منیجر نے اس کا حساب صاف کر دیا۔ اور وہ بھی یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ اب کبھی یہاں نہیں آئے گا۔

اس واقعہ کے فوراً بعد مولوی عبدالحئی صاحب نے منیجر صاحب کو بلایا۔ پوچھا کہ اسے کتنی تنخواہ ملتی ہے منیجر نے بتایا کہ وہ بہت معمولی سا کام کرتا ہے اور بہت کم وقت دیتا ہے۔ ساٹھ روپے ماہانہ ہیں۔ ۱۹۶۰ء کے ساٹھ روپے کی قیمت آج ۶۰۰ روپے کے برابر ہوگی۔ مولانا نے دریافت فرمایا کہ اس کی شادی ہو چکی ہے معلوم ہوا کہ ہو چکی ہے۔ منیجر کو حکم دیا کہ تنخواہ ۱۲۰ روپے ماہانہ کر دو۔ (رقم ٹھیک سے یاد نہیں صرف اتنا یاد ہے کہ تنخواہ دوگنی کر دی گئی تھی) دوسرے دن اس لڑکے کو سر جھکائے پیکٹ بناتے ہوئے دیکھا تو کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ مولانا کے چہرے پر ایسا سکون تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔

جناب مائل خیرآبادی نے ادارہ الحسنات سے علیحدہ ہو کر اپنا مکتبہ حجاب قائم کیا تھا انہیں جو شکایت تھی اس کا اظہار برملا کرتے رہتے تھے لیکن مجھے مائل صاحب سے بے حد قربت اور محبت تھی۔ دفتر سے فرصت ملتے ہی ان کے یہاں چلا جاتا اور گھنٹوں ان سے استفادہ کرتا۔ عبدالحئی صاحب کو یہ بات معلوم تھی کہ دفتر کے علاوہ میرا بقیہ وقت کہاں گذرتا ہے لیکن انہوں نے اشارہ کنایہ میں بھی کبھی مجھے منع نہیں فرمایا بہت سارے کاروباری معاملات جن کی مجھے واقفیت رہا کرتی تھی ان کے کسی حریف کو بتایا جاتا تو ان سے وہ فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ اس اندیشے کے باوجود انہوں نے مجھے پوری آزادی دے رکھی تھی کہ جہاں چاہوں جاؤں اور جس سے چاہوں ملوں ـــ ایک مرتبہ ایک معاملے کو لے کر مجھے ان سے شکایت ہوئی اور میری زبان سے ان کے خلاف غائبانہ چند کلمات نکل گئے ـــ میں نے عشا کی نماز کے بعد ان سے ملاقات کی اور کہا کہ "میں نے آپ کی غیبت کی ہے مجھے معاف کر دیجئے" انہوں نے تفصیل پوچھی اور میں نے بتا دی۔ وہ مسکرائے، بڑی دلآویز مسکراہٹ اور فرمایا میں نے معاف کر دیا اور اللہ تعالیٰ بھی آپ کو معاف فرمائے۔ چلئے اب تو آپ خوش ہیں نا" ـــ میں پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا کتنا بڑا دل تھا ان کا۔ خرچ کرنے کے معاملے میں میرا ہاتھ ہمیشہ کھلا رہا چنانچہ مکتبہ الحسنات سے وابستگی کے دوران بھی خوب خرچ کیا کرتا تھا۔ جب جتنی ضرورت ہوتی ایڈوانس لیتا اور وہ بھی رقم دینے کے لئے تیار رہا کرتے تھے۔ یہ برتاؤ سبھی کارکنوں کے ساتھ تھا۔ ڈیوٹی کے اوقات میں، دفتر میں بیٹھ کر کتابیں اور رسائل پڑھتا رہتا، لوگ ان سے شکایت کرتے "صاحب یہ تو کام نہیں کرتے ہر وقت پڑھتے رہتے ہیں" ہنستے ہوئے جواب دیتے "بھئی پڑھیں گے نہیں تو لکھیں گے کیسے" ـــ عید اور بقرعید کے موقع پر خلاف توقع کارکنوں کو لفافے میں بند کر کے نہایت احترام کے ساتھ "عیدی" پیش کرتے تھے۔ اچھی خاصی رقم ہوا کرتی تھی۔ میں کارکنوں میں سب سے کم عمر اور جونیئر تھا لیکن میری تنخواہ سب سے زیادہ تھی۔ وہ چاہتے تو مجھ سے زیادہ باصلاحیت ایڈیٹر کم تنخواہ پر حاصل کر سکتے تھے لیکن یہ محض ان کی قدر افزائی تھی ورنہ پرائیوٹ فرم میں ملازمین کی جو حالت ہوتی ہے سب جانتے ہیں۔ کون بھلا اپنے ملازم کی ناز برداری کرتا ہے۔

میں دو تین بار گھر سے تمام کارکنوں کے لیے چائے بن کر آتی،
مٹ اور دیگر لوازمات کے ساتھ۔ میں قریب ایک سال تک
کا مہمان ہی رہا۔ ناشتہ، کھانا، چائے، کافی پورے ٹھاٹ باٹ
لوازمات کے ساتھ ——— ڈیڑھ سال پہلے جب رامپور گیا
وہ بے حد ضعیف ہو گئے تھے۔ حافظہ کمزور ہو چکا تھا اور بینائی
بے حد کمزور ہو چکی تھی۔ چچا مائل خیرآبادی میرے ساتھ تھے،
سینے سے لگایا اور فرمایا کہ "وہ ڈھائی تین سال جو آپ کے ساتھ
رے میری زندگی کے سب سے قیمتی لمحات تھے" یہ بات وہ اس آدمی سے
ہہ رہے تھے جو بدتمیزی کی حد تک ان پر تنقید کیا کرتا تھا۔

انہوں نے کئی بار سنت یوسفی ادا کی۔ ۱۹۷۱ء میں ہندپاک
جنگ کے موقع پر بھی انہیں ڈی آئی آر کے تحت حکومت نے بلاوجہ
گرفتار کیا تھا۔ وہ گھر سے پولیس اسٹیشن اور جیل اس طرح گئے جیسے
کہیں مہمان جا رہے ہوں۔ پہلے ہی غسل وغیرہ کر کے قرآن پاک
اور کپڑے وغیرہ ہی سامان کے ساتھ تیار بیٹھے تھے گھر کے سبھی لوگ
مطمئن تھے جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ ان کی گرفتاری کے دوران
سی آئی ڈی آفیسر نے ہم لوگوں کو پریشان کرنا شروع کیا۔ ایک
دن ایک انسپکٹر نے بحث کے دوران دھمکی دی کہ "بڑے سورما بنتے ہو
تمہیں چوبیس گھنٹے کے اندر جیل بھجوا دوں گا" مجھے بھی جوش آگیا
میں نے کہا "چوبیس گھنٹے تو بہت ہوتے ہیں، اتنا انتظار کون کرے
میں تو ابھی آپ کے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہوں۔" بہرحال وہ غصہ
میں دھمکی دے کر چلا گیا۔ دوسرے دن وہ آیا تو میرا دل ذرا تیز تیز
دھڑکنے لگا۔ سورہ اخلاص پڑھی تو دل مضبوط ہوا۔ ذہن تو پہلے
ہی سے تیار تھا بڑے اطمینان سے بیٹھا رہا۔ انسپکٹر نے آتے ہی
معذرت شروع کر دی "مولوی صاحب، آپ مجھ سے ناراض تو نہیں
کل تو میں بال بال بچ گیا۔ ورنہ ٹرک کے نیچے آ جاتا" میں نے اسے
یقین دلایا کہ یہ ایک اتفاقیہ بات تھی اور میں نے اس کے لئے کوئی
بددعا نہیں کی تھی لیکن وہ بار بار معذرت کرتا رہا اور یہ درخواست
بھی کہ میں اس کے لئے بددعا نہ کروں۔ میں کیا اور میری دعا کیا۔ یہ
تو اللہ تعالیٰ نے مجھے آزمائش سے بچانے کے لئے کیا تھا کہ اس
کا غصہ خوف میں بدل گیا لیکن اس سے اندازہ ہوا کہ مشرکین کس
قدر توہم پرست ہوتے ہیں۔

بعض لوگ انہیں "کاروباری" اور "تاجر" کہا کرتے تھے۔
بلاشبہ ان کے اندر انتظامی اور کاروباری صلاحیت بدرجہ اتم تھی۔
وہ سرکاری ملازمت میں تھے اور اعلیٰ عہدہ پر فائز تھے۔ جماعت سے
وابستگی کے بعد انھوں نے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور ماہنامہ
الحسنات جاری کیا۔ اللہ تعالیٰ نے خیر و برکت دی اور ان کا کاروبار
لاکھوں سے اوپر پہنچ گیا۔ لیکن ان کے دل میں دولت کی ہوس
ہوگی یہ بدگمانی کرنا قطعی غلط ہوگا ——— کئی واقعات ایسے ہیں جو
صاف بتاتے ہیں کہ ان کے دل میں دولت کی ہوس نہ تھی ———
ادارہ الحسنات سے ڈائری اور کلینڈر شائع ہوتے تھے لیکن جماعت
نے ڈائری اور کلینڈر شائع کرنا شروع کیا تو انھوں نے بند کر دیا جب
کہ انہیں اچھا خاصہ اس سے منافع ملتا تھا۔

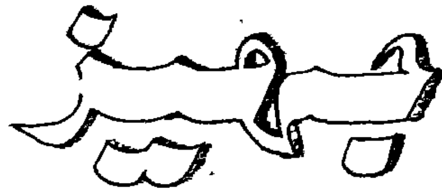
ایک بار ایک سی، آئی، ڈی آفیسر جو کسی دوسرے شہر سے
آیا تھا ان سے ملنے کے لیے آیا۔ نہایت عقیدتمندانہ طریقے سے ملا اور گفتگو
کی۔ دو تین بار یونہی ملتا رہا۔ ایک دن تنہائی میں ان سے ملا۔ وہ اپنے
ساتھ ایک بریف کیس بھی لایا تھا اس نے بڑی لجاجت سے کہا
"مولانا اسے قبول کر لیجئے۔"

انہوں نے پوچھا "اس میں کیا ہے"؟
آفیسر نے بریف کیس کھول کر دکھایا۔ سو روپے کے نوٹوں کی
گڈیوں سے بریف کیس بھرا ہوا تھا۔ "براہ کرم، بریف کیس
اٹھا لیے اور تشریف لے جائیے۔ اور پھر آئندہ ملنے کی کوشش
نہ کیجئے گا"

اس زمانے میں سی، آئی، ڈی والے خواہ مخواہ ادارہ کے کارکنوں
سے پوچھ تاچھ کیا کرتے تھے۔ مولانا عبدالحیٰ صاحب کو معلوم ہوا تو
انھوں نے فرمایا کہ آئندہ آئے تو اسے میرے پاس بھیج دیجئے۔
نماز کا اہتمام جس طرح وہ فرماتے تھے اسے دیکھ کر رشک
آتا تھا فجر سے گھنٹہ دو گھنٹہ پہلے بیدار ہوتے۔ تہجد اور تلاوت کلام
پاک فرماتے اور فجر کے فوراً بعد ناشتہ کر کے کام کرنے کے لئے بیٹھ
جاتے۔ ظہر کے بعد قیلولہ معمول تھا۔ بینائی کمزور ہو گئی تھی اس لئے
اس زمانہ میں برادر عبدالسلام سے رسائل و اخبارات اور کتابیں پڑھوا
کر سنتے اور مضامین بھی املا کراتے تھے۔ برادر عبدالسلام پر دل کا دورہ
پڑا۔ بڑا جان لیوا دورہ تھا مولانا عبدالحیٰ صاحب نے ان کے علاج پر
روپے پانی کی طرح بہائے

وہ ایک سائنس گریجویٹ تھے اور کسی مدرسے سے باضابطہ
فراغت حاصل نہیں کی تھی لیکن انہوں نے ذاتی مطالعہ کے ذریعہ اپنی
علمی استعداد میں بہت زیادہ اضافہ فرمایا تھا۔ مشہور عالم دین مولانا
حلیل احسن صاحب ندویؒ سے عربی زبان اور درسی کتابیں بھی پڑھیں تھیں۔
آسان زبان میں لکھنے کی جو صلاحیت اللہ تعالیٰ نے انہیں دی
تھی اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے بچوں اور کم پڑھے لکھے
لوگوں کے لئے عام فہم زبان میں اسلامی لٹریچر کا اتنا بڑا ذخیرہ چھوڑا
ہے جو انشاء اللہ قیامت تک ان کے لیے صدقہ جاریہ رہے گا۔
اللہ تعالیٰ ان کی خطاؤں اور لغزشوں کو معاف فرمائے اور
اور ان کی خدمات قبول کر کے جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین

سیم علی
۳۲، کرن اسٹریٹ کلکتہ ۱۶



سماجی فتنہ، آراستہ مصیبت

تم سے کئی بار کہہ چکی ہوں کہ شاذیہ اب دس سال کی ہو رہی ہے اور اسس کے جہیز کے لیے اب تک ایک چیز بھی تیار نہیں ہو سکی ہے۔ نہ پازیب، نہ کان کا جھمکا، نہ گلے کا لاکٹ نہ ہاتھ کا کنگن، سونا کا بھاؤ آسمان چھو رہا ہے چاندی کی قیمت بھی بڑھتی جا رہی ہے۔ پیتل تانبے کے برتن بھی نہیں خریدے گئے ہیں۔ پندرہ جوڑے اچھے کپڑے تو بنانے ہوں گے غریب ماں باپ بھی آج کل جہیز میں میز کرسی، پلنگ سوفہ سیٹ، ڈریسنگ ٹیبل، الماری، ٹی سیٹ، لیمن سیٹ، سلائی مشین، فین، ریڈیو، سائیکل جیسی عام چیزیں تو دیتے ہی ہیں تم تو سرکاری ملازمت کرتے ہو ایک ہزار روپیہ مہینہ پاتے ہو تو ان چیزوں کے علاوہ داماد کو گھڑی، پین سیٹ، سگریٹ کیس موپیڈ موٹر سائیکل، ٹی وی، ریکارڈ پلیئر جیسی چیزیں بھی نہ دو گے تو کون لڑکا شادی کے لیے تیار ہوگا اور پڑوسیوں اور برادریوں کی نگاہ میں تمہاری کیا وقعت رہ جائے گی اور لڑکے کے کپڑے اور سلامی وغیرہ کے لیے بھی دس پندرہ ہزار کا نظم تو کرنا ہی ہوگا پھر رشتہ داروں اور باراتیوں کے کھانے پینے پر علیحدہ خرچ ہوں گے یہ سارے انتظامات کی فکر ابھی سے نہ کرو گے تو آخری وقت میں اتنے روپئے کا قرض کہاں سے لاؤ گے؟

نہ جانے ایسی شاذیہ کی کتنی مائیں اسی دن سے فکر میں گھلنے لگتی ہیں۔ جب سے ان کی گود میں "بدقسمتی" سے لڑکی آنکھ کھولتی ہے اور جب وہ دس سال کی عمر کو پہنچ جاتی اور سات آٹھ سال کے بعد اسس کا ہاتھ پیلا کرنا ہوتا ہے۔ اڑوس پڑوس میں جب کسی کے گھر شادیانہ بجتا ہے اور جہیز کی نمائش ہوتی ہے تو اس کا دل ڈوبنے لگتا ہے اور کانوں میں مایوسی کی گھنٹیاں بجنے لگتی ہیں۔

یہ کوئی فرضی کہانی نہیں ہے ہمارے معاشرے کی عام تصویر ہے لڑکی کی پیدائش پر غریب اور متوسط طبقہ میں پژمردگی کی ایک لہر دوڑ جاتی ہے اور والدین کی ذہنی پریشانیاں بڑھنے لگتی ہیں۔ ابھی لڑکی کی عمر آٹھ دس سال ہی ہوتی ہے کہ ان کا اضطراب لحظہ بلحظہ بڑھنے لگتا ہے اور مناسب رشتہ کی تلاش اور رواج کے مطابق جہیز کی فراہمی کی فکر میں وہ گھلنے لگتے ہیں۔ لڑکے کا مطالبہ رسم و رواج کی پابندیاں، برادری کا خوف، سماج کی ریت اور اپنے وقار کے احساس سے ان کی رات کی نیند اور دن کا سکون چھننے لگتا ہے۔

جہیز ایک اندھا مطالبہ ہے جو غربت کو دیکھتا ہے نہ کسی کی مجبوری و معذوری کو جس گھر میں بچی پیدا ہوئی ہے اسس گھر کو جہیز بھی پیدا کرنا ہوگا۔ اگر مقدرت نہ ہو تو قرض لے کر بلکہ بھیک مانگ کر جہیز پہلے مہیا کرنا اور لڑکی بعد میں بیاہنا ہوگا۔

جہیز اسس دور کا خطرناک سماجی فتنہ بنا ہوا ہے جس کی فتنہ انگیزی سے شاید ہی کوئی گھر بچا ہو۔ ہر گھر بے آگ کی تپش میں اندر ہی اندر سلگ رہا ہے اور ہر ذہن تفکرات کی آنچ میں کھول رہا ہے اور جس گھر میں ایک سے زیادہ لڑکیاں ہوئیں تو پھر ان کے والدین کی امنگیں اور خوشیاں جوانی ہی میں حسرتوں کا مزار بن کر رہ جاتی ہیں۔ کوئی دن ایسا نہیں گذرتا کہ اخباروں میں جہیز کی بھینٹ چڑھنے والی دلہنوں کی دردناک خبریں نہ چھپتی ہوں۔ خودکشی خودسوزی، اذیت، فرار، نئی نئی شادی کے انجام کے نئے نئے عنوانات بنتے ہیں۔ جہیز کا چکر شادی کے بعد بھی ختم نہیں ہو جاتا بلکہ برسہا برس تک کئی کئی اولاد ہو جانے پر بھی جہیز کی مانگ باقی رہتی ہے اور بے چاری دلہن شوہر اور ساس سسر کے غیظ و غضب کی آگ میں گیلی لکڑی کی طرح جلتی رہتی ہے اور جب نت نئے ظلم ڈھانے کے بعد بھی شوہر ساس اور سسر کی حرص کی آگ نہیں بجھتی تو اسس حرص کی آگ کا ایندھن دلہن کو بنا دیا جاتا ہے۔ بہت سے ہوس پرست مرد ایسے بھی پائے جاتے ہیں جو جہیز ہی کے لیے نئی نئی شادیاں رچاتے ہیں اور ایک کے بعد دوسری بیوی کو اذیت دے کر مار ڈالتے ہیں اب تو یہ بھی انکشاف ہو رہا ہے کہ بعض شہروں میں ایسی قاتل تنظیم بھی وجود میں آچکی ہے جو معاوضہ لے کر ایسی دلہنوں کو ٹھکانے لگانے کا فرض انجام دے رہی ہے جو شوہر کے معیار جہیز پر پوری نہ اترتی ہو۔ جہیز کا خوف اتنا مسلط ہو چکا ہے کہ اب بعض لوگ بچیوں کے وجود ہی سے متنفر ہو گئے ہیں چنانچہ ایسی خبریں اخباروں میں چھپ رہی ہیں کہ فلاں مقام پر ظالم شوہر نے اپنی بیوی کو اسس لیے چھوڑ دیا کہ وہ لگاتار بچیوں ہی کو جنم دینے لگی تھی! ناسک ضلع کی یہ دلدوز خبر بھی نمونہ کے طور پر پڑھ لیجئے: خبر میں بتایا گیا ہے کہ ایک شخص کو بیٹے کی تمنا تھی لیکن بیٹی پیدا ہو گئی وہ اسس محرومی پر پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔ ڈیڑھ سال بعد دوسری اولاد ہوئی مگر اسس مرتبہ بھی بچی ہی پیدا ہوئی۔ وہ اسس صدمہ کو برداشت نہ کر سکا اور مارے غصہ کے اسس نے اپنی ڈیڑھ سالہ بچی کو اٹھا کر کنویں میں پھینک دیا جہاں گرتے ہی وہ مر گئی۔ لڑکی کی پیدائش اتنا منحوس اور ناقابل برداشت بوجھ سمجھا جانے لگا ہے کہ بعض علاقوں میں بچیاں پیدا ہوتے ہی ان کی پیل

ہلاک کرڈالتی ہیں ۔ انڈیا ٹوڈے کی ایک رپورٹ کے مطابق گذشتہ
ں برسوں کے دوران تامل ناڈو کے مدورائی ضلع میں چھ ہزار لڑکیوں کو
ہوتے ہی ہلاک کرڈالا گیا ۔قتل کرنے کا بہیمانہ طریقہ یہ اختیار کیا جاتا ہے
پیدا ہوتے ہی اس کے منہ میں زہریلے پھل کا عرق ٹپکا دیا جاتا ہے
ے نتیجہ میں دو تین گھنٹے کے اندر بچی تڑپ تڑپ کر مرجاتی ہے ۔جہیز
نت سے لوگ اتنا خوفزدہ ہو چکے ہیں کہ اب وہ بچیوں کو پیدا ہونے سے
ہی ہلاک کرڈالتے ہیں ۔اکیسویں صدی کی استقبالیہ سوغات یہ ہے کہ اب
عورتیں طبی جانچ سے یہ پتہ چلالیتی ہیں کہ ان کے شکم میں جنین کی جنس کیا ہے
یا لڑکا ۔اگر لڑکی کی علامت پائی گئی تو وہ بعجلت تمام اسقاط حمل کرالیتی ہیں ۔حال
یک رپورٹ کے مطابق بمبئی میں ایک نمونہ کے سروے سے پتہ چلا ہے کہ ایسے
ہزار حمل ضائع کرائے گئے ہیں جن میں طبی جانچ سے لڑکیاں پیدا ہونے کی
ت پائی گئی تھیں ۔

ہزاروں برس پہلے فرعون لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا تھا اور لڑکوں کو
ڈالتا تھا ۔مگر آج کے فرعون لڑکا باقی چھوڑ رہے ہیں اور جاہلی عرب کی سنت
پر کنبے بچیوں کو پیدائش سے پہلے ہی قتل کر رہے ہیں ...... تیرا برا ہو جہیز!

اکیسویں صدی کی سرحد پر لڑکی کی پیدائش نحوست ، لڑکی کا وجود ناقابل
برداشت ، لڑکی کی شادی ایک عذاب اور شادی کے بعد دوسرا عذاب ---
ہے ہمارے سماج میں لڑکی کا اعلیٰ تصور ، یہ ہے جدید تہذیب کا نمونہ --- جس
سے درندگی اور وحشت کا دور بھی پناہ مانگے --- یہ تصور جہیز ، یہ تصورات
خالص جاہلی اور کافرانہ تصور ہے ۔ اس ترقی یافتہ دور میں بھی انسان اور انسان
کے درمیان جنس کی بنیاد پر ایسی ظالمانہ تفریق ! ہندوستان جیسے سماجی مساوات
کے علمبردار ملک میں جہاں چند ایک جوڑا اور جیوتی باسو قسم کے "مصلحین" پائے
جاتے ہوں ، جو مسلم خواتین کو برابری کا حق دلانے کے لیے بے چین ہوں ان
کی نظروں کے سامنے لڑکیوں کا اتنا بہیمانہ قتل عام ہو رہا ہو اور وہ سب
خاموش ہوں انسانی تاریخ میں اس سے بھیانک جرم اور کیا ہو سکتا ہے ۔

رسم جہیز ہندوؤں کی ایجاد ہے ۔ ان کے یہاں لڑکیوں کو والدین کی وراثت
میں حصہ ترکہ نہیں دیا جاتا ۔ لڑکی کو بیاہنے کا مطلب کنیا دان ہوتا ہے ۔ چونکہ
شادی کے بعد لڑکی کا رشتہ سسرال سے ہو جاتا ہے اور لین دین کا رشتہ ماں
باپ سے ٹوٹ جاتا ہے اس لیے شادی کے موقع پر وہ جو کچھ ہو سکتا
ہے ایک ہی بار جہیز اور تلک کے نام پر دے ڈالتے ہیں اور اب یہ ان کے
یہاں محض رسم ہی نہیں مذہبی جزو بن گیا ہے لیکن مسلمانوں کے یہاں جہیز وغیرہ
کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا ۔ بد قسمتی سے ہندو معاشرہ کے اثرات مسلم سماج
پر بھی پڑے ہیں اور جہیز کی رسم ان کے یہاں بھی شادی کے لیے شرط بن گئی ہے
اور جہیز کے پس منظر میں لڑکی ایک زبردست بوجھ ۔ جہیز ہی کے سبب اب
مسلمانوں کے یہاں شادیاں پیچیدہ اور عذاب بن گئی ہیں ۔ جہیز مہیا نہ ہونے
پر بعض لڑکیوں کی عمر ڈھلتی جارہی ہیں مگر شادی نہیں ہو پاتی اور جیسے جیسے عمر زیادہ
ہوتی جاتی ہے ویسے ویسے شادی کے امکانات بھی گھٹتے جاتے ہیں اور زیادہ سے
زیادہ جہیز کی طلب بھی بڑھنے لگتی ہے ۔ مسلمانوں کے معاشرہ میں بھی جہیز کے
نام پر اکا دکا دلہن سوزی کے واقعات رونما ہونے لگے ہیں ۔ جہیز کے تعلق
سے بعض واقعات مسلم سماج میں بھی ایسے رونما ہونے لگے ہیں جس کا تصور
بھی نہیں کیا جا سکتا میں یہاں دو ایسے ہی واقعات نقل کرتا ہوں جن کو سوچ
کر کلیجہ منہ کو آجاتا ہے ۔ ایک "شریف زادہ" نے آئی ۔ اے پاس کیا تو ان کے
والد نے ایک جگہ ان کا رشتہ طے کیا سودا بازی کے بعد جہیز کی لسٹ فائنل
ہوگئی اور اوپر سے سلامی کی رقم پندرہ ہزار نقد بھی طے ہوگئی ۔ منگنی بھی ہوگئی"
دو سال بعد شادی کی بات پکی ہوئی ۔ لڑکے نے جب بی اے پاس کرلیا اور
اور شادی کا مرحلہ آیا تو لڑکے کے باپ نے سلامی کا میٹر پانچ ہزار اور بڑھا
کر بیس ہزار کر دیا ۔ لڑکی کا باپ بڑے مخمصہ میں پھنس گیا ۔ اگر وہ رشتہ توڑتا
ہے تو لڑکی کی بدنامی کا ڈر ہے رشتہ باقی رکھتا ہے تو مزید پانچ ہزار کا تازہ
بوجھ ناقابل برداشت ہوتا ہے ۔ لڑکی کے باپ نے بالآخر حامی بھرلی ۔ اسی
درمیان انمول داماد کی نوکری لگ گئی ۔ لڑکی کے باپ کو فطری طور پر خوشی ہوئی
کہ چلو داماد برسر روزگار تو ہوگیا ۔ اب شادی کی تاریخ مقرر کرنے کا وقت آیا
تو لڑکے کے باپ نے تسبیح کا دانہ گھماتے ہوئے نہایت خشوع وخضوع سے
فرمایا کہ بھئی اب لڑکا برسر روزگار ہوگیا ہے ہر طرف سے کھینچا تانی ہو رہی ہے
کئی نئے رشتے آرہے ہیں اور اونچی اونچی پیشکش ہو رہی ہے مگر میں زبان کا پکا
آدمی ہوں آپ کو زبان دے چکا ہوں اس لیے شادی تو آپ ہی کے یہاں
ہوگی البتہ لڑکے کا Status دیکھتے ہوئے آپ کم سے کم پانچ ہزار روپے
سلامی کے اور بڑھا دیجئے! قصہ مختصر یہ کہ لڑکی کے باپ نے حامی بھرلی اور
شادی ہوگئی ۔ معلوم نہیں لڑکی کے باپ نے اپنی بساط سے بڑھ کر یہ رقم کہاں سے
پوری کی سود پر قرض لے کر یا بھیک مانگ کر ۔ مگر اللہ کا کرنا دیکھئے کہ اسی زبان
کے پکے متقی صاحب کی ایک لڑکی بھی تھی جس کی نسبت ایک لڑکے سے طے
ہوگئی اور پندرہ ہزار سلامی کا انھوں نے لڑکے والے کو ادا کردیا اور جب
نکاح کا وقت آیا تو لڑکے والے نے مزید پانچ ہزار روپئے کا مطالبہ کردیا
اب ان کی سٹی گم ہوگئی معلوم ہوا کہ اپنی زمین بیچ کر انھوں نے پانچ ہزار روپے ادا
کئے تب شادی ہوئی --- ان کے کان میں اب تک یہ آواز گونج رہی ہے

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو ۔

دوسرا واقعہ بھی کم لرزہ خیز نہیں ہے ۔ ہوا یوں کہ باپ نے اپنی اکلوتی
لڑکی کو جہیز میں استطاعت سے بہت زیادہ سامان اور نقدی دی بلکہ یوں کہئے
کہ اپنی ملازمت کے علاوہ سب کچھ دے دیا مگر حضرت داماد نے شادی
کے بعد بھی "ہل من مزید" کا مطالبہ جاری رکھا اور وہ لڑکی کو طرح طرح سے
اذیت دیتا رہا ۔ باپ کے پاس اب دینے کے لیے باقی ہی کیا بچا تھا صرف
ایک رہائشی مکان ۔ آخر میں انھوں نے داماد کے نام اپنا رہائشی مکان بھی
رجسٹری کرادیا اور دامن جھاڑ کر میاں بیوی ملک سے باہر چلے گئے ۔ اس
قسم کے واقعات نہ جانے کتنی بستیوں اور گاؤں میں جنم لیتے اور فنا ہوتے
رہتے ہیں کتنے گھر اور خاندان تباہ ہوتے رہتے ہیں جن کی کوئی خبر منظر عام

[illegible]

اسلام سادگی کا دین ہے اور اس کا ایک پاکیزہ معاشرتی نظام ہے جس میں جہیز کی ایسی گھناؤنی شکل کی کوئی گنجائش نہیں ہے اس کے باوجود معلوم نہیں کہ مسلمانوں میں یہ بیماری کیوں مقبول ہوتی جارہی ہے۔ یہ تو صحیح ہے کہ سماج میں پھیلی ہوئی بیماری کا اثر صحت مند افراد پر بھی پڑتا ہے لیکن مسلمان اس گروہ کا نام ہے جو صرف صحت مند ہی نہیں معالج بھی ہے۔ ان کے سامنے شادی بیاہ کا ایک واضح مقصد، تصور اور طریقہ متعین ہے جس میں لڑکے کو خریدنے اور لڑکی کی کنیادان کا کوئی تصور نہیں ہے جس میں جہیز کے مطالبہ اور اس کو شادی میں کلیدی اہمیت دینے اور شرط شادی ٹھہرانے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ شادی بیاہ کا سیدھا اور آسان اسلامی طریقہ بس اتنا ہے کہ لڑکا لڑکی بالغ ہو جائے تو کسی مسجد یا عام جگہ پر نکاح پڑھا کر لڑکی رخصت کردی جائے۔ لڑکے کی طرف سے استطاعت کے مطابق ولیمہ ہو جائے الله الله خیر صلاّ۔ کہاں کی شربت نوشی اور منگنی کی رسم، کہاں قافلۂ بارات کا چکر، کیسا باجا گاجا اور آتش بازی کی دھوم دھام۔ او رپناہ بخدا! یہ ڈسکو اور بریک ڈانس کرتے اور کمر ہلاتے نوجوانوں کے طائفہ کا اسلام سے کیا تعلق؟ اور کیسا جہیز کا مطالبہ اور اس کی نمائش اور پھر شادی کے بعد بیوی کے ساتھ ظالمانہ سلوک —— ہاں تاریخی طور پر اتنی مثال ضرور ملتی ہے کہ حضرت رسول مقبولؐ نے حضرت فاطمہؓ کو گھریلو ضروریات کی چند چیزیں شادی کے موقع پر از خود دی تھیں۔ اسی طرح آپؐ نے حضرت زیدؓ (جو حضرت رسول کریمؐ کے آزاد کردہ غلام تھے) کا نکاح حضرت زینبؓ (حضرت رسول کریمؐ کی پھوپھی زاد بہن) کے ساتھ پڑھایا اور خود حضرت زیدؓ کی طرف سے دس دینار اور ساٹھ درہم ادا کیے۔ کچھ کپڑے دیے اور کچھ سامان خوراک گھر کے خرچے کے لیے بھجوایا۔ اس ضرورت کی کچھ چیزیں گھر بسانے کے لیے دینے کو جہیز کہنا چاہیں تو کہہ سکتے ہیں لیکن موجودہ سماجی پس منظر میں جو مانگ اور مطالبہ کی شکل میں جہیز مروج ہے اس کے لیے اس مثال میں جواز تلاش کرنا سراسر غلط اور جہالت ہے۔ حضرت علیؓ کے پاس نہ مکان تھا نہ سامان خوراک و پوشاک اسی طرح حضرت زیدؓ مہر بھی ادا کرنے کے قابل نہیں تھے ان حالات میں ان کے لیے بنیادی ضرورت کی چند چیزیں خود سے دینا بغیر مطالبہ پر ایک بالکل اختیاری عمل ہے لیکن ہمارے سماج میں جہیز کا تعلق نہ ضرورت سے ہے اور نہ اختیاری ہے بلکہ برعکس ٹیکس کی طرح بنیادی اور لازمی حق ہے جس کا پورا کرنا لڑکی والوں کے لیے بے حد ضروری اور شرط لازمی ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ مسلمانوں کے بعض حلقوں میں جہیز اور شادی کی فضول رسموں کے خلاف بیزاری بھی پیدا ہونے لگی ہے اور اس کے خلاف [illegible] اس کے خلاف مضامین لکھے جارہے ہیں۔ ائمہ

[illegible] ہیں اور جہیز اور خود ساختہ غیر شرعی رسمیات کو ختم کرنے پر تل گئی ہیں اور [illegible] کی خلاف ورزی کرنے والوں کا سماجی بائیکاٹ بھی کررہی ہیں اور اس کے خوشگوار نتائج بھی برآمد ہو رہے ہیں۔ اب چراغ سے چراغ جلانے اور [illegible] قسم کی تحریک کو WAR FOOTING پر آگے بڑھانے کی ضرورت ہے۔ اس تحریک کو جاندار اور عملی شکل دینے میں کنوارے نوجوانوں کو اہم رول ادا کرنا اور ایثار سے کام لینا ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ ہر مقام پر کنوارے نوجوانوں کی ایک ایسی سوسائٹی تشکیل پائے جن کی طرف سے یہ اعلان عام ہو کہ بغیر جہیز اور مطالبہ کے سادگی کے ساتھ ہر ایسی لڑکی سے شادی کرنے کے لیے تیار رہیں جو دینی اور اخلاقی اعتبار سے بہتر ہوں اور ان سے معاشرتی عزت و حیثیت میں مماثلت رکھتی ہوں۔ خواتین بھی اس تحریک میں موثر کردار ادا کر سکتی ہیں اگر وہ گھر گھر جاکر جہیز کی آراستہ مصیبت کے خلاف ذہن تیار کریں اور اپنے بیٹے کے لیے جہیز کا مطالبہ کرنے والی کو ان کی اپنی کنواری بیٹیوں کے حوالہ سے اس کی نزاکت اور مضرت سمجھائیں۔ ان دولت مندوں کی حوصلہ شکنی بھی کرنے کی ضرورت ہے جو دولت کی بنیاد پر جہیز کے فتنوں کو سماج میں پھیلا رہے ہیں۔ مساجد کے ائمہ اور مدارس و اسکول کے اساتذہ بھی جہیز مخالف تحریک میں اہم اور موثر رول ادا کر سکتے ہیں۔

●●

غزل

ادریس نیّار
املی پور۔ بدایوں

اب نگر کی فضا اتنی خونخوار ہے
گھر میں محفوظ رہنا بھی دشوار ہے

یوں بھی ہم پر زمانے کی یلغار ہے
حوصلہ اپنا گرتی سی دیوار ہے

آنکھ میں سارے منظر سسکتے ہوئے
ہاتھ میں ایک زخمی سا اخبار ہے

صحنِ گلشن میں جس سمت بھی دیکھئے
ہر کلی زندگانی سے بیزار ہے

مر رہا ہے جو اوڑھے کفن راکھ کا
میرے قصبے کا مشہور بازار ہے

درد کا اپنے اظہار مت کیجئے
ان دنوں خود مسیحا بھی بیمار ہے

آندھیوں میں ہے جلنا تجھے اے نیّار
ہر طرف گھپ اندھیرا سا سنسار ہے

میزانِ عمل

مہاراشٹرا

لاتور:- اسٹوڈنٹس اسلامک آرگنائزیشن آف انڈیا (ایس آئی او) لاتور یونٹ نے بتاریخ ۲۰ ستمبر کو مدرسہ محبوبیہ میں چار گھنٹوں کا تربیتی ودعوتی اجتماع منعقد کیا جس میں لاتور کے مسلم طلبہ ونوجوانوں کے علاوہ غیرمسلم طلبہ نے بھی شرکت کی۔ پروگرام کا آغاز سورہ صف کے دوسرے رکوع کے درس سے ہوا جسے لاتور یونٹ کے صدر برادر رحیم خاں صاحب نے دیا۔ درس قرآن کے بعد ناظم اجتماع نے تربیتی ودعوتی اجتماع کے اغراض ومقاصد بیان کئے۔ ایس آئی او کا تعارف برادر قاضی خضر صاحب نے کرایا جس میں انھوں نے ایس آئی او کا پیغام واغراض ومقاصد بیان کئے۔ تعارف ایس آئی او کے بعد "مسلمانوں کا مقصد حیات" کے عنوان پر اظہار خیال کرتے ہوئے برادر ظہیرالدین صاحب نے فرمایا مسلمانوں کا مقصد حیات شہادت حق ہے، صرف قولی شہادت نہیں بلکہ عملی شہادت ہے۔ اس تقریر کے بعد مذاکرہ بعنوان "فسادات کا علاج" زیرصدارت توفیق اسلم صاحب سکریٹری حلقہ مہاراشٹر ہوا تین رفقاء نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ تبصرہ کرتے ہوئے صدر مذاکرہ نے فرمایا فسادات کا واحد حل قرآن مجید کا پیغام ہے۔ اس کے بعد "تعلق باللہ" پر تقریر کرتے ہوئے محترم معین الدین صاحب نے قرآن کی آیت اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنی "بیشک میری نماز میری قربانی میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو سارے عالم کا رب ہے" ——— پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک مسلمان کا اللہ سے تعلق اسی وقت مضبوط ہو سکتا ہے جب کہ وہ قرآن کو پڑھے سمجھے اور اس پر عمل کرے نماز کا اہتمام کرے اور ذکر الٰہی کا مفہوم بیان کرتے ہوئے موصوف نے فرمایا کوئی کام کرنے سے پہلے یہ سوچ لے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے فرمایا کہ خدمت خلق، ماں باپ کی خدمت سے بھی اللہ سے ہمارا تعلق مضبوط ہو سکتا ہے۔

دوسری نشست کا آغاز مشقی درس حدیث سے ہوا جس میں تین رفقاء نے حصہ لیا۔ اس کے بعد ایک بہت ہی دلچسپ کوئز کمپٹیشن منعقد ہوا جس میں نبی کریمؐ کی زندگی، قرآن اور جنرل نالج کے متعلق سوالات کئے گئے جس کے کنوینر برادر رحیم خاں صاحب صدر مقامی تھے۔ اس کے بعد تقریر بعنوان "نوجوانوں کے مسائل اور ان کا حل" محترم مصطفیٰ صاحب امیر مقامی جماعت اسلامی ہند نے کی۔ انھوں نے اظہار خیال کرتے ہوئے نوجوانوں کے بہت سے مسائل کا ——— ذکر کیا۔ اور ان کا حل بیان کرتے ہوئے فرمایا نوجوانوں کو چاہیے کہ اپنے آپ کو خدا کے حوالے کر دے کیوں کہ وہی پیدا کرنے والا اور وہی اس کا حل نکالنے والا ہے اور مزید فرمایا کہ نوجوانوں کو ایک جماعت کے تحت رہنے کا اپنے کو پابند کرنا چاہیئے۔ ایسی جماعت کے سپرد کرنا چاہیئے جو خدا کے احکام کو زندگی کے ہر شعبہ میں لاگو کرنا چاہتی ہے اور آخر میں انھوں نے ایس آئی او کا مختصراً تعارف فرما کر خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ نوجوانوں کو "ایس آئی او" میں اپنے آپ کو شامل کرنا چاہیئے۔

اس کے بعد اختتامی خطاب میں سکریٹری ایس آئی او حلقہ مہاراشٹر محترم توفیق اسلم صاحب نے پورے اجتماع کی کارروائی پر اطمینان کا اظہار کیا۔ انھوں نے فرمایا آج سماج ہمیں مدد کے لئے پکار رہا ہے یہ فرمایا کہ بے بس لڑکیاں جو آج کے سماج سے ڈری ہوتی ہیں اپنی عزت کے بچاؤ کے لئے ہمیں پکار رہی ہیں لیکن ہم بے حس ہیں، ہم اپنے عیش میں پڑے ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ کئی سماجی برائیاں ہیں ان کو مٹانے کے لئے جماعت اسلامی ہند نے ایس آئی او قائم کی جو نوجوانوں کی اچھی صلاحیتوں کو ابھارتی ہیں انھوں نے مزید فرمایا کہ آج کے نوجوانوں میں تعصب کی ایک دراڑ دکھائی دیتی ہے جو ہمارے ملک کو کافی نقصان پہنچا رہی ہے ہمیں ایسی دراڑیں مٹا دینا چاہیئے۔ اللہ کی تعریف، ذمہ داروں اور حاضرین کے شکریہ اور دعا پر اجتماع ختم ہوا۔ (ذوالفقار احمد جمیل) ●●

پربھنی:- ۲۷ ستمبر ۸۷ء: ارکان ومتفقینِ جماعت اسلامی اور ممبران وایسوسی ایٹس ایس۔آئی۔او۔ پربھنی کا ایک ملا جلا تربیتی اجتماع شہر سے تقریباً ۷ کلو میٹر دُور سید عبدالستار صاحب رُکن جماعت کے کھیت میں رکھا گیا تھا۔

اس اجتماع میں تعلق باللہ پر سورۃ بقرہ کے ۱۹ ویں رکوع کی آخری آیتوں کا درس دیتے ہوئے حکیم عبدالستار خاں صاحب ناظم ضلع جماعت اسلامی پربھنی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر جو احسانات کئے ہیں ان کا تذکرہ قرآن مجید میں کیا گیا ہے کیونکہ

نہیں کر سکتے۔ موصوف نے فرمایا مومن اللہ کی محبت میں اشد ہوتا ہے اور ایک مومن سے اللہ کی محبت کا اندازہ آزمائشوں کے وقت ہوتا ہے۔ اور یہی اس کے ناپنے کا پیمانہ ہے۔ محبت انسان کو مشقت برداشت کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ اللہ کی محبت قرآن کے مطالعہ سے، حضورؐ کے اسوۂ حسنہ سے محبت کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے۔ قرآن کے مطالعہ کی اہمیت بتلاتے ہوئے انھوں نے ڈاکٹر اقبالؒ کا یہ شعر پڑھا ؎

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے، حقیقت میں ہے قرآن

آپ کے بعد سید الستار صاحب رکن جماعت ہاروانے "کارکنان تحریکِ اسلامی کے لئے حالات حاضرہ سے واقفیت کی اہمیت" کے عنوان پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ ہر انسان کو حالات حاضرہ سے واقف رہنا چاہیئے۔ اور یہ زندہ لوگوں کا کام ہے۔ اس کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے موصوف نے فرمایا کہ I.A.S کے امتحانات وغیرہ میں اصل میں یہ ہی دیکھا جاتا ہے کہ آپ حالات حاضرہ سے کس قدر معلومات رکھتے ہیں۔ اور فرمایا کہ بدقسمتی سے دنیا میں ایک گروہ ایسا بھی رہتا ہے جو حالات حاضرہ سے واقفیت رہنے کو گناہ سمجھتا ہے۔ اور اس کے ذرائع جیسے اخبار، ٹی وی وغیرہ کو فضولیات میں شمار کرتا ہے۔

تحریک اسلامی نہایت اعلیٰ و ارفع نصب العین رکھتی ہے۔ وہ ساری دنیا سے شر کو ختم کرکے خیر کو عام کرنا چاہتی ہے۔ اتنے اعلیٰ نصب العین کے لئے کام کرنے والے کارکنان کو نہایت چاق و چوبند اور بیدار ہونا چاہیئے۔ آپ نے فرمایا حضورؐ حالات حاضرہ سے خوب اچھی طرح واقف رہتے تھے۔ اسی وجہ سے اسلام اتنے کم وقت میں اتنا پھیل گیا ورنہ اُس کے آغاز سے ہی اُس کو ختم کرنے کی سازشیں اور کوششیں شروع ہو چکی تھیں۔ آخر میں موصوف نے کارکنانِ تحریک اسلامی ہند کو ایک اہم واقعہ کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا کہ ہم معلوم کریں کہ کلکتہ میں چاندمل چوپڑہ نے قرآن کی ۲۴ آیتوں کے خلاف مقدمہ دائر کیا اور اُسے ایک جج نے بحث کے لئے قبول کرلیا۔ اور اسی شخص نے ایک دوسرا کیس بخاری شریف کے تعلق سے دائر کیا۔ اور دوسرے جج نے اُسے سرسری مطالعہ کے بعد مسترد کر دیا۔ تو آخر دستورِ ہند میں وہ کونسی بات ہے کہ ایک ہی قسم کے کیس کو دو مختلف جج قابل بحث اور ناقابل بحث سمجھتے ہیں۔ اس کی معلومات کارکنان تحریک اسلامی کو ہونا نہایت ضروری ہے۔

تقریر کے بعد شرکا نے موصوف سے سوالات کیے جس کے اطمینان بخش جوابات دیئے گئے۔

اس کے بعد "ملک کے موجودہ ماحول میں دین کا کام کرنے کی حکمت عملی" کے عنوان پر اظہار خیال کرتے ہوئے شیخ عظیم الدین صاحب نے فرمایا کہ دین کا کام جماعت کے بغیر کرنا ممکن نہیں ہے۔ اُس کے لئے آپنے دلائل دیئے۔ اپنے علم کے حصول پر زور دیتے ہوئے فرمایا کہ بغیر علم کے اسلام پر عمل کرنا ممکن

جو پریشانی ہوتی ہے اس کے لیے آپنے فرمایا کہ انسان تمام جماعتوں کا مطالعہ کرے اور پھر خود فیصلہ کرے اور دین کا کام نفس پرستی سے اوپر ہو کر کرے۔

حکیم عبدالستار خان صاحب نے تحریک اسلامی میں کارکنوں کے باہمی تعلقات پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ کارکنوں کے باہمی تعلقات ٹھیک ہوئے بغیر تحریک کام نہیں کر سکتی خواہ وہ کوئی تحریک ہو۔ اور پھر اسلامی تحریک کے لیے تو یہ انتہائی ضروری ہے۔ دیگر تحریکوں کے کارکنوں کے باہمی تعلقات کی مثال دیتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ انتہائی چھوٹے چھوٹے مقصد کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دیتے ہیں اور دوسری تحریکوں میں نفع و نقصان دونوں شامل ہے۔ لیکن اسلامی تحریک کے کارکنوں کو تو ہر صورت میں صرف کامیابی ہی ملنے والی ہے خواہ نتیجہ اس کی زندگی میں نکلے یا نہ نکلے وہ ہر دو صورت میں کامیاب ہے۔

آپ نے مزید فرمایا کہ تحریک کی مثال ایک انجن کی سی ہے کہ انجن کا ہر ایک پرزہ جب دوسرے پرزے سے تعاون کرتا ہے تب ہی انجن آگے بڑھتا ہے۔ اور ایک مثال دیتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ ایک اونچی دیوار بننے کے لئے اینٹوں کو ترتیب سے جمانا پڑتا ہے۔ اگر نیچے والی اینٹ یہ کہے کہ میں نیچے کیوں میں بھی اوپر ہی رہوں گی تو دیوار کی تعمیر ناممکن ہے۔ اسی طرح تحریک اسلامی کے کارکن کو یہ خیال ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ ایک دوسرے کے تعاون سے ہی مقصد حاصل ہوتا ہے۔

آپنے اُن مہلک کمزوریوں کی طرف بھی اشارہ کیا جس کی وجہ سے آپس تعلق میں فرق آتا ہے کہ تجسس نہ کرو۔ ایک دوسرے کی عیب جوئی، غیبت اور کوئی بُرائی نہ کرو۔ آخر میں آپ نے فرمایا کہ یہ تعلق بڑھتا ہے عزیمت کی راہ اختیار کرنے سے۔ آپنے جنگ یرموک کی مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ ایک صحابی زخمی صحابی کے پاس پانی پلانے کے لیے پانی لے کر پہنچتے ہیں۔ زخمی صحابی بازو سے کراہنے کی آواز آنے پر اس طرف اشارہ کرکے کہتے ہیں کہ انھیں اس پانی کی زیادہ ضرورت ہے۔ اور وہ صحابی تیسرے زخمی صحابی کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور اسی میں تینوں جام شہادت نوش فرماتے ہیں۔ نماز ظہر کے بعد دوسری نشست کا آغاز ہوا جس میں اجتماعی مطالعہ قرآن رکھا گیا تھا۔ سورۃ حٰم سجدہ کی ۳۰ تا ۳۶ آیات کا اجتماعی مطالعہ شروع ہوا۔ شرکاء اجتماع نے مذکورہ آیات پر اظہار خیال کیا۔ آخر میں حکیم عبدالستار خان صاحب نے تبصرہ فرمایا جس کے دوران شرکا نے بہت سے سوالات کئے جس کے اطمینان بخش جوابات دیئے گئے۔

آخر میں ملک کے موجودہ مسائل و حالات پر ۲۵ منٹ کی ایک غیر رسمی گفتگو رکھی گئی تھی جس کے اختتام پر نماز عصر ادا کرنے کے بعد شرکاء اجتماع اپنے گھروں کو واپس ہوئے۔ (عبدالقدیر)

حلقہ طلبہ اسلامی سے کل ہند کانفرنس تک

صوبہ بہار جو ہندوستان کی تاریخ میں سیاسی تحریکات کے لیے نہایت حساس اور اہم علاقہ سمجھا جاتا رہا ہے اسلام پسند طلبہ کے سلسلے میں بھی اس کی حیثیت ایک اہم مرکز کی رہی ہے حلقہ طلبہ اسلامی بہار کے قیام سے پہلے بھی یہاں طلبہ اور نوجوانوں میں تحریک اسلامی کی ہر دلعزیزی اور مقبولیت موجود تھی لیکن باضابطہ تنظیم کے نہ ہونے کی وجہ سے طلبہ تعلیمی دور ختم کرنے کے بعد اپنی زندگی میں مشغول ہو جاتے تھے اور از سر نو ایک دوسری ٹیم تیار ہوتی تھی اس طرح بار بار طلبہ کے حلقے بنتے تھے اور ٹوٹ جاتے تھے یوں کہ ان کی باضابطہ کوئی متحرک تنظیم نہ بن سکی تھی۔ تحریک اسلامی سے وابستہ طلبہ تنظیم کے قیام کا خیال صوبہ بہار میں سب سے پہلے جناب ڈاکٹر ضیاء الہدیٰ صاحب سابق امیر حلقہ بہار کے ذہن میں آیا۔ ان کے درس قرآن میں کالج کے طلبہ بڑے ذوق و شوق سے شریک ہوا کرتے تھے۔ مسلسل درس قرآن میں شرکت، ڈاکٹر ضیاء الہدیٰ صاحب کی صحبت اور اسلامی لٹریچر کے مطالعہ نے طلبہ کو اس بات آمادہ کر دیا کہ وہ اسلام پسند طلبہ کی ایک تنظیم قائم کریں [illegible] کے آخری عشرہ میں ناظم کا باضابطہ انتخاب عمل میں آیا۔ اس وقت تنظیم کے صرف دس ممبران تھے (۱) محمد عالم صاحب (۲) حسن رضا صاحب (۳) ظفر امام صاحب (۴) مصطفیٰ خاں صاحب (۵) معیذ خاں صاحب (۶) محمد سلطان صاحب (۷) محمد عقیل صاحب (۸) ذکی احمد صاحب (۹) مصطفیٰ [illegible] صاحب اور (۱۰) امتیاز احمد خاں عرف بھولا صاحب۔

محمد عالم صاحب (سابق مدیر رفیق) اس کے ناظم منتخب ہوئے اور اس طرح جنوری [illegible] میں حلقہ طلبہ متفقین جماعت اسلامی پٹنہ کے نام سے تنظیم کا باضابطہ قیام عمل میں آگیا۔ اگرچہ یہ تنظیم ابتدا میں صرف پٹنہ شہر تک محدود تھی لیکن خط و کتابت کے ذریعہ اس نے بہار کے دیگر مقامات کے طلبہ کو متاثر کرنا شروع کر دیا تھا ۲۲ر ۲۳ر جون [illegible] کو جناب ڈاکٹر ضیاء الہدیٰ صاحب کی نگرانی میں حلقہ طلبہ کا پہلا تربیتی اجتماع شیر گھاٹی کے مقام پر ہوا جس میں [illegible] طلبہ نے شرکت کی۔ حلقہ طلبہ نے ایک سوالنامہ کے ذریعہ بہار کے دیگر مقامات پر اسلام پسند طلبہ کے متعلق معلومات حاصل کیں اور بہار کے دیگر مقامات پر تنظیم کی شاخ قائم کرنے کے امکانات کا جائزہ لیا۔ دوسرے سال جنوری [illegible] میں اس کے ناظم جناب حسن رضا صاحب ہوئے۔ مئی [illegible] میں اس کا سالانہ تربیتی اجتماع پٹنہ سے دور دراز کوہستانی علاقہ ڈمریا میں ہوا جس میں قریب ۵۰ طلبہ نے شرکت کی جنوری [illegible] میں اس کے ناظم جناب ظفر امام ہوئے۔ اس وقت تنظیم کی شاخیں پٹنہ کمشنری کے دیگر مقامات پر قائم ہو چکی تھیں۔ تیسرا تربیتی اجتماع صحرائی علاقہ کوٹھی میں منعقد ہوا۔ اس وقت ناظم کمشنری جناب عبدالوکیل صاحب تھے حلقہ طلبہ نے ابتدائی زمانہ میں ہی اپنا ایک دستور بنا لیا تھا جس میں وقتاً فوقتاً ترمیم و اضافہ ہوتا رہا۔ اس کا اپنا ایک دارالمطالعہ تھا جس میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ اس نے چھوٹے چھوٹے کتابچہ کی اشاعت شروع کر دی تھی جسے عوام میں مقبولیت حاصل ہوئی۔ پہلی مرتبہ ستمبر [illegible] میں اس نے اپنا سالانہ مجلہ "میزان" شائع کیا جس کے مدیر جناب عبدالوکیل صاحب اور جناب جاوید اختر صاحب تھے [illegible] تک تنظیم کی شاخیں پورے بہار میں قائم ہو چکی تھیں اور وہ وقت آگیا تھا کہ اسے پورے بہار کی سطح پر قائم کر دیا جائے۔ لیکن بعض مصالح کی وجہ سے اسے امیر حلقہ بہار نے منظور نہیں کیا۔ پھر بھی خط و کتابت کے ذریعہ حلقہ طلبہ کے ذمہ داروں نے ایک دوسرے سے ربط قائم رکھا۔ اکتوبر [illegible] میں چوتھا سالانہ تربیتی اجتماع منعقد ہوا اور اس موقعہ پر ریاستی سطح پر تنظیموں کو مربوط کرنے کے لئے جناب جاوید اختر کا انتخاب "کوارڈی نیٹر" کی حیثیت سے عمل میں آیا جنوری [illegible] میں سالانہ مجلہ میزان شائع ہوا۔ مارچ [illegible] میں حلقہ طلبہ متفقین جماعت اسلامی کا نام "حلقہ طلبہ اسلامی بہار" قرار پایا اور اس کے سرپرست ڈاکٹر سید ضیاء الہدیٰ صاحب (اس وقت کے امیر حلقہ بہار) کی نگرانی میں باضابطہ انتخاب عمل میں آیا اور جناب جاوید اختر صاحب (متعلم ایم بی بی ایس فائنل ایر پٹنہ) اس کے ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے۔ پانچواں سالانہ تربیتی اجتماع جون [illegible] میں بمقام کوٹھی منعقد ہوا [illegible] میں بھی اس کے ناظم اعلیٰ جناب جاوید اختر صاحب اور سکریٹری جناب احمد علی اختر صاحب تھے [illegible] میں بھی اس کے ناظم اعلیٰ جاوید اختر صاحب ہی رہے لیکن سکریٹری جناب منظر خلیل صاحب تھے اس چھٹا سالانہ تربیتی اجتماع گیا میں منعقد ہوا۔ [illegible] میں اس کے ناظم اعلیٰ جناب [illegible] اور سکریٹری [illegible] منظر فاروقی صاحب [illegible]

دوران ایمرجنسی باضابطہ کام نہ ہو سکا لیکن حلقہ طلبہ کے نوجوان باہم مربوط رہنے کے لیے انفرادی ملاقات اور خط وکتابت کو ذریعہ بنائے ہوئے تھے۔ ناظم اعلیٰ جناب احمد علی اختر صاحب نے مسلسل دوروں اور ملاقاتوں کے ذریعہ رفقاء سے ربط قائم رکھا۔ ۱۹۷۷ء میں بھی احمد علی اختر صاحب اس کے ناظم اعلیٰ رہے ان کے بعد ۱۹۷۸ء میں جناب ابوذر کمال الدین اس کے ناظم اعلیٰ ہوئے اور سکریٹری جناب سید محمد اقبال ہوئے ۱۹۷۹ء میں جناب قیصر رشید صاحب اس کے ناظم اعلیٰ ہوئے اور سکریٹری جناب سید محمد اقبال صاحب رہے ۱۹۸۰ء میں اس کے ناظم اعلیٰ سید محمد اقبال ہوئے اور جناب شبیر عالم خاں اس کے سکریٹری ہوئے۔ حلقہ طلبہ کا سالانہ مجلہ برابر شائع ہوتا رہا۔ ۱۹۷۹ء کے مجلہ "میزان" کے مدیر سید محمد اقبال صاحب ہوئے اور ۱۹۸۰ء کے مدیر جناب احمد علی اختر صاحب۔ ایمرجنسی کے بعد ۱۹۷۷ء میں آٹھواں تربیتی اجتماع ترہٹ میں ہوا۔ اس کے بعد بہار کو کئی زون میں تقسیم کر کے تربیتی اجتماعات کیے گئے چنانچہ نواں تربیتی اجتماع ۱۹۷۸ء میں چرکی، بنیا، رانچی میں دسواں تربیتی اجتماع ۱۹۷۹ء میں بولیہ، ہسوا، مظفرپور، رانچی میں اور گیارہواں تربیتی اجتماع ۱۹۸۰ء میں چرکی، موتی پور، جمشید پور، ارریہ کورٹ میں ہوا۔ کارکنوں کے علاوہ ارکان کے خصوصی تربیتی اجتماعات دسمبر ۱۹۷۸ء اور جون ۱۹۸۰ء میں پٹنہ میں منعقد ہوئے۔ اکتوبر ۱۹۷۹ء میں جناب سید محمد اقبال صاحب کی کوششوں سے مولانا مودودی پر ایک سمینار منعقد کیا گیا جس کے مقالات "مولانا مودودی: حیات اور کارنامے" کے عنوان سے شائع کیے گئے۔ حلقہ طلبہ اسلامی بہار نے دعوتی اجتماعات کو بڑے پیمانے پر کرنے کا اہتمام شروع ہی سے رکھا۔ اس کے دعوتی اجتماعات میں جماعت اسلامی کے جید علماء وقائدین شرکت کرتے رہے ہیں۔

اس کے پہلے دعوتی اجتماع میں جو فروری ۱۹۷۶ء میں انجمن اسلامیہ ہال پٹنہ میں منعقد ہوا تھا جناب مولانا سید حامد حسین صاحب اور جناب حسین سید صاحب کے علاوہ علی گڑھ، کلکتہ، حیدرآباد، کانپور، بجے واڑہ کی طلبہ تنظیموں کے نمائندے شریک ہوئے تھے۔ مئی ۱۹۷۵ء کے پٹنہ کمشنری کے دعوتی اجتماع میں مولانا ابواللیث صاحب اصلاحی ندوی، مولانا افضل حسین صاحب اور ڈاکٹر عبدالحق صاحب نے شرکت کی تھی۔ دوسرا دعوتی اجتماع نومبر ۱۹۷۹ء میں پٹنہ میں منعقد ہوا۔ اور اس طرح ہر کمشنری کے دعوتی اجتماعات الگ الگ مقامات پر منعقد ہوتے رہے۔

حلقہ طالبات

۱۹۷۸ء میں طالبات کا شعبہ قائم ہوا اور شمالی وجنوبی بہار کے لیے الگ الگ انچارج کا تقرر عمل میں آیا۔ ستمبر ۱۹۷۸ء میں پٹنہ میں ارکان کے تربیتی اجتماع میں پہلی بار طالبات نے شرکت کی۔ طالبات کے علیحدہ اجتماعات بھی ہوتے رہے اور پردے کے اہتمام کے ساتھ وہ طلبہ کے تربیتی اور دعوتی اجتماعات سے بھی فائدہ اٹھاتی رہیں۔ طالبات ناظم اعلیٰ اور سرپرست حلقہ کی رہنمائی میں علیحدہ دعوتی وتربیتی اجتماعات منعقد کرتی رہیں اور اپنے حلقہ میں سرگرم عمل رہیں۔ شمالی بہار میں شہناز بیگم اور جنوبی بہار میں امینہ خاتون اور مسرت فاطمہ انچارج طالبات کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دیتی رہیں۔

۲۹ نومبر تا ۷ دسمبر ۱۹۸۰ء کو بہار کے مختلف مقامات پر حلقہ طلبہ نے پندرہویں صدی ہجری تقریبات کا اہتمام کیا۔ جس میں طلبہ کے علاوہ مولانا جلال الدین عمری، ڈاکٹر ابن فرید، ڈاکٹر عبدالمغنی، ڈاکٹر احمد سجاد، جناب اے کے سوز، جناب م نسیم، ڈاکٹر عبدالمعز منظر صاحبان نے مختلف مقامات پر پروگرام میں شرکت فرمائی۔

حلقہ طلبہ شروع ہی سے دعوتی وتربیتی اجتماعات، دعوتی ربط، غیرمسلم طلبہ تک اسلام کی دعوت تحریری وتقریری مقابلہ اور مباحثہ کا اہتمام کرتی رہی تھی جیسے جیسے اس کا دائرۂ اثر بڑھتا گیا اس نے اپنے پروگرام میں ادبی نشست، عید ملاپ، ٹی پارٹی سمپوزیم سمینار، لائبریری اور اسٹڈی سرکل کا قیام، فری کوچنگ، نادار طلبہ کی امداد، صالح لٹریچر کی تیاری کے کام کو بھی شامل کرلیا اور روز بروز اس سرگرمیوں کا دائرہ بڑھتا ہی چلا گیا۔

ایمرجنسی کے دوران، نیوز بلیٹن نام سے سائیکلو اسٹائل کی شکل میں احمد علی اختر صاحب کی کوششیں سامنے آنے لگیں۔ اور یہی خبرنامہ بعد میں چل کر پندرہ روزہ "رفیق" کی شکل میں اول لیتھو سے پھر آفسیٹ سے شائع ہونے لگا ۱۹۷۷ء میں لیتھو سے شائع ہونے والا نیوز بلیٹن (رفیق) ۱۹۸۰ء میں آفسٹ سے شائع ہونے لگا۔ جنوری ۱۹۸۱ء تک جناب احمد علی اختر اس کے مدیر رہے، اس کے بعد فروری ۱۹۸۱ء تا مارچ ۱۹۸۳ء جناب سید محمد اقبال کی ادارت میں شائع ہوتا رہا۔ اپریل ۱۹۸۳ء سے اس کے مدیر محمود عالم صاحب مقرر ہوئے۔

۱۹۸۱ء تک حلقہ طلبہ میں ایک نمایاں تبدیلی آچکی تھی۔ طلبہ تنظیم میں اس نے اپنا ایک مقام بنالیا تھا اس کے کارکنوں کے بارے میں طلبہ اور عوام میں اچھے تاثرات پیدا ہو گئے تھے۔ جناب قیصر رشید صاحب کے بعد جناب سید محمد اقبال اس کے ناظم اعلیٰ ہوئے۔ ایک نئے جوش وولولے کے ساتھ حلقہ طلبہ کا دوسرا آل بہار دعوتی اجتماع فروری ۱۹۸۲ء میں کرشنا میموریل ہال میں منعقد کیا گیا۔ گذشتہ برسوں میں حلقہ طلبہ نے ریاست سے باہر کی اسلام پسند طلبہ تنظیموں سے ربط قائم کرنا شروع کردیا تھا خطوط، ملاقات اور دورے کے ذریعہ حلقہ طلبہ بہار کے ذمہ داروں نے اسٹوڈنٹس اسلامک سرکل تامل ناڈو جمعیۃ الطلبہ کشمیر اور دیگر اسلام پسند تنظیموں سے اپنا تعلق استوار کیا۔

ملک میں مسلم طلبہ ونوجوانوں کی ملک گیر تنظیم کے قیام کی کوشش ۱۹۷۴ء سے شروع ہو چکی تھی اپریل ۱۹۸۰ء میں علی گڑھ میں ۱۹۸۰ء میں دہلی ۱۹۸۱ء میں بنگلور میں اور دسمبر ۱۹۸۱ء میں کالی کٹ میں ریاستی سطح کے اسلام پسند طلبہ تنظیموں کے نمائندوں کی ملاقاتیں ہوتی رہیں اگست ۱۹۸۲ء اسلام پسند طلبہ تنظیموں کے نمائندوں کا اجلاس دہلی میں منعقد ہوا جس میں تنظیم کا دستور بنانے کے لیے رضامند تنظیموں کے افراد

پرشتل ایڈہاک کمیٹی کی میٹنگ ہوئی۔ جماعت اسلامی کی مرکزی مجلس شوریٰ نے کل ہند اسلامی تنظیم طلبہ کے قیام کی اجازت دیدی۔

۱۹۸۳ء میں جناب محمد جعفر صاحب صوبہ بہار کے ناظم اعلیٰ اور نئی تنظیم کے کنوینر بنائے گئے۔ انھوں نے مختلف مقامات کا دورہ کیا اور نئی تنظیم سے متعلق واقفیت بہم پہنچائی۔ صوبہ بہار میں تربیتی اجتماعات کرائے اور ازسر نو نئی تنظیم کے لئے ممبرشپ کے فارم بھروائے۔ انتخاب میں پہلے صدر حلقہ کی حیثیت سے منتخب کئے گئے پھر صدر تنظیم بنائے گئے ان کی جگہ جناب نصرت اللہ آفندی صدر حلقہ منتخب ہوئے اور اس طرح یہ طلبہ تنظیم ایس آئی او آف انڈیا میں ضم ہوگئی اور اس کا ایک نیا دور شروع ہوا۔

S I O بہار کی پہلی میقات میں یونٹ کے ذمہ داروں کے دو تربیتی اجتماعات ہوئے اور ۸۳ء میں چار مقامات پر کارکنوں کی تربیت کے لئے تربیتی اجتماعات ہوئے۔ ۸۴ء میں ممبروں کی اخلاقی، تنظیمی، علمی صلاحیت کو بڑھانے کے لیے ۴ روزہ تربیتی اجتماع کا انعقاد پٹنہ میں ہوا۔ اس کے علاوہ جنوبی بہار کا دو روزہ تربیتی اجتماع کرایا گیا۔ یہ تربیتی پروگرام کارکنوں کو فعال بنانے میں معاون ثابت ہوئے۔

S.I.O کی دعوت زیادہ سے زیادہ طلبہ تک پہونچانے کے لئے بہار کے تین مقامات پر دو روزہ دعوتی اجتماعات کئے گئے۔ اررریہ کورٹ میں 400، موتیہاری میں 200 اور بھاگلپور میں دوسو طلبہ نے شرکت کی۔ غیرمسلموں کے لئے ایک پروگرام کا انعقاد رانچی میں کیا گیا جس میں ۴۰ غیرمسلم طلبہ و نوجوانوں نے شرکت کی۔

خصوصی پروگرام:- S.I.O بہار کی پہلی دوسالہ میقات میں ایس آئی او کا وسیع پیمانے پر تعارف کرانے کے لئے مختلف خصوصی پروگرام حلقہ کی سطح پر ہوئے جن کی مختصر روداد ذیل میں ہے۔

ہفتہ صلوٰۃ:- ۷ راکتوبر تا ۱۴ راکتوبر پورے بہار میں ہفتہ صلوٰۃ منایا گیا۔ تمام مقامات پر خطبۂ جمعہ سے قبل نماز کی اہمیت و افادیت پر گفتگو کی گئی۔ اس کے علاوہ انفرادی اور اجتماعی ملاقات کے ذریعہ طلبہ و نوجوانوں کو نماز ادا کرنے کی تلقین کی گئی۔ ایک ہفتہ کے اندر لگ بھگ دس ہزار نوجوانوں کو نماز کی طرف راغب کرانے کی کوشش کی گئی۔ پروگرام مختلف پہلوؤں سے مؤثر اور کامیاب رہا۔ دفتر حلقہ میں موصول ہونے والے متعدد خطوط سے اس پروگرام کی مقبولیت عام کا علم ہوا۔

ہفتہ سیرت:- ۸۴ء کے شروع میں پورے بہار میں ہفتہ سیرت منایا گیا۔ اس پروگرام کے تحت غیرمسلم طلبہ و نوجوانوں کو انفرادی ملاقات و کتابچوں کے ذریعہ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے واقف کرایا گیا۔ کوشش کی گئی کہ مسلم طلبہ و نوجوانوں کے اندر مطالعہ سیرت اور اتباع سنت کا رجحان پیدا ہو۔ اس ہفتہ کے تحت سیرت کے عنوان پر لکچر، سمپوزیم وغیرہ کا اہتمام کیا گیا۔ اخبارات میں سیرت کے عنوان پر مضامین لکھے گئے اور کالجوں میں جلسہ سیرت کا اہتمام کرایا گیا۔

جہیز مخالف ہفتہ:- سماج میں تلک اور جہیز کی لعنت کو دور کرنے اور مسلم اور غیرمسلم طلبہ و نوجوانوں کے اخلاقی احساس کو بیدار کرنے کے لئے جہیز مخالف ہفتہ فروری ۱۹۸۴ء میں منایا گیا۔ اس پروگرام میں حلقہ رانچی میں مسلموں و غیرمسلموں کی ایک نشست ہوئی جس میں ۴۰ رغیرمسلم شریک ہوئے۔

دعوتی اجتماع:- زیادہ سے زیادہ طلبہ و نوجوانوں تک ایس آئی او کی دعوت پہونچانے کے لیے بہار کے تین مقامات پر نومبر ۸۳ء میں دو روزہ دعوتی اجتماع کیا گیا۔ اررریہ کورٹ میں ۴۰۰، موتیہاری و بھاگلپور میں ۲۰۰ طلبہ نے شرکت کی۔

تربیتی اجتماع:- میقات رواں ۱۹۸۵ء کے سال گذشتہ میں کارکنوں کی تربیت کے لیے چار مقامات پر گرمی کی چھٹی میں تربیتی اجتماع کا اہتمام کیا گیا۔ اور اس سال شرکا کی تعداد کے لحاظ سے اجتماع کو مؤثر بنانے کی کوشش کی گئی۔ اس ضمن میں خاطر خواہ کامیابی بھی حاصل ہوئی۔

صدور مقامی اور انچارج سرکل کا دو روزہ تربیتی اجتماع پٹنہ میں منعقد ہوا۔ اس میں بھی شرکا کی تعداد قبل کے اجتماع سے بہتر رہی۔

Mass Media - مختلف اخبارات و رسائل میں اسلام اور تحریک اسلامی پر کئے جانے والے اعتراضات یا گمراہ کن مضامین کے جواب دیئے گئے مختلف کارکنوں کو متعین کیا گیا۔ اگرچہ اس میں خاطر خواہ کامیابی نہیں مل سکی۔ پھر بھی کچھ طلبہ نے پابندی کے ساتھ اخبارات کا مطالعہ کیا اور مضامین بھی ارسال کئے۔ اس سرکل کو اور زیادہ منظم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

شریعت مہم:- شاہ بانو بنام احمد خاں صاحب والے مقدمہ میں اسلامی شرع کے خلاف سپریم کورٹ کے فیصلے کے خلاف مرکز نے ایک پکھواڑہ منانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس مہم کو پورے بہار میں بہت ہی زور و شور سے منایا گیا۔ اس مہم کے دوران انفرادی ملاقات اور کتابچوں کی تقسیم کے ذریعہ شریعت کی ضرورت و افادیت و حکمت مسلمانوں اور غیرمسلموں کو سمجھانے کی کوشش کی گئی اس مہم کے دوران کئے گئے کاموں کا مختصر Data اس طرح ہے

انفرادی ملاقات مسلم:- 13258 غیرمسلم 1236

کتابچوں کی تقسیم:- اردو ۲۱ ہزار - ہندی ۱۴ ہزار

پوسٹرس:- اردو ۱۴ ہزار - ہندی ۵ ہزار

کارنر میٹنگ:- مسلم علاقوں میں ۹۴ مقامات پر غیرمسلم علاقوں میں ۵ مقامات پر

جلسۂ عام:- ۱۴ مقامات پر جس میں تقریباً ۵ لاکھ افراد نے شرکت کی۔

سمپوزیم:- ۹ مقامات پر جس میں ۵ ہزار افراد مجموعی طور پر شریک ہوئے

مساجد میں تقاریر:۔ ۲۵۵ مساجد میں تقاریر کا اہتمام کیا گیا۔

جلوس و ریلی:۔ ۲۰ مقامات پر جلوس نکالے گئے جس میں تقریباً دس لاکھ افراد مجموعی طور پر شریک رہے۔ ۸۶ کے قریب مضامین اخبارات و رسائل کو روانہ کئے گئے۔

یہ مہم مجموعی طور پر بہت کامیاب رہی۔ اور رائے عامہ کو شریعت کے خلاف کئے گئے فیصلے کے خلاف بیدار اور ہموار کرنے کے سلسلے میں اگر یہ کہا جائے کہ اس مہم نے بہت ہی اہم رول ادا کیا تو مبالغہ نہ ہوگا۔ ساتھ ہی مہم کے ذریعہ بہار کے دور دراز علاقے تک وسیع پیمانے پر S.I.O کا تعارف ہوا۔ خاص کر پٹنہ فائرنگ نے ایس آئی او بہار کا تعارف کرانے میں بہت کلیدی رول ادا کیا۔

S.S.S:۔ اسلامی ذہن رکھنے والے ضرورتمند ذہین طلبہ کو امداد پہونچانے کے لئے Students Service Scheme کا قیام عمل میں آیا۔ ایک ذریعہ کے مطابق اب تک لگ بھگ ۴۰ طلبہ کو وقتی امداد قرض اور اسکالرشپ کی شکل میں ۲۲۰۰۰ ہزار روپے دیے جا چکے ہیں اور یہ سلسلہ ابھی جاری ہے۔

دعوتی کام:۔ جن نئے طلبہ تک S.I.O کی دعوت پہونچائی گئی اس کی مختصر روداد اس طرح ہے انفرادی دعوت کے ذریعہ ۴۶۵۰ مسلم طلبہ تک اسلام اور S.I.O کی دعوت پہونچائی گئی ۳۸ غیر مسلم طلبہ کو اسلام سے روشناس کرانے کوشش کی گئی۔ ۹۰۰ مسلم طلبہ سے باضابطہ ربط رکھا گیا ۱۹۴۶ فولڈر مسلم طلبہ میں اور ۴۰ فولڈر غیر مسلم طلبہ میں تقسیم کئے گئے۔ ۵۵۷۶ مسلم طلبہ میں کتابیں اور ۱۰۳ کتابیں غیر مسلم طلبہ تک پہونچائی گئی۔

تنظیم کی موجودہ صورت حال:۔

تعداد ممبران ۱۶۰ تعداد امید وار ممبری ۴۰ Associates کی تعداد ۱۰۰۰ سے اوپر ہے

کل یونٹ:۔ ۲۸ —

سرکل:۔ ۲۵ نئے مقامات:۔ ۹

۹ ممبران اس سال تنظیم سے تنظیمی مفاد کو دیکھتے ہوئے خارج کر دئے گئے۔

••

علی گڑھ

(مرتب: برادر خورشید اکرام)

مسلم یونیورسٹی:۔ تعلیمی سال کے نئے سیشن کا پہلا تربیتی اجتماع محمد حبیب ہال کی مسجد میں بتاریخ ۳/۴ اکتوبر ۱۹۸۶ء کو ۹ بجے شب سے شروع ہوا۔

اجتماع کا آغاز درس حدیث سے ہوا۔ جناب ڈاکٹر محمد ادریس صاحب نے "اصلاح ذات و معاشرہ" کے عنوان سے بڑے ہی اصلاحی انداز میں درس پیش کیا۔ اصلاح ذات سے متعلق انھوں نے فرمایا کہ سب سے پہلے ہمیں اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ ہم اپنی اصلاح خود کریں۔ اور جب ذاتی طور سے ہماری اصلاح ہوگی تو یقیناً اس کے اثرات معاشرے پر پڑیں گے۔ اور ہم ایک صالح اسلامی معاشرہ قائم کرنے میں کامیاب ہو سکیں گے۔

اصلاح ذات کے سلسلے میں انھوں نے غصہ، لالچ، کبر و نفاست وغیرہ کے موضوعات پر اور اصلاح معاشرہ کے سلسلے میں غیر تحقیق شدہ باتوں سے پرہیز، حسد کینہ، اور پردے کے متعلق احادیث پیش کیں۔ اور تلقین کی کہ ایک انسان کو غصہ کے وقت خود پر قابو رکھنا چاہیے۔ اور ہر لمحہ انسان یہ سوچے کہ خدا مجھے دیکھ رہا ہے۔ انسان کو لالچ اور کبر سے بچنا چاہیئے۔ یہ وہ بنیادی صفات ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر انسان اپنی اصلاح خود کر سکتا ہے۔ معاشرے کی اصلاح کے سلسلے میں جو بات سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے وہ یہ کہ ہم بغیر کسی تحقیق کے کوئی بات دوسروں کو نہ بتائیں۔ اسی طرح پردے کی اہمیت پر بھی انھوں نے روشنی ڈالی اور معاشرے میں پھیلی ہوئی بے پردگی کی نشاندہی کی۔ درس حدیث کے پروگرام کے بعد "سماعت حدیث" کے عنوان سے تمام شرکاء کو اس پروگرام میں سنانے کے لئے یاد کی ہوئی ایک حدیث سنانا تھا۔ عربی جاننے والوں کے لئے عربی متن یاد کرنا لازمی تھا جس کا ترجمہ بھی انھیں پیش کرنا تھا اور غیر عربی داں کے لئے صرف صحیح ترجمہ سنانا ضروری قرار دیا گیا تھا، اکثر شرکاء نے اس کی تیاری کی تھی۔ پھر برادر ابو طارق صاحب نے آداب نوم کے متعلق چند امور پر روشنی ڈالی۔ اور اس بات کی تلقین کی کہ سبھی کارکن تہجد کی نماز ادا کرنے کی کوشش کریں۔ اس طرح ان تمام نصیحتوں کے بعد پہلے روز کے پروگرام کے اختتام کا اعلان ہوا۔

دوسرا دن ۴ اکتوبر ۱۹۸۶ء:۔ بعد نماز فجر سب سے پہلے "اخلاص واجر آخرت" کے عنوان سے صدر یونٹ سید حسین فلاحی صاحب نے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ اجر آخرت میں نیت کی بنیاد پر ملے گا۔ اگر ہم صدق دل سے اللہ کو حاضر و ناظر جان کر صرف اللہ کی خوشنودی کیلئے کام کریں تبھی ہمیں اسکا بہترین اجر آخرت میں ملیگا۔ ورنہ ہماری تمام محنت اور کوشش رائیگاں ہو جائیگی۔ اپنی نیتوں کا جائزہ ضرور لیتے رہنا چاہیئے۔ وقفے کے بعد ۹ بجے سے "مطالعۂ قرآن" زیر نگرانی صدر یونٹ ہوا۔ سورۃ محمدؐ کے دو رکوع کا اجتماعی مطالعہ ہو سکا۔ جس میں بحمداللہ تمام شرکاء نے دلجمعی سے حصہ لیا۔ دراصل یہ پروگرام اس مقصد کے لئے رکھا گیا تھا کہ ہمارا ہر کارکن قرآن کی آیات کی گہرائی کو سمجھے اور ایک آیت کا دوسری آیت سے کیا باہمی ربط ہو سکتا ہے۔ اسے پرکھنے کی صلاحیت اپنے اندر پیدا کر سکے۔

اسکے بعد ایک مذاکرہ بعنوان "یونیورسٹی کیمپس میں کام کے استحکام و توسیع کے ذرائع و مواقع" زیر صدارت برادر ابو طارق ہوا۔ جس میں برادر عرفان احمد، اتحاد عالم، ابدال احمد، آفتاب عالم اور راقم الحروف نے حصہ لیا جو بات ابھر کر سامنے آئی وہ یہ کہ اگر ہمارے کارکن خوش اسلوبی کے ساتھ، اللہ کے دین کی سربلندی کیلئے، اور آخرت میں کامیاب و کامران ہونے کی نیت سے دعوت کا کام کریں گے تو یقیناً ہمارے کام میں توسیع ہوگی اور استحکام پیدا ہوگا۔ اور پھر ہمارے کام میں انشاء اللہ کہیں رکاوٹ پیدا نہیں ہوگی۔ اس کے بعد "مذاکرہ قرآن" کے عنوان سے ایک پروگرام ہوا جس میں شرکاء نے نئی یاد کی گئی ایک سورۃ زبانی سنائی۔ ۱۵ منٹ کے وقفہ کے بعد ایک مباحثہ "بعنوان" مذہب و سیاست کی تفریق" ہوا۔ جس میں آفتاب عالم، محمد ارشد خاں، ثناء اللہ ضیاء الرحمٰن، اور عبدالرب صاحبان نے حصہ لیا۔ (بقیہ صفحہ ۱۵ پر)

یہ مرکز تنظیم ہے

میقات رواں اگست ۸۷ء تا جولائی ۸۹ء کیلئے ایس آئی او آف انڈیا کے جو ذمہ داران منتخب یا مقرر ہوئے انکی تفصیل درج ذیل ہے

مرکزی ذمہ داران

نام	ریاست	عہدہ
برادر پی سی حمزہ	کیرالا	صدر تنظیم
" جاوید علی	نئی دہلی	جنرل سکریٹری
" محمد نسیم	مغربی بنگال	سکریٹری
" عارف اقبال	نئی دہلی	آفس سکریٹری
" عبدالرؤف	اے پی	فائنانس سکریٹری برائے شمالی ہند
" ٹی ایم عبدالرؤف خالد	تمل ناڈ	" " برائے جنوبی ہند
" غلام سرور	بہار	آڈیٹر

ممبران مرکزی مشاورتی کونسل

نمبر	نام	ریاست
۱	برادر ایس عبدالمحی الدین صاحب	مہاراشٹر
۲	" ٹی ایم عبدالرؤف خالد	تمل ناڈ
۳	" ایس ایم اقبال	بہار
۴	" پی سی بشیر	کیرالا
۵	توفیق اسلم	مہاراشٹر
۶	" حافظ منظور علی خاں	راجستھان
۷	" شبیر احمد ملا	کرناٹک
۸	" ایم عبدالرؤف	اے۔ پی
۹	" منور حسین فلاحی	یو۔ پی
۱۰	" کے اے یوسف عمری	کیرالا
۱۱	" عبدالعزیز	اے۔ پی
۱۲	" محمد نسیم	مغربی بنگال
۱۳	" راشد نیر	بہار
۱۴	" کے۔ ٹی عبدالرحمن ندوی	کیرالا
۱۵	" آئی کریم اللہ	تمل ناڈ

میقات رواں کیلئے مرکزی شاورتی کونسل کے پروگرام اور فیصلوں کے بعض اہم اجزاء یہاں درج کئے جاتے ہیں :

- تمام حلقوں میں صدر مقامی کا ایک تنظیمی و تربیتی اجتماع ہر سال منعقد کیا جائے گا۔
- ہر سال تمام حلقوں میں تربیتی اجتماعات ہوں گے مزید برآں میقات میں کم از کم ایک اجتماع ممبران کی تربیت کے لئے تمام حلقہ جات میں ہوگا۔
- کارکنان کی تربیت کے لئے ایک ہفتہ کا اہتمام پورے ملک میں ہوگا۔
- صوبائی مشاورتی کونسل کے ممبران اور منتخب ممبران کا ایک کل ہند تربیتی اجتماع کیا جائے گا۔
- مرکزی نصاب برائے امیدوار ممبری یہ ہے :-

(۱) رسالہ دینیات (۲) خطبات (۳) دین حق (۴) اسلام کا نظام حیات (۵) سلامتی کا راستہ (۶) شہادت حق (۷) تحریک اسلامی۔ کامیابی کے شرائط۔ ——— مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی علیہ الرحمۃ

(۸) تحریک اسلامی میں کارکنوں کے باہمی تعلقات ——— جناب خرم مراد صاحب

(۹) حیات طیبہ ——— مولانا ابوسلیم محمد عبدالحئی صاحب

(۱۰) اسلام کی دعوت ——— مولانا سید جلال الدین عمری صاحب

(۱۱) قرآن مجید کی آخری پندرہ سورتیں مع ترجمہ۔

- حلقے اس نصاب کو سامنے رکھ کر اپنی ضرورت کے اعتبار سے نصاب طے کریں گے۔ اگر مذکورہ بالا دس کتب میں سے کوئی کتاب دستیاب نہ ہو تو اس کی جگہ دوسری کتاب یا کتب کا انتخاب بھی حلقے کریں۔
- غیر مسلم نوجوانوں میں دعوتی کام کی خصوصی کوشش کیجائیگی تاکہ شہادت حق کا فریضہ ادا ہو سکے۔
- ملکی سطح پر ایک پندرہ روزہ مہم چلائی جائیگی جس کا عنوان دعوت امن (Call To Peace) ہوگا۔
- حلقے میقات رواں کیلئے دعوتی کام کا (خاص طور سے برادران وطن میں) ایک جامع منصوبہ بنائیں گے اور دعوت کا ایک نشانہ مقرر کریں گے۔
- حلقے میقات رواں کیلئے ہمدرد سازی کا ایک نشانہ مقرر کریں۔
- ہر حلقہ کم از کم ایک یونیورسٹی یا بڑے تعلیمی ادارے میں دعوتی کام پر خصوصی توجہ دے۔
- تعلیمی سال کی ابتدا میں والدین کو اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ وہ بچوں کو اسکول و مدارس بھیجیں۔
- اونچے درجات کے طلبہ کو موجودہ تعلیمی نظام کی خرابیوں سے آگاہ کیا جائے گا۔
- نادار طلبہ کو وظیفے، ہاسٹل اور کیریر گائیڈنس بیورو کا قیام، کیمپس کے مسائل کو حل کرنے کی حتی المقدور کوشش کی جائے گی۔
- سماج کے تعلق سے غلط رسم ورواج اور دیگر برائیوں کو ختم کرنے کی کوشش، گروہی عصبیت اور فرقہ وارانہ منافرت کے ازالہ کی فکر و تدبیر، بلدیاتی مسائل کے حل کی کوشش نیز مریضوں کی خدمت واعانت کی کوشش ہوگی۔
- بعض ریاستوں میں کام کے فروغ کیلئے قریب کی نسبتاً مضبوط ریاستوں سے منسلک کر دیا گیا ہے۔ اڑیسہ کو بہار سے، آسام کو مغربی بنگال سے اور گجرات کو مہاراشٹر سے۔
- تنظیم کے انگریزی نیوز بلیٹن EXACT کے مدیر برادر شاہجہاں (دہلی) ہونگے اور اردو ترجمان "رفیق منزل" کے مدیر کی معاونت کیلئے برادر طارق انور فلاحی (یوپی) اور برادر سالار محمد خاں (راجستھان) مقرر کئے گئے۔
- اردو ترجمان کیلئے اشتہارات کی فراہمی اور خریداری کا ایک نشانہ حلقوں کیلئے طے کیا گیا ہو کم از کم ہوگا۔
- مختلف مسائل پر تنظیم کے موقف کے سلسلہ میں مرکز کے تعاون کیلئے ایک علمی سکریٹریٹ قائم کیا گیا ہے جس میں صدر تنظیم، جنرل سکریٹری، سید محمد اقبال صاحب، عبدالحئی صاحب اور منور حسین شامل ہیں۔

(۱۱) نئی نسل کے مصنفین کی ہمت افزائی کرنا (۱۲) طلبہ کے اسلامیت کے عمل کو فروغ دینا۔

- مرکزی مشاورتی کونسل (C.A.C.) کی آئندہ نشست منتخب ممبران کے اجتماع کے موقع سے دونوں کے لئے ہوگی۔

ملک کی موجودہ صورت حال پر مرکزی مشاورتی کونسل ایس آئی او آف انڈیا کی قرارداد :

اسٹوڈنٹس اسلامک آرگنائزیشن آف انڈیا کی مرکزی مشاورتی کونسل کے اجلاس منعقدہ دہلی بتاریخ ۱۴ تا ۱۸ ستمبر ۱۹۸۵ء میں ملک کی بگڑتی ہوئی صورت حال پر گہری تشویش کا اظہار کیا گیا۔

کونسل کا یہ احساس ہے کہ ہمارا ملک ایک زبردست بحران سے دوچار ہے اس بحران کا ایک نمایاں پہلو ملک میں بڑھتی ہوئی جارحانہ فرقہ پرستی اور تشدد آمیز رجحان میں روز افزوں اضافہ ہے۔

آئے دن ملک کے مختلف حصوں میں قتل و غارت گری کے واقعات اس رجحان کی سنگینی کا بیّن ثبوت ہیں۔ اس سے پہلے کہ پورا ملک آگ و خون کا شکار ہو جائے، انسانیت دوست اور محب وطن افراد اور جماعتوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ آگے بڑھیں اور اس اخلاقی انحطاط، تنگ نظری، گروہی عصبیت اور سیاسی مفاد پرستی کے خلاف سرگرم عمل ہو جائیں۔ جو بڑی تیزی سے ہمارے ملک کو اپنی گرفت میں لئے جا رہا ہے۔ یہ بھی ایک افسوس ناک حقیقت ہے کہ ہمارے ملک میں ان رجحانات کو فروغ دینے کی ایک منصوبہ بند اور مسلسل کوشش کی جا رہی ہے۔ کونسل ملک کے تمام خیر پسند عناصر کو اور خاص طور سے اس کے نوجوان طبقے کو آواز دیتی ہے کہ وہ آگے بڑھیں اور ہر سطح پر باہمی میل ملاپ، بھائی چارگی، رواداری اور اخلاقی اقدار کے فروغ کی کوشش تیز تر کر دیں، ایسی فضا بنائی جائے جہاں لوگ ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

کونسل تمام اہل وطن کو خصوصاً اپنی طالب علم اور نوجوان برادری کو ان قوتوں سے ہوشیار رہنے کی تاکید کرتی ہے جو پورے ملک میں مسلسل قومی و گروہی عصبیتوں اور تشدد آمیز کارروائیوں کو بڑھاوا دینے کی سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔

کونسل اس عزم کا اظہار بھی مناسب سمجھتی ہے کہ ایس آئی او ملک گیر پیمانے پر باہمی بھائی چارہ کی فضا پیدا کرنے اور تنگ نظری کو ختم کرنے کی کوشش جاری رکھے گی۔ ●●

تمام تعریفیں خدائے قادر مطلق کے لئے ہیں۔ پیارے ساتھیو! یہ خبر بڑی مسرت افزا ہے کہ جمعیۃ طلبا اپنی ۳۴ ویں سالانہ کانفرنس کا انعقاد کر رہی ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ آپ کی تنظیم اللہ تعالیٰ کے بے پایاں فضل و کرم سے پاکستانی نوجوانوں کی سب سے مضبوط طاقت بن چکی ہے۔ صمیم قلب سے ہماری یہ دعا ہے کہ آپ کی یہ قابل قدر پیش رفت مستقبل میں بھی جاری رہے۔

مادہ پرستانہ نظریات پر مبنی تحریکات کی ناکامی اور ساتھ ہی ان کی اہمیت آج بھی تسلیم شدہ حقیقت ہیں، تاہم کثیر ذرائع و وسائل اور وسیع ذرائع ابلاغ و تشہیر کی پشت پناہی کی بدولت وہ خود کو باقی رکھنے کے لئے کوشاں ہیں۔ اسلامی تحریکات کو ہر محاذ پر ان کا مقابلہ کرنا، ان کے چیلنج کو قبول کرنا اور نوجوانوں کو ان کا سرمایہ بننے سے روکنا ہے۔ اس بات پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے کہ ہماری فکر اور کارکردگی زیادہ مضبوط و نتیجہ خیز ہو۔ موجودہ حالات اسی کا تقاضہ کرتے ہیں۔

مختلف ممالک میں کام کرنے والی طلبہ تنظیموں کو دعوتی اور تنظیمی معاملات میں اپنے تجربات کے تبادلہ کا عمل جاری رکھنا چاہئیے، یہ عمل زیادہ وقت اور صلاحیتوں کو ضائع ہونے سے بچانے میں بہت معاون ثابت ہوگا۔

تنظیم کی طرف سے اور میں خود اپنی تمام نیک خواہشات کانفرنس کے لئے پیش کرتا ہوں اور اس کی غیر معمولی کامیابی کے لئے دعاگو ہوں۔

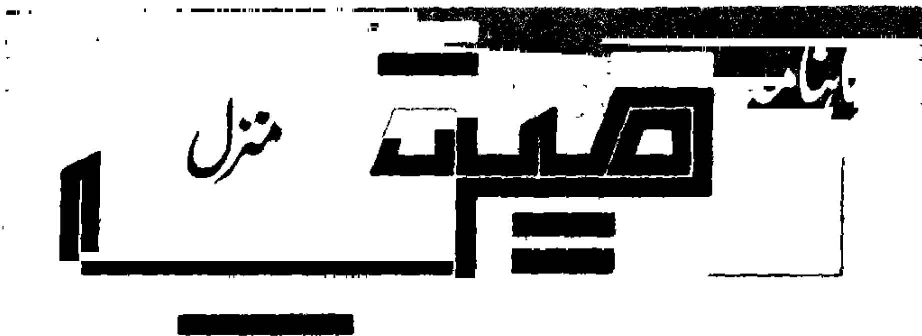
کارکنان تحریک سے سلام کی درخواست کے ساتھ، میں خود بھی آپ سے دعاؤں کا طالب ہوں۔ اللہ ہم سب پر رحم و فضل فرمائے، آمین:

آپ کا بھائی

پی کی حمزہ — صدر ایس آئی او

پریس ریلیز

دہلی ۱۲ اکتوبر ۱۹۸۵ء اسٹوڈنٹس اسلامک آرگنائزیشن آف انڈیا اپنے ایک بیان میں تیونس میں برادر راشد غنوشی صدر اسلامک ٹرینڈ موومنٹ اور ان کے رفقاء کار کے خلاف کئے جانے والے غیر انسانی سلوک کے سلسلہ میں اپنے شدید غم و غصہ کا اظہار کیا ہے نیز حکام سے ہر قسم کے مقدمات سزاؤں اور ایذا رسانیوں کے سلسلہ کو روکنے اور گرفتار شدگان کی فوری رہائی کا مطالبہ کیا ہے۔


منزل



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اہم اپیل

برادرانِ محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایس۔ آئی۔ او آف انڈیا کا قیام آج سے پانچ سال قبل عمل میں آیا۔ الحمدللہ تنظیم نے اس مختصر مدت میں کافی پھیلاؤ اختیار کیا ہے ہندوستان کی تقریباً ہر ریاست میں اس کا کام ہو رہا ہے اور تقریباً ڈیڑھ ہزار مقامات پر اس کے کارکن سرگرم عمل ہیں۔ بیس ہزار سے زائد اس کے وابستگان کی تعداد ہے۔ پندرہ سال سے کم عمر بچوں کے لیے ملک میں تقریباً ۳۰۰ CHILDREN CIRCLE قائم ہیں۔

تنظیم نے طلبہ و نوجوانوں کے اندر دینی شعور بیدار کرنے اس پر عمل کرنے اور منظم و متحد ہونے کے لیے مختلف قسم کے اجتماعات کا ایک جال پھیلا رکھا ہے۔ غیر مسلم طلبہ برادری کو اسلام سے روشناس کرانے کا کام بھی پوری تندہی سے انجام دیا جا رہا ہے۔ ملت کے مسائل کی طرف بھی تنظیم نے پوری توجہ مبذول کی ہے۔ مسلم پرسنل لا کی جدوجہد میں اس نے نمایاں رول ادا کیا ہے۔

تعلیمی بیداری، جہیز کی لعنت کا خاتمہ، اخلاقی برائیوں کا انسداد وغیرہ اہم کاموں میں تنظیم نے اپنی قوت صرف کر رکھی ہے۔ نیز طلبہ کے لیے CAREER GUIDANCE BUREAU بک بینک اور اسکالرشپ و ہوسٹل کی فراہمی وغیرہ کے کام انجام دے رہی ہے۔

تنظیم نے اپنے کام کا آغاز اللہ کی مدد و نصرت اور تنظیم سے ہمدردی رکھنے والے اصحاب کے تعاون پر شروع کیا۔ مگر تنظیم جیسے جیسے وسعت اختیار کرتی جا رہی ہے اس کے مسائل میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ فی الوقت تنظیم کا مرکزی دفتر ابوالفضل انکلیو نئی دہلی میں واقع ہے جو صرف تین کمروں پر مشتمل ہے۔ جہاں مرکز ایس آئی او کے ذمہ داران کے ساتھ ساتھ بحالت مجبوری "رفیق منزل" اور "EXACT" (جو تنظیم کے ترجمان ہیں) S.I.O. پبلیکیشنز [illegible] کے دفاتر بھی قائم ہیں۔ لہٰذا جگہ کی تنگی کے باعث ابھی تنظیم کے سامنے اس کے ہیڈ کوارٹرس کی تعمیر کا منصوبہ ہے۔

کاموں کے پھیلاؤ کے پیش نظر اور مستقبل میں کام کی وسعت کے روشن امکانات کو مد نظر رکھتے ہوئے S.I.O. مرکزی مشاورتی کونسل نے ایک اپنی جگہ کے حصول کا فیصلہ کر لیا ہے۔ نئی دہلی میں جھولا [illegible] کے مقام پر ایک مناسب پلاٹ خریدنے کا منصوبہ ہے۔ اس میں S.I.O. ہیڈ کوارٹرس کے ساتھ ساتھ رفیق منزل، [illegible] اور [illegible] کے دفاتر، طلبہ کے لیے ہوسٹل اور باہر سے آنے والے افراد کے لیے مہمان خانہ وغیرہ تعمیر کیے جائیں گے۔ جگہ کے لیے پیشگی رقم بھی دی جا چکی ہے۔ دہلی جیسے مرکزی شہر میں ایک ایسی تنظیم جس کے مالی وسائل محدود ہوں، اس کے لیے زمین کا حاصل کرنا ایک مشکل مرحلہ ہے۔ زمین کے حصول اور تعمیرات کے لیے لاکھوں روپے کی فوری ضرورت ہے۔

ہم اللہ کی مدد اور اصحابِ خیر کے تعاون سے امید رکھتے ہیں کہ یہ کام پایۂ تکمیل تک پہنچے گا۔ انشاء اللہ۔

چیک اور ڈرافٹ پر صرف اتنا لکھیں
STUDENTS ISLAMIC ORGANISATION OF INDIA

پتہ: ہیڈ کوارٹرس ایس۔ آئی۔ او آف انڈیا
۲۳۰۔ ابوالفضل انکلیو، اوکھلا
نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

والسلام
پی۔ سی۔ حمزہ
صدر ایس۔ آئی۔ او آف انڈیا

ماہنامہ

رفیقِ منزل

نئی دہلی

جلد نمبر ۱ — جنوری ۱۹۸۸ء مطابق جمادی الاوّل وجمادی الآخر ۱۴۰۸ھ — شمارہ نمبر ۲

آئینۂ ترتیب

مدیر اعزازی
منور حسین فلاحی

منیجر
جاوید اختر

شرح خریداری

فی پرچہ	دو روپے پچاس پیسے
سالانہ	پچیس روپے
ششماہی	پندرہ روپے
غیر ممالک سے	ایک سو پچاس روپے

مقام اشاعت اور انتظامی امور میں مراسلت کا پتہ

Manager
Rafeeque-e-Manzil Monthly
230, Abul Fazal Enclave
OKHLA - New Delhi-110 025

ڈرافٹ پر صرف اتنا لکھیں

RAFEEQUE-E-MANZIL

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اداریہ

ملک کی موجودہ صورت حال جیسی کچھ ہے وہ تمام لوگوں کے سامنے ہے۔ بے شمار قسم کی خرابیوں میں فرقہ وارانہ منافرت کا بڑھتا ہوا رجحان خاص طور پر بڑی سرعت سے ایک نامناسب رُخ اختیار کرتا جا رہا ہے۔ مختلف مذہبی رسوم کے حوالوں سے تنازعات کا اٹھ کھڑا ہونا اور لاتعداد جانی و مالی اتلاف کا نتیجہ تو ایک معروف سی چیز بن گئی تھی لیکن اب تو باہمی تعلقات کو خوشگوار بنانے والے معاملات بھی آپسی منافرت کا ایک نیا اور مؤثر ذریعہ بنتے جا رہے ہیں۔ یہ وہ خطرناک رجحان ہے جس کے سدباب کی اگر سنجیدہ اور فوری کوشش نہیں ہوتی تو اس کے تباہ کن نتائج کا تصور بھی کرنا مشکل ہے۔

ان حالات میں جہاں ارباب حکومت کی ذمہ داریاں ہیں کہ وہ اپنے ذاتی مفادات سے بالاتر ہوکر ان کے انسداد کی مؤثر تدابیر عمل میں لائیں وہیں باشندگان ملک کو اپنے طور پر اس سلسلہ میں خاص فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ ذاتی مفاد کے گھروندے انہیں امن عطا نہیں کر سکتے جب یہ وبا عمومی رخ اختیار کرے گی اور روزمرہ پیش آنے والے واقعات و حادثات اس کا بین ثبوت ہیں۔ اس ضمن میں امت مسلمہ کے افراد کی ذمہ داری اور بھی زیادہ اہم ہوجاتی ہے کہ وہ جس امن امان اور سلامتی کے علمبردار دین کے امین ہیں۔ اس کے پیغام امن و سلام کو زیادہ توجہ، فکر، یکسوئی، خلوص اور سچی بہی خواہی و ہمدردی کے جذبہ سے عام کرنے کی کوشش کریں۔ اس لیے کہ حالات کے خراب ہونے اور کر دینے میں اس بات کا بھی خاصا دخل رہا ہے کہ یہ پیام امن و عافیت پردوں میں چھپا رہا ہے اور مذہب کے نام پر لوگوں نے اپنے ذاتی مفاد و اغراض کے حصول کی مذموم کوششیں کی ہیں۔ ضرورت ہے کہ باشندگان ملک اس خدائی پیغام کی صحیح شکل دیکھ سکیں، اس کے اوپر شکوک و شبہات، اندیشوں اور غلط فہمیوں کے جو پردے پڑے ہوئے ہیں انھیں ہٹانا اور آب و ہوا کی طرح اس سے استفادہ کو انسانی برادری کے لیے آسان بنانا ہماری اوّلین ذمہ داری ہے۔ اس باب میں پہلے قدم کے طور پر باہمی اخوت و بھائی چارے کی فضا کے قیام کے لئے جو دعوت دین کی ہماری جد و جہد کے لیے ایک ناگزیر قدم ہے، ہمیں ہر اس ممکن و جائز تدبیر کو روبعمل لانا ہوگا جو اس کے لیے مددگار ثابت ہو سکتے ہوں۔ آج جب کہ فاصلے کم ہوگئے اور نشر و اشاعت کے ذرائع اتنے عام ہوگئے ہیں وسائل و تدابیر کی نشاندہی کی ضرورت نہیں ہے۔ تاریخ کے اس نازک موقع پر ہمیں ہر اس قولی و عملی اقدام سے باز رہنا انتہائی ضروری ہے جو اس تعصب کے ماحول کو بگاڑ دے۔ کیونکہ بالآخر انسانی برادری پر ہمیں اسلام کا اس اعتبار سے تعارف کرا کر، کہ انسانی زندگی کے لیے صرف یہی ایک راہ اور طریقہ ہے جس کو اپنا کر کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے اور آخرت میں عذاب الٰہی سے نجات ممکن ہے، اس حجت کو تمام کرنا ہے کہ ہم پر اس دین کے علمبردار ہونے کی حیثیت سے قولی و عملی شہادت کی ذمہ داری ادا کرنے کا جو فریضہ تھا اسے ہم نے ادا کر دیا اور اس کا بھی فیصلہ خدا ہی کی عدالت میں ہونا ہے کہ یہ ذمہ داری کس نے کتنی ادا کی؟

مولانا منت اللہ صاحب رحمانی سے ایک ملاقات

محمد ارشد خاں
علی گڑھ

مولانا منت اللہ رحمانی صاحب محتاج تعارف نہیں ہیں۔ ملک اور بیرون ملک میں ان کے مداحوں کی ایک اچھی خاصی تعداد پائی جاتی ہے۔ بات سنہ ۱۹۷۶ء کی ہے جب میں نویں جماعت کا طالب علم تھا۔ ملک میں ایمرجنسی نافذ تھی۔ ہندوستان میں مسولینی ہٹلر کی تاریخ دہرائی جا رہی تھی۔ زبان و قلم پر تالے لگے ہوئے تھے زبردستی نوجوانوں کی نسبندی کی جا رہی تھی اور ستم ظریفی یہ کہ حکومت وقت علماء سے نسبندی کی حمایت میں فتویٰ حاصل کرنے کی ہر ممکن کوشش میں مصروف تھی۔ علماء کرام کی ایک بڑی تعداد قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہی تھی۔ ایسے دور میں مولانا منت اللہ رحمانی خاموش تماشائی بن کر نہ رہ سکے اور حکومت کی پالیسی اور اس کے عزائم پر کھل کر تنقید کی۔ انھوں نے اپنے زور قلم سے یہ ثابت کر دیا کہ مسلمانان ہند نسبندی جیسی لعنت کو ہرگز قبول نہیں کر سکتے۔ ملک کے اندر پیدا ہونے والے تمام ملی مسائل پر نہ صرف مولانا نے اظہار خیال کیا ہے بلکہ اس کے لئے حتی الوسع جد و جہد بھی کی ہے۔ جس کی بہترین مثال امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ اور مسلم پرسنل لا بورڈ ہے۔

۳۰ ستمبر کو بعد نماز فجر راقم الحروف اور عزیزی جلال الدین مولانا سے ملنے لال ڈگی روڈ پر واقع "اقبال منزل" کے لئے روانہ ہوئے۔ اقبال منزل تلاش کرنے میں تھوڑا سا وقت صرف ہوا۔ مولانا سے ملاقات ہوئی بڑی ہی گرم جوشی سے انھوں نے استقبال کیا۔ اور مصافحہ و معانقہ کے بعد نئی انداز سے تعارف ہوا۔ پھر میں نے اپنا تعارف S.I.O کے حوالے سے کرایا۔ اور تنظیم کے اغراض و مقاصد اور اس کی کارکردگی کا تفصیل سے تعارف کرایا۔ S.I.O کے ماہانہ ترجمان "رفیق منزل" کا بھی ذکر آیا۔ مولانا نے اس کے لئے دعائیہ کلمات کہے۔ میں نے ان سے انٹرویو کی درخواست کی جسے موصوف نے خندہ پیشانی سے قبول فرمایا اور ۵ بجے شام کا وقت طے ہو گیا۔

۳۰ ستمبر کو بعد نماز عصر لیا گیا انٹرویو مقالے کی شکل میں نذر قارئین ہے۔

پہلا سوال میں نے یہ کیا کہ مسلم پرسنل لا بورڈ مسلم ویمنس بل کے بارے میں کیا کچھ کر رہی ہے؟ مولانا قدرے خاموش رہے اور بلند آواز سے کہنے لگے ابھی تو یہ بل Parliament میں پیش نہیں ہو سکا ہے لیکن ہم اس کے لئے ہمیشہ تیار رہیں ماضی میں ہم اس کی مخالفت کرتے رہے ہیں اور آئندہ بھی کرتے رہیں گے۔ میں نے اسی ضمن دوسرا سوال یہ کیا کہ یکساں سول کوڈ کے بارے میں اظہار خیال کیجئے اگر یہ بل پاس ہو جائے تو اس کا کیا نتیجہ ہوگا۔ مولانا نے اس کے جواب میں کہا کہ یہ ہمارے لئے ننگی تلوار کی حیثیت رکھتا ہے جسے ہم کبھی بھی برداشت نہیں کر سکتے [illegible] میں یہ بل [illegible] تھا۔ اس سلسلے میں ہم مسلمانوں نے [illegible]

وزیر قانون، وزیراعظم کے نام بھیجے تھے اور یہ بات پورے ملک کے مسلمانوں کے کانوں تک پہنچا دی گئی ہے کہ یہ بل خطرے کی چیز ہے۔

دوسری بات یکساں سول کوڈ کے بارے میں یہ ہے کہ اس بل سے تمام مسلمان متفق ہو جائیں یہ ممکن نہیں۔ خود ہندوؤں میں اس پر اتنے اختلافات ہیں کہ ان کو جمع کرنا بہت مشکل کام ہے مثلاً جنوب کے ہندو اپنی بھانجی سے شادی کرنا فخر کی بات سمجھتے ہیں اور شمال کے ہندو اسے غلط قرار دیتے ہیں مسلمانوں میں چچا زاد بہن سے شادی ہو سکتی ہے اور یہ ہندوؤں کے یہاں درست نہیں۔ لہذا حکومت کو اس بل پر از سر نو غور کرنا چاہئے کیونکہ یہ غیر فطری اور نامناسب بات ہوگی۔

میں نے پوچھا کہ مسلم پرسنل لا کے تحفظ کی یہ تو خارجی صورت ہوگی مگر داخلی صورت کیا ہوگی؟ مولانا نے بغیر کسی تامل کے جواب دیا کہ اس کے تحفظ کی پوری ذمہ داری مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے۔ مسلمان اس پر یقین رکھیں اور اسے عملی زندگی میں نافذ کریں۔ لہذا اس کے لئے شرعی عدالت قائم کی گئی ہے اور کی جا رہی ہے۔

شرعی عدالت کی بات جب آئی تو میں نے یہ دریافت کرنا چاہا کہ عدالت کس نوعیت کی ہوگی۔ مولانا محترم نے [illegible] کہ شرعی عدالت میں قاضی مقرر کئے [illegible] اور [illegible] کوشش کی جائے گی۔ قاضی [illegible] قرآن و حدیث و فقہ کا [illegible]

درمیان گفتگو دوسرے لوگ بھی آگئے سب نے مولانا کے سامنے اپنی گفتگو رکھی اور سوالات کے جوابات دیئے۔ مالک خانہ محترم اقبال صاحب مہمانوں کی ضیافت چائے اور بسکٹ سے کرتے رہے۔ مولانا محترم سے میں نے اگلا سوال پوچھا کہ نام نہاد سیکولر حضرات یہ مشورہ دیتے ہیں ہمیں پہلے ہندوستانی ہونا چاہیئے بعد میں کسی مذہب کے بارے میں کہنا چاہیئے، مولانا نے کہا کہ یہ بات ایک سازش کے تحت کہی جارہی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم مسجد توڑ دیں، نماز و روزہ ترک کردیں یہ قطعی نہیں ہوسکتا ہمیں اسلامی قوانین پسند ہیں ہم اس پر عمل کرتے رہیں گے خواہ نام نہاد سیکولر لوگوں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔ اس ضمن میں میں نے ان سے یہ جاننا چاہا کہ بعض معترضین اکثر یہ کہتے ہیں کہ مسلم ممالک میں پرسنل لا محفوظ نہیں ہے تو پھر ہندوستان جیسے ملک میں اس کی باتیں کرنا حماقت کی بات ہے مولانا نے فرمایا کہ ہمارے لئے کوئی مسلم ملک سند کی حیثیت نہیں رکھتا ہمیں تو صرف خدا کا قانون عزیز ہے۔ میں خود عالم دین ہوں اور مجھے قرآن وحدیث کا علم ہے۔ ہندوستان میں اکابر علماء پیدا ہوئے ہیں اور انھوں نے اسلام کی تفہیم وتشریح بہت ہی دلنشیں انداز میں کی ہے۔ دوسروں نے ہمارے علماء سے استفادہ کیا ہے۔ لہٰذا کسی بھی مسلم ملک کے حوالے سے بات کرتے ہوئے اس طرح مشورہ دینا دراصل ہندوستان میں ایک مخصوص تہذیب وتمدن کو لادنے کے مترادف ہے۔ اس طرح کے پروپگنڈے سے ہوشیار رہنا چاہیئے۔

اب چونکہ مغرب کا وقت قریب تھا ہمارے پاس سوالات کی فہرست طویل تھی اور مولانا کے پاس وقت کی قلت لہٰذا میں نے اس کا پاس ولحاظ رکھتے ہوئے آخری سوال یہ کیا کہ آزادی سلسلہ شروع ہوا ہے جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا۔ حالانکہ جب آزادی کا سورج طلوع ہوا تو لوگوں نے یہ محسوس کیا تھا کہ ہمارا ملک اب سکون وچین کی زندگی بسر ہوگی مگر افسوس کہ آزادی کا سورج آگ میں گھی ڈالنے کے مترادف ثابت ہوا۔ ۱۹۸۷ء میں میرٹھ میں سب سے بڑا فساد ہوا اس کے پس پشت جو بھی وجوہات رہے ہوں میں اس کو قطعی نہیں جاننا چاہتا۔ بعض ہندوؤں نے مجھ سے میرٹھ میں یہ بتایا کہ ہم لوگوں نے مسلمانوں کو کسی طرح کی کوئی تکلیف نہیں دی ہے۔ مسلمانوں میں بھی بڑی تعداد نے یہی بات کہی البتہ پولس کے ظلم وجور کی شکایت کی آخر یہ سلسلہ کب تک چلتا رہے گا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکومت کی ہی ایما پر ہوا تھا آخر اس کا کیا تدارک ہوگا؟

مولانا اس سوال پر تھوڑی دیر خاموش رہے اور پھر پورے اعتماد سے کہنے لگے ہوسکتا ہے اس میں بہت سے لوگ ملوث ہوں مگر یہ سلسلہ تب تک قائم رہے گا جب تک مسلمانان ہند اسلامی اقدار اور اسلامی شعار پر قائم رہیں گے۔ مسلمانوں کو اور بھی سختی سے اسلامی قوانین پر عمل پیرا ہونا چاہیئے۔ مسلمانوں کو شرپسند عناصر اور بات کو بگاڑنے والے سے ہمیشہ ہوشیار رہنا چاہیئے اور نام نہاد سیکولر لیڈران سے بھی۔ ہر کسی کو جان ومال ومذہبی آزادی اور اسے پھیلانے کا حق خود قانون نے دیا ہے۔ قتل وخون کرنے والوں کو یہ محسوس کرلینا چاہیئے کہ ان کی بھی جانیں جاسکتی ہیں۔

اب وقت بھی ختم ہورہا تھا اور مولانا کو کسی بیمار کی عیادت کے لئے جانا تھا لہٰذا مولانا موصوف معذرت کے ساتھ ہم سے رخصت ہوئے۔ مولانا اسی روز گھر کے لئے روانہ ہونے والے تھے۔ ۸ بج کر ۱۵ منٹ دیر سے آئی۔ میں مولانا کو رخصت کرنے اسٹیشن پر حاضر تھا۔ ویٹنگ روم میں بھی سلسلۂ گفتگو جاری رہا۔ مولانا نے مجھ سے مخاطب ہوکر کہا کہ امارت شرعیہ معاشرے میں سدھار لانے کے لئے بھی کوشاں ہے اور مسلم سماج میں عام بیداری لانے کی خواہاں ہے، غلط رسم ورواج بالخصوص جہیز کی رسم کو ختم کرانا چاہتی ہے اس معاملے میں آپ لوگ نوجوانوں کو بیدار کیجیئے یہی پیغام ہے مسلم نوجوان طلباء کے لئے انھوں نے مزید کہا کہ طلباء کو خوب تعلیم حاصل کرنی چاہیئے اور نوجوانوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے والدین کی زیر پرستی رہیں والدین کی نافرمانی کرنے والا کبھی بھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ مولانا نے موجودہ تعلیمی نقائص کا بھی ذکر کیا اور کہنے لگے کہ موجودہ تعلیمی نظام انتہائی ناقص ہے۔ اساتذہ طلباء سے کوئی لگاؤ نہیں رکھتے ہر طرف لاقانونیت ہے اساتذہ کو طلباء کے مستقبل کی بالکل فکر نہیں ہے ان کو چاہیئے کہ وہ طلباء کے اندر چھپی ہوئی صلاحیت کو اجاگر کریں اور طلباء کو بھی چاہیئے کہ وہ ان کی عزت واحترام کریں۔ بعض دینی مدارس جو حکومت سے الحاق شدہ ہیں اس پر اظہار افسوس کرتے ہوئے موصوف نے کہا کہ اس کے نتائج بہت ہی بھیانک ہوں گے اللہ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔ باتیں ابھی مکمل بھی نہیں ہوپائی تھی کہ ٹرین آگئی اور مولانا ہم سب سے رخصت ہونے کے لئے گاڑی میں سوار ہوگئے اور ہم سب نے سلام ومصافحہ کے بعد مولانا کو الوداع کہا۔ ■

خط وکتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

اسلام کا ایثار مطلوب

محمد اسلام عمری
ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی۔ علی گڑھ

حق طلب کرنا انسان کی بنیادی ضرورت ہے اور اپنی ضرورت کے مقابلہ میں دوسروں کو ترجیح دینا ایثار ہے۔ یہ درحقیقت فیاضی کا سب سے بڑا درجہ ہے۔ عام انسان کی نظر میں مال و دولت کی بڑی قدر و قیمت ہے۔ ان کو قربان کرنے کے لئے وہ تیار نہیں ہوتا، مختلف حیلوں اور بہانوں کا سہارا لے کر اس سے چمٹے رہنا چاہتا ہے۔ صحابہ کرام کا معاملہ بالکل مختلف تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی تربیت دور نبوی میں ہوئی تھی اور ان کے اندر ایمانی جوش بدرجہ اتم موجود تھا۔ وہ زندگی کے ہر موڑ پر ایمان اور عمل صالح کی راہ اختیار کرتے کیوں کہ اسی میں رضائے الٰہی کا حصول ممکن تھا۔ صہیب رومی ؓ نے جب مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کا ارادہ ظاہر کیا اور نکل پڑے تو کفار نے ان کو روک لیا" کہا کہ تم ہمارے یہاں انتہائی غربت و افلاس کی حالت میں آئے تھے، یہیں سے کما کر اتنی بڑی دولت کے مالک ہوئے ہو اس لئے تم اس کو مدینہ لے کر نہیں جا سکتے، اسے یہیں چھوڑ جاؤ۔ وہ بخوشی اس پر راضی ہو گئے۔

آج ساری دنیا میں حقوق کی پامالی کا کہرام مچا ہوا ہے، اس کے عدم تحفظ پر واویلا کیا جاتا ہے جلوس اور فلک شگاف نعرے اسی حق تلفی کا مظہر ہیں۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو اپنے حقوق طلب کرنے کی اجازت ہی نہیں دیتا بلکہ ہر حق والے کو اس کا حق دینا ضروری قرار دیتا ہے۔ اسلامی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ جب ریاست میں کسی مستحق کو اس کا حق نہیں ملتا تو وہ اس کا تقاضا کرتا تھا، اسی طرح کسی کو کم ملتا تو وہ اپنے حق کا مطالبہ کرتا اور اس کی تکمیل بھی کی جاتی تھی

اسلام نے ایثار و قربانی کی طرف بڑی رغبت دلائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون

(آل عمران: ۹۲)

تم نیکی کو نہیں پہونچ سکتے جب تک کہ اپنی وہ چیزیں خرچ نہ کرو جنہیں تم عزیز رکھتے ہو۔

اس آیت کے ذیل میں مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں کہ "لفظ بر کی اصل روح ایفائے عہد اور ادائے حقوق و فرائض ہے۔ عام اس سے کہ یہ خدا کے حقوق و فرائض ہوں یا اس کے بندوں کے، بنی اسرائیل ایفائے عہد اور ادائے حقوق کے معاملہ میں تو بالکل صفر تھے لیکن محض چند رسوم کی ظاہر دارانہ پیروی کر کے یہ سمجھتے تھے کہ خدا کی وفاداری میں جو مرتبہ و مقام ان کا ہے وہ کسی کو نہ ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے چنانچہ اسی زعم میں وہ اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دوسرے تمام انبیاء کی وراثت کا تنہا اجارہ دار سمجھتے تھے اور یہ سوچنے کے لئے بھی تیار نہ تھے کہ کوئی اس میدان میں ان کا حریف ہو سکتا ہے۔ قرآن نے یہاں ان کے اسی زعم باطل پر ضرب لگائی ہے کہ خدا کی وفاداری کا مقام مجرد خالی خولی دعووں اور چند رسموں کے ادا کر دینے سے نہیں حاصل ہو جاتا بلکہ اس کے لئے قربانی کی ضرورت ہوتی ہے جب تک تم خدا کی راہ میں اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہ کرو گے اس وقت تک تمہارا یہ دعویٰ بالکل بے دلیل ہے۔

"عام طور سے یہودیوں کے بڑے بڑے زمین دار" لوگ تنگ دل، حرص، بخل اور حق پوشی اور حق فروشی کے عیوب میں مبتلا تھے اور طرئے عام ان کو نیک سمجھتی تھی۔ اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے انہیں بتایا جا رہا ہے کہ نیک انسان ہونے کا مقام ان چیزوں سے بالاتر ہے جن کو تم نے مدار خیر و صلاح سمجھ رکھا ہے۔ نیکی کی اصل روح خدا کی محبت ہے۔ ایسی محبت کہ رضائے الٰہی کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی چیز عزیز تر نہ ہو۔ جس چیز کی محبت بھی آدمی کے دل پر اتنی غالب آجائے کہ وہ خدا کی محبت پر قربان نہ کر سکتا ہو بس وہی بت ہے اور جب تک اس بت کو آدمی نہ توڑے نیکی کے دروازے اس پر بند ہیں"۔

اس آیت کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر نے مسند احمد کی ایک روایت نقل کی ہے کہ امام احمد بن حنبل، حضرت انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہ انصاری کا شمار مدینہ کے بڑے مالداروں میں ہوتا تھا، ان کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اثاثہ "بیرحاء" کا کنواں تھا جو ٹھیک مسجد نبوی کے سامنے تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ اس کا پانی پیتے تھے جب سورہ آل عمران کی یہ آیت نازل ہوئی تو ابو طلحہ ؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ "اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ جنت اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ اپنا محبوب مال نہ خرچ کیا جائے ہمارے نزدیک بیرحاء کا کنواں سب سے زیادہ محبوب ہے اور وہ اللہ کے واسطے صدقہ ہے مجھے کامل امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ دیگا اس لئے آپ جیسا مناسب سمجھیں کریں" آپ نے فرمایا کتنا بہترین مال ہے کہ

[illegible] انھوں نے سہیل بن حنیف اور ابی بن کعب کے درمیان تقسیم کر دیا۔"

قرآن حکیم نے لوگوں کو ایثار پر ایک دوسرے انداز سے بھی ابھارا ہے فرمایا:

ویطعمون الطعام علی حبہ مسکیناً
ویتیما واسیرا (الدھر: ۸)

اپنی خواہش کے باوجود وہ اپنا کھانا مسکینوں یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں۔

"علی حبہ میں ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہو سکتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت میں مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ اسی طرح اس کا مرجع طعام بھی ہو سکتا ہے یعنی اگرچہ وہ خود ضرورت مند ہوتے ہیں لیکن اپنی ضرورت پر مسکینوں، یتیموں کی ضرورتوں کو ترجیح دیتے ہیں۔ دورِ جدید کے مفسرین میں مولانا امین احسن اصلاحی اس آیت میں ضمیر کا مرجع "طعام" ہی بتاتے ہیں اور اس کے حق میں دلائل بھی دیتے ہیں جن میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ یہ انفاق عزیز و مطلوب مال میں سے خود اپنی ضرورت کو قربان کر کے ہوتا ہے درحقیقت وہی اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لئے ہوتا ہے اس پہلو سے خدا کی محبت کا مضمون اس کے اندر پیدا ہو جاتا ہے"۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے اس آیت کا ایسا مطلب بیان کیا ہے جس میں دونوں ضمائر کی گنجائش ہے" یعنی اللہ کی محبت کے جوش میں اپنا کھانا باوجود خواہش اور احتیاج کے نہایت شوق اور خلوص سے مسکینوں، یتیموں کو کھلا دیتے ہیں"

قرآن حکیم کی یہ تعلیمات مسلمانوں کے لئے تھیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایثار و قربانی صحابہ کی زندگی کا شیوہ بن گئی۔ سورہ حشر میں ان کی اس خوبی کو بہت ابھار کر بڑی صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا۔

ویؤثرون علی انفسہم ولو
کان بہم خصاصة (الحشر: ۹)

اس آیت کے شانِ نزول کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ ایک بھوکا آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ کاشانۂ نبوی میں اس وقت پانی کے سوا کچھ نہ تھا، اس لئے آپ نے فرمایا جو شخص آج کی رات اس کو اپنا مہمان بنائے گا خدائے تعالیٰ اس پر رحم فرمائے گا۔ یہ سعادت حضرت ابوطلحہ انصاری کو حاصل ہوئی اور وہ اس کو اپنے گھر لے گئے، بیوی سے پوچھا کچھ ہے، بولیں صرف بچوں کا کھانا، بولے بچوں کو سلا دو اور چراغ کو بجھا دو ہم دونوں رات بھر بھوکے رہ لیں گے۔ جب مہمان کھاتے وقت ظاہر کریں گے کہ ہم بھی ساتھ ہی کھا رہے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارے اس حسن سلوک سے بہت خوش ہوا۔

صحابۂ میں انصار کا سب سے بڑا اخلاقی وصف یہی تھا کہ مکے کے مہاجرین نے جب اپنا گھر بار چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت کی تو انصار نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا، ان کی آؤ بھگت کی اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ پیش کش کی کہ ہمارے باغ اور نخلستان حاضر ہیں۔ آپ انھیں ہمارے ان مہاجر بھائیوں کے درمیان بانٹ دیں؛ حضورؐ نے فرمایا کہ یہ لوگ باغ بانی نہیں جانتے۔ یہ اس علاقے سے آئے ہیں جہاں باغات نہیں ہیں۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ اپنے ان باغوں اور نخلستانوں میں کام تم کرو اور پیداوار میں حصہ ان کو دو انھوں نے کہا ٹھیک ہے۔ اس پر مہاجرین نے عرض کیا کہ ہم نے کبھی ایسے لوگ نہیں دیکھے جو اس درجہ ایثار کرنے والے ہوں۔ یہ کام خود کریں اور حصہ

[illegible]

حکومت میں شامل ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ اس علاقے کی مفتوحہ آراضی انصار کو دی جائے یا اس کو انصار کے اموال کے ساتھ ملا کر مہاجرین اور ان کے درمیان تقسیم کر دی جائے۔ مگر انھوں نے عرض کیا کہ ہم اس میں سے کوئی حصہ نہ لیں گے جب تک اتنا ہی ہمارے مہاجر بھائیوں کو نہ دیا جائے۔

حضرت عمر بن خطاب جذبہ ایثار سے اس قدر مالا مال تھے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کچھ عنایت کرتے تو وہ یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیتے کہ اس شخص کو دیجئے جو مجھ سے زیادہ محتاج ہو۔ ایثار کا یہ جذبہ صرف اپنی ذات تک ہی محدود نہ تھا بلکہ صحابہ اپنی اولاد کے مقابلے میں دوسروں کو مقدم رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا دیکھا۔ اتفاق سے کسی سائل نے کھانا طلب کیا۔ اسی وقت انھوں نے اپنے لختِ جگر کے ہاتھ سے چھین کر اس سائل کو دے دیا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس اس معاملہ میں سب سے آگے تھی ایک دفعہ ایک مسلمان خاتون نے اپنے ہاتھ سے ایک چادر بن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی، آپ نے اس کے تحفہ کو قبول کر لیا آپ کو اس کی ضرورت بھی تھی اسی وقت ایک غریب مسلمان نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! یہ مجھے عنایت ہو، آپ نے چادر ان کے حوالے کر دی، صحابہؓ نے ان کو ملامت کی کہ تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی حاجت تھی اور آپ کسی سوال رد نہیں فرماتے، تم نے کیوں مانگ لی۔ انھوں نے کہا کہ میں نے لے برکت کے لئے لی ہے تاکہ یہی چادر میرا کفن بنے۔

حضرت عمر بن خطاب کو یہ خواہش دامن گیر رہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے پہلو میں دفن کیا جاؤں۔ حضرت عائشہؓ نے اپنے لئے اس کا انتخاب کر لیا تھا اور وہی زیادہ اس کی مستحق تھیں لیکن جب حضرت عمرؓ نے درخواست کی تو انھوں نے فرمایا:

کنت اریدہ لنفسی ولا وثرن به الیوم علی نفسی۔

اس کی خواہش مجھے خود تھی لیکن آج میں انہیں خود پر ترجیح دوں گی۔

کھانے پینے کے معاملات میں ان کے ایثار کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ وہ روزے سے تھیں، گھر میں ایک روٹی کے سوا کچھ نہ تھا، ایک مسکین عورت آئی اور سوال کیا۔ انھوں نے لونڈی سے کہا کہ "روٹی اس کو دے دو" اس نے کہا کہ "افطار کس سے کریں گی" بولیں "دے تو دو" شام ہوئی تو کسی نے بکری کا گوشت بھجوا دیا۔ لونڈی سے بلا کر کہا یہ روٹی سے بہتر ہے۔

صحابہ کرام کی معاشرتی زندگی کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تعلیمات نبوی کے بڑے دلدادہ تھے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ساقی القوم اخرھم شرباً

ساقی کو آخر میں پینا چاہیئے۔

اس کے بعد یہ دستور بن گیا کہ تقسیم کرنے والا آخر میں حصہ لیتا۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ آپ جب لوگوں کو تقسیم فرماتے تو اپنا حصہ سب سے آخر میں لیتے تھے۔ غزوۂ خندق کے موقع پر حضرت ابوطلحہؓ نے آپ کو کھانے کی دعوت دی۔ آپ ان کے گھر تشریف لائے اور چند صحابہ بھی آپ کے ساتھ تھے پہلے تمام صحابہ کو کھلایا، سب سے آخر میں خود کھانا تناول فرمایا۔

حضرت ابوہریرہؓ کا شمار اصحاب صفہ میں ہوتا ہے۔ ان حضرات کا کوئی مستقل ذریعۂ معاش نہ تھا۔ ایک دن حضرت ابوہریرہؓ بھوک کی وجہ سے زمین پر گر پڑے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا تو فوراً محسوس فرما لیا کہ میں بھوک سے پریشان ہوں، فرمایا ابوہریرہ میرے ساتھ چلو میں چل پڑا، آپ گھر کے اندر تشریف لے گئے اور اجازت لے کر میں بھی داخل ہوا، آپ نے دیکھا کہ دودھ کا ایک پیالہ رکھا ہوا ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ ہدیہ ہے۔ آپؐ نے مجھ سے فرمایا ابوہریرہ جاؤ اصحاب صفہ کو بلا لاؤ۔ یہ بات مجھے اس وقت اچھی نہیں لگی میں نے سوچا کہ اس تھوڑے سے دودھ کا اصحاب صفہ کے درمیان کیا ہوگا اس وقت تو مجھے اس کی زیادہ ضرورت ہے۔ بہر حال آپ کے حکم کی تعمیل میں اصحاب صفہ کو میں بلا لایا جب سب لوگ آ گئے اور اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے تو آپ نے مجھ سے فرمایا کہ دودھ ان کو پیش کرو۔ میں ان میں سے ایک ایک کو یہ پیالہ دیتا جاتا تھا اور وہ پوری طرح سیراب ہو کر پیالہ میرے حوالے کر دیتا تھا جب سب لوگ پی چکے تو پیالہ میں نے آپ کی خدمت میں پیش کیا، اسے ہاتھ میں لے کر آپ مسکرائے اور فرمایا۔ اب ہم اور تم دو باقی رہ گئے ہیں۔ بیٹھو اور پیو۔ میں نے بھی اس میں سے پیا، آپ نے فرمایا اور پیو میں نے اور پیا، آپ نے پیالہ ہاتھ میں لیا اور جو دودھ بچا تھا وہ پی لیا۔

ایک راوی بیان کرتے ہیں کہ میں جنگ میں لوگوں کو پانی پلا رہا تھا اچانک ایک زخمی نے پانی مانگا میں بھاگ کر اس کے پاس گیا تو وہ سہیل بن عمرو تھے جو زخموں سے چور تھے انھوں نے پیالہ اپنے منہ سے لگایا لیکن قبل اس کے کہ وہ پانی کا گھونٹ بھریں ایک اور زخمی کی آواز آئی اور اس نے پانی مانگا، سہیل بن عمرو نے وہ آواز سن لی اور پانی اپنے منہ سے ہٹا لیا اور کہا کہ پہلے اس بھائی کو پلایا جائے۔ وہ صحابی جب دوسرے آدمی کے پاس پہونچے تو وہ عکرمہ تھے، زخموں سے نڈھال، پیاس کی شدت سے بدحال۔ انھوں نے بھی پیالہ منہ سے لگایا ہی تھا کہ ایک اور آواز آئی "پانی" انھوں نے بھی پانی پینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ پہلے اس بھائی کو پلاؤ جب میں اس کے پاس پہونچا تو عکرمہ کا حقیقی چچا حارث بن ہشام تھا۔ آپ نے بھی پانی کا پیالہ منہ سے لگایا ہی تھا کہ ایک اور آواز آئی "پانی" انھوں نے بھی پانی پئے بغیر ہی پیالہ ہونٹوں سے ہٹا لیا اور کہا کہ پہلے اس بھائی کو پلایا جائے۔ اس طرح ان سبھی نے اپنی جان دے کر اہل دنیا کے سامنے اخوت اسلامی و محبت ایمانی کا نمونہ پیش کیا جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔

اسلام نے ایثار و قربانی کے جذبات کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے، اس کی نظر میں اس کی بڑی اہمیت ہے، اس صفت کا انسان بڑی ہی خوبیوں کا مالک ہوتا ہے جس قوم کے اندر ایثار و قربانی کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے وہ اس لائق نہیں رہ جاتی کہ روئے زمین پر زندہ رہ سکے، زمین اپنی بے پناہ وسعتوں کے باوجود اس کے حق میں تنگ ہو جاتی ہے اس کے لئے ترقی کی راہیں بند ہو جاتی ہیں۔ لیکن جو قوم اس خوبی سے متصف ہوتی ہے وہ اس بات کی مستحق ہے کہ عالم کی ساری چیزیں اس کے حق میں فرش راہ ثابت ہوں۔

اللہ تعالیٰ بخیلوں کے متعلق فرماتا ہے:

واللہ لا یحب مختالاً فخوراً الذین یبخلون ویامرون الناس بالبخل

اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو اپنے پندار میں مغرور ہو ایسے لوگ۔ جو کنجوسی کرتے ہیں اور دوسروں کو کنجوسی کی ہدایت کرتے ہیں۔

بخیل کی نفسیات کا یہ عالم ہوتا ہے کہ وہ طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا رہا کرتا ہے اسلام کا نظام زکوٰۃ بخل کے حق میں تریاق کا کام دیتا ہے، اس کے ذریعے انسان کے اندر انفاق اور ایثار کا بہترین جذبہ پیدا ہوتا ہے اور حرص و طمع کا مرض ختم ہو جاتا ہے۔ وہ حرص و طمع جس میں بخالت کی آمیزش ہو۔ اس کو "شح" کہتے ہیں۔ قرآن حکیم نے اس کی

بقیہ صفحہ ۱۸ پر

رانگ نمبر

سید شمیم احمد مدنی

مثل مشہور ہے کہ "غم نداری بز بخر"۔ مطلب یہ ہے کہ اگر آپ کو بیٹھے بٹھائے مصیبت مول لینی ہے تو ایک عدد بکری خرید لیجئے۔ مگر میں کہوں گا کہ "غم نداری ٹیلی فون بخر"۔ آپ کہیں گے کہ یہ کیا بات ہوئی؟ میں کہوں گا کہ ہر شخص بات اپنے تجربات کی روشنی میں ہی کہتا ہے۔ اب آپ تجربہ کے بارے میں پوچھتے ہیں تو سنئے!

ہوا یہ کہ میں نے جب اِدھر اُدھر سے رقم فراہم کرکے ایک خوبصورت سا مکان تعمیر کروالیا اور مع اہل و نااہل اس میں منتقل ہوگیا تو ـــــ ـــــ بیگم کو مکان بہت پسند آیا۔ اور پسند کیوں نہ آتا؟ اس لئے کہ ان ہی کے والد محترم کے داماد کی براہ راست نگرانی میں تعمیر ہوا تھا۔ مکان تو ہر طرح سے مکمل تھا لیکن بیگم کو ٹیلی فون کنکشن کی کمی شدت سے محسوس ہو رہی تھی میں تیار تو نہ تھا لیکن جب ماں حوا کے بہکاوے میں بابا آدم آچکے تھے تو میں کیوں نہ آتا۔ بہرحال مجھے اس بات پر راضی کرلیا گیا کہ ایک کھاتے پیتے گھرانے میں ٹیلی فون کا ہونا بھی بہت ضروری ہے۔

کنکشن لینے کی کوشش شروع ہوئی بعد از مغز پچی بسیار پتہ چلا کہ محلہ ہی میں ایک صاحب ہیں جو ٹیلی فون آفس میں "کچھ" ہیں اور ایسے گُر جانتے ہیں جن سے کنکشن فوراً حاصل ہو جاتا ہے ورنہ درخواست لائن میں لگ جائے گی اور خدا ہی جانتا ہے کہ نمبر کب آئے گا (بسا اوقات نمبر ملنے کی اطلاع قبر میں پہنچنے کے بعد ہی ملتی ہے)

دوسرے دن ان سے ملاقات کی تو انھوں نے محلہ کا خیال کرتے ہوئے اطمینان دلایا کہ ٹیلی فون کنکشن مل سکتا ہے اور بہت جلد مل سکتا ہے شرط یہ ہے کہ آپ کچھ خرچ کرنے کو تیار ہوں۔ میں نے کہا کہ صاحب اس کی جو ضابطہ کی فیس وغیرہ ہے وہ میں بخوشی ادا کرنے کو تیار ہوں۔ فرمایا کہ ضابطہ کی فیس تو دینی ہی ہے اس کے علاوہ کچھ اور بھی دان کرنا ہے۔ میں نے کہا جناب ٹیلی فون ایکسچینج کی بات کر رہے ہیں یا کسی یتیم خانہ کی۔ بگڑ کر بولے کہ آپ پڑھے لکھے آدمی ہوکر بھی باتیں نہیں سمجھتے۔ پھر فرمایا کہ مجھے صرف ایک ہزار روپے اور درخواست دیجئے میں کنکشن لگوا دوں گا۔ مرتا کیا نہ کرتا ان کے کہنے پر ویسا ہی عمل کیا جیسا ایک مریض ڈاکٹر کے تجویز کردہ نسخہ پر عمل کرتا ہے۔ اور واقعی کنکشن ایک ہفتہ میں ہی مل گیا۔

وہ دن سارے گھر ہی کے لئے خوشی کا دن نہیں تھا بلکہ اہل محلہ بھی جوق در جوق آنے لگے اور اس طرح خوشی کا اظہار کیا جیسے محلہ میں ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ لگ گیا ہو۔ مبارک سلامت کا ایک سلسلہ تھا۔ ایک لامتناہی سلسلہ۔

"اخاہ صاحب ٹیلی فون لگوالیا۔ لیکن منھ بھی میٹھا نہ کرایا۔"

"واہ صاحب واہ۔ کیا خوب کام کیا ہے آپ نے دراصل خدمت خلق کا جذبہ رکھتے ہیں آپ۔"

"ارے بھائی محلہ میں ایک ٹیلی فون کا ہونا بہت ضروری ہے۔ وقت بے وقت ضرورت ہر کسی کو پڑتی ہی رہتی ہے۔ بھئی حق صاحب آپ نے ٹیلی فون لگا کر ہم لوگوں کی ایک بڑی ضرورت پوری کردی۔"

اس طرح کی باتیں اور تبصرے سُن سُن کر طبیعت سناٹے میں آگئی اور یہ احساس ہونے لگا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ میں نے ٹیلی فون کنکشن کی شکل میں ایک مصیبت خرید لی ہے۔ بہرحال تجربہ نے میرے خدشات کی تصدیق کردی۔

(دو بجے دن قیلولہ کا وقت)۔ دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز۔

"کون صاحب ہیں۔"

"ارے حق صاحب میں احمد ہوں۔ آپ کا پڑوسی۔"

"فرمایئے کیسے تکلیف کی؟"

"ارے صاحب تکلیف کیا؟ تکلیف دینے آیا ہوں، ذرا ایک ٹیلی فون کرنا ہے۔"

"اچھا کیجئے۔"

(چار بجے شام۔ باہر نکلنے کی تیاری میں مصروف ہوں۔) "کھٹ کھٹ"

"ارے دیکھنا کون ہے۔"

"پرویز صاحب ہیں۔ کہتے ہیں ایک جگہ ٹیلی فون کرنا ہے۔"

"اچھا بلالو۔"

(رات نو بجے۔ دروازہ پیٹنے کی آواز)۔

"ذرا دیکھنا کون ہے۔"

"اکرم صاحب ہیں۔ ریلوے انکوائری سے ٹرین کا وقت دریافت کرنا ہے۔"

"لاحول ولاقوۃ۔ اچھا بلالو۔"

(رات بارہ بجے۔ زور زور سے دروازہ پیٹنے کی آواز)۔

گڑبڑا کر اُٹھ بیٹھتا ہوں۔

"کون ہے اس وقت۔"

"ارے حق صاحب میں ہوں شفیق السلام علیکم

[illegible]

اہلیہ کی طبیعت اچانک خراب ہوگئی ہے۔ ڈاکٹر کو فون کرنا ہے۔"

(رات ۲ بجے۔) حق صاحب۔ حق صاحب۔ حق صا۔آ۔آ۔ب۔"

نیند ٹوٹ جاتی ہے اُٹھ کر دروازہ کھولتا ہوں۔

"ارے مظہر صاحب آپ اس وقت۔"

جی ہاں۔ وہ بات یہ ہے کہ ایک ضروری ٹرنک کرنا ہے۔ وہ بات ہی کچھ ایسی ہے کہ بے وقت آپ کو تکلیف دے رہا ہوں۔ بُرا مت مانیے گا۔"

اچھا اچھا تشریف لائیے۔ میں نے ذرا ظاہری انکساری کا مظاہرہ کیا مگر دل بچاسوں صلواتیں سنا رہا تھا کہ بدبخت نے میری اچھی نیند برباد کر دی۔ ٹیلی فون کیا لگایا آفت مول لے لی۔

ٹرنک لگا یا گیا مظہر صاحب کچھ دیر بیٹھے۔ پھر بولے

"پتہ نہیں اور کتنی دیر ہوگی آپ ذرا تکلیف کریں۔ اگر اُدھر سے بات ہو تو کہہ دیجئے گا کہ مظہر کو چھٹی نہیں ملی۔ وہ نہیں آسکتا"

یااللہ لا دے لدا دے لادن والا ساتھ ہے۔ اب میٹھی نیند چھوڑ کر ٹرنک کا انتظار کیجئے اور مظہر میاں کا حکم بجا لائیے اچھی ڈیوٹی ملی۔ دل نے کہا بُرے پھنسے ٹیلی فون لگا کر۔

دو دن تو یوں ہی گذر گئے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ مصیبت اکیلے نہیں آتی Misfortune never comes alone رات تو یہ تماشا ہوتا رہا۔ دوسرے دن آفس پہونچا ہی تھا کہ بڑے صاحب نے دیکھتے ہی کہا کہ حق تمہارا فون ہے پوچھا کون ہے۔ معلوم ہوا کہ ہوم منسٹری یعنی بیگم فون نواز ہو رہی ہیں۔ فون اٹھایا بیگم بول رہی تھیں۔

چلتے وقت بھول گئی تھی۔ آج واپسی میں مُنے کا ایک سوٹ لیتے آیئے گا۔ اور دیکھئے راستہ میں اگر اچھی سبزی مل جائے تو لیتے آیئے گا۔

[illegible]

ڈاکٹر ریحان سے غوثیہ کی دوا لینا نہ بھولئے گا

ہیلو..... ہاں..... سن رہے ہیں آپ۔

ہیلو۔ ایک بات تو رہ گئی واپسی میں نبن خالہ کے گھر ہو لیجئے گا۔ وہ آپ کو دیں گی۔ اور دیکھئے

ہیلو.....

"میں نے گھبرا کر ڈسکنکٹ کر دیا۔ جا کر سیٹ پر بیٹھا ہی تھا کہ بدشاد نے پھر پکارا حق دیکھو فون ہے۔ دل ہی دل میں کوستا ہوا اٹھا۔

ہیلو۔ آواز آئی۔

"ڈیڈی دیکھئے پپو میرا قلم نہیں دیتا۔"

دل میں سوچا یااللہ یہ کیا مصیبت مول لے لی۔

گھر پہونچا۔ ٹیلی فون کی گھنٹی میرا انتظار کر رہی تھی۔

ہیلو۔ کہیئے۔ ارے حق صاحب۔ میں پرویز ہوں۔ ذرا گھر میں کہلوا دیجئے کہ آنے میں دیر ہوگی۔ پریشان نہ ہوں۔

چلئے صاحب پیغام رسانی کا کام انجام دیجئے۔

گھنٹی پھر بجی۔

"ہیلو۔ ہاں۔ کہئے۔ ارے صاحب یہ ڈیڈ اکیریں کا کیا وقت ہے۔

غلط نمبر لگایا آپ نے۔

جواب ملا۔

سوری۔"

"پھر گھنٹی۔"

"کون صاحب ہیں۔"

"ہیلو۔"

"کسی نسوانی آواز نے استقبال کیا۔"

"ہیلو پریتم۔ میں کب سے اسٹار میں تمہاری منتظر ہوں۔ تم وعدہ کر کے نہ آئے۔" میں نے جواب دیا۔

"محترمہ رانگ نمبر ہے۔" بولیں۔

"بلف مت دو سیدھے چلے آؤ۔"

"میں نے کہا محترمہ غلط........"

[illegible]

کے چکر میں ہو۔" میں نے پھر تردید کرنی چاہی۔

"محترمہ سنئے رانگ نمبر....."

"شٹ اپ۔"

دل نے کہا الٰہی خیر۔ یہ کیا چکر ہے۔ دل پریشان ہونے لگا۔ حواس جواب دینے لگے۔ کھانا پینا، سونا، آرام سب حرام ہو رہا تھا مگر ابھی کچھ اور ہونا باقی تھا۔ وہ بھی سُن لیجئے۔

لوگوں کا تانتا ٹیلی فون کرنے کے لئے گھر پر رہتا ہی تھا۔ پریشانی تھی ہی کہ کس کو کہا جائے اور کس کو نہیں۔ خدا کی قدرت دیکھئے کہ ایک دن معلوم ہوا کہ فون خراب ہو گیا ہے۔ فون کا خراب ہونا تھا کہ مصیبت آگئی۔

حق صاحب فون کرنا ہے۔

"ارے بھائی خراب ہے۔ جواب دیا۔ (جاتے ہوئے بڑبڑاہٹ) ارے فون کرنے نہیں دینا چاہتے۔ جھوٹ بولتے ہیں۔

"حق صاحب فون کرنا ہے۔"

"بھائی صاحب خراب ہے (جاتے ہوئے بڑبڑاہٹ کی آواز) دماغ عرش پر ہے۔ فون کیا لگوا لیا ہے اپنے کو لاٹ صاحب سمجھتے ہیں۔ کہیں اور کریں گے۔"

"حق صاحب۔ ارے حق صاحب۔"

"فرمائیے۔ ارے صاحب فون کرنا ہے۔"

"بھائی خراب ہو گیا ہے۔"

"ارے صاحب میں پیسے دینے والا آدمی ہوں۔ مفت خور نہیں۔ کم از کم مجھ سے تو ایسا نہ کہیئے۔"

"بڑی مشکلوں سے ان کو سمجھا بجھا کر واپس کیا۔"

"دل نے کہا کنکشن کٹوا دینا چاہیئے۔ اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ ایک اور مصیبت نے آ لیا۔ فون کا بل آیا۔ چھ ماہ کا بل تھا۔ حیران تھا کہ کنکشن کو ایک ہفتہ ہوا ہے اور بل چھ ماہ کا۔ اکسچینج پہونچا، معلوم ہوا کہ بل جو بھی ہو پہلے کلیر کیجئے اور پھر Refund کی درخواست دیجئے دل پر جبر کر کے بل ادا کیا۔ کلرک نے چپکے سے بتلایا کہ ہر ماہ کچھ دیتے رہنے سے

بقیہ صفحہ ۱۵ پر

تحریک اسلامی میں خواتین و طالبات کی ذمہ داریاں

تبسم ارشاد (یامن)

تمام تعریفیں اللہ رب العزت کے لئے ہیں جو سارے جہان کا مالک و رب ہے اور درود و سلام ہو خدا کے ان برگزیدہ بندوں پر جنہوں نے انسانوں تک خدا کا وہ دین پہنچایا جو دنیوی و اخروی کامیابی کا ضامن ہے۔ دین اسلام کی پیروی کر کے ہی ہم دراصل دنیا کی کامرانی اور آخرت کی فلاح و نجات سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔

دین اسلام کی دعوت دراصل یہ ہے کہ انسان صرف ایک خدا کی پرستش کرے اس کی خدائی میں کسی کو شریک نہ کرے اور خدا کے بھیجے ہوئے تمام نبیوں اور رسولوں پر جس کی آخری کڑی حضرت محمدؐ ہیں اور تمام آسمانی کتابوں پر اور آخری خدائی کتاب قرآن مجید پر ایمان لے آئے۔ اور خدا کے بھیجے ہوئے دین اسلام کو جو ہر زمانے میں انسانوں کی فلاح و کامرانی کے لئے آیا ہے اور جس کی تکمیل حضرت محمدؐ پر ہوئی، قبول کر کے اپنی زندگی اس کی تعلیمات کے سانچے میں ڈھال لے اور دنیا کے حقیر مفادات کے بجائے آخرت کی ابدی کامرانی کو اور نجات کو اپنی زندگی کا عین نصب العین بنالے۔

دراصل ہم دین اسلام کو لے کر اُٹھے ہیں اور اسلام کے اس مکمل نظام حیات کو برپا کرنا چاہتے ہیں تو ظاہر ہے کہ ہمیں سب سے پہلے خود علمی و عملی طور پر اسلام کا نمونہ بننا چاہیئے تاکہ اللہ کی رضا ہمیں نصیب ہو جائے اور دوسروں کو ہم اسلام کے اس نظام کی طرف متوجہ کر سکیں جو فلاح دارین کا واحد ضامن ہے۔

دین اسلام کسی خاص فرقہ خاص قوم، یا طبقہ کے لئے نہیں آیا ہے بلکہ دنیا جہان کے سارے انسانوں کے لئے آیا ہے۔ یہ خدا کا نازل کردہ دین ہے۔ جو لوگ خدا کے اس دین کا انکار کر دیں گے دونوں جہاں میں رسوا ناکام و نامراد ہو جائیں گے۔

تحریک اسلامی کا مقصد قرآن مجید میں اقامت دین بیان کیا گیا ہے۔ اقامت دین ہی اس تحریک کا حقیقی نصب العین ہے اس کا اصل الاصول یہ ہے کہ خدا کی زمین پر خدا کا دین غالب و سربلند ہو انبیاء، شہداء، صدیقین و صالحین کا نصب العین بھی اقامت دین ہی تھا۔ درحقیقت امت مسلمہ کو انسانوں کی ہدایت کے لئے ہی برپا کیا گیا ہے لہٰذا ہم پر یہ ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے کہ ہم خدا پر ایمان رکھتے ہوئے دنیا میں بھلائیوں کو پھیلانے اور برائیوں کو مٹانے کے لئے آخری دم تک مسلسل کوشش کرتے رہیں۔ اور خیر امت ہونے کا ثبوت پیش کریں۔ جس کی یاد دہانی کے لئے سورہ آل عمران میں خدائے تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

"تم بہترین امت ہو جو سارے انسانوں کے لئے وجود میں لائی گئی ہو۔ تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور تم اللہ پر کامل ایمان رکھتے ہو۔"

ہم دیکھ رہے ہیں کہ آج بداخلاقی فتنہ و فساد برپا ہے اور اس کا اصلی سبب خدا کے دین سے ناواقفیت ہے دین اسلام وہ پیغام تھا جس کو تمام انبیائے کرام نے پیش کیا اور یہی وہ پیغام تھا جس کو انبیاء کے باپ اور کعبے کے معمار حضرت ابراہیم نے دھرایا۔ اور حضورؐ نے اس پیغام کو نہایت وسیع طرز سے پیش کیا۔ اور اس کے مطابق نظام حیات برپا کیا اور آنے والی نسلوں کے لئے اپنا اسوہ چھوڑ دیا۔

تحریک اسلامی کی دعوت دراصل مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے ان کے درمیان اختلافات دور کر دیتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل و احسان ہے کہ اس نے دنیا کے تمام مسلمانوں کو اخوت کی لڑی میں پرو دیا ہے۔

دنیائے انسانیت پر مذہب اسلام کے جہاں بیشمار احسانات ہیں وہیں خواتین پر بھی اسلام کے احسانات ناقابل فراموش ہیں۔ اسلام نے عورت کو معاشرے میں اس کا اصلی مقام دلایا اور ہر قسم کے وحشیانہ ظالمانہ سفاکانہ بربریت کے چنگل سے عورت کو نجات دلائی۔ تحریک اسلامی کی ان خواتین نے دین اسلام کی خاطر مختلف موقعوں پر بڑی بڑی قربانیاں بھی پیش کیں۔ ہر جگہ خواتین اسلام نے زبردست کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں۔ راہ حق میں اپنے مال و اولاد کی قربانیاں بھی پیش کیں اور حق کی راہ میں عزیز جانیں بھی قربان کر دیں۔ اگر ہم تاریخ اسلام کا مطالعہ کریں گے تو ہمیں صاف معلوم ہو جائے گا کہ پیغام محمدی کی اولین صدا، دعوت اسلامی کی پہلی آواز جس کے کانوں میں پہنچی وہ ایک خاتون ہی تھیں

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ اس دعوت پر فوراً ایمان لائیں۔ کہا آپ نے سرور دو عالمؐ کی تصدیق کی اور آپ کی ڈھارس بندھائی۔ اسلام کی راہ میں جو کچھ مردوں نے کیا اس سے کچھ کم عورتوں نے بھی نہیں کیا۔ انھوں نے اس دین کی خاطر ظلم بھی سہے۔ جان و مال کی قربانیاں بھی دیں عزیز و اقارب کو بھی چھوڑا اور ہجرت بھی کی۔ اسلام کی راہ میں سب سے پہلے جام شہادت نوش کرنے کا اعزاز ایک عورت ہی کے حصہ میں آیا۔ وہ جرأت مند شہیدہ حضرت عمار بن یاسرؓ کی والدہ حضرت سمیہؓ ہی تھیں۔ میدان احد میں ہمیں تھوڑی دور پر ایک بہادر خاتون نظر آئینگی جن کی حیرت انگیز شجاعت دلوں کو متاثر کر رہی تھی وہ خاتون سر سے پیر تک زخموں سے چور چور ہیں۔ زبان رسالت سے اس جانباز مجاہدہ کو یہ خوشخبری مل رہی ہے کہ "اے ام عمارہ تاریخ اسلام تمہارے اس کارنامے پر ہمیشہ فخر کرتی رہے گی"۔

پھر او ذرا آگے بڑھیئے اسی اُحد کے میدان میں ہندہ انصاریہ ایک خاتون نظر آئیں گی جو حضور سرور دو عالمؐ کی خیریت دریافت کرنے آتی ہیں۔ راستے میں انھیں یہ اطلاع ملتی ہے کہ اس خاتون کی آنکھوں کا تارا بڑھاپے کا سہارا، پیارا بیٹا شہید ہو چکا ہے۔ وہ خاتون اناللہ پڑھتی ہوئی اپنے قدموں کو آگے بڑھاتی ہیں تو خبر لانے والا انھیں ان کے شفیق بھائی کی خبر دیتا ہے کہ وہ بھی جام شہادت نوش کر چکا ہے پھر مزید یہ اطلاع ملتی ہے کہ ان کا سہاگ بھی اجڑ گیا۔ محبوب شوہر بھی شہیدوں کے زمرے میں شامل ہو گیا ہے ایک سے ایک جانکاہ خبر مل رہی تھی مگر وہ صبر و استقلال کی پیکر ہر کسی سے پوچھتی ہیں کہ مجھے سب سے پہلے سرور دو عالمؐ کی خبر تو دو کہ آپ کیسے ہیں اور جب ان کی نظر آپؐ کے چہرۂ انور پر پڑتی ہے تو کہنے لگتی ہیں کہ اے خدا کے رسول آپؐ کو دیکھنے کے بعد میرے تمام دکھ درد دور ہو گئے۔

ذرا اور آگے بڑھئے۔ یہ حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیقؓ ہیں حضرت اسماء کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن زبیر شہید ہو چکے ہیں دشمنوں نے آپ کی لاش کو سولی پر لٹکا دیا ہے چاروں طرف دشمنوں کی فوجوں کا جم غفیر ہے۔ حضرت اسماءؓ تشریف لاتی ہیں اور اپنے لخت جگر کو دیکھ کر مسکرا دیتی ہیں اور کہتی ہیں کہ جب تک میرا بیٹا زندہ رہا سب کا سردار بن کر رہا۔ اور آج مرنے کے بعد بھی میرے بیٹے کا سر ہی سب سے بلند ہے۔ اسلام لانے سے قبل حضرت خنساءؓ کے دو بھائی کسی معرکے میں کام آ گئے تھے حضرت خنساءؓ نے اپنے دو بھائیوں کے غم میں اس قدر آنسو بہائے کہ آپ کی بصارت جاتی رہی پھر یہی بزرگ خاتون بڑھاپے کی آخری منزلوں میں اپنے چار جوان بیٹوں کو میدان جنگ میں یہ نصیحت کر کے رخصت کرتی ہیں کہ "جاؤ جاکر خدا کے دشمنوں سے پوری بہادری کے ساتھ جہاد کرو اور اس وقت تک لڑو جب تک کہ خدا کا دین غالب نہیں ہو جاتا"۔ آخر وہ وقت بھی آتا ہے کہ جب اس معمر خاتون کو اُن کے چاروں جوان بیٹوں کی شہادت کی اطلاع ایک ساتھ ملتی ہے۔ اطلاع دینے والے کی زبان لڑکھڑا رہی ہے مگر وہ بہادر خاتون بڑے صبر و سکون سے کہتی ہیں کہ "تمام تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جس نے میرے بیٹوں کی قربانی قبول کر کے میری عزت افزائی کی ہے"۔ الغرض ایسے ہزاروں واقعات ملیں گے جہاں خواتین اسلام نے دین اسلام کی خاطر زبردست قربانیاں دے کر اپنے جذبۂ ایمانی کے نمونے پیش کئے۔ حالات خواہ کیسے ہی سنگین کیوں نہ ہوں۔ راستے کتنے ہی دشوار کیوں نہ ہوں ان خواتین اسلام نے کبھی اپنے حوصلے نہیں ہارے بلکہ اسلام کی خدمت کر کے اسلامی قلعے کو مضبوط بنا کے اسلامی معاشرہ کی تشکیل و تعمیر کے میدان میں خواتین نے مردوں کا بھرپور ساتھ دیا۔ ہمیں یقین ہے کہ تحریک اسلامی کی ان خواتین نے جس طرح ہر نازک دور میں ہر خطرناک موڑ پر اسلام کی خدمت اور دین کی حفاظت کے لئے جس طرح مردوں کا ساتھ دیا اسی طرح آج بھی وہ راہ حق میں ثابت قدمی اور اولوالعزمی کا ثبوت پیش کریں گی۔

ہم خواتین طالبات کی اہم ذمہ داری یہ ہے کہ ہم اپنی زندگی کو خالص دین اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کریں۔ اپنے اندر سے جاہلیت کی ایک ایک چیز کو چن چن کر نکال دیں۔ ہم اپنے گھر کی فضا کو درست کریں۔ اور اپنے گھر کو صحیح معنوں میں مومن و مسلم بنائیں۔ اپنے بچوں کو اسلامی طرز پر تربیت دیں ماں اگر مومن و مسلم ہیں تو بچے بھی مومن و مسلم ہوں گے ماں اگر روح اسلام سے خالی ہے تو بچے بھی روح اسلام سے خالی ہوں گے۔ گھروں کی معاشرت میں، روزمرہ کے رہن سہن میں، زندگی کے مختلف معمولات میں اسلام نمودار ہو اور وہ ہمارے بچوں کی آنکھوں کے سامنے چلتا پھرتا نمونہ نظر آئے۔ بچوں کے کانوں میں باربار قرآن کی آواز پڑے وہ دن میں پانچ مرتبہ گھر میں نماز کا منظر دیکھیں۔ پھر وہ اپنی فطرت کے مطابق اپنے بڑوں کی تقلید کریں۔ وہ توحید کا پیغام سنیں۔ اسلام کا نقش ان کے دلوں پر قائم و دائم رہے۔ ان کے اندر اسلامی ذوق و شوق پیدا ہو۔ اپنے شوہر، والدین، بھائی اور اولاد کو اسلامی زندگی کی طرف بلائیں پھر اپنے پاس پڑوس کی خواتین کو دین حق کی دعوت

دیں۔ محلے شہر کی خواتین کو دین اسلام کا پیغام
پہونچائیں۔ آج کا دور انتہائی ابتلاء و آزمائش
کا دور ہے۔ جہاں چاروں طرف بے پردگی،
مرد و زن کے آزادانہ اختلاط عریانی، بے
حیائی اور فحاشی کا دور دورہ ہے جس میں
آج سارے ملک کا معاشرہ پھنسا ہوا ہے۔
آج کی طالبات جاہلی اداروں کی جانب سے
شائع کی جانے والی کتابوں اور رسائل کی
دلدادہ ہیں۔ ان رسائل کو پڑھ کر ایک مغربی
خاتون کا سراپا نظروں میں جاتی ہیں ان سارے
حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسلامی
اعتقادات اور طرز زندگی کے تحفظ کے لئے
بہت ضروری ہے کہ ہم مسلم خواتین و طالبات
تحریک اسلامی میں شامل ہو کر دنیا کی
گمراہ قوتوں کی طرف سے اٹھائے ہوئے
سیلاب کا رخ پھیر دیں میں صاف لفظوں
میں بتا دینا چاہتی ہوں کہ اگر مسلم خواتین
حضرت اسماعیلؑ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ
حضرت امام حسینؓ جیسی اولاد اگر امت کو
دے سکیں تو ان کی یہ کوشش غلبۂ حق کی
بشارت ہوگی اور خواتین کا یہی کردار تاریخ
انسانیت کو رنگین و دلکش بنا سکتا ہے
یہی تحریک اسلامی کا مقصود و مطلوب بھی
ہے اور اسی پر انسانیت ناز کر سکتی ہے تو
آئیے آج ہم اپنے اس عہد کی تجدید کریں
کہ ہم سب خدا کے بندے اور بندیاں ہیں۔
ہمارا جینا اور ہمارا مرنا اسی کے لئے ہے
اس کی خوشنودی کا حصول ہی ہمارا مقصود
زندگی ہے۔ اس کی خاطر ہم ہر مصیبت برداشت
کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ہر آزمائش کا مقابلہ
کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اور اس کی محبت میں
دنیا کے بڑے بڑے فائدے کو ٹھوکر مارنے
کیلئے تیار ہیں مگر کسی حال میں اس کو ناراض
کرنا ہمیں گوارہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا
ہے کہ وہ ہماری مسلم خواتین و طالبات کی
دینی خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے
راہ حق میں حوصلہ و استقامت عطا کرے
ہر قسم کی آزمائش سے پناہ میں رکھے اور خدا
کے پیغام کو دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلانے
اور عام کرنے میں ہماری مدد فرمائے۔ آمین۔

●●

بقیہ صفحہ ۱۲ کا

بل ٹھیک جایا کرے گا۔
دعا کی کہ اللہ اس مصیبت سے چھٹکارا
دلوائیے۔ بیگم کو منانا آسان نہ تھا۔ اسی چکر میں
تھا کہ اللہ نے ایک سنہرا موقع عطا کر دیا جس
نے فون کنکشن کی مصیبت سے ہمیشہ کیلئے
نجات دیدی۔ ہوا یہ کہ میں جب ایک دن
آفس سے لوٹا تو گھر میں سناٹا دیکھا۔ بچے
ایک طرف خاموش بیٹھے تھے۔ ماتھا ٹھنکا
سوچا ماجرا کیا ہے۔ بیگم کو تلاش کیا دیکھا
چادر اوڑھے لیٹی ہیں۔ دریافت کیا۔
"کیا حال ہے۔ طبیعت تو ٹھیک ہے نہ؟"
خاموشی۔
"ارے کیا ہوا؟"
خاموشی۔
"ارے بھئی کیا مصیبت ہے۔ کچھ بولو
بھی تو۔"
خاموشی۔ سسکیاں۔
"ارے کچھ کہو بھی تو۔"
"بولیں۔" آپ کو کیا۔ مروں یا جیوں آپ
اس کلموہی اپنی سگی کے پاس جائیے۔
یہ سن کر میں سناٹے میں آگیا۔
کون کلموہی۔ ارے وہی۔"
ارے وہی جو جوبلی پارک میں آج
انتظار کرے گی۔ میں پہلے ہی سوچ رہی تھی
کہ آپ آفس سے آتے ہی کہاں چلے جاتے
ہیں اور دیر تک باہر رہتے ہیں آج راز کھلا"
(زور زور سے روتی ہیں) ہائے میری قسمت
پھوٹ گئی۔ اب اس گھر کا کیا ہوگا"
تحقیق کرنے پر پتہ چلا کہ کسی محترمہ کا فون
آیا تھا۔ وہ جوبلی پارک میں انتظار کر رہی
ہوں گی۔
بیگم کو سمجھانا آسان نہ تھا۔ بڑی جھکلو
سے اطمینان دلایا ایسی کوئی بات نہیں ہے۔
دراصل کبھی کبھی رانگ نمبر لگ جاتا ہے۔
بس دوسرے ہی دن بیگم نے فون کنکشن
کٹوانے کا حکم صادر فرمادیا اور اس طرح
میری ہی نہیں بلکہ گھر کے سارے لوگوں کی
مصیبتوں کا خاتمہ ہوگیا۔ ●●

(بقیہ صفحہ ۹ کا)

مذمت کی ہے۔ وانفقوا خیرا لانفسکم
ومن یوق شح نفسہ فاولئک ھم
المفلحون۔ (التغابن ۱۶) (اور اپنے
مال خرچ کرو یہ تمہارے ہی لیے بہتر ہے۔ جو اپنے
دل کی تنگی سے محفوظ رہ گئے بس وہی فلاح پانے
والے ہیں۔) سورہ حشر میں اسے ایثار کے مدمقابل
میں رکھ کر نفس انسانی کی ایک بہت خطرناک
بیماری سے آگاہ کیا گیا ہے۔ یہ نفس کے دواعی
میں سے ایک اہم داعیہ ہے لیکن اس سے بچنے کی
آگاہی اس بات کی دلیل ہے کہ اگر آدمی اس کو
قابو میں نہ رکھ سکے تو یہ چیز اس کی آخرت کو
بھی برباد کر دیتی ہے۔ یہی حرص وطمع کا جذبہ ہے
جو ایک دوسرے کی جان لینے اور مال چھیننے
پر ابھارتا ہے۔ احادیث میں بھی اس سے
باز رہنے کی تاکید آئی ہے۔ حضرت جابرؓ سے
روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
ارشاد فرمایا شح سے بچو اسی چیز نے تم سے پہلے
لوگوں کو تباہ کیا، حضرت ابوہریرہؓ کہتے
ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد
فرمایا کہ "حرص و بخل اور ایمان کسی بندے
کے دل میں ہرگز جمع نہیں ہو سکتے، کیونکہ ایمان
تو یہ چاہتا ہے کہ آدمی مال کا پجاری نہ بنے اور
جو کچھ مال کمائے اس میں سے دین پر اور
بے سہارا لوگوں پر خرچ کرے اور مال کو زیادہ
سے زیادہ سمیٹنے اور بچا بچا کر رکھنے کی ذہنیت
دینی ضرورتوں کا خیال کرتی ہے اور نہ بندگان
خدا پر رحم کھاتی ہے۔ ●●



امن کا پیغام

ــــــــ محمد اشفاق احمد

کسی فرد اور جماعت کے لیے امن و سلامتی کی جو ضرورت اور اہمیت اس سے کون واقف نہیں۔ امن و سلامتی کے ماحول کے بغیر نہ فرد کا تقاء ہو سکتا ہے اور نہ سماج کی ترقی۔ امن اور شانتی کے ماحول ہی میں ن و دماغ اس قابل ہوتے ہیں کہ وہ سنجیدگی سے کوئی بات سوچ سکیں، املات کا اس کے صحیح پس منظر میں جائزہ لے سکیں اور آئندہ کے لیے ر عمل تجویز کر سکیں۔ ہر فرد اور اجتماعیت کی یہ ضرورت ہے کہ اس کو ے بڑھنے کے لیے پُر امن ماحول میسر آئے۔

بدقسمتی سے آج یہی وہ جوہر ہے جو تیزی سے انفرادی اور اجتماعی ںگی سے غائب ہوتا جا رہا ہے۔ ہر آنے والا دن امن و سلامتی کو غارت ںنے والا ثابت ہو رہا ہے۔ انسانی زندگی سے سکون و سلامتی تیزی سے مفقود ہوتی جاتی رہی ہے۔ مادی آسائشیں، دولت کا انبار انسانی ںدگی میں امن و سکون کو خریدنے میں ناکام ہو گئے ہیں۔ انفرادی ندگی کے اس اضطراب اور بے چینی نے اجتماعی روپ دھار کر ایک ںاکرخیز صورتحال پیدا کر دی ہے۔ کوئی معاشرہ اور سماج اس صورتحال سے خالی نہیں۔ ممالک اور قوموں پر خوف و ہراس چھایا ہوا ہے۔ اس صورتحال نے زیادہ سے زیادہ مہلک اور خطرناک ہتھیاروں کی ریل پیل ںجنم دیا ہے۔ ہر ملک دوسرے ملک سے اس دوڑ میں آگے بڑھنا چاہتا ہے۔ ہمدردی، تعاون اور ایثار جیسے مثبت انسانی جذبات کی بنیاد پر تعلقات ی استواری اب قصۂ ماضی بن چکے ہیں۔

وطن عزیز کی حالت بھی خراب ہے۔ یہاں رہنے والے مختلف گروہوں اور ذاتوں کے درمیان شدید کشمکش کی کیفیت برپا ہے۔ رقہ وارانہ تشدد اور دہشت گردی نے اندرونی امن و سلامتی کو غارت کر دیا ہے۔ نوجوان نسل میں جارحانہ رجحانات پروان چڑھ رہے ہیں۔ سیاسی جماعتوں کو مسائل کے حل سے زیادہ حصول اقتدار میں دلچسپی ہے۔ بعض جماعتیں تو اپنی نمود اور ترقی کے لیے اس طرح کے حالات کا باقی اور برقرار رہنا ضروری خیال کرتی ہیں تاکہ اس کا زیادہ سے زیادہ سیاسی فائدہ اٹھایا جا سکے۔ حقیقی مسائل اور اس کے ٹھوس اور پائیدار حل کے لیے صحیح کوششیں ناپید ہیں۔ عوام اس پوری صورتحال سے مایوس اور ذہنی طور پر پریشان ہیں۔ ان کی نگاہیں مفاد پرستانہ سیاست کے اس ہجوم میں بے لوث اور مخلص رہنماؤں کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ ؎

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر ایک رہرو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی رہبر کو میں

اسٹوڈنٹس اسلامک آرگنائزیشن آف انڈیا (S.I.O) نے اس پوری صورتحال کا جائزہ لے کر یہ ضروری سمجھا کہ طلبہ و نوجوانوں کو خاص طور پر اس مقصد کے لیے متحرک کیا جائے۔ پوری صورتِ حال کا تنقیدی جائزہ لیا جائے۔ فتنہ و فساد، تشدد و ظلم کے حقیقی مضمرات کا پتہ چلایا جائے۔ طلبہ و نوجوانوں کو یہ موقع فراہم کیا جائے کہ وہ مسئلہ کی سنگینی کو سمجھیں اور بگاڑ کے اصل سوتوں کا پتہ لگائیں۔ اسی مقصد کے لیے تنظیم نے یہ طے کیا ہے کہ ۱۶ تا ۳۰ جنوری ۸۷ء کو کل ہند سطح پر "امن کی پکار" (CALL TO PEACE) موضوع کے تحت ملک گیر مہم چلائی جائے۔ طلبہ و نوجوانوں سے خاص طور پر ربط پیدا کر کے انہیں ان کی ذمہ داریاں یاد دلائی جائیں۔ غیر مسلم طلبہ و نوجوانوں سے وسیع پیمانے پر رابطہ پیدا کیا جائے تاکہ اسلام اور مسلمانوں کے تئیں پائی جانے والی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو سکے، تعصب و تنگ نظری کے بادل چھٹیں۔ افہام و تفہیم کا خوشگوار ماحول پیدا ہو۔

ایس۔ آئی۔ او کا اس بات پر پختہ یقین ہے کہ اس پوری صورت حال کو پیدا کرنے میں انسان کے خود ساختہ نظریات کا بڑا دخل ہے۔ انسان نے اپنے پیدا کرنے والے خدا کے بتائے ہوئے راستے کو ٹھکرا کر محض اپنی عقل و تجربہ کو رہنما بنایا۔ ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، اس نظریہ کو رد کر کے انسان نے قوم و وطن، ذات و برادری کے تنگ دائروں میں اپنے آپ کو محصور کر کے آج اپنے لیے مصیبت کھڑی کر لی۔ اپنی خواہشات اپنی پسند کو خدا کے دیے ہوئے ہدایات پر مقدم رکھا جس نے آج انفرادی و اجتماعی زندگی کو اس کے لیے عذاب بنا دیا ہے ــــ ایس۔ آئی۔ او آف انڈیا کی یہ کوشش ہے کہ پھر سے انسانوں کو یہ بھولا ہوا سبق یاد دلایا جائے تاکہ وہ اپنے خالق اور مالک کو پہچان کر اس کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو استوار کریں۔ اس کے بھیجے ہوئے انبیاء بالخصوص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی کو اپنے لیے نمونۂ عمل سمجھیں۔ اپنی حقیقت اور اپنے منصب کا صحیح شعور حاصل کریں تاکہ دنیا کی اس چند روزہ زندگی کو وہ صحیح طور پر گزار کر ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی آخرت میں کامیاب و کامران ہو سکیں۔ ●●

غزل

عطا عابدی
بہولیا، دربھنگہ

ہم تو ہر راہ سے ہنس کر ہیں گزرنے والے
اور ہوں گے غم و آلام سے ڈرنے والے

لاکھ حالات کو ناساز کرو تم لیکن!
الجھنوں میں بھی سنورتے ہیں سنورنے والے

شمع اسلام نے ہے راہ دکھائی ورنہ
بحرِ ظلمات سے ہم کب تھے ابھرنے والے

وہ مسافر ہیں کہ منزل کے سوا ہم سفرو
خواب کچھ بھی نہیں آنکھوں میں اترنے والے

خوابِ منزل کے لیے پھرتے ہیں آنکھوں میں
راہ میں چھاؤں گھنی پا کے ٹھہرنے والے

دیکھتے ہی نہیں اوروں کی طرف ایک نظر
اپنی تعریف میں یہ حد سے گزرنے والے

عقل ہے عشق کے تابع، یہ بتا ہی ڈالا
بحرِ آتش سے عطاؔ پار اترنے والے

ایم۔ اے شمسی
دوگھرا، دربھنگہ

اشک آنکھوں سے جب رواں ہوگا
تب مسیحا بھی مہرباں ہوگا

جب یہ حالات پُرسکوں ہوں گے
دلِ انساں بھی شادماں ہوگا

بجھ گئی پیاس خوں کے پیاسوں کی
کل سے پھر شہر میں اماں ہوگا

طفلِ مکتب کوئی رہے کب تک
جذبۂ شوق کب جواں ہوگا

گر ہوا بھی ہلائے گی پردہ
ان کی آمد ہی کا گماں ہوگا

دربدر ٹھوکریں جو کھاتا ہے
کل سے اس کا بھی اک مکاں ہوگا

وہ نہ بارش میں بھیگ پائے گا
سر پہ شمسیؔ کے آسماں ہوگا

دل میں اللہ کا ڈر ہے تو کوئی بات نہیں

سامنے فتنہ و شر ہے تو کوئی بات نہیں
دل میں اللہ کا ڈر ہے تو کوئی بات نہیں

سارا ماحول ہو آلودۂ عصیاں تو کیا
پاک دل پاک نظر ہے تو کوئی بات نہیں

عزم کامل ہے تو اک روز ملے گی منزل
لاکھ دشوار سفر ہے تو کوئی بات نہیں

ساری راہوں سے تو بے خوف گزر جائے گا
تجھ میں ایمان اگر ہے تو کوئی بات نہیں

دوسروں کے لیے روشن کرو راہوں میں چراغ
بے دیا اپنا جو گھر ہے تو کوئی بات نہیں

شہر سنسان ہو ویران ہوں راہیں تو کیا
دل کا آباد نگر ہے تو کوئی بات نہیں

ہم پہ الزام نہ ہو کوئی تو ہیں واجب قتل
کوئی قاتل بھی اگر ہے تو کوئی بات نہیں

راہ میں سائے بھی مل جائیں گے ساتھی بھی بہت
ابھی سنسان ڈگر ہے تو کوئی بات نہیں

منعقد محلوں میں جشنِ مسرت لیکن
نذرِ آتش کوئی گھر ہے تو کوئی بات نہیں

وسعتِ قلب و نظر شرط ہے رندوں کے لیے
محتسب تنگ نظر ہے تو کوئی بات نہیں

سننے والوں کے دلوں میں وہ اتر جائیں گے
اپنے نالوں میں اثر ہے تو کوئی بات نہیں

ٹوٹ جائے گا طلسمِ شبِ ظلمت یکسر
پردۂ شب میں سحر ہے تو کوئی بات نہیں

حُسن ہے زینت گہوارۂ صد عیش و طرب
عشق گر خاک بسر ہے تو کوئی بات نہیں

برہمن کے لیے ہے مسندِ شاہی یہ جگہ
شیخ گر شہر بدر ہے تو کوئی بات نہیں

آج ذروں کو ستاروں کی ملی ہے رفعت
اور ذرہ جو قمرؔ ہے تو کوئی بات نہیں

محمد قمر الدین قمر رام نگری

مایوسی گناہ ہے

ایک ننھا کوا ایک خوبصورت جنگل میں اپنے والدین کے ساتھ رہتا تھا۔ اس کے والدین اس کا بہت خیال رکھتے کیونکہ وہ اپنے بچے سے بہت پیار کرتے تھے۔ وہ اس کی بہت حفاظت کرتے۔

لیکن پھر بھی ننھا کوا بہت اداس رہتا اور اپنے آپ کو بہت اکیلا محسوس کرتا۔ اور ہر وقت ناامیدی کی باتیں سوچتا رہتا کہ میرے ساتھ کوئی کھیلنے والا نہیں ہے کوئی باتیں کرنے والا نہیں ہے۔

ایک دن اس نے اپنی امی سے کہا۔ میں اپنے آپ کو بہت اکیلا محسوس کرتا ہوں۔ میں اپنی تنہا زندگی سے بہت بیزار ہوگیا ہوں۔ امی جان میں کیا کروں۔

اس کی امی نے کہا تم ہر وقت کونے میں بیٹھے رہتے ہو۔ اپنے گھر سے باہر نکلو جنگل کی سیر کرو۔ لیکن ننھے کوے نے کہا امی جان میں اکیلے کیسے جاؤں۔ یونہی دن گزرتے رہے۔ گرمیوں کے بعد خزاں، خزاں کے بعد سردی کا موسم آگیا۔ اور پھر بہار۔ بہار کا موسم بھی کتنا خوبصورت ہے۔

ننھا کوا بھی وقت کے ساتھ بڑا ہو رہا تھا لیکن اس کی اداسی ختم نہیں ہوئی۔ اس کا دل نہ کھیلنے کو چاہتا نہ کوئی کام کرنے کو۔ باتیں بھی نہیں کرتا۔ وہ ایک پریشان رہتا۔

ایک دن اس نے اپنے آپ سے کہا یہ تو بہار کا موسم ہے۔ ہر کوئی خوش ہو رہا ہے اس موسم کی رنگینی سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔ کھیل رہا ہے۔ گا رہا ہے۔ لیکن میں ہوں کہ اکیلا بیٹھا اداس ہو رہا ہوں۔ مجھے بھی جنگل کی سیر کرنی چاہیئے۔ اور دوسروں کو اپنا دوست بنانا چاہیئے۔ یہ سوچتے ہی ننھا کوا جنگل کی سیر کے لیے چل پڑا۔ سب سے پہلے وہ چڑیوں کے غول کے پاس گیا اور ان کو غور سے دیکھنے لگا اور پھر ہمت کر کے ان کے قریب چلا گیا۔ چڑیوں نے اس کے یہاں آنے کی وجہ دریافت کی۔

ننھے کوے نے کہا میں آپ کے ساتھ کھیلنے آیا ہوں۔ اس کا یہ کہنا تھا کہ سب چڑیوں نے مل کر ایک قہقہہ لگایا۔ بے چارہ ننھا کوا حیرت زدہ رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ کوے نے کہا معاف کیجئے گا۔ ایسی کیا خوشی کی بات ہے جو آپ اتنا ہنس رہی ہیں۔

ان میں سے ایک چڑیا نے آگے بڑھ کر جواب دیا کہ تم یہ بات تو اچھی طرح جانتے ہو کہ ہم لوگ بہت خوبصورت ہیں اور تم بدصورت تو ہم کیسے کھیل سکتے ہیں تمہارے ساتھ اور تمہیں کیسے اپنا دوست بنانا پسند کر سکتے ہیں۔ بے چارہ ننھا کوا اب تو بہت اداس ہوا اور آگے بڑھ گیا۔ وہ بلبلوں کے غول کے پاس جا پہنچا۔ انھوں نے بھی کوے کے ساتھ چڑیوں جیسا سلوک کیا۔ بے چارے ننھے کوے کی ناامیدی بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ اپنے دل میں کہنے لگا۔ اے میرے خدا کیوں میں اتنا بدصورت اور کالا ہوں۔ کوئی مجھے پسند نہیں کرتا۔ کوئی مجھے اپنا دوست نہیں بناتا۔ کوئی مجھ سے باتیں نہیں کرتا۔ اور نہ کوئی میرے ساتھ کھیلنا پسند کرتا ہے۔

لیکن میرے پیارے اللہ میاں تم تو بہت مہربان ہو۔ میں اپنی اس مایوسی اور احساس کمتری سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہوں۔ اے میرے اچھے اللہ میاں آپ میری مدد کریں اور پھر وہ اردگرد کی چیزوں کے بارے میں سوچتا ہوا موروں کے پاس پہنچ گیا۔

مور بہت خوبصورت اور بہت خوش نظر آ رہے تھے۔ ان کے پر بہت ہی چمکدار اور رنگ برنگے تھے۔ وہ ایک دوسرے کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ واہ خدا کی شان۔ ساری تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اس سے پہلے میں نے کوئی جانور اتنا خوبصورت نہیں دیکھا۔ کوا آگے بڑھنے سے پہلے کچھ سوچنے لگا کہ وہ میرے بارے میں کیا سوچیں اور ایک دوسرے سے کیا کہیں گے نہیں نہیں وہ مجھے قبول نہیں کریں گے۔ وہ اسی سوچ میں گم زمین پر بیٹھ گیا۔ مجھے اپنے لئے کوئی ایسی ترکیب کرنی چاہیئے جس سے میں خوبصورت نظر آؤں تاکہ مجھے کوئی پہچان نہیں سکے تاکہ کوئی مجھے کالا کوا نہیں کہے۔ ہاں مجھے بھی اس دنیا سے نفرت ہوتی جا رہی ہے جس طرح سب مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ ابھی جب کہ ننھا کوا اپنی سوچ میں گم تھا۔ اس نے میدان میں موروں کے کچھ پر دیکھے۔ اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر انہیں اٹھا لیا جو کہ بے انتہا خوبصورت اور چمک دار تھے۔ اس کے دماغ میں ایک خیال آیا اور وہ زمین پر اچھلنے لگا اس نے کچھ پر اپنی دم میں لگائے اور کچھ سر پر اور خود سے بولنے لگا۔ اب تو مجھے کوئی بھی نہیں پہچان سکے گا۔ اب تو میں بالکل مور لگ رہا ہوں۔ وہ اڑتا ہوا موروں کے قریب چلا گیا۔ اور ان کے ساتھ کھیلنا شروع کر دیا۔ موروں نے جو کوے کی حالت دیکھی تو پہلے حیران ہوئے۔ پھر اس کا مذاق اڑانے لگے۔ ان میں سے ایک مور غصے میں آگے بڑھا اور ننھے کوے کے پاس آکر پر چھین لئے اور کہنے لگا کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ مور کے پر لگانے سے تم مور بن جاؤ گے خوبصورت ہو جاؤ گے۔ تم کوے ہو اور ہمیشہ کوے رہو گے کیا سمجھے اور آئندہ بھی ادھر کا رخ نہیں کرنا کوے کا بچہ بہت ہی غمگین گھر کی طرف لوٹ رہا تھا سوچوں میں گم کہ کوئی بھی اس کے ساتھ کھیلنے پر رضامند نہیں ہوا وہ پہلے سے بھی زیادہ اپنے آپ کو تنہا محسوس کر رہا تھا۔

وہ بہت تھک چکا تھا وہ کچھ دیر آرام کرنے کے لئے راستے میں ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ اور اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اچانک اس نے ایک آواز سنی لیکن اسے اپنے چاروں طرف کوئی نظر نہیں آیا۔ آخر کار تلاش کرنے والے انداز میں اس نے اپنی نظریں ادھر ادھر گھمانا شروع کیں لیکن اپنے چاروں طرف وہ کسی کو نہیں پا سکا۔ آخر اس نے کہا کون بول رہا ہے دوبارہ آواز آئی میری طرف دیکھو میرا نام چیونٹی ہے میں تمہارے قریب پتھر پر بیٹھی ہوں۔ کوے نے کہا لیکن تم یہاں کیا کر رہی ہو۔ تم کیوں کھیلنے نہیں جا رہی ہو اور اپنے آپ سے خوش کیوں نہیں ہو چیونٹی نے اداس لہجے میں کہا کوئی میری طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ میں ہر جگہ سے اور ہر ایک سے ناامید ہو گئی ہوں،

ننھے کوے نے کہا میرے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے لیکن ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیئے اللہ جو

محنت ہی دولت ہے

خلیل احمد خاں گجراسی

ایک گاؤں میں ایک کسان رہتا تھا اس کے پانچ لڑکے تھے سب کے سب سست اور کاہل تھے۔ وہ کبھی کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ کسان انھیں بہت سمجھاتا اور محنت و مشقت کرنے پر ابھارتا تھا لیکن وہ ساری نصیحتیں ایک کان سے سنتے اور دوسرے کان سے اڑا دیتے۔ کبھی اپنے باپ کی نصیحت پر نہیں چلتے تھے۔ ایک مرتبہ کسان سخت بیمار پڑا۔ اس نے اپنے پانچوں لڑکوں کو بلایا اور کہا۔

"میرے پیارے بیٹو! میں اس بیماری میں نہیں بچوں گا میرا وقت قریب آگیا ہے۔ میں تم کو ایک بڑے راز کی بات بتانا چاہتا ہوں۔ دیکھو! میں نے آم کے باغ میں کسی درخت کے نیچے ایک خزانہ چھپا رکھا ہے۔ میرے مرنے کے بعد تم لوگ کھود کر نکال لینا۔" اس کے لڑکوں نے پوچھا "کس درخت کے پاس ابا جان؟"

"یہ میں بھول گیا" کسان نے جواب دیا۔

ابھی وہ اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ اس کی روح پرواز کر گئی۔

کسان کے مرنے کے بعد دوسرے ہی دن اس کے لڑکوں نے خزانہ کی تلاش شروع کر دی۔ ہر درخت کے نیچے کھود ڈالا لیکن کہیں خزانہ نہ ملا۔ آخر وہ تھک کر چور ہو گئے۔ اچانک ان کی نظر باغ کے ایک سوکھے درخت پر پڑی۔ ایک وہی درخت باقی بچ گیا تھا۔ کسان کے لڑکے تو بالکل ہی کاہل تھے کبھی انھوں نے اتنی محنت نہیں کی تھی لیکن خزانہ کے لالچ نے ان کے اندر ایک نئی طاقت پیدا کر دی۔ وہ اٹھے اور اس پیڑ کے نیچے کھودنے لگے۔ آخر چھن سے آواز آئی۔ سب خوشی کے مارے چلا اٹھے "خزانہ مل گیا!"

واقعی درخت کے نیچے سے پیتل کا گھڑا نکلا۔ سب خوشی خوشی گھر لائے۔ گھر آکر انھوں نے اس کو کھولا۔ مگر اس کے اندر سے سونا چاندی اور روپیہ پیسہ کچھ نہ نکلا۔ ہاں اس کے اندر سے صرف ایک خط نکلا جو ان کے باپ نے لکھا تھا۔ خط میں لکھا تھا

میرے پیارے بچو! ہمیشہ خوش رہو۔

تم خزانہ نہ پاکر بہت غصہ ہوگے اور تم کو بہت زیادہ غم بھی ہوگا لیکن تمھیں معلوم ہونا چاہیئے کہ میرا یہ خط خزانہ سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔ اگر تم میری ان نصیحتوں پر عمل کروگے تو دنیا میں بھی کامیاب رہوگے اور انشاءاللہ مرنے کے بعد آخرت میں بھی جنت پاؤگے۔ میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ ہمیشہ اللہ کی مرضی پر چلنا اور نیک کام کرنا۔ دوسری بات یہ کہ تم لوگ بہت کاہل ہو۔ جس طرح تم نے خزانہ تلاش کرنے کے لیے آج محنت کی ہے۔ اسی طرح اگر روزانہ محنت کروگے تو اللہ تم کو ضرور محنت کا پھل دے گا۔ محنت کرنے سے دولت پیدا ہوتی ہے۔ جو لوگ دنیا میں محنت و مشقت کرنے سے بھاگتے ہیں وہ ہمیشہ مفلس اور محتاج رہتے ہیں۔ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھرتے ہیں۔ اگر تم لوگ عزت کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہو تو خوب محنت کرو۔ محنت ہی دولت ہے۔"

لڑکوں نے اس خط کو پڑھا اور زندگی بھر باپ کی ان نصیحتوں پر عمل کرتے رہے۔ چوں کہ ان لوگوں نے پورا باغ کھود ڈالا تھا اس لیے اس سال بہت اچھی فصل ہوئی۔ انھوں نے باغ کے پھل بہت زیادہ روپے میں بیچے۔



(بقیہ مایوسی گناہ ہے)

چاہتا ہے وہی ہوا کرتا ہے۔

کیا تم میری دوست بننے کے لیے تیار ہو چیونٹی نے خوشی سے کہا یقیناً کیوں نہیں۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھ گئے ہیں۔ ہم دونوں بہترین دوست بن سکتے ہیں اور ہم اپنی خامیوں کو بہتر طریقے سے دور کر سکتے ہیں۔ میں تہہ دل سے تمھاری دوست بننے کے لیے تیار ہوں۔ ننھے کوّے نے کہا تم ٹھیک کہتی ہو ہم ایک دوسرے کے لیے بہتر ہیں۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا اگر ہم چھوٹے یا بڑے کالے یا سفید ہوں یا خوبصورت اور بدصورت ہوں۔ بس یہی ہمارے لیے کافی ہونا چاہیے کہ ہم ایک دوسرے کا احترام کریں۔ کسی کا مذاق نہ اڑائیں کسی کو اپنے سے کمتر نہ سمجھیں جب ہم بڑے ہو جائیں گے تب بھی ہم آپس میں دوست رہیں گے۔ چیونٹی نے کہا میرے اچھے دوست میں تمھاری باتوں کا مطلب اچھی طرح سمجھ گئی ہوں۔ واقعی مایوسی گناہ ہے یہ ناکامی کا سبب بنتی ہے۔ ننھا کوّا چیونٹی کو لے کر اپنے گھر کی طرف روانہ ہوا تاکہ اپنی دوست کا تعارف اپنی امی سے کرائے ●●



مضمحل سارا بدن رہتا ہے چستی کے بغیر
زندگانی کچھ نہیں ہے تن درستی کے بغیر
زندگی درکار ہے تو فکرِ صحت چاہیے
سیر سے ورزش سے محنت سے محبت چاہیے
ہو اگر محنت کثافت کا اثر دھوتا ہے جسم
جاگ اٹھتی ہیں امنگیں مستعد ہوتا ہے جسم
صبح دم اٹھیے تو دھل جاتا ہے دن بھر کا غبار
موسمِ گل کی طرح چہرے پہ آتا ہے نکھار
آدمی کے رخ پہ آجائے نیا رنگِ شباب
ہو اگر صحت کی نسبت سے غذا کا انتخاب
حسن آجائے نمو کا آدمی کی خاک میں
انڈا، پھل، سبزیاں شامل ہوں گر خوراک میں
خون میں دوڑے حرارت چست ہو جائے بدن
جاگ اٹھے اگر ملائے کر زندگی کا بانکپن
ہر نفس سے آئے اک تازہ مسرت کا پیام
گر درست اپنی جگہ ہو کار اعضا کا نظام
آدمی رکھے اگر آدابِ صحت کا خیال
خود بخود چہرے سے ٹپکے تن درستی کا جمال
رنگ اپنی زندگی کے سادہ خاکے میں بھریں
آئیے صحت کی حفاظت کریں

اوّلیات حضرت عمرؓ

وہ چیزیں جنھیں سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے شروع کیا:

- بیت المال قائم کیا۔
- عدالتیں قائم کیں اور قاضی مقرر کیے
- تاریخ اور سنہ قائم کیا۔
- امیر المومنین کا لقب اختیار کیا۔
- پیمائش جاری کی۔
- مردم شماری کرائی۔
- درّہ کا استعمال کیا۔
- پولیس کا محکمہ قائم کیا۔
- فجر کی اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم کا اضافہ کیا۔
- نمازِ تراویح جماعت سے قائم کی۔

ماخوذ از "الفاروق"

رفیق کی ڈاک

مکرمی!

پہلا شمارہ طباعت و مضامین کے لحاظ سے ارفع و اعلیٰ معیار کا حامل ہے۔ میری استدعا ہے کہ مضمون نگار حضرات سے قلمی مراسلت جاری رکھیے۔ اس شمارہ میں تقریباً تمام ہی مضامین بہتر ہیں، پرچے میں خصوصاً خواتین کے احساسات و جذبات کا بھی خیال رکھیں۔ مضمون بھیج رہا ہوں پسند آنے پہ شائع فرمائیں۔

احمد علی اختر

آکولہ (مہاراشٹر)

محترمی!

رفیقِ منزل کا افتتاحیہ شمارہ ملا۔ پرچہ اچھا ہے لیکن طلبہ اور نوجوانوں کے لیے مفید ترین بنانے کے لیے بڑی محنت کی ضرورت ہے۔ سہل ایک عام فہم دلچسپ سادہ و عمل انگیز آرگن درکار ہے۔ میرا خیال ہے کہ "رفیقِ منزل" کو "رفیق" کے معیار سے قدرے نیچے اترنا چاہیے۔ اس کی افادیت میں اسی صورت اضافہ ہو سکے گا۔ نئے کالم واقعی ضروری ہیں۔ سرگرمیوں والے کالم کا عنوان 'میزانِ عمل' کچھ جچا نہیں۔

رمضان سعید

مالیر کوٹلہ (پنجاب)

محترمی!

جب "رفیقِ منزل" کو باہر سے لے کر اندر تک دیکھا تو مایوسی ہوئی۔ اگر ہم جیسے کو ایس آئی او کی روداد اور صرف اسلامی موضوعات پر تحریر پڑھنی ہے تو سہ روزہ دعوت کافی ہے۔ "رفیقِ منزل" کو واقعی رفیقِ منزل بنانا ہے تو اس میں اصناف ادب اور فنونِ لطیفہ کو جگہ دینی ہوگی۔ ادب میں جو بے راہ روی ہے اور جو خرافات در آئی ہیں ان کو صرف "ی نسلیں" اور نکالہ نہیں دور کر سکتے۔ "رفیقِ منزل" کو ان دونوں کا ہم سفر بنائیے۔

نشاط الایمان

کلکتہ (مغربی بنگال)

مکرمی!

"رفیقِ منزل" آگیا ہے۔ بہت حد تک اچھا ہے۔ البتہ مضامین میں یکسانیت محسوس ہوتی ہے۔ کانفرنس سے متعلق کوئی ایک ہی مضمون ہونا چاہیے اور تحریکی سرگرمیاں کم کی جائیں۔ انشاء اللہ آئندہ اور بہتر ہوگا۔ طارق فارقلیط

لکھنؤ (اتر پردیش)

مکرمی!

خدا کا شکر ہے کہ رفیق نئے عزم و ارادے کے ساتھ ایک بار پھر نمودار ہوا۔ خدا ثابت قدمی عطا فرمائے (آمین)۔ آپ نے جن کالموں کو شروع کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے سبھی تقریباً بہتر ہیں۔ سوائے کارٹون کے جو مفید کم ہوگا۔ "آپ کے خطوط" کے عنوان سے کالم اور بڑھا دیں۔ فی الحال ایک غزل برائے اشاعت بھیجنا چاہتا ہوں۔ آپ کی کیا رائے ہے۔

سہیل نجمی

دانا پور (بہار)

★ اس شمارے سے "رفیق کی ڈاک" کالم شروع کیا جا رہا ہے۔

محترمی!

"رفیقِ منزل" کے پہلے شمارے کو دیکھتے ہی دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ ایک گزارش یہ ہے کہ الفاظ کے استعمال میں تھوڑا سا احتیاط برتیں کہ الفاظ زیادہ معیاری نہ ہو تاکہ آسانی سے پڑھا جا سکے۔ کئی افراد تعلیم ایسے بھی ہیں جنہیں اردو ٹھیک سے پڑھنا نہیں آتا۔

سید محمود حسین

سندھنور (کرناٹک)

مکرمی!

"رفیقِ منزل" کا پہلا شمارہ ملا۔ بفضلہ تعالیٰ بے حد اچھا رہا۔ اداریہ نیز مضامین کی ترتیب و شمولیت، سرورق اور ان سب سے نمایاں خوبی بہترین کتابت۔ دعا ہے کہ اللہ رفیقِ منزل کو ان مقاصد سے ہمکنار کرائے جس کے لیے اسے نکالنے کا فیصلہ کیا گیا اور آپ تمام احباب کی کاوشوں کو قبول فرمائے (آمین)۔ آئندہ شمارہ کے لیے ادب یا تعلیم سے متعلق کوئی مضمون روانہ کرنے کی کوشش کروں گا۔ اگر واقعی معیار پر اترے تو شائع کیجیے۔ عبدالعزیز، نظام آباد (آندھرا پردیش)

مکرمی!

اس ماہ کا "رفیقِ منزل" بڑا خوب رہا۔ عناوین بچے تلے ہیں۔ بڑی خوشی ہوئی۔ میں ایک نظم روانہ کر رہا ہوں۔

محمد الیاس نسیم کدری، عمرآباد (تمل ناڈو)

مکرمی!

اداریہ میں "لیاقت و صلاحیت موجودہ مدیر کے پاس نہیں ہے" اکھرا۔ ماہرین ادارت تعاون کے لیے تیار رہیں کوئی فکر نہ کیجیے۔ سہ روزہ دعوت میں اعلان کے باوجود یہاں کارکنان ایس۔ آئی۔ او میں بے حسی اور خاموشی چھائی ہوئی ہے۔ گویا یہ ان کا آرگن نہیں۔

حرھندی، مہاراشٹر

مکرمی!

پہلا شمارہ آج ہی موصول ہوا۔ بے چینی سے انتظار تھا۔ ایک معیاری رسالہ کی تعریف میں آ سکتا ہے۔ اللہ کرے یہ رسالہ ہر طرح سے معیاری ہو۔ چند تجاویز ہیں۔

۱۔ سرورق پر قرآنی آیات، احادیث میں سے کوئی ہو تو بہتر ہے۔

۲۔ حالات حاضرہ، ایجوکیشن، کیریر گائیڈنس اور کھیل کے میدان سے کالم شروع کریں۔ متعین حضرات سے مخصوص کالم لکھوائیے۔

شیخ امتیاز احمد

پونہ (مہاراشٹر)

محترمی!

خدا خدا کر کے کفر ٹوٹا اور "رفیق" "رفیقِ منزل" بن کر سامنے آیا۔ پہلا شمارہ مجھے ایسا لگا کہ بہت نیا نہیں بلکہ پرانا پرچہ ہاتھوں میں ہے۔ اسے جاذبِ نظر بنایا جائے اور زیادہ مضامین ہوں۔

۵۰ پیسے کے اضافہ کے ساتھ ٹائٹل کو رنگین بنائیں۔ مقابلہ جاتی امتحانات کی تفصیل دی جائے۔ اسپورٹس کا کالم ہو۔ پرچہ کو ایسا بنایا جائے کہ دینی و دنیاوی بھائی سبھی اپنا سمجھیں۔ میں بچوں کے لیے ایک نظم بھیج رہا ہوں۔

ثناء اللہ

چکردھرپور (بہار)

مکرمی!

"رفیقِ منزل" آیا۔ ۵۰ کاپیاں آئیں سب ختم ہو گئیں۔ ۸۰ کاپیوں کا آرڈر بک کرایا ہے۔ فلاح یونٹ کے تمام کارکنان کو سائز ناپسند ہے۔ سابقہ سائز مناسب ہے۔ ٹائٹل پر بھی رفیق کی کتابت اندر کی طرح ہونی چاہیے۔ کتابت بہت اچھی ہے۔ کاغذ عمدہ ہے۔ اسے برقرار رہنا چاہیے۔

ضیاء الدین

اعظم گڑھ (اتر پردیش)

طلبہ یونین کے انتخابات

ارشد اجمل

دہلی میں واقع تین یونیورسٹیوں (دہلی جامعہ ملیہ اسلامیہ اور جواہر لال نہرو) میں پچھلے دنوں طلبہ یونین کے انتخابات کی وجہ سے کافی سرگرمی دکھائی دی۔ الیکشن کے لیے سماں ایسا بندھا کہ یہ جامعات کے انتخابات نہ ہوں بلکہ اسمبلی سیٹوں کے لیے الیکشن لڑا جا رہا ہو۔ بڑے پیمانے پر پوسٹر اور ہینڈبل تقسیم ہوئے اور قومی اخبارات میں بھی اشتہارات دیے گئے۔ اس الیکشن میں صرف طلبہ ہی مصروف عمل نہ تھے بلکہ مختلف سیاسی پارٹیوں کے ذمہ داران بھی دلچسپی لیتے نظر آئے۔ تینوں جامعات میں تین مختلف سیاسی گروپوں کی طلبہ تنظیموں نے کامیابی حاصل کی۔ دہلی یونیورسٹی میں مجموعی طور پر کامیابی دائیں بازو سے متاثر طلبہ تنظیم J.V.M اور A.B.V.P کے اتحاد نے حاصل کی۔ جب کہ جامعہ ملیہ اسلامیہ میں کانگریس آئی کی طلبہ تنظیم N.S.U.I سے متاثر طلبہ نے کامیابی حاصل کر کے اسے دہلی یونیورسٹی کی ہار کا جواب قرار دیا۔ جواہر لال نہرو یونیورسٹی میں اس سال بائیں بازو کی طلبہ تنظیموں کے اتحاد S.F.I - A.I.S.F نے مرکزی پینل کی چار نشستوں پر قبضہ حاصل کیا۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ اور جواہر لال نہرو یونیورسٹی کے انتخابات پُرامن ماحول میں انجام پائے۔ لیکن دہلی یونیورسٹی کا انتخابی ہنگامہ تشدد کا شکار رہا۔ دہلی یونیورسٹی کے نو منتخب صدر نریندر ٹنڈن اور ان کے ایک ساتھی کو خنجر زنی کا شکار کیا گیا۔ اکھل بھارتیہ ودیارتھی پریشد اور جنتا ودیارتھی مورچہ نے اسے کانگریس آئی کی طلبہ تنظیم نیشنل اسٹوڈنٹس یونین آف انڈیا کی کارستانی قرار دیا۔ بھارتیہ جنتا پارٹی کے دہلی پردیش کے صدر جناب مدن لال کھرانہ نے N.S.U.I کو اس واقعہ کا ذمہ دار قرار دینے کے علاوہ پولس کو بھی مجرموں کو پکڑنے سے لاپرواہی برتنے کا الزام لگایا۔ دوسری طرف N.S.U.I کے دہلی پردیش کے صدر مسٹر سابھر لال، جن کو اس واقعہ کا خاص ذمہ دار قرار دیا جا رہا ہے، نے شبہ ظاہر کیا ہے کہ یہ حرکت خود مسٹر ٹنڈن کی ہی ہو سکتی ہے تاکہ الیکشن میں وہ زیادہ ہمدردیاں حاصل کر سکیں۔ یہ بات بھی اپنی جگہ پر درست ہے کہ اس واقعہ کی فوری تشہیر ہینڈبل اور دوسرے ذرائع سے J.V.M. - A.B.V.P اتحاد نے کیا۔ لیکن اس الزام کی تردید کرتے ہوئے A.B.V.P - J.V.M کے ترجمان نے اسے احمقانہ الزام قرار دیا اور دلیل دی کہ کیا کوئی اپنے ہی آدمی کو صرف الیکشن جیتنے کے لیے اس حد تک مجروح کر سکتا ہے کہ اسے خون کی بوتلیں چڑھانی پڑیں۔

دہلی یونیورسٹی کے الیکشن میں ایک دلچسپ مقام وہ آیا جب صدارتی عہدے کے ایک امیدوار نے کورٹ کے ذریعہ الیکشن کے نتیجہ کو رکوا دیا۔ اس امیدوار نے اس قانون کو چیلنج کیا تھا جس کے تحت امیدوار کو اپنے آخری امتحان میں پچاس فی صد نمبر لانے شرط شامل تھی۔

مسٹر نریندر ٹنڈن کی جیت کے بعد ان سے ایک انٹرویو MID-DAY کے نامہ نگار نے اسپتال میں لیا۔ اس میں انہوں نے اپنے پیش نظر کاموں میں اہم کام جامعات کے کیمپس سے غنڈہ گردی کے خاتمے کو بتایا۔ اس کے لیے جو تجویز ان کے ذہن میں مبہم طور پر ہے، اس کا بھی اظہار کیا۔ موصوف نے بتایا کہ وہ کوئی ایسی صورت نکالنا چاہتے ہیں جس کے تحت کیمپس میں طلبہ کے علاوہ اور کوئی داخل نہ ہو سکے۔ اس پر کئی سوالات ذہنوں میں آتے ہیں۔ جو تدبیر موصوف نے غنڈہ گردی کے خاتمے کی بتائی ہے اس کی عملی شکل موجودہ صورت حال میں محال نظر آتی ہے۔ آخر کیا صورت اختیار کی جائے گی جس کے تحت صرف طلبہ ہی کیمپس میں داخل ہو سکیں جب کیمپس ایک کھلی جگہ ہے جہاں ہر کس و ناکس داخل ہو سکتا ہے۔ یہاں پر اس کا تذکرہ بھی بے محل نہ ہوگا کہ حالیہ الیکشن میں یہ بات بھی سامنے آئی کہ طلبہ کے علاوہ غیر طلبہ نہ صرف یہ کہ الیکشن کے ہنگاموں میں شریک رہے بلکہ انھوں نے ووٹ بھی ڈالے، جبکہ ووٹ ڈالنے کے لیے طلبہ کے پاس IDENTITY CARD کا ہونا لازمی ہوتا ہے۔ بالفرض یہ بعید از قیاس بات مان بھی لی جائے تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ شر پسند عناصر بعض کورسوں میں داخلہ نہ لے لیں۔ اور ایک ایسے ماحول میں جبکہ ہر سطح اور ہر جگہ پر طاقت کی زبان بولی اور سمجھی جاتی ہے طلبہ کے اندر بھی یہ رجحان پروان نہ چڑھے جب کہ ان کے اندر اس کی صلاحیت زیادہ اور مزاج موافق ہے۔

یہاں پر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ایک ایسی طلبہ تنظیم سے جو صرف کیمپس ہی میں نہیں بلکہ کیمپس کے باہر بھی اپنی قوت کا مظاہرہ کر رہا ہے وہ غنڈہ گردی کو روکنے میں کامیاب ہو سکے گا۔ انڈین ایکسپریس کا حالیہ واقعہ اور اس میں ان طلبہ تنظیموں کا رول اور ارون شوری (مدیر انڈین ایکسپریس) کا

(باقی صفحہ ۳۹ پر)

پردہ — پس پردہ

— مبصر

"خشکی اور تری فساد سے بھر گئے انسانوں کی
ی کرتوتوں کی بدولت" (قرآن) (ظہر الفساد
ا البر والبحر بما کسبت ایدی الناس) کی
آنی حقیقت نے اب وسعت فضاؤں اور ہوا کی
ت اختیار کر لی ہے۔

۲ر دسمبر ۱۹۸۴ء کو بھوپال کا گیس سانحہ
ی حقیقت کا بڑا اظہار تھا۔ اب جب کہ اس
اقعہ کو تین سال ہو چکے ہیں اس کی یاد مدھم اور
ہان پر اثرات کی شدت معدوم ہو چکی ہے۔
ین کاربائڈ کے خلاف غم و غصہ اور ہر جانے کا
طالبہ اب اتنا شدید نہ رہا۔ حکومت پر نااہلی
طعنہ بھی اب اس سانحہ کے پس منظر اور اس کے
بعد ریلیف کے کاموں کی وجہ کر نہیں دیا جا رہا ہے۔
۱۰ر دسمبر کو راجیو گاندھی اور ان کی اہلیہ سونیا گاندھی
کا تین روزہ مدھیہ پردیش کا دورہ ہوا۔ موصوف
نے دو گھنٹے گیس سے متاثرہ افراد کے علاقے میں
گزارا وہاں انہیں دو ہزار سے زائد عرضداشت
پیش کی گئیں۔ جس میں متاثرہ افراد کی حالت زار
ناکافی ریلیف کا تذکرہ اور مطالبات درج تھے۔

یہ سانحہ جس میں سرکاری معلومات کے
مطابق ۲۸۰۰ افراد کی اموات واقع ہوئی غیر
سرکاری ذرائع کے مطابق یہ تعداد سات ہزار
تک پہنچتی ہے) کے بعد جو پریشانیاں بھوپال کے
افراد برداشت کر رہے ہیں ان کی تھوڑی تفصیل بھی
بڑی ہیبت ناک ہے۔ ایک صحافی ایون فیرو
(IVAN FERROW) کا بیان ہے کہ گیس سے
مرنے والوں کی لاش کو کھانے کی ہمت چیل بھی نہیں
کر پا رہے تھے بمبئی کے K.E.M. HOSPITAL
کے ڈاکٹر کامتھ کے سروے کے مطابق تقریباً ۸۰ فی صد
افراد پھیپھڑوں کے خراب مرض کے شکار ہیں۔ انڈین
کاؤنسل برائے میڈیکل تحقیق (ICAR) کی رپورٹ
کے مطابق متاثرہ افراد کی بینائی، اعصابی نظام
اور آنت بری طرح متاثر ہوگی۔ وہ افراد جنہوں نے
اپنے رشتہ داروں کو اپنی آنکھوں کے سامنے بے بسی
کی موت مرتے دیکھا ہے وہ نفسیاتی مریض بن گئے
ہیں۔ حادثے کے پہلے سال ۵۶ نوزائیدہ بچے
پیدائش کے فوراً بعد ۱۹ بچے ایک ہفتہ کے دوران
اور ۳۵۵ بچے اپنی ماؤں کے رحموں میں ہی ختم ہو گئے
اکنومک اور پولیٹیکل ویکلی (ECONOMIC &
POLITICAL WEEKLY) کی ایک رپورٹ
جو کہ INDIAN TEXICOLOGY RESEARCH
CENTRE کے مطالعہ پر مبنی ہے کہ مطابق متاثرہ
افراد میں سے ۲۵ فی صد افراد میں MUTAGEN-
ESIS (کینسر کا ابتدائی اسٹیج) کی نشانیاں
پائی جاتی ہیں۔

ایک طرف صورت حال اتنی خراب ہے اور
دوسری جانب یونین کاربائڈ کی طرف سے مقامی
اور غیر مقامی اسپتالوں کی مدد سے اس کے برخلاف
پروپیگنڈا کروایا جا رہا ہے اور اپنی صفائی کی پردہ
پوشی کی جا رہی ہے۔ ان پروپیگنڈوں کے مطابق
ان موذی امراض کا تعلق میتھائل آئسوسائنائٹ
(MIC) کے رسنے سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ
امراض پہلے سے موجود تھے۔ بڑی بڑی تنخواہوں پر
ڈاکٹروں کو ملازمت یونین کاربائڈ کی طرف سے
دی گئی ہیں اور وہ ایسی رپورٹیں دے رہے ہیں
جو مذکورہ پروپیگنڈے کو تقویت پہنچانے والی ہیں۔
ابتدا ہی سے کچھ ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ یونین
کاربائڈ اور حکومت حقائق کو چھپانے اور دفنانے
کے لیے کوشاں ہے اس سانحہ کے تعلق سے چند واقعات
کی توجیہہ ممکن نظر نہیں آتی۔ نہ معلوم کیوں یونین کاربائڈ
کے چیرمین مسٹر اینڈرسن کو رہا کیا گیا؟ یہ بات بھی
ناقابل فہم ہے کہ جے۔ آر۔ ڈی ٹاٹا اور فیڈریشن
آف انڈین چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹریز
(FICCI) نے مسٹر اینڈرسن کے حراست میں
لیے جانے پر واویلا کیوں کھڑا کیا؟ سانحہ سے پہلے
مختلف جانب سے فیکٹری میں ضروری حفاظتی تدابیر
کی عدم موجودگی کی طرف حکومت کی توجہ دلائی گئی۔
حکومت نے اسے کیوں ناقابل اعتنا سمجھا؟ یونین
کاربائڈ فیکٹری کو ایک ایسے علاقے میں جگہ دی
گئی جہاں اس کا قیام حکومت کے سخت قانون
برائے "خطرناک فیکٹری" کے خلاف تھا۔ مسٹر
ایم۔ این۔ بچ نے ۱۹۷۵ء میں ہی متوقع واقعہ کی
طرف توجہ دلائی تھی اور انہیں اس کا انعام یہ ملا کہ
ان کا تبادلہ کر دیا گیا۔ مسٹر کیشوانی (صحافی) نے
بہت پہلے ایک مضمون میں حادثے کے ممکنہ وقوع
کی طرف توجہ دلائی تو انہیں زدوکوب کیا گیا اور
ان کے اہل خاندان پر حملہ کیا گیا۔ ان ملازمین کو
برطرف کیا گیا جنہوں نے حفاظتی اقدامات کی
کمزوریوں کی نشاندہی کی اور اس مجرمانہ غفلت
کے تعلق سے دیواروں پر نعرے لکھے۔

۲ر دسمبر ۱۹۸۴ء کے واقعہ سے قبل کم از کم چھ دفعہ
گیس رسنے کا واقعہ ہو چکا ہے۔ جب اس کی طرف
توجہ اسمبلی میں دلائی گئی تو ایک ریاستی وزیر نے
جو جواب دیا وہ بھی انتہائی حیرتناک ہے۔ موصوف
نے فرمایا کہ "پلانٹ کی گیس نقصان دہ نہیں ہے
اور مزید کہ "کروڑوں کی فیکٹریوں کو ایک کھیل کے
میدان کی طرح یہاں سے وہاں تبدیل نہیں کیا جا سکتا"
شاید یونین کاربائڈ کا اپنے بعض مہمان خانوں کو
منسٹروں کے لیے وقف کرنا اور ان کے رشتہ داروں
کو اونچے عہدوں پر بحال کرنا مذکورہ بیان کو سمجھنے میں

(باقی صفحہ ۲۸ پر)

ایک نومسلم کی کہانی

فضل اللہ انصاری
مدھوبنی (بہار)

ڈاکٹر فاندوبیک کے اسلام لانے کی کہانی مصری جریدۂ اھرام شعبان ۱۴۱۳ھ کے شمارے میں چھپی تھی۔ آپ بلجیکی ہیں۔ آپ نے ازخود مذہب اسلام کو اختیار کیا ہے۔ اس سلسلے میں جو چیز ان کی معاون ثابت ہوئی اس کا بیان درج ذیل ہے۔

کئی برسوں سے ڈاکٹر فاندوبیک مختلف مذاہب وادیان اور افکار ونظریات کا مطالعہ کرتے چلے آرہے تھے۔ بالآخر جب وہ مذہب اسلام کی تحقیق وتفحیص کو پہونچے تو اسلام کی حقانیت ان کے سامنے کھل کر آگئی اور انھوں نے اسلام قبول کرلیا — آپ کا سابق نام "فاندوبیک" ہے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد آپ نے اپنا نام محمد مہدی رکھا۔ آپ نے قاہرہ یونیورسٹی میں عربی زبان کی تعلیم حاصل کی ہے، اور بالخصوص اسی زبان کی مدد سے آپ نے مذہب اسلام کی تحقیق کی اور ساتھ ہی آپ نے قرآنیات پر بہت سے مضامین فرانسیسی زبان میں لکھے ہیں۔

اسلام کی کہانی خود اُن کی زبانی — آپ فرماتے ہیں کہ: میں نے بروکسل یونیورسٹی میں قانون کا کورس مکمل کرکے اسی یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی پھر اس کے بعد کچھ دنوں تک میں درس وتدریس کے فرائض انجام دیتا رہا، پھر حکومت نے مجھ کو عدالت کے نائب صدر کی حیثیت سے تسلیم کیا اللہ نے مجھ کو چار لڑکوں سے نوازا ہے۔ میں نے ہمیشہ وہاں کے اصولوں اور نظاموں کا احترام کیا ہے، میں کبھی وہاں کے لوگوں کے ساتھ بُرے سُلوک سے پیش نہ آیا یہی وجہ ہے کہ وہ مجھ سے دن بدن قریب ہونے لگے۔ وہاں کے مسلمانوں کے بارے میں آپ فرماتے ہیں کہ "خاص طور سے وہاں کے مسلمانوں کی زندگی میں وسیع المشربی، وسعت نظری، روشن خیالی اور دلجوئی نمایاں ہے۔ ان کی زندگی میں میں نے وہ چیزیں دیکھیں جن سے میں متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اس چیز نے میری طبیعت کو موہ لیا۔ وہ کہتے ہیں کہ: مسلمانوں کی زندگی میں جو چیزیں بہت زیادہ پسند آئیں وہ یہ ہیں، اخوت وہمدردی، اجتماعی میلان، خیرخواہی اور ایثار کا جذبہ، غمخواری، دوسروں کی تکلیف کا احساس، شیریں گفتاری، خندہ پیشانی سے ملاقات، آپس کے گہرے تعلقات، فرد کا جماعت کیلئے ہونا اور جماعت کا فرد کے لیے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اُن کے یہاں مادیت جیسی سطحی کوئی چیز نہیں جیسا کہ یورپی لوگوں میں میں نے دیکھا کہ وہ حد سے زیادہ مادہ پرست ہوتے ہیں۔

یہ وہ چیزیں ہیں جو میرے اسلام کی بحث وتحقیق اور اسے قبول کرنے میں معاون ثابت ہوئیں۔ یہیں سے میں نے اس مذہب کا دائرہ مطالعہ وسیع کیا۔ پھر اس کے بعد میں مصر آیا اور بیس سال میں نے تاریخ کی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ اسی دوران اسلام کی بیشتر خصوصیات اور ممیزات نے میرے دل کو اپنی طرف کھینچ لیا اور اس کی حقانیت میرے قلب وذہن میں گھر کرگئی جب اس کا مطالعہ میں نے اور قریب سے کیا۔ بہت سی کتابوں کے مطالعہ کے بعد سب سے پہلے میں جس نتیجہ پر پہنچا وہ یہ تھا کہ قرآن واقعی دنیا کی بے نظیر اور بے مثال کتاب ہے، اور اس کی یہی بے نظیری اور انفرادیت (Unique ness) اس بات کی دلیل ہے کہ یہ انسانی کلام نہیں بلکہ کسی مافوق البشر ذات کا کلام ہے۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں انسان کے تمام شعبہ ہائے زندگی نمایاں ہیں۔ فرد کی زندگی کا مسئلہ ہو یا جماعت کا اقتصادی مسئلہ ہو یا غیر اقتصادی، سیاسی مسئلہ ہو یا سماجی غرض کہ اس قرآن کے اندر ہر ایک مسئلہ حیات کا حل موجود ہے۔

محمد مہدی صاحب مزید فرماتے ہیں کہ: میں نے اسلام کا مطالعہ فرانسیسی اور انگریزی زبانوں میں بھی کیا ہے، یہ اور بات ہے کہ اپنے سفر، سیر وسیاحت کے دوران میری ملاقات بہت سارے لوگوں سے ہوئی اور اُن سے میں نے اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کیں، میں پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اسلام نے جتنا بڑا مقام انسان کا متعین کیا ہے اتنا نہ تو کسی مذہب نے کیا ہے اور نہ ہی دوسرے نظریات نے میں نے جب قرآن کا مطالعہ کیا تو میرے لیے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ اس کتاب کی ہر ایک آیت فکر کامل کی حامل ہے۔ ہر ایک آیت غور وفکر کی دعوت دیتی ہے اور یہ ایک ایسی چیز ہے جس تک انسانی کلام کی پہنچ نہیں ہوسکتی۔ اس لئے میں نے روزانہ کی طرح زندگی میں ایک عادت سی بنالی ہے کہ ایک آیت کی تلاوت کروں اور اس کے اندر غور وفکر کروں، تدبر وتفکر سے کام لوں۔ یہ میرے لیے ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ جب جب میں نے اپنی عقل کو خالص کرکے اس کتاب کا مطالعہ کیا تب تب میرا احساس بیدار ہوتا گیا اور یہ یقین ہوچلا کہ قرآن ایک ایسی پرعظمت، پرشوکت، پرجلال مافوق البشر طاقت کی نازل کردہ کتاب ہے جو انسان سے کہیں زیادہ جاننے والی اور اس سے کہیں زیادہ علم رکھنے والی ہے۔ بلاچون وچرا قرآن نے ہی مجھ کو یہ ذہن دیا کہ عقل کا دائرہ

بہت محدود ہے۔ عقل کا دائرہ اتنا وسیع نہیں کہ اس میں ہر ایک چیز سما سکے۔ انسان کو چاہیے کہ یا تو وہ اس چیز پر ایمان رکھے جو قرآن میں وارد ہوا ہے یا پھر روگردانی کرکے گمراہ ہو جائے، قرآن نے خیر و شر کے دونوں راستے بتلا دیے ہیں، اب انسان کو اختیار ہے کہ وہ جس راستے پر چاہے چلے۔

جناب مہدی صاحب نے کہا کہ: جب میرا ایمان قوی سے قوی تر ہوگیا تو اس نے میرے اندرونی حصے کو جھنجھوڑا۔ میں نے اپنی زندگی کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا، میں نے اپنے سراپے سے سوال کیا کہ وہ کون سے اصول و مبادی ہیں جو انسانی زندگی کی راہ میں رہنما ہوں؟ انسانی وجود کا مقصد کیا ہے؟ اس کی انتہا کہاں ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کا جواب سوائے اسلام کے اور کسی مذہب نے اور نہ ہی کسی نظریے نے صحیح دیا ہے۔ میں نے وہ زندگی بھی گذاری ہے جس سے میں خود تنگ آگیا یعنی مادی زندگی، وہ زندگی جو صرف مادہ پرست تھی روحانیت نام کی کوئی چیز جہاں نہیں تھی۔ میں نے اس مادی زندگی سے کوئی ایسی چیز نہیں پائی جو موت کے بعد میرے لیے مفید ثابت ہوتی۔ چنانچہ جب میں نے مذہب اسلام قبول کیا تو تمام سوالوں کے جواب میں نے اس کے اندر پالیے اور میری مراد پوری ہوگئی۔

اُن کا کہنا ہے کہ مسلمانوں نے اپنی زندگی کو اسلام سے سنوار لیا ہے، اُن کا سب کچھ اسلام ہی ہے۔ ان کا ہر ایک عمل خدائی اصول سے وابستہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی زندگی ایمانی طاقت کی بنیاد پر گذارتے ہیں۔ اللہ ہی پر وہ بھروسہ کرتے ہیں۔ اور یہ چیز میرے نزدیک مسلمانوں کی کامیابی کا راز ہے۔

انھوں نے کہا کہ: میرے ذہن میں ہمیشہ یہ بات رہتی تھی کہ کسی ایسے دین کو مانوں جس سے خدا طامنی ہو؟ اور اس کے اندر یہ بھی ہو کہ ایمان کیا ہے؟ اور کفر کیا ہے؟ اگر کوئی شخص مسلمان ہے تو پھر اس کا ایمان کیسا ہو؟ فقط دعوی ہی نہ ہو بلکہ خلوص اور صدق بھی ہو۔ چنانچہ میں نے ان تمام صفات اور خصائص کا مجموعہ اگر کسی مذہب کو پایا تو وہ مذہب اسلام ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کے بارے میں وہ اپنا تاثر کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ بلند اور عظیم انسان ہیں جنھوں نے کبھی بھی اپنے آپ کو انسانی معاشرہ میں اس طرح پیش نہیں کیا جس سے اُن کی عظمت، بڑاپن اور انانیت کی بو آتی ہو، بلکہ آپ نے ہمیشہ اس بات کی تاکید کی کہ دیکھو میں تمہاری طرح ایک انسان ہوں اور اللہ کی عبادت و بندگی میں بھی تم لوگوں کی طرح ہوں۔

(بقیہ طلبہ یونین کے انتخابات)

بیان کریں نرینہ رشنڈن کا ہمیشہ شکر گذار رہوں گا اور ان کی طلبہ تنظیم کا جنھوں نے مصیبت کے وقت ہمارا ساتھ دیا، یہ سب باتیں دوسرے خدشات کو ہی جنم دیتی ہیں۔ بظاہر جس بات کی توقع نظر آتی ہے وہ یہ کہ موجودہ DUSU کے فاتح طلبہ اپنے مخالفین کے خلاف سخت کارروائی کریں گے اور تشدد کا سلسلہ بڑھے گا ہی سوائے اس کے کہ موجودہ یونین کے ذمہ داران زیادہ دانشمندی سے حالات کو کسی رخ پر لے جانے کی کوشش کریں۔

جامعات کے موجودہ الیکشن کو اس طرح دیکھا جا رہا ہے کہ یہاں تین نظریات اور پارٹیوں کا تین جامعہ پر قبضہ ہوگیا اور معاملہ گویا کہ برابر کا برابر کا ہے۔ شاید یہ نتائج کی غلط تعبیر ہے۔ دہلی یونیورسٹی جس کے تحت ۵۲ تعلیمی ادارے ہیں اور جن میں طلبہ کی تعداد ۹۰ ہزار ہے، کا مقابلہ دونوں جامعات سے نہیں کیا جاسکتا جو کہ اقامتی نوعیت کی ہیں اور جہاں طلبہ کی تعداد دس ہزار سے زائد نہ ہوگی۔ اس کے علاوہ بھی دہلی یونیورسٹی ہی اصل میدان جنگ ہو سکتا ہے اور یہاں کا فاتح ہی اصلاً فاتح ہے۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ مسلم کلچر سے متاثر ہے اور یہاں جیتنے کے بظاہر امکانات یا تو کانگریس کے ہوں گے یا اسلام پسندوں کے۔ اسی لیے اس بار SIM کے SUPPORTED کے دو امیدواروں میں سے ایک برادر معین فلاحی نائب صدر کے لیے منتخب ہوئے۔ ان امیدواروں کو S.I.O کا تعاون بھی حاصل رہا۔ جواہر لال نہرو یونیورسٹی کا ماحول ہی بالکل جدا ہے۔ یہاں کوئی بھی ایسی تنظیم کامیاب نہیں ہو سکتی ہے جس پر فرقہ پرستی کی مہر لگی ہو۔ اور نہ ہی کانگریس کو کامیابی آسانی سے مل سکتی ہے۔ یہاں مقابلہ اصلاً بائیں بازو اور FREE THINKERS کے درمیان ہو سکتا ہے۔ • •

وضاحتیں اور گذارشات

• پہلے شمارہ کے اداریہ میں ۲۳ ویں اور ۲۴ ویں سطر میں لفظ "بھی" بے محل استعمال ہوا ہے، اسے کالعدم قرار دیں، اس چوک کے لیے ادارہ معذرت خواہ ہے، اداریہ جب اپنی اصل شکل میں تھا تو اس لفظ کی معنویت تھی۔

• اہلِ قلم احباب سے اپنی پسند کے موضوعات مضامین و تخلیقات فراہم کرنے کی درخواست ہے۔ اس ضمن میں بھی فی الحال نئی دہلی ہی کے پتہ پر رابطہ قائم کیا جائے یا جس پتہ کی نشاندہی آپ کو انتظامی آفس سے کی جائے۔

(ادارہ)

میزانِ عمل

مہاراشٹر

ایس۔آئی۔او حلقہ مہاراشٹر کی ریاستی مشاورتی کونسل (ZAC) کا اجلاس ۱؍اکتوبر کو صبح ۱۰ بجے شہر پونہ میں برادر سید عزیز محی الدین صاحب صدر حلقہ ایس آئی او کی زیر صدارت شروع ہوا۔ ہر روز تین اجلاس ہوئے۔ اجلاس کا آغاز برادر توفیق اسلم خاں صاحب، سکریٹری حلقہ کی تذکیر سے ہوا۔ بعد ازاں صدر حلقہ برادر سید عزیز محی الدین صاحب نے افتتاحی کلمات پیش کئے اس کے بعد سابقہ روداد کی خواندگی کی گئی پھر سکریٹری حلقہ نے سالانہ رپورٹ پیش کی مرکزی پالیسی و پروگرام میں حلقہ کا دو سالہ منصوبہ بنایا گیا نیز سال رواں کے لئے ڈسٹرکٹ آرگنائزرس کا تقرر کیا گیا چونکہ حلقہ گجرات کو حلقہ مہاراشٹر میں ضم کر دیا گیا ہے لہذا گجرات کے تنظیمی امور اور مسائل پر بھی غور ہوا۔ ریاستی مشاورتی کونسل نے سال رواں کے بجٹ کی منظوری دی۔

اجلاس کے چند فیصلے حسب ذیل ہیں:

۱ — میقات رواں کے لئے برادر مومن محمد حنیف صاحب کو حلقہ کا فائنانس سکریٹری مقرر کیا گیا۔

۲ — شیخ امتیاز احمد بن محمد علی صاحب پونہ کیریر گائڈنس بیورو اور تعلیمی گائڈنس بیورو کے انچارج مقرر ہوئے۔

۳ — مندرجہ ذیل احباب میقات رواں کے پہلے سال کے لئے ڈسٹرکٹ آرگنائزر مقرر کئے گئے۔

۱	امراوتی	برادر	نذر خاں صاحب
۲	اورنگ آباد	"	واجد علی خاں صاحب
۳	احمد نگر	"	آفاق الرحمٰن خانصاحب
۴	بیڑ	"	سید شفیق احمد ہاشمی صاحب
۵	بلڈانہ	"	عبدالرحمٰن صاحب
۶	دھولیہ	"	ضیاء محمد خاں صاحب
۷	جلگاؤں	"	شیخ مشتاق احمد صاحب
۸	جالنہ	"	شیخ جیلانی صاحب
۹	لاتور	"	شیخ محمد احقر صاحب
۱۰	ناگپور	"	رضوان الرحمٰن خانصاحب
۱۱	ناندیڑ	"	خواجہ معین الدین صاحب
۱۲	ناسک	"	احسن الرحمٰن خانصاحب
۱۳	عثمان آباد	"	عبید الٰہی خاں صاحب
۱۴	پربھنی	"	ثناء اللہ خاں وسیم صاحب
۱۵	پونہ ورائے گڑھ	"	امتیاز احمد عبدالرزاق صاحب
۱۶	شولاپور	"	شفیق الرحمٰن صاحب
۱۷	سانگلی	"	سلیم احمد قریشی صاحب
۱۸	ستارہ	"	شیخ کریم الدین صاحب
۱۹	کولہاپور	"	امان اللہ صاحب
۲۰	رتناگری	"	منظور احمد خانصاحب
۲۱	اکولہ	"	ضیاء اللہ خاں صاحب

نفیس احمد خاں
آفس سکریٹری S.I.O حلقہ مہاراشٹر

اکولہ

۲۸؍نومبر کو ایس۔آئی۔او اکولہ کا جلسہ سیرت النبیؐ ہوا۔ اس جلسہ کو جناب حبیب الرحمٰن خاں صاحب ناظم علاقہ امراوتی (جماعت اسلامی ہند) نے خطاب فرمایا۔ موصوف کے علاوہ جناب حافظ محمد الیاس خاں صاحب اور جناب عبداللطیف صاحب نے بھی تقریریں کیں۔

پروگرام کا آغاز برادر حامد حسین کی تلاوت کلام پاک اور برادر محمد زبیر کی نعت خوانی سے ہوا۔ برادر محمد الطاف عالم نے علم دین کی اہمیت پر مختصر تقریر کی۔

گذشتہ دنوں جالنہ یونٹ کا ایک روزہ تربیتی و تفریحی پروگرام گھانیوا اڑی ڈیم پر ہوا پروگرام کا آغاز مولانا عبدالقیوم صاحب (ناظم علاقہ جماعت اسلامی مرہٹواڑہ) کے درس قرآن سے ہوا۔ آپ نے سورہ یوسف کی روشنی میں پاکدامنی اور سیرت کے مطابق زندگی گذارنے کی تلقین کی۔

"میرا فطری ذوق اور اس کا ارتقاء" اس عنوان پر جن رفقاء نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ان کے نام ہیں حافظ شبیر احمد صاحب، عبدالقادر صاحب شیخ متین صاحب، قاری خاں صاحب اور تصدق حسین صاحب۔ پروگرام کا اختتام مولانا عبدالقیوم صاحب کے خطاب اور دعا پر ہوا۔

پاچورہ

۱۲؍نومبر کو پاچورہ میں مولانا رشید عثمانی صاحب کی آمد پر ایک نشست کا اہتمام کیا گیا پروگرام کا آغاز برادر رجیل احمد کی تلاوت قرآن سے ہوا۔ اس کے بعد برادر خلیل احمد، مجاہد خاں اور مبارک خاں نے تنظیم کا ترانہ پیش کیا۔ مولانا رشید عثمانی صاحب نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ طالب علمی کا سنہری دور زندگی کی بنیاد ہے۔ تم زندگی کے اس بنیاد کو جتنا پختہ بناؤگے تمہاری زندگی کی عمارت اتنی ہی مضبوط ہوگی۔

اس پروگرام میں جماعت اسلامی ناسک ڈویژن کے ناظم جناب غلام رسول دیشکھ صاحب تسنیم علاؤ الدین صاحب، فیاض الدین صاحب اور میونسپل کونسلر غلام رسول صاحب بھی شریک تھے۔

ناندیڑ

ایس۔آئی۔او ناندیڑ یونٹ کا ایک روزہ تربیتی اجتماع ۲۲؍نومبر کو مسجد دولہا شاہ رحمٰن کھڑک پورہ میں منعقد ہوا۔ پہلی نشست میں جناب عبدالحمید خاں صاحب کی زیر نگرانی مطالعہ قرآن ہوا۔ دوسری نشست کی نگرانی جناب

ملا یوسف خان نے استقامت پر ایک مضمون پیش کیا۔ جناب اسرار ہاشمی نے انگریزی زبان میں سیرت نبیؐ پر تقریر کی۔ پروگرام کے آخر میں اس نشست کے نگراں نے تذکیرالحدیث پیش کی اور موصوف کی دعا پر اس اجتماع کا اختتام ہوا۔

مغربی بنگال

فلڈ ریلیف ورک

مہیش پور سرکل (مرشد آباد ضلع): ۷ گاؤں کے ۲۷۰ خاندانوں کے درمیان ۲۲۲ کیلو آٹا تقسیم کیا گیا۔

کرشنا پور سرکل (مرشد آباد ضلع): کرشنا پور گاؤں کے ۲۱۰ خاندانوں کے درمیان ۱۹۶ کیلو آٹا تقسیم کیا گیا۔

مکان بنانے کے لیے بانس اور چپّی اور مریضوں کو دوا کے لیے مالی امداد دی گئی۔

تعلیم بالغان مرکز:

جے رام پور میں تعلیم بالغان کا ایک مرکز چل رہا ہے جس میں ۲ اساتذہ اور ۱۸ طلبہ ہیں۔

سماجی خدمت: مہیش پور سرکل میں S.I.O کے کارکنوں نے گاؤں کو چوروں اور ڈاکوؤں سے بچانے کے لئے Village Rakhsha Party قائم کیا ہے۔

ٹریننگ کیمپ

ایس۔ آئی۔ او مغربی بنگال کے نارتھ زون کا دوروزہ تربیتی اجتماع ۱۹، ۲۰ دسمبر ۸۳ء کو مرشد آباد کے دھوریان نامی جگہ پر ہوا جس میں برادر جاوید علی (سکریٹری جنرل ایس آئی او) اور سرپرست حلقہ مولانا یعقوب گمولائی صاحب بھی شریک رہے۔

● صدر تنظیم کا دورہ: گذشتہ ۲۱، ۲۲ اکتوبر کو حلقہ راجستھان کی مشاورتی کانسل کے اجلاس کے موقع پر صدر تنظیم برادر پی۔ سی حمزہ نے شرکت کی۔ یہ اجلاس جے پور میں ہوا۔ اس موقع پر برادر موصوف نے معززین شہر سے بھی ملاقات کی۔

● زونل سکریٹری کا دورہ: زونل سکریٹری برادر عبدالحیٔ صاحب نے کوٹہ ڈویژن کا تفصیلی دورہ کیا۔ موصوف نے ڈویژن کے مختلف مقامات پر تنظیمی نشستوں میں شرکت کی اس موقع پر طلبہ اور نوجوانوں کی نشستیں بھی ہوئیں۔ جن کو موصوف نے خطاب کیا اس دورے میں زونل بیت المال کے استحکام پر بھی خصوصی توجہ دی گئی۔

● کوٹہ سب زون کا اجتماع: کوٹہ سب زون کا دوروزہ تربیتی اجتماع ۱۲، ۱۳ دسمبر کو ہوا جس میں بڑی تعداد میں طلبہ اور نوجوانوں نے شرکت کی۔ اس اجتماع میں زونل صدر برادر منظور علی خاں، حکیم مظفر حسین صاحب (معاون امیر حلقہ) مولانا محمد علی صاحب، محمد حسین صاحب، مولانا نظیر خاں صاحب وغیرہ نے خطاب کیا۔

● "صدائے حق" کا اجراء: گذشتہ دنوں ایس۔ آئی۔ او راجستھان کے دو ماہی ہندی نیوز بلیٹن "صدائے حق" کا اجراء حکیم مظفر حسین صاحب (معاون امیر حلقہ) کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ اس بلیٹن کا ایڈیٹر برادر سالار محمد صاحب کو بنایا گیا ہے۔

● موڑک میں یونٹ کا قیام: موڑک میں یونٹ کا قیام عمل میں آیا ہے اس کے صدر برادر خلیل احمد صاحب منتخب کیے گئے۔

● اعلان: صدر حلقہ جے پور سے کوٹہ منتقل ہوگئے ہیں صدر حلقہ راجستھان کا نیا پتہ یہ ہے:

Hafiz Manzoor Ali Khan
Near Masjid
P O Dhabadeh
Kota Rajasthan

دفتر حلقہ کا پتہ یہ ہے:

Office S.I.O
Meeraj Colony Behind M.L.A.
Quarters, M.I. Road
Jaipur, Rajasthan.

علی گڈھ

مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کا ماہانہ تربیتی اجتماع امین ہاسٹل کی مسجد میں ۲۱ نومبر کو ۹ بجے سے شروع ہوا۔ پروگرام کا آغاز صدر یونٹ کی گفتگو سے ہوا۔ اس کے بعد برادر ابو طارق صاحب نے الحاقہ کے پہلے رکوع کا درس دیا۔ اس کے بعد سماعت قرآن پروگرام چلا۔ تمام شرکاء نے ایک تازہ حفظ کی ہوئی سورۃ معہ ترجمہ سنائی۔ اور پھر ناظم اجتماع برادر تنویرالنبی صاحب نے شرکاء کو آداب نوم اور کچھ ضروری ہدایتوں کے بعد اس دن کے پروگرام کے اختتام کا اعلان کیا۔

دوسرے دن بعد نماز فجر تذکیر سے اجتماع کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد اذکار نماز کا مذاکرہ ہوا۔ شرکاء نے نماز کے اندر پڑھی جانے والی تمام چیزیں ترجمے کے ساتھ سنائیں۔ اس کے بعد اخوت بین المسلمین کے عنوان سے ڈاکٹر محمد ادریس صاحب نے مطالعہ حدیث پیش کیا، اور اس کے بعد منور حسین صاحب کی زیر نگرانی سورہ آل عمران کا اجتماعی مطالعہ ہوا۔

"کارکنوں کے مطلوبہ صفات اور اس کے پیدا کرنے کے ذرائع" کے عنوان سے ایک مذاکرہ بھی ہوا جس میں برادر اتحاد عالم، طارق سجاد، تنویرالنبی، محمد عرفان، عبدالرب اور ضیاءالرحمٰن نے حصہ لیا۔ برادر محمد افضال صاحب نے "اسلام اور اجتماعیت" کا حاصل مطالعہ پیش کیا، اس کے بعد مشقی تقریریں ہوئیں جس میں برادر ممتاز الرب، تسنیم اختر اور خورشید اکرام نے تقریریں کیں۔

بعد نماز مغرب خطاب عام ہوا جس میں کارکنان کے علاوہ دوسرے لوگ بھی شریک تھے مولانا شفیع مونس صاحب (سکریٹری جماعت اسلامی ہند) نے خطاب فرمایا۔

فیروز آباد

ایس۔ آئی۔ او ایسوسی ایٹ سرکل فیروزآباد کی جانب سے ۹ نومبر کو ایک جلسہ منعقد ہوا۔ جلسہ کا آغاز حافظ عبدالغفار صاحب کی قرأت

کلام پاک سے ہوا۔ اس کے بعد شفیق الرحمٰن صاحب ناظم ایسوسی ایٹ سرکل نے سیرت نبیؐ کے موضوع پر تقریر کی۔ دوسرے مقرر مشائخ پٹیل صاحب نے فرمایا کہ "یہ ایک ایسا وقت ہے کہ عالم انسانیت تباہی کے قریب پہنچ چکی ہے اس لیے ضروری ہے کہ انسانیت کے سامنے وہ طریقہ زندگی پیش کیا جائے جو ہمیں حضورؐ کی زندگی سے ملتا ہے۔" ایک اور مقرر عبدالسلیم ناظم ایس، آئی، او سرکل ناری سنو نے کہا کہ "امت مسلمہ کا ہر فرد اپنی ذمہ داریاں کو محسوس کرتے ہوئے اپنے قول و عمل سے انسانوں کو انسانیت کا سبق سکھائے۔"

رام پور

۷ر دسمبر کو صدر تنظیم برادر پی۔ سی حمزہ نے جماعت اسلامی ہند علاقہ بریلی کے اجتماع میں شرکت کی۔ اس موقع پر آپ نے "ملک و ملت کی تعمیر میں طلبہ کا رول" کے عنوان پر ایک لکچر بھی دیا۔ آپ نے طلبہ کی ذمہ داریوں اور تحریک میں ان کے رول کو وضاحت سے پیش کیا۔ آپ نے جماعت اسلامی کے کارکنان سے اپیل کی کہ وہ طلبہ کا تعاون اور ان کی رہنمائی کریں۔

اس اجتماع کے متوازی نشست میں ایس۔ آئی۔ او کا بھی ایک پروگرام ہوا جس میں صدر تنظیم کے علاوہ برادر طارق فار قلیط صدر حلقہ یو پی اور برادر صفدر سلطان اصلاحی نے بھی خطاب کیا۔

اس موقع پر ایس۔ آئی او رامپور کے رفقاء نے ایک اسٹال بھی لگایا۔

دھلی

۵ار نومبر کو ایس، آئی، او دہلی کا ماہانہ تربیتی اجتماع مرکز ایس۔ آئی۔ او کے قریب اشاعت اسلام مسجد میں ہوا۔ سورہ صف کا اجتماعی مطالعہ برادر اسرار عالم صاحب کی نگرانی میں ہوا۔ اس کے بعد تمام شرکاء نے ایک ایک حدیث کو ترجمہ کے ساتھ پیش کیا۔ برادر ارشد اجمل نے حدیث کے سلسلے میں مفید مشورے دیے۔ جناب پروانہ رحمانی صاحب (انچارج شعبہ نشر و اشاعت، جماعت اسلامی ہند) نے "تربیت کے چند اہم پہلو" پر لکچر دیا۔ "ایس آئی او کے دستور کے اہم نکات" کے عنوان پر برادر اسرار عالم نے اپنی تقریر میں دستور کی تفہیم اور اہم نکات کو واضح کیا۔

"Call to Peace" مہم کے دوران ۳۰ جنوری کو "India in Search of Peace" کے عنوان پر ایک سمپوزیم منعقد کرانے کی تجویز منظور کی گئی اس میں بالخصوص غیر مسلم سیاسی و مذہبی رہنماؤں کو اظہار خیال کرنے کی دعوت دی جائے گی۔

بہار

دربھنگہ

۲۳ر اکتوبر کو دربھنگہ یونٹ کے اسٹڈی سرکل کا افتتاح ہوا۔ جلسہ کی صدارت سرپرست حلقہ محمد جعفر صاحب نے کی۔

پروگرام کا آغاز برادر محمد علاء الدین صاحب کی تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ اس کے بعد محمد صادر ہاشمی، احمد شمیم، مجاہد منظر اور شمیم خرم نے ایس آئی او کا ترانہ پیش کیا۔ ترانہ کے بعد محمد عارفین ہاشمی ممبر ایس، آئی، او نے ایک نظم پیش کی۔

برادر نظیر احمد نے اپنی افتتاحی تقریر میں ایس، آئی او کا مختصر تعارف پیش کیا۔ افتتاحی تقریر کے بعد جناب حسن رضا صاحب (رانچی) نے "جدید چیلنج اور مسلم نوجوان" کے عنوان پر ایک لکچر پیش کیا۔ ایک دوسرے مقرر محترم ڈاکٹر احمد سجاد صاحب پروفیسر رانچی یونیورسٹی نے "ادب و انقلاب" کے عنوان پر تقریر کی۔ آپ نے فرمایا کہ "قرآن پاک ایک ایسا ادبی سرمایہ ہے اور ایسا نسخہ کیمیا ہے جو ہر زمانہ میں ایک مکمل انقلاب لانے کا ضامن ہے۔"

صدر جلسہ نے اپنی صدارتی تقریر میں ایس آئی او کا پیغام مسلم طلبہ و نوجوانوں کے نام پیش کیا۔ آپ نے ایس آئی او کے بلند مقاصد و نصب العین کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم لوگ جس دور سے گذر رہے ہیں یہ نظریات و افکار کی کشمکش کا دور ہے۔ باطل نظریہ اپنے مقاصد میں بری طرح ناکام ہے۔ اس وقت ہمیں ایسے افراد کی ضرورت ہے جو اپنے اندر حالات سے لڑنے کی صلاحیت رکھتے ہوں اور اعلیٰ مقاصد کی تکمیل کے لیے ہمہ تن مصروف عمل ہوں۔

صدر مقامی کے اظہار تشکر پر جلسہ کا اختتام ہوا۔ اس جلسہ میں تقریباً ڈھائی سو افراد نے شرکت کی۔

تربیتی اجتماعات

ایس۔ آئی۔ او حلقہ بہار کے کرسمس کی تعطیل میں مختلف مقامات پر اجتماعات ہو رہے ہیں۔ ان اجتماعات میں جنوری میں ہونے والے "امن کی پکار" مہم کے سلسلے میں خاص طور پر روشنی ڈالی جائے گی۔ مختلف مقامات پر ہونے والے اجتماعات کی تاریخ حسب ذیل ہے۔

مقام	تاریخ
۱۔ بوکارو	۲۷، ۲۸ دسمبر
۲۔ بھاگلپور	۲ ر ۳ جنوری
۳۔ ارریہ کورٹ	۳۰، ۳۱ دسمبر
۴۔ جمشید پور	۲۶، ۲۷ دسمبر
۵۔ دربھنگہ	۲۷، ۲۸ دسمبر
۶۔ موتی ہاری	۲۴، ۲۵ دسمبر
۷۔ گیا	۱، ۲، ۳ جنوری

آندھرا پردیش

حیدر آباد

گزشتہ دنوں ایس، آئی او حیدر آباد کی جانب سے "ہفتہ خوشگوار فرقہ وارانہ تعلقات" کے موقع پر ایک ریلی نکالی گئی۔ جس سے مولانا عبدالعزیز صاحب (امیر حلقہ آندھرا پردیش) نے خطاب فرمایا۔ آپ نے کہا کہ ملک کے موجودہ بدامنی کے ماحول میں امن کا فروغ اور ظلم کا خاتمہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اور اس کام کے لیے تمام فرقوں اور گروہوں کے افراد کو آگے آنا چاہیے۔ موصوف نے قرآن کے اس پیغام کو عام کرنے کی ضرورت پر زور دیا کہ ایک انسان کو قتل کرنا تمام انسانیت کے قتل کے مترادف ہے۔ اور ایک انسان کی جان بچانا سارے انسانیت کو بچانے کے مترادف ہے۔

ر

ایس۔ آئی۔ او کرناٹک و گوا اڈورژن کا دو روزہ تربیتی اجتماع ۲۸، ۲۹ نومبر کو رائچور میں ہوا جس میں صدر تنظیم برادر پی سی حمزہ کے علاوہ معاون سرپرست حلقہ کرناٹک، صدر حلقہ سکریٹری حلقہ، معاون ناظم علاقہ رائچور، جناب ابراہیم سعید (اڈیٹر سنمارگ) وغیرہ نے شرکت کی۔

تربیتی درس قرآن کے پروگرام میں شرکاء کو پانچ گروپ میں تقسیم کر دیا گیا تھا اور ہر گروپ کا ایک نگراں تھا۔ پہلے دن رات میں ویڈیو شو کا اہتمام بھی کیا گیا۔

تربیتی اجتماع کے بعد ایک خطاب عام بھی ہوا جس میں سیرت نبیؐ پر تقریریں کی گئیں۔ اس کی صدارت جناب سید مقصود الحسن رضوی نے کی۔ جناب ابراہیم سعید صاحب اور برادر پی۔ سی۔ حمزہ نے خطاب فرمایا۔

بھدراوتی

۲۶ ستمبر کو ایس۔ آئی۔ او بھدراوتی کے زیر اہتمام "اخلاق پر مبنی نظام تعلیم" کے عنوان پر ایک سمپوزیم کا انعقاد کیا گیا جس کی صدارت پروفیسر شرف الدین، ملناڈ انجینیرنگ کالج، ہاسن نے کی۔ سمپوزیم کا افتتاح پروفیسر کرشنپا پرنسپل سائنس کالج، بھدراوتی نے کیا۔ سمپوزیم سے A.B.V.P. کے نمائندے ین منجوناتھ اور ایس آئی او کے نمائندے ایس اشرف الدین نے بھی خطاب کیا۔

اس پروگرام کا آغاز برادر عبدالغفار حامد عمری کی قرات کلام پاک اور برادر عبدالرحمٰن کے کنڑی ترجمے سے ہوا۔ برادر عبدالمناف نے کنوینر کے فرائض انجام دیے۔ برادر ندیم احمد خاں کے شکریہ پر جلسہ کا اختتام ہوا۔

کیرلہ

کینانور

ایس۔ آئی۔ او کیرلہ زون میں ایک "Blood Donors Forum" قائم ہے دیا جاتا ہے۔ گذشتہ ۱۲ تا ۱۹ نومبر تک چلی یونٹ نے Blood Donation Campaign مہم منایا اس مہم کا افتتاح کینانور کے ایک لکچرر مسٹر پی۔ رویندرن نے کیا۔ مہم کے دوران تقریباً ۱۰۰ افراد نے خون کا عطیہ دینے کے لیے اپنے نام درج کرائے۔

کالی کٹ

• ایس۔ آئی۔ او کیرلہ زون کے "Vocational Guidance and Training Bureau" کی جانب سے گذشتہ دنوں ایک چار روزہ کوچنگ کیمپ منعقد کیا گیا جس میں رفقاء ایس آئی او کو ریلوے بورڈ اور اسٹاف سلیکشن کمیشن کے امتحانات کے سلسلے میں رہنمائی کی گئی۔

• S.S.C امتحان میں اوّل اور دوم آنے والے دو طلبہ برادر اے۔ بی۔ اشرف اور برادر ایم۔ کے مجیب الرحمٰن (ایس سی ایٹ) کے اعزاز میں ایک پروگرام کا انعقاد کیا گیا۔ جس میں دونوں کامیاب طلبہ کو نقد انعامات سے نوازا گیا۔ انعامات کی تقسیم جناب عبدالاحد صاحب (سکریٹری جماعت اسلامی، کیرلہ) نے کی۔ پروگرام کی صدارت برادر ٹی۔ عارف علی صدر حلقہ ایس۔ آئی۔ او نے کی۔

• گذشتہ دنوں ایس۔ آئی۔ او کیرلہ زون کی جانب سے شراب مخالف مہم "Anti Liquor Campaign" منایا گیا۔ اس موقع پر اکسائز منسٹر کو پانچ ہزار خطوط بھیجے گئے جن میں شراب پر پابندی عائد کرنے کی مانگ کی گئی تھی۔

واضح ہو کہ کیرلہ میں پہلے یہ قانون نافذ تھا کہ مسجد، مندر یا تعلیمی ادارے سے چار سو میٹر کے اندر شراب کی دوکان نہیں کھولی جا سکتی ہے لیکن موجودہ حکومت نے اس قانون کو ختم کر دیا تھا۔ ایس۔ آئی۔ او نے پچھلے قانون کے نفاذ کی مانگ کی۔

ایس۔ آئی۔ او اور دیگر تنظیموں کے شدید احتجاج کے سبب حکومت نے پچھلا قانون پھر سے نافذ کر دیا ہے۔

بھرپور تعاون حاصل رہا۔

• اس سال ایس۔ آئی۔ او کیرلہ نے تیس کالجوں میں اسٹوڈنٹس یونین کے انتخابات میں حصہ لیا۔ گذشتہ سال کے مقابلے میں اس سال نمایاں کامیابی ملی۔ فاروق کالج میں ایس۔ آئی۔ او کا نمائندہ برادر ایم۔ سی عبدالناصر کو اسٹوڈنٹ ایڈیٹر کی حیثیت سے منتخب کیا گیا۔

▮▮▮▮▮▮▮▮▮▮▮▮▮▮▮▮▮▮▮▮▮▮▮

(بقیہ پردہ پس پردہ)

سہولت پیدا کرے۔

حکومت نے اعلان کیا تھا کہ مذکورہ گیس کے اثرات کو ختم کرنے کا کام آسان ہے اور اس کام کو جناب وردھاراجن ڈائرکٹر کونسل آف انڈسٹریل اور سائنٹفک ریسرچ (CSIR) کی سرکردگی میں سائنس دانوں کی ٹیم انجام دے گی۔ اور اس ٹیم کو لاعلمی میں رکھ کر گیس کو سیوائن (SEVINE) میں بدلنے کا "کارنامہ" انجام دیا گیا جو کہ کیڑوں کو مارنے کے کام میں آتی ہے۔ "زہریلی گیس کانڈ سنگھرش مورچہ" کے ذریعہ شائع کردہ رپورٹ کے مطابق مریضوں کے امراض کی تفصیلات اسپتال سے سی بی آئی والے لے گئے۔ ایک یادداشت وزیراعظم کے حالیہ مدھیہ پردیش کے دورے کے موقع پر پیش کی گئی اس میں انڈین ریڈ کراس سوسائٹی پر الزام لگایا گیا ہے کہ اس نے اہم طبی معلومات یونین کاربائڈ کو فراہم کی ہے۔ یہ اور نہ جانے کتنے واقعات پس پردہ ہو رہے ہیں۔ اس پر طرفہ تماشا یہ ہے کہ حکومت نے ایک قانون فضائی تحفظ قانون ۱۹۸۶ء (THE ENVIRONMENTAL PROTECTION ACT - 1986) بنایا ہے جس کے تحت عوام کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ فضا کی آلودگیوں کے خلاف کورٹ میں جا سکیں۔

رپورٹیں
جامع، مختصر اور [illegible]
تحریر فرمائیں

یہ مرکز تنظیم ہے

مورخہ ۳۱ اکتوبر و یکم نومبر کو تنظیم کے رابطہ آفس میں صوبائی صدور اور سکریٹریز کا ایک تربیتی اجتماع منعقد ہوا۔ جس کی مختصر روداد حسب ذیل ہے اس اجتماع میں سابق صدور کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔

صبح ۹ ½ بجے صدر تنظیم کے افتتاحی کلمات سے اجتماع کا آغاز ہوا۔ اس سے قبل برادر شبیر ملا نے کلام پاک کی تلاوت کی۔ صدر تنظیم نے تنظیم کی عمر کا ذکر کرتے ہوئے اور سابقہ ڈ ومیقات کی قابل ذکر پیش رفت پر اللہ کا شکر ادا کیا اور فرمایا کہ اس میقات میں ایک طرف تربیت پر زیادہ توجہ دی گئی ہے تو دوسری طرف غیر مسلم طلبہ و نوجوانوں میں کام کو اہم قرار دیا گیا ہے۔ ملک کی موجودہ صورتحال میں اس کی اہمیت اور اوپری سطح سے تربیت کی ناگزیریت کا ذکر کیا۔ اجزائے پروگرام کے تعارف کے ساتھ دیگر مفید ہدایات دیں۔

اس کے بعد "رضائے الٰہی کے حصول" کے عنوان پر جناب تبارک اللہ صاحب کی ایک مختصر تذکیر ہوئی جس میں موصوف نے فرمایا کہ رضائے الٰہی کے حصول کے لئے رضائے نفس کا ترک ضروری ہے۔ یہ حقیقت واضح رہنی چاہیے کہ دنیا متاع قلیل ہے اور آخرت بہتر و باقی تر ہے نیز یہ کہ ہر عمل ریکارڈ ہو رہا ہے۔ اعلان بندگی کے بعد ہر لمحہ اللہ اور رسول کی تعلیمات کو سامنے رکھنے کی ضرورت ہے۔ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ جو اللہ کو خوش کرنے کے لئے لوگوں کو ناراض کرتا ہے اللہ اُس کا محافظ ہوتا ہے اور جو اس کے برعکس کرتا ہے اللہ اس سے اپنی حمایت ہٹا لیتا ہے اور لوگوں کے حوالے کر دیتا ہے۔

پھر سابق صدر تنظیم نے تنظیم کی تشکیل و ترقی پر ایک جامع اور مبسوط گفتگو تحریری نکات کی مدد سے فرمائی، ضرورت اس بات کی ہے کہ یہ تاریخ طباعت کے مرحلے سے گزار کر محفوظ کر لی جائے۔

اس کے بعد جنرل سکریٹری صاحب نے تنظیم کی ابتدا سے اب تک کئے گئے اہم فیصلوں کی وضاحت کی اور موجودہ پالیسی و پروگرام کی تفہیم کرائی۔

دوپہر کے وقفہ کے بعد "اسلامی تنظیم میں نظم و قیادت کی اہمیت و ضرورت نیز قائد کی ذمہ داریوں" کے عنوان پر جناب مولانا شفیع مونس صاحب کی ایک گفتگو ہوئی آپ نے نظم کو بہتر بنانے کے ذرائع، اس راہ کے موانع اور قائد کے اوصاف پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔

شام کی نشست میں "حلقہ کی صورتحال، مواقع، موانع اور آپ کی کوششیں" کے عنوان سے ایک مذاکرہ کی پہلی نشست تھی جس میں آندھرا پردیش، تامل ناڈ، کیرالا، کرناٹک اور پنجاب کے ذمہ داروں نے اپنے حلقہ کی صورت حال پر تفصیل سے گفتگو کی اس مذاکرہ کے اختتام پر پہلے سے مقرر کردہ پینل نے مقررین سے باقی امور پر مزید تفہیم کی غرض سے سوالات کئے اور اسی پر پہلے دن کا پروگرام ختم ہوا۔

یکم نومبر کو بھی حسب معمول تلاوت سے پروگرام کا آغاز ہوا اس کے بعد "ترجیح آخرت" کے عنوان سے تذکیر کا ایک پروگرام ہوا۔ جس میں یہ بات واضح کی گئی کہ ہماری سرگرمیوں میں وہ قولی ہوں یا عملی، آخرت کا اظہار کس طرح ہونا چاہیئے، اسلامی تعلیمات میں ان کا تناسب کیا ہے اور اس رجحان کو پیدا کرنے کے ذرائع کیا ہو سکتے ہیں۔ اس کے بعد کل کے مذاکرہ پر صدر تنظیم نے ایک تقریر کی اور کمزور پہلوؤں کی طرف خصوصی نشاندہی فرمائی جس میں کارکن سازی کا طویل المدتی منصوبہ، پروگرام میں نشانوں کا تعین، تعلیمی اداروں میں نفوذ کی منصوبہ بند کوشش مطالعہ کے رجحان میں کمی کو دور کرنا اور باقی ماندہ مقامات پر تنظیم کی توسیع کی کوششیں کرنا قابل ذکر ہیں۔

اس کے بعد جنرل سکریٹری صاحب نے "نظم و انتظام کے چند بنیادی تصورات" کے موضوع پر ایک گفتگو کی۔ جس میں نظم کی اہمیت، سپرد کردہ کام کے سلسلہ میں اعتماد، ہدایات کی یکسانیت تقسیم کار و تخصیص کار، اختیارات کو ذمہ داریوں اور جوابدہی کا باہمی رشتہ، مرکزیت و لامرکزیت جیسے اہم امور زیر گفتگو آئے۔

پھر جناب شبیر عالم صاحب کی صدارت میں ایک مذاکرہ ہوا جس کا عنوان "غیر مسلم طلبہ و نوجوانوں میں کام کیسے آگے بڑھایا جائے" تھا۔ اس مذاکرہ میں کیرالا، تمل ناڈ، بہار کے سکریٹریز نے حصہ لیا جس میں بہت سی مفید علمی و تجرباتی تدابیر پیش کی گئیں، پھر صدارتی گفتگو ہوئی۔

اس کے بعد ضروری ہدایات کے عنوان سے ایک پروگرام تھا جسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا، برادر اشفاق احمد صاحب نے ZAC کی میٹنگ، اجلاس کے اداب و اصول، ارکان کی تربیت سرپرست حلقہ سے ربط، دورے، دستور میں درج فرائض، کمزور و جامد یونٹس، تادیبی کارروائی، تنازعات یونٹ وزون کی

رپورٹنگ اور فیصلوں سے متعلق ضروری اور اہم ہدایات دیں۔

اسی طرح برادر جاوید علی صاحب نے، حلقے کے آفس کا انتظام، ٹیم اسپرٹ کا جذبہ، ممبر شپ کی سفارشیں اور Intelligence Agencies سے متعلق ہدایات دیں۔

دوپہر کے وقفے کے بعد بیت المال اور صوبائی حسابات سے متعلق ایک سیشن برادر شبیہ عالم صاحب نے پیش کیا۔ پھر کل کے مذاکرہ کی دوسری نشست ہوئی جس میں مغربی بنگال، بہار، یو پی، راجستھان اور مدھیہ پردیش کے ذمہ داروں نے اپنے حلقوں کی تفصیلی صورت حال رکھی اور ایڈیٹر مقرر کردہ پینل نے سوالات کئے۔

اس کے بعد صدر تنظیم کی اختتامی تقریر ہوئی جس میں اجتماع کے پروگرام کے بعض حصوں کی تذکیر کے ساتھ شرکاء سے تاثرات طلب کئے۔ چند ارکان کے سلسلہ میں توجہ دیتے برادر تنظیم سے خوشگوار تعلقات۔ دوسری تنظیموں کے دورے کی ہدایات کیں۔ جماعت سے تعلق کی اہمیت پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ یہ تعلق فطری ہو ضابطہ کا نہیں۔ ہمیں جماعت کے لئے سرایہ بننا ہے۔ ہر سطح پر یہ تعلق برقرار رہنا چاہیے اور اپنی طرف سے کسی غلط فہمی کا موقع پیدا نہ ہونے دینا چاہیئے۔ ان کے لئے بھی دعا کرنی چاہیے کہ انھوں نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ دین کی خدمت میں صرف کیا ہے۔ محمد ا... صاحب کی دعا پر اجتماع کا اختتام ہوا۔ ●●

غزل



چودھری عبید اللہ

وہ نہیں آئیں گے تو کیا ہوگا؟
دل میں محشر سا اک بپا ہوگا

خوگرِ رنج تو یہ دل ہے مگر
تیرا غم صبر آزما ہوگا

جس کی الفت میں جان ہم دیں گے
عہد توڑے گا بے وفا ہوگا

لاکھ ڈھونڈو مگر نہیں ملتا
آدمی وہ نہیں خدا ہوگا

جستجو اپنی ہوگئی ناکام
ہوں گے بدنام یہ صلہ ہوگا

دل میں جلتا تھا ایک مدت سے
پیار کا وہ دیا بجھا ہوگا

ہم بھی قاتل کے منتظر ہیں عبید
ساتھ لاشے کے قافلہ ہوگا

STUDENTS
ISLAMIC
ORGANISATION OF INDIA



HDQRS :
239, ABUL FAZAL ENCLAVE,
OKHLA, NEW DELHI - 110025.
INDIA

امن کی پکار ــ پندرہ روزہ مہم

۱۶ر جنوری تا ۳۰ جنوری ۸۸ء

کارکنان تنظیم کے لیے ضروری ہدایات

امید ہے آپ سب نے "امن کی پکار" پندرہ روزہ مہم کے لیے اپنے آپ کو اچھی طرح تیار کر لیا ہوگا۔ زون سے ملنے والی ہدایت کے مطابق انفرادی سطح سے لے کر یونٹ و سرکل کی سطح تک ایک مناسب پروگرام بھی اب تک تیار ہو چکا ہوگا۔ سرگرمیوں کا ایک ہلکا ساخاکہ افادہ عام کے لیے ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔

۱۔ غیر مسلم طلبہ سے ملاقات، گفتگو اور کتابچوں کی تقسیم۔ یہ کتابیں مناسب ہو سکتی ہیں:
• شانتی مارگ • زندگی بعد موت • چھوت چھات • اسلام کا بنیادی عقیدہ • اسلام کی شیتل چھایا • منزل کی اور • اسلام کا پریچے

۲۔ ٹی پارٹی کا اہتمام جس میں غیر مسلم طلبہ کو مدعو کیا جائے، باہمی تعارف ہو، مشترکہ مسائل پر اظہار خیال کیا جائے اور آخر میں مختصراً ایس۔ آئی۔ او اور مہم تعارف نیز باہمی ربط و تعلق کی اہمیت پر روشنی ڈالی جائے۔ اس سلسلے میں COMMON STUDY GROUPS کی تشکیل کی کوشش کی جائے جس کی مستقل نشستیں مستقبل میں ہوتی رہیں۔

۳۔ درج ذیل موضوعات میں سے کسی ایک موضوع پر یا اس طرح کے کسی عنوان پر سمپوزیم رکھا جائے۔ جس میں غیر مسلم طلبہ و نوجوانوں کو خصوصی طور پر شریک کرنے کی کوشش ہو۔

عنوانات: ۱۔ فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور نئی نسل　　۲۔ مذہب، تعلیم اور ملکی ترقی
۳۔ مشترکہ سماجی مسائل کے حل میں ہمارا کردار　　۴۔ ہندوستان میں امن کس طرح قائم ہو سکتا ہے؟ وغیرہ

۴۔ جہاں ممکن ہو وہاں تعلیمی اداروں یا اہم مقام پر درج ذیل عنوانات پر لکچر کا اہتمام کیا جائے۔

عنوانات: ۱۔ توحید اور وحدت آدم　　۲۔ انسانی آزادی کا مفہوم　　۳۔ کردار کی تعمیر اور مذہب

ان عنوانات پر تحریری اور تقریری مقابلے بھی کرائے جائیں۔

۵۔ مہم کے دوران پورے زون میں یکساں طور پر افتتاحی اور اختتامی پروگرام رکھے جا سکتے ہیں۔

۶۔ مہم کے دوران آنے والے ۲۶ر جنوری (یوم جمہوریہ) کے موقع سے بھی اس سلسلے میں فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

۷۔ جہاں ممکن ہو PEACE RALLIES نکالی جا سکتی ہیں۔

۸۔ وال رائٹنگ اور پوسٹرس وغیرہ کے ذرائع کا بھی تشہیر کے ذیل میں جہاں ممکن ہو استعمال کیا جا سکتا ہے۔

۹۔ مہم کے سلسلے میں اخبارات میں مضامین، سرگرمیوں کی رپورٹ وغیرہ کی اشاعت کا بر موقع اہتمام ہو۔

دعا ہے کہ اس مہم کی کامیابی میں اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت شامل حال رہے۔　آمین

والسلام
محمد منیر
سکریٹری
ایس۔ آئی۔ او۔ آف انڈیا

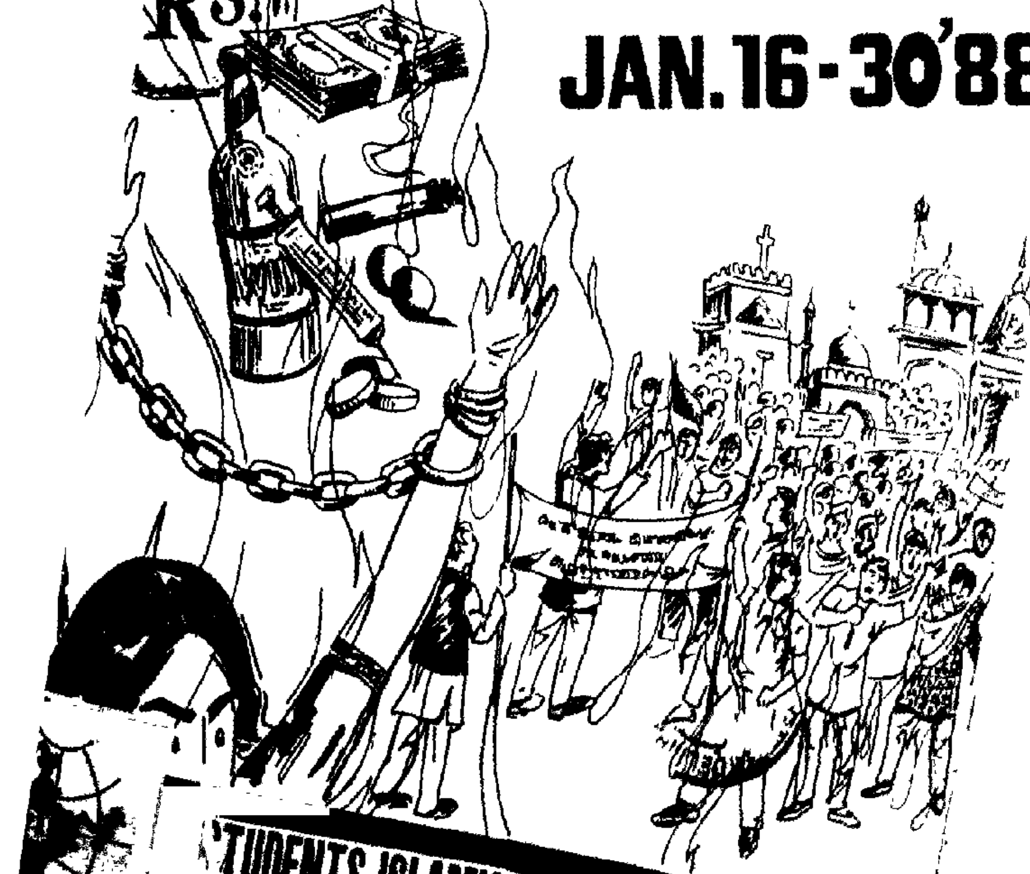
> مہم کے دوران اپنے یونٹ کے سرگرمیوں کی رپورٹ ۱۵ر فروری تک دفتر "رفیق منزل" "CALL TO PEACE" کو بھیج دیں۔ پروگرام کی تصویری جھلکیاں بھی بھیج سکتے ہیں۔
> (ادارہ)

Vol. 1 No. 2
R.N.I. No.
Decl. No. 8/17/87

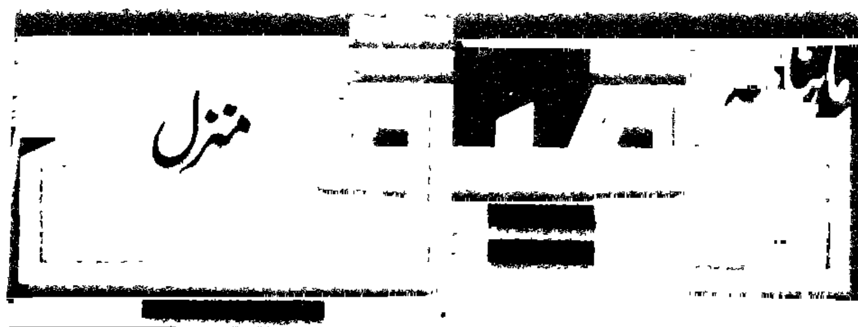
CALL TO PEACE CAMPAIGN

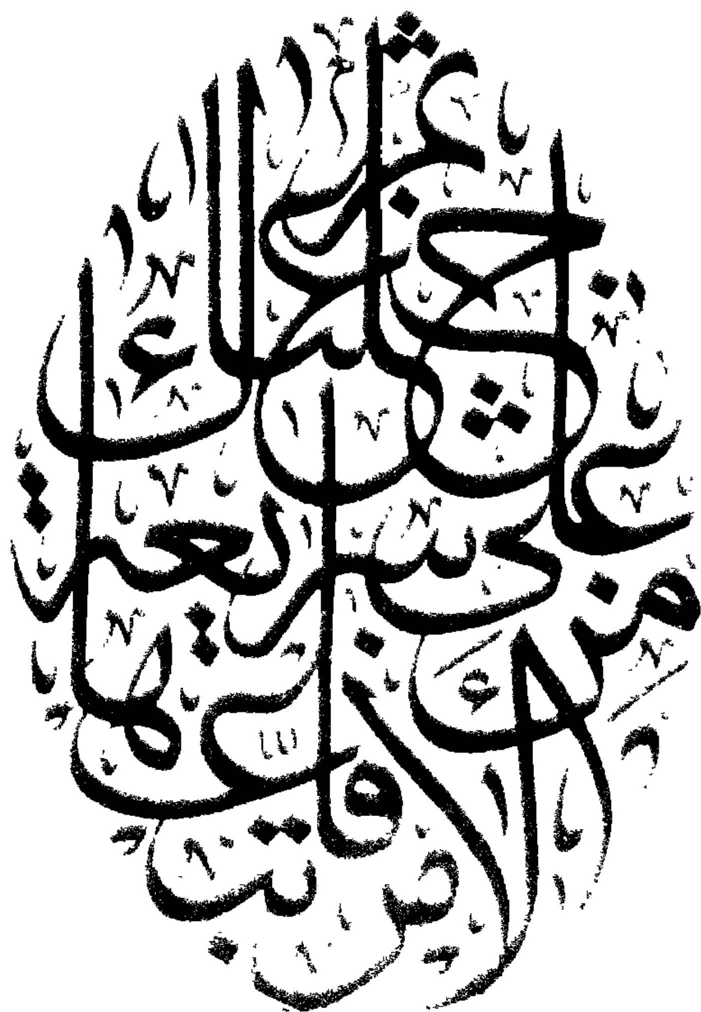


JAN. 16-30'88



STUDENTS ISLAMIC ORGANIZATION OF INDIA
230, ABUL FAZAL ENCLAVE, OKHLA
NEW DELHI


منزل



اسوۂ رسول اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت فضلؓ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے دیکھا کہ آپؐ کو بخار چڑھ رہا ہے اور سر مبارک پر پٹی بندھی ہے آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ میرا ہاتھ پکڑ لے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑا آپؐ مسجد تشریف لے گئے اور منبر پر بیٹھ کر ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو آواز دے کر جمع کر لو۔ میں نے لوگوں کو جمع کر لیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

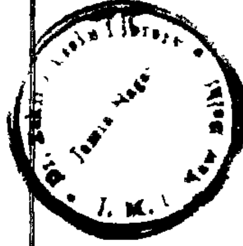
"میرا تم لوگوں کے پاس سے چلے جانے کا زمانہ قریب آگیا ہے اس لیے جس کی کمر پر میں نے مارا ہو میری کمر موجود ہے بدلہ لے لے۔ اور جس کی آبرو پر میں نے حملہ کیا ہو میری آبرو سے بدلہ لے لے جس کا کوئی مطالبہ (مالی) مجھ پر ہو وہ مال سے بدلہ لے لے۔ کوئی شخص یہ شبہ نہ کرے کہ مجھ سے بدلہ لینے سے میرے دل میں بغض پیدا ہونے کا ڈر ہے۔ بغض رکھنا نہ میری طبیعت ہے نہ میرے لئے موزوں۔ خوب سمجھ لو کہ مجھے وہ شخص بہت محبوب ہے جو اپنا حق مجھ سے وصول کر لے یا معاف کر دے کہ میں اللہ کے یہاں بشاشت قلب کے ساتھ جاؤں۔ میں اپنے اس اعلان کو ایک دفعہ کہہ دینے پر اکتفا نہیں کرنا چاہتا پھر اس کا اعلان کروں گا چنانچہ منبر سے اتر آئے اور ظہر کے بعد منبر پر پھر وہی اعلان فرمایا اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جس کے ذمہ کوئی حق ہو وہ بھی ادا کر دے اور دنیا کی رسوائی کا خیال نہ کرے کہ دنیا کی رسوائی آخرت کی رسوائی سے بہت کم ہے۔"



ماہنامہ
رفیقِ منزل
نئی دہلی

جلد نمبر ۱ — فروری ۱۹۸۸ء مطابق جمادی الآخر و رجب المرجب — شمارہ نمبر ۳

آئینۂ ترتیب



مدیر اعزازی
منور حسین فلاحی

منیجر
جاوید اختر

شرح خریداری
فی پرچہ — دو روپے پچاس پیسے
سالانہ — پچیس روپے
ششماہی — پندرہ روپے
غیر ممالک سے — ایک سو پچاس روپے

مقام اشاعت اور انتظامی امور میں مراسلت کا پتہ

Manager,
Rafeeque-e-Manzil Monthly,
230, Abul Fazal Enclave,
Okhla, New Delhi - 110 025

ڈرافٹ پر صرف اتنا لکھیں
RAFEEQUE-E-MANZIL

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اداریہ

اللہ تعالیٰ کی بندگی کی دعوت تمام انسانوں کو دینا مسلمانوں کا مقصد زندگی ہے۔ اس ضمن میں یہ بات اکثر کہی جاتی ہے کہ مسلمان سماج ہی اس قدر بگڑا ہوا ہے کہ اس اصلاح کا کام ہی ضروری اور مقدم ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں کا معاشرہ بھی بگاڑ میں غیر مسلموں کے برابر تک چلا گیا ہے۔ لیکن غور کرنے کی بات یہ ہے کہ کیا ہم ایک ایسے اہم کام کو اختیار کر کے جو ہماری وجہ سے اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ اس کام کو موخر کردیں جو ہمارا مقصد وجود اور غایت اصلی ہے۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ ہاں ایسا ہی ہونا چاہئے۔ آیئے ہم اس سے آگے بڑھ کر سوچیں۔ کیا کوئی اور ضروری کام نہیں ہے جو ہمیں ابتدائی قدم کے طور پر کرنا چاہئے۔ ہم اگر کرنے کے کام کی فہرست بنائیں تو شاید سب سے پہلے اس کو جگہ دی جانی چاہئے کہ ہم پہلے اپنی اصلاح کریں۔ اپنے ایمان وعمل کو درست کریں، پھر مسلم معاشرہ کی اصلاح کا کام کیا جائے تب اور پھر غیر مسلموں میں دعوت کا کام کیا جائے گا۔ ان کے علاوہ بھی اور کام انھیں بڑے کاموں کے ذیل میں بتائے جاسکتے ہیں لیکن ہم اسی پر اکتفا کر کے سوچیں تو ہمارے سامنے ۲ طرح کے طریق کار آتے ہیں۔

ایک یہ کہ واقعی پہلے ایک مرحلے کو مکمل کر لیا جائے پھر دوسرے مرحلے میں قدم رکھا جائے اور اس کی تکمیل کے بعد تیسرے مرحلے میں داخل ہوا جائے۔ یہ طریقہ بادی النظر میں جتنا معقول اور منطقی معلوم ہوتا ہے اتنا ہے نہیں کیا ہم میں سے کوئی کسی متعین وقت تک کسی ایک مرحلہ کی تکمیل کی ضمانت دے سکتا ہے؟ دوسرا طریق یہ ہے کہ بیک وقت یہ تینوں مرحلے طے ہونے چاہئیں۔ یہ بات دشوار اور مشکل چاہے معلوم ہو لیکن ذمہ داری کا احساس اور جو ایمان کے احساس کا تقاضا یہی ہے اور ذمہ داری سے پوری طرح سبکدوشی کی راہ بھی یہی ہے بعض وقت اس معقول اور مناسب طریق میں بھی ایک صورت یہ بتائی جاتی ہے کہ فرد اپنے ایمان وعمل کی اصلاح کا کام مسلمانوں میں اصلاح کی دعوت کے ذریعہ انجام دے اور غیر مسلموں میں دعوت کے کام کو موخر رکھے۔ لیکن اسی حد تک روک دینے کی کوئی معقول وجہ اس کے سوا نہیں بتائی جاسکتی کہ ابھی ہمارا آنگن ابتدا سے درست نہیں ان کو یہاں آنے کی دعوت کیوں کر دی جائے؟ کیا ہم کوئی ایسا وقت متعین کرسکتے ہیں جب ہم اپنے آنگن کو صاف ستھرا کرلیں گے نیز اپنے گھر کی صفائی کے دوران جب ہمارے پڑوسی، دوست، مصائب کی وجہ سے بے خبرہ بیماریوں کی دوا سے محروم موت کے گھاٹ اتر جائیں گے اور فیصلے کے دن جب یہ راز فاش ہوگا ہمارے پاس مرض کا علاج تھا ہم اسے اپنے ہی اوپر آزمانے میں لگے رہے اور دوسروں کو اس کی خبر اس لئے نہ ہونے دی کہ ابھی مناسب وقت نہیں آیا تو پھر اس افشاء راز کا انجام کیا ہوگا؟

حقیقت یہ ہے کہ موجودہ دور میں عقل وفہم اور علم وشعور کے مالک مسلمانوں کو بیک وقت کئی محاذوں پر کام کرنا ہے، اپنی اصلاح وتربیت، معاشرہ کی اصلاح وتعمیر، غیر مسلمین میں تبلیغ دین، منافرت کی فضا کا خاتمہ، سازشوں کی بیخ کنی، حملوں کا دفاع وغیرہ اور ان سب میں مقصد وجود ہی کو اولیت اور اہمیت حاصل ہے، کہ اسی کے ذیل میں اپنی اور اپنے معاشرہ کی اصلاح ہوسکتی ہے اور اسی کی خاطر سازگار ماحول کی تشکیل کی کوشش بھی کرتی ہے۔

دعوت دین کا کام کتنا اہم اور کتنی بڑی احساس ذمہ داری کا متقاضی ہے اس کے بیان کی یہاں گنجائش نہیں ذیل کے نکات کی طرف اگر ہم توجہ کرسکیں تو مناسب ہے۔

ہماری زندگی کا کوئی ایک دن بھی دعوت کی فکر یا عمل سے اگر خالی ہو تو وہ دن ضائع اور بیکار گیا اور آخرت میں حسرت وندامت کا باعث ہوگا۔

ہم اپنے آس پاس گمراہیوں اور فتنوں سے آگاہ ہوں اور برائیوں کے سوتوں کو پہچاننے کی کوشش کریں۔

ہمارا غور وفکر اور مطالعہ ومشاہدہ سے آگے بڑھ کر تجربات تک پہنچیں اور ہم دعوت کے لئے عملی اقدام کریں اور برابر اپنا جائزہ بھی لیتے رہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنی ذمہ داریاں بہتر طریقے سے انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اخلاق کی حیثیت واہمیت [1]

جناب فاروقی خاں صاحب

عن جابرؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: ان اللہ بعثنی لتمام مکارم الاخلاق وکمال محاسن الافعال۔
——— شرح السنۃ

ترجمہ: "حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا نے مجھے اخلاقی خوبیوں اور اچھے کاموں کی تکمیل کے لئے بھیجا ہے۔"

موطا امام مالک کی ایک روایت ہے: بعثت لاتمم حسن الاخلاق "مجھے اس لئے بھیجا گیا ہے کہ میں حسن اخلاق کی تکمیل کروں۔" مسند احمد میں یہ حدیث حضرت ابوہریرہؓ کی مرویات میں ملتی ہے۔

ان احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑی حقیقت کا اظہار فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میری بعثت کی اصل غرض وغایت اخلاق واعمال کے مکارم ومحاسن کی تکمیل ہے۔ اخلاق درحقیقت فطری جذبات واحساسات ہی کا دوسرا نام ہے۔ اپنی حقیقت کے لحاظ سے یہ ایک غیر مرئی شے ہے۔ جس کا اظہار آدمی کے مختلف اعمال وافعال کے ذریعہ سے ہوتا رہتا ہے۔ ارادہ واختیار اور جذبات واحساسات کے صحیح اور بہترین استعمال سے اس زندگی کی نمود ہوتی ہے جس کو ہم مثالی اور پسندیدہ زندگی کہتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل کارنامہ یہی ہے کہ آپ نے انسانی زندگی کو مختلف اکائیوں میں تقسیم کرنے کے بجائے اسے ایک کُل قرار دیا۔ اور زندگی کے ہر پہلو اور اس کے ہر شعبہ سے متعلق خواہ اس کا تعلق معاشرت ومعیشت سے ہو یا حکومت وسیاست سے، اخلاق کے صحیح اصول وضوابط بیان فرمائے۔ انھیں عملاً زندگی میں برت کر دکھایا اور ان ہی اصولوں پر سوسائٹی اور ریاست کا نظام قائم فرمایا۔

آپ کے اس ارشاد نے کہ میں حسن اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں، انسانی زندگی کو ایک صحیح اور بہترین تعبیر دی ہے۔ آپ نے اخلاق کو فرسودہ اور محدود تصور سے پاک کرکے اسے وسیع تر مفہوم بخشا اور اس کو آفاقیت عطا فرمائی۔ یہاں تک کہ انسان کی انفرادی واجتماعی زندگی کا کوئی حصہ بھی اخلاق سے الگ اور آزاد نہ رہا۔ اور زندگی اس اصول وضابطہ سے ہم آہنگ ہوگئی جو اصول وضابطہ ہم کو کائنات میں کارفرما دکھائی دیتا ہے۔ اور جس کی اصل روح

قرآن کے الفاظ میں یہ ہے:

یسبح للہ ما فی السموات وما فی الارض لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر۔ (التغابن:۱)

"اللہ کی تسبیح کر رہی ہر وہ چیز جو آسمانوں میں ہے اور ہر وہ شئے جو زمین میں ہے۔ اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لئے تعریف ہے اور اسے ہر چیز پر قدرت حاصل ہے۔"

وعن عبد اللہ بن عمروؓ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ان من احبکم الی احسنکم اخلاقا
———

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سب سے زیادہ مجھے وہ لوگ محبوب ہیں جو تم میں اخلاق کے لحاظ سے سب سے اچھے ہیں۔"

ترمذی میں حضرت جابرؓ سے ایک روایت آئی ہے کہ آپ نے

ان من احبکم الی واقربکم منی مجلسا یوم القیامۃ احسنکم اخلاقا وان ابغضکم الی وابعدکم منی یوم القیامۃ الثرثارون والمتشدقون والمتفیھقون۔ "تم میں سب سے زیادہ مجھے وہ لوگ محبوب ہیں اور قیامت کے دن ان ہی کی نشست بھی مجھ سے زیادہ قریب ہوگی جو تم میں اخلاق کے لحاظ سے سب سے اچھے ہیں۔ اور تم میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ لوگ ہیں اور قیامت کے روز مجھ سے سب سے دور رہنے والے وہ لوگ ہیں جو زیادہ باتیں بنانے والے، چرب زبانی اور تصنع سے بات کرنے والے ہیں۔" انسان حقیقت میں ایک اخلاقی وجود ہے۔ اس کے اچھے یا برے ہونے کا اصل پیمانہ اخلاق ہی ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب خاص اور محبت ان ہی لوگوں کو حاصل ہوگی جو اخلاقی اعتبار سے بہتر اور فائق تر ہوں گے۔ اور اس میں شبہ نہیں کہ آپ کی محبت اور قرب کامیابی کی نمایاں علامت ہے۔

وعن عبد اللہ بن عمروؓ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ان من خیارکم احسنکم اخلاقا
——— بخاری ومسلم

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سب سے اچھے

[1] زیر ترتیب کتاب کلام نبوت جلد دوم سے

وہ لوگ ہیں جو اخلاق کے لحاظ سے تم میں سب سے اچھے ہیں۔"

معلوم ہوا کہ زندگی کی قدر و قیمت متعین کرنے میں اصل فیصلہ کن چیز اخلاق ہے۔ اس لئے مبارک ہیں وہ لوگ جو اخلاقی لحاظ سے اپنے کو بہتر سے بہتر حالت میں دیکھنے کی تمنا دل میں رکھتے ہیں۔

وَعَنْ رَجُلٍ مِنْ مُزَيْنَةَ قَالَ: قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا خَيْرُ مَا أُعْطِيَ الْإِنْسَانُ؟ قَالَ: اَلْخُلُقُ الْحَسَنُ ـــ بیہقی فی شعب الایمان، بغوی فی شرح السنۃ عن اسامۃ بن شریک

ترجمہ: "مزینہ قبیلہ کے ایک شخص سے روایت ہے کہ لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول، انسان کو جو کچھ عطا ہوا ہے اس میں سب سے بہتر کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: حسن اخلاق۔"

حسن اخلاق اپنے ظاہر اور نتائج کے لحاظ سے خدا کی ایک بڑی عطا ہے۔ حسن اخلاق میں جو جاذبیت اور حسن پایا جاتا ہے اس کا کسی اور شئی میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اخلاق میں جو قوت اور اثر ہے وہ کسی کرامت (Miracle) میں بھی نہیں ہے۔ اخلاق سے دشمنوں کے دل بھی مفتوح ہو جاتے ہیں۔ ایک داعی کی زندگی میں تو اخلاق کی اہمیت سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت اور نرم دلی کو قرآن نے خدا کی رحمت قرار دیا ہے۔ کار نبوت کے انجام دینے میں اس اخلاقی وصف کی جو اہمیت ہے اس پر بھی قرآن نے روشنی ڈالی ہے: ارشاد ہوا ہے: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ (آل عمران: ۱۵۹)

"(اے نبیؐ) یہ اللہ کی رحمت ہے کہ تم لوگوں کے لئے نرم مزاج ہو اگر کہیں تم تند خو اور سخت دل ہوتے تو یہ سب تمہارے پاس سے چھٹ جاتے۔ تم انھیں معاف کر دو اور ان کے لئے مغفرت کی دعا کرو اور دین کے کام میں انھیں بھی شریک مشورہ رکھو۔"

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهٖ دَرَجَةَ قَائِمِ اللَّيْلِ وَصَائِمِ النَّهَارِ ـــ ابوداؤد

ترجمہ: "حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مومن اپنے حسن اخلاق سے اُن لوگوں کا درجہ حاصل کر لیتا ہے جو رات میں (اللہ کے حضور) کھڑے رہتے ہوں اور دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے ہوں۔"

مطلب یہ کہ حسن اخلاق ایک ایسا مطلوب وصف ہے جس سے بہت سی چیزوں کی تلافی ممکن ہے یہاں تک کہ اپنے اخلاق کے ذریعہ سے آدمی اس شخص کے درجہ اور مقام کو بھی حاصل کر لیتا ہے جو راتوں میں خدا کی عبادت کرتا اور دن میں روزہ رکھتا ہے۔ با اخلاق مومن حقیقت کی نگاہ میں ہمیشہ خدا کی اطاعت و بندگی کی حالت میں ہوتا ہے۔ اس کی روح کی پاکیزگی اور اس کی طبیعت کی صالحیت اسے ہمیشہ اعلیٰ درجہ کی روحانیت اور کردار کے اعلیٰ مقام سے جوڑے رکھتی ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ـــ عَنْ اَكْثَرِ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ الْجَنَّةَ؟ فَقَالَ: تَقْوَى اللّٰهِ، وَحُسْنُ الْخُلُقِ، وَسُئِلَ عَنْ اَكْثَرِ مَا يُدْخِلُ النَّارَ؟ فَقَالَ: اَلْفَمُ وَالْفَرْجُ ـــ ترمذی

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ اکثر لوگ کس وجہ سے جنت میں داخل ہوں گے؟ آپؐ نے فرمایا: تقویٰ اور حسن اخلاق کے سبب۔ آپؐ سے پوچھا گیا کہ اکثر لوگ کس وجہ سے دوزخ میں جائیں گے؟ فرمایا: زبان اور شرم گاہ کے سبب۔"

جنت میں اکثر لوگ اپنے حسن اخلاق سے خدا ترسی کی وجہ سے جائیں گے۔ زبان اور شرم گاہ کی عدم حفاظت اور ان گناہوں کے سبب جو ان دونوں سے تعلق رکھتے ہیں اکثر لوگ دوزخ میں داخل کئے جائیں گے۔ جو لوگ زبان اور شرم گاہ کی حفاظت کا خیال رکھیں گے امید ہے کہ ان کی پوری زندگی ستھری اور پاک ہوگی

اسلامی چھاتر شبر بنگلہ دیش کے صدر

جناب شمس الاسلام سے ایک ملاقات

ملاقاتی :۔ وقار النور

(یہ انٹرویو دسمبر ۱۹۸۶ء میں لیا گیا موصوف اس وقت شبر کے جنرل سکریٹری تھے) (ادارہ)

وقار النور | رفیق کے قارئین سے اپنے آپ کو متعارف کرائیے۔

شمس الاسلام | میرا نام ابونور محمد شمس الاسلام ہے۔ چٹگام بنگلہ دیش کا رہنے والا ہوں۔ پرائمری کے بعد میں نے دینی مدرسہ میں تعلیم حاصل حاصل کی۔ مدرسہ سے فاضل ہونے کے بعد اسکول میں درجہ نہم سے پڑھائی شروع کی۔ انٹرمیڈیٹ تک سائنس لے کر پڑھا، اس کے بعد سماجیات (Sociology) میں آنرس کیا۔ فی الحال ایم اے امتحان کی تیاری کر رہا ہوں۔

مدرسہ کی تعلیم کے دوران میں اس زمانہ کی تنظیم اسلامی چھاتر سنگھٹن سے وابستہ ہو گیا تھا۔ تعلق کا یہ سلسلہ مستقل جاری رہا۔ 1977 میں اسلامی چھاتر شبر بنی اور میں شروع سے اس تنظیم کے ساتھ ہوں۔ 78-1977 میں چٹگام کی مقامی یونٹ کا آفس سکریٹری تھا۔ 79-1978 سیشن میں ضلع سکریٹری کی ذمہ داری ملی۔ بعدہٗ ضلع صدر بنایا گیا۔ 1981 اکتوبر میں یونیورسٹی ممبر یونٹ کا صدر ہو گیا۔ چار سال اس حیثیت سے ذمہ داری ادا کرتا رہا۔ 86-1985ء سے اسلامی چھاتر شبر کا سکریٹری جنرل ہوں۔

وقار | آپ نے اپنے کیریر کے بارے میں کیا طے کیا ہے!

شمس | مستقبل اللہ جانتا ہے۔ سرکاری نوکری کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ تحریک کی خدمت کرتے رہنے کا پروگرام ہے۔ انشاءاللہ۔

وقار | اسلامی چھاتر شبر سے وابستگی کے بعد کا کوئی یادگار واقعہ سنائیے۔

شمس | تحریکی زندگی کے ایسے واقعات جن کا ذکر کیا جائے کئی ہیں۔ خصوصًا ایک واقعہ کا ذکر اسلام مخالف قوتوں کے حملہ سے کر رہا ہوں۔ شبر کے اندر راہِ حق میں شہادت کے ۱۵ واقعات ہوئے ہیں۔ ۱۹۸۵ کے ۲۸ دسمبر کو شبر کے کارکن ناظر ہاٹ ڈگری کالج کے طالب علم سلیم جہانگیر گھائل ہوئے اور ۲ جنوری کو چٹگام میڈیکل کالج میں جام شہادت نوش کیا۔ میں ڈھاکہ میں تھا اور سلیم جہانگیر کے گھائل ہونے کی خبر سن کر وہاں گیا۔ اس قابل قدر بھائی کی شہادت کا واقعہ اور شہادت سے پہلے راہِ حق کے مسافر کا کردار میرے سامنے آئینہ کی طرح ہے۔ وہ ہر وقت شہادت کی تمنا کرتے تھے۔ یہ تمنا شبر کے کارکنوں کا خاصہ ہے۔ شہید ہونے سے قبل اس بھائی نے ایک ساتھی سے کہا تھا "میں شہید ہونے جا رہا ہوں" اور انہوں نے دعا کی درخواست کی تھی۔ انہیں ہمہ وقت شہادت کا انتظار رہتا تھا۔

مجھے وہ وقت بھی یاد آ رہا ہے جب ہمارے بھائی مشین گن کے Brushfire سے شہید ہوئے۔ ۱۴ر فروری ۱۹۸۶ء کا دن تھا۔ ڈھاکہ میں ہمارا اجتماع ہو رہا تھا۔ کام ختم کر کے رات میں واپس ہو رہے تھے تب یہ خبر ملی کہ چٹگام پالیٹکنک کالج کے جعفر جہانگیر اور باقی اللہ شہید ہو گئے۔ میں اس کے بعد وہاں گیا۔ ان بھائیوں کو سرکاری تنظیم جاتیہ چھاتر یہ سماج جو ارشاد حکومت کی اسٹوڈنٹ ونگ تھی نے یکایک حملہ کر کے شہید کر دیا تھا۔ اس واقعہ کے ردِ عمل کے طور پر پورا چٹگام بند ہو گیا تھا۔ سماج کے تمام طبقوں نے ہمارے غم میں ساتھ دیا تھا وہ ردِ عمل بھی ہمارے لئے یادگار رہے۔

وقار | "اسلامی چھاتر شبر" کی تاریخ سے ہندوستان میں بہت کم لوگ واقف ہیں۔ آپ ہمیں مختصرًا بتائیے کہ شبر بنگلہ دیش میں کب بنی اور اس نے ترقی کے مختلف مدارج کیسے طے کئے؟۔

شمس | ۶ر فروری ۱۹۷۷ء کو "اسلامی چھاتر شبر" ڈھاکہ یونیورسٹی میں روز روشن میں آئی۔ ۱۹۷۷ء کے بعد ہم نے تعلیمی اداروں کے انتخاب میں حصہ لینا شروع کیا۔ طلبہ کی کثیر تعداد نے ہمارا ساتھ دیا۔ طلبہ کے اندر شبر کی مقبولیت بڑھتی گئی ۱۹۸۰-۸۱ء کے الیکشن میں ہمیں زیادہ کامیابی ملی۔ ایک یونیورسٹی کے تقریبًا پورے پینل میں ہم لوگ آ گئے۔ بہت سے کالج میں ہم کامیاب ہوئے ۱۹۸۱ء میں شبر کے کارکنوں کا اجتماع ڈھاکہ میں منعقد ہوا جس میں طلبہ کی بہت بڑی تعداد نے شرکت کی۔ اس اجتماع کے بعد ہمارے کام کی رفتار اور زیادہ تیز ہو گئی اور ہماری مقبولیت بڑھتی گئی۔ اللہ کی رحمت سے آج شبر دوسری تنظیموں کے مقابلہ میں زیادہ بڑی اور زیادہ قوت والی تنظیم ہے۔

وقار | شبر کی راہ میں کیا مزاحمتیں حائل ہیں؟۔

شمس | مزاحمتیں مختلف عنوانات کے تحت بیان کی جا سکتی ہیں:

(۱) جس طرح اسلام مخالف قوتیں اسلامی تحریک کے خلاف دوسری جگہوں پر سرگرم عمل ہیں، اسی طرح بنگلہ دیش میں بھی یہ تمام مخالف قوتیں یکجا ہو کر بنگلہ دیش میں اسلامی تحریک کو نقصان پہونچانے کی کوشش میں لگی ہیں۔

(۲) ہم حکومت کی سختیوں اور مخالفتوں کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ ہمارے کارکنوں کو تنگ کیا جاتا ہے جب کہ وہ کارکن اس راہ میں شہید ہوئے ہیں ان کے قاتلوں کو پکڑا نہیں گیا ہے۔ ہمارے بہت سے ساتھی آہنی سلاخوں کے پیچھے ہیں۔

(۳) گروہی عصبیتوں کے شکار علما، لاعلمی کی بنا پر شبر کو گمراہ قرار دینے کا فتنہ پیدا کر رہے ہیں۔ اللہ کی رحمت سے اس فتنہ کا اثر عوام پر کم ہوتا جا رہا ہے۔

(۴) مسلم طلبہ کے درمیان اسلام کے سلسلے میں غلط تصورات موجود ہیں جس کی وجہ سے اسلامی تحریک کی دعوت کی تفہیم میں دقت پیش آتی ہے۔

وقار | مستقبل سے آپ نے کیا امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں۔

شمس | ہم اللہ کی رحمت سے پُرامید ہیں۔ دعوت پھیلنے کی رفتار ہمارے جذبہ کو بڑھانے والی ہے ہم امید کرتے ہیں کہ ہماری کامیابی کا دائرہ وسیع ہوتا چلا جائے گا اور ہم ہر پہلو سے بنگلہ دیش کی ایک نمبر کی طلبہ تنظیم ہو جائیں گے۔

وقار | مطلب یہ کہ ابھی شبر بنگلہ دیش کی سب سے مضبوط طلبہ تنظیم نہیں ہے۔

شمس | عوامی لیگ کی طلبہ تنظیم اسٹوڈنٹ لیگ بنگلہ دیش کی مشترکہ طور پر طاقت ور تنظیم ہے، جب کہ الگ الگ علاقہ میں دوسری تنظیموں کا زور ہے۔ خود شبر کا اپنا مخصوص دائرہ اثر ہے۔

وقار | میں آپ سے جماعت اسلامی بنگلہ دیش اور اسلامی چھاتر شبر کے سلسلہ میں چند باتیں جاننا چاہوں گا۔ یہ باتیں خود ہمارے ملک ہندوستان کے مخصوص حالات کی وجہ سے ہمارے لئے معنویت رکھتی ہیں۔ پہلی بات تو یہی بتایئے کہ کیا شبر جماعت سے آزاد تنظیم ہے یا جماعت کے کنٹرول میں ہے؟

شمس | "اسلامی چھاتر شبر" آزاد تنظیم ہے اور اپنے فیصلے آزادانہ کرتی ہے۔ جماعت اسلامی بنگلہ دیش سے ہمارا گہرا ربط ہے۔ یہ ربط اتنا گہرا ہے کہ باہر سے اس بات کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا ہے کہ شبر الگ سے کوئی تنظیم ہے۔

وقار | "اسلامی چھاتر شبر" کوئی غلط فیصلہ کرے تو اسے کیسے روکا جا سکے گا۔

شمس | شبر کا فیصلہ اس کی شوریٰ کرتی ہے۔ جماعت اور شبر کے ذمہ داروں کے درمیان مختلف ایشوز (Issues) پر تبادلۂ خیال ہوتا رہتا ہے اس لئے غلط فیصلہ ہو جانے کا امکان دور دور تک نہیں ہے۔

وقار | "اسلامی چھاتر شبر" سے آزاد ہونے والے لوگ جماعت اسلامی بنگلہ دیش سے منسلک ہوتے ہیں یا نہیں؟

شمس | شبر سے نکلنے والے صد فی صد لوگ جماعت میں ضم (Absorb) ہو جاتے ہیں۔

وقار | انقلاب ایران کے سلسلے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

شمس | انقلاب ایران کے لئے جو قربانیاں پیش کی گئی ہیں وہ ہمارے جذبہ کو بڑھانے والی ہیں۔ لیکن ایک بات بالکل واضح ہے کہ ایران کا انقلاب ایران کی مخصوص صورت حال سے تعلق رکھتا ہے جب کہ بنگلہ دیش کے حالات الگ ہیں۔ ہم انقلاب اپنے حالات کے پیش نظر لانا چاہتے ہیں۔ اس سلسلے میں ایرانی انقلاب ہمارے لئے قابل تقلید مثال نہیں ہے۔

وقار | بنگلہ دیش بننے کی جو تاریخ ہے اس کے بارے میں عوام کیا رائے رکھتی ہے؟ اس تناظر (Context) میں جماعت اور شبر کے بارے میں عوام کا رویہ کیا ہے؟

شمس | بنگلہ دیش جس طرح سے بنا ہے عوام آزادی کی تاریخ سمجھی ہے ۱۹۷۱ء میں جنگ آزادی کے زمانہ میں جماعت اسلامی کا جو رول تھا اس کی وجہ سے شروع میں جماعت آزادی مخالف تحریک سمجھی جا رہی تھی۔ جماعت اسلامی بنگلہ دیش نے بنگلہ دیش کی حقیقت کو قبول کر لیا اور طے کر لیا کہ اس نئی مملکت کی تعمیر نو مطلوب ہے جو صرف اسلامی بنیاد پر ممکن ہے۔ جماعت نے اسی بنیادی اصول پر خلوص کے ساتھ کام شروع کیا۔ عوام جماعت کے خلوص سے متاثر ہوئی آج بھی جماعت کے مخالفین نعرہ لگاتے ہیں کہ جماعت اسلامی بنگلہ دیش کی آزادی کی دشمن ہے۔ لیکن اب عوام اس سے دھوکہ نہیں کھاتی ہے اور یہ نعرہ کھوکھلا ہو چکا ہے۔ عوام نے جماعت کو قبول کر لیا ہے۔

(تھوڑے توقف کے بعد)

ویسے یہ مسئلہ جماعت کے ساتھ تھا اور ہے۔ شبر تو صد فی صد بنگلہ دیشی ہے ۱۹۷۷ء میں بنی اور نئی صورت حال میں اپنا طریقہ کار طے کیا ہے۔

وقار | بیرونی تنظیموں سے آپ کا کیا ربط ہے اور ان تنظیموں سے ملنے والے تعاون کے سلسلہ میں آپ کا کیا رویہ ہے؟

شمس | اسلام کے لئے کام کرنے والے تمام لوگ ہمارے

مولانا ابوالکلام آزاد اور رانچی

ڈاکٹر احمد سجاد (رانچی)

پورے ملک کی طرح بہار میں بھی مولانا ابوالکلام آزاد کے صد سالہ جشن پیدائش کی سرکاری اور عوامی تقریبات کے انعقاد کی تیاریاں شروع ہو چکی ہیں۔ دونوں سطح پر تیاریوں کے جو نمونے سامنے آرہے ہیں ان میں نمائش اور سطحیت کا پہلو غالب نظر آرہا ہے۔ حالانکہ ایسے موقع پر مولانا آزاد جیسی ہمہ جہت اور عظیم شخصیت کے نام پر کچھ ایسے مثبت پروگرام اور اقدام بھی ہونے چاہئیں جو نہ صرف ان کے شایان شان ہوں بلکہ ملک و ملت کے لئے بھی ٹھوس افادیت کے حامل ہوں ورنہ نمائشی انداز کے کام سے وسائل کی بربادی اور تضیع اوقات کے سوا حاصل ہی کیا ہوتا ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ ملکی اور عالمی تناظر میں مولانا کے تدبر، فکر اسلامی اور قومی یکجہتی کے موضوعات پر آج تک سنجیدہ مطالعہ و تحقیق کی کوشش نہیں کی جا سکی۔ اب تک مولانا کے کارناموں پر دو ہی نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اولاً کچھ ڈگریوں کے لئے اور دوم ان کی سیاسی مخالفت یا طرفداری کے لئے۔

اب جب کہ مولانا کے انتقال کو ایک عرصہ گذرا، تقسیم ملک کے بعد پرانی سیاسی گرد نما ہی چھٹ چکی ہے اور ملکی و ملی نقطۂ نظر سے کئی دوسرے چیلنج بھی درپیش ہیں۔ ضرورت ہے کہ مولانا جیسی اہم شخصیت کے کارناموں کا نہ صرف یہ کہ واقعی علمی و تحقیقی مطالعہ کیا جائے بلکہ صد سالہ جشن پیدائش کے بہانے بعض چھوٹے بڑے ایسے ادارے قائم کر دیئے جائیں جن کے ذریعہ ان کے مشن کو فروغ حاصل ہو اور ملک و ملت کی نئی نسل کیلئے یہ ادارے اور پروگرام صدقۂ جاریہ کی حیثیت بھی اختیار کر سکیں کلکتہ و دہلی کے بعد رانچی ہی وہ واحد شہر ہے جہاں مولانا تقریباً چار برس نظر بند رہے قریب ۷۲ سال پہلے ۳ مارچ ۱۹۱۶ء کو مولانا ابوالکلام آزاد رانچی کے ایک چھوٹے سے پہاڑی اسٹیشن پر حکومت برطانیہ کے ڈیفنس ایکٹ کی دفعہ ۳ کے تحت گرفتار ہو کر تشریف لائے۔ مولانا موصوف یہاں ۲۷ دسمبر ۱۹۱۹ء تک مدرسہ اسلامیہ کے پچھم ایک کرائے کے مکان اور مورابادی میں مقیم رہے۔

رانچی میں نظر بندی کے اس چار سالہ دور میں مولانا آزاد کی شخصیت کا جوہر انگریزی سامراج کے ظلم اور سختیوں سے ماند پڑنے کے بجائے اور چمک اٹھا۔ خود ہی ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "دنیا نے فراغ آزادی کے زمانے کے کاموں کا کچھ نہ کچھ نمونہ دیکھ لیا ہے، بہتر ہے کہ جلاوطنی و نظر بندی کے قید و بند میں کام کرنے کا بھی ایک نمونہ دکھلایا جائے کہ اس آزمائش گاہ بھی ہے سے

کچھ ہو رہے گا عشق و ہوس میں بھی امتیاز

آیا ہے اب مزاج ترا امتحان پر"

وہ بیسویں صدی کے پہلے ہی دہے سے ملک کی آزادی، اس کی سالمیت، قومی یکجہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کا جو عظیم مشن لے کر اٹھے تھے، اس کی تکمیل کا سلسلہ رانچی میں نظر بندی کے باوجود جاری رہا۔ ملک کے پہلے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کے الفاظ میں

"He was a peculair and a very special representative in a high degree of that great composite culture which has gradually grown in India"

لہٰذا مناسب یہ ہے کہ رانچی میں مولانا موصوف کی زندگی کے تین اہم ترین پہلوؤں پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے اور وہ ہیں ان کی زندگی کے سیاسی، سماجی اور علمی پہلو۔

انگریزی سامراج کی نگاہ میں مولانا آزاد، جنگ آزادی کے سیاسی مجرم تھے جس کی سزا کاٹنے کے لئے اس زمانے میں رانچی کے گمنام خطے میں بھیجا گیا تھا۔ مگر مولانا نے یہاں پہنچتے ہی اپنی سیاسی سرگرمیاں جاری کر دیں۔ جنگ آزادی کے مشہور مجاہد مولانا حسرت موہانی وارنٹ گرفتاری کے باوجود چھپتے چھپاتے ان سے ملنے رانچی آئے۔ ان کے علاوہ شہر اور مضافات رانچی کے ہندو مسلمان تانا بھگت اور آدی باسی قائدین مختلف بہانوں سے مولانا سے ملتے رہے۔ مولانا نے ایک سال کے بعد خلافت تحریک کا دفتر بھی یہاں قائم کر لیا۔ ان سرگرمیوں کی وجہ سے انھیں دوبارہ مورابادی میں منتقل کر دیا گیا۔

دینی و سماجی سطح پر اگر مولانا نے ایک طرف جامع مسجد میں جمعہ کے خطبوں کے ذریعہ مسلمانان رانچی کے دلوں میں دینی و اصلاحی زندگی کی ایک نئی روح پھونکی، حنفی وہابی کے باہمی اختلافات کو مٹانے کی کوشش کی تو دوسری طرف پنجرا پول میں گئو رکھشا دیوس کے موقع پر دوبار وہاں گئے اور ہندو مسلم ملاپ کے [illegible] ذریعہ ہم آہنگی کے فروغ پر نہایت موثر تقریریں کیں [illegible] غیر مسلموں کے [illegible]

اعتراضات کے جواب میں ایک جمعہ کو یادگار تاریخی خطبہ دے کر ہمیشہ کے لئے اس بحث کو ختم کر دیا۔ یہاں کے بعض مسلمانوں کی طرح شری گلاب تواری، ڈاکٹر پربودھ چندر مترا، شری دیوکی نندن پرشاد، شری ناگر مل مودی وغیرہ مولانا کے قریب ترین اور عزیز ترین افراد تھے۔ رمضان کے مہینے میں دھوبی، حلال خور اور مہتروں کے ساتھ افطار کیا تاکہ ذات پات اور چھوت چھات کی بیماری دور ہو۔ ملی اور سماجی کاموں کے لیے انجمن اسلامیہ نام کے ایک اجتماعی فورم کو منظم کیا۔ اسی انجمن کے زیر اہتمام مدرسہ اسلامیہ اپر بازار کی تعمیر مکمل کرائی (مدرسہ اسلامیہ کی عمارت کی بنیاد اگست ۱۹۱۷ء میں رکھی گئی اور ایک سال دو مہینے کی مدت میں یہ عمارت پایۂ تکمیل کو پہنچی) جو پورے ملک میں مولانا آزاد کی تعمیر کردہ واحد یادگار عمارت ہے۔ اس عمارت کو بنانے میں موصوف نے مسلمانوں کے علاوہ ہندو بھائیوں کے بھی چندے قبول کئے۔ لال قلعہ کے طرز پر بنی ہوئی یہ عمارت اپنے وقت میں پورے چھوٹا ناگپور میں لال قلعہ ہی کی طرح سب سے شاندار عمارت تھی۔ مولانا آزاد کی قائم کردہ اسی انجمن اسلامیہ کے زیر اہتمام آج مدرسہ، اسکول، کالج، مسجد، قبرستان، مسافر خانہ اور اسپتال وغیرہ ایک درجن سے زائد ادارے شہر میں کام کر رہے ہیں۔

رانچی میں مولانا آزاد نے اپنی تمام تر بے سروسامانی کے باوجود جو علمی کارنامہ انجام دیا ہے وہ مقدار میں کم ہونے کے باوجود نہ صرف انتہائی اہم اور حیرت انگیز ہے بلکہ ان کی ذہانت و فطانت اور عبقریت (Genius) کا بین ثبوت ہے۔ مولانا نے مکتوبات، تقاریر اور خطبات جمعہ کے علاوہ تذکرہ اور قرآن پاک کا دو تہائی حصہ ترجمان القرآن کے نام سے بھی مکمل کیا جو ترجمہ و تفسیر کی تاریخ میں اپنی مثال آپ ہے۔ وہ دین کے متبحر عالم تھے اور فن تفسیر، حدیث، فقہ اور تجوید وغیرہ میں وسیع نظر رکھتے تھے۔ انھیں علم کلام، منطق اور مناظرہ میں بھی عبور حاصل تھا۔ فلسفہ قدیم و جدید پر ان کی ناقدانہ نگاہ تھی۔ تاریخ عالم، دساتیر و قوانین اور اردو ادب و انشاء میں انھیں کمال حاصل تھا۔ ان کی خطابت (Oration) اور لسانی کے سامنے برٹش حکومت اپنی تمام آہنی اور جنگی طاقتوں کے ساتھ لرزتی رہی۔ ان کے علم و مطالعہ کی وسعت، حیرت انگیز حافظہ اور بے نظیر قوت استحضار کا اعتراف ایک زمانے کو تھا۔

مہاتما گاندھی نے ۱۹۲۰ء میں مولانا کے بارے میں کہا تھا کہ:

"In the Knowledge of Islam he is surpassed by no one. His nationalism is as robust as his faith in Islam."

ایک ایسی ہمہ گیر اور ہمہ جہت شخصیت اور مجاہد آزادی کا اگر ہم جشن پیدائش منانا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ ان کی زندگی اور کارناموں سے ہمیں جس آزادی، انسانیت نوازی، قومی یکجہتی اور وطن دوستی نیز تحمل اور بھائی چارگی کا سبق ملتا ہے اس کے شایان شان ایسا اہتمام کریں کہ ان کی پھیلائی ہوئی روشنی سے نہ صرف رانچی اور بہار بلکہ پورا ملک روشن ہو۔

اس جشن کو مفید اور معنی خیز انداز میں منانے کے لئے ایک خاکہ غور و فکر کے لئے پیش کیا جا رہا ہے۔ اس خاکے میں ترجیحات (priorities) کی تعین کے وقت اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ اس سلسلے میں بہت سے وہ کام جو مرکزی حکومت اور ریاستی حکومت سرانجام دے گی ان کو دہرانے کے بجائے رانچی و چھوٹا ناگپور سے مولانا کے خصوصی تعلق کی روشنی میں ایسے ٹھوس اور تعمیری پروگرام کئے جائیں جن سے نہ صرف مولانا آزاد کی قومی شخصیت کا نقش زندہ ہو بلکہ ان کی زندگی بھر کے مشن قومی یکجہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے کاز کو تقویت حاصل ہو۔

(۱) ان کاموں کے لئے پہلی اور بنیادی ضرورت ایک تیاری کمیٹی کی تشکیل ہے۔

(۲) یہ تیاری کمیٹی حسب مشورہ مدت کار، وسائل اور ترجیحات کی روشنی میں (Long term and short term) مختصر اور طویل المیعاد خاکے ترتیب دے۔

(۳) اس تیاری کمیٹی کے چیف پیٹرن عزت مآب گورنر بہار ہوں اور پیٹرن محترمہ کمشنر صاحبہ ہوں جن کی رہنمائی میں تقسیم کار کے لئے مندرجہ کمیٹیاں تشکیل دی جائیں: (۱) سوونیر اور اشاعتی کمیٹی - (۲) سمینار کمیٹی (۳) سمپوزیم کمیٹی (۴) مشاعرہ کمیٹی اور (۵) لائبریری کمیٹی وغیرہ۔

(۴) ہر کمیٹی کے ۵ یا ۷ اعزازی مشاورتی ارکان ہوں گے۔

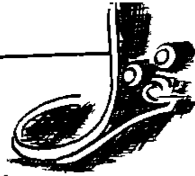
(۵) یہ کمیٹیاں اپنے اپنے دائرے میں مندرجہ ذیل پروگراموں کو مدت معینہ کے اندر رانچی اور چھوٹا ناگپور کے مختلف شہروں میں انجام دینے کی کوشش کریں گی۔

(۶) سمپوزیم بعنوان "مولانا آزاد اور قومی یکجہتی"

(۷) سمینار کے عنوانات:-

(۱) مولانا آزاد بحیثیت مجاہد آزادی (۲) مولانا آزاد کا تاریخی شعور
(۳) " " مدبر (۴) " کی عظمت
(۵) " " عالم دین (۶) " مذہب اور وطن دوستی کا سنگم
(۷) " " مفکر (۸) " کی انسان دوستی
(۹) " " صحافی (۱۰) " کی اخلاقی عظمت
(۱۱) " " مفسر قرآن (۱۲) " کے ایام اسیری
(۱۳) " " خطیب (۱۴) " کی ادبی شخصیت
(۱۵) " " ایک بین الاقوامی شخصیت (۱۶) " کی عبقریت
(۱۷) " وزیر تعلیم (۱۸) " کی تعلیمی خدمات
(۱۹) " انشائیہ نگار (۲۰) " ایک ہمہ جہت شخصیت
(۲۱) " صاحب طرز ادیب (۲۲) " نئے ہندوستان کے معمار
(۲۳) " ماہر لسانیات (۲۴) " کا پیغام قوم کے نام
(۲۵) " مشاہیر کی نظر میں (۲۶) " کی شاعری

(۲۷) مولانا آزاد میری نظر میں ۔ (۲۸) مولانا آزاد چند یادیں
(۲۹) مکتوبات آزاد (۳۰) " اور رانچی
(۸۱) مولانا ابوالکلام آزاد لائبریری۔ بطرز گورنمنٹ اردو لائبریری، پٹنہ۔ شہر کے کسی مرکزی مقام پر قائم کی جائے۔
(۹) مولانا ابوالکلام آزاد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ۔(M A R. I)
(۱۰) مولانا آزاد کی جدوجہد آزادی، قومی یکجہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے کارناموں پر مشتمل تعارفی پمفلٹس اور کتابچوں کی اردو، ہندی اور انگریزی کے علاوہ چھوٹا ناگپور کی علاقائی زبانوں مثلاً ناگپوریہ، اڑاؤں، منڈاری، سنتھالی اور ہو وغیرہ زبانوں میں اشاعت و تشہیر کی جائے۔ (۱۱) توسیعی خطبات اور ان کی اشاعت کا سالانہ اہتمام۔
(۱۲) مین روڈ رانچی کا نام مولانا آزاد روڈ رکھا جائے۔
(۱۳) رانچی یونیورسٹی یا مولانا آزاد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں مولانا آزاد چیئر کا قیام عمل میں لایا جائے۔
(۱۴) مولانا آزاد کے نام سے ہائی اسکول تا ریسرچ اردو زبان وادب کے غریب مگر ممتاز طلبا کو بہار اردو اکادمی یا دوسرے سرکاری ادارے کے ذریعہ تقسیم وظائف کے نظم کا قیام عمل میں لایا جائے۔
(۱۵) مولانا آزاد کی یادگاری ٹکٹ کا اجرا۔(۱۶) مولانا آزاد انعامات
(۱۷) مولانا آزاد سنٹرل اسکول کا قیام۔
(۱۸) " کی تاریخی عمارت مدرسہ اسلامیہ کو قومی عمارت (National Monuments) قرار دے کر اسے محفوظ کر دیا جائے۔
(۱۹) مولانا آزاد اسکول اور کالج کی عمارتوں کی مرمت و توسیع کا پروگرام۔
(۲۰) ہندوستان کی متحدہ قومیت و ثقافت کی زندہ جاوید یادگار اردو زبان وادب سے مولانا آزاد کا جو قلبی، علمی اور ادبی تعلق تھا اس کا عین تقاضہ یہ ہے کہ قومی تعلیمی پالیسی کے سہ لسانی فورمولے کی روشنی میں اردو کو چھوٹا ناگپور کے سرکاری اسکول و کالج میں ایک اختیاری مضمون کی حیثیت سے تعلیم و تدریس کا پورا پورا حق دیا جائے۔ نیز اس مقصد کے لئے تازہ بحالیاں کرائی جائیں اور اس ضمن میں ہر سطح سے ضروری اقدامات کئے جائیں
(۲۱) بعض یونیورسٹیوں میں مولانا آزاد چیئرز قائم کروائے جائیں۔
(۲۲) جن یونیورسٹیوں میں اسلامک اسٹڈیز کے شعبے ہنوز قائم ہوئے ہوں وہاں مولانا کے نام کے ساتھ یہ شعبے قائم کئے جائیں۔
(۲۳) ملک کی مرکزی (central) یونیورسٹیوں میں مولانا آزاد کے نام پر مذاہب کے تقابلی مطالعے کا شعبہ بھی قائم کیا جائے۔
ع صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے ●●



اُمِّ ہانی

ان سے جب میری زباں شکوہ کناں ہوتی ہے — لب پہ کچھ بھی ہو وفا دل میں نہاں ہوتی ہے
عشق کے ماروں کو یکساں ہے سحر ہو کہ وہ شام — ابر آلود سحر ـــــ شام دھواں ہوتی ہے
فطرتِ حسن کو کیا کوئی سمجھ پائے گا — دل تو یخ بستہ، منظر شعلہ فشاں ہوتی ہے
اس کی آنکھوں میں بصیرت کا گذر ہو کیسے — نکہتِ گل بھی جسے بارِ گراں ہوتی ہے
ہے اسی طرح سے گلبانگ چمن بھی ناکام — بے اثر جیسے اب آوازِ اذاں ہوتی ہے
سنگِ میل اب ہے نہ مینارۂ نوری اب تو — آبلہ پائی ہی منزل کا نشاں ہوتی ہے
کون کہہ پاتا ہے اس طرح کہ سن لے کوئی — یوں تو کہنے کو ہر اک منہ میں زباں ہوتی ہے
سارے عالم کی خبر اُن کو پہونچتی ہے مگر — میرے عالم کی خبر ان کو کہاں ہوتی ہے
عشق کی لذتِ بے نام ملے بھی کیسے — زیست اب وقفِ غمِ سود و زیاں ہوتی ہے
خامشی نظروں کی ممکن ہے بتا دے ورنہ — دل کی بیتی کہیں لفظوں میں بیاں ہوتی ہے
ایک اک گوشہ پہ ہوتا ہے گماں جنت کا — ذہن میں جب تیری تصویر نہاں ہوتی ہے
پھوٹنے لگتا ہے ہر ذرے سے اک رنگِ بہار — مجھکو پلنے کی جب اُمید جواں ہوتی ہے

کس کو فرصت ہے کہ لے جائزہ اپنا ہانی
ہر نظر رہنِ فنِ شیشہ گراں ہوتی ہے

اقدار پر مبنی تعلیم کا مسئلہ

محمد اشفاق احمد

گذشتہ ہر تعلیمی پالیسی کی طرح قومی تعلیمی پالیسی ۱۹۸۶ نے بھی اخلاقی تعلیم اور اقدار پر مبنی تعلیم کی ضرورت کو محسوس کیا ہے۔ تعلیمی پالیسی کی باقاعدہ منظوری سے پہلے "تعلیم کی چنوتی" نامی کتاب میں واضح طور پر اخلاقی اقدار کی تیزی سے روبہ انحطاط ہونے کا اعتراف بھی کیا گیا۔ چنانچہ نئی تعلیمی پالیسی میں "اقدار پر مبنی تعلیم" کے سلسلے میں درج ذیل عزائم کا اظہار کیا گیا۔

(۱) سماج میں لازمی اقدار کے شکست و ریخت پر بڑھتی ہوئی تشویش، بڑھتی ہوئی بے حیائی، بدکرداری نے اس بات کی اہمیت کی طرف توجہ مبذول کروائی ہے کہ نصاب تعلیم میں کچھ اصلاح Readjustment کیا جائے کہ تعلیم سماجی اور اخلاقی اقدار پیدا کرنے کا موثر ذریعہ بن جائے۔

(۲) تہذیبی لحاظ سے ہمارے مخلوط سماج میں تعلیم ہمہ گیر اور ابدی اقدار کو اس طرح فروغ دے جو عوام کے اتحاد اور یک جہتی کا باعث بنے۔ اس طرح کی اقدار پر مبنی تعلیم، تاریک خیالی، مذہبی تعصب، تشدد، وہم پرستی اور تقدیر پرستی کے ازالے میں معاون بنے۔

(۳) اس کے علاوہ اقدار پر مبنی تعلیم کو کچھ اثباتی رول بھی انجام دینا ہے جس کی بنیاد ہمارے ورثہ، قومی مقاصد اور ہمہ گیر تصورات پر ہوگی۔ اور اس تعلیم کو بنیادی طور پر اسی پہلو پر توجہ کرنا ہے۔

پارلیمنٹ میں مئی سنہ میں قومی پالیسی کی منظوری کے بعد اگست سنہ میں اس پر عمل درآمد کرنے کے سلسلے کا Plan of Action بھی منظور کیا گیا۔ اقدار پر مبنی تعلیم کے سلسلے میں پالیسی میں تو واضح صراحت موجود ہے لیکن Plan of Action میں وضاحت سے کوئی بات موجود نہیں ہے۔ البتہ اس سلسلے میں N C E R T (نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ) جو تعلیم کا تحقیقی و تربیتی قومی ادارہ ہے نے اس سلسلے میں تجربتاً کچھ کتابوں کی اشاعت شروع کی ہے۔ واضح رہے کہ اس سلسلے میں مناسب کتب کی تیاری اسی ادارہ کو تفویض کی گئی ہے۔ اس سلسلے کی پہلی کتاب کی تفصیل درج ذیل ہے۔

THINKING TOGETHER

By Prof. Km. Ahalya Chari
Former Principal of the
Regional College of Edu-
cation, Mysore.

قیمت Rs 10.8 روپیہ

صفحات ۱۲۲

پتہ Publication Department
N. C. E. R. T.
Sri Aurobindo Marg
New Delhi - 110 016.

اس کتاب کے پیش لفظ میں NCERT کے ڈائرکٹر نے اقدار پر مبنی تعلیم کے سلسلے میں درج ذیل باتیں کہیں ہیں۔

(۱) اقدار پر مبنی تعلیم کی ضرورت کو ساری دنیا محسوس کرتی ہے کہ اور اس سلسلے میں کئی ممالک میں یہ مباحثہ جاری ہے کہ بچوں میں صحیح اقدار پیدا کرنے کا عمدہ طریقہ کیا ہو سکتا ہے۔ یہ وہ نیا میدان ہے جس کی ابھی کھوج کرتا ہے۔ ابتدا میں ہماری کوششیں عارضی نوعیت کی ہوں گی۔ ابھی ہم طلبہ اور اساتذہ کے لئے کچھ ایسا مواد تیار کرنا چاہتے ہیں جو تصورات کی بیداری اور اقدار کو پیدا کرنے میں معاون بن سکے کتاب کے سلسلے میں وہ تحریر کرتے ہیں

یہ کتاب بنیادی طور پر ہر جماعت میں طلبہ اور اساتذہ کے درمیان گفتگو تبادلہ خیال اور مباحثہ کو فروغ دینے کے لئے لکھی گئی ہے یہ کتاب عمومی دل چسپی کی حامل ہے۔ اس میں غیر گروہی اور غیر فرقہ وارانہ انداز میں بنیادی انسانی اقدار سے بحث کی گئی ہے

ڈاکٹر انیل ودیالنکر، پروفیسر اور صدر شعبہ سماجیات NCERT اقدار پر مبنی تعلیم کے منصوبے کے انچارج ہیں۔

کتاب کی مصنفہ نے اساتذہ کو مخاطب کرتے ہوئے کتاب کی تدریس کا طریقہ تحریر کیا ہے سفارش کی گئی ہے کہ اس کتاب سے ہفتم تا نہم جماعت کے طلبہ میں موزوں اقدار پیدا کرنے کے لئے مدد لی جاسکتی ہے

اس کتاب میں طلبہ کی روزمرہ زندگی کے واقعات کو بنیاد بنا کر ۳۵ واقعات جمع کر دیئے گئے ہیں۔ ہر واقعہ کسی نہ کسی قدر کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

احساس ذمہ داری، اشتراک و تعاون، یک جہتی، خود شناسی، جستجو و تلاش، ایفائے عہد نظم و ضبط، خدمت خلق وغیرہ اقدار کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

عوامی املاک کی حفاظت، پودوں کا تحفظ، اپنے ماحول کو سمجھنا نیز طلبہ کی نفسیاتی الجھنیں وغیرہ موضوعات بھی گفتگو کا موضوع بنائے گئے ہیں۔

بحیثیت مجموعی یہ اچھی کوشش معلوم ہوتی ہے۔ لیکن تقریباً واقعات ایک ایسے اسکول کے ہیں جہاں مخلوط تعلیم رائج ہے۔ ہائی اسکول کی جماعتوں کے لڑکے لڑکیوں کے باہمی تعلق اور دوستی کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے بلکہ اس پر معترض ہونے کے رجحان کی حوصلہ شکنی کرنے کی کوشش کی گئی ہے ہے۔ میوزک، ڈانس وغیرہ سرگرمیوں کا بھی بار بار تذکرہ

بقیہ صفحہ [illegible]

طالبات تنظیم کی ضرورت

عائشہ صدیقہ
(ناگپور)

عالم انسانیت کا کوئی دانشور، مفکر، فلسفی یا اعلیٰ دماغ رکھنے والا اس روشن حقیقت سے انکار نہیں کرسکتا کہ عورت نصف انسانیت ہے اور انسانیت کی گاڑی مرد و عورت کے دو پہیوں پر ہی چل سکتی ہے۔ لہٰذا انسانیت کی تعمیر و ترقی نیز فلاح و بہبود کے لئے عورت کو نظر انداز کرکے جو بھی پروجیکٹ و منصوبہ بنایا جائے گا وہ یکسر ناقص و نامکمل ہوگا۔ خود خالق کائنات نے انسانیت کے نام اپنے پیغام یعنی قرآن کریم میں اس حقیقت کا واضح اعلان فرمایا ہے۔

ترجمہ:- "جو کوئی نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور مومن ہو تو ہم ضرور اس کو بہتر زندگی بسر کرائیں گے اور اس کے اعمال کا بہترین اجر دیں گے۔" (النحل)

چنانچہ اس حقیقت کے پیش نظر تحریک اسلامی بھی اگر طبقۂ نسواں کو نظر انداز کرکے کوئی حکمت عملی اختیار کرے گی تو وہ بھی یکسر غلط ہوگی اور وہ قیامت تک اپنے نصب العین کو نہیں پا سکے گی۔ یہی وجہ ہے کہ سرزمین بھارت کی تحریک اسلامی نے طبقۂ نسواں کو یعنی نصف انسانیت کو کبھی نظر انداز نہیں کیا اور نہ کرسکتی ہے۔ تحریک اسلامی نے بھارت میں اپنی تاسیس کے بعد ہی حلقۂ خواتین کے قیام کی طرف خصوصی توجہ دی اور الحمدللہ گذشتہ ۴۶ برسوں سے تحریک اسلامی کا یہ قافلہ جس میں مرد و عورت دونوں شامل ہیں اپنی فطری رفتار کے ساتھ برابر پیش قدمی کر رہا ہے۔

اس موقع پر ضروری ہے کہ میں آپ کو اس حقیقت کا ادراک کراؤں کہ تحریک اسلامی کا راستہ ٹھنڈی چھاؤں اور گھنے سائے کا راستہ نہیں ہے کہ اس راہ کے راہرو کامل سکون اور مکمل آرام کے ساتھ اپنی منزل کو پہنچ جائیں اور راستے میں انھیں ایک کانٹا بھی نہ چبھے۔ عہد نبویؐ اور حضرات خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ادوار کے بے شمار واقعات میری اس بات کی روشن دلیلیں ہیں۔

چنانچہ انتہائی ضروری ہے کہ قافلۂ تحریک اسلامی سے جڑنے والی خواتین خوب اچھی طرح اپنے نصب العین کو ٹھیک ٹھیک سمجھ لیں، اپنی منزل مقصود کا پوری طرح ادراک کریں اور اس طریقہ کار کو بھی اچھی طرح سمجھ لیں جسے اختیار کرکے ہم اپنے نصب العین کی طرف پیش رفت کرسکتی ہیں۔ اور ان راہوں سے بھی بخوبی واقف ہوجائیں۔ جو ہماری یقینی منزل مقصود کو جاتی ہیں۔

ہمیں عصر حاضر کے جس ماحول میں کام کرنا ہے اس کے ہمہ گیر بگاڑ کو جب ہم دیکھتے ہیں تو نظر آتا ہے کہ بگاڑ کی کون سی صورت ہے جو آج ہمارے پورے سماج میں بالعموم اور طبقۂ نسواں میں بالخصوص نہیں ہے۔ ہمارا دائرۂ کار چوں کہ فطرۃً طبقۂ نسواں ہے تو اس میں بھی خرابیوں اور بگاڑ نے چاروں طرف اپنا تسلط جما رکھا ہے۔ دین بیزاری، خدا ناآشنائی، آخرت فراموشی، فیشن پرستی، بے پردگی، عریانی، جنسی انارکی، عدم مساوات، جدید نظام تعلیم اور اس کا غلط استعمال اور اس طرح کی بے شمار خرابیاں اور برائیاں ہیں جو طبقۂ نسواں پر مسلط ہوکر اسے بڑی تیز رفتاری کے ساتھ تباہی اور ہلاکت کی طرف لے جا رہی ہیں۔ اس ریگستانی ماحول میں اگر کہیں نخلستان نظر بھی آتا ہے تو وہ نام نہاد مذہبی طبقہ ہے جو محدود تصور دین کا لبادہ اوڑھ کر مطمئن اور بے خبر ہے اور اتنا احساس بھی نہیں کہ وہ جس چہار دیواری کے اندر مطمئن ہے خود عصر حاضر کی ہلاکت خیز آندھیوں کی زد پر ہے۔

ایسے حالات میں جب کہ عورت کے تقدس کو نت نئے خوبصورت نظریات کے تحت چیلنج کیا جا رہا ہے اور پھر ایک بار اسی تاریخ کو دہرانے کی کوشش کی جا رہی ہے جو قبل اسلام مرتب ہوئی تھی ان حالات میں کیا یہ ہماری ذمہ داری نہ ہوگی کہ ہم دین اسلام کے تحفظ اور اس کے نفاذ کے لئے اٹھیں اور سماج بدلنے کے لئے اٹھیں جس کے اعلیٰ اقدار پامال ہو چکے ہیں۔ اس سماج کو ہلاکت و تباہی سے بچائیں۔ ہم بھی افراد ہیں۔ کیوں کہ اگر سماج ہلاک ہوگا تو بحیثیت اس کے ایک رکن کے ہم بھی خود کو ہلاکت سے نہ محفوظ رکھ سکیں گے۔

ہماری یہ ذمہ داری ہوگی کہ ایک جانب مسلم طبقۂ النسواں کو اسلام کے زیور علم سے آراستہ ہونے کی تلقین کریں، اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرنے کی ترغیب دلائیں جس کے تحت ان کے جملہ مسائل بھی حل ہو سکتے ہیں اور ہمہ گیر بگاڑ کی بدلیاں بھی چھٹ سکتی ہیں۔ اسی کے ساتھ ہم ان کے اندر یہ فکری انقلاب بھی پیدا کریں کہ انسانیت کے تمام مسائل کا حل صرف اسلام کی غیر مشروط اور مخلصانہ پیروی ہی میں ہے اور یہ کہ

ری ذہنی لحاظ سے اس طرح ان کی تربیت کریں کہ انہیں پورے طبقۂ
کے لئے ایک نمونہ بنائیں اور ان کی توانائیوں، قابلیتوں اور صلاحیتوں
لم طبقۂ نسواں میں انقلاب کے لئے استعمال کریں۔

لیکن یہ ایک عظیم کام اللٹپ انداز میں غیر منصوبہ بند طریقے سے اور
ی طرز پر غیر منظم بھیڑ کو نے کر انجام نہیں دیا جاسکے گا۔ پھر یہ کام
سلم خواتین بھی کما حقہٗ انجام نہ دے سکیں گی۔ مسلم طبقۂ نسواں میں
ئے دن نئے نئے فتنے پیدا ہو رہے ہیں وہ نام نہاد پڑھی لکھی خواتین
ذریعے پیدا ہو رہے ہیں جو مغربی تہذیب سے متاثر ہو کر اسلام
ف نظریات و افکار کو اختیار کر رہی ہیں اور مسلم طبقۂ نسواں میں
ے خیالات و نظریات کو پھیلا رہی ہیں۔ کہیں یہ شوشہ چھوڑا جاتا ہے کہ
سلام ایک جابرانہ نظام زندگی ہے جس میں عورتوں کے حقوق محفوظ
یں ہیں جس میں عورتوں کا استحصال کیا جاتا ہے۔ جس میں عورتوں کو
روں میں قید کر کے مردوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا ہے جس میں
رتوں پر بدترین ظلم روا ہے وغیرہ وغیرہ۔

کہیں یہ شوشہ چھوڑا جاتا ہے کہ عورت کو بے پردہ ہو کر مردوں کے
وش بدوش میدان عمل میں اترنا چاہئے اور یہی اس کا صحیح مقام ہے
ور اس طرح کے کئی شوشے آئے دن چھوڑے جاتے ہیں جن سے متاثر
ہو کر ہماری وہ خواتین جو عصری علوم کے زیور سے آراستہ ہیں لیکن دینی
لم کی انھیں ہوا بھی نہیں لگی، ان ہی غیر اسلامی نظریات کو قبول کرتی
جاتی ہیں اور ان کی تبلیغ بھی کرتی جاتی ہیں۔

اس لئے نہایت ضروری ہے کہ تعلیم یافتہ خواتین طبقے میں کام کرنے
کے لئے ایسی تعلیم یافتہ خواتین ہوں جن کی اٹھان دینی و اسلامی تعلیم
نیز عصری علوم کے حسین امتزاج پر ہوئی ہو۔ جو عصر حاضر کے فتنوں سے بھی
بخوبی واقف اور ان کے سدّ باب کے اسلامی طریقوں سے بھی واقف ہوں۔
ہمارے اسکولس کالج اور یونیورسٹیاں ہی وہ میدان ہیں جہاں سب سے
پہلے ان فتنوں کا تعارف کرایا جاتا ہے یا ہو جاتا ہے لہٰذا ان میدانوں
میں کام کرنے کے لئے اسلامی ذہن رکھنے والی طالبات ہی زیادہ
موزوں ہو سکتی ہیں۔ الحمدللہ فتنوں کے اس دور میں بھی ملت اسلامیہ
اتنی بانجھ نہیں ہوگئی ہے کہ اس کی گود میں پڑھی لکھی خواتین و طالبات
نہ ہوں۔ الحمدللہ پورے بھارت میں ایسی نوجوان تعلیم یافتہ لڑکیوں
اور طالبات کی کمی نہیں ہے جو اپنی اسلامی اقدار و روایات پر قائم
ہیں اور قائم رہنا چاہتی ہیں۔ ضرورت ہے ایسی تعلیم یافتہ لڑکیوں اور
طالبات کو منظم کیا جائے، ان کی توانائی، ان کی قابلیت، ان کی
صلاحیت کو اسلامی مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے، انھیں زندگی
کا ایک وسیع تر نصب العین دیا جائے۔ انھیں ان کی ذمہ داریاں
سمجھائی جائیں، انھیں بتایا جائے کہ باطل کے لئے اگر خواتین متحد
و منظم ہو کر غیر اسلامی افکار و خیالات کی تبلیغ کر سکتی ہیں تو آخر کیا
وجہ ہے کہ غلبۂ حق کی خاطر نوجوان مسلم طالبات کیوں متحد اور منظم
ہو کر اسلامی افکار و خیالات کی تبلیغ نہیں کر سکتی ہیں۔

G.I.O جو بھارت کے کچھ حصوں میں نوجوان لڑکیوں اور طالبات
کی ایک تنظیم ہے، ایسی تمام طالبات کو آواز دیتی ہے کہ ان کے لئے اتحاد
کی طاقت کے ساتھ ایک وسیع نصب العین کو لئے ہوئے، جواں عزائم
اور حوصلوں سے پُر ایک پلیٹ فارم تیار ہے۔ آیئے آخرت کی سرخروئی،
دنیا کی کامیابی اور اللہ کی رضا کے لئے اس تنظیم سے جڑ جایئے اور
اسلامی انقلاب کے لئے راہ ہموار کرنے میں مددگار ہو جایئے۔
آج ہمارے سماج کو ضرورت ہے حضرت سمیہؓ کی والہانہ شہادت
کی، عائشہؓ کے علم کی، حضرت خدیجہؓ کے ایثار صبر و تحمل کی، حضرت
اُم عمارہ کے ایثار و قربانی کی، حضرت فاطمہؓ کے انداز تربیت کی؛
آیئے ہم تاریخ اسلامی کے اوراق پارینہ کو دہرائیں خدا کی زمین سے کفر و
شرک، فسق و فجور، فتنہ و انتشار کو مٹائیں اور خدا کی زمین کو ایمان و
ایقان، نیکی و بھلائی اور تعمیر و ترقی سے بھر دیں۔ زندگی ایک قیمتی
متاع ہے۔ اسے یوں ہی ضائع کرنے کے بجائے خدا کی راہ میں
لگا دیں۔ ●●

بقیہ صفحہ کا

تحریک اسلامی کی اس عدیم المثال کامیابی نے یہ واضح کر دیا کہ حالات
سخت کیوں نہ ہوں، داعیان اسلام کو کتنی ہی دشواری کا سامنا کیوں نہ کرنا
پڑے اگر وہ بلند کردار کے مالک ہوں گے اور نیتوں میں خلوص ہوگا تو
کامیابی ضرور ان کے قدم چومے گی۔ داعی کا قید و بند کی صعوبتوں میں
مبتلا کیا جانا دراصل اس وجہ سے ہوتا ہے تاکہ لوگ دیکھ لیں کہ وہ
جن اصولوں کو پیش کر رہا ہے وہ ہر حال میں قابل عمل ہیں نیز اس کے
کردار کا بلند ہونا لوگوں پر واضح ہو جائے۔ عربوں میں جہاں اتنی خرابیاں
تھیں وہیں بہت سی ایسی خوبیاں بھی تھیں جو کاروانِ اسلام میں داخل
ہونے کے لئے ضروری ہیں۔ مثلاً عرب محکوم نہیں تھے کیوں کہ
محکومیت میں (خاص طور سے ذہنی محکومیت میں) ذہنوں میں پستی
اور لاگ لپیٹ کی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ وہ ارادہ کے پکے
اور بے انتہا بہادر تھے جس کام کا ارادہ کر لیتے اس کو بس سرانجام
دے کر ہی سکون محسوس کرتے۔ وہ بہت عقلمند اور باریک
بین تھے نیز تیز حافظہ کے مالک تھے۔ وہ غیرت مند تھے ذرا سی
ذلت بھی ان کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ جہالت و ظلمت
کے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ایک انتہائی گئے گزرے
معاشرہ میں ان بہت سی خوبیوں کا پایا جانا اپنے میں امید کا کافی
سامان رکھتا ہے خاص طور سے ان لوگوں کے لئے جنھوں نے
اس دور میں تحریک محمدؐ کا علم بلند کرنے کا عزم کیا ہے کیونکہ آج کا ہندوستان
اور پھر عالمی معاشرہ اس قدیم جاہلی معاشرہ سے زیادہ بہتر ہے۔ ●●

بھوک

ناصر ہاشمی (چکردھرپور)

اُف..... آج پھر خون کی قے ہوئی ہے۔ کراہنے کی آواز یہاں تک آرہی ہے۔

نانی جان اماں سے لپٹ کر روئے جارہی ہیں۔

مجھ سے یہ سب دیکھا نہ گیا اسی لئے دروازہ پر آگیا۔

سوکھا ہوا چہرہ، جسم پر گوشت کا نام نہیں۔ یا اللہ..... !

کیا سے کیا ہوجاتا ہے..... ؟ میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔

دس سال قبل ہی کی تو بات ہے جب پہلی ملاقات ہوئی تھی، باجی کی شادی کے موقع پر۔ ابا نے تعارف کرایا تھا "بیٹا! یہ تمہارے ریاض ماموں ہیں، علی گڑھ یونیورسٹی سے ایم۔ اے کر رہے ہیں۔ تمہاری امی کے ممیرے بھائی ہوتے ہیں"۔

گورا رنگ، لمبا قد، کسرتی جسم، مسکراتا ہوا چہرہ، بادامی سوٹ میں وہ کافی خوبصورت لگ رہے تھے۔ صرف پانچ دن رہے تھے۔ کافی رات تک ابا سے بحثیں چلتیں۔ اخلاقی گراوٹ، بیروزگاری، مہنگائی، رشوت خوری، جہیز ... اور بھی ملکی مسائل پر جب ریاض ماموں بولتے تو ہم لوگوں کی خواہش ہوتی وہ بولتے ہی رہیں۔

بات کرنے کا سلیقہ، حاضر جوابی، قرآن اور حدیث کا حوالہ دینا، میں کافی متاثر ہوا تھا ان سے۔

ریاض ماموں سے پہلی ملاقات پھر اس کے بعد کے حالات ایک کرکے میرے سامنے آتے جارہے ہیں......

اچھے نمبروں سے ایم۔ اے کرلیا تھا، اپنے ہی شہر کے کسی سرکاری آفس میں ریاض ماموں آفیسر ہوگئے تھے۔ میں بہت خوش تھا۔ ماموں کی شادی میں پہلی دفعہ ان کے گھر جارہا تھا۔ کتنے خوش ہوں گے۔ دُلہا بنیں گے تو کتنے اچھے لگیں گے..... اور ممی جان...

..... نہ جانے کیا کیا سوچے جارہا تھا کہ ٹیکسی رکی۔ گھر آگیا تھا۔

پورا گھر منی بلب سے سجا ہوا تھا۔ دروازہ پر لال پیلی جھنڈیاں، کاغذ کے پھول، مجھے کافی اچھا لگا تھا۔

نانا جان، نانی جان اور بھی سبھی لوگ ہمیں دیکھ کر کافی خوش ہوئے تھے۔ مہمانوں کی بھیڑ میں شرمایا شرمایا میں ماموں جان کو تلاش کررہا تھا، انہیں وہ نظر نہیں آرہے تھے۔ آخر میں نے تلاش کرہی لیا، ایک کمرہ میں اکیلے بیٹھے تھے، گم سم..... مجھے عجیب سا لگا میں نے سلام کیا تو وہ چونکے اور مسکراتے ہوئے میرے سر پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ خالہ جان مجھے تلاش کرتے ہوئے آگئی تھیں، میں ان کے ساتھ ناشتہ کے لئے ایک کمرہ میں پہونچا۔ صرف امی اور نانی جان تھیں۔ دسترخوان لگا ہوا تھا۔

نانی جان بتا رہی تھیں......"سیٹھ وحیدالدین کافی پیسے والے آدمی ہیں۔ چمڑے کا ایکسپورٹ کرتے ہیں۔ کافی بڑی خوبصورت سی کوٹھی ہے۔ اور بھی کئی مکان ہے۔ تین کاریں ہیں نوکروں کی تو کمی نہیں۔ صرف دو لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں۔ پروین سب سے چھوٹی ہے، بقیہ کی شادی ہوگئی ہے۔ کافی خوبصورت ہے۔ اسی سال بی۔ اے کیا ہے۔ کافی اچھے ہیں وہ لوگ، میں جب گئی تھی سمدھن تو میرے سامنے بچھی جارہی تھیں۔ بیٹی کے جہیز کے لئے کافی سامان رکھ چھوڑا ہے۔ ٹیلی ویژن، ٹیپ ریکارڈ، فریج اور نہ جانے کیا کیا سامان تھا مجھ نگوڑی کو تو نام یاد ہی نہیں رہتا۔ داماد کو موٹر سائیکل دیں گے۔ آخری تو بیٹی ہے اللہ نے پیسے دئے ہیں تو ارمان بھی کیا کیا ہوں گے۔

لیکن رضو کو دیکھو پڑھ لکھ کر کتنا بیوقوف ہوگیا ہے۔ وہ شادی کے لئے تیار ہی نہیں ہورہا تھا..... صالحہ میں آخر ہی کیا بات ؟ بہت خوبصورت بھی تو نہیں ہے، تعلیم بھی لوہنہ پوری مولوی ہے۔ بڑے ایماندار افسر ہیں ان کے والد، ارے ان ایمانداری سے ہمیں کیا لینا دینا۔ قاعدہ کا مکان تک نہیں۔ بھلا جہیز کیا دیتا۔

جب میں نے رضو سے صاف صاف کہہ دیا کہ شادی ہوگی تو پروین سے نہیں تو میں زندگی بھر تمہارا منہ نہیں دیکھوں گی تب جاکر تیار ہوا ہے"۔

نانی جان بولے جارہی تھیں۔ ماموں بیوقوف بھی ہیں مجھے بھی یہ احساس ہورہا تھا۔ فخر سے سبھی کو سامان دکھا رہی تھیں ساتھ ہی بولتی بھی جارہی تھیں...... فریج گھر میں آگیا گرمی میں آرام رہے گا، کم بخت گرمی بھی تو کافی پڑتی ہے، صراحی کے پانی سے تو تشنگی ہی نہیں ہوتی۔ یہ ٹیلی ویژن سے جا

سے آیا ہے...... ٹیپ ریکارڈر ....

ممی جان کافی خوبصورت تھیں۔ ماموں جان کی قسمت پر مجھے بھی رشک آرہا تھا۔ تین دن رہ کر ہم لوگ واپس آ گئے تھے۔

چھ ماہ بعد کسی کام سے ماموں جان آئے تھے۔ اب کافی سنجیدہ سے بننے لگے تھے۔ شادی کے بعد سنجیدگی آ ہی جاتی ہے میں نے سوچا تھا۔

آج نانی جان کا خط آیا تھا۔ ابّا دفتر تھے۔ امی کی آنکھوں میں تکلیف تھی مجھے ہی سنانے کو کہا۔ نانی جان نے لکھا تھا...

بیٹی کیا لکھوں...... کیسے لکھوں... کافی دنوں سے خیال آرہا تھا...... آج ضبط کا پیمانہ لبریز ہوگیا تو لکھنے بیٹھ گئی۔ شاید تم بھی میرا مذاق اڑاؤ........

میری تو قسمت پھوٹی تھی، عقل ماری گئی تھی جو رضو کی شادی اس گھر میں کی۔ کاش ... لالچ نہ کیا ہوتا......

بہو کے متعلق کیا بتاؤں ...... ہر وقت آئینہ ہے اور وہ ہے۔ پانی تک دوسرا دے۔ ارمان ہی لگا رہ گیا کہ اس کے ہاتھ کی چائے پیوں۔ ایک ہی سال شادی کو ہوئے ہیں لیکن وہ وہ پر نکلے ہیں کہ خدا کی پناہ۔ روزانہ کوئی نہ کوئی پروگرام رہتا ہے۔ کبھی سینما تو کبھی مارکٹنگ۔ کل اس سہیلی کے یہاں پارٹی تو آج پارٹی دی جارہی ہے...... اور مجھے ہی سارا انتظام کرنا ہوتا ہے۔ سوچا تھا گھر کا انتظام بہو کے حوالے کرکے اللہ اللہ کروں گی...... میری حیثیت تو ایک نوکرانی کی ہو کر رہ گئی ہے۔

کچھ دن ہوئے ٹوک کیا دیا، قیامت آگئی، جہاں تک ہوسکا اول فول بکتی رہی پھر رکشہ منوایا اور میکے چلی گئی۔ لاکھ منتیں کیں، معافی مانگی۔ ہاتھ تک جوڑا لیکن نہیں مانی۔

آفس سے تمہارے ماموں جان لوٹے تو غصہ سے سُرخ ہو رہے تھے۔ آتے ہی مجھ پر برس پڑے...... اور کرو سیٹھ صاحب کے یہاں بیٹے کی شادی۔ کافی جہیز لے گا...... میری تو عقل ماری گئی تھی جو تمہاری باتوں میں آگیا۔ کتنی منتیں کی تھیں صالحہ کے والد نے۔

میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا...... آخر بات کیا ہوئی؟ بولے بات کیا ہوتی...... آفس میں فون آیا تھا سیٹھ صاحب کا۔ کافی گرم ہو رہے تھے... "میری بیٹی پر کسی طرح کی پابندی لگی تو خیر نہیں، ایرے غیرے کی بیٹی نہیں ہے...... نقدی اور ہزاروں روپے کا جہیز اسی لئے دیا تھا کہ تم لوگ میری بیٹی کو تکلیف دو۔ ...... اور سُن لو اب پروین تمہارے گھر جائے گی بھی نہیں۔ الگ گھر کا انتظام کردو، آخر بیٹے کی کمائی کب تک کھاتے رہوگے!" تب تک بکتا رہا جب تک فون پٹخ نہ دیا۔

دل تو نہیں مانتا تھا لیکن کیا کرتی؛ اب رضو الگ رہ رہا ہے۔ کبھی کبھی آجاتا ہے۔ کافی پریشان رہتا ہے۔ روزانہ کی فرمائشیں اور ٹھاٹھ، آمدنی محدود کیسے گذر ہوتی ہوگی؟...... فکر مجھے کھائے جارہی ہے۔ رات رات بھر روتی ہوں۔ میں نے اسے تباہ کردیا...... یا اللہ مجھے معاف کردے......

امی رو رہی تھیں۔ ماموں جان کی سنجیدگی کا مطلب میری سمجھ میں آگیا تھا۔

ابّا کے کسی دوست نے خبر دی تھی...... ریاض ماموں کو رشوت لینے کے الزام میں سسپنڈ کردیا گیا ہے۔ امی نے روتے ہوئے کہا تھا بے چارہ جہیز کی بھینٹ چڑھ گیا۔

پھر معلوم ہوا کہ پریشانیوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے ماموں جان شراب پینے لگے ہیں۔ ہر وقت نشہ میں دُھت رہتے ہیں صحت کافی خراب ہوگئی ہے۔

اور آج ہی صبح ٹیلیگرام ملا تھا پھیپھڑا خراب ہوگیا ہے۔ ڈاکٹروں نے جواب دے دیا ہے۔ بچنے کی کوئی اُمید نہیں۔ ●●

بقیہ صفحہ ۸ کا

سجائی ہیں۔ مختلف ممالک میں جو کام ہو رہا ہے اسے ایک رُخ مل جائے اور سب ایک دوسرے کے ممد و معاون ہو جائیں تو یہ کام اور تیزی سے آگے بڑھے گا۔ اسی وجہ سے ہم WAMY اور IIFSO کے ممبر بنے ہیں۔ لیکن ہم کسی بیرونی تنظیم یا ملک سے مالی تعاون نہیں لیتے ہیں اور ہم اس مدد کو ناپسند کرتے ہیں۔ شبر کا فنڈ شبر کے کارکن، ذمہ داروں اور ہمدردوں کی اعانت سے یکجا کیا جاتا ہے اور اسی طرح کام چل رہا ہے۔

وقار | آپ ایس۔آئی۔او کے آل انڈیا کانفرنس میں شرکت فرما چکے ہیں۔ اس کانفرنس کے سلسلہ میں کیا اچھی یادیں آپ اپنے ساتھ لے جارہے ہیں؟ کانفرنس میں جو کمزور پہلو آپ کی نگاہ میں آئے ہیں جن پر آپ ہماری توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں، وہ بھی بتائیے۔

شمس | جہاں تک کمزور پہلوؤں اور خامیوں کا سوال ہے میں نے ایس۔آئی۔او کے ذمہ داروں تک بات پہونچا دی ہے۔ بنگلور کی اس کامیاب کانفرنس کی چند اچھی باتیں مجھے ہمیشہ یاد رہیں گی۔ میں اپنے تاثرات کو ترتیب وار بتانا پسند کروں گا۔

(i) ایک ایسی تنظیم جس کے وجود میں آئے ہوئے صرف تین سال کا قلیل عرصہ گذرا ہے، اتنا بڑا اجتماع کامیابی کے ساتھ کرسکی یہ بات ہمارے عزائم اور اعتماد کو مستحکم کرنے والی ہے۔

(ii) مجھے ایس۔آئی۔او کے کارکنوں اور ذمہ داروں سے گھلنے ملنے اور صاف صاف گفتگو کرنے کا موقع ملا۔ مجھے اس بات کا احساس ہی نہیں ہوا کہ میں اپنے ملک سے دور دوسرے ملک کی طلبہ تنظیم کے درمیان ہوں۔ ایسا لگا جیسے میں شبر کے کارکنوں سے مل رہا ہوں، شبر کے اجتماع میں شریک ہوں۔ یہ اپنائیت اور یہ محبت مجھے یاد رہے گی۔ ●●

ملت کی معاشی خوشحالی

—— سید علی (کلکتہ)

میں نے ہلکے سے تار دل چھیڑ دیا اور زخمی جل ترنگ بج اٹھا۔
سٹر صاحب جو اپنی بزنس میں تازہ تازہ سات آٹھ لاکھ روپے کی
ٹ کھائے ہوئے تھے تنگ آکر بولے دولت، آدمی کے اخلاق
زت، شرافت اور وقار واحترام کا مستند پیمانہ ہے۔ اس زمانہ میں
س کے پاس دولت ہے اس کے آگے لوگ جھکتے ہیں، اس کی
زت کرتے ہیں، اس کو احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، پلکوں پہ
ھاتے ہیں، عقل کل مانتے ہیں۔ ہمارے پاس کل دولت تھی تو ہمارے
دگرد ہر قسم کے لوگوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی، خوشامدیوں، چندہ خوروں
، مطلب پرستوں کی، عزیزوں اور دوستوں کی۔ لوگ مجھے راہ چلتے
سلام کرتے تھے، صدر جلسہ بناتے تھے، تقریبات کا مجھ سے افتتاح
تے تھے۔ جس کے دروازے پر قدم پہنچ جاتا تھا وہ اپنے کو
ش نصیب سمجھتا اور چائے و شربت سے تواضع کرتا تھا۔ اور اب
ب سے میں نے بزنس میں چوٹ کھائی ہے وہی دوست احباب، کاروباری
— تعلق والے، شناسا اور ملازمین تک مجھے پہچانتے بھی نہیں۔
ں کسی کے دروازے پر پہنچ جاتا ہوں تو وہ بہت جلد مجھ سے
ہٹ محسوس کرنے لگتے ہیں اور اپنا دکھڑا سنانے لگتے ہیں۔
داکہ میں ان سے کہیں کچھ قرض نہ طلب کروں۔ شناسا لوگ راہ
ے مجھ سے نظریں چرا کر بھاگ نکلتے ہیں — گویا ایسے بُرے
نت میں انسان کا سایہ بھی اس سے جدا ہوجاتا ہو۔

ماسٹر صاحب چمڑے کے بڑے تجربہ کار تاجر ہیں اور ایسے
لہ مند تاجر جن کے سامنے نقصان کا کوئی پہلو کبھی تھا ہی نہیں
ن اچانک ان کی ساری پونجی باقی بقایا میں ڈوب گئی تھی اس
، وہ اس شدید نقصان سے بے حد سراسیمہ ہوگئے تھے۔
ی خوش حالی اور آج کی بدحالی کے نتیجہ میں ان کے معیار
گی میں جو فرق واقع ہوگیا تھا اس میں مطابقت پیدا کرنے
خاصی دشواری محسوس کر رہے تھے۔ رہائش میں فرق، کھانے
میں فرق، لباس میں فرق واقع ہوچکا تھا۔ ہوائی شرٹ اور
ں کی کریز ٹوٹ گئی تھی، پیر میں ہوائی چپل پڑی ہوئی تھی اب
س حال میں تھے کہ خود اپنے آپ کو پہچان نہیں رہے تھے اور
ہ نازک موقع پر جب میں نے ان سے اخلاقیات کے موضوع
پر گفتگو شروع کی تو وہ پھر گئے اور دیر تک اپنے دل کی بھڑاس
نکالتے رہے۔ میں نے بھی نفسیاتی فائدہ اٹھاتے ہوئے پہلے کرید کرید
کر ان کو دل کا غبار نکالنے کا موقع دیا پھر دولت کے موضوع پر
رُخ موڑ دیا۔ میں نے پوچھا کہ آپ بے تحاشہ دولت کمانے کی فکر
میں جب اپنی پوری محنت، عقل، وقت، صلاحیت اور قوت جھونک
رہے تھے تو آپ کے پیش نظر دولت اندوزی کا مقصد کیا تھا؟
انھوں نے بڑا صاف ستھرا، دوٹوک اور مختصر سا جواب دیا: پرسنل
آرام و آرائش، ذاتی شان و شکوہ —! میں نے نشتر زنی کرتے ہوئے
کہا: تب آپ کی اس خودغرضانہ مقصد دولت اندوزی سے یا اس
کے چھن جانے سے ملت کے عام لوگوں کو کیوں ہمدردی ہونی چاہیئے!
آپ کے پاس دولت تھی تو چند چالاک لوگ آپ کو بے وقوف
سمجھ کر جتنا بن پڑا لوٹتے رہے اب آپ لٹ پٹ گئے ہیں تو وہ
لوگ کسی اور بے وقوف اور خودغرض سرمایہ داروں کی تلاش
میں لگ گئے ہوں گے ماسٹر صاحب! آپ ملت کے لوگوں
کو تھوڑی بہت خیرات وصدقات دے کر ہمیشہ کے لئے ان کی
عقیدت ومحبت کا مرکز نہیں بن سکتے۔ بے غرض اور ٹھوس خدمت
سے آدمی آدمی کے دل میں گھر کرتا ہے اور ہمیشہ کے لئے اس کے
دل کو فتح کرلیتا ہے۔ وہ تڑک کر بولے: ہماری کمائی میں ملت
کے لوگوں نے کب اور کتنا تعاون کیا تھا جو ہم ان کے ساتھ
تعاون کرتے اور ان کی تعمیر میں دولت برباد کرتے —!

یہ کوئی فرضی یا ایک شخص کا واقعہ نہیں ہے بلکہ آج کا یہی
سماجی رجحان اور خودغرضانہ مزاج ہے جو ہمارے ملک میں ہر جگہ
پایا جاتا اور اسی خودغرضانہ رجحان و مزاج نے دولت مندوں
اور غیر دولت مندوں کے درمیان بے رحمانہ فاصلہ پیدا کر رکھا
ہے اور اس رجحان کو کوئی مادہ پرستانہ جذبہ روک بھی نہیں
سکتا بلکہ دوری اور بے دردی کی خلیج کو بڑھا ہی سکتا ہے۔

چند دنوں پہلے کی بات ہے۔ ایک کروڑپتی صاحب کے یہاں
ان کے قریبی دوست ایک اسپتال کا چندہ وصول کرنے گئے۔ کروڑپتی
صاحب نے جو ایک سپتال بھی چلاتے ہیں چندہ دینے سے پہلے
ان سے بڑی رس بھری گفتگو کی پھر اپنے کاروبار کی زبوں حالی کا

ہوا سنایا اور پھر کسمساتے ہوئے ان کے ہاتھ پر ایک سو روپیہ کا نوٹ تھما دیا۔ دوست جو بڑی امیدیں کر گئے تھے اتنی "بڑی" رقم پاکر بے حد حیرت زدہ ہوئے اور دوستانہ مشورہ دیتے ہوئے روپیہ ان کو لوٹا دیا کہ اسے سنبھال کر آپ ہی رکھئے ورنہ آپ کی پونجی میں کمی آجائے گی۔ یہ سو روپیہ دینے والے ایسے سرمایہ داروں میں ہیں جو فلمی اداکاروں، لیڈروں، غنڈوں اور دوست احباب کی خاطرداری میں اور شادی بیاہ اور دوسری تقریبات میں اور ذاتی نام ونمود پر ہزاروں روپے خرچ کرنے میں ذرا نہیں جھجکتے مگر خیرات وصدقات یا معذوروں اور مجبوروں کی امداد کے معاملہ میں، یا ملی فلاح و بہبودی کی اسکیموں میں خرچ کرنے میں ان کی مٹھیاں بند ہوجاتی ہیں اور اگر کسی کو کچھ دیتے بھی ہیں تو بڑی حقارت سے اور احسان جتا کر۔ ایسے لوگوں کی دولت اگر چھن جائے یا کسی حادثہ میں لٹ جائے تو ملت کے عام افراد کو کیوں تکلیف ہوگی اور ان سے ہمدردی کس تعلق سے ہوگی؟ اڑوس پڑوس میں ان کی آنکھوں کے سامنے عام ضرورت مند افراد صبح وشام لٹتے مٹتے رہتے ہیں، ان کی صلاحیتیں برباد ہوتی رہتی ہیں، ان کی جوانی جلتی رہتی ہے، ان کا ہنر اور فن مرتا رہتا ہے، ان کی اجتماعی قوت ٹوٹتی رہتی ہے اور ان کا ملی کام متاثر ہوتا رہتا ہے مگر ان دولت مندوں کو ان سب باتوں سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔ مسلم نوجوان جہالت اور غربت میں غلط دھندہ اختیار کر لیتے ہیں وہ چور، اچکے، پاکٹ مار، بلیک مارکیٹر...... تک بنتے رہتے ہیں، ان میں جہالت، بیماریاں، بداخلاقیاں بڑھتی اور پھیلتی رہتی ہیں مگر یہ سرمایہ دار اپنی ذات میں مگن رہتے ہیں۔ ان کے سامنے اپنی کمیونٹی اپنی ملت کی فلاح و ترقی کے لئے کوئی منصوبہ نہیں ہوتا بلکہ غربت وافلاس کی بستی میں اپنا تاج محل اپنی شہرت کا مونومنٹ قائم رکھ کر سکون محسوس کرتے ہیں۔

حرص و ہوس کی اس دنیا میں، آرام وآسائش کی دوڑ میں آج کا مسلمان بھی زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرنا چاہتا ہو تا جاتا ہے مگر وہ نہیں جانتا کہ دولت اس کے لئے کتنی بڑی آزمائش اور دو دھاری تلوار ہے جس طرح فقر و فاقہ اور غربت وافلاس کی وجہ سے انسان اپنا اخلاقی و دماغی توازن کھو بیٹھتا ہے اور اس کا ہر قدم سچائی اور انصاف سے ہٹنے لگتا ہے اسی طرح بے قید دولت اور دولت اندوزی کی ہوس بھی بیشتر اوقات انسانوں کو جوہر انسانیت سے محروم کر دیتی ہے اور جانوروں کی صف میں لا کھڑا کر دیتی ہے۔ دولت سے جب غرور، خود نمائی اور اسراف بے جا کا نشہ پیدا ہونے لگتا ہے یا بے دولتی کے سبب فقر و فاقہ، احساس بے چارگی اور افلاس کا سایہ لہرانے لگتا ہے تو یہی دولت کی افراط و تفریط شدید آزمائش بن جاتی ہے اور انسان اپنے صحیح مقام سے ہٹنے لگتا ہے۔

دولت کا حصول خواہ وہ محنت ومشقت سے ہو یا عقل و ہنر کے بل بوتے پر فی نفسہ بری چیز نہیں بلکہ بہت ضروری اور بنیادی چیز ہے لیکن جب دولت سے یہ احساس پیدا ہونے لگے کہ ہم اس کے تنہا مالک اور مختار کل ہیں اور اس کو ہم نے اپنی صلاحیت اور ذہانت اور بازو کی قوت سے حاصل کیا ہے اور اس کے استعمال میں کسی اخلاقی پابندی کی ضرورت نہیں ہے تو پھر اس کے تصرف کا حق بھی اس کی نفسانی خواہشات کے تابع ہوجاتا ہے اور ذاتی عیش وعشرت، نام ونمود اور غیر پیداواری مصارف میں پانی کی طرح بہایا جانے لگتا ہے۔ صاحب دولت کا ہاتھ اپنی شہرت اور وقار کے لئے کھل جاتا ہے لیکن اپنی ملت کے ضرورت مند اور دوسرے حق داروں کے لئے بند ہوجاتا ہے۔ لیکن دولت کے حصول کا اگر یہ تصور ہو کہ یہ اللہ کی امانت اور اس کا فضل ہے تو پھر معاملہ برعکس ہوتا ہے اور صاحب دولت اپنی ذات کے لئے ایک قسم کا بخیل لیکن بندگان خدا کے لئے سخی ہوجاتا ہے۔ پھر یہی دولت ظالموں اور خود غرضوں کے حلق کا کانٹا اور مظلوموں اور بے سہارا لوگوں کے لئے سرمایہ حیات بن جاتی ہے۔

دولت وسرمایہ کے حصول میں نقطۂ نظر کے اختلاف کے سبب ذرائع حصول میں بھی بڑا نمایاں فرق واقع ہوجاتا ہے جب دولت اندوزی کا مقصد اپنی ذات کی جھوٹی تسکین وتکمیل ہوتی ہے تو اس کے حصول میں حلال وحرام اور جائز وناجائز کی قید ختم ہوجاتی ہے بلکہ ایسا بھی دیکھا جاتا ہے کہ محنت ومشقت کے بجائے عیاری وچالاکی اور عقلی فریب کی ٹکنک استعمال کی جاتی ہے اور اس کے نتیجہ میں دولت کا ایک ایک ہاتھ میں ارتکاز ہوتا چلا جاتا ہے۔ لیکن دولت کو اگر خدا کی امانت سمجھا جائے تو پھر اس کے حصول میں حلال وحرام اور جائز وناجائز کا مسئلہ پیش نظر رکھا جائے گا اور عیاری وفریب کے بجائے محنت ومشقت اور امانت داری کا اصول برتا جائے گا اور اس کے نتیجہ میں دولت اپنی ذات، خاندان اور سماج کے حقدار طبقوں میں گردش کرے گی۔

ان اخلاقی بنیادوں پر حاصل ہونے والی دولت کو پیش نظر رکھ کر اب یہ جائزہ لینا چاہیئے کہ ہماری اجتماعی، معاشی بدحالی کے اسباب کیا ہیں اور خوش حالی لانے کی تدبیریں کیا ہوسکتی ہیں۔ سماجی مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہمارے وہ بھائی جو خوش حال اور دولت مند ہیں ان کے اندر بھی

مجموعی، ملت کی خوش حالی اور ان کو بدحالی کے بھنور سے نکالنے کا کوئی ٹھوس منصوبہ اور مخلصانہ جذبہ نہیں پایا جاتا ہے۔ دوسری طرف وہ لوگ جو ہنرمند اور دستکار ہیں ان میں اخلاص اور دیانت داری اور محنت کا فقدان بھی ہے اور سرمایہ کی کمی بھی۔ ہماری ملت میں ایسے سرمایہ دار بھی ہیں جو کسی منافع بخش اور پیداواری کاموں میں سرمایہ کاری کرنا چاہتے ہیں لیکن ان کو قابل اعتماد اور محنتی ہنرمند دستکار یا تاجر و صنعت کار نہیں ملتا ہے ٹھیک اسی طرح ایسے ہنرمند اور تاجرانہ ذہن و تجربہ رکھنے والے امانت دار اور محنتی لوگ بھی موجود ہیں لیکن ان کے پاس سرمایہ کی کمی ہے اور کسی معقول سرمایہ دار سے ان کا ربط و تعلق نہیں ہے۔ اس لئے سب سے ابتدائی اور اولین ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسے مخلص سرمایہ کاروں اور محنتی و دیانت دار ہنرمندوں کے درمیان ربط (co-ordination) پیدا کرایا جائے۔ اس کا آغاز اس طرح ہو کہ ملت کے چند مخلص سرمایہ کاروں اور محنتی و دیانت دار ہنرمندوں کو چھانٹ کر نکالا جائے اور ایک بیورو (Bareu) قائم کیا جائے۔ جو بیس تا پچیس لاکھ روپئے سرمایہ (capital) کا نشانہ بنا کر ایسے ممتاز سرمایہ کاروں کی فہرست تیار کرے جو ۱۵ر تا ۲۰ر ہزار روپئے کی فی کس سرمایہ کاری کر سکیں۔ فرض کیجئے اس طرح مطلوبہ پونجی کا انتظام ہو جاتا ہے تو اس کے بعد بیورو ہنرمندوں، دستکاروں، تاجروں کو اشتہارات کے ذریعہ مدعو کرے اور ان کی جانچ پڑتال کے بعد اسکیم کے تحت ان کو پارٹنر بنا کر پارٹنر شپ کی بنیاد پر حسب ضرورت سرمایہ کاری کرے اور خود بیورو اس کی نگرانی کرے۔ ابتداءً جن مخصوص شعبوں میں سرمایہ کاری کی جائے ان میں بلڈنگ کنسٹرکشن، دستکاری اور چھوٹی چھوٹی گھریلو صنعت کو ترجیح دی جائے۔ اس تجربہ کا ایک بڑا فائدہ تو یہی ہوگا کہ ملت کی اجتماعی خوش حالی کے لئے سرمایہ کاروں اور ہنرمندوں کے درمیان تال میل کا رجحان اور باہمی اعتماد کا جذبہ فروغ پائے گا اور اشتراک و تعاون کا ذہن پیدا ہوگا اور ساتھ ہی ساتھ کے لئے روزگار کا ذریعہ مہیا ہو جائے گا۔ اگر یہ تجربہ منافع بخش ثابت ہوا اور سرمایہ کاروں اور ہنرمندوں کا ایک دوسرے پر اعتماد بحال ہو سکا تو آگے کے لئے معاشی خوش حالی کا دروازہ کھل جائے گا اور مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ اوسط درجہ کا معاشی خود کفیل بن جائے گا۔

میں ماہر معاشیات ہوں نہ ماہر سماجیات۔ محض سماجی مشاہدات سے یہ اسکیم غیر مربوط انداز میں پیش کی گئی ہے اس سلسلے میں اگر سرمایہ دار اور ہنرمند افراد اظہار خیال کریں اور مشورے دیں تو اس منصوبہ کو آگے بڑھایا جا سکتا ہے۔ ●●

غزل

عبدالسلام (نوادہ)

ہم خیرِ واماں کے داعی ہیں پیغام سنائے جاتے ہیں
بستی بستی، قریہ قریہ، آواز لگائے جاتے ہیں

نیرنگئ عالم مت پوچھو، وہ دورِ ستم بھی آتے ہیں
سنگینوں کے خونیں منظر اکثر دہرائے جاتے ہیں

اے جانِ وطن! اے روحِ چمن! اے جس کا سراپا سرو و سمن
جو پھول کھلے گلشن گلشن، وہ کیوں مرجھائے جاتے ہیں

ہم جان بھی وارے جاتے ہیں، فریاد بھی کرتے جاتے ہیں
اور آپ کھڑے درپن سے لگے زلفوں کو سجائے جاتے ہیں

جب شورشِ پیہم ہوتی ہے، گونگے، بہرے بن جاتے ہیں
جذبات میں طوفان اٹھتے ہیں تب جشن منائے جاتے ہیں

جو حرص و ہوس کے بندے ہیں، تاریخ کے عنوان بنتے ہیں
اور اہلِ وفا کے نام و نشان صفحوں سے مٹائے جاتے ہیں

ہم مجبوروں، مظلوموں کی یہ دنیا کیسی دنیا ہے
کچھ دیر ہنسائے جاتے ہیں، کچھ دیر رلائے جاتے ہیں

اے لوگو! کیسی ریت چلی ہے انسانوں کی بستی میں
سینوں میں عداوت ہوتی ہے اور ہاتھ ملائے جاتے ہیں

اس محفلِ فکر و فن میں بھی تعمیرِ چمن کی بات کرو
اِن سنگینوں سے پیار کے بھی جذبات جگائے جاتے ہیں

ایک رنگ نہیں، صد رنگ چمن، آباد رہے، شاداب رہے
ہو فصلِ خزاں، یا موسمِ گل، اس گیت کو گائے جاتے ہیں

دو اُن کو دعائیں جا کے سلام! جو تم کو ستائے جاتے ہیں
کانٹے بھی بچھائے جاتے ہیں، پتھر بھی چلائے جاتے ہیں

رفیق کی ڈاک

رفیق منزل ڈائجسٹ کی شکل میں نکلے

دسمبر کا رفیق منزل موصول ہوا۔ رسالہ معیاری اور ادبی پہلو کا بہترین ہے۔ ہر زاویہ سے رسالہ مبارکباد کا مستحق ہے۔ مضامین بھی اصلاحی اور موثر انداز کے ہیں۔ لیکن اس سے قبل جو "رفیق" ڈائجسٹ کی شکل میں پٹنہ سے نکلتا تھا وہ رفیق منزل سے بہت اور دیدہ زیب تھا۔ میری حقیر رائے یہ ہے کہ جب آپ رفیق منزل کو اسی شکل میں رکھنا چاہتے ہیں تو اسے اور بہتر بنایئے سوال وجواب کا کالم کے علاوہ دوسرے دلچسپ کالم کا بھی اضافہ کیجئے۔

(حکیم) ایم۔ مختار احمد، کلکتہ (مغربی بنگال)

اسلام مخالف تنظیموں کا تعارف

رفیق منزل کا دوسرا شمارہ پہلے شمارے سے کافی بہتر ہے۔ اگر ہندوستان میں مختلف اسلام مخالف تنظیموں اور ان کی سازشوں سے قارئین کو آگاہ کیا جائے تو اس سے بہت بڑا فائدہ ہوگا۔

عبداللہ بہاری، عمرآباد (تامل ناڈو)

طالبات تنظیم کی ضرورت

رفیق منزل کا پہلا شمارہ نظر نواز ہوا۔ سبھی مضامین قابل مبارک باد ہیں۔ خاص کر مولانا جلال الدین صاحب کا مضمون "ہم تحریک اسلامی کا کام کیسے کریں" بہت پسند آیا ایک نئے اور اچھوتے پیرائے میں نوجوانوں کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔

نسیم انجم صاحبہ کا مضمون "تحریک اسلامی اور طالبات تنظیم" ایک اہم ضرورت کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ انھوں نے ایک ایسی تنظیم کے بنیاد کی طرف زور دیا ہے جو آج ہمارے خیال سے ہندوستان میں نہیں ہے اگر یہ تنظیم بن گئی تو ایک بہت بڑی ضرورت پوری ہو جائے گی اور طالبات کو ایک پلیٹ فارم پر یکجا ہونے کا موقع ملیگا۔ یہ پلیٹ فارم خود انھیں کا ہوگا۔ اس کیاری کی یہی نسل آبیاری کرے گی ہمارے دانشوروں اور ذمہ داروں کو اس طرف خاص کر دھیان دینے کی ضرورت ہے کیونکہ یہ نسل بذات خود ایک بہت بڑی انجمن ہے اور ان کا عمل دخل انسانی معاشرے میں بہت زیادہ ہے۔

اظہر حسین خاں، پرتاپ گڑھ (یوپی)

قرآن وحدیث کے کالم

جنوری کا شمارہ پہلے شمارہ کی بہ نسبت معیاری ہے اگر اس میں درس قرآن وحدیث کے کالم بھی شامل کر لئے جائیں تو ٹھیک ہے

محی الدین عمرآباد (تامل ناڈو)

کیریر گائیڈنس کا کالم ہو

اللہ کا فضل ہے رفیق منزل کا دوسرا شمارہ بھی پڑھنے کا موقع ملا۔ رسالہ بہت اچھا لگا لیکن ایک کمی محسوس ہوئی کہ کھیل کے میدان سے کوئی بھی مضمون سامنے نہیں آیا۔ رابطہ وغیرہ بھی نہیں ہے۔ کیریر گائیڈنس کا کالم بھی شروع کریں

امید قوی ہے کہ رفیق منزل وقت پر شائع ہوتا رہے گا۔ اللہ اسے مفید سے مفید تر بنانے کے لئے آپ لوگوں کو توفیق عطا فرمائے۔

آفاق الرحمن۔ ارریہ (بہار)

پسند آیا

رفیق منزل کا دوسرا شمارہ ملا۔ پڑھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ "مایوسی گناہ ہے" اور "رانگ نمبر" دونوں مضامین بہت پسند آئے عطا عابدی صاحب کی غزل بھی اچھی لگی۔

رحیم خاں۔ لاتور (مہاراشٹر)

میزانِ عمل (۱)

رفیق منزل نظر نواز ہوا۔ ماشاء اللہ ترقی کی منزلیں طے کر رہا ہے۔ میزانِ عمل اپنے اندر بہت افادیت لئے ہوئے ہے۔ اس سے مختلف جگہوں پر تحریکی عمل ہوگی۔

ٹی۔ امیر احمد۔ بنگلور (کرناٹک)

(۲)

رفیق منزل کا پہلا اور دوسرا شمارہ نظر نواز ہوا۔ تحریکی سرگرمیوں کا عنوان میزانِ عمل کچھ عجیب وغریب معلوم ہوتا ہے یہ عنوان سرگرمیوں کے بجائے احتساب کے لئے بولا جاتا ہے۔ میزانِ عمل کی جگہ کوئی اور نام رکھیں تو بہتر ہے

محمد مقیم الدین، کلکتہ (مغربی بنگال)

ایم۔ اے۔ شمسی صاحب

رفیق منزل کا تازہ شمارہ ایس۔ آئی۔ او کے دفتر میں دیکھا۔ پتہ آیا۔ کوئی ایم۔ اے۔ شمسی صاحب دو گھرا والے کی غزل شائع ہوئی ہے۔ رفیق میں نثری مضامین بالخصوص کتابوں پر تبصرے ایم۔ اے۔ شمسی کے نام سے اب تک اس خاکسار نے لکھے ہیں۔ نئے ایم۔ اے۔ شمسی صاحب کی غزل کی اشاعت سے یہ غلط فہمی قارئین کو ہو سکتی ہے اس لئے اگر مناسب سمجھیں تو اس کی وضاحت فرما دیں کہ نثری مضامین، افسانے اور تبصرے وغیرہ جو اس غزل کی اشاعت سے پہلے ایم۔ اے۔ شمسی کے نام سے شائع ہوئے ہیں وہ اس نالائق (محمود عالم شمسی = ایم۔ اے۔ شمسی) کے تھے۔ حجاب اور ذکری میں ۱۹۷۰ء اور ۱۹۷۱ء میں بھی افسانے ایم۔ اے۔ شمسی کے نام سے اس خاکسار نے لکھے تھے۔ میں نے یہ قلمی نام اک مجبوری کے تحت اختیار کیا تھا۔ نئے ایم۔ اے۔ شمسی کے ساتھ کیا مجبوری ہے مجھے نہیں معلوم — یہ وضاحت اس لئے ضروری معلوم ہوتی ہے کہ ایک کہانی "بے حسوں کی بستی میں" میں اپنے مجموعہ میں شامل کرنے والا ہوں جو ۱۹۸۰ء میں کلکتہ کے ایک لائبریری (امیر علی لائبریری) کے سوینیر میں محمود عالم کے نام سے پھر رفیق میں مئی جون ۱۹۸۴ء کے شمارے میں ایم۔ اے۔ شمسی کے نام سے شائع ہوئی تھی۔

محمود عالم۔ پٹنہ (بہار)

ان بھائیوں کے خطوط بھی موصول ہوئے

نسیم اختر (سیتا مڑھی بہار)، محمد فیاض مالیگاؤں (جامعۃ الفلاح)، خالد حسن رشید (جامعۃ الفلاح) محمد اسماعیل خاں بستوی (جامعۃ الفلاح) ابوطالب (جامعۃ الفلاح اعظم گڑھ)، سید صابر علی (انجمن گاؤں سورجی، مہاراشٹر)

<u>کیمپس نیوز</u>

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں انتخابات کا مسئلہ

دہلی یونیورسٹی میں طالبات کے ساتھ بدسلوکی

—— ارشد اجمل

آج قومی اخبارات میں دو جامعات کو کافی جگہ مل رہی ہے۔ ایک مرکزی جامعہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور دوسرے دہلی یونیورسٹی۔ علی گڑھ میں مسئلہ طلبہ یونین کے انتخابات کا ہے اور دہلی یونیورسٹی میں طالبات کو چھیڑنے اور نازیبا حرکات کرنے کا ہے۔ اور ان دونوں جامعات کے مسئلے کا اونٹ تادم تحریر کون کروٹ نہیں بیٹھا ہے۔ لیکن پہلے علی گڑھ۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شیخ الجامعہ جناب سید ہاشم علی صاحب نے ایک ہدایت نامہ برائے طلبہ یونین" جاری کیا۔ جس کے تحت درج ذیل قسم کے طلبہ کو طلبہ یونین کے انتخابات میں بحیثیت امیدوار آتے ہیں اور متوقع انتخابات میں بھی حصہ لینا چاہتے ہیں۔ سینئر طلبہ سے گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا اور شیخ الجامعہ نے اپنے ہدایت نامہ کو واپس لینا منظور کر لیا لیکن ایک شرط جس کے تحت وہ طلبہ جو اپنے تعلیمی کیریر کے درمیان چھ ماہ کے لیے معطل کئے گئے ہوں انتخابات میں حصہ نہیں لے سکتے ان کو واپس لینے سے انکار کر دیا اور اب یہی شرط وجہ اختلاف بنا ہوا ہے۔ اور اندازہ نہیں ہو پاتا کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔ البتہ طلبہ اور انتظامیہ جو رُخ اختیار کرنے والے ہیں اس کا کچھ اندازہ ہونے والے واقعات اور بیانات سے ہوتا ہے۔

۴ر دسمبر کو انتخابات کی تاریخ متعین تھی اور مطابق الیکشن کرادیں اور ان کی مجوزہ ترمیات کو طلبہ کی General Body میں غور و فکر کے لیے پیش کر دیا جائے جب کہ شیخ الجامعہ سمجھتے ہیں کہ انھیں دستور میں تبدیلی کا اختیار ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ طلبہ اور انتظامیہ میں تال میل نہیں ہونے کی وجہ S.H.R وائس چانسلر اور رجسٹرار کا ہونا ہے (اس جامعہ میں ۱۹۸۱ء سے ہی S.H.A وائس چانسلر رہے ہیں) جو طلبہ کے مزاج سے واقف نہیں ہوتے اور معاملات کو بیوروکریٹک انداز میں لیتے ہیں۔

اس بیچ ۳۰ طلبہ کی معطلی کا واقعہ بھی پیش آیا۔ جس میں بڑی تعداد اسٹوڈنٹس اسلامک موومنٹ سے منسلک

<u>وکیل پر چوری کا الزام</u>

ہوالیوں نے ایک صاحب کو سینٹ اسٹیفنس کالج کے طلبہ نے پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دیا۔ ان پر الزام تھا کہ انھوں نے ایک پرس چوری کیا ہے۔ پولیس نے انھیں کورٹ میں پیش کرتے وقت ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑی لگی رہنے دی۔ کورٹ میں انکشاف یہ ہوا کہ موصوف پیشے کے اعتبار سے وکیل ہیں۔ ہم پیشہ بھائیوں کی حمیت جاگی اور انھوں نے مظاہروں اور ہڑتالوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ کہا یہ گیا کہ "اگر کوئی اقدام کسی وکیل کے خلاف کوئی آفیسر لینا چاہتا ہے تو اسے پہلے ہائی کورٹ کو اور متعلقہ بار کورٹ کو اعتماد میں لینا چاہیے" سوال یہ اٹھایا گیا کہ آخر وکلاء کے ساتھ خصوصی رویہ کیوں اپنایا جائے۔ کوئی جواب اس سلسلے میں ابھی تک نہیں آیا ہے۔

وکلاء کی حمایت میں بار ایسوسی ایشن دہلی کے ذمہ داروں، دہلی ہائی کورٹ، ڈسٹرکٹ کورٹس (پٹیالہ ہاؤس اور شاہدرہ) وکالت کے طالب علموں، دہلی پردیش کانگریس کمیٹی (بجے) اور بھارتیہ جنتا پارٹی نے بیانات دیئے ہیں۔ دو مطالبات خاص طور سے سامنے آئے ہیں ایک تو مسز کرن بیدی ڈسٹرکٹ کمشنر آف پولیس (شمال) کی برطرفی کا مطالبہ ہے جن کے آفس پر وکلاء نے مظاہرہ کیا اور وہاں لاٹھی چارج ہوا جس کے نتیجہ میں تیس افراد زخمی ہوئے۔ دوسرا مطالبہ اس واقعہ کے جوڈیشل تحقیق کا ہے۔ مسٹر پرکاش کمار سب ڈویزنل مجسٹریٹ کوتوالی پر اس واقعہ کی تحقیق کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے۔

کھڑا ہونے کی اجازت نہیں تھی (الف) وہ جو اپنے کورس کے امتحان میں متعینہ مختصر مدت میں کامیاب نہ ہو سکے ہوں (ب) جن کی تعلیم میں ایک سال سے زائد کا انقطاع ہوا ہو (ج) اور وہ جو پانچ سالوں سے جامعہ کے لگاتار طالب علم رہے ہوں۔ مذکورہ بالا شرائط کی وجہ سے طلبہ نما بے چینی پھیلی۔ خصوصاً ان طلبہ میں جو ان اقسام میں

۸ر دسمبر تک پرچہ نامزدگی داخل کرنے کی آخری تاریخ تھی۔ اس تاریخ تک صرف دو ہی پرچہ نامزدگی داخل کئے گئے اور وہ بھی واپس لے لیا گیا۔ طلبہ کا کہنا ہے کہ طلبہ یونین کے دستور میں تبدیلی کا اختیار طلبہ کی General Body کو ہے اور اگر شیخ الجامعہ دستور میں تبدیلی چاہتے ہیں تو پہلے والے دستور کے

طلبہ کی تھی۔ ابھی کی اطلاع کے مطابق گویا کہ ان طلبہ کی معطلی ختم کر دی گئی ہے لیکن انھیں مختلف سزائیں دی گئیں مثلاً جرمانہ اور ہاں رہائش گاہ کی تبدیلی اور آگے کے کورسز میں داخلہ کا نہیں ملنا وغیرہ طلبہ پر سزا لِہ اس لیے لگا کہ وہ شیخ الجامعہ تقریبات برائے "نوجوان" کے موقع پر طالبات کے ناچ گانے کے پروگرام کو روک گئے

کے لئے احتجاج کر رہے تھے۔ فی الوقت فضا میں تناؤ ہے اور جمعہ کی نماز کے بعد طلبہ لیڈران اپنے مختلف پروگرام انجام دیتے ہیں کیونکہ یونیورسٹی میں میٹنگ اور ریلی وغیرہ کی اجازت نہیں ہے۔

دہلی یونیورسٹی میں ایک دوسرے طرح کا ہنگامہ بپا ہے۔ مخلوط سماج کی تعمیر کا عزم رکھنے والے کبھی کبھی اس کے کڑوے پھلوں کو نگل نہیں پاتے۔ ۲۹ جنوری کو یونیورسٹی کے لئے مخصوص بس، جو کہ کالکاجی جا رہی تھی اس میں یونیورسٹی کے طلبہ و طالبات سفر کر رہے تھے۔ ایک مقام پر بیس نوجوان بسوں میں سوار ہوئے اور طالبات کے قریب بیٹھے طلبہ کو اٹھا کر خود بیٹھ گئے۔ اور ان کو چھیڑنے اور تنگ کرنے لگے۔ (ایک ہفتہ قبل بھی ایسا ہی واقعہ ہو چکا ہے) بعض طلبہ نے اس پر احتجاج کیا تو ان کو زد و کوب بھی کیا۔ بعد میں بس کو دیال سنگھ کالج کی طرف ڈرائیور کو دھمکی دے کر گھمالیا اور یہ نوجوان اسی کالج کے پاس اتر گئے۔ بعد میں بس میں سوار دو طلبہ نے ان میں سے ایک نوجوان کو دیال سنگھ کالج کے پاس سے پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دیا۔

اس واقعے کو لے کر کافی ہنگامہ ہوا۔ سینٹ اسٹیفن کالج، میرانڈا ہاؤس، ہندو کالج، کروڑی مل کالج اور خالصہ کالج و دیگر کے طلبا و طالبات نے مل کر مظاہرہ کیا اور تقریباً دو گھنٹے تک مال روڈ پر ٹریفک کو روک دیا۔ اس کے نتیجے میں تین سو لوگوں کی گرفتاری عمل میں آئی جن کو بعد میں رہا کر دیا گیا۔ اس واقعے کی تفتیش کے لئے وائس چانسلر نے آئی۔ پی سنگھ پروکٹر دہلی یونیورسٹی کی قیادت میں ایک کمیٹی تشکیل دی ہے جس نے آٹھ طلبہ سے پوچھ گچھ کی ہے۔ طلبہ کے مطالبات میں ایک مطالبہ طالبات کے لئے زیادہ بسوں کا ہے۔ ●●

تصحیح

جنوری کے شمارہ میں صفحہ ۲۲ پر آیت اس طرح پڑھیں ظہر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس اور صفحہ ۱۶ پر شعر یوں ہے۔

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

مجاہدوں کا حسیں جہاں ہے

* گوہر ملسیانی

— ۱ —

عیاں ہے ہر مومنانہ اس کا
جمال اس کا جلال اس کا
فضا میں رنگ و سرور اس کا
سنائیں نغمہ طیور اس کا
اسی کا دنیا میں غلغلہ ہے
اسی کا سارا یہ سلسلہ ہے
اسی سے مومن کا دل جواں ہے
مجاہدوں کا حسیں جہاں ہے

— ۲ —

حیات اس کی ثبات اس کی
یہ دن اسی کا یہ رات اس کی
وفور شوق و دروں وہی ہے
شعور جذب و فسوں وہی ہے
نوید صبح حسیں اسی سے
مجاہدوں کو یقیں اسی سے
صعوبتوں میں وہی اماں ہے
مجاہدوں کا حسیں جہاں ہے

— ۳ —

سحر کا تارا چمک رہا ہے
رخ مسافر دمک رہا ہے
قریب منزل ہے آرزو کی
حسیں خوشبو ہے جستجو کی
مسافتوں کا صعوبتوں کا
چھٹا ہے دامن کدورتوں کا
عروج مسلم کا پھر سماں ہے
مجاہدوں کا حسیں جہاں ہے

— ۴ —

عجیب ان کے معاملے ہیں
کہیں پہاڑوں میں دو ڈھیلے
کہیں فلسطین میں وفائیں
مصیبتوں میں کہیں جفائیں
زمانہ جابر ان سے لڑ رہا ہے
مگر مجاہد ڈٹا ہوا ہے
لہو لہو رنگ داستاں ہے
مجاہدوں کا حسیں جہاں ہے

— ۵ —

زباں پہ نعرہ ہے راستی کا
علم اٹھایا ہے آشتی کا
خدا کا پیغام لے کے جائیں
اسی کے در پہ جبیں جھکائیں
غرور و نخوت کے حاملوں کو
دکھائیں رستہ بھی قاصدوں کو
قدم قدم ان کا حق نشاں ہے
مجاہدوں کا حسیں جہاں ہے

— ۶ —

جواں ارادے مچل رہے ہیں
حسیں جیالے سنبھل رہے ہیں
زمانہ فرسودہ امنگ ان کی
عدو سے ہر وقت جنگ ان کی
جہان فردا انہیں کا ہوگا
صداقتوں کا زمانہ ہوگا
نشان منزل بھی اب عیاں ہے
مجاہدوں کا حسیں جہاں ہے

ایک حقیقت

رضوانہ عزیز (بی۔ اے)
(ارریہ کورٹ)

پوری کائنات اپنے نظم کے لحاظ سے ایک یونٹ ہے جو اس بات کی شاہد ہے کہ منتظم بھی ذات واحد ہوگا۔ چونکہ انسان اپنے علم کے اعتبار سے اس کائنات کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکا اور صرف ایک جزوی علم ہی حاصل کرسکا ہے اس لئے کائنات کے متعلق اسی حیثیت سے بات کہی جاتی رہی ہے آج بھی کائنات کے اسرار کو جاننے کے لئے انسان اپنی پوری جدوجہد کے ساتھ رواں دواں ہے۔ چنانچہ رب کائنات نے بھی انسان کی رہنمائی فرمائی ہے۔

قرآن مجید میں بہت سی جگہوں پر مختلف زاویوں سے خدائے تعالیٰ نے کائنات کے متعلق روشنی ڈالی ہے مثلاً رات دن کا ایک دوسرے کے بعد آنا چاند اور سورج کا اپنے مدار میں گردش کرنا اور خشک زمین کو بارش کے پانی کے ذریعہ ہرا بھرا کرنا وغیرہ۔ انسانی ذہن جب ان آیتوں پر غور کرتا ہے تو اس نتیجے پر پہنچ جاتا ہے کہ یہ نشانیاں کائنات میں خدا کے واحد و نگراں ہونے پر دلیل ہیں یعنی پوری کائنات کا انتظام و انصرام خدا ہی کے کنٹرول میں ہے۔

تمام ستارے و سیارے اپنی اپنی انفرادی حیثیت میں کائنات کی اکائی ہیں مگر سب آپس میں مل کر بھی ایک اکائی کی شکل اختیار کرلیتی ہیں۔ تحقیق جدید میں بھی اس حقیقت کو تسلیم کرلیا گیا ہے چنانچہ یہ سارے ستارے اور سیارے قانون فطرت کی پابندی ایک اکائی کی حیثیت سے کرتے ہیں اور ان کا آپسی تعاون اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ سارے کسی ایک منضبط قانون کے تحت عمل پیرا ہیں مثلاً سورج کی روشنی حرارت کو زمین پر لاتی ہے اگر سورج اپنی روشنی زمین کو نہ بھیجے تو زمین پر زندگی ناپید ہوجائے چنانچہ سورج کا زمین کے ساتھ یہ تعاون یقیناً کسی کے حکم کے تحت ہوسکتا ہے اور پھر سورج کی روشنی کی مقدار اور اس کی حرارت کی مقدار کا تعین خود اس بات کو لازم کرتا ہے کہ یہ سب کوئی بندھے ہوئے قوانین کے تحت ہو رہا ہے یہ تو صرف ایک مثال ہے ورنہ کائنات کے متعلق ساری تحقیقات سامنے لائی جائے تو انسان حیرت زدہ رہ جائے بہر حال فطری احکام میں بندھے ہوئے یہ سیارے و ستارے میں سے کوئی ایک بھی فطری قوانین کی خلاف ورزی کرے یا کرنے پر مجبور کردیا جائے تو یہ وحدت ٹوٹ جائے گی اور نظام کائنات میں فساد و بگاڑ پیدا ہوجائے گا ٹھیک اسی طرح جس طرح جسم انسانی کے اندر کوئی عضو غیر معتدل ہوجائے تو جسم کے اس حصہ میں بگاڑ پیدا ہوجاتا ہے اور بعض دفعہ تو پورا جسم ہی اس فساد کی لپیٹ میں آجاتا ہے اس طرح صرف نظام شمسی کے اندر صرف سورج و زمین کا فاصلہ ہی کم و بیش ہوجائے تو نظام شمسی میں زبردست تباہی آجائے۔

اس اصول کے تحت اگر زمین کے نظام پر غور کیا جائے تو انسانوں کے اس گروہ میں بھی ایک اکائی پائی جائے گی جو حضرت آدم میں ضم ہوتی ہے اس تعلق کی بنا پر ہر انسان ایک دوسرے کا بھائی بنا جس نے اس کے اندر ایک یونٹی پیدا کردی لہذا اس یونٹی کو قائم رکھنے کے لئے زمین کے نظام کو فطری قوانین پر استوار کرنا ضروری تھا تاکہ یہ فطری رابطہ جو ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ رکھتا ہے برقرار رہتا۔ چنانچہ زمین پر انسانی زندگی کا آغاز خدا کے نمائندے حضرت آدمؑ کے ذریعہ خدا کی کامل اطاعت ہوا جس طرح ایک خدا کی حاکمیت و اطاعت سے کائنات میں نظم و ضبط اور امن قائم و دائم ہے اسی طرح زمین پر بھی امن و سکون کے لئے پوری زمین پر خدا کی بندگی و اطاعت لازم ہوگی مگر جب انسانوں نے زمین کو مختلف ٹکڑوں میں تقسیم کرکے اس پر اپنی اپنی حکومت قائم کردی اور اپنے بنائے ہوئے قانون کو نافذ کردیا تو انسانوں کی فطری اکائی ٹوٹ گئی اور فطرت کے ساتھ جو انسان کا تعلق تھا وہ بھی غیر فطری قوانین نافذ ہونے سے بگڑ گیا اور اس کا نتیجہ یا رد عمل آج پوری انسانیت کے سامنے دو شکلوں میں آگیا ایک تو آپسی میں بغض و نفرت ظلم و زیادتی بڑھتی چلی گئی اور زمین پر امن و شانتی کے بجائے بے امنی اور تاریکی پھیل گئی اور انسان ایک دوسرے کا بھائی نہ بن کر خون کا پیاسا ہوگیا دوسری طرف فطرت نے اپنی امان اٹھالی اور آلامی طوفان زلزلہ اور آب و آتش کا جہنم کھول دیا۔ لہذا اولوالالباب کے لئے ایک بار پھر یہ مسئلہ سامنے آ کھڑا ہوا ہے کہ زمین پر امن و شانتی کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس پر فطری قوانین نافذ کئے جائیں اور انسانوں

کی یہ قولی اس لئے آئے ظاہر ہے کہ دنیا میں نافذ سارے انسانی قوانین فطری نہیں کہے جاسکتے کیونکہ فطری قوانین فاطرالسموات ہی بناسکتا ہے جسے اپنے نمائندے کے ذریعہ انسانوں کو بھیج سکتا ہے اس روشنی میں اگر تمام نظریاتی تعصب کو ہٹا کر دیکھا جائے تو اسلامی قوانین ہی وہ فطری قوانین ہیں جن کو بھیجنے کا بندوبست فاطرالسموات نے کیا ہے اس کے نمائندے اس کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اسی کو انسانیت کی فلاح و کامرانی کا ضامن قرار دیا جاسکتا ہے۔

سرورِ عالم بحیثیت داعی

عبداللہ عادل۔ آمبور

آپ کچھ قیاس کیجئے ایک سہ منزلہ عمارت ہے اس کے چھت پر بالکل کنارے ایک خوبصورت بچہ جس کے حسن پر مہتاب رشک کرے بیٹھا پیہم آگے بڑھ رہا ہے قریب ہے کہ اس کے جسم سے اس کی جان جدا ہوجائے اور اس کا وجود اس صفحۂ ہستی سے ہمیشہ کے لئے ختم ہوجائے

اسی طرح ایک ریل پوری تیز رفتاری کے ساتھ فراٹے بھرتی ہوئی آرہی ہے پٹری پر چند لڑکے بے خبر ہوکر کھیل میں منہمک ہیں۔ ان حالات میں آپ کا ردعمل کیا ہوگا کیا آپ سکوت کو ترجیح دیں گے؟ ہرگز نہیں آپ کوشش میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گے جو ان کے جان کی امین بن سکے۔

حضورؐ اپنا تعارف داعی کی حیثیت سے کراتے ہوئے فرماتے ہیں میری مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ روشن کی جس کی چمک سے سارا ماحول روشن ہوچکا۔ روشنی کی وجہ سے کیڑے پتنگے اس پر گرنے لگے وہ پوری قوت کے ساتھ ان کو روکتا ہے پتنگے اس کی کوشش کو ناکام بنارہے ہیں آگ میں گرے پڑرہے ہیں حضور پرنورؐ نے فرمایا اسی طرح میں تمہیں کمر پکڑ پکڑ کر آگ سے روک رہا ہوں لیکن تم ہو کہ آگ میں گرے پڑرہے ہو۔

غرض وہ دردانگیز منظر دیکھ کر تڑپ اٹھتا ہے انسانی درد سے بے قرار ہوتا ہے کفر و معصیت کے تباہ کن انجام کے تصور سے کانپتا ہے رسالت کے گراں قدر ذمہ داری سے لرزتا ہے قوم کی سرکشی سے پریشان ہوکر فکر و غم کے سائے میں اپنے شب و روز گزارتا ہے وہ فریضہ رسالت کے احساس، رضائے الٰہی کی فکر، انسانیت کا درد اور آخرت کی کامیابی کے تصور ہی میں زندگی گزار دیتا ہے۔

آپ کے داعیانہ اضطراب کی ایک مثالی جھلک سفر طائف ہے۔ باغیان اسلام نے آپؐ سے بدترین سلوک کیا اور آپؐ بری طرح زخمی ہوئے اس کے باوجود آپ کی دعا آپ کے داعیانہ وصف کی عکاسی کرتی ہے آپؐ فرماتے ہیں "اے اللہ میں تجھی سے اپنی بے بسی اور بے چارگی اور لوگوں کی نگاہ میں اپنی بے قدری کا شکوہ کرتا ہوں تو سارے کمزوروں کا رب ہے اور تو ہی میرا رب ہے مجھے تو کس کے حوالے کررہا ہے؟ کیا کسی بیگانے کے حوالے جو میرے ساتھ درشتی اور دشمنی سے پیش آئے یا کسی دشمن کے حوالے جو مجھ پر قابو پالے۔ اگر تو مجھ سے خفا نہیں ہے تو مجھے کسی مصیبت کی پرواہ نہیں مگر تیری طرف سے مجھے عافیت مل جائے تو میرے لئے اس میں زیادہ کشادگی ہے۔ پھر حکم الٰہی سے جبرئیلؑ اجازت چاہتے ہیں کہ آپؐ حکم دیں تو اس بستی کو نیست و نابود کردیا جائے لیکن آپؐ کا جواب تاریخ کے سنہرے الفاظ میں لکھا گیا۔ آپؐ نے فرمایا یہ نادان ہیں اور یہ اگر ایمان نہ لائیں تو ہوسکتا ہے کہ ان کی نسلیں ایمان لے آئیں گی۔

صلح حدیبیہ میں داعیانہ کردار میں حکمت کا پہلو ہمارے سامنے آتا ہے کفار مکہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور محمد رسول اللہ کے لکھنے پر رضامند نہیں ہوتے وہ کہتے ہیں یہ رحمٰن و رحیم کون ہے ہم نہیں جانتے اور ہم تمہیں رسول اللہ مان لیں تو جھگڑے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا حضورؐ اپنے ہاتھوں سے قابل اعتراض الفاظ کاٹ دیتے ہیں کیوں کہ حکمت کا وسیع پہلو آپؐ کے سامنے تھا حالانکہ صحابہ تک یہ سمجھنے لگے کہ صلح دب کر کی جارہی ہے لیکن ایک سال کے اندر وہ اپنے اندر جو نتائج لے آئی اس کی مثال تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے کیوں کہ آپؐ کے سامنے نصب العین تھا اس تک پہنچنے کی انتہائی لگن تھی آپؐ نے وقتی مسائل کو نصب العین نہیں بنایا۔

قرآن آپ کو تسلی دیتے ہوئے کہتا ہے فلعلك باخعٌ نفسك علی اثارھم ان لم یومنوا بھذا الحدیث اسفا شاید اس رنج میں آپ اپنے آپ کو ہلاک ہی کر ڈالیں اگر یہ لوگ اس کلام ہدایت پر ایمان نہ لائیں واعرض عن المشرکین ولو شاء اللہ ما اشرکوا وما جعلناك علیھم حفیظًا وما انت علیھم بوکیل۔ مشرکین کے پیچھے نہ پڑو اللہ کی مشیت یہ ہوتی تو یہ شرک نہ کرتے ہم نے تم کو پاسبان یا حوالہ دار مقرر نہیں کیا ہے دعوت کے صحیح طریق کار کی وضاحت کرتے ہوئے حضورؐ نے فرمایا "میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ غضب و رضا دونوں حالتوں میں انصاف کی بات کروں جو مجھ سے کٹے میں اس سے جڑوں جو مجھے میرے حق سے محروم کرے میں اس کا حق اسے دوں جو میرے ساتھ ظلم کرے میں اس کو معاف کردوں داعیٔ حقؐ صبر کا ایک اعلیٰ نمونہ تھے قرآن بھی آپ کو صبر کی تلقین کرتا ہے

فاصبر علی ما یقولون وسبح بحمد ربك

اے نبی صبر کرو ان باتوں پر جو یہ لوگ بناتے ہیں اور اپنے رب کی حمد و ثنا کے ساتھ اس کی تسبیح کرو۔

امام احمد کی مسند میں حضرت ابوہریرہ کی روایت نقل کی گئی ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا اور حضرت ابو بکرؓ کو گالیاں دیں حضرت ابو بکرؓ خاموش گالیاں سنتے رہے اور حضورؐ مسکراتے رہے آخر کار حضرت صدیق کا پیمانہ صبر لبریز ہوگیا اور آپ نے جواب میں سخت بات کہدی حضورؐ مجلس سے اٹھے اور چلنے لگے آپؐ کا چہرہ بدل چکا تھا حضرت ابو بکرؓ ساتھ چلتے ہیں اور آپ کے غصہ کی وجہ دریافت کرتے ہیں۔ حضورؐ ارشاد فرماتے ہیں جب تک تم خاموشی کے ساتھ گالیاں سنتے رہے ایک فرشتہ تمہاری طرف سے جواب دیتا رہا تھا لیکن جب تم نے جواب دے دیا فرشتہ کی جگہ شیطان نے لے لی اور میں شیطان کے ساتھ نہیں رہ سکتا ایک عورت آپ پر روزانہ کوڑا کرکٹ ڈالا کرتی تھی وہ ایک روز کوڑا کرکٹ نہیں ڈالی آپ وجہ دریافت کرنے اس کے گھر جاتے ہیں۔ پتہ چلا کہ وہ بیمار ہوگئی آپؐ نے عیادت کی جس سے وہ عورت متاثر ہوکر آغوش اسلام میں آگئی۔

داعی کی حیثیت سے آپ اپنے مشن میں اتنے بے غرض تھے کہ مال اور اقتدار کی ہوس دلائی گئی لیکن آپ نے سب کو ٹھکرا دیا اور کہا کہ میرے ایک ہاتھ میں چاند اور دوسرے ہاتھ میں سورج بھی رکھ دیا جائے پھر بھی اپنے مشن سے باز نہیں آؤں گا ملاحظہ فرمایئے اچھی خاصی تجارت تھی لیکن اب افلاس میں مبتلا ہوگئے قوم میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے ہر شخص ہاتھوں ہاتھ لیتا تھا اب ہیں کہ گالیاں دی جارہی ہیں اور پتھر کھا رہے ہیں بلکہ جان بھی خطرہ میں پڑی ہوئی ہے۔ چین سے اپنے بیوی بچوں میں دن گزار رہے تھے اب ایسی کشمکش میں پڑے ہوئے ہیں جو کسی دم قرار لینے نہیں دیتی بات صرف اتنی ہی نہیں کہ ایسی دعوت لے کر اٹھے ہیں جس سے سارا ملک دشمن ہوگیا ہے قربانی و جاں نثاری کا یہ عالم کہ صدقہ و خیرات میں پیش پیش لیکن خود اختیاری افلاس کو اپنائے ہوئے کوئی جائداد آپ نے نہیں چھوڑی آپ کا پیغام ہی آپ کی سب سے بڑی جائداد تھی۔ لخت جگر جب آپ سے جدا ہوئے تو شمع روشن کرنے کے لئے مٹی کا تیل دستیاب نہیں اور خود آپ کے وصال پر یہی صورت حال پیش آئی۔

تحریک اسلامی اور داعی

عبدالغنی۔ سہارنپور

تحریک اسلامی دوسری تمام تحریکوں کے مقابلہ میں دو وجوہ سے امتیازی مقام رکھتی ہے ایک وجہ تو یہ ہے کہ دوسری تمام اصلاحی تحریکیں جزوی ہیں۔ کوئی حکومت و سیاست کی تو کوئی صرف اخلاق و کردار کی درستگی کے لئے اٹھی۔ کسی نے تعلیم کو مطمع نظر بنایا تو کسی نے مسلمان کو اپنا مخاطب قرار دیا۔ یہ خصوصیت ہمیشہ سے صرف تحریک اسلامی کو ہی حاصل رہی ہے کہ جس نے عبادت و سیاست، معاشرت و معیشت، تہذیب و تمدن غرض تمام شعبہ ہائے زندگی کو اصلاح کی روشنی سے منور کیا۔ اس تحریک کی دوسری وجہ امتیاز یہ ہے کہ عام تحریکوں جیسے آزادی وطن کی تحریک، کے لئے معاشرہ میں راہ ہموار ہوتی رہتی ہے لوگ منتظر ہوتے ہیں کہ کب ان کے مفادات کے تحفظ کے لئے کوئی تحریک اٹھے پھر جوں ہی اس قسم کی کوئی تحریک اٹھتی ہے فوراً ہی کچھ لوگ اس کا دامن تھام لیتے ہیں اور اکثر کی ہمدردیاں اس کے ساتھ ہو جاتی ہیں۔ لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جوں ہی دعوت حق کی تحریک لے کر اٹھے دیکھتے ہی دیکھتے غیر تو کیا خود اپنے بھی دشمن بن گئے کیونکہ یہ تحریک مشرکین عرب میں جاری غلط رسم و رواج و باپ دادا کی اندھی تقلید کی مخالفت اور خدا کی وحدانیت کی تعلیم پر مبنی تھی۔ پھر عرب سے باہر بھی باقی دنیا کی حالت بنیادی طور پر عرب سے کچھ مختلف نہ تھی جو اس تحریک کے لئے کسی قسم کا سازگار ماحول فراہم کرسکتی۔ بعثت محمدؐ سے قبل روم اور فارس دنیا کی برتر طاقتیں تھیں۔ روم کا مذہب عیسائیت اور فارس کا مجوسیت تھا۔ تہذیب و تمدن کا گہوارہ کہلانے والی طاقتوں میں لوٹ مار کا بازار گرم تھا زور آور کمزور کو پیسے چلے جارہے تھے۔ عیار پرستی و قبر پرستی عام تھی۔ مذہبی لوگ بداخلاقی کا نمونہ تھے۔ خود ہندوستان میں مندر کے پجاری مذہب کے نام پر عام لوگوں کا خون چوس رہے تھے۔ دیوی دیوتاؤں کی تعداد بڑھتے بڑھتے ۳۳ کروڑ تک پہنچ گئی تھی۔ ان حالات میں صرف وہی تحریک کامیاب ہوسکتی تھی جس کی کوئی مضبوط بنیاد ہو اور جو فلاح انسانیت کا اعلیٰ نصب العین رکھتی ہو ساتھ ہی اس کا داعی بلند تر کردار کا مالک ہو۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس تحریک کی کامیابی نے اپنے فلاح انسانیت پر مبنی اعلیٰ نصب العین اور اپنے داعی کا بلند کردار کا مالک ہونا ثابت کر دیا ہے۔ محسن انسانیتؐ نے دعوتِ حق کا آغاز جس مقام سے کیا وہاں کے لوگوں میں جہالت کی انتہا تھی بات بات پر لڑنا جھگڑنا، اپنی ضد پر اڑے رہنا ایسی بیماریاں تھیں جو ان کی اصلاح میں بہت بڑی رکاوٹ تھیں مزید یہ کہ عرب توحید و رسالت، خدا کی ذات و صفات کے تصور وحدانیت سے خالی الذہن تھے سوائے اہل کتاب کے۔ گویا ان کے لئے یہ دعوت بالکل اجنبی تھی۔ ان سب کے باوجود تحریک اسلامی نے جس طریقہ پر کامیابی کے منازل طے کئے وہ حیرت انگیز ہے۔

باقی صفحہ پر

اچھے ساتھی

ثناء اللہ

آج عارف حسب معمول اسکول کو
ب رواں دواں تھا کہ راستے میں اسے ایک
کا ملا نام تو اس لڑکے کا آفاق تھا لیکن لڑکے
سے پچی کہتے تھے یہ لڑکا بہت ہی شریر تھا اسی
جہ سے اس کا نام اسکول سے خارج ہو گیا تھا۔
پر جناب اس لڑکے نے عارف کو تنگ کیا اس
پر طنزیہ جملے کسے۔ عارف نے اس کو کوئی جواب
نہ دیا اور اسکول کی طرف چل دیا اسکول پہنچا۔
سبق پڑھا اسکول کی چھٹی کے بعد وہ گھر کی طرف
آرہا تھا کہ وہی لڑکا اسے پھر ملا تو عارف اس
کے قریب گیا اس کو سلام کیا اور اپنے ساتھ
گھر لے آیا اور کہا کہ آج کھانا میرے ساتھ
کھاؤ گے اس کے بعد عارف نے اسے سمجھایا
کہ ادھر ادھر بے مقصد گھومنا اور آوارہ گردی
کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ تمہاری زندگی کا جو
مقصد ہے اسے سمجھو۔ اس کے بعد عارف نے اس
سے پوچھا کبھی تم نے قرآن پڑھا ہے۔ آفاق
نے کہا نہیں۔ عارف نے اسے قرآن پڑھنے پر
آمادہ کیا اور دونوں نے مل کر وقت طے کر لیا
کہ کب قرآن پڑھیں گے۔ جب آفاق واپس
جانے لگا تو عارف نے محترم خرم جاہ مراد کا
درس قرآن بعنوان تزکیہ نفس جو کیسٹ میں
ٹیپ تھا اسے سننے کو دیا آفاق نے گھر پہنچ
کر وہ کیسٹ سنا تو اس کی آنکھوں سے آنسو
بہنے لگے اور اس کے دل میں اپنی زندگی اللہ
کے احکامات کے مطابق گزارنے کا جذبہ پیدا
ہو گیا اس کے بعد اس نے عارف سے مولانا
سید ابوالاعلیٰ مودودی کی دو کتابیں سلامتی
کا راستہ اور دینیات لے کر پڑھیں اس نے
عارف سے کہا کہ میں اندھیرے میں تھا تم نے
روشنی دکھا دی عارف نے کہا کہ یہ سب اللہ
کی مرضی سے ہوا ہے اور اس طرح وہ لڑکا راہ
راست پر آگیا اور اس کے بعد وہ اپنے گھر گیا تو
دیکھا کہ وی سی آر پر فلم چل رہی ہے سب لوگ
بیٹھے اس کو دیکھ رہے تھے تو آفاق نے سب کو
کہا کہ خدا کے لئے ان چیزوں کو چھوڑ دو خدا سے
ڈرو تم پر کہیں اس کا عذاب نہ آجائے۔ پھر اس
نے گھر والوں سے کہا کہ میں نے یہ سب چیزیں
چھوڑ دیں اس کے یہ کہنے پر پہلے تو اسے گھر والوں
نے برا بھلا کہا اس کا مذاق اڑایا کہ کل کا لونڈا
ہمیں سمجھانے چلا ہے لیکن آفاق نے ہمت نہ
ہاری اور مسلسل برائیوں سے روکتا رہا آخر کار
اس کی بہن نے اس کی بات مان لی اب یہ دونوں
مل کر دوسروں کو سمجھاتے اس طرح آہستہ آہستہ
سارے گھر والے ان کے ہمنوا ہو گئے۔ اس کے
ساتھ ساتھ عارف اور آفاق نے اپنے دیگر ساتھیوں
کو اس طرف دعوت دی اور جو لڑکے ان کے ساتھ
ہو گئے اور برائیوں کو چھوڑ کر نیکیاں اختیار کر لیں
ان کے ساتھ مل کر عارف نے اپنے علاقے میں
ایک نئی تنظیم کا افتتاح کیا اور اس تنظیم کا نام
"اچھے ساتھی" رکھا پھر اچھے ساتھی کے زیر اہتمام
مختلف سرگرمیاں انجام دی جانے لگیں ایک
لائبریری قائم کی گئی جس میں مختلف تعمیری موضوعات
پر کتابیں جمع کی گئیں وہاں سے باقاعدہ کتابیں
جاری ہوتیں لڑکے اپنا وقت فضول کاموں
ضائع کرنے کے بجائے وہاں آکر کتابیں پڑھتے
درس قرآن کی محفلیں ہوتیں۔ تقریری مقابلے
ہوتے۔ معلوماتی پروگرام مثلاً کوئز مقابلے
اور تعلیمی فلموں کا اہتمام ہوتا۔ کھیلوں کا بندوبست
کیا گیا اس طرح پورے محلے کے لڑکوں کی
اکثریت "اچھے ساتھی" کے پرچم تلے جمع ہو گئی
اور انھوں نے اپنے گھروں، رشتہ داروں اور
اسکول میں بھی اچھے ساتھی بنانا شروع کر دیئے۔



ترانہ

ثاقب عباسی

آؤ چل کر ہم سارے ساتھی ایسا کھیلیں کھیل
چاہے دنیا دشمن ہو رب سے ہو اپنا میل
ہم ہیں راہی راہِ خدا کے راہ نہ ہو انمیل

لندن جائے، پیرس جائے، یا جائے برلن
جو یثرب کی سمت نہ جائے کیا وہ ایسی ریل
ہم ہیں راہی راہِ خدا کے راہ نہ ہو انمیل

کیوں ہو خاکی بتوں کو اپنا راجہ ہم مانیں
راجہ تو مانیں گے رب کو پھانسی ہو یا جیل
ہم ہیں راہی راہِ خدا کے راہ نہ ہو انمیل

کیوں رہبر تسلیم کریں ہم سرکش بندوں کو
صرف محمدؐ سارے عالم میں اپنے سرخیل
ہم ہیں راہی راہِ خدا کے راہ نہ ہو انمیل

باطل کے دربار میں حق کو حق اب کہنا ہے
دار ہو یا شمشیر و سناں ہم سب جائیں گے جھیل
ہم ہیں راہی راہِ خدا کے راہ نہ ہو انمیل

خالق، مالک، حاکم، آقا سب کچھ ہے اللہ
یاد ہے ثاقب درس اپنا یہ کیوں ہم ہونگے فیل
ہم ہیں راہی راہِ خدا کے راہ نہ ہو انمیل

ذہنی آزمائش

نیچے لکھے ہوئے الفاظ دراصل ہندوستان سے تعلق رکھنے والے ایک ہی قبیل کے چند مشہور نام ہیں کیا آپ تبلا سکتے ہیں؟

نور پاک
کاک ٹیل
لمدی
ریجھا
مدارس
سکنا
چیرنا

(الفاظ کے حروف مناسب ترتیب میں لائیے۔)

(جواب اسی شمارہ میں تلاش کریں)

میزانِ عمل

مہاراشٹر

اکولہ: نومبر کا ماہانہ اجتماع مبین الرحمٰن چودھری صاحب کے درس قرآن سے شروع ہوا۔ برادر عبدالوحید خاں نے سیرت رسولؐ پر تقریر کی۔ برادر رضاء اللہ خاں نے لاتور تربیتی کیمپ پر تاثرات پیش کیا۔

ماہ دسمبر کے ماہانہ اجتماع میں ایک مذاکرہ ہوا۔ جس کا عنوان تھا "ہم ایس۔ آئی۔ او کا کام کس طرح آگے بڑھائیں"

پاتور: پاتور کے تربیتی اجتماع کا آغاز برادر رضاء اللہ خاں کے درس قرآن سے ہوا۔ اس اجتماع میں برادر آصف صاحب، علی یار خاں، منتظم الدین اور عبدالمحسن صاحب نے بالترتیب مسلمان کسے کہتے ہیں، مسلمان کی ذمہ داری، صبر کی اہمیت اور قرآن کی عظمت کے عنوان پر تقریریں کی۔

پاچورہ: پچھلے دنوں پاچورہ میں نوری محفل کا قیام عمل میں آیا۔ برادر فیاض الدین ملا کو نوری محفل کا صدر منتخب کیا گیا۔

جالنہ: جالنہ یونٹ کا ماہانہ اجتماع (۲۷ر دسمبر) کو مولانا عبدالقیوم صاحب کی نگرانی میں ہوا۔ اس اجتماع میں "انفرادی ربط کی اہمیت، تقاضے اور اس کے نتائج، حضورؐ سے محبت اور اس کے تقاضے اور نوجوان داعی کا کردار" کے موضوع پر سرتاج شاکر، مولانا غفران احمد اور متین شیخ صاحب نے اظہار خیال کیا۔ برادر بشیر احمد راہی نے "مطالعہ قرآن کیوں اور کیسے" کے عنوان پر مقالہ پیش کیا۔ اس اجتماع میں ایک مذاکرہ بھی ہوا جس کا عنوان تھا "ہم تنظیم کو کس طرح مضبوط کریں"

۵ر دسمبر کو کالج کے طلبا کو ٹی پارٹی دی گئی۔

لاتور: کھیل کود کو بڑھاوا دینے کے لئے یونٹ نے سول اسپورٹس کلب کے نام سے ایک کلب قائم کیا ہے۔ فی الحال چار ممبروں پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی گئی ہے۔

ادگیر: برادر توفیق اسلم خاں (سکریٹری حلقہ مہاراشٹر) کی صدارت میں "ہندوستانی سماج کا اخلاقی بحران اس کے اسباب و علاج" کے عنوان پر ایک مذاکرہ کا انعقاد نگر پریشد ہال میں (۲۰ر دسمبر کو) کیا گیا۔ اس مذاکرہ میں اظہار خیال کرنے والوں میں پروفیسر آر۔ این۔ دوبے۔ پروفیسر وی۔ ایس۔ گائیکواڈ، پروفیسر پنڈٹا، مولوی فہیم الدین اور ایڈووکیٹ ظہیر الدین صاحب شامل تھے۔

اسی دن ایک تعلیمی نشست میں نئی تعلیمی پالیسی کا جائزہ لیا گیا۔

چکلی: ۲۶ر نومبر کو چکلی سرکل کا پہلا ماہانہ اجتماع ہوا۔ برادر لیاقت علی خاں نے اجتماع کی غرض و غایت بیان کی۔ اجتماع درس قرآن و حدیث، لٹریچر کا مطالعہ، تقریر اور میقات رواں کے لیئے پروگرام بنانے پر مشتمل تھا۔ مولانا ظہور صاحب کی دعا پر پروگرام کا اختتام ہوا۔

ناندیڑ: ناندیڑ یونٹ کی جانب سے ۲۹ر نومبر کو ایک تحریری مقابلہ کرایا گیا جس میں ۵۹۲ طلبہ و طالبات نے حصہ لیا۔ ۲۰ر دسمبر کو انعامات کی تقسیم عمل میں آئی۔

اورنگ آباد: اورنگ آباد یونٹ کی جانب سے بھی تحریری مقابلہ کرایا گیا جس میں ۵۶۵ طلبہ و طالبات نے شرکت کی کامیابی کے لحاظ سے طالبات آگے رہیں۔

جلگاؤں: گزشتہ دنوں جلگاؤں کی جانب سے "فرقہ واریت۔ اسباب و علاج" کے عنوان پر ایک مذاکرہ ہوا اس میں برادر عزیز محی الدین صدر حلقہ مہاراشٹر نے "فرقہ واریت کیا ہے" عنوان پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ امیر حلقہ مہاراشٹر مولانا رشید عثمانی صاحب نے "فرقہ واریت کے اسباب" اور امیر حلقہ گجرات مولانا نظام الدین صاحب نے "فرقہ واریت کو کیسے دور کیا جائے" کے عنوان پر باتیں کی۔

آندھرا پردیش

گوداوری کھنی ملک پیٹھ: ہفتہ روزہ جشن گاند فرقہ وارانہ تعلقات کے ضمن میں گوداوری کھنی یونٹ کی جانب سے ۲۵ر نومبر کو ایک خاموش ریلی نکالی گئی جامع مسجد سے نکل کر شہر کے مختلف حصوں سے گزرتا ہوا یہ جلوس نوٹیفائیڈ ایریا کمیٹی آفس کے سامنے پہنچا۔ جہاں چیرمین کو میمورنڈم پیش کیا گیا۔

ایچوڑہ میں بھی ایک ریلی نکالی گئی جو جامع مسجد سے نکل کر منڈل آفس پہنچا جہاں ذمہ دار کو میمورنڈم دیا گیا۔ واپسی پر یہ ریلی ایک جلسہ عام میں تبدیل ہوگئی۔ جلسہ سے جمال الدین صاحب نے خطاب فرمایا۔

بودھن: ۸ر دسمبر کو بودھن یونٹ کا ماہانہ اجتماع ہوا۔ اس موقع پر ایک مذاکرہ بعنوان "دعوت دین کیوں اور کیسے" ہوا۔ پروگرام کے اخیر میں خطاب عام ہوا جس سے برادر ظفر احمد عاقل، خواجہ نصیر الدین اور عابد حسین فاروقی نے خطاب فرمایا۔

بہار

حلقہ بہار میں تربیتی اجتماعات: امن کی پکار مہم، کی تیاری کے سلسلے میں بہار میں درج ذیل سات مقامات پر ۲۴ر دسمبر تا ۳ر جنوری دو روزہ اور سہ روزہ تربیتی اجتماعات منعقد ہوئے۔ موتی ہاری، لوکار، جمشید پور اور یہ کورٹ، گیا، دربھنگہ اور بھاگل پور۔ ان اجتماعات میں غیر مسلموں میں کام کی اہمیت، اس کے طریقے مختلف مواقع کے استعمال اور اس سلسلے کی دوسری اہم موضوعات پر گفتگو کی گئی۔ اب تک موصول ہونے والے مقامات کی رپورٹیں حسب ذیل ہیں۔

جمشید پور: کا اجتماع جناب عبدالباری صاحب کی نگرانی میں ہوا۔ موصوف نے اپنی ایک تقریر میں فرمایا "تشدد کی راہ اپنا کر نہ ہم اپنی تہذیب و ثقافت کو باقی رکھ سکتے ہیں اور نہ ہی کسی کو اپنا ہم نوا بنا سکتے ہیں" اس اجتماع میں برادر عبداللہ چودھری بحیثیت نمائندہ

علاوہ بھی موجود تھے۔

گیا۔ گیا کے اجتماع کی نگرانی مولانا فاروق خان صاحب نے کی۔ انھوں نے غیر مسلموں میں دعوتی کام کے طریقے تجربات کی روشنی میں بتلایا۔ موصوف نے سورہ یوسف کا درس کے علاوہ غیر مسلموں کی ایک نشست سے بھی خطاب فرمایا۔ اس اجتماع کے موقع پر برادر طارق فاطمی صدر حلقہ یوپی نے "رسول بحیثیت داعی" کے عنوان پر گفتگو کی۔ اس اجتماع میں ڈیبیٹ بعنوان "تشدد کا جواب تشدد نہیں"، مطالعہ قرآن بعنوان "دعوت دین"، گروپ ڈسکشن بعنوان "فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور دعوت دین" کے علاوہ "غیر مسلم طلبہ اور نوجوانوں کے شکوک وشبہات دعوت دین اور ہماری تیاری" کے عنوان پر ایک سمپوزیم بھی ہوا۔ اس اجتماع میں برادر شفیق الرحمٰن سکریٹری حلقہ بھی موجود تھے۔

ارریہ کورٹ، بھاگل پور: ارریہ کورٹ اور بھاگل پور کے اجتماعات صدر حلقہ اور سکریٹری حلقہ کی نگرانی میں ہوئے۔ ان دونوں مقامات پر "دعوت دین کے لیے مختلف مواقع اور تقریبات کا استعمال" کے عنوان پر ڈسکشن ہوا۔ "غیر مسلم طلبہ اور نوجوانوں کا مزاج اور ہماری دعوت" کے عنوان پر سمپوزیم، "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت داعی" پر گفتگو اور "تحریک اور کارکن" کا مطالعہ پیش کیا گیا۔ ارریہ کورٹ کے اجتماع میں ایک ڈیبیٹ بھی ہوا، ایوان کی رائے میں "ملک کی ترقی کی راہ میں بڑھتی ہوئی آبادی رکاوٹ نہیں ہے۔" اس اجتماع سے برادر ارشد اجمل نے بھی خطاب کیا۔ بھاگل پور کے اجتماع میں بھاگل پور کے علاوہ مونگیر اور جموئی کے طلبہ نے بھی شرکت کی۔

ماہانہ اجتماعات

دربھنگہ: ۲۴ نومبر کو ماہانہ اجتماع ڈاکٹر وزیر الحق صاحب کی نگرانی میں ہوا۔ اس اجتماع میں سورہ الصف اور سورہ العصر کا مطالعہ ہوا۔

ارریہ کورٹ: ۱۷ نومبر کو ماہانہ تربیتی اجتماع برادر خیر الزماں کے افتتاحی کلمات سے شروع ہوا۔ موصوف نے سورہ قیامہ کے مطالعہ کی نگرانی بھی کی۔ برادر محمد محسن نے "مسلم نوجوانوں سے اسلام کے مطالبات" اور برادر محمد مرتضیٰ نے سیرت صحابہؓ پر تقریریں کیں۔ ڈاکٹر عبد العزیز صاحب نے تذکیر بالحدیث پیش کیا۔ اس اجتماع سے برادر احتشام الحسن نے بھی خطاب کیا۔

مدھیہ پردیش

سیونی: گزشتہ ۴ دسمبر کو شنکر آچاریہ کے رتھ یاترا کے موقع پر سیونی یونٹ کی جانب سے ایک بک اسٹال لگایا گیا۔

برہان پور: ۸ تا ۱۲ جنوری جماعت اسلامی کے اجتماع میں سکریٹری تنظیم برادر محمد نیر نے شرکت کی۔ آپ نے طلبہ سے خطاب بھی فرمایا۔

مغربی بنگال

گزشتہ ۱۱ تا ۱۲ دسمبر جنرل سکریٹری ایس۔ آئی۔ او برادر جاوید علی نے مغربی بنگال کے مختلف علاقوں کا تنظیمی دورہ کیا۔

جگت دل: ۱۳ دسمبر کو جگت دل یونٹ کا تربیتی اجتماع ہوا اسی دن ایک خطاب عام بھی ہوا جس میں برادر جاوید علی، برادر مسیح الرحمٰن صدر حلقہ مغربی بنگال اور حکیم عبد الرؤف صاحب نے خطاب فرمایا۔

آسنسول: ۱۵ دسمبر کو برادر جاوید علی صاحب آسنسول تشریف لائے۔ جہاں انھوں نے ایک جلسہ عام سے خطاب فرمایا۔ آپ نے کہا کہ موجودہ صورت حال میں جب کہ مسلم نوجوان مایوسی کا شکار ہو رہے ہیں رسول اکرمؐ کی زندگی ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ اگر ہمیں اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کرنا ہے تو ذات پات اور فرقہ اختلافات کو بھلا کر دین کی بنیاد پر متحد ہونا پڑے گا۔ اور انھیں طریقوں پر عمل کرنا ہوگا جن پر رسول اللہؐ اور صحابہؓ نے عمل کیا۔

تامل ناڈو

مدراس: صدر تنظیم برادر پی۔ سی۔ حمزہ صاحب نے ۲۹ دسمبر کو IFSO ٹریننگ کیمپ میں شرکت کی اس موقع پر آپ نے ایس۔ آئی۔ او۔ کا مقصد اور اس کے پروگرام سے شرکا کو روشناس کیا۔ ۲۹ دسمبر کو دفتر حلقہ میں ایک خصوصی نشست میں صدر تنظیم نے ممبران ایس۔ آئی۔ او سے خطاب فرمایا۔

۱۲ اور ۱۳ دسمبر کو مدراس ڈویژن کا تربیتی اجتماع ہوا جس میں ممبران اور خصوصی ایسوسی ایٹ نے شرکت کی۔ برادر ٹی ایم عبد الرؤف خالد ممبر CAC بھی اس اجتماع میں شریک تھے۔

یوپی

حلقہ یوپی کا تربیتی اجتماع

کانپور: یوپی زون کا سالانہ تربیتی اجتماع ۲۵ تا ۲۷ دسمبر کو کان پور میں ہوا۔

پروگرام کا آغاز مولانا جلال الدین انصر عمری صاحب کی تذکیر سے ہوا۔ موصوف نے "مطالعہ کی ضرورت اور اس کے طریقہ" پر بھی گفتگو فرمائی۔ آپ نے ایک جلسہ عام سے بھی خطاب کیا۔ جلسہ عام سے صدر تنظیم برادر پی۔ سی۔ حمزہ نے بھی خطاب کیا۔

برادر محفوظ الرحمٰن جاوید، طارق انور، ضیاء الرحمٰن اعظمی، افضال احمد، بدر الحق اور برادر اسرار عالم نے بالترتیب قرآن، حدیث، لٹریچر، حالات حاضرہ اور معاصر تحریکوں کا مطالعہ ہم کیسے کریں؟ کے عنوانات پر تقاریر کیں۔ برادر منور حسین فلاحی نے "ہمارا نصاب تجزیہ اور ضروری معلومات" پر سیر حاصل گفتگو کی۔ برادر محمد اشفاق احمد (سابق صدر تنظیم) نے "نئی تعلیمی پالیسی" کا جائزہ پیش کیا۔ برادر عارف اقبال نے "رپورٹنگ کی اہمیت اور اس کا طریقہ رپوٹ فارم کے ذریعہ" بتایا۔ برادر انعام اللہ کی نگرانی میں سورہ مدثر کا اجتماعی مطالعہ ہوا اور مولانا عبد الغفار صاحب ندوی نے اسوہ رسولؐ کے موضوع پر درس دیا۔

اس اجتماع میں سوال وجواب کے پروگرام میں صدر تنظیم نے سوالات کے جواب دیے۔ جنرل سکریٹری برادر جاوید علی نے "ایس۔ آئی۔ او کی تشکیل، کارکردگی اور ڈھانچہ" کے موضوع پر گفتگو کی اور سکریٹری حلقہ برادر محمد احمد نے مرکزی و حلقہ کی پالیسی و پروگرام کی تفہیم کی۔

اس موقع پر "مسلم طلبہ اور نوجوانوں میں کام کے طریقے، دشواریاں، مواقع" کے عنوان پر برادر صفدر سلطان اصلاحی اور برادر ابو خالد نے "غیر مسلم طلبہ اور نوجوانوں میں کام" کے موضوع پر گفتگو کی۔ صدر حلقہ برادر طارق فاطمی نے کارکنان کو اہم ہدایات دیں۔

پروگرام کا اختتام سرپرست حلقہ مولانا رفیق قاسمی صاحب کے خطاب و دعا پر ہوا۔ برادر عبد السمیع اس اجتماع کے ناظم تھے۔

کرناٹک

مالوتی: ۲۰ دسمبر کو مالوتی یونٹ کا ایک خصوصی اجتماع ہوا اس موقع پر رائچور سے آئے ہوئے جناب عبداللطیف صاحب نے طلبہ سے خطاب فرمایا۔ آپ نے دیگر باتوں کے علاوہ اس بات پر بھی توجہ دلائی کہ طلبہ اور نوجوان شرعی حدود کے اندر رہ کر اسپورٹس اور ورزش پر بھی دھیان دیں۔

دھارواڑ اور بلگام: ان دو اضلاع کا ایک روزہ اجتماع گزشتہ ۱۰ جنوری کو ہوا جس میں برادر شبیر احمد ملا سکریٹری حلقہ نے بھی شرکت کی۔ اس اجتماع میں مختلف عنوانات پر تقریریں ہوئیں۔ ناظم علاقہ جماعت اسلامی نے "ہر لحظہ ہے مومن کی نئی آن نئی شان" کے عنوان سے خطاب کیا۔ شخصیات کے ضمن میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حسن البنا شہیدؒ کا مطالعہ پیش کیا گیا۔ اس موقع پر "اسلامی اجتماعیت کو کیسے مستحکم کریں" کے عنوان سے ایک مذاکرہ بھی ہوا۔

سندھنور: ۱۵ جنوری کو رائچور اور بلاری اضلاع کا تربیتی اجتماع سندھنور میں ہوا۔ اس موقع پر برادر ارشاد احمد دیسائی نمائندہ حلقہ کی حیثیت سے موجود تھے۔ اس اجتماع میں مطالعہ قرآن اور دیگر پروگرام ہوئے۔ برادر اقبال ملا صاحب نے سیرت حسن البنا شہیدؒ پر ایک تقریر فرمائی۔ برادر دیسائی نے پالیسی و پروگرام کی تفہیم پیش فرمائی۔

کیرلہ

یوم اطفال: کیرلہ زون نے ۱۷ دسمبر کو یوم اطفال منانے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس سال سو مقامات پر یہ پروگرام ہوئے۔ ہر جگہ بچوں کی ریلیاں نکالی گئیں۔ ان کے ہاتھوں میں پلے کارڈ تھے جن پر امن، اخوت اور تحفظ کی ایک نئی دنیا آباد کرنے کا مطالبہ تھا۔ اس پروگرام کی ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ ان تمام تقریبات کا افتتاح اور صدارت بچوں نے ہی کی۔ بچوں کے کلچرل پروگرام نے اس کی خوبصورتی اور دلچسپی میں غیر معمولی اضافہ کیا۔

یوم افغانستان: افغانستان میں روسی جارحیت کے آٹھ سال مکمل ہونے پر ایس۔ آئی۔ او نے پورے کیرلا میں مختلف پروگرام کیے۔ ایسے پوسٹر چسپاں کیے گئے جن میں افغان مجاہدین سے ہمدردی و تعاون کا اظہار کیا گیا تھا اور روسی فوج کی واپسی نیز ہندوستانی عوام و حکومت سے افغان مجاہدین کا مکمل تعاون کرنے کے مطالبے کیے گئے تھے۔ بعض پوسٹرس کے الفاظ تھے روس سے خبردار آج افغانستان تو کل ہندوستان، ہندوستان ہندوستانیوں کا، افغانستان افغانیوں کا تو پھر وہاں روس کا کیا کام؟ بعض مقامات سے جلوس نکالنے کی خبریں بھی موصول ہوئی ہیں۔

ونڈلور: ایس۔ آئی۔ او ونڈلور ایریا کنونشن نے علاقہ میں تھرمل پاور پلانٹ کی تنصیب کی مخالفت کی تجویز منظور کی جس میں کہا گیا بھوپال گیس حادثہ کے تلخ تجربات سے حکومت کو سبق لینا چاہئے۔ ●●

بقیہ صفحہ ۱۴۸

آیا ہے۔ صرف چند ایک مثالیں یہاں پیش کی جارہی ہیں۔

(۱) صفحہ ۴۴ کا آخری پیراگراف لڑکے لڑکیوں کے باہم اختلاط کی ہمت افزائی کرتا ہے۔

(۲) کہانی ۳۱ پیراگراف ۲ میں Inter Caste Marriage کی ہمت افزائی کی گئی ہے۔

(۳) کہانی ۳۲ The Sorrows of Division صفحہ ۱۱۱ آخری پیراگراف کے یہ جملے ملاحظہ ہوں۔

Likewise, religious divisions have caused war both historically and even today, between the Hindus & Muslims, the cristian & the Jews.

اس طرح کتاب میں کئی ایک مقامات ہیں، جس کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ ایک خاص ذہن کو جو یا تو مغرب زدہ ہے یا پھر اکثریتی تہذیب کا نمائندہ طلبہ کے ذہن و فکر میں اتارا جارہا ہے۔ واقعات کی ترتیب و پیش کشی میں اس بات کو ملحوظ نہیں رکھا گیا کہ ہندوستان میں رہنے والی عوام کی زندگی میں مذہب اور اقدار کی اہمیت ہے۔ دھڑلے سے مخلوط تعلیم کی وکالت کی گئی حالانکہ ہندوستانی معاشرہ لڑکے لڑکیوں کے اس مغربی انداز کے اختلاط کو قطعی پسند نہیں کرتا بلکہ لڑکیوں کی تعلیم کے فروغ میں مخلوط تعلیم بھی ہمارے معاشرے کے لئے ایک اہم رکاوٹ ہے اسی لئے بڑے پیمانے پر لڑکیوں کے لئے علیحدہ اسکول قائم کرنے، خواتین معلمات کی تقرری وغیرہ کی بات خود نئی پالیسی میں بڑے زور شور سے کہی گئی ہے۔

اسی طرح ہندوستانی معاشرے میں عورت کی مظلومی سے متاثر ہو کر عورت کے معاشی استقلال کا نظریہ زندگی کے تمام شعبہ جات میں مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنے کے مغربی رجحان کی بھی جابجا وکالت کی گئی ہے۔ یقیناً عورتوں کو باعزت مقام ملنا چاہئے اور ان کے حقوق کا بھی پورا پورا تحفظ ہونا چاہئے لیکن اس سے دوسری انتہا کو پہنچ کر مغربی سماج کی طرح عورتوں کے دوہرے استحصال کا رجحان خطرناک ہے۔ نئی نسلوں کے ذہن و فکر کو اس انداز میں ابتدا ہی سے ڈھالنے کی یہ کوشش عورت کی مظلومیت میں اضافہ ہی کا باعث بنے گی۔ اندیشہ ہے کہ ہندوستانی خاندانی نظام میں پائی جانے والی رہی سہی خوبیاں بھی اس طرح کی تعلیمی رجحانات سے ختم ہو جائے گی اور مغرب کا سا انتشار و پراگندگی اس کی جگہ لے گی۔

مختصراً یہ کہ اقدار پر مبنی تعلیم کے ذریعہ اقدار سے زیادہ ایک مخصوص تہذیب و فکر کو پروان چڑھانے کی یہ کوشش ہمارے تعلیمی نظام پر رہے سہے اعتماد کو بھی ختم کر دے گی۔ مسلمانوں نے اپنے ان خدشات کا اظہار بہت پہلے ہی کر دیا تھا چنانچہ حکومت یو۔ پی کی طرف سے اساتذہ کی تربیت کے لئے دہرہ دون اور الٰہ آباد میں جو کیمپس کا اہتمام کیا گیا، اس میں بھی اکثریت کی تہذیب و تمدن کو اقدار پر مبنی تعلیم کے عنوان سے پیش کیا گیا۔ مشترکہ تہذیبی ورثہ Common Cultural Heritage پر تفاخر کا جذبہ بھی نئی نسلوں میں پیدا کرنے کی بات، نئی تعلیمی پالیسی میں بڑی شد و مد سے کہی گئی ہے۔ یہ لفظ بہت ہی مبہم اور غیر واضح ہے۔ اس کی تعبیر میں سخت بے احتیاطی سے کام لیا جارہا ہے۔ اور پالیسی کی درج ذیل ہدایت کو نظر انداز کیا جارہا ہے، جس میں واضح طور پر کسی طرح کی جانب داری اور فرقہ وارانہ رُخ اختیار کرنے سے منع کیا گیا۔

"All educational programmes will be carried on in strict conformity with secular values".

مناسب ہوگا کہ اخلاقی تعلیم کے سلسلے میں ایسی جو سفارشات کی جاتی رہی ہیں ان کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم اخلاقی اقدار کے پیدا کرنے پر ہی توجہ دیں۔ ●●

**STUDENTS
ISLAMIC
ORGANISATION OF INDIA**



HDQRS. :
230, ABUL FAZAL ENCLAVE,
OKHLA, NEW DELHI - 110025.
INDIA

حلقہ جاتی مشاورتی کونسل کے ممبران کے لئے نصاب

مرکزی مشاورتی کونسل کے فیصلے کے مطابق حلقوں کی مشاورتی کونسل کے ممبران کے مطالعہ کے لئے نصاب درج ذیل ہے۔

نمبر	کتاب	مصنف	نمبر	کتاب	مصنف
۱۔	اسلام ایک نظر میں	مولانا صدرالدین اصلاحی	۲۲۔	تفہیمات (اوّل تا سوم)	مولانا مودودیؒ
۲۔	اسلام اور اجتماعیت	〃	۲۳۔	تنقیحات	〃
۳۔	تحریک اسلامی ہند	〃	۲۴۔	اسلامی سیاست	〃
۴۔	اسلامی تہذیب کے اصول ومبادی	مولانا مودودیؒ	۲۵۔	اسلام اور جاہلیت	〃
۵۔	اسلامی تزکیہ نفس	〃	۲۶۔	جنسی تعلقات اور قانون فطرت	〃
۶۔	آپ کی شخصیت اور اس کا ارتقاء	ملک سلطان محمد	۲۷۔	نماز اور اس کے اذکار	مولانا حامد علی
۷۔	دستور جماعت اسلامی ہند	〃	۲۸۔	روداد اوّل تا پنجم	〃
۸۔	روداد مجلس شوریٰ	〃	۲۹۔	اخوان المسلمون	خلیل حامدی
۹۔	اسلام اور جدید معاشی نظریات	مولانا مودودیؒ	۳۰۔	سرمایہ داری اور اشتراکیت	مولانا مودودیؒ
۱۰۔	سوشلزم یا اسلام	خورشید احمد	۳۱۔	غیر سودی بینک کاری	نجات اللہ صدیقی
۱۱۔	ہندو دھرم ایک مطالعہ	فاروق خاں	۳۲۔	ہندو دھرم کی جدید تحقیقیں	فاروق خاں
۱۲۔	تصور آخرت اور ہندوستانی روایات	〃	۳۳۔	آواگمن کا تحقیقی جائزہ	ابو محمد امام الدین رام نگری
۱۳۔	قومی یکجہتی اور اسلام	ڈاکٹر عبد الحق	۳۴۔	فرقہ وارانہ فسادات کا مسئلہ	حامد علی
۱۴۔	مسلم پرسنل لاء اور یکساں سول کوڈ	شمس پیرزادہ	۳۵۔	تاریخ زوال ملت اسلامیہ	اکبر شاہ خاں نجیب آبادی
۱۵۔	تاریخ افکار و علوم اسلامی (اوّل دوم)	راغب الطباخ	۳۶۔	تحریک اسلامی کی اخلاقی بنیادیں	مولانا مودودیؒ
۱۶۔	اسلام کا اخلاقی نقطہ نظر	مولانا مودودیؒ	۳۷۔	عورت اسلامی معاشرے میں	جلال الدین عمری
۱۷۔	تحریک اسلامی مہلک خطرے	مولانا صدرالدین اصلاحی	۳۸۔	اساس دین کی تعمیر	مولانا صدرالدین اصلاحی
۱۸۔	اسلام ایک نظام تربیت	ا[illegible]م الرحمٰن خاں	۳۹۔	تحریک اسلامی اور برادران وطن	سیّد حامد علی
۱۹۔	تصوف کی تین اہم کتابیں	سیّد عروج احمد قادریؒ	۴۰۔	فکری تربیت کے اہم تقاضے	یوسف القرضاوی
۲۰۔	حیثیت کا تعارف	محمد فاروق خاں	۴۱۔	کلام نبوت	محمد فاروق خاں
۲۱۔	جنت قرآن وحدیث اور عقل کی روشنی میں	حامد علی	۴۲۔	فقہ السنہ (اوّل دوم)	محمد عاصم (مرکزی مکتبہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اہم اپیل

برادران محترم! السلام علیکم رحمۃ اللہ و برکاتہ

ایس۔ آئی۔ او۔ آف انڈیا کا قیام آج سے پانچ سال قبل عمل میں آیا۔ الحمد للہ تنظیم نے اس مختصر مدت میں کافی پھیلاؤ اختیار کیا ہے ہندوستان کی تقریباً پوری ریاستوں میں اس کا کام ہو رہا ہے اور تقریباً ڈیڑھ ہزار مقامات پر اس کے کارکن سرگرم عمل ہیں۔ بیس ہزار سے زائد اس کے وابستگان کی تعداد ہے۔ پندرہ سال سے کم عمر بچوں کے لیے ملک میں تقریباً ۳۰۰ CHILDREN CIRCLE قائم ہیں۔

تنظیم نے طلبہ و نوجوانوں کے اندر دینی شعور بیدار کرنے اس پر عمل کرنے اور منظم و متحد ہونے کے لیے مختلف قسم کے اجتماعات کا ایک جال بچھا رکھا ہے۔ غیر مسلم طلبہ برادری کو اسلام سے روشناس کرانے کا کام بھی پوری تندہی سے انجام دیا جا رہا ہے۔ ملت کے مسائل کی طرف بھی تنظیم نے پوری توجہ صرف کی ہے۔ مسلم پرسنل لا کی جد و جہد میں اس نے نمایاں رول ادا کیا ہے۔

تعلیمی بیداری، جہیز کی لعنت کا خاتمہ، اخلاقی برائیوں کا انسداد وغیرہ اہم کاموں میں تنظیم نے اپنی قوت صرف کر رہی ہے۔ نیز طلبہ کے لیے CAREER GUIDANCE BUREAU بک بینک اور اسکالرشپ و ہوسٹل کی فراہمی وغیرہ کے کام انجام دے رہی ہے۔

تنظیم نے اپنے کام کا آغاز اللہ کے بھروسے اور تنظیم سے ہمدردی رکھنے والے اصحاب کے تعاون پر شروع کیا۔ مگر تنظیم جیسے جیسے وسعت اختیار کرتی جا رہی ہے اس کے مسائل میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ فی الوقت تنظیم کا مرکزی دفتر ابو الفضل انکلیو نئی دہلی میں واقع ہے جو صرف تین کمروں پر مشتمل ہے۔ جہاں مرکز ایس۔ آئی۔ او کے ذمہ داران کے ساتھ ساتھ، بحالت مجبوری "رفیق منزل" اور "EXACT" (جو تنظیم کے ترجمان ہیں) S.I.O پبلیکیشن ونگ S.I.P کے دفاتر بھی قائم ہیں۔ لہٰذا جگہ کی تنگی کے باعث ابھی تنظیم کے سامنے اس کے ہیڈ کوارٹرس کی تعمیر کا منصوبہ ہے۔

کاموں کے پھیلاؤ کے پیش نظر اور مستقبل میں کام کی وسعت کے روشن امکانات کو مدنظر رکھتے ہوئے S.I.O. مرکزی مشاورتی کونسل نے ایک اپنی جگہ کے حصول کا فیصلہ کر لیا ہے۔ نئی دہلی میں جسولا کے مقام پر ایک مناسب پلاٹ خریدنے کا منصوبہ ہے۔ اس میں S.I.O. ہیڈ کوارٹرس کے ساتھ ساتھ "رفیق منزل" "EXACT" اور S.I.P. کے دفاتر، طلبہ کے لیے ہوسٹل اور باہر سے آنے والے افراد کے لیے مہمان خانہ وغیرہ تعمیر کیے جائیں گے۔ جگہ کے لیے پیشگی رقم بھی دی جا چکی ہے۔ دہلی جیسے مرکزی شہر میں ایک ایسی تنظیم جس کے مالی وسائل محدود ہوں، اس کے لیے زمین کا حاصل کرنا ایک مشکل مرحلہ ہے۔ زمین کے حصول اور تعمیرات کے لیے لاکھوں روپے کی فوری ضرورت ہے۔

ہم اللہ کی مدد اور اصحاب خیر کے تعاون سے امید رکھتے ہیں کہ یہ کام پایۂ تکمیل تک پہنچے گا۔ ان شاء اللہ۔

چیک اور ڈرافٹ پر صرف اتنا لکھیں
STUDENTS ISLAMIC ORGANISATION OF INDIA

والسلام
پی۔ سی۔ حمزہ
صدر ایس۔ آئی۔ او آف انڈیا

پتہ:۔ ہیڈ کوارٹرس ایس۔ آئی۔ او آف انڈیا
۲۳۰۔ ابو الفضل انکلیو، اوکھلا
نئی دہلی ۔ ۱۱۰۰۲۵

Rafeeqan-e-Manzil Monthly
NEW DELHI-110025

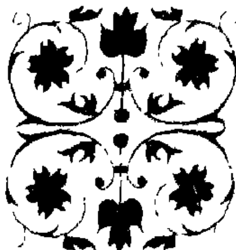
February 1988

R.N. 47227/8
Regd.No.D(3)
VOL. 1 No.

With Best Compliments From:

PROTOFINISH LEATHER CORPORATION





Tanners & Exporters

13, V.V. Koil Street,
Periamet, MADRAS-600 003
Phone 31430

رفیق

CALL TO PEACE







بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اہم اپیل

برادرانِ محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایس۔آئی۔او آف انڈیا کا قیام آج سے پانچ سال قبل عمل میں آیا۔ الحمد للہ تنظیم نے اس مختصر مدت میں کافی پھیلاؤ اختیار کیا ہے۔ ہندوستان کی تقریباً پوری ریاستوں میں اس کا کام ہو رہا ہے اور تقریباً ڈیڑھ ہزار مقامات پر اس کے کارکن سرگرم عمل ہیں۔ بیس ہزار سے زائد اس کے وابستگان کی تعداد ہے۔ پندرہ سال سے کم عمر بچوں کے لیے ملک میں تقریباً ۳۰۰ CHILDREN CIRCLE قائم ہیں۔

تنظیم نے طلبہ و نوجوانوں کے اندر دینی شعور بیدار کرنے، اس پر عمل کرنے اور منظم و متحد ہونے کے لیے مختلف قسم کے اجتماعات کا ایک جال پھیلا رکھا ہے۔ غیر مسلم طلبہ برادری کو اسلام سے روشناس کرانے کا کام بھی پوری تندہی سے انجام دیا جا رہا ہے۔ ملت کے مسائل کی طرف بھی تنظیم نے پوری توجہ صرف کی ہے۔ مسلم پرسنل لا کی جدوجہد میں اس نے نمایاں رول ادا کیا ہے۔

تعلیمی بیداری، جدید کی معاونت و نگرانی، اخلاقی برائیوں کا انسداد وغیرہ دائرہ کاموں میں تنظیم نے اپنی قوت صرف کر رکھی ہے۔ نیز طلبہ کے لیے CAREER GUIDANCE BUREAU، بک بینک اور اسکالرشپ و ہوسٹل کی فراہمی وغیرہ کے کام انجام دیے جا رہے ہیں۔

تنظیم نے اپنے کام کا آغاز اللہ کے بھروسے اور تنظیم سے ہمدردی رکھنے والے اصحاب کے تعاون پر شروع کیا۔ مگر تنظیم جیسے جیسے وسعت اختیار کرتی جا رہی ہے اس کے مسائل میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ فی الوقت تنظیم کا مرکزی دفتر ابوالفضل انکلیو نئی دہلی میں واقع ہے جو صرف تین کمروں پر مشتمل ہے۔ جہاں مرکز ایس۔آئی۔او کے ذمہ داران کے ساتھ ساتھ بحالتِ مجبوری "رفیقِ منزل" اور "EXACT" (جو تنظیم کے ترجمان ہیں) S.I.P. پبلیکیشن ونگ H.P.I کے دفاتر بھی قائم ہیں۔ لہٰذا جگہ کی تنگی کے باعث ابھی تنظیم کے سامنے اس کے ہیڈکوارٹرس کی تعمیر کا منصوبہ ہے۔

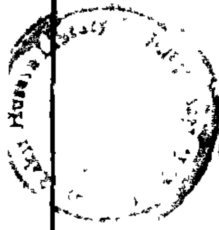
کاموں کے پھیلاؤ کے پیش نظر اور مستقبل میں کام کی وسعت کے روشن امکانات کو مدِنظر رکھتے ہوئے S.I.O. مرکزی مشاورتی کونسل نے ایک اپنی جگہ کے حصول کا فیصلہ کر لیا ہے۔ نئی دہلی میں جسولا کے قریب ایک مناسب پلاٹ خریدنے کا منصوبہ ہے۔ اس میں S.I.O. ہیڈکوارٹرس کے ساتھ ساتھ رفیقِ منزل، EXACT اور S.I.P. کے دفاتر، طلبہ کے لیے ہوسٹل اور باہر سے آنے والے افراد کے لیے مہمان خانہ وغیرہ تعمیر کیے جائیں گے۔ جگہ کے لیے پیشگی رقم بھی دی جا چکی ہے۔ دہلی جیسے مرکزی شہر میں ایک ایسی تنظیم جس کے مالی وسائل محدود ہوں، اس کے لیے زمین کا حاصل کرنا ایک مشکل مرحلہ ہے۔ زمین کے حصول اور تعمیرات کے لیے لاکھوں روپے کی فوری ضرورت ہے۔

ہم اللہ کی مدد اور اصحابِ خیر کے تعاون سے امید رکھتے ہیں کہ یہ کام پایۂ تکمیل تک پہنچے گا۔ انشاء اللہ۔

چیک اور ڈرافٹ پر صرف اتنا لکھیں
STUDENTS ISLAMIC ORGANISATION OF INDIA

پتہ:— ہیڈکوارٹرس ایس۔آئی۔او آف انڈیا
۲۳۰ - ابوالفضل انکلیو، اوکھلا
نئی دہلی — ۱۱۰۰۲۵

والسلام
پی۔سی۔ حمزہ
صدر ایس۔آئی۔او آف انڈیا



ماہنامہ **رفیقِ منزل** نئی دہلی

جلد نمبر ۱ — مارچ ۱۹۸۸ء مطابق رجب و شعبان ۱۴۰۸ھ — شمارہ نمبر ۴

آئینۂ ترتیب

مدیر اعزازی
منور حسین فلاحی

منیجر
جاوید اختر

شرح خریداری

فی پرچہ	دو روپے پچاس پیسے
سالانہ	پچیس روپے
ششماہی	پندرہ روپے
غیر ممالک سے	ایک سو پچاس روپے

مقام اشاعت اور انتظامی امور میں مراسلت کا پتہ

Manager,
Rafeeque-e-Manzil Monthly,
230, Abul Fazal Enclave,
Okhla, New Delhi - 110 025

ڈرافٹ پر صرف اتنا لکھیں

RAFEEQUE-E-MANZIL

رفیق کی ڈاک

مولانا ابوالکلام آزاد اور رانچی

رفیق منزل کا تیسرا شمارہ [illegible] نگاہ خاص
و عام پر آگیا تو سوچا کچھ تاثرات [illegible]
سے اپنے تعلق کے تقاضے [illegible] پہلے شمارہ
سے دوسرا اور تیسرا شمارہ [illegible]
ضرور ہے مگر [illegible]
سے ایک دم خالی ہو گیا ہے [illegible]
جائے تو ایک [illegible] آ جائے گا۔

اس تیسرے شمارے کا مواد [illegible] چھپا ہے
"مولانا ابوالکلام آزاد [illegible]" جیسے مضمون کے
لئے عنوان اچھا نہیں چنا گیا [illegible]
میں تو آزاد [illegible]
دوست [illegible] رانچی سے [illegible]
لئے مناسب ہے [illegible]
ہے جو رانچی میں ان کے قیام [illegible]
مضمون کے لئے رفیق منزل [illegible] جگہ بہار اور
بنگال کے [illegible]

[illegible] ایک [illegible]
سنجیدہ مضمون ہے [illegible]
مضمون کے آخر میں [illegible]
گئی ہے مگر اس کا [illegible] ہے۔

رپورٹوں کے لئے صفحات میں اضافہ کریں
رپورٹوں کو [illegible] اور مختصر کریں مگر [illegible] رپورٹوں کا
کارٹون نہ بننے دیں۔

رفیق کی ڈاک کا صفحہ نمبر بدلیں [illegible]
یا آخر میں کریں۔

سید محمد اقبال (گیا)

(۲)

"مولانا ابوالکلام آزاد اور رانچی" مضمون کے
تعلق سے درج ذیل باتیں عرض ہیں۔
مضمون نگار نے جشن پیدائش کو منانے کے لئے
شاید ایک عرض داشت لکھی تھی، جسے رانچی شہر کی انتظامیہ
کے سامنے پیش کرنا تھا۔ بعد میں کچھ سابقہ نکال کر اور بعض
اقتباسات دے کر اسے مضمون بنا دیا ہے۔ جشن پیدائش
کو اگر دوسرے لوگ منا رہے ہوں، تب اس پر خاموش
رہنا تو حکمت کا تقاضہ ہو سکتا ہے، لیکن تحریک اسلامی
کے ذمہ دار کی طرف سے جشن پیدائش منانے کے طریقوں
کی طرف رہنمائی کی جاتی ہے تو بات دوسری ہو جاتی ہے۔

اقتباسات بھی گویا پہلے سے اور ان کو مضمون میں
جڑ دینا ضروری سمجھا گیا۔ گفتگو ہے اس کی کہ مولانا آزاد نے
[illegible] نظر بندی کے دوران بھی اپنا کام جاری رکھا اور اقتباس
جواہر لعل نہرو کا دیا گیا جس میں رانچی کے تعلق سے کوئی بات
نہیں ہے۔ اور مولانا آزاد کے کیسے اسلامی مطالبہ کی سند
گاندھی جی سے حاصل کی گئی ہے۔ لکھا یہ گیا کہ جو کام مرکزی
اور ریاستی حکومتوں کے کرنے کا ہے اسے خاکہ نہیں دیا
جا رہا ہے لیکن خاکہ جس میں مطالبہ بھی شامل ہے اس میں
مرکزی یونیورسٹی [illegible] یونیورسٹی، ڈاک ٹکٹ کا اجرا اور
[illegible] کی حرمت سے طائف کی تقسیم وغیرہ کا
بھی ذکر ہے۔ تیس عنوانات کی لمبی فہرست سیمینار کے
[illegible] گیا ہے۔ یہ فہرست اور طویل تحقیق کا [illegible]
[illegible] بنایا جا سکتا ہے۔

بحیثیت مجموعی اس مضمون کو مناسب ہوتا اگر
رانچی سطح کے کسی اخبار میں یا زیادہ سے زیادہ بہار کی
سطح کے اخبار میں شائع کروایا جاتا۔ رسالے شائع ہونے
کے لئے بھیجنے سے قبل اسے Condense بنا لیا جاتا۔

اسرار احمد جمیل، پٹنہ

سوال و جواب کا کالم ہو

رفیق منزل کا دوسرا شمارہ حسب عادت چند ساعتوں
میں پورا پڑھ گیا۔ گزشتہ شمارے میں آپ نے جن کالم کا اعلان
کیا ہے وہ انتہائی اہم ہیں۔ اسی ضمن میں میری رائے اور دلی خواہش
بھی ہے کہ اسلامی سوال و جواب کے کالم کا اضافہ کیا جائے۔
اس سے طلباء و نوجوانوں کی ایک بڑی ضرورت پوری ہوگی
اور ان کی رہنمائی بھی ہوگی۔ جو S.I.O کا ایک فریضہ بھی ہے۔

احمد علی، مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ

مشورے

رفیق منزل کے دونوں شمارے نظر سے گزرے۔
سرورق پر جو آیت مزین کی جا رہی ہے اگر اس کا ترجمہ بھی
درج کر دیا جائے تو افادۂ عام میں مدد مل سکے گی۔
جدید معلومات سے متعلق اعداد و شمار بھی دیتے رہیں
اس سے نہ صرف تحریکی ساتھیوں کو بلکہ عام طلباء کو بھی
فائدہ پہنچے گا۔ DATA کے طور پر COMPETITIVE
MAGAZINES سے چیدہ اور اہم معلومات درج کی
جا سکتی ہیں بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ہمارے بہت سے
رفقاء ان معلومات سے بے خبر ہوتے ہیں جس کی وجہ سے
وہ اپنے سے زیادہ تعلیم یافتہ حضرات سے گفتگو کرنے
میں جھجک محسوس کرتے ہیں۔

مضامین سے متعلق یہ بات پیش نظر رہے کہ ہر
مضمون زیادہ سے زیادہ ½ 1 یا 2 صفحہ کا ہو۔ اس سے
زیادہ کا نہ ہو کیوں کہ رفیق کے صفحات ہی کم ہیں۔

دیگر زبانوں کے رسائل و جرائد کے ایسے مضامین
کے ترجمے بھی شائع کئے جائیں جن سے دوسروں کے نقطۂ نظر
اور ان کے متعلق معلومات میں اضافہ ہو۔

محمد نصیر الدین، مغل پورہ، حیدر آباد

نوٹ:۔ قارئین سے گزارش ہے کہ ان موضوعات
پر مضامین بھیجیں۔ (ادارہ)

رفیق منزل کا سائز تبدیل کریں

رفیق منزل کا جنوری کا شمارہ نظر نواز ہوا۔
پرچہ بہت معیاری رہا۔ خاص طور سے بہن جبینہ ارشاد
کا مضمون "تحریک اسلامی میں خواتین و طالبات
کی ذمہ داریاں" بہت پسند آیا۔
پرچہ کا سائز کچھ اچھا نہیں لگتا بہتر تو یہ ہوتا کہ
آپ اس کا سائز وہی رکھیں جو پہلے تھا۔

جاوید سلطان اعظمی، محمد افروز عالم، طارق الامین
جامعۃ الفلاح، اعظم گڑھ

تذکیر بالقرآن

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿٣٨﴾ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿٣٩﴾ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿٤٠﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ؕ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿٤١﴾ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ؕ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ؕ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿٤٢﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿٤٣﴾

ترجمہ:۔ آپ سے پہلے بھی ہم نے رسول بھیجے ہیں اور ان کو بھی بیوی اور بچوں والا بنایا تھا اور کسی رسول کے اختیار میں یہ بات نہ تھی کہ اللہ کے اذن کے بغیر کوئی نشانی لے آتا ہر دور کے لئے ایک کتاب ہے ہ اللہ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے باقی رکھتا ہے۔ اور اصل کتاب تو اسی کے پاس ہے ہ اور (اے نبیؐ) ہم نے ان سے جس چیز کا وعدہ کیا ہے اس کا کچھ حصہ آپ کی زندگی میں دکھا دیں گے یا آپ کی وفات کے بعد۔ آپ پر تو صرف تبلیغ کی ذمہ داری ہے، حساب لینا ہمارا کام ہے ہ کیا وہ دیکھتے نہیں کہ ہم زمین کے دائرہ کو ان پر تنگ کر رہے ہیں۔ اللہ ہی فیصلہ کرنے والا ہے اس کے فیصلوں پر نظر ثانی کرنے والا کوئی نہیں اور وہ جلد حساب لینے والا ہے ہ ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی بڑی تدبیریں کی تھیں۔ اللہ ہی کے ہاتھ میں ساری تدبیریں (کا انجام) ہیں وہ ہر شخص کے اعمال سے باخبر ہے، اور کفار عنقریب یہ دیکھ لیں گے کہ انجام کس کا بخیر ہوتا ہے ہ اور یہ منکرین کہتے ہیں کہ آپ رسول نہیں ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی میرے اور تمہارے درمیان گواہی کے لئے کافی ہے اور وہ شخص بھی جس کے پاس کتاب کا علم ہے۔ (الرعد مدنیۃ ۳۸ - ۴۳)

اس سورۃ کا ایک اہم موضوع رسالت ہے اس میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ہونے والے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔ اس سے قبل اس اعتراض کا جواب دیا گیا تھا کہ آپ کی رسالت پر سب سے پہلے تو اہل کتاب کو ایمان لانا چاہیے تھا۔

یہاں جن اعتراضات کا جواب ہے ان میں پہلی بات رسولؐ کی بشریت ہے، کہ کوئی ہم جیسا انسان جس کی بیویاں اور اولاد ہوں جو ہماری طرح انسانی ضروریات رکھتا ہو رسول کیسے ہو سکتا ہے۔ قرآن میں متعدد مقامات پر مختلف انداز میں اس اعتراض کو نقل کیا گیا ہے مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ یہ کیسا رسول ہے کھانا کھاتا اور بازار بھی جاتا ہے۔ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ کیا یہی ہے جسے اللہ نے انسان (ہونے کے باوجود) رسول بنا کر بھیجا۔ اس اعتراض کے جو جوابات قرآن میں دئے گئے ان میں ایک تو یہ تھا کہ اگر کوئی فوق البشر یا فرشتہ رسول بن کر آتا تو اس وقت ایک جائز اور معقول اعتراض یہ ہوتا کہ اس کی پیروی انسان کیسے کر سکتا ہے فرشتے ان حوائج و ضروریات سے مبرا ہیں جو انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہیں۔ انسانوں کو رسول بنانے میں اس اعتراض کی گنجائش نہیں اور اس میں یہ مصلحت بھی ہے کہ یہ رسول ثابت کر دیں کہ تمام بشری ضرورتوں کی تکمیل کے ساتھ ساتھ ہدایات الٰہی کا اتباع ممکن ہے۔ اور اس مقام پر اس اعتراض کی غیر معقولیت اس طرح واضح کی گئی کہ حضرت محمدؐ سے پہلے جتنے رسول آئے اور جن کو یہ مخاطب بھی رسول تسلیم کرتے ہیں وہ سب کے سب انسان تھے۔ بیویاں اور بچوں والے تھے پھر یہ کیسی نامعقولیت ہے کہ کسی نبی یا رسول کے لئے تو انسان ہونا تسلیم ہو بلکہ ان پر وہ فخر کرتے ہوں اور پھر اسی طرح کے کسی رسول کی رسالت کا انکار اس بنیاد پر کیا جائے کہ وہ انسان ہے۔ اسی آیت میں ایک دوسرے اعتراض کا جواب دیا گیا ہے کہ اس رسول کے ساتھ کوئی نشانی یا معجزہ کیوں نہیں ہے جس سے ہم مان لیتے کہ یہ واقعی اللہ کا رسول ہے۔ کہا گیا کہ کسی رسول کے اختیار میں معجزہ دکھانا نہیں ہے، سابقہ رسول بھی اللہ کے اذن ہی سے وہ نشانیاں پیش کرتے تھے۔ حضرت محمدؐ نے کرامات کا دعویٰ کبھی نہیں کیا اس لئے ان سے اس کا مطالبہ صحیح نہیں۔ دوسرے مقام پر اس کی صراحت کی گئی ہے کہ جب ایسا معجزہ کسی نبی کو دیا جاتا ہے تو پھر قوم کی قسمت کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ ابھی اللہ کی مشیت یہ ہے کہ تمہیں زندہ رہنے اور اپنے اختیار تمیزی کو استعمال کرنے کا موقع دیا جائے اگر کوئی نشانی بھی نازل کی جاتی تو پھر امتحان کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

آج کے دور میں جب انسانی ذرائع علم سب کو معلوم ہیں کسی مافوق الفطری ذریعہ علم کا انکار عقل کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ یہ دراصل اسی قدیم اعتراض کی نئی شکل ہے۔ انسان کی اصل آزمائش یہ ہے کہ تمام انسانی ضروریات و لوازمات کے ساتھ وہ اللہ والا بننے کا ثبوت فراہم کرے، رسولوں کا امتیاز یہ ہے کہ وہ زیادہ شادیاں کر کے بھی اور تعلقات کے تقاضے ادا کر کے بھی نہ صرف یہ کہ وہ خدا ترس

ہوتے تھے بلکہ خدا کے رسول جیسے بلند منصب پر فائز ہو سکتے تھے۔

آخیر میں یہ بات کہی گئی کہ ہر دور کے لئے ایک کتاب ہوتی ہے، سابقہ اقوام کو ان کے زمانے کے مطابق کتابیں دی گئیں اس عہد کے لئے یہ کتاب ہے جسے حضرت محمدؐ لے کر آئے ہیں۔

۳۹ اس آیت میں فرمایا گیا کہ اللہ جسے چاہتا ہے باقی رکھتا ہے اور جسے چاہتا ہے مٹا دیتا ہے۔ اس میں اقوام بھی داخل ہیں اور شریعتیں بھی۔ کہ اس نے فیصلہ کیا کہ سابقہ شریعتیں منسوخ ہو جائیں۔ سابقہ ملتوں کی سابقہ حیثیت ختم کر دی جائے، اب خدا کی اصل رہنما کتاب کا درجہ قرآن کو حاصل ہو اور اسی سے وابستہ قوم کو خدا کا قرب اور ثبات حاصل ہو یہ خدا کا فیصلہ ہے۔ اس لئے کہ اصل کتاب تو خدا ہی کے پاس ہے اسی کے ہاتھ میں آخری فیصلہ بھی ہے کہ وہ کب اور کسے نوازے گا اور کب اور کسے محروم کرے گا۔

۴۰ یعنی مومنین سے عزت و سر بلندی کا وعدہ اور منکرین سے ذلت و پستی کا وعدہ یہ دونوں آپؐ کی زندگی میں بھی بڑی حد تک پورے ہوئے اور آپؐ کی وفات کے بعد بھی۔ پھر فرمایا گیا کہ آپ پر صرف تبلیغ کی ذمہ داری ہے حساب لینا ہمارا کام ہے۔ اس سے داعی کو یہ سبق ملتا ہے کہ وہ نتائج کی طرف سے بے پروا ہو کر کوششیں کرے اس میں طویل عرصہ بھی لگ سکتا ہے۔ نتائج اللہ کے ہاتھ میں ہیں وہ صحیح فیصلہ کرے گا۔ نتائج پر نظر رکھنے سے مایوسی ہوا کرتی ہے۔ دعوت کا کام مسلسل قربانیاں چاہتا ہے۔ اگر صحیح رخ پر کوشش ہو تو داعی کو اس کا اجر یقیناً ملے گا زندگی میں بھی بعض وعدے پورے ہو سکتے ہیں ورنہ موت کے بعد تو اسے مکمل شکل میں سامنے آنا ہی ہے۔

۴۱ مخالفین کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ان کی مخالفت کے باوجود یہ دعوت پھیل رہی ہے، ان کی جمعیت کمزور ہو رہی ہے اور ان پر زمین آہستہ آہستہ تنگ ہو رہی ہے۔ یہ اس لئے ہوا کہ فیصلہ تو اللہ کرتا ہے اور اس کے فیصلے میں ترمیم و تنسیخ کا اختیار کسی کو نہیں ہے وہ تو نافذ ہو کر رہے گا اور اسے حساب لیتے بھی دیر نہیں لگتی، اس لئے اس کے معاملہ میں بے پرواہی یا غفلت یا ڈھٹائی مناسب نہیں۔

۴۲ ان سے پہلے کے لوگوں کو ان کی تدبیریں اور سازشیں اللہ کے فیصلے سے نہ بچا سکیں تو یہ کیسے بچ کر جا سکتے ہیں سازشوں کو کامیاب ہونے دینا یا ناکام کرنا تو اللہ کے اختیار میں ہے۔ اللہ کو تو ہر شخص کے اعمال کی خبر ہے اس لئے سب کو اس کی جزا یا سزا ملے گی اور منکرین کو بھی پتہ چل جائے گا کہ انجام خیر کا مستحق کون ہے؟

۴۳ افہام و تفہیم کے ایک طویل سلسلہ کے باوجود اگر مخالفین انکار رسالت پر قائم ہیں تو ان سے یہ کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ ہی کی شہادت کافی ہے یعنی اب وہی فیصلہ کرے گا کہ حق کیا ہے۔ اور اس کی شہادت وہ لوگ بھی دیں گے جن کے پاس کتاب کا علم ہے یعنی اہل کتاب کا حق پرست گروہ بھی اس رسول کی صداقت اور اس کتاب کی حقانیت پر گواہ ہے۔ اس آیت سے دعوت کی طویل تاریخ پر روشنی پڑتی ہے کہ اس کے باوجود اللہ پر داعی کے یقین و اعتقاد میں کوئی کمی نہیں ہوتی اور وہ اپنے معاملہ کو اللہ ہی کے سپرد کرتا ہے۔ (اس تذکیر میں مولانا جلال الدین عمری صاحب کے درس قرآن سے استفادہ کیا گیا ہے۔)

ایک سانحہ ــــ ایک سبق

بس چند دنوں پہلے کی بات تھی۔ وہ ایم۔ اے کے امتحان کا تیسرا پیپر دینے آیا تھا مگر تاریخ میں اچانک تو سیع کی وجہ کر سمیسٹرام واپس ہو گیا تھا ۲۴۔۲۵ سال کا نوجوان تھا وہ ہنس مکھ اور سعادت مند۔ دور دور تک یہ بات سوچی نہیں جا سکتی تھی کہ وہ چند دنوں بعد اس دنیا فانی سے ہمیشہ باقی رہنے والی دنیا کا سفر کرے گا۔ ایس۔ آئی۔ او کا فعال کارکن تھا وہ۔ رکنیت کا امیدوار بھی تھا۔ سانولا سا رنگ، دبلا پتلا جسم، ہر امر کی اطاعت کے لئے تیار۔

عجیب حادثہ ہوا اس کے ساتھ۔ کھانے کا وقت تھا اس نے بازار سے انڈے خریدے۔ گھر آیا۔ انڈا تلا گیا۔ ایک انڈا اس کے چھوٹے بھائی نے کھالیا۔ دوسرا انڈا دو حصوں میں تقسیم ہوا۔ آدھا اس نے خود کھایا آدھا اس کی والدہ نے۔ کچھ ہی دیر بعد دونوں کی طبیعت خراب ہونے لگی۔ FOOD POISIO ING کا کیس ڈاکٹروں نے سمجھا۔ علاج ہوا۔ والدہ کا انتقال دوسرے دن ہو گیا۔ اور یہ نوجوان دو دنوں تک زندگی و موت کی کشمکش سے گزرنے کے بعد جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ تنویر التوحید اور ان کی والدہ کو شہیدوں کا درجہ عطا فرمائے اور ان کی خطاؤں سے درگزر فرمائے۔

پٹنہ میں جب تنویر کی اچانک موت کی خبر سنی تو بالکل یقین نہ آیا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ تنویر اب انسانوں کی زندہ بستی سے کوچ کر چکا ہے۔ خیالوں کی دنیا میں اس کی تصویر بار بار ابھرتی رہی۔ اور میں اپنے ان نوجوان دوستوں کے بارے میں سوچتا رہا جو دعوتی کاموں کے بارے میں اکثر وعدے کرتے ہیں کہ ذرا اس ٹرمینل کے بعد، اس امتحان کے بعد، میڈیکل کمپٹیشن کے بعد وغیرہ وغیرہ۔ ان کو یہی خیال رہتا ہے کہ موت ابھی تو نہیں آئے گی ابھی تو ہم صرف ۲۴ سال کے ہی ہیں۔ انھیں خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے اور یاد رکھنا چاہئے کہ موت کو کبھی دور نہ سمجھیں۔ کیا تنویر کی موت میں یہ سبق نہیں۔ کیا اس سے قبل ایس۔ آئی۔ او کے ممبر یونس احسان اور سیف اللہ کی موت میں یہی سبق نہ تھا۔ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُہُمْ وَھُمْ فِیْ غَفْلَۃٍ مُّعْرِضُوْن۔

سید محمد اقبال (گیا)

مولانا مجاہد الاسلام صاحب قاسمی سے ایک ملاقات

مولانا موصوف مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی دعوت پر سالانہ جلسہ سیرت میں تشریف لائے تھے، آپ کا اچھوتا اور عمومی انداز بیان بہت ہی موثر اور مفید تھا، اسی موقع سے ۱۴ ربیع الاول ... بروز جمعہ یونیورسٹی کے قدیم گیسٹ ہاؤس میں یہ انٹرویو لیا گیا۔ اس وقت برادر محمد ابدال ایم اے اور برادر آفتاب عالم آر دی بھی موجود تھے۔ (ادارہ)

مدیر۔ مولانا! میں سب سے پہلے آپ کا مختصر تعارف چاہتا ہوں۔

مولانا۔ میری پیدائش ... میں ہوئی ضلع دربھنگہ کا ایک قصبہ جالہ میرا وطن ہے۔ ابتدائی تعلیم گھر ہی پر ہوئی اس کے بعد مدرسہ امدادیہ دربھنگہ اور مئو اعظم گڑھ میں تعلیم حاصل کی آخری چار سال دارالعلوم دیوبند میں تعلیم پائی۔ میرے اساتذہ میں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی۔ مولانا ابراہیم بلیاوی شیخ الادب مولانا اعزاز علی رحمہم اللہ ہیں فراغت کے بعد جامعہ رحمانی مونگیر میں تدریسی مصروفیت رہی۔ ابتدا سے انتہا تک سبھی علوم کی کتابیں پڑھائیں جن کا فائدہ مجھے آج تک پہنچ رہا ہے۔ ... میں امارت شرعیہ میں قاضی کی ذمہ داریاں سپرد کی گئیں اسی دوران جامعہ میں ایک سال کے لئے حدیث و تفسیر کے استاد کی حیثیت سے بلایا گیا۔ میری اس وقت بنیادی ذمہ داری منصب قضا کی ہے اس کے علاوہ امارت شرعیہ کے مختلف و متنوع سرگرمیوں میں مصروفیت رہتی ہے۔ مسلمانوں کے تعلیمی مسائل کے سلسلہ میں کچھ کام کر رہا ہوں، ان کی تعلیمی پس ماندگی دور کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ بہت سے اسلامی مدارس میری نگرانی میں چل رہے ہیں۔ عصری اداروں میں ہمارے بچے اسلامی ماحول نہیں پاتے اور دینی بیک گراؤنڈ باقی نہیں رہتا ہے اس لئے ایسے اسکول کے قیام کی کوشش کر رہا ہوں جہاں اسلامی ماحول ہو اور آج کی تعلیمی ضرورت بھی وہاں پوری ہو۔

مدیر۔ امارت شرعیہ، جس سے آپ منسلک ہیں اس کے کیا کام ہیں اور کارکردگی تشفی بخش ہے یا نہیں؟

مولانا۔ امارت شرعیہ کا کام بہت زیادہ بڑھا ہے، کسی شعبہ میں گھٹا نہیں ہے الحمدللہ۔ اس کی فعالیت کا اعتراف بھی کیا جارہا ہے۔ بنیادی شعبہ دارالقضا ہے جس کا کام مقدمات کی سماعت اور شریعت اسلامی کے مطابق فیصلے دینا ہے پہلے صرف ایک مرکزی دارالقضا پھلواری شریف میں تھا اور اب بہار و اڑیسہ کے متعدد مقامات پر قضاۃ مقرر ہیں اور مقامی مقدمات کے فیصلے وہیں ہو جاتے ہیں۔ ملک کے مختلف حصوں میں بھی دارالقضا کا قیام عمل میں آیا ہے۔ ان کے علاوہ ہم نے قاضیوں کی تربیت کا کیمپ بھی لگایا جو بہت کامیاب رہا۔ ابھی اکتوبر میں ایک ہفتہ کا کیمپ بنگلور میں لگایا گیا تھا۔ مقدمات کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے اور ان میں تنوع بھی پیدا ہوتا جارہا ہے۔ لوگ بڑے بڑے معاملات، تجارتی و کاروباری مسائل بھی تصفیے کے لئے دارالقضا میں لاتے ہیں۔

مدیر۔ ایک رسالہ نے امارت شرعیہ کے بارے میں یہ تاثر قائم کرانے کی کوشش کی تھی کہ وہ نکاح کو فسخ کرانے کا ادارہ ہے جہاں عورتیں بے سہارا کر دی جاتی ہیں، انھیں حقیقی انصاف نہیں ملتا؟

مولانا۔ جس نے بھی یہ لکھا ہے اخلاص سے نہیں لکھا، دارالقضا تو ایک عدالت ہے اور وہاں عورت کی اپیل پر اس کی درخواست پوری کی جاتی ہے، جس کا شوہر لاپتہ ہو اس کی موت و حیات کی بھی خبر نہ ہو۔ بیوی چاہتی ہے کہ بے سہارا رہنے کے بجائے اس کا نکاح فسخ کر دیا جائے تاکہ وہ اپنا اور کوئی انتظام کر سکے۔ چنانچہ اعلان کے تمام ممکنہ تقاضے پورے کرنے کے بعد مقدمات کی سماعت ہوتی ہے اور اگر عورت فسخ نکاح کی اپیل میں حق بجانب ہو تو اس کا نکاح فسخ کرا دیا جاتا ہے۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ وہ یوں ہی پڑی رہتی ہوں، ان میں سے اکثر کی شادیاں ہو جاتی ہیں ورنہ وہ اپنا نکاح ہی کیوں فسخ کرائیں۔ رہا ان کی کفالت کا معاملہ جب تک وہ بیوہ ہوں تو یہ عدالت کا کام نہیں یہ شعبہ بیت المال سے متعلق ہے، ہم ناداروں، بیوہ عورتوں اور طلبہ کی امداد حسب سہولت و گنجائش کرتے ہیں، اس شعبہ میں لاکھ ڈیڑھ لاکھ تک سالانہ صرفہ ہوتا ہے۔ پوری کفالت تو حکومت سے بھی ممکن نہیں بیت المال کے لئے رقوم کی فراہمی مختلف ذرائع سے ہوتی ہے۔ اول وہ افراد جو تنظیمی حیثیت سے امارت سے منسلک ہیں ان کا ایک سردار "نقیب" ہوتا ہے جو ایک روپے سے بارہ روپے تک وابستگان سے جمع کرتے ہیں دوم عطیات کی رقم سوم صدقات واجبہ زکوٰۃ عشر و فطرے وغیرہ کی رقوم، یہ تمام رقم ان کی مخصوص مدوں

میں صرف ہوتی ہیں۔ ہماری امداد دو طرح کی ہوتی ہے معینہ اور وقتی یا ہنگامی۔ معینہ ماہوار دی جاتی ہے۔ عربی مدارس کے طلبہ کو وظائف بھی دیتے ہیں۔ اسی طرح بیوگان اور یتیموں کو بھی۔ میڈیکل کے طلبہ کے لئے تعلیمی فنڈ بھی ہے۔ علی گڑھ میں بھی کئی طالب علموں کو وظیفہ مل رہا ہے۔ تنظیم کے ذریعہ مسلمانوں میں اجتماعی نظم قائم کرتے ہیں۔ ہم نے ایک بڑا ہاسپٹل بھی بنایا ہے چند دنوں میں اس کا افتتاح ہونا ہے فی الحال آؤٹ ڈور اور امراض کے ٹیکوں وغیرہ کا انتظام ہوگا۔ ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ کے قیام کا ارادہ ہے۔ حالیہ سیلاب میں بڑے پیمانے پر کام کیا گیا ہے۔ بحیثیت مجموعی امارت کا کام اطمینان بخش ہے۔

مدیر۔ مسلمانوں میں جو گروہ بندیاں ہیں انھیں آپ کس نظر سے دیکھتے ہیں، ان کا جواز کس حد تک ہے؟

مولانا۔ میں تحزب کو سب سے بڑا گناہ سمجھتا ہوں۔ کلمہ کی بنیاد پر امت کی تنظیم ہونی چاہئے۔ ہر سطح پر مسلمانوں کو متحد ہونا چاہئے۔ مجھے بھی اختلاف رائے بہت سے لوگوں سے ہے مگر کسی بھی جماعت سے، الحمد للہ اپنے دل میں نفرت نہیں پاتا اسی لئے سب ہم سے محبت بھی کرتے ہیں۔ اداروں کو جب دکانداری سمجھ لیا جائے تو اتحاد پیدا نہیں ہوسکتا۔ اپنی سطح سے اونچا اٹھ کر اسلام کو بنیاد بنانا چاہئے۔ ہر جماعت میں وہ نسل ابھر رہی ہے جو بزرگوں کو پابندیوں کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ مشاورت کا قیام عمل میں آیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے سب کو ایک جگہ بٹھانے کا تاریخی کارنامہ انجام دیا۔ جماعتوں کا فرق ایک حد تک مٹ گیا ہے۔ ہر شخص اپنی حیثیت ہی تک کام کا مکلف ہے۔ کسی کام کو اس انتظار میں مؤخر نہیں کیا جاسکتا کہ جو مطلوبہ حد ہے کام کرنے کی اس کی صلاحیت نہیں ہے صحیح طریقہ یہ ہے کہ جس قدر صلاحیت ہو اتنا کام شروع کردیا جائے آگے کے لئے کوشش جاری رکھی جائے۔ ہر شخص کو اپنی حیثیت میں اتحاد و اتفاق کی کوشش کرنی چاہئے، آپ نوجوان لوگ ہیں اس سلسلہ میں خاطر خواہ کام کرسکتے ہیں۔

مدیر۔ اتحاد و اتفاق کی جو کوشش ہوئیں، ان میں بعض جماعتیں کیوں ساتھ نہیں دیتیں اور بعض لوگوں کو یہ شکایت ہے کہ ان کی کما حقہ نمائندگی نہیں ہے؟

مولانا۔ جو جماعتیں خلوص کے ساتھ اتحاد کی خواہاں ہیں وہ شروع سے آج تک تعاون کر رہی ہیں۔ بعض مسائل مقامی طور پر کھڑے ہوتے ہیں انھیں دور کر لیا جاتا ہے البتہ جو جماعتیں صرف رائے عامہ کے دباؤ کے تحت شریک ہوئی تھیں وہ موقع کی تلاش میں تھیں کہ الگ ہوجائیں انھوں نے مسلمانوں کی اجتماعیت کو کبھی دل سے پسند نہیں کیا اور ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنائی مسلم پرسنل لا کے مسئلہ میں عوامی دباؤ کے تحت آئے خوشی سے نہیں آئے۔ ہم نے تو انتہا درجہ کی رواداری کا مظاہرہ کیا انھیں ساتھ رکھنے کے لئے اصول و ضوابط توڑے ہیں مثلاً ایک ضابطہ ہے کہ تین میٹنگ میں کوئی ممبر شریک نہ ہو تو اس کی ممبرشپ ختم کردی جائے۔ ہم نے ۱۹۷۲ء سے آج تک ایک شخص کو بھی ان کی غیر حاضری کی وجہ سے الگ نہیں کیا۔ ہم نے اپنی طرف سے آخری حد تک وسعت نظری کا ثبوت دیا ہے۔ ہم تو اس کے لئے بھی تیار ہیں کہ صحیح خطوط پر چلانے والا کوئی طبقہ آگے آئے تو ہم صرف تعاون کرنے میں زیادہ راحت محسوس کریں گے۔

مدیر۔ آپ کے خیال میں مسلمانوں میں اسلام سے عملی انحراف میں کمی ہے یا اضافہ۔

مولانا۔ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ عملی انحراف بڑھا نہیں گھٹا ہے چاہے وہ عبادات کا معاملہ ہو یا معاملات کا، عام مسلم طبقوں میں یہ رویہ اطمینان بخش ہے۔

مدیر۔ موجودہ دور میں اسلام پر قائم رہنے کے لئے جو دشواریاں ہیں حکومتی سطح سے جو منکرات کا فروغ و ترغیبات ہیں اس سلسلہ میں آپ کن تدابیر کی نشاندہی کریں گے۔

مولانا۔ آپ نے بات بہت صحیح کہی، گذشتہ زمانے کے مقابلے میں آج دین پر قائم رہنا زیادہ دشوار ہے۔ اسی لئے حضورؐ نے فرمایا تھا کہ آج اگر تم دین کا دسواں حصہ بھی چھوڑ دوگے تو ہلاک ہوجاؤگے ایک زمانہ آئے گا جب دس فیصد دین پر عمل کرنے والے نجات پاجائیں گے۔ آج دین کے اثرات کو ختم کرنے کے لئے منظم سازشیں ہو رہی ہیں، جتنی مضبوط مخالف قوت ہوگی اتنی ہی زیادہ طاقت مقابلہ کے لئے حاصل کرنی ہوگی۔ ہم کو زیادہ مثبت، مضبوط اور مستحکم ہونا چاہئے۔ مخصوص طبقہ ہی عوام کی سربراہی کرتا ہے۔ یہ ہمیشہ اقلیت میں ہوتا ہے لیکن اکثریت کی قیادت کرتا ہے۔ یہ دانشور طبقہ جب سدھر جاتا ہے تو بڑا اسلام ہوجاتا ہے۔ ہم کو تعلیمی اداروں کو اور سماج کے سربرآوردہ لوگوں کو کام کا میدان خصوصیت کے ساتھ بنانا چاہئے اگر تھوڑے طبقہ میں بھی ہم مؤثر ہوتے ہیں تو بڑا کام کرجائیں گے۔

مدیر۔ غیر مسلموں میں اسلام کی دعوت کے لئے کیا ہمیں کسی خاص لمحہ کا انتظار کرنا چاہئے۔

مولانا۔ دعوت کا کام مدعو کے اکرام کے ساتھ ہونا چاہئے۔ نفرت، رقابت اور چپقلش کے ماحول میں یہ کام نہیں ہوسکتا۔ شادی کے مواقع پر رشتہ داروں کی کتنی خوشامدیں ہوتی ہیں خود کو حقیر سے حقیر پوزیشن میں ڈال کر انھیں شرکت کے لئے

آمادہ کیا جاتا ہے۔ ہم کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ اسلام جیسی عظیم الشان نعمت کے لئے بھی اتنی ہی خوشامد کرتے ہیں یا نہیں۔ دعوت کو اگر ہم رضاء الٰہی کا ذریعہ سمجھتے ہیں تو کوئی کتنا ہی بُرا بھلا کیوں نہ کہے ہمیں اسے اپنے لئے باعث عار نہیں سمجھنا چاہیئے۔ حسن اخلاق، ہمدردی اور ایثار سے یہ مرحلہ آسان ہو سکتا ہے۔ پالیسی یا سیاست کا طریقہ چھوڑ کر بے غرضی اور سچی ہمدردی سے اگر کام لیا جائے، تو اخلاق کی یہ خاموش دعوت بڑی کتاب اور لمبی تقریر سے زیادہ موثر ہو سکتی ہے۔ موجودہ دعوت کا اہم ترین پہلو یہ ہے کہ ہم نفرت کی اس خلیج کو دور کر دیں جو مسلمانوں اور غیر مسلموں میں پیدا ہو گئی ہے اور جو حق پر غور کرنے میں مانع ہے۔

مدیر:۔ آپ کے نزدیک فرقہ وارانہ منافرت کے اسباب کیا ہیں اور ان کے ازالہ کی تدبیر کیا ہے؟۔

مولنا:۔ کچھ اسباب تو تاریخی ہیں داعیانہ حیثیت سے زیادہ ہماری فاتحانہ حیثیت ہے۔ کچھ اسباب سیاسی ہیں، فرقہ وارانہ بنیادوں پر ووٹ مانگے جاتے ہیں، ہماری قیادت مذہبی جذبات کو بھڑکا کر اپنا کام نکالتی ہے۔ مختلف مسائل ایسے اٹھتے ہیں۔ جب اس منافرت کو شہ ملتی ہے۔ پنجاب کے حالات بھی ہمارے نوجوانوں کو مشتعل بنا رہے ہیں اس وقت سب سے بڑی تربیت جو نوجوانوں کی ہونی چاہیئے یہ ہے کہ ہم غصہ میں نہیں آئیں ہم مشتعل نہیں ہوں گے، ہمیں اس کی بڑی مشق کرنی چاہیئے۔ مسلم پرسنل لا کی مہم نے نفرت میں کوئی اضافہ نہیں کیا۔ ہم نے حکومت سے لڑائی لڑی اور اس میں غیر مسلموں کی حمایت بھی حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اور اس لڑائی کو قابو میں رکھا۔ ہم تو آخری درجہ کی قربانی کے لئے بھی تیار تھے لیکن اللہ نے پہلے ہی کامیابی عطا فرمائی۔

مدیر:۔ دیگر ممالک میں اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے جو واقعات رونما ہوتے ہیں ان میں ہمارا موقف کیا ہونا چاہیئے، اس وقت تازہ مثالیں تیونس اور سانحہ مکہ کی ہیں۔

مولنا:۔ پوری واقفیت کے بغیر ہمیں کسی ردعمل سے باز رہنا چاہیئے آج اسلام کے نام پر بہت کچھ ہو رہا ہے۔ ویسے جہاں بھی اسلام کے لئے پرخلوص کوششیں ہو رہی ہیں ہماری ہمدردیاں ان کے ساتھ ہیں۔ ہم ان کے لئے دعا ہی کر سکتے ہیں۔ تیونس میں اسلام پسندوں پر جو ظلم ہوا ہے وہ بُرا ہے اور قابل مذمت ہے۔ وہ لوگ اسلامی قوانین کے نفاذ کے لئے کوشاں ہیں۔ مکہ میں جو بات ہوئی میں اسے بالکل ناپسند کرتا ہوں۔ ایرانیوں نے جو مظاہرے کئے وہ قطعی صحیح نہیں۔ میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ لاشرقیہ لاغربیہ خمینی رہبر اللہ اکبر کے نعرے لگا کر وہ رمی جمار اور تمام ارکان ادا کرتے ہیں۔ یہ رویہ بالکل درست نہیں۔ وہاں جو حادثہ ہوا وہ دو حکومتوں کی لڑائی ہے شیعہ سُنی جھگڑا ہرگز نہیں اور اس کی بنیاد پر ہندوستان میں اس قسم کے شیعہ سُنی جھگڑے کھڑے کرنا بالکل صحیح نہیں ہے۔

مدیر:۔ نئی تعلیمی پالیسی کے متعلق آپ کچھ فرمانا چاہیں گے؟

مولنا:۔ میں اس سلسلہ میں اس وقت کچھ زیادہ نہیں کہہ سکتا اجمالاً یہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر ہم سوتے رہے تو اس کے مفید عناصر سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے اور مضر عناصر سے ہمیں نقصان پہنچ جائے گا۔ اگر ہم بیدار رہیں تو فائدہ حاصل کر سکیں گے اور نقصان سے محفوظ رہیں گے۔

مدیر:۔ بہار اور دیگر صوبوں کے دینی مدارس جو حکومت سے امداد پاتے ہیں وہاں تدریجی طریقے سے دینی علوم کی بساط لپیٹی جا رہی ہے۔

مولنا:۔ مدارس اسلامیہ عربیہ کے جو مقاصد ہیں، ان مدارس سے حاصل نہیں ہو سکتے۔ ہماری کوشش یہ ہے کہ انھیں مسلمانوں کے لئے جس قدر مفید بنا سکیں بنائیں۔ مسلمان بچے وہاں نفس تعلیم حاصل کرتے ہیں اسکولوں میں وہ دینی تعلیم سے بالکل نابلد رہتے ہیں۔ جب سے یہ مدرسے جلب دنیا کا ذریعہ بنے ہیں اہل ہوس اور اہل دنیا نے مدارس کو اپنے ہوس کے حصول کا ذریعہ بنا لیا ہے۔ ایک بڑا نقصان یہ ہے کہ سماج میں علماء کا جو احترام ہے ان مدارس سے اس میں کمی آئی ہے۔ البتہ بعض مدارس ابھی بھی ایسے ہیں جو آزاد مدارس کی طرح دینی تعلیم دے رہے ہیں اور وہاں کے فارغین کو دیکھ کر آپ کو خوشی ہوگی۔

مدیر:۔ عرب ممالک سے علماء کا جو رابطہ ہوا ہے ہندوستان کے پس منظر میں وہ مفید ہے یا مضر؟۔

مولنا:۔ اس سوال کو رہنے ہی دیجئے تو اچھا ہے۔ (مزید اصرار پر) نقصان تو ان لڑکوں سے ہے جو مدینہ و ریاض یونیورسٹی جاتے ہیں بہترین صلاحیتوں کے لڑکے جن سے یہاں کام لیا جا سکتا تھا وہ افریقہ اور دوسرے ممالک میں مبعوث ہو کر جاتے ہیں اور ان کا سارا دینی وملی پس منظر ختم ہو جاتا ہے۔

مدیر:۔ یہ آخری سوال ذرا روایتی ہے مگر ہم ایس آئی او کے ترجمان رفیق کے قارئین کے لئے آپ کا پیغام روایت کی سطح سے بلند ہو کر چاہتے ہیں۔

مولنا:۔ ملی اتحاد اور دعوت کے ضمن میں جو باتیں میں نے عرض کی ہیں وہی میرا پیغام ہیں۔

مدیر:۔ جزاکم اللہ۔



مدارس اسلامیہ اور برادران وطن

نسیم غازی۔ دہلی

آج سارا عالم خصوصاً ہمارا وطن تباہی و بربادی کے دہانے پر کھڑا ہے۔ مسلم اور اس ملک کے باشندے ہونے کے ناطے ہم اپنے اردگرد پائی جانے والی بے چینی، بدامنی، کرپشن، فتنہ فساد، جھوٹ اور بے ایمانی نیز دیگر جرائم سے صرف نظر نہیں کر سکتے۔ ہمارا وطن آج ایک نہیں بلکہ متعدد سنگین قسم کے بحران کا شکار ہے۔ اسی کے ساتھ مسلمانان ہند اپنے ہی وطن میں کچھ دیگر مسائل کا شکار ہیں۔ یہاں کے اکثریتی طبقہ کا اقلیتوں خصوصاً مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا جال اور انھیں ملک سے بے دخل کر دینے کی مسلسل ومنظم کوششیں، آئے دن مسلم کش فسادات کا سلسلہ، مسلمانوں کے مذہبی معاملات میں بیجا مداخلت، اسلامی تشخص کو ختم کر دینے کی مسلسل سازشیں، بابری مسجد کو رام جنم میں تبدیل کر دینا نیز دیگر مساجد کا مندروں میں تبدیل کر دینے کا منصوبہ، ملک دشمنی، فرقہ پرستی اور بیرونی ڈالر کے بے بنیاد الزامات قرآن مجید پر پابندی عائد کرانے کے ناپاک عزائم، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے خلاف ہتک آمیز مضامین اور لٹریچر کی اشاعت، اپنی پسند کا مذہب اختیار کرنے کے دستوری حق پر پابندی کی کوششیں دوسرے معنوں میں ملک کو ایک مخصوص مذہب کے رنگ میں رنگنے کا پلان اور اس قسم کے متعدد مسائل کا آج مسلمانوں کو سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ مسئلہ آج صرف یہ نہیں ہے کہ ہم اپنے برادران وطن کو اسلام کی دعوت سے روشناس کیسے کرائیں بلکہ ایک بڑا مسئلہ یہ ہمارے سامنے ہے کہ ہم خود اپنے ایمان کی حفاظت کیسے کریں۔ اگر ہم نے برادران وطن کے سلسلہ میں اپنی ذمہ داری کو پورا کیا ہوتا اور صحیح معنوں میں شہادت حق کا فریضہ انجام دیا ہوتا تو شاید یہ حالات پیدا ہی نہ ہوتے۔ افسوس تو یہ ہے کہ آج خود ہمارے مسلم سماج کی حالت بھی بڑی ناگفتہ بہ ہے مسلمانوں کی عام طور سے اپنے دین سے بے توجہی، اسلام سے غفلت، ان کے سماج میں غیر اسلامی افکار ونظریات کی مقبولیت، دین کے نام پر غیر اسلامی رواج، مسلم علماء کے باہمی اختلافات اور رہنماؤں کی باہمی رسہ کشی، مسلم عوام کی دینی تعلیم سے عدم رغبت، عوام وخواص میں دنیا طلبی کی فکر، دین کو چند مخصوص امور تک محدود رکھنے کا رجحان، یہ اور اسی طرح کی دوسری بے شمار خرابیاں مسلم سماج کو کھوکھلا کئے دے رہی ہیں۔ ایسے حالات میں جب کہ ملک وملت کی کشتی طوفان میں ہچکولے لے رہی ہے مدارس اسلامیہ اور علماء ہند پر بڑی ذمہ داریاں آن پڑی ہیں۔ ہمارے دینی مدارس اور علماء کرام کو پوری سنجیدگی سے سوچنا ہے کہ ان حالات میں انھیں کیا کرنا ہے، اور ان پر ملک وملت کے پہلو سے کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ ان حالات سے صرف نظر کر جانا اور اپنے فرض منصبی کو فراموش کر دینا درحقیقت خود فریبی کے مترادف ہوگا اور ایسی سنگین غلطی ہوگی جسے نہ انسانیت معاف کرے گی اور نہ تاریخ اور جو دینی ادارہ اس ذمہ داری کو محسوس کر کے اسے پوری کرنے کی پہل کرے گا وہ تاریخ ساز ادارہ ہوگا اور ملک وملت کے لئے باعث رحمت ثابت ہوگا یہاں کچھ ذمہ داریوں کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کاش کہ ہم انھیں محسوس کریں۔

یہ بات بڑے فخر کے ساتھ بیان کی جاتی ہے کہ علماء کرام انبیاء کرام کے اصل وارث ہیں۔ مگر یہ بات فخر کے بجائے کچھ ذمہ داریاں اپنے ساتھ لاتی ہے۔ انبیاء کرام زمین جائداد یا مال ودولت کا وارث امت کو نہیں بناتے بلکہ وہ جو چیز چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوتے ہیں وہ تعلیمات ہیں جن میں انسانیت کی فلاح مضمر ہے۔ اور ان تعلیمات کے وارث ہونے کا صاف مطلب یہ ہے کہ ہم انبیاء کرام کے مشن کو لے کر آگے بڑھیں۔

تمام ہی انبیاء اور پھر آخری نبی کی زندگی گواہ ہے کہ آپ نے جس کام کو سب سے زیادہ اہمیت دی وہ دراصل انسانیت کو گمراہی سے نکال کر راہ حق کی طرف لانا تھا۔ آپ انسانوں کے سچے بہی خواہ اور حقیقی معنوں میں ان سے محبت کرنے والے تھے۔ آپ یہ ہرگز گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ بندگان خدا کوئی ایسی روش اختیار کریں جس کا نتیجہ جہنم ہو۔ اسی لئے آپ ان کی غلط روش پر کڑھتے اور دن رات اس کوشش میں رہتے کہ کس طرح انھیں جہنم کے راستے سے روکا جائے۔ اس تڑپ میں نہ صرف یہ کہ آپ نے اپنا آرام تج دیا بلکہ بے شمار مصائب برداشت کئے۔ مخالفین نے اس بات کی بھرپور جد وجہد کی کہ حضور لوگوں کی ہدایت کا کام بند کر دیں لیکن آپ نے صاف طور پر واضح کر دیا کہ اگر میرے ایک ہاتھ میں سورج دوسرے میں چاند رکھ دیا جائے تب بھی میں اپنا کام نہیں چھوڑ سکتا! چنانچہ زندگی بھر آپ اپنا یہ فریضہ انجام دیتے رہے اور خدا کے بھٹکے ہوئے بندوں کو خدا کا راستہ بتاتے رہے۔ اسی لئے آپ کو رحمۃ اللعالمین کا لقب ملا۔

حضورؐ کے بعد قیامت تک اب کوئی نبی آنے والا نہیں جب کہ انسانوں کی آمد ورفت کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ اب ان کو راہ راست پر لانے اور اسلام کی روشنی سے آگاہ کرنے کی ذمہ داری امت مسلمہ خصوصاً علماء کرام کی ہے اور یہ ذمہ داری انھیں ہمارے نبیؐ کے ورثہ میں ملی ہے۔ اس لئے علماء کرام اور مدارس اسلامیہ کا فرض ہے کہ وہ غیر مسلم بھائیوں کی ہدایت کے لئے منظم طور پر پورے شعور کے ساتھ پروگرام بنائیں اور مسلمانوں کو اس طرف توجہ دلائیں۔ ورنہ روز قیامت اللہ کی پکڑ سے کوئی چیز نہیں بچا سکے گی۔

آج ہم جن بے شمار مسائل میں گرفتار ہیں ان کا واحد اور مستقل حل بھی اس میں مضمر ہے کہ ہم برادران وطن میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کا ازالہ کریں اور انھیں اسلام کے صحیح روپ سے روشناس کرائیں۔

ہمیں یہ بات اچھی طرح یاد رکھنی چاہئے کہ جب تک برادران وطن کے سامنے اسلام کی صحیح تصویر نہیں آئے گی اس وقت تک ملک میں نہ مسلمان محفوظ رہ سکتے ہیں اور نہ اسلام۔

اس کام کو انجام دینے کے لئے ضروری ہے کہ اپنے کردار کو اسلامی بنایا جائے اور مسلم معاشرہ کو اس لائق بنایا جائے تاکہ لوگ اسلام کی فیوض وبرکات سے آگاہ ہو سکیں

باقی صفحہ ۲۳ پر

ہندوستان امن کی تلاش میں

جاوید علی

ذیل میں اس گفتگو کا متن دیا جارہا ہے جو ۲۰ جنوری کو دہلی میں تنظیم کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے سمپوزیم میں حصہ لیتے ہوئے تنظیم کے جنرل سکریٹری برادر جاوید علی صاحب نے کی تھی۔ سمپوزیم کا عنوان تھا "ہندوستان امن کی تلاش میں"۔ اس گفتگو کا مقصد شرکاء کے سامنے غور وفکر کے لئے وہ نکات رکھنا تھا جو آج کے حالات و واقعات پر غور کرتے ہوئے ذہن میں ابھرتے ہیں۔ سمپوزیم میں غیر مسلم حضرات بھی موجود تھے یہ گفتگو ان کو بطور خاص مخاطب کرتے ہوئے کی گئی تھی۔

۱۹۴۷ء میں انگریزوں کے ہندوستان سے چلے جانے کے بعد لوگوں کو توقع تھی کہ یہاں کے عوام کے مسائل حل ہو جائیں گے۔ اور بدامنی اور بے چینی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مسائل میں اضافہ ہی ہوا ہے۔ تشدد کا رجحان بڑھتا جارہا ہے۔ محبت و اعتماد کی فضا ختم ہوتی جاتی ہے۔ ہر انسان بے چین ہے گویا ہر شخص امن وسکون کی تلاش میں ہے۔

امن کیا ہے؟ امن کو اس کے عدم سے پہچانا جاتا ہے (Minus disturbance is peace) ظلم کا خاتمہ امن ہے۔ ظلم اصطلاح میں کسی چیز کو اپنے مناسب مقام سے ہٹا دینے کو کہتے ہیں۔ جیسے مزدور کو اپنے کام کی مزدوری کا ملنا۔ اس کا مناسب مقام ہے اگر مزدوری نہ دی جائے تو یہ ظلم کہہ لائے گا۔ ظلم Disturbance of equilibrium ہے۔ امن سے مراد وہ ماحول ہے جہاں لوگوں کے ساتھ انصاف ہو اور وہ مطمئن رہیں۔

ہمارے سماج کے مختلف شعبوں میں عدم امن، کی کیفیت پائی جاتی ہے۔

(الف) سیاسی سطح پر یہ صورتِ حال عام ہے۔ گورکھالینڈ، تری پورہ، پنجاب جھارکھنڈ اور اتراکھنڈ کے معاملات کسی تعارف کے محتاج نہیں۔

(ب) معاشی طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ پچھلے چالیس سالوں میں یہاں بڑی بڑی صنعتیں قائم کی گئی ہیں۔ اناج کا بھنڈار بھرا ہوا ہے۔ لیکن دوسری طرف بے روزگاری، بھوکمری، اور غربت میں اضافہ ہوا معلوم ہوتا ہے۔ ۸۲-۱۹۸۱ء میں غربت کی لائن سے نیچے ۲۸ کروڑ افراد تھے۔ (غربت کی یہ لائن شہر والوں کے لئے فی آدمی ۸۸ روپیہ اور گاؤں کے لئے فی آدمی ۷۶ روپے ماہانہ ہے)

(ج) اخلاقی سطح پر تو اور بھیانک صورتِ حال ہے۔ انفرادی و اجتماعی زندگی میں اس کی ایک ہی حالت ہے۔ اجتماعی سطح پر تو بوفورس کا معاملہ جہاں اور تک جاتا ہے وہیں فرقہ وارانہ فسادات وغیرہ پلاننگ کے ساتھ ہونے کے واقعات ہم پڑھتے رہتے ہیں۔

انفرادی سطح پر ہم دیکھتے ہیں کہ شادی شدہ جوڑوں میں ولادت سے پہلے اصناف کی پہچان کی جانچ (Aminocentesis) عام ہوتی جاتی ہے اور والدین لڑکی کی اطلاع ملنے پر سرکاری سہولت کا فائدہ اٹھا کر حمل گروا لیتے ہیں۔ مہاراشٹر میں ایک رپورٹ کے مطابق ۱۹۸۴ء میں ۸ لاکھ ایسے جانچوں میں سے صرف ایک لڑکا تھا۔ والدین جو اولاد کے لئے سب سے قابلِ بھروسہ ہوتے ہیں۔ ان ماڈرن والدین کا یہ حال ہو گیا ہے! خودکشی کی وارداتوں میں بھی کافی اضافہ ہوا ہے۔

اس عدم امن کی کیفیت کا ذمہ دار خود انسان کے علاوہ اور کون ہے۔؟ فطرت تو توازن وعدل پر قائم ہے۔ انسان اس کو بگاڑ رہا ہے۔ اس لئے امن کی کوئی بات انسان کو چھوڑ کر نہیں کی جاسکتی۔

انسان کیا ہے؟ اس کے دو پہلو قابلِ غور ہیں۔ ایک اس کا (Dynamic) حرکی پہلو اور دوسرا اس کا جامد (Static) پہلو۔ سائنسی ترقی، لباس، کھانا پینا، زبان وغیرہ سبھی تبدیلی آتی رہتی ہے دوسری طرف انسانی فطرت نہیں بدلتی۔ بنیادی جذبات غصہ، خوشی ومحبت سب انسانوں میں ہر زمانے میں رہے ہیں جسم کی اندرونی بناوٹ بھی ایک ہے۔ گویا کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسان بنیادی طور پر ایک ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ وہ باشعور اور بااختیار ہے۔ اور دنیا میں دوسری چیزوں پر اس کو اقتدار بھی حاصل ہے۔

چوں کہ انسان بنیادی طور پر ایک ہے اس لئے انسان کے لئے بنیادی سوالات ایک ہی ہوں گے۔ یہ سوالات ہیں (۱) انسان کا پیدا کرنے والا کون ہے۔ (۲) اس کا مقصدِ وجود کیا ہے (۳) اس کی منزل کیا ہے وغیرہ۔ ان سوالات کا جواب علاقائی، نسلی، لسانی اور وقتی بنیادوں پر نہیں ہو سکتا۔ اس کا جواب آفاقی ہوگا اور ایک ہوگا۔

مکمل امن کے لئے ان بنیادی سوالات کا صحیح جواب اور اس کے تقاضوں پر سب کی عمل آوری ضروری ہے۔ یہ Utopia معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقی دیرپا اور مستقبل امن (Ultimate peace) کے لئے یہ ضروری ہے۔

دیرپا امن سے قبل بہر حال ہمیں عارضی امن (Interim peace) کی ضرورت ہے۔

سماج میں جس طرح بے کرداری، کرپشن اور ظلم بڑھ رہا ہے اس کو ہر شخص محسوس کرتا ہے، سماجی برائیوں سے ہر فرد واقف ہے۔ ضرورت ہے کہ اصولوں اور برابری کی بنیاد پر مختلف گروہوں میں مشترک باتوں میں تعاون کی فضا بنے۔ بااخلاق اور اچھے لوگ یکجا ہوں۔ مذہب اور مذہبی تعلیمات کو ہم نے پس پشت ڈال دیا ہے۔ بقول Arnold Toyanbee کہ سائنسی ترقی اور انکشافات نے ہمارے مسائل میں اضافہ ہی کیا ہے آج پھر Supernatural Power پر ایمان لانے کی ضرورت ہے۔ ضرورت ہے کہ مذہب اور مذہبی لوگ آگے آئیں۔ موجودہ فضا کو ختم کرنے کے

باقی صفحہ ۴۳ پر

"ہندوستان امن کی تلاش میں"

دہلی میں "امن کی پکار" مہم کے تحت منعقد کیے جانے والے سمپوزیم کی رپورٹ

"امن کی پکار" پندرہ واڑہ پورے ملک کی طرح
دہلی میں بھی منایا گیا۔ اس سلسلہ میں تنظیم کے
ں نے زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے
بالخصوص طلباء اور نوجوانوں سے ملاقاتیں کیں۔
موقع پر انھیں ایس۔ آئی۔ او کے اغراض ومقاصد
باخبر کیا گیا۔ پوسٹرز، ہینڈبل اور فولڈروں کی تقسیم
دہ کئی مقامات پر کارنر میٹنگیں بھی ہوئیں ۲۸ جنوری
جامعہ ملیہ اسلامیہ میں ایک ٹی پارٹی کا اہتمام کیا
س میں غیر مسلم طلباء سمیت بڑی تعداد میں طلباء
وں اور معزز افراد نے شرکت کی۔ تقریباً سبھی
ندوں نے قیامِ امن اور غلط فہمیوں کے ازالہ
کوششوں کو سراہا۔

دہلی میں اس مہم کا سب سے اہم پروگرام غضنفر
وشن ہال میں منعقد کیا جانے والا سمپوزیم تھا جس
موضوع تھا، "ہندوستان امن کی تلاش میں" یہ
مہم پندرہ واڑہ کے آخری دن یعنی ۳۰ جنوری کی
کو منعقد ہوا۔ مختصر رپورٹ درج ذیل ہے:

سمپوزیم میں مقررین اس بات پر متفق تھے کہ
میں امن وامان اور عوام کے درمیان اتحاد و
ق کے لیے سوسائٹی کے باکردار لوگوں کو سامنے
چاہیے اور مختلف النوع مسائل کے سلسلے میں
ں اور ذہنوں کو کشادہ کیا جانا چاہیے۔

اسلامیات کے ممتاز محقق مولانا سیّد
جلال الدین انصر عمری کی صدارت میں ہونے والے
سمپوزیم میں شرکاء کا استقبال کرتے ہوئے ایس۔ آئی۔
او آف انڈیا کے صدر جناب پی۔ سی حمزہ نے اپنی تنظیم
کا مختصر تعارف کرایا۔ آپ نے کہا کہ موجودہ حالات میں
جب کہ طلباء اور نوجوانوں کو گھٹیا اغراض اور سیاسی
مفادات کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، ہماری کوشش ہے
کہ وہ تعمیری اور اونچے مقاصد کے لیے کام کریں اور ملک
کو خدا پرستی اور اخلاقی بنیادوں پر آگے بڑھانے
میں حصہ لیں۔

ریٹائرڈ لفٹیننٹ جنرل جگجیت سنگھ
اروڑہ نے کہا کہ ملک کو بیرونی حملے سے زیادہ اندرونی
بے چینی سے خطرہ ہے۔ سیاسی لیڈر عوام کے مختلف
طبقوں میں نفرت اور دوریاں پیدا کرتے ہیں۔ آج
کہیں انصاف نہیں ملتا۔ انھوں نے کہا کہ پہلے ہندوستانی
اور بعد میں مذہبی "کا نعرہ انتہائی غلط اور مذہب کی توہین
ہے۔ میرے نزدیک سچا مذہبی انسان ہی سچا ہندوستانی
ہوسکتا ہے۔

آرگنائزر کے سابق ایڈیٹر مسٹر کے۔ آر ملکانی
نے اس بات سے تو اتفاق کیا کہ ملک میں ہر طرف بے چینی
اور انتشار ہے لیکن ان کا کہنا تھا کہ اس میں مبالغہ
نہیں کیا جانا چاہیے۔ ناخوشگوار واقعات کی تحقیقات
کرکے قصورواروں کو سزا دلانا سرکار کی بنیادی
ذمہ داری ہے۔ اگر ہندوؤں کے ذہن میں مسلمانوں کے
تعلق سے شکوک وشبہات پائے جاتے ہیں تو اس کی کچھ
وجوہات ہیں۔ مسٹر ملکانی کا خیال تھا کہ بہتر ہوگا مسلمان
خود کو جابروں اور حملہ آوروں اور نگ زیب اور محمد بن
قاسم وغیرہ سے وابستہ نہ کریں۔ وہ قومی (جیسے ہولی،
دیوالی) تہواروں میں حصہ لیں اور انڈونیشیا کی مثال
سامنے رکھیں جہاں کے لوگ رام کو اپنا ہیرو سمجھتے ہیں۔

جناب یونس سلیم نے مذاکرہ میں حصہ لیتے ہوئے
کہا کہ کسی بھی ملک یا سوسائٹی میں بے چینی اور انتشار کا
بنیادی سبب ہوتا ہے۔ بے انصافی اور بددیانتی۔
موصوف نے مسلمانوں کو ہدایت کی کہ سچے اور پکے مسلمان
بن جائیں۔ ہم عدل وانصاف کے علم بردار ہیں۔ اگر
ہم اسلامی تعلیمات پر صحیح طریقے سے عمل کریں تو نہ صرف
ہمارے بلکہ اس ملک کے مسائل بھی حل ہوجائیں گے
اور پھر ملکانی صاحب یا کسی اور کو ہمیں مشورہ دینے کی
ضرورت نہیں رہے گی۔

ڈاکٹر سبرامنیم سوامی نے اظہار خیال کرتے ہوئے
کہا کہ اگرچہ ملک میں بہت سے مسائل ہیں۔ لیکن اصل
مسئلہ ہے ہندو مسلم اتحاد کا۔ اس کے لیے حکمراں اور
سیاسی لیڈر ہی بڑی حد تک ذمہ دار ہیں کیونکہ اس کی
ذمہ داری بڑی حد تک ان لیڈروں پر عائد ہوتی ہے جو
ہر حال میں اپنے فرقہ کی حمایت کرتے ہیں ہونا یہ چاہیے
کہ ہر فرقہ کے ممتاز افراد دوسرے فرقہ کے حق میں آواز
اٹھائیں اپنے فرقہ کے لوگوں کو غلط کاموں سے روکیں۔
حکمراں حق وانصاف سے کام لیں۔

پروفیسر سنگھ سین نے کہا کہ ملک میں انتشار
و بے چینی کی وجہ یہ ہے کہ یہ ملک اب تک غلام ہے۔
پہلے انگریزوں کا غلام تھا اب دیسی حکمرانوں کا غلام ہے۔
اسے حقیقی آزادی اس وقت نصیب ہوگی جب یہاں
تمام فرقوں کے ساتھ انصاف کیا جائے گا۔

بہوجن سماج پارٹی کے نمائندہ مسٹر جے رام سنگھ
جے نے کہا کہ ہندوستان میں بے چینی کی وجہ ذات
پات کا نظام ہے۔ اونچی ذات کے چند لوگوں نے
سیاست اور معیشت پر قبضہ کرکے باقی لوگوں کو دبا رکھا
ہے۔ قیام امن کے لئے اقلیتوں اور پسماندہ طبقات
کا اٹھ کھڑا ہونا ضروری ہے

ایس۔ آئی۔ او کی طرف سے مذاکرہ میں آرگنائزیشن
کے جنرل سکریٹری جاوید علی نے حصہ لیا۔

آخر میں مولانا جلال الدین انصر عمری نے صدارتی
تقریر کرتے ہوئے تمام مقررین کی اہم باتوں کا ذکر کیا:
آپ نے کہا کہ یہ تو درست ہے کہ موجودہ بے چینی کے
لیے سیاسی لیڈر ذمہ دار ہیں لیکن کیا یہ افسوس ناک امر
نہیں کہ اسی کروڑ کے اس ملک میں اچھے اور حق پسند
لیڈر پیدا نہیں ہوئے اور اقتدار ہمیشہ بددیانت لوگوں
کے ہاتھوں میں رہتا ہے بعد میں مولانا نے اسلامی
تعلیمات کی روشنی میں مسئلہ کا حل پیش کرتے ہوئے کہا
کہ تمام انسان ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں اس لئے

باقی صفحہ ۲۳ پر

افغانستان کا مسئلہ

ایک افغان مجاہد کی نظر میں

محمد ارشد خاں۔ علی گڑھ

یہ حقیقت ہے کہ افغانیوں نے ایک عالم کو متاثر کیا ہے۔ یہ وہی افغانی ہیں جنھیں دنیا کی تہذیب یافتہ قوم انگریز بھی زیر نہ کر سکی۔ انہوں نے ہندوستان کی آزادی میں سبھاش چندر بوس کی ہر ممکن تعاون کی، ان کے باپ داداؤں نے "احمد شاہ ابدالی" کی قیادت میں ہندوستان کی مغلیہ سلطنت کو سہارا دیا اور مرہٹوں کے پے درپے حملوں سے نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کا تحفظ کیا بلکہ ان کے اندر حوصلہ، ہمت، شجاعت پیدا کرنے میں مدد ومعاون ثابت ہوئے۔ آج وہ روسی طاقت سے نبرد آزما ہیں اپنی آزادی اسلام کی احیاء اور اس کے نفاذ کے لیے ہمہ تن جہاد میں مصروف ہیں۔ روسی درندے آٹھ سال سے نہتے افغان عوام پر ظلم کی بارش کر رہے ہیں۔ غریبوں کے مسیحا، مزدوروں کے نجات دہندہ، حکمرانی کے بہترین اصول وضوابط رکھنے کا دعویٰ کرنے والے، آزادی کا سبز باغ دکھانے والے اشتراکی حضرات افغانستان کا استحصال کر رہے ہیں اور اس پر نعرہ یہ کہ افغانستان میں قومی حکومت قائم ہے اور وہ ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ یہ جھوٹ ہی نہیں بلکہ ڈھٹائی ہے۔ ان باتوں کا تذکرہ ہمارے ایک افغان مجاہد بھائی نے کیا جس کا نام محمد علی خاں ہے۔ موصوف افغانستان اسٹوڈنس یونین کے سرگرم کارکن ہیں۔ یہ تنظیم "حزب اسلامی" کی طلبہ یونین ہے۔

موصوف نے جہاد افغانستان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہماری جہاد خالص رضائے الٰہی کے لئے ہے۔ روس ہم پر مسلط ہو کر ہمارا دین چھین لینا چاہتا ہے اور ہمیں ایک اللہ کے علاوہ اپنا غلام بنانا چاہتا ہے۔ سمرقند، بخارا، تاشقند کی تاریخ افغانستان میں دہرانا چاہتا ہے جو ہم انشاء اللہ کبھی بھی کامیاب ہونے نہیں دیں گے خدا کا فضل ہے کہ اس کے بُرے عزائم کھل کر سامنے آ گئے ہیں اور اسے ہر میدان میں پسپائی نصیب ہو رہی ہے۔

افغانی عوام کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ ان کی تائید ہمارے ساتھ ہے۔ روس کی ظلم و بربریت کا ایک واقعہ انھوں نے تفصیل سے بتایا کہ غزنی کے علاقے میں ایک ٹرک پر سوار مسافر کہیں جا رہے تھے ہم لوگ چند ساتھی وہاں سے کچھ دور تھے کہ اتنے میں روسی فوج وہاں آئی اور اس نے ٹرک کی تلاشی لی اور تمام مسافروں کو ایک صف میں کھڑا کر کے شہید کر دیا۔ جب ان شہداء کی لاش ان کے وارثین تک پہنچی تو ان کے ماتھے پر ذرا بھی بل نہ آیا بلکہ انھوں نے یہ کہا کہ ایسے ایسے لاکھوں لوگوں کو ہم قربانی کے لئے پیش کر دیں گے۔

ایک اہم واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے برادر نے فرمایا کہ ایک بار شدید لڑائی میں تمام گولی و بارود ختم ہو گئے ہمارے پاس کھانے کو کچھ بھی نہیں تھا خیمے میں بیٹھ کر آپس میں مشورہ کر رہے تھے کہ ہمیں ایسے نازک حالات میں کیا کرنا چاہیے۔ کمانڈر نے کہا کہ آؤ نماز ادا کریں اور اللہ سے گڑگڑا کر دعا کریں شاید وہ ہماری سن لے اور مدد کرے کیونکہ وہی مدد کرنے والا ہے۔ ہم لوگوں نے کمانڈر کی قیادت میں نماز ادا کی اور اللہ سے گڑگڑا کر دعائیں کیں کہ اتنے میں دشمن کا جہاز آسمان میں پرواز کرتا ہوا دکھائی دیا چونکہ ہم لوگ میدانی علاقے میں تھے اور وہاں پر چھپنے کا کوئی دوسرا ذریعہ بھی نہیں تھا چنانچہ میں نے کہا کہ یہ جہاز ہم لوگوں کے لئے خطرے کا باعث ہو سکتا ہے۔ ہم لوگ بچنے کی فکر ہی کر رہے تھے کہ کمانڈر نے سرخ رنگ کی پگڑی ہوا میں اچھالی اور جہاز ہم سے کافی قریب آگئی اور اس نے نئے قسم کے خطرناک ہتھیار گرائے اور کھانے کے پیکٹ بھی زمین پر گرائے جس میں طرح طرح کی چیزیں تھیں۔ ہم لوگوں نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور تازہ دم ہو کر ہتھیار سے لیس ہو گئے۔ ان میں سے بعض ہتھیار تو ایسے تھے جسے ہم چلانا تک نہیں جانتے تھے لیکن ہمارے ایک دوست جو اس سے پوری طرح واقف تھے انھوں نے اس کے بارے میں ہمیں تربیت دی اور دشمن کے ہتھیار سے ہم نے دشمن پر زبردست حملہ کیا جس میں ہمیں نمایاں کامیابی ملی۔ اس واقعہ سے آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ نماز کتنی بڑی دولت ہے اور دعا میں کتنی تاثیر ہے جس میں خلوص و للہیت شامل ہو۔

"اے ایمان والو نماز اور صبر سے مدد لو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

موصوف نے اپنے خاص افغانی لہجے میں ببانگ دہل یہ بھی کہا کہ روس کے خلاف جو جہاد چل رہا ہے وہ صرف افغانی قوم کی ہی ذمہ داری نہیں ہے بلکہ تمام دنیا کے مسلمانوں پر اس کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے لہذا آپ اس میں ہر ممکن تعاون کریں۔ انھوں نے مزید

کہا کہ اس میں آپ کی بہترین شمولیت یہ ہو سکتی ہے کہ آپ اس جہاد کے پیغام کو عوام تک پہنچائیں اور ان کے اندر پھیلی ہوئی غلط فہمی کو دور کریں۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ روس کے حکمران یہ کہتے ہیں کہ ۱۰ ماہ کے اندر اندر روسی فوج اپنے ملک واپس چلی جائے گی مگر میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ جب اسے افغانستان آنے میں صرف ایک دن لگا تھا تو جانے میں دس ماہ کا وقفہ کوئی معنی نہیں رکھتا۔ روسی سازشوں کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے مزید فرمایا کہ اب ٹی وی، ریڈیو، اخبار کے ذریعے یہ غلط فہمی پھیلائی جا رہی ہے کہ روس افغانستان میں ایک ایسی حکومت کے قیام کا خواہاں ہے جو ان کے مذہب کے مطابق ہو مگر یہ سب صرف دھوکا ہے اس لئے کہ جب تک روسی ایجنٹ برسر اقتدار رہے گا تب تک یہ ممکن ہی نہیں ہے۔ عوام کو دھوکہ دینے کے لئے موجودہ حکمران" نجیب اللہ" تقریر کرنے سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتا ہے جو صرف افغان عوام اور دنیا کے مسلمانوں کو دھوکا دینے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ ہم جب تک ان سب کا سدِ باب نہیں کریں گے تب تک ہماری لڑائی جاری رہے گی چاہے اس کے لئے ہمیں کتنی ہی بڑی قربانی دینی پڑے۔

میں نے محسوس کیا کہ یہ بھی تو ہمارے ہی جیسا نوجوان ہے مگر اس کے سینے میں جہاد کی چنگاری جل رہی ہے جو گل ہونے کا نام ہی نہیں جانتی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جہاد ہی ایک ایسی چیز ہے جو امت مسلمہ کے اندر بیداری، خودشناسی، خود اعتمادی پیدا کرتی ہے۔ آج ہم اس نعمت عظمیٰ سے محروم ہیں ہمارے اندر وہ ولولہ وجذبہ نہیں جو مرد مومن کا اصل جوہر ہے اللہ سے دعا ہے کہ ہم جیسے نوجوانوں کے اندر بھی افغانستان کے جیالے نوجوانوں کی طرح جذبۂ جہاد پیدا کر دے آمین۔

غزل

حسین ساگر

امتحاں سے گزر گیا یارو
میں سمٹ کر بکھر گیا یارو

موت اسے آئے گی تو کیا ہوگا
زندگی سے جو ڈر گیا یارو

ایک انساں نے اس کو مارا ہے
ایک انساں جو مر گیا یارو

پیچ و خم جب اسے نظر آئے
راہِ الفت میں ڈر گیا یارو

زندگی جسم کی گری میں کٹی
آج وہ اپنے گھر گیا یارو

جس نے دنیا بگاڑ لی اپنی
اس کا عقبیٰ سنور گیا یارو

کچھ کمی آگئی ستم میں بھی
دردِ دل بھی بھر گیا یارو

بقیہ صفحہ ۱۶ کا

رفتار ۵ ر ۳۴ میل فی گھنٹہ سے زیادہ ہوتی ہے۔

نمٹز میں استعمال ہونے والی تاروں کی کل لمبائی ۹۰۰ میل ہے اور اس کے ساتھ تین چھوٹے جہاز بھی لگے ہوئے ہیں جن کے نام ڈیوائٹ ڈی آئزن ہاور، تھیوڈور روز ویلٹ اور کارل رنس ہیں۔

کیریئر میں روزانہ ۴ لاکھ گیلن سمندری پانی صاف کیا جاتا ہے جو ۳۳۳ر۱ گھرانوں کے روزمرہ استعمال کے لئے کافی ہے۔

امریکی بحریہ کے ترجمان چیف فلپ ڈیلکنس کا کہنا ہے "آج نے زمانے میں نمٹز کیریئر سے بڑا جہاز سینۂ سمندر پر کوئی نہیں ہے۔" یہ انتہائی طویل، انتہائی بلند اور چوڑا ہے۔ اور بحری جہازوں کی تاریخ میں اس کا ثانی کوئی نہیں۔



پولیس کی "بہادری" کی منہ بولتی تصویر، کیرلہ میں ڈاگ شو (DOG SHOW) کے خلاف ایس۔ آئی۔ او کے جلوس پر پولیس کا لاٹھی چارج

غزلیں

(۱)

اپنے پیروں کے نشان آبلہ پا چھوڑ گیا
قافلے والے بھی سوچیں گے کہ کیا چھوڑ گیا

محفلِ شوق، صفِ رقص و نوا چھوڑ گیا
تیرا دیوانہ کہ سب تیرے سوا چھوڑ گیا

جانے کیا کرب تھا جو لے گیا صحرا کی طرف
جانے کس غم میں وہ گلشن کی فضا چھوڑ گیا

تیرا مقروض کسی طرح نہیں ہوں دنیا
جتنا بھی تجھ سے لیا اس سے سوا چھوڑ گیا

جو خطاکار نہ ہو اس کو سزا دی جائے
وہ عجب ضابطۂ جرم و سزا چھوڑ گیا

منصب و دولتِ دنیا سے گریزاں تھا نعیمؔ
بزم سے اٹھا تو کتنوں کو خفا چھوڑ گیا



(۲)

ننگ فطرت ہے جو تو عیش مکانی مانگے
سادہ لوحی ہے اگر کیف زمانی مانگے

عبد ہے رب کا تو دانہ نہ ہی پانی مانگے
ظرف گر ہو لبِ معجز سے ترانی مانگے

میں یہ کہہ دوں گا کہ پرتو ہوں میں قدِ آدم
مجھ سے ناداں کوئی گر تیری نشانی مانگے

دینِ اکمل پہ ہو قائم تو مکمل تم ہو
ہے کوئی لفظ جو قاری سے معانی مانگے

جس کو اللہ نے چاہا اسے چاہا میں نے
ذرہ ذرہ میری یہ فطرت ثانی مانگے

قدر و معراج و برات آہ انھیں راتوں میں
کوئی اپنے لئے ایک رات سہانی مانگے

نگہ و دل کی لگی کعبہ و زمزم سے بجھی
دل وہی دل ہے جو اشکوں کی روانی مانگے

سرد مہری بھی نہیں طبعِ رسا کو منظور
میرا ایمان بھی اگر دشمنِ جانی مانگے

تم جو چاہو تو لگا سکتے ہو سرخاب کے پر
پالے طاؤس ہی کیوں خامۂ مانی مانگے

لاکھ مفتی ہیں یہاں ایک ہے حلاج سرورؔ
وہی ناداں ہیں جو دادِ ہمہ دانی مانگے

(۳)

دوستو ظرف کی اس نے یہ نشانی دی ہے
اک دیئے کے لئے موسم نے جو آندھی دی ہے

ایک کوڑی بھی کسی کو نہیں دے گا یہ شخص
تم نے کنجوس کے ہاتھوں میں تجوری دی ہے

تم کو احسان بھی کرنے کا سلیقہ کب ہے
دل سے جنگل کے لئے آگ ذرا سی دی ہے

سارے غم لیتے ہیں آ کر اسی جوکھٹ پہ پناہ
وقت نے ہم کو بھی اے دوستو شاہی دی ہے

پیار کے پودے یونہی تو نہیں اگ آئے ضیاؔ
ہم نے دل کو سدا احساس کی نرمی دی ہے

(۴)

روشنی کم ہے تو دل اپنا جلانا ہوگا
راہ پر چھائے اندھیروں کو مٹانا ہوگا

سانس لینی تو ضروری ہے مگر دنیا میں
اپنی پاکیزہ طبیعت کو بچانا ہوگا

جس کے آگے ہیں کئی اور بھی تشکیک کے موڑ
کارواں کو اسی رستے پہ چلانا ہوگا

ڈال دو دل کے چراغوں میں سروں کا روغن
اور کچھ روز ابھی لَو کو بڑھانا ہوگا

دیکھنا میری صداقت کا اثر اے نوریؔ
میرے حلقہ میں مخالف کو بھی آنا ہوگا

---

(۱) انتظار نعیم دہلی (۲) سرور مرزائی۔ نوز باغ کرناٹک۔ (۳) ادریس ضیاؔ۔ بدایوں (۴) مجاز نوریؔ۔ اردو ہاؤس۔ دربھنگہ

ہم ہیں مجاہد

شاہ حسین نہری

ہم ہیں مجاہد، روشن ستارے
ہم نوجوان ہیں انصار اللہ
دھرتی خدا کی، حاکم خدا ہی
یہ فلسفے سب، یہ سب نظریے
سب کا سفینہ دنیا کا، لیکن
احکام قرآن، اُسوہ نبیؐ کا
قرآن و سنّت کی روشنی میں
عزمِ مصمّم، جہدِ مسلسل
موجوں سے کھیلیں، دھارے کو موڑیں
کہتے ہیں سب یہ اب شاہ صاحب
سارے مسلمان بھائی ہیں دینی
آپس میں کیوں ہو نااتفاقی
باہم دگر ہم رہتے رہیں تو
باطل کی طاقت مل جل کے توڑیں
دھرتی خدا کی، طاغوت پھر کیوں
دھرتی کے وارث، ہم اہلِ ایماں

اللہ والے، سارے کے سارے
شوقِ شہادت دل میں ہمارے
طاغوت سارے، باطل سہارے
آدھے ادھورے، جھوٹے ہیں سارے
قرآن و سنّت روشن منارے
دونوں ہمارے اصلی سہارے
اپنا سفینہ پہنچے کنارے
منزل ہمیں خود بڑھ کر پکارے
ہم ہوں کھڑے کیوں دریا کنارے!
باچشمِ نم یوں، دامن پسارے
اللہ والے ہیں ایک سارے
ہوں اہلِ ایماں پھر ایک بارے
ہارے سو ہارے، جیتے سو ہارے
آخر اٹھائیں کب تک خسارے!
قبضہ جمائے ہانکے پکارے!
اٹھتے نہیں کیوں، رب کے سہارے!

محبت اور نصیحت

محمود عالم

حضرت خواجہ باقی باللہؒ ایک بڑے صوفی بزرگ گذرے ہیں۔ آپ بڑے اللہ والے تھے۔ ہمیشہ اللہ کی عبادت اور اس کے ذکر میں مشغول رہتے۔ آپ کے ہمسایہ میں ایک بڑا شریر آدمی رہتا تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہ کے کاموں میں مبتلا رہتا تھا۔ اپنی شرارتوں سے سب کو پریشان کئے ہوا تھا وہ حضرت باقی باللہؒ کو بھی بہت ستاتا تھا۔ خواجہ صاحب اس کی شرارتوں کو برداشت کرتے اور اسے کچھ نہ کہتے تھے۔ خواجہ باقی باللہؒ کے ایک مرید خواجہ حسام الدینؒ بھی تھے۔ ان سے یہ سب کچھ دیکھا نہ گیا پہلے سمجھایا اور بُری باتوں سے منع کیا۔ شریر آدمی نے ان کی نصیحت پر عمل نہیں کیا۔ اپنی شرارتوں سے باز نہ آیا۔ آخر کار خواجہ حسام الدین نے کوتوال سے شکایت کردی۔ کوتوال نے اسے گرفتار کروا کر جیل خانہ میں بند کروا دیا۔ خواجہ باقی باللہ کو معلوم ہوا تو ناراض ہوئے۔ خواجہ حسام الدین نے کہا "وہ آدمی بڑا شریر تھا اس کی شرارت دن بدن بڑھتی جارہی تھی۔ اس کے اثر سے دوسرے لوگ بھی خراب ہو سکتے تھے۔" خواجہ باقی باللہؒ نے ایک سرد آہ بھری اور کہا "بھائی تم اپنے کو نیک اور اچھا آدمی پاتے ہو وہ شخص تمہیں بدکار اور شریر معلوم ہوا۔ ہم تو اپنے آپ کو کسی طرح بھی اس سے اچھا اور الگ نہیں پاتے۔ ہم بھلا کیسے اس کو نقصان پہنچائیں"۔

خواجہ باقی باللہؒ نے کوشش کرکے اپنے ہمسایہ کو آزاد کروایا۔ آپ کی شفقت اور مہربانی سے اس نے بہت اچھا اثر قبول کیا آپ کی صحبت میں رہ کر نیک اور دیندار آدمی بن گیا جو لوگ کسی کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں وہ اس سے محبت سے پیش آتے ہیں۔ تبھی نصیحت کا اثر ہوتا ہے۔

عام معلومات

شیخ تاج محمد

دنیا میں سائنس نے جہاں بال سے باریک اشیا ایجاد کی ہیں وہیں دیو قامت ایجادات بھی سامنے آئی ہیں جنھیں دیکھ کر عقل مبہوت اور آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں۔ ایسی ہی ایک ایجاد امریکی جنگی جہاز ہے جس کی لمبائی اتنی ہے جس میں ۱۰ فٹ بال کے میدان سما جائیں اور اونچائی ایسی کہ کوئی ۲۴ منزلہ عمارت بھی اس کے سامنے ہیچ نظر آئے اور جہازوں کے لئے عرشہ کا رقبہ تقریباً ۴½ ایکڑ ہے۔

۱۹۷۲ء میں پانی میں اتارا جانے والا یہ جہاز امریکہ کا پہلا جوہری ایرکرافٹ کیریئر تھا۔ اس جہاز کا نام یونائیٹڈ اسٹیٹس۔ایس نمٹز رکھا گیا۔

نمٹز کی لمبائی ۱,۰۹۲ فٹ ہے۔ اور اگر اسے ایک کونے سے عمودی کھڑا کردیا جائے تو یہ ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ کی ۹۰ ویں منزل تک پہنچ جائے گا عرشہ کی چوڑائی ۲۵۲ فٹ ہے۔ اور جب یہ جہاز پانی میں تیر رہا ہو تو اس کی اونچائی ۲۴۴ فٹ بنتی ہے اور ہوائی جہازوں کا عرشہ تقریباً پونے چار ۳¾ فٹبال کے میدانوں کے برابر ہے۔

نمٹز کے عرشہ پر ۱۲۰ ہوائی جہازوں کی گنجائش ہے ہر ۳ سکنڈ بعد چار جہاز یہاں سے اڑتے ہیں اور ان کی رفتار ۲۲۰ میل فی گھنٹہ ہوتی ہے! اور جب دوبارہ عرشہ پر اترتے ہیں تو انکی اوسط رفتار ۱۴۰ میل فی گھنٹہ ہوتی ہے۔ اور مخصوص تاروں کی مدد سے ان جہازوں کو ۲ سکنڈ میں روکا جا سکتا ہے۔

ایک اور اہم بات یہ کہ اسمیں ۶ ہزار ایک سو افراد کی گنجائش ہے۔ جن کے خورد و نوش کے لئے ۷ میسز ہیں جو ۱۸ ہزار ۳ سو کھانے ایک دن میں تیار کرتی ہیں۔ جہاز کو ۴۰۰ ٹیلی ویژن سیٹ، ۴ مراکز آرائش گیسو ایک ریکارڈ لائبریری جس میں چار ہزار البم، ۲۰۰۰ ٹیلی فون اور ایک اتنا بڑا ایئر کنڈیشننگ نظام قائم ہے جو ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے کافی ہے۔

ایئر کرافٹ کیریئر کو دھکیلنے کے لئے چار پنکھے نصب ہیں جو جوہری توانائی سے چلتے ہیں اور جن کا وزن ۶۶ ہزار دو سو پاؤنڈ ہے۔ کیریئر کی

بقیہ ۴۲ صفحہ پر

شریکِ حیات

عارف اقبال ۔ دہلی

> زیرِ نظر کہانی انگریزی ماہنامہ مجوبہ (ایران) کے اگست ۱۹۹۶ء کے شمارہ میں شائع "Choosing a wife" کے مرکزی خیال پر تحریر کیا گیا ہے گو کہ اس میں ادب کی چاشنی نہیں ہے تاہم موجودہ معاشرے میں نکاح و شادی کے سلسلے میں جو پیچیدگیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ یہ کہانی اس ماحول کی عکاسی کرتی ہے اور سماج کو بہتر رُخ فراہم کر سکتی ہے۔

مناسب موقع سے آج احمد نے اپنے دل کی بات ماں سے کہہ دی۔ ماں بے حد خوش ہوئی کہ اس کا بیٹا شادی کے لئے تیار ہے۔ لیکن انھیں سخت رنج و غم ہوا جب انھیں معلوم ہوا کہ احمد نہ اپنی چچا زاد بہن سے شادی چاہتا ہے اور نہ ہی اپنی ماموں زاد بہن سے۔ اس کا خیال یہ تھا کہ وہ ایسی شریکِ حیات کا انتخاب کرے گا جو دینی شعور رکھنے والی، خدا کی اطاعت گذار ہو۔ ماں احمد کے نقطۂ نظر کو جان کر سخت برہم ہوئیں اور کہا "کیا آج کے زمانہ میں ایسا ممکن ہے کہ ایسی لڑکی مل جائے جو اسلامی ذہن رکھتی ہو؟" جب احمد نے انکشاف کیا کہ وہ ایک ایسی لڑکی کو جانتا ہے جو اسلامی ذہن رکھتی ہے، اور اسلام کی وسیع معلومات سے آراستہ ہے۔ تو احمد کی ماں بے حد متعجب ہوئیں اور حیرت سے دریافت کیا۔ "کیا اب تم کسی لڑکی سے دوستی بھی کرنے لگے ہو؟" احمد نے سنجیدگی اور متانت سے جواب دیا۔ "میں صرف اس لڑکی کو صرف جانتا ہوں، میری تو اس سے ملاقات بھی نہیں ہے۔" احمد کی ماں نے بات کا رُخ بدلتے ہوئے کہا۔ "اس کا مطلب یہ ہے کہ لڑکی زیادہ پڑھی لکھی نہیں ہے۔ اور اس کی کیا ضمانت ہے کہ وہ خوبصورت بھی ہے؟" احمد نے جواب دیا۔ "لڑکی صرف ہائی اسکول پاس ہے مگر اسلامی سیرت و کردار سے آراستہ ہے، حیا کو اپنا زیور سمجھتی ہے اور حجاب کو اپنا سرمایہ۔ اگرچہ میں نے اسے دیکھا نہیں ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ بدصورت نہیں ہے۔ جہاں حسین سیرت، پاکیزہ کردار اور اعلیٰ اخلاق کی اہمیت ہوتی ہے وہاں ظاہری حُسن کم ہی اہمیت رکھتا ہے۔"

"پھر احمد نے اس بات کا صاف اعلان کر دیا کہ وہ اپنی شریکِ حیات کا انتخاب کرنا چاہتا ہے نہ کہ بزنس پارٹنر کا۔ لہٰذا وہ جب بھی شادی کرے گا تو ایسی لڑکی سے جو دینی فہم رکھتی ہو۔"

اب احمد کی ماں نے دوسرا حربہ اختیار کیا اور لڑکی کے والدین، برادری اور دولت کے متعلق دریافت کیا۔ احمد نے واضح طور پر بتایا کہ لڑکی کے والد پنساری برادری سے تعلق رکھتے ہیں لیکن شریف، باعزت اور باوقار شخصیت کے مالک ہیں۔ احمد کے اس جواب سے ماں نے اپنا سر ہی پیٹ لیا اور غم و غصہ سے لبریز الفاظ میں کہا "فقط ایک پنساری! تم ایک دولت مند شخص کے بیٹے ہو۔ تمہارے پاس کالج کی ڈگری ہے۔ پھر تم ایک پنساری کی لڑکی کو اپنا شریکِ حیات بنانا چاہتے ہو۔ کتنے شرم کی بات ہے" احمد نے گلوگیر آواز میں کہا۔ "اگر میں کسی جوہری کی لڑکی سے شادی کر لوں تو آپ کیا محسوس کریں گی؟" "ایک جوہری اور پنساری میں بہت بڑا فرق ہے۔" ماں نے جواب دیا۔ صرف مادے کا فرق ہے۔ جوہری انگشتری بیچتا ہے اور پنساری شکر لیکن دونوں کا مدعا پیسہ ہی ہوتا ہے۔" امی جان ایک بات یاد رکھئے۔

ایک بہتر شادی کبھی بھی شہرت اور دولت پر منحصر نہیں کرتی۔ مسرت تو روحانی قربت اور فکری ہم آہنگی سے حاصل ہوتی ہے۔" احمد نے جواب دیا۔

احمد کی ماں نے نہایت غمگین لہجے میں ڈرایا کہ اگر تمہارے والد کو اس کی خبر ہو گئی تو کیا ہوگا؟ کیا تمہارے والد اس سے ناراض نہ ہونگے؟ کیا والدین کو ناراض کرنا اچھی بات ہے؟ لیکن احمد اپنی بات پر اڑا رہا اور کہا "اپنی خواہش کا مالک وہ خود ہے۔ وہ ایک انچ بھی خدا اور اس کے رسولؐ کے احکام سے منحرف نہ ہوگا۔" لہٰذا آیا آپ اس سلسلے میں میری مدد کریں یا نہ کریں یا ابا جان ناراض ہی کیوں نہ ہو جائیں۔ لیکن میں اسلامی اقدار کو کبھی بھی مجروح نہ ہونے دوں گا۔" ماں نے اپنے بیٹے کے اس عزم سے کچھ حد تک متاثر ہوتے ہوئے گلوگیر آواز میں کہا۔ "بیٹے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں تمہیں کسی پنساری کی لڑکی سے بیاہ دوں؟ اس کی کس خوبی نے تمہیں مسحور کر دیا ہے کہ تم اندھے بن گئے ہو اور تمہیں اپنے والدین کا بھی کچھ خیال نہیں ہے! لیکن احمد اپنی ماں کی باتوں سے بالکل متاثر نہ تھا۔ وہ اپنے فیصلے پر ثابت قدم تھا۔ بالآخر ماں کا دل نرم ہو گیا کیونکہ ہر حال میں اسے اپنے بیٹے کی خوشی عزیز تھی۔ احمد کی خواہش کے آگے انھوں نے سپر ڈال دیئے۔

بات والد تک پہنچی پہلے تو وہ برہم ہوئے آخر کار وہ بھی راضی ہو گئے اور احمد کی ماں کو بات پکی کرنے کے لئے لڑکی کے گھر روانہ کر دیا۔

اسی دن سہ پہر کو احمد کی ماں احمد کی بڑی بہن کے ساتھ مطلوبہ لڑکی کو دیکھنے کے لئے اس کے گھر پہنچی۔ کال بیل پُش کرتے ہی ایک حسین و جمیل دوشیزہ نے دروازہ کھولا۔ اس دوشیزہ نے

ہب دو اجنبی خواتین کو دروازے پر دیکھا تو پہلے تو تعجب ہوئی پھر آگے
ی لہٰذا اس نے دونوں کو ڈرائنگ روم میں بٹھا کر اپنی ماں کو اطلاع دی۔
ں بھی دو اجنبی خواتین کو دیکھ کر حیران تھیں، لیکن دونوں کا خیر مقدم کرتے
ہوئے آنے کا سبب دریافت کیا۔ احمد کی ماں نے اپنا تعارف کراتے
ہوئے اس حسین دوشیزہ کے متعلق پوچھا۔ "وہ کون تھی جس نے
دروازہ کھولا تھا؟" "میری بیٹی زینب ہے۔" لڑکی کی ماں نے جواب
یا۔ "کیا آپ کی کوئی دوسری لڑکی بھی ہے؟" احمد کی ماں نے دریافت
یا۔ "نہیں وہ میری اکلوتی بیٹی ہے۔" زینب کی ماں نے جواب دیا۔
سی درمیان زینب کافی اور ناشتہ کا ٹرے لے کر کمرے میں داخل ہوئی
ور ٹرے رکھ کر احمد کی بہن کے قریب بیٹھ گئی۔ کچھ گفتگو کے بعد پھر ٹرے
لے کر باہر چل گئی۔

اب احمد کی ماں نے کھل کر گفتگو کا آغاز کیا اور آنے کا مقصد
بتاتے ہوئے کہا۔ "مجھے بے حد مسرت ہوگی اگر آپ اپنی لڑکی زینب
ی شادی میرے بیٹے احمد کے ساتھ کرنا پسند کریں۔ میرا لڑکا کافی
پڑھا لکھا اور انجینئر ہے۔ ہم لوگوں کے پاس کافی دولت بھی ہے اس
طرح انھوں نے احمد کی خوبصورتی، ذہانت اور لیاقت کی تعریفوں
کے پل باندھ دیئے۔ کچھ دیر تک زینب کی ماں چپ رہی۔ پھر
تھوڑے توقف کے بعد انھوں نے کہا۔ "معاف کیجئے گا میں اپنی
بیٹی کی شادی آپ کے لڑکے کے ساتھ کرنے کو تیار نہیں ہوں۔
ایسا ناممکن ہے۔ میری لڑکی ہرگز تیار نہ ہوگی کیونکہ وہ اسلامی
ذہن رکھنے والی لڑکی ہے۔ وہ ہرگز ایسے مرد کو پسند نہیں کرے
گی جو مسلمان ہوتے ہوئے بھی اسلام سے نابلد ہو۔" اس غیر متوقع
جواب سے احمد کی ماں کو سخت حیرت ہوئی۔ انھوں نے تو یہ سمجھ رکھا تھا
کہ احمد کی تعریفیں سن کر زینب کی ماں پھولے نہ سمائے گی اور جلد ہی
وہ تیار ہو جائے گی۔ احمد کی ماں نے کہا۔ "میرا لڑکا زینب کو پسند
کرتا ہے۔ کیا آپ کا انکار انصاف پر مبنی ہوگا؟" "ہرگز نہیں! زینب
ایک پاکیزہ سیرت وکردار رکھنے والی ذہین لڑکی ہے۔ مجھے اس کے
مستقبل کی بہتر ازدواجی زندگی کا یقین ہے۔ مجھے اپنی بیٹی کے لئے نیک،
صالح اور اسلامی سیرت وکردار رکھنے والے شوہر کی تلاش ہے۔
میں کبھی بھی اس کے دین ودنیا کو تباہ نہیں کر سکتی۔ میری زینب
باحیا اور حجاب کے اندر رہنے والی ہے مگر آپ کے لباس سے مغربی
جہالت کی بو آ رہی ہے۔" زینب کی ماں نے جواب دیا۔

اب احمد کی ماں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ وہ یہ بات
قطعی بھول چکی تھیں کہ ان کا بیٹا بھی ایسی ہی اسلامی ذہن رکھنے والی
لڑکی کو پسند کرتا ہے۔ فوراً انھوں نے اپنی بات کو بدلتے ہوئے کہا۔ معاف
کیجئے گا! شاید میری طرز گفتگو سے آپ کو تکلیف پہنچی۔ میں بے حد
شرمندہ ہوں۔ میں تو یہ کہنا بھول ہی گئی تھی کہ میرا احمد بھی پاکیزہ
سیرت وکردار کا مالک ہے۔ وہ بھی اپنی زندگی میں صرف اسلام
دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کی فکر ہم لوگوں کی فکر سے بے حد مختلف ہے۔
اسی نے ضد کر کے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ
کی بیٹی بھی اسے پسند کرے گی۔ میں نے اپنے بیٹے کی سیرت وکردار
سے متعلق آپ کو کچھ نہیں کہا۔ میں اس غلط فہمی کا شکار تھی کہ
شاید میری گفتگو کا پہلا رخ ہی زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ میرا بیٹا
بھی صالح اور خدا کا اطاعت گذار ہے۔ درحقیقت وہ بھی ایسی
ہی شریک حیات کا متلاشی ہے جو حجاب کو پسند کرتی ہو۔ آپ
یقین کیجئے وہ ہمارے غیر اسلامی طرز رہائش اور لباس کو قطعی
ناپسند کرتا ہے۔" احمد کی ماں ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ گئیں۔

زینب کی ماں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "آپ کو پہلے ہی اپنے
بیٹے کی سیرت وکردار کے بارے میں بتانا چاہئے تھا۔ خدا کا شکر ہے
کہ آپ کے بیٹے میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جن کا اسلام تقاضا
کرتا ہے۔ براہ کرم آپ مجھے اپنا پتہ دیجئے۔ ہم لوگ انشاء اللہ جلد ہی
آپ کے یہاں آئیں گے۔" احمد کی ماں اگلے ہفتہ آنے کا وعدہ لے کر
رخصت ہو گئیں۔

احمد اور اس کے والد احمد کی ماں کا شدت سے انتظار کر رہے
تھے۔ احمد کی ماں نے جب ساری داستان سنائی تو احمد کے والد
بھی بے حد متعجب ہوئے۔ خود احمد کو بھی انتہائی خوشی اور حیرت ہوئی۔
زینب اور اس کی والدہ احمد کی توقع سے زیادہ ثابت ہوئی تھیں۔
اس نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔

احمد کی ماں کہہ رہی تھیں "کتنی حیرت انگیز بات ہے! کتنے
پاکیزہ خیالات ہیں ان کے! وہ لوگ کبھی بھی جھوٹے وقار کی پرواہ
نہیں کرتے۔ لڑکی بھی نہایت حسین وجمیل اور نرم خو ہے۔ احمد
واقعی بے حد خوش قسمت ہے جو اس نے ایسی شریک حیات کا انتخاب
کیا ہے۔

اب احمد کی ماں کی زندگی میں بھی اس واقعہ کے بعد ایک انقلاب
آچکا تھا۔ اور انھوں نے مغربی تہذیب کے جھوٹے اور داغدار لباس کو
ہمیشہ کے لئے اتار پھینکا تھا۔

جلد ہی احمد اور زینب ازدواجی رشتہ میں منسلک ہو گئے۔ وہ
دن احمد اور زینب کے لئے جشن کا دن تھا۔ احمد بھی اپنی ماں کی
زندگی کے انقلاب کو محسوس کر چکا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ معاشرہ
کتنا ہی سڑا ہوا اور بے راہ کیوں نہ ہو ہمیشہ باطل خیالات ونظریات
پر حق کی فتح ہوتی ہے۔ ●●

منی آرڈر کوپن پر اپنا نام اور پتہ ضرور تحریر
فرمائیں ——— (منیجر)

امن کی پکار مہم کی تصویری جھلکیاں



دہلی کے سمپوزیم میں کئی دانشوروں نے خطاب کیا ↑

کلکتہ کی امن ریلی سے سابق وزیر تعلیم پرتاپ چندر چندر خطاب کرتے ہوئے ←



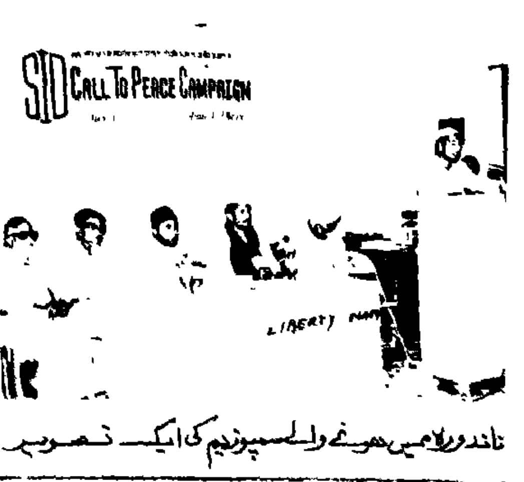




جبل پور (ایم۔پی) کے مذاکرہ کے اسٹیج کا منظر ↑

کیرلہ زون نے اس مہم کے دوران ۱۰ ہزار رومال تقسیم کئے →





جالنہ میں خطاب کا ایک منظر

ناندورا میں ہونے والے سمپوزیم کی ایک تصویر

"اگر میں شیخ الجامعہ ہوتا؟"

ارشد اجمل

انسان ازل سے خواب دیکھنے کی خواہش رکھتا ہے ـــــ اچھے اچھے خواب۔ کہتے ہیں خواب میں ناکام امنگیں پوری ہوتی ہیں۔ چند سال قبل برٹش براڈ کاسٹنگ کارپوریشن (BBC) نے "اگر میں بادشاہ ہوتا؟" عنوان پر مضامین کا مقابلہ شروع کیا تھا (ابن انشا صاحب، پاکستان اس انعامی مقابلے میں اوّل آئے تھے) اور اصل سوچ سمجھ کر خواب دیکھنے کی دعوت تھی۔ اسٹوڈنٹس اسلامک آرگنائزیشن آف انڈیا کی پہلی ہند کانفرنس کا ایک موضوع ہی تھا "ہمارے خوابوں کا ہندوستان"۔ کبھی کبھی انسان جاگتے میں بھی خواب دیکھتا ہے یا کبھی ناممکن کے وقوع ہونے پر بھی خواب کا گمان ہوتا ہے۔ وہ بادشاہ بھی تاریخی ہے جس نے چمڑے کا سکہ چلایا کہ اسے ایک دن کی بادشاہت ملی تھی اس کا نام سقہ تھا۔

یونیورسٹی مختلف قسم کی بدعنوانیوں کی آماجگاہ بنتا جا رہا ہے۔ ایک شیخ الجامعہ پر ابھی کچھ دنوں قبل الزام لگا کہ انہوں نے امتحانات میں انھوں نے خاصے پیسے کمائے۔ اسی یونیورسٹی کی انتظامیہ کے اعلیٰ ذمہ دار نے کچھ دنوں قبل ایک خاتون پرنسپل کو تمانچہ رسید کیا تھا۔ جس کو لے کر کافی ہنگامہ رہا۔ اساتذہ کو بھی پچھلے دنوں کئی ماہ کی تنخواہیں نہیں ملی تھیں۔ مختلف وجوہات کی بنا پر جنتا پارٹی کی طلباء تنظیم ودیارتھی پریشد نے رانچی یونیورسٹی میں مظاہروں کا سلسلہ شروع کیا۔ ایک دن صبح جب یہ طلباء یونیورسٹی پہنچے تو معلوم ہوا کہ جامعہ کے ذمہ داروں میں سے کوئی موجود نہیں ہے۔

طلباء کو نئی سوجھی اور ان میں سے کوئی شیخ الجامعہ بن کر شیخ کی کرسی پر جا بیٹھا کوئی رجسٹرار بن گیا تو کوئی Examination Controller بن بیٹھا۔

لیکن ان کے ذریعہ طلباء کی خواہشات کا علم ضرور ہی ہوتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ طلباء کے جائز مطالبات کو بھی پورا کرنے میں ہماری جامعات کی انتظامیہ کس قدر ناکام ہے۔ خواب کو حقیقت سمجھنے کا انجام واضح ہے۔ مذکورہ بالا طلباء بھی اس سے باخبر ہی ہوں گے کہ ان کی اس حرکت کی بنا پر انھیں گرفتار کیا جائے گا ـــــ سو وہ کئے گئے اور بعد میں رہا بھی ہو گئے۔

موجودہ جامعات طلباء کے جائز مطالبوں کو پورا کرنے میں کس قدر کامیاب ہیں ـــــ یہ تو واضح ہے البتہ ایک سوال آخر میں کہ اگر یہ طلباء مستقبل میں کسی ذمہ دارانہ منصب پر آئے تو کیا وہ اپنے خواب کو شرمندہ تعبیر کر سکیں گے؟

گلبرگہ یونیورسٹی میں مبیّنہ بدعنوانی پر ایک لکچرر کی خودکشی

سیّد تنویر احمد بنگلور

شاعر اکبر الٰہ آبادی نے کہا تھا

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

ایک شاعر کے خیالات کی تصدیق ہماری جامعات کرتی آ رہی ہیں۔ بداخلاقی، غیر قانونی کارروائیاں، دہشت گردی اور ہمہ اقسام کی دھاندلیاں ہماری جامعات کی خصوصیات ہو گئی ہیں۔ اس کی روز افزوں ترقی کی حقیقت کا انکشاف ۵ فروری کی شب کو گلبرگہ یونیورسٹی کے ایک لکچرر گنگادھر دستروکے پراسرار خودکشی کے ذریعہ ہوتا ہے۔ واقع کی مختصر تفصیلات یوں ہے۔ ۴ فروری کو گلبرگہ یونیورسٹی سنڈیکیٹ اجلاس میں انجینیرنگ امتحانات کے نمبرات ٹیبولیشن ورک میں مبیّنہ بدعنوانیوں کے نتیجہ میں ۹ لکچررس کو معطل کرنے کا فیصلہ کیا گیا جب اس کی اطلاع لکچروں میں سے ایک گنگادھر کو پہنچی تو اس نے پھانسی لے کر خودکشی کر لی۔ متوفی خودکشی سے قبل جو تحریر چھوڑی ہے اس میں لکھا ہے کہ وہ اس اسکینڈل میں ملوث نہیں ہے لیکن وہ اسکینڈل کے پس منظر میں معطلی کو ہتک عزت تصور کرتا ہے۔

اس اسکینڈل کے ذریعہ انجینیرنگ آخری درجہ کے ۴۰ طلباء کے نمبرات میں تبدیلی کے ذریعہ انھیں کامیاب کیا گیا تھا جس کے نتیجہ کا اعلان وائس چانسلر نے رکوا دیا۔

۴۰ نااہل طلباء کو کامیاب قرار دینا ایک ایسی بدعنوانی ہے جو کسی بھی قسم کے تعلیمی ادارے کے خلاف وقار ہے۔ اگر متوفی لکچرر مجرمین میں سے ہے تو دوسری بات ہے لیکن اگر لکچرر مجرم نہیں ہے جیسا کہ یونیورسٹی کے لکچررس ایسوسی ایشن کا کہنا ہے تو یہ ہماری تعلیم گاہوں، تعلیمی نظام اور ہماری حکومت کیلئے انتہائی شرمناک فعل ہوگا۔ بہرحال جامعات میں اس نوعیت کی مختلف دھاندلیوں کا سدباب کیا جانا چاہئے اور مجرمین کو سخت سزائیں ملنی چاہئیں۔

واقعہ بہار کی ایک یونیورسٹی کا ہے وہاں ایک صاحب صرف چوبیس گھنٹے کے لئے وزارت اعلیٰ کی کرسی پر متمکن ہوئے۔ رانچی یونیورسٹی آج سے چند سال قبل بہار کی جامعات میں سرفہرست سمجھی جاتی تھی بالخصوص واقعہ سینٹ زیویر کالج میں داخلہ آج بھی طلبا کے لئے ...انتخاب ہے۔ کچھ چند سال ... ان نئے ذمہ داروں نے باضابطہ احکامات بھی جاری کئے۔ احکامات میں وقت پر امتحانات ... نا، متعینہ مدت میں نتائج کا آجانا، سال میں ایک ... اسی دنوں کلاس کا ہونا، اساتذہ کا دلچسپی اور محنت کے ساتھ کلاسوں کا لینا، لائبریری اور کینٹین درست کرنا وغیرہ قسم کے تھے۔ یہ احکامات گو کہ کوئی قانونی وقعت نہیں رکھتے ہیں

علامہ اقبال اور قرآن

محمد یمین الحق صدیقی

اقبالؒ کو بچپن ہی سے قرآن حکیم سے شغف تھا۔ وہ عموماً بلند آواز سے قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے۔ قرآن حکیم پڑھتے ہوئے وہ بے حد متاثر ہوتے تھے۔ زندگی بھر آپ اسلام کے اصل ماخذ قرآن مجید اور حضورؐ کے شیدائی بنے رہے۔ پندرہ سال مسلسل قرآن کا مطالعہ کرتے رہے اور بعض آیات پر برسوں غور و فکر کیا تب جاکر اس درجہ تک پہنچے کہ عصر حاضر کے پیدا شدہ مسائل کا حل صرف قرآن سے ڈھونڈ نکالتے تھے اور مغربی مفکرین کے فلسفیانہ سوالات کے جوابات کے لئے قرآن ہی کو کافی سمجھتے۔ خلیفہ عبدالحکیم کے بقول علامہ اقبال کا عقیدہ تھا کہ "انسانی زندگی کے مزید ارتقا میں کوئی دور ایسا نہیں آسکتا جس میں قرآنی حقائق کا نیا انکشاف ترقی حیات میں ان کی رہبری نہ کرسکے۔ زندگی کی نو بہ نو صورتیں پیدا ہوجائیں گی لیکن قرآن کے اساسی حقایق کبھی دفتر پارینہ نہ ہوں گے۔ قرآن سے ان کے شغف کا اندازہ ان کے اس شعر سے لگایا جاسکتا ہے۔

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

قرآن سے اس حد تک دلچسپی کیسے پیدا ہوئی۔ علامہ اقبال نے سید سلیمان ندویؒ کو یہ بات بتائی تھی۔ مولانا ندویؒ رقم طراز ہیں کہ ۱۹۳۳ء میں نادر شاہ نے افغانستان میں تعلیمی اصلاحات کے سلسلے میں مشورہ کے لئے علامہ اقبال، سر راس مسعود اور مجھے مدعو کیا تھا۔ سفر کابل کی واپسی میں قندھار کا ریگستانی میدان طے ہوچکا تھا اور سندھ بلوچستان کی پہاڑیوں پر ہماری موٹریں دوڑ رہی تھیں شام کا وقت تھا۔ ہم دونوں ایک ہی موٹر میں بیٹھے تھے، روحانیات پر گفتگو ہو رہی تھی، ارباب دل کا تذکرہ تھا کہ موصوف نے بڑے تاثر کے ساتھ اپنی ابتدائی زندگی کا واقعہ بیان کیا۔

فرمایا، جب میں سیالکوٹ میں پڑھتا تھا، تو صبح اٹھ کر روزانہ قرآن پاک کی تلاوت کرتا تھا، والد مرحوم اپنے اوراد و وظائف سے فرصت پاکر آتے، اور مجھے دیکھ کر گذر جاتے، ایک دن صبح کو میرے پاس سے وہ گذرے تو مسکرا کر فرمایا کہ کبھی فرصت ملی تو میں تم کو ایک بات بتاؤں گا۔ میں نے دو چار دفعہ بتانے کا تقاضہ کیا، تو فرمایا کہ جب امتحان دے لوگے تب، جب امتحان دے چکا اور لاہور سے مکان آیا تو فرمایا، جب پاس ہوجاؤ گے تب، جب پاس ہوگیا اور پوچھا تو فرمایا: بتاؤں گا۔ ایک دن صبح کو جب حسب دستور قرآن کی تلاوت کر رہا تھا تو وہ میرے پاس آگئے اور فرمایا "بیٹا کہنا یہ تھا کہ جب تم قرآن پڑھو تو یہ سمجھو کہ یہ قرآن تم ہی پر اترا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ خود تم سے ہم کلام ہے۔ ڈاکٹر اقبال کہتے تھے کہ ان کا یہ فقرہ میرے دل میں اتر گیا اور اس کی لذت دل میں اب تک محسوس کرتا ہوں۔ یہ تھا وہ تخم جو اقبال کے دل میں بویا گیا۔ اور جس کی تناور شاخیں ان کے موزوں نالوں کی شکل میں پھیلی ہیں۔ ان کی فنائیت فی القرآن پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ نے کہا تھا

"مغربی تعلیم و تہذیب کے سمندر میں قدم رکھتے وقت وہ جتنا مسلمان تھا، اس کے منجدھار میں پہنچ کر اس سے زیادہ مسلمان پایا گیا یہاں تک کہ اس کی تہہ میں جب پہنچا تو دنیا نے دیکھا کہ وہ قرآن میں گم ہوچکا ہے اور قرآن سے الگ اس کا کوئی فکری وجود باقی ہی نہیں رہا۔ وہ جو کچھ سوچتا تھا، قرآن کے دماغ سے سوچتا تھا، جو کچھ دیکھتا تھا قرآن کی نظر سے دیکھتا تھا، حقیقت اور قرآن اس کے نزدیک شئے واحد تھے اور اس شئے واحد میں وہ اس طرح فنا ہوگیا تھا کہ اس دور کے علماء دین مجھے کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا جو فنائیت فی القرآن میں اس امام فلسفہ اور اس ایم۔ اے پی۔ ایچ ڈی، بار ایٹ لاء سے لگا کھاتا ہو۔"

آخری دور میں اقبال نے تمام کتابوں کو الگ کردیا تھا، اور سوائے قرآن کے اور کوئی کتاب وہ اپنے سامنے نہ رکھتے تھے۔ سالہا سال تک علوم و فنون کے دفتروں میں غرق رہنے کے جس نتیجہ پر پہنچے تھے وہ یہ تھا کہ اصل علم قرآن ہے۔ اور یہ ... ہاتھ آجائے وہ دنیا کی تمام کتابوں سے بے نیاز ہے۔ تمام حقائق اور علوم کا مخزن یہی کتاب ہے۔ انسان کی رہنمائی کے لئے جس قدر ضرورت ہوسکتی ہے قیامت تک کے لئے اس میں اس کا سامان فراہم کردیا گیا ہے۔ "بحر العلوم" کا لفظ اگر کسی کتاب پر موزوں ہوسکتا ہے تو وہ یہی قرآن ہے۔

علامہ اقبال کے سوانح نگاروں نے ان کی زندگی پر بڑی بڑی تحقیقات کی ہیں مگر ابھی تک کوئی یہ نہیں کہہ سکا علامہ پر کوئی ایک لمحہ

بھی گذرا ہو جب کہ ان کے اس ذوقِ قرآن میں کسی قسم کی کمی واقع ہوئی ہو۔ قرآن مجید نے بار بار مطالبہ کیا ہے کہ قرآن میں غور و فکر اور تفکر و تدبر کیا جائے۔ علامہ اقبال جو خود بھی مفکر و مدبر تھے۔ قرآن کے حکم سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ وہ غور و فکر کی جتنی منزلوں پر پہنچتے گئے قرآن بھی اپنے اسرار و رموز اسی طرح کھولتا چلا گیا۔

اقبال قرآن کی روشنی میں نہ صرف ماضی کا احتساب کر سکتا تھا نہ صرف حال کے لئے رہنمائی لے سکتا تھا بلکہ اس میں اتنی نظر پیدا ہو چکی تھی کہ امت مسلمہ کی مستقبل کی تاریخ بھی اسی بصیرت کی روشنی میں مرتب کر سکتا تھا اسی لئے اقبال کی خواہش تھی کہ اپنے علم قرآن کی مدد سے امت مسلمہ کی کوئی خدمت کر سکے۔ چنانچہ [illegible] ایک خط میں تحریر کرتے ہیں۔"

"میرے لئے ممکن ہو سکتا تھا کہ میں قرآن کریم پر عہد حاضر کے افکار کی روشنی میں اپنے نوٹ تیار کرتا جو عرصہ سے میرے زیر غور ہیں۔ اگر مجھے زندگی مستعار کی بقیہ گھڑیاں وقف کر دینے کا امکان میسر آ جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ قرآن کریم کے ان نوٹوں سے بہتر میں کوئی پیش کش مسلمانان عالم کو نہیں کر سکتا"

اسی طرح ایک خط میں سید سلیمان ندوی کو لکھتے ہیں کہ

"تمنا ہے کہ مرنے سے پہلے قرآن سے متعلق اپنے خیالات قلمبند کر جاؤں، جو تھوڑی سی ہمت اور طاقت ابھی مجھ میں باقی ہے اسی خدمت کے لئے وقف کر دینا چاہتا ہوں۔ تاکہ (قیامت کے دن) آپ کے جد امجد (حضور) کی زیارت مجھے اس اطمینان خاطر کے ساتھ میسر ہو کہ اس عظیم الشان دین کی جو حضور اکرمؐ نے ہم تک پہنچایا کوئی خدمت بجا لا سکوں"

غرض اقبال قرآن کریم کی تفسیر لکھنے کے لئے تڑپتا رہا مگر نہ حالات نے یاوری کی اور نہ صحت و زندگی نے ساتھ دیا۔

مسلمان اور تجارت

معظم علی صدیقی

تقسیم ملک کے بعد مسلمان برابر اس کا ماتم کر رہے ہیں کہ ہمارے لئے ملازمت کے دروازے بند ہیں گذشتہ ۳۰ برسوں کے دوران جو ملازمتیں مسلمانوں کو ملی ہیں برائے نام ہیں۔ اگر یہ [illegible] احساس صحت مند بھی ہے تو بھلا ماتم کرنے سے کیا حاصل؟ دنیا میں آنسو تولے نہیں جاتے اور نہ ماتم کرنے والی قوم دنیا کے نقشہ پر صحت مند قوم کی حیثیت سے ابھرتی ہے۔ تقسیم ملک سے پیدا شدہ حالت کے سبب ہمارے سوچنے اور غور کرنے کا ڈھنگ ہی بدل گیا ہے۔ نتیجے کے طور پر مسلمان اقتصادی و معاشی یہاں تک کہ ہر میدان میں دوسروں سے پیچھے رہ گئے ہیں اور آئے دن پیچھے ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

اگر مسلمان اپنی زندگی کا مطالعہ کریں کہ ہم کیسے مکان میں رہتے ہیں؟ ہماری خوراک کیا ہے؟ ہمارے بچے کس قسم کے اسکول اور کالج میں زیر تعلیم ہیں؟ وغیرہ وغیرہ اور پھر ایک مرتبہ ہم پوری سنجیدگی کے ساتھ دوسری قوموں کی زندگی کا جائزہ لیں تو ہمارا سر ندامت سے جھک جائے گا ہمارے اندر احساس کمتری جاگ اٹھے گا اور ہمیں اپنی اور ان کی زندگی میں نمایاں فرق نظر آئے گا۔ مقابلہ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن ہم کبھی اس نکتہ پر غور کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے کہ آخر یہ نمایاں فرق کیوں ہے؟ حالات کا سرسری جائزہ لینے سے یہی پتہ چلتا ہے کہ روزگار کے معاملہ میں دوسروں کے گھر کا ہر کوئی برسر ملازمت ہے۔ کوئی صنعتی ادارہ چلا رہا ہے کوئی تجارت میں مصروف ہے۔ غرض ہر چہار جانب ان کی دوڑ بھاگ کا سلسلہ جاری و ساری ہے۔ لازمی طور پر خوشحالی ان کے قدم چوم رہی ہے اس کے برعکس ہمارے گھر کا ہر فرد کام نہیں کرتا ظاہر ہے اس مشینی دور میں جس گھر کا ہر فرد برسر روزگار نہیں اس کی خوشحالی مشکوک ہے۔ یہ یقین کرنا پڑے گا کہ مسلمان تعلیمی میدان کی طرح تجارتی میدانوں میں بھی دوسری قوموں سے بہت پیچھے ہیں اسے شومئی قسمت کہیئے کہ مسلمان ملازمت کی طرف نگاہ رکھتے ہیں اور تجارت سے دلچسپی لینا کہیں الجھن اور کہیں کسر شان تصور کرتے ہیں اور ان میدانوں میں آنے کی جرأت نہیں کرتے۔ نتیجہ کے طور پر ہماری اقتصادی حالت میں ترقی کی کوئی صورت پیدا ہونا تو درکنار ہم اجتماعی طور پر اقتصادی بدحالی کے بُری طرح شکار ہیں۔

اسلام نے تجارت کو نہ صرف ایک بہترین اور ضروری وسیلہ معاش قرار دیا بلکہ اسلامی ضابطہ کے حدود میں تجارت کو عبادت بھی بنا دیا۔ عقائد و عبادت انسانی روح کی غذا ہے اور حلال رزق جسم کے لئے مادی غذا ہے جو شخص حلال رزق کمانے میں لگا رہتا ہے وہ عبادت گذار کا درجہ رکھتا ہے۔

"رسولؐ نے فرمایا کہ سچائی کے ساتھ معاملہ کرنے والا
امانت دار تاجر قیامت کے دن نبیوں صدیقوں اور شہیدوں
کے ساتھ ہوگا۔"

اگر مسلمان کو اپنی پرانی تاریخ یاد ہوتی تو وہ نہ بھولتے کہ حضرت محمد رسول صلعم نے خود ۲۵ سال کی عمر میں حضرت خدیجہؓ کا مال لے کر شام کا سفر کیا تھا۔ آپؐ نے اپنے متعلق فرمایا کہ میں قریش کی بکریاں ایک قیراط روزانہ پر چرایا کرتا تھا۔ اسی طرح حضرت داؤدؑ حضرت ادریسؑ اور بعض دوسرے انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرامؓ اور بزرگوں نے وہ سارے کام خود کئے ہیں جن کو آج

مسلمان اپنی جہالت کی وجہ سے حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ حضرت ابوحنیفہ کپڑے کی تجارت کے لئے مشہور ہیں۔ حضرت نوحؑ کشتی بناتے تھے۔ ہندوستان، انڈونیشیا وغیرہ ممالک میں انھیں تاجروں نے دیانت دارانہ تجارت کے ذریعہ دنیا بھی کمائی اور اسلام کی تبلیغ کر کے آخرت بھی کمائی۔ اس قسم کی مثالوں کی ایک طویل فہرست تاریخ میں محفوظ ہے جو تجارت اور ہاتھ کی کمائی سے اپنا گذر بسر کرتے تھے اور مطمئن تھے پھر آج کے مسلمان خواہ وہ ان پڑھ ہوں یا گریجویٹ ان بزرگوں کے ناک کے برابر بھی نہیں ہیں۔

ہمیں اس کا بخوبی علم ہے کہ جب ہمارے تعلیم یافتہ نوجوان دفتروں کے دروازوں پر دستک دے کر تھک جاتے ہیں اور ان کے سامنے مایوسی و نامرادی کی گھٹا ٹوپ تاریکی چھا جاتی ہے تو ان کی آنکھوں پر تجارت کی خوشنمائی کر نمودار ہوتی ہے۔ وہ تجارتی میدان میں اپنا کام شروع کر دیتے ہیں اور یہ دیکھا گیا ہے کہ ایسے نوجوان کامیاب ثابت ہوتے ہیں۔

اب ضرورت اس بات کی ہے کہ نوجوان پوری سنجیدگی کے ساتھ حالات کا جائزہ لیں۔ زمانہ اور ماحول کا چیلنج خندہ پیشانی سے قبول کریں اور وقت کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے مشکلات پر قابو پانے کا عزم صمیم کریں۔ اس کے بعد ایمانداری، لگن اور محنت کو اپنا شعار بنا کر تجارتی میدانوں میں کود جائیں یقین کامل ہے کہ کامیابی و کامرانی ان کے قدم چومے گی۔

●●

فارم نمبر ۴

(دیکھئے رول نمبر ۸)

اعلان بابت "رفیقِ منزل" اردو ماہنامہ

مقام اشاعت :- ۲۳۰، ابوالفضل انکلیو، اوکھلا، نئی دہلی ۲۵

مدیر، طابع و ناشر :- منور حسین

قومیت : ہندوستانی

پتہ : ۱۳۵۳، چتلی قبر، دہلی ۶

ان افراد کے نام و پتے جو اس کے مالک ہوں اور وہ جو کل ملکیت میں ایک فی صد سے زیادہ کے حصہ دار ہوں : اسٹوڈنٹس اسلامک آرگنائزیشن آف انڈیا

۲۳۰، ابوالفضل انکلیو، اوکھلا، نئی دہلی ۲۵

میں منور حسین یہ اعلان کرتا ہوں کہ درج بالا باتیں میرے علم و یقین کی حد تک درست ہیں۔

(دستخط)

منور حسین

(ناشر)

تاریخ ۱، مارچ ۱۹۸۶ء

بقیہ صفحہ ۱۰ کا

علماء کرام بحسن و خوبی انجام دے سکتے ہیں کیونکہ مسلمانوں کی اکثریت علماء کرام اور مدارس اسلامیہ پر اپنا پورا اعتقاد رکھتی ہے۔ اگر ہمارے علماء واقعی پورے خلوص کے ساتھ اپنے اختلافات کو رفع کر کے اور جماعتی، گروہی اور فقہی اختلافات سے بالاتر ہو کر پورے وسعت قلب و نظر کے ساتھ قرآن و حدیث کی روشنی میں مسلمانوں کی مکمل رہنمائی کا فریضہ انجام دیں تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلمانوں کی زندگیاں اسلام کا آئینہ نہ بن جائیں۔

اسی کے ساتھ ساتھ مدارس اسلامیہ کی یہ ذمہ داری بھی ہے کہ وہ اپنے طلبہ کے اندر اس حقیقت کو کوٹ کوٹ کر بھر دیں کہ انھیں ملک و ملت کی رہنمائی کا عظیم فریضہ انجام دینا ہے۔ غیر مسلم بھائیوں کے سامنے شہادت حق کا فریضہ وہ بحسن و خوبی انجام دے سکیں اس کے لئے ان کی بہترین تربیت کی ضرورت ہے۔

مدارس اسلامیہ اس فریضہ کے پیش نظر اپنے یہاں ایسا نصاب رائج کریں جس سے اسلامی علوم کے ساتھ ساتھ باطل نظریات اور دیگر ادیان کی معلومات بھی حاصل ہو سکیں تاکہ عملی زندگی میں باطل نظریات کا مقابلہ بخوبی کیا جا سکے۔

اسلامی مدارس میں عربی اردو فارسی کے علاوہ ہندی اور علاقائی زبانوں کی معلومات بھی بہم پہنچائی جائیں تاکہ وہاں سے ایسے داعی نکل سکیں جو مخاطب کو اس کی زبان میں حق پہنچائیں۔

مدارس اسلامیہ نے جہاں مسلمانوں کے روزمرہ کے مسائل میں ان کی رہنمائی کے فرائض انجام دینے کے لئے دارالافتاء وغیرہ قائم کیے ہیں وہیں یہ بھی ضروری ہے کہ ایسے شعبے قائم ہوں جہاں سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈوں کا مدلل جواب دیا جائے۔

ہماری مدارس کی ایک اہم ذمہ داری یہ بھی ہے کہ جو سعید روحیں حق پر لبیک کہیں ان کی جزوی یا کلی تعلیم کا بندوبست کریں ان کی اسلامی خطوط پر تربیت کریں اور انھیں ملت کا بہترین فرد بنانے میں معاون ثابت ہوں۔

بقیہ صفحہ ۱۲ کا

وہ آپس میں برابر ہیں اگر یہ تصور عام ہو جائے تو مسئلہ بڑی حد تک حل ہو سکتا ہے انھوں نے مزید فرمایا کہ لوگوں کے اندر اخلاق حسنہ پیدا کئے جائیں اور خدا پرستی کی بنیاد پر معاشرہ کی تشکیل کی جائے۔ موصوف نے لوگوں کو مشورہ دیا کہ وہ اسلام کے سلسلے میں مسلمانوں کو دیکھ کر کوئی رائے قائم نہ کریں، بلکہ خدا کی دی ہوئی عقل سے کام لے کر اسلام کی تعلیمات کا مطالعہ کریں۔

بقیہ صفحہ ۱۱ کا

لئے اچھے طریقے ہی اختیار کرنے ہوں گے۔ غلاظت کو غلاظت سے پاک نہیں کیا جا سکتا۔

درج بالا باتوں کے علاوہ اس کی بھی ضرورت ہے کہ زندگی کے بنیادی مسائل پر سنجیدگی سے غور و فکر کا ماحول بنایا جائے۔ فساد پسند بہر حال یہ چاہتے ہیں کہ لوگ ایسے کھیل تماشوں میں مشغول رہیں کہ بنیادی امور زیر بحث ہی نہ آ سکیں۔ یہ اپنا اتسو کے پروگرام، یہ طرح طرح کے کھیل تماشے کیا ہمیں سوچنے کا موقع دیتے ہیں؟

ہر طرح کے امن کے لئے باشعور افراد کے درمیان زندگی کے بنیادی مسائل پر ڈائلاگ اور گفتگو ہونی چاہئے موجودہ صورت حال میں نوجوانوں کی ذمہ داریاں دو چند ہیں۔ ۳۵ سال کی عمر کے افراد اس وقت ملک میں ۷۰٪ فیصد ہیں (ایک سے ۱۸ سال کی عمر والے ۵۰ فیصد اور اس کے بعد ۳۵ سال کی عمر والے افراد پوری آبادی میں ۲۰ فی صد ہیں) وہی مستقبل کے معمار ہیں۔ کیا وہ اس پر غور کریں گے؟

رابطہ عالم اسلامی ـــــ ایک تعارف

جناب اویس الحق - گیا

زندہ قومیں اپنے اجتماعی اداروں کو مردہ نہیں ہونے دیتیں۔ وہ بہ زوال قومیں اگر ادارے قائم کر بھی لیں تو انھیں چلا نہیں پاتیں۔ آج رابطہ عالم اسلامی کا وجود ملت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کے لئے ایک نیک شگون ہے کیونکہ قیام کے پچیس سالوں کے بعد بھی اس کے پائے استقلال میں اضمحلال نہیں آیا ہے اور وہ اب بھی اپنے مقاصد کی تکمیل میں پوری قوت سے رواں دواں ہے۔ آج ملت کے پاس بین الاقوامی سطح پر اس سے بہتر، مضبوط تر اور وسیع تر کوئی اور ادارہ نہیں۔ رابطہ کی سلور جوبلی کے موقع پر اس کا ایک تعارف پیش ہے۔

پچیس سال قبل جب چند دردمند اور مخلص افراد نے حج کے موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک کانفرنس کا انعقاد کیا تاکہ مسلم دنیا کی بگڑتی ہوئی صورت حال کا جائزہ لیا جا سکے اس کے زوال کے اسباب اور نجات کی راہ تلاش کی جائے، مسلم ممالک اور مسلم قوموں کے خلاف ان بین الاقوامی سازشوں کو بے نقاب کیا جا سکے جن کا مقصد مسلم سماج کو ایمان و اسلام سے برگشتہ کرنا تھا۔ چنانچہ ۱۸ مئی ۱۹۶۲ء (۱۴ ذی الحجہ ۱۳۸۱ھ) کو اللہ کے قدیم گھر کے قریب دو دنوں کی تفصیلی کارروائیوں کے بعد تجاویز منظور کی گئیں۔ ان میں سے اہم تجویز ایک بین الاقوامی اسلامی تنظیم قائم کرنے کی تھی۔ اس طرح رابطہ عالم اسلامی کی بنیاد پڑی جو ایک آزاد عوامی تنظیم کی صورت میں ظہور پذیر ہوئی۔ یہ کسی خاص حکومت یا ملک کی حاشیہ بردار نہیں بلکہ سارے اسلامی ممالک اور مسلم اقلیتوں کی نمائندہ تنظیم ہے۔ اس نے اپنے لئے جو اصول و مقاصد متعین کئے ان کے اہم نکات یہ ہیں۔

- اسلام کے پیغام کی اشاعت و تبلیغ
- اتحاد امت کا فروغ اور اختلاف کا ازالہ
- ہر اسلامی ملک میں شریعت کو قانون کی بنیاد بنانا
- شورائی نظام کا قیام
- تبلیغ دین کے لئے عالمی پیمانے پر مبلغین کی فراہمی
- اسلامی لٹریچر، قرآن اور اس کے تراجم و تفاسیر کی تقسیم
- ساری اسلامی تنظیموں اور اداروں کو مضبوط کرنا
- مسلم اقلیتوں کی آزادی عبادت و روایات کا تحفظ۔

رابطہ کے شعبہ جات: - مندرجہ بالا مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے مختلف ڈیپارٹمنٹ قائم کئے گئے ہیں جن میں اہم ترین یہ ہیں:

۱۔ **جنرل اسلامی کانفرنس (موتمر اسلامی)** - یہ رابطہ کی اعلیٰ ترین ایگزیکیوٹو باڈی ہے جو مجلس تاسیسی (constituent Council) کو منتخب کرتی ہے۔

۲۔ **مجلس تاسیسی:** - یہ رابطہ کا پالیسی ساز ادارہ ہے جو پروگرام پر عمل درآمد کے طریقہ کار کا تعین بھی کرتا ہے۔ ۲۶ ممبران پر مشتمل یہ ادارہ مسلمانوں کے عالمی مسائل مثلاً القدس، فلسطین، افغانستان، اریٹریا، مسلم اقلیت، قادیانیت، بہائیت، کمیونزم، مشنری، فری میسن پر اپنی سفارشات پیش کرتا ہے اور ان پر عمل درآمد کراتا ہے۔

۳۔ **سکریٹریٹ جنرل:** - اس کا ہیڈ کوارٹر مکہ ہے۔ کسی سعودی کو سکریٹری جنرل منتخب کیا جاتا ہے جس کی مدد کے لئے تین اسسٹنٹ سکریٹری جنرل ہوتے ہیں۔ سکریٹری جنرل ہر سال اپنی رپورٹ تاسیسی کانسل کو دیتا ہے۔

۴۔ **عالمی مساجد کونسل:** - یہ رابطہ کی ایک شاخ ہے جو ۱۳۹۵ھ میں قائم کی گئی۔ اس کے ۵۳ ممبر ہوتے ہیں جو ۴۵ اسلامی ملکوں اور مسلم اقلیتوں کے نمائندے ہوتے ہیں۔ عالمی مساجد کانسل مسجدوں کی تعمیر و ترقی، اقلیتوں کی آزادی، عبادت اور ان کے اسلامی تشخص اور تہذیب کی حفاظت کے لئے عالمی پیمانے پر کوشاں ہے تاکہ مسلم سوسائٹی میں مسجدوں کی مرکزی حیثیت پھر سے بحال ہو سکے۔ سہولت کی خاطر یورپ، امریکہ، ایشیا اور افریقہ کے لئے براعظمی کانسل قائم کئے گئے ہیں۔

۵۔ **مساجد فنڈ:** - مساجد کانسل کے مقاصد کی بارآوری کے لئے ایک مساجد فنڈ قائم کیا گیا ہے جس میں سعودی حکومت نے ڈھائی کروڑ سعودی ریال کا ابتدائی عطیہ دیا۔

۶۔ **اماموں کی تربیت:** - امام اور خطیب مساجد کے لازمی جز ہیں۔ ان کی ٹریننگ کے لئے دنیا کے مختلف حصوں میں ادارے قائم کئے گئے ہیں۔ ائمہ کی ٹریننگ کا ایک مستقل ادارہ مکہ مکرمہ میں ۱۴۰۳ھ میں قائم کیا گیا۔ رابطہ نے اس کے طلبا کو کتابیں، رہائش، ہوائی ٹکٹ اور فی کس ۸۰۰ سعودی ریال ماہانہ وظیفہ فراہم کیا۔ اس کے علاوہ مختلف ممالک میں ۲۵ ٹریننگ کورسز کا اہتمام کیا گیا جو ایشیا، افریقہ، یورپ اور امریکہ مختلف ملکوں میں چلائے گئے۔ کانسل نے کئی ملکوں میں انٹرنیشنل سیمنار بھی منعقد کرائے۔

۷۔ **فقہی کانسل:** - فقہ کی تجدید، مسودات کی طباعت، اسلامی فقہ کی

انسانی قوانین پر برتری، جدید فقہی مسائل کا حل، فقہ کی ڈکشنری کی تیاری کے علاوہ قانونی فیصلے دینا اس کے مقاصد میں شامل ہے۔

۸۔ دعوت اسلام:- تبلیغ دین، رابطہ کا ایک اہم پروگرام ہے۔ اس کے تحت بہت سے مبلغین مسلم اکثریت و اقلیت کے ملکوں میں بھیجے گئے، تاکہ اسلامی شعور و علم کو فروغ دیا جا سکے۔ ۱۰۰۰ مبلغین کے پروجکٹ کے تحت رابطہ نے ۳۳۶ مبلغین افریقہ میں ۹۹ یورپ وامریکہ میں ۲۰۶ ایشیا اور بحرالکاہل کے ملکوں میں اور ۲۹۵ انڈونیشیا میں بحال کئے۔ ان پر کل ڈیڑھ کروڑ ریال سالانہ کا خرچ ہو رہا ہے اور یہ ۳۰ افریقی ۱۲ یورپی اور ۱۵ ایشیائی ملکوں میں کام کر رہے ہیں۔

۹۔ قرآن کمیشن:- عالمی مساجد کونسل کی سفارش پر قرآن وسنت کی سائنسی معلومات پر تحقیق و تفتیش کے لئے ایک قرآن کمیشن بنایا گیا ہے۔ اس کے لئے ۱۰ لاکھ سعودی ریال مختص کئے گئے۔ اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے تعاون سے ایک بین الاقوامی کانفرنس کا اہتمام کیا گیا جس میں ۲۰۰ ڈیلیگٹ دانشور شریک ہوئے۔ ایک کمیٹی شیخ عبدالمجید زندانی کی سربراہی میں قرآن و سنت میں سائنسی معلومات پر تحقیق کر رہی ہے۔

۱۰۔ اسلامی ریلیف ایجنسی:- رابطہ نے بنگلہ دیش میں برما کے ریفیوجی اور پاکستان میں افغان ریفیوجی کی ریلیف پر قابل تعریف کام کیا تھا جس کے بعد ایک مستقل اسلامی ریلیف ایجنسی کے قیام کی منظوری دی گئی اور اس کا ہیڈ کوارٹر مکہ مقرر کیا گیا۔ اس ایجنسی کی مالی کفالت رابطہ خود اپنے فنڈ اور اہل خیر حضرات کے عطیات سے کرتا ہے۔ یہ ادارہ ۱۱ ڈسپنسری سومالیہ میں اوگاڈہ کے ریفیوجیوں کے لئے چلا رہا ہے۔ ۵ ڈسپنسری مالی میں زیر تعمیر ہے بنگلہ دیش (کاکس بازار) میں ۱۰۰ بستروں کا ایک اسپتال، لوچٹا گانگ اور ڈھاکہ میں بیماریوں کے لئے میڈیکل سنٹر چلائے جا رہے ہیں۔

۱۱۔ مسلم اقلیت:- رابطہ نے مسلم اقلیت کو کافی اخلاقی اور مادی مدد پہنچائی ہے۔ اس نے ان کو اساتذہ، مبلغین اور اسلامی لٹریچر فراہم کیا ہے۔ اسکولوں اور مسجدوں اور اسلامی مراکز کو مالی مدد دی ہے، فیلوشپ اور تعلیمی وظیفے مہیا کئے ہیں۔ مختلف تحقیقاتی کمیشن مسلم اقلیت کی حالت زار کے مطالعے کے لئے بھیجا ہے اور ان ملکوں سے مسلم نمائندوں کو اپنے مہمان کی حیثیت سے حج کے لئے بلایا ہے۔ اقلیتوں کے مسائل بین الاقوامی پلیٹ فارم پر اٹھائے ہیں۔ ان کے لئے اسلامی ٹکسٹ بک تیار کرایا ہے اور ان کے تہذیبی اقدار کے تحفظ کے لئے کوشاں رہی ہے۔

۱۲۔ شعبہ قرآن:- قرآن پاک کی خدمت کے لئے ایک الگ شعبہ ۱۹۷۵ء سے کام کر رہا ہے اس کے اہم پروجکٹ یہ ہیں:
- قرآن کے معلم یا انسٹرکٹر ساری دنیا میں بھیجنا۔
- قرآن کی صحیح ترین طباعت اور ان کی تقسیم۔
- قرآن کے مدارس کی مالی امداد اور اس کی بہتری۔
- ترجمہ قرآن و سہل تفسیروں کی تیاری و اشاعت۔

۱۳۔ اسلامی رصدگاہ:- ایک اسلامی رصدگاہ (Observatory) فقہ کانسل کے تحت کھولی گئی ہے تاکہ صحیح ہجری کلنڈر دیا جا سکے اور رویت ہلال اور قبلہ کا تعین کر سکے۔

۱۴۔ اسلامی تنظیموں کا شعبہ:- مختلف ملکوں میں اسلامی تنظیموں کو مضبوط کرنا، یونیسکو اور دوسرے عالمی اداروں سے رابطہ کے لئے یہ شعبہ قائم کیا گیا ہے۔

خدمات ــــ ایک نظر میں

- ائمہ اور خطیبوں کی تربیت کے لئے ۲۵ ٹریننگ کورسز کا انعقاد۔
- تئیس لاکھ قرآن مجید کے نسخوں کی تقسیم۔
- قرآن مجید کے صحیح ترین ترجموں کی تیاری ۱۵ زبانوں میں مکمل۔
- سہل ترین تفاسیر کی تیاری۔
- اسلامی ریلیف ایجنسی کی مسلمان پناہ گزینوں کو امداد۔
- اسلامی رصدگاہ (Islamic Observatory) کا قیام۔
- انشورنس، فیملی پلاننگ، مسلمان عورتوں کی غیر مسلموں سے شادی، ٹیسٹ ٹیوب بے بی، قادیانیت، بہائیت وغیرہ پر قانونی فیصلے۔
- ہزاروں مساجد کی تعمیر و ترقی
- مسلم اقلیتوں کو اخلاقی و مادی امداد۔
- اسلامی مدارس کا قیام۔
- اسلامی لٹریچر کی اشاعت و تقسیم۔
- عالمی اداروں میں مسلم مسائل کی نگہداشت۔

میزانِ عمل

آندھرا پردیش

ممبرس ٹریننگ کیمپ : آندھرا پردیش زون کا ۱۱ جنوری وجے واڑہ میں ممبرس ٹریننگ کیمپ منعقد ہوا۔ سرپرست حلقہ مولانا عبدالعزیز صاحب نے کیمپ کا افتتاح فرمایا اور اقامت دین کی ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے اس راہ کے مختلف نشیب و فراز اور کارکنوں کی ضروری صفات پر روشنی ڈالی۔ کیمپ میں تین سو ممبرس اور ہمدرد ممبرس شریک ہوئے۔

یوم اوّل : "تحریکی زندگی میں اجتماعات کی اہمیت و ضرورت" کے عنوان پر جناب ابوالنصر عامر صاحب نے خطاب فرماتے ہوئے اجتماع کی تعریف، اجتماع کے مقاصد، انواع اجتماع اور افادیت کے پہلوؤں کو بڑے دل نشیں انداز میں واضح فرمایا۔ "تحریک اسلامی اور ہماری عملی زندگی" کے عنوان سے برادر خواجہ عارف الدین نے "راہ حق کے خطرات اور آزمائش" کے عنوان پر مولانا عبدالغفور صاحب اور برادر کلیم الدین عمری نے "دعوت دین سے غفلت اور اس کے نتائج" جیسے عناوین پر سیر حاصل گفتگو کی۔ "اسلام کی دعوت اور برادران وطن" کے عنوان پر مذاکرہ میں پانچ ساتھیوں نے حصہ لیا اور مولانا حمید اللہ شریف نے اہمیت، ضرورت اور طریقۂ کار واضح فرمایا۔ برادر حامد محمد خاں نے "دعوتی جدّوجہد کے لئے حصول علم کی ضرورت و اہمیت" کو اچھے انداز سے پیش کیا۔ جناب حافظ رفیق احمد نے "قرآن کا مطالعہ کیوں اور کیسے" واضح کیا اور مولوی شیخ فرید صاحب نے "مطالعہ حدیث کی اہمیت و ضرورت" پر تقریر فرمائی۔

یوم دوم : دوسرے دن کا آغاز "امیر و مامور کی حیثیت" پر درس حدیث سے ہوا۔ جناب نصر الدین صاحب نے عام فہم انداز سے اطاعت امیر کی اہمیت، حدود و طریقۂ کار کو واضح کیا اور اسوہ صحابہؓ کو پیش کیا۔ پھر جناب رحمت اللہ شریف صاحب نے "شرعی پنچایتوں کی ضرورت و اہمیت" پر اظہار خیال کیا اور نوجوانوں کی ذمہ داریوں کو اہم بتایا۔ ابوالنصر عامر صاحب نے "تحریکی اصطلاحوں کی تفہیم" پیش کی۔ "تحریک اسلامی اور اہم شخصیتیں" کے موضوع کے تحت حسن البنا شہیدؒ، سیّد قطب شہیدؒ، سیّد احمد شہیدؒ اور مولانا مودودیؒ کی سرگرمیوں اور جدّوجہد کے اہم خدوخال پیش کئے گئے۔ برادر حامد محمد خاں نے "ایس۔ آئی۔ او کی فکری بنیادیں" کے تحت اظہار خیال کیا۔ جنرل سکریٹری ایس۔ آئی۔ او برادر جاوید علی سے سوالات و جوابات کی کامیاب نشست رہی۔

یوم سوم : تیسرے دن کا آغاز مولانا رحمت اللہ شریف ناظم علاقہ اڑیسہ کے درس قرآن سے ہوا۔ انھوں نے سورہ توبہ کا درس دیا۔ "تعلیمی اداروں میں ایس۔ آئی۔ او کا نفوذ کیوں اور کیسے" کے عنوان پر چار ساتھیوں نے اظہار خیال فرمایا۔ برادر جاوید علی نے اہم باتوں کا احاطہ کرتے ہوئے نفوذ کی اہمیت کو اجاگر فرمایا اور طریقۂ کار کو واضح کیا۔ "تفہیم اغراض و مقاصد ایس۔ آئی۔ او" اور "تفہیم پالیسی پروگرام" کے تحت دو تقاریر ہوئیں جنھیں بے حد مفید پایا گیا۔ سکریٹری زون نے زون کی رپورٹ سنائی۔

پروگرام کا اختتام برادر جاوید علی کے خطاب پر ہوا۔ انھوں نے افراط و تفریط سے بچنے کی تلقین کی، خامیوں اور کمزوریوں کو احساس کے ساتھ دور کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ ساتھیوں کے تعلّق سے خوش گمانی کی تلقین کی اور ہر رفیق کو اپنی آئندہ زندگی سے متعلّق منصوبہ بنانے کی ہدایت کی اور کہا کہ ہر کارکن اپنی استعداد کے مطابق اپنا دائرہ کار تعین کرلے۔

مہاراشٹر

صدر تنظیم نے اہتمام فروری مہاراشٹر کے مختلف علاقوں کا تنظیمی دورہ کیا۔ ۳ فروری کو گجرات بھی گئے۔ اسی دورے میں لاتور میں ۱۹۷۰ کے کارکنوں سے باہمی ملاقات بھی کی۔ اور ناگپور میں فلسطینی طلباء کے ایک اجتماع میں خطاب بھی فرمایا۔

اکولہ : انسان معاشرے میں برائیوں کو ہوتا ہوا دیکھے اور اگر اسے روکنے کی جدّوجہد نہ کرے تو معاشرے کو تباہی سے کوئی بچا نہیں سکتا۔ یہ بات ڈاکٹر محمد عمر کھاڑے صاحب نے اپنی صدارتی تقریر میں کہی۔ آپ اکولہ ویسٹرن یونٹ کے زیر اہتمام ایک سمپوزیم کی صدارت کر رہے تھے جس کا عنوان تھا "مشترکہ سماجی مسائل کو حل کرنے میں ہمارا رول" اس سمپوزیم میں مختلف مذاہب و عقائد کو ماننے والے لوگوں نے حصہ لیا۔

ڈاکٹر کھاڑے نے مزید کہا کہ جب انسان وحدانیت کو چھوڑ کر مشرکانہ عقاید کو تھام لیتا ہے تو سماج مختلف برائیوں کا شکار ہوجاتا ہے۔ اس لئے اگر ان برائیوں کو دور کرنا ہے تو ہمیں عقیدۂ توحید کو عام کرنا ہوگا۔

جناب ابراہیم خاں صاحب نے کہا کہ ہمارے خیالات کتنے ہی مختلف کیوں نہ ہوں بہرحال برائی سب کے نزدیک بری ہوتی ہے۔ انھوں نے معاشرے میں موجود برائیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ برائی ایک آگ کی مانند ہوتی ہے۔ اگر اس پر قابو نہیں پایا گیا تو پھر یہ تمام لوگوں کو خواہ وہ کسی بھی دھرم کے ہوں جلاکر خاک کردے گی۔

ایک دوسرے مقرر جناب بھاوشندے صاحب نے پرجوش انداز میں کہا کہ اگر صبح لانا ہے تو نوجوانوں کو سونا نہیں بلکہ جاگنا ہے۔

جناب جوزف ساڈوے صاحب نے اس طرح کے پروگرام کو مفید بتلایا اور کہا کہ ایسے پروگرام ہوتے رہنے چاہئے۔

جناب جگدیش پاٹھک صاحب نے کہا کہ دیش اس وقت بھاشاواد، پرانت واد اور دھرم واد کے خانوں میں بٹ رہا ہے ایسے وقت میں ایس۔ آئی۔ او کی جانب سے اہم مہم منانا لائق تحسین ہے۔

بھیونڈی : بھیونڈی یونٹ نے غیر مسلموں تک اسلامی لٹریچر پہنچانے کے سلسلے میں ۲۶ جنوری

کو تین مقامات پر بک اسٹال لگائے۔ سینکڑوں کی تعداد میں کتابیں غیر مسلم حضرات تک پہنچیں۔

کھڑک پورہ : کھڑک پورہ (ناندیڑ) میں ایس آئی او سرکل کا قیام عمل میں آیا ہے۔ برادر شیخ کلیم الدین کو سرکل کا ناظم اور برادر محمد اسحاق کو سکریٹری منتخب کیا گیا۔

حلقہ کا تربیتی اجتماع : مہاراشٹر زون کا تربیتی اجتماع ۸ تا ۱۰ جنوری (ناندیڑ) میں منعقد ہوا۔ اس موقع پر شہر میں بھی مختلف پروگرام رکھے گئے۔

۸ جنوری کو شہر کی مساجد میں جمعہ کے خطبے دیئے گئے جس میں جماعت اسلامی اور ایس۔ آئی۔ او مہاراشٹر کے ذمہ داروں نے خطاب کیا۔ اسی دن بعد نماز عشا خطاب عام بھی ہوا جس میں کثیر تعداد میں لوگوں نے شرکت کی۔ اسی طرح کے خطاب عام ۹ جنوری اور ۱۰ جنوری کو بھی مختلف علاقوں میں ہوئے۔

۱۰ جنوری کو ایک پریس کانفرنس ہوئی جس کو برادر توفیق اسلم خاں سکریٹری حلقہ مہاراشٹر نے خطاب کیا۔ اسی دن مسلم طلبہ و نوجوانوں اور غیر مسلم طلبہ و نوجوانوں کی الگ الگ نشستیں ہوئیں۔

پونہ : دلت ایکتا پریشد کے اجلاس کے موقع پر پونہ یونٹ نے بک اسٹال لگایا۔ غیر مسلموں کی ایک اچھی تعداد نے اس میں دلچسپی لی۔ بہت سے لوگوں نے قرآن مجید کا مراٹھی ترجمہ کی مانگ کی۔

جالنہ : صدر تنظیم برادر پی۔ سی حمزہ صاحب کے جالنہ دورہ پر مقامی یونٹ ایس۔ آئی۔ او۔ نے دو پروگرام کا انعقاد کیا۔ پہلے پروگرام میں شہر کے مسلم و غیر مسلم اساتذہ اور طلباء کو مدعو کیا گیا۔ جس میں صدر ایس۔ آئی۔ او نے قومی ترقی میں طلباء اور اساتذہ کے رول پر اظہار خیال کیا۔ ۱۹۶۸ء کی تعلیمی پالیسی کا مقصد بھارت کے مختلف فرقوں میں ہم آہنگی پیدا کرکے قومی یکجہتی قائم کرنا تھا۔ لیکن نتائج اس کے برعکس رہے۔ آج فرقہ واریت، لسانیت علاقائیت کی بنیادوں پر نفرت کا ماحول گرم ہے۔ طالب علم غیر اخلاقی کاموں اور منشیات کا عادی ہو چکا ہے۔ جس کی وجہ سے ہمارا ملک اور قوم ترقی کے بجائے تنزل کی طرف رواں دواں ہے۔ ان تمام برائیوں کا علاج وہی ہے جو آج سے چودہ سو سال پہلے نبی اکرم نے اس وقت کے بگڑے ہوئے معاشرے کے لئے کیا تھا۔ ہمارے نصاب میں اخلاقی تعلیمات کی شمولیت انتہائی ضروری ہے۔

دوسرے پروگرام میں معززین شہر کو مدعو کیا گیا جس میں صدر تنظیم جناب پی۔ سی حمزہ صاحب نے بزرگوں سے یہ درخواست کی کہ وہ نوجوانوں کو صراط مستقیم دکھائیں جو انھیں حقیقی نجات دلاسکے ایس۔ آئی۔ او۔ کے اغراض و مقاصد بتلاتے ہوئے کہا کہ یہ تنظیم نوجوانوں میں دین کا صحیح شعور پیدا کرکے انھیں معروف کے پھیلاؤ اور منکر کے ازالے کے لئے تیار کروانا چاہتی ہے۔ بزرگ حضرات ان مراحل میں نوجوانوں کی سرپرستی کریں۔

اورنگ آباد : تعلیم کا مقصد ہی یہ ہے کہ طلباء کی ہمہ جہتی ترقی وارتقاء ہو۔ طلبہ اساتذہ اور تعلیمی ادارے ملک کو سنوارنے میں اہم رول انجام دیں۔ تعلیمی اداروں سے فارغ طلباء انسانیت کے خادم بنیں اور ملک و قوم کی رہنمائی کا اہم رول ادا کریں۔ اس قسم کے خیالات کا اظہار برادر پی۔ سی حمزہ صدر تنظیم نے ایک خطاب عام میں کیا۔ "طلباء اساتذہ اور قومی ترقی" کے عنوان پر یہ خطاب عام ایس۔ آئی۔ او اورنگ آباد یونٹ کے تحت صدر تنظیم کی اورنگ آباد آمد کے موقع پر ۱۶ فروری کو بمقام دستت بھون اورنگ آباد رکھا گیا تھا۔

صدر تنظیم نے اپنی تقریر میں طلباء اور اساتذہ کے درمیان گہرے اور اہم رشتہ کو واضح کیا اور کہا کہ طلباء و اساتذہ ملک و قوم کی تعمیر میں متحرک اور موثر رول انجام دے سکتے ہیں۔ بشرطیکہ ان میں وہ جذبہ پیدا ہو۔ آج دنیا کے مختلف حصّوں میں سماجی اصلاحات کے لئے طلباء و نوجوان اہم رول ادا کر رہے ہیں۔ آپ نے کہا کہ تعلیمی ادارے کردار و سیرت سازی کا ماحول پیدا کرکے اپنا امتیاز قائم کریں۔

اساتذہ کو اپنے فرائض یاد دلاتے ہوئے موصوف نے ٹیچرس برادری سے کہا کہ وہ طلباء کے صحیح قائد ہیں۔ اس لئے انھیں بہتر طور پر رہنمائی و قیادت کا فریضہ بھی انجام دینا چاہئے۔ موصوف نے حکومت کی بدلتی ہوئی پالیسیوں کو بھی تعلیمی معیار میں کمی کا ایک سبب بتایا کہ آزادی کے بعد سے اس ملک میں تعلیم پر اب تک تجربات ہی ہو رہے ہیں اور طلباء کو تختۂ مشق بنایا گیا ہے۔ آپ نے اساتذہ کے لئے بھی ایک code of conduct کو ضروری قرار دیا۔ آخر میں موصوف نے ایس۔ آئی۔ او کی سرگرمیوں کو واضح کیا کہ وہ طلباء و نوجوانوں میں اور تعلیمی میدان میں کس طرح کام کرتی ہے۔

اورنگ آباد : صدر تنظیم نے ۱۷ فروری کو یہاں مسجد شاہ گنج میں ایک جلسہ عام سے خطاب فرمایا۔ برادر پی۔ سی حمزہ نے کہا کہ ہندوستان کی ۲۱ ریاستوں کی ۱۰۰۰ (ایک ہزار) شاخوں میں ایس۔ آئی۔ او۔ طلباء و نوجوانوں میں اسلام کے تعارف کے لئے سرگرم عمل ہے۔ موصوف نے وابستگان تنظیم کو ہدایت دی کہ وہ مقصد سے گہرا لگاؤ پیدا کریں تب ہی جاکر ان میں تحریکیت پیدا ہوگی۔

خطاب عام کے دوسرے مقرر ڈاکٹر جاوید مکرم صدیقی صاحب نے کہا کہ شہادت حق کا فریضہ کوئی آسان کام نہیں۔ اس کو انجام دینے والے سیرت و کردار کی بہترین صفات سے متصف ہوتے ہیں۔ انھیں اپنے عمل و کردار، کاروبار و معاملات، دیانتداری و بیدار مغزی اور اہلیت و صلاحیت کے ذریعہ اسلام کو پیش کرنا ہوتا ہے۔ آپ نے کہا کہ منزل مقصود کا سراغ اس کو ملے گا جو اپنے اندر اولوالعزمی، جرات، بے باکی اور حوصلہ مندی رکھتا ہو۔

بہار

دربھنگہ : امن مہم کی تیاری کے سلسلے کا حلقہ کی طرف سے ایک تربیتی اجتماع ۲۷، ۲۸ دسمبر کو ہوا۔ اس میں دربھنگہ کے علاوہ سمستی پور، بیگوسرائے مدھوبنی اور سیتامڑھی کے طلباء نے بھی شرکت کی۔ مولانا محمد اثری صاحب نے اس اجتماع کی نگرانی کی۔

برادر بدرالدین نے سورہ الصف کی ابتدائی آیات کے حوالے بتایا کہ قول و عمل میں تضاد اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے اللہ تعالیٰ کو ایسے مومن بندے پسند ہیں جو نظم و ضبط کی پابندی کرتے ہوئے اللہ کی راہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کے مانند جہاد کرنے والے ہیں۔

پروفیسر وزیر الحق صاحب کی صدارت میں گروپ ڈسکشن ہوا جس کا عنوان تھا "دعوت دین کے لئے مختلف تقریبات اور مواقع کا استعمال" کیا

[illegible] مسلم [illegible] نوجوانوں کا مرتبہ اور ہماری دعوت " کے عنوان سے " ایک سمپوزیم [illegible] ہوا۔

" ملک کے موجودہ حالات میں دعوت دین کے تقاضے " کے موضوع پر ڈاکٹر نصرت اللہ آفندی صاحب نے تقریر کی۔ سمیع احمد اور نصیر احمد نے " دعوت دین " کے عنوان سے حدیث کا درس دیا۔ برادر نظیر احمد نے " تحریک اور کارکن " اور برادر شفیق الرحمٰن صاحب نے " قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں " کا حاصل مطالعہ پیش کیا۔

یو۔پی

جامعۃ الفلاح: جامعۃ الفلاح بلریا گنج یونٹ کے ذمہ داران کا انتخاب عمل میں آیا انتخاب صدر حلقہ کی نگرانی میں ہوا۔ نئے ذمہ داران کے نام ہیں:

صدر مقامی :	برادر امیر الحسن
سکریٹری ،	برادر جاوید سلطان
ناظم چلڈرن سرکل :	برادر عامر اصغر

کرناٹک

ہاسن: " کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں جن کی نہ کوئی منزل ہے نہ کوئی متعین راستہ، بہر حال وہ کسی نہ کسی راستہ پر چلتے ہیں۔ جو انھیں کسی نہ معلوم منزل تک پہنچا دیتا ہے۔ ایک آپ لوگ ہیں جن کے پاس صحیح منزل بھی ہے اور اس منزل تک پہنچانے والا صحیح راستہ بھی " یہ بات مولانا سراج الحسن صاحب، سکریٹری جماعتِ اسلامی ہند نے اپنے دورہ ہاسن کے موقع پر ہاسن یونٹ کے وابستگان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

مولانا نے دورانِ خطاب ملک کے بگڑے ہوئے حالات اور اس کے اسباب پر مفصل روشنی ڈالی پھر اس کا علاج بھی بتلایا۔ آپ نے فرمایا کہ ملک کی کل آبادی ۸۰ کروڑ ہے جس میں ۶۰ کروڑ غیر مسلم اور ۲۰ کروڑ مسلم ہیں۔ مسلمان اسلامی عقیدہ تو رکھتے ہیں لیکن ان کی اکثریت اسلام کا علم نہیں رکھتی۔ دوسری طرف غیر مسلموں کی پوری آبادی اسلام کے بارے میں بالکل علم نہیں رکھتی اسی لئے وہ اسلام کو ناحق بھی جتنیں۔ اس سے بھی آگے کی بات یہ ہے کہ کچھ لوگ اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کر رہے ہیں جس کے نتیجہ میں غیر مسلم اسلام سے نفرت کرتے ہیں۔ جب اسلام سے نفرت کرتے ہیں تو مسلمانوں سے بھی نفرت کرتے ہیں۔

آپ نے ہدایت کی کہ وہ ہم سے نفرت کرتے ہیں لیکن ہم ان سے نفرت نہ کریں کیونکہ انھیں اسلام سے باخبر کرنے کی ذمہ داری ہم پر تھی مگر ہم نے انھیں باخبر نہ کیا۔ ہم نے انھیں باخبر اس لئے نہیں کیا کہ ہم خود بے خبر ہیں۔ ہم اسلام سے بے خبر ہیں اس لئے الٹی سیدھی حرکتیں کرتے ہیں جو واقعی قابلِ نفرت ہوتی ہیں اور دوسرے لوگ اسی کو اسلام سمجھتے ہیں اور اسلام اور مسلمان دونوں سے بدظن ہوتے ہیں۔

آخر میں مولانا نے بتایا کہ افرادِ تنظیم کے کرنے کا کام کیا ہے۔ ایک کام یہ کہ ملک بھر کے مسلم طلبہ و نوجوانوں میں اسلام کا صحیح شعور پیدا کریں، دوسرا کام یہ کہ اسلام کا علم حاصل کریں۔ اخلاق کو اپنائیں اور منظم ہو کر اسلام کا پیغام ملک کے غیر مسلم طلبہ و نوجوانوں تک پوری سعی و جہد کے ساتھ پہنچائیں۔

کیرلہ

مٹم: یونٹ کی BLOOD DONORS FORUM کی گزشتہ دنوں ایک مہم کے دوران ۵۰ طلبہ اور نوجوانوں کے خون کی جانچ کی گئی۔ ۰ طلبہ نے خون کا عطیہ دینے کے لئے اس فورم میں اپنے نام درج کروائے۔ اس موقع پر ایک لکچر کا بھی اہتمام کیا گیا جس میں ڈاکٹر ایم عبدالمجید اور ڈاکٹر گوندن نے BLOOD DONATION کی اہمیت اور اس سلسلے میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کے متعلق اظہار خیال کیا۔

ایریا کنونشن: گزشتہ دنوں پانچ مقامات پر ایریا کونشن ہوئے۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

اوٹاپالم: اوٹاپالم کے اجتماع میں " ایمان اور زندگی " کے عنوان پر اسٹڈی کلاس ہوئی جس کی نگرانی جناب پی۔ حسین نے کی۔

اڈی مالی: اڈی مالی کے اجتماع میں S.I.O اور اس کی MOTHER ORGANISATION کے تعلقات پر [illegible] صاحب [illegible] محمد یوسف صاحب اور ISLAM - IDEOLOGY OF LIBERATION کے عنوان پر عبدالمنان صاحب نے اظہار خیال فرمایا۔

ترلویندرم: اس کنونشن میں " تحریک اور کارکن " اور " ایمان اور زندگی " کے عنوانات پر کلاسیں ہوئیں جن کی نگرانی بالترتیب جناب پی۔ اے۔ سید اور جناب وی۔ ایس عبدالرحمٰن نے کی۔

تیلی چری: تیلی چری کے اجتماع میں " اسلامی طلباء تحریک " پر سی۔ پی عبداللطیف صاحب کا لکچر ہوا۔

کوئلن: کوئلن کنونشن میں مقامی میونسپل انتظامیہ کو ایک میمورنڈم پیش کیا گیا جس میں یہ بات کہی گئی کہ فحش اور گندے پوسٹر چپکانے والوں کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے۔

نئی یونٹ و سرکل: کیرلہ میں کئی نئے یونٹ و سرکل قائم ہوئی ہیں اور ان کے ذمہ داران کا انتخاب عمل میں آیا۔

یونٹوں کے نام ہیں: حاجی یارپلی، کیرد پرسبا، چیور، کریمیل۔

سرکل کے نام ہیں: ایریاکولم اور پنیپرا دو چلڈرن سرکل بھی قائم ہوئے ہیں: چیرو کولمبا اور اڈیپال۔

گرلس اسلامک آرگنائزیشن (G.I.O)

کیرلا میں طالبات میں تحریک اسلامی کے کام کے فروغ کے لئے اس تنظیم کا قیام ۱۹۸۵ء میں عمل میں آیا۔ مہاراشٹر میں بھی حلقہ کی سطح پر جماعت اسلامی حلقہ مہاراشٹر کی سرپرستی میں جی۔ آئی۔ او کے کام کا آغاز ہو چکا ہے۔

جی۔ آئی۔ او کیرلہ کی صدر محترمہ کے۔ کے زہرہ صاحبہ ہیں۔ جی۔ آئی۔ او کیرلہ کا ایک ماہانہ ترجمان بھی ہے۔ جس کا نام آرامم (باغیچہ) ہے۔ اس کی تعداد اشاعت ایک اطلاع کے مطابق ۵ ہزار کے قریب ہے۔ گزشتہ دنوں جی آئی او۔ نے اپنے ممبران کے لئے ایک تحریری مقابلہ کا انعقاد کیا [illegible] ایک کیمپ بھی لگایا گیا جس میں ممبرپرست جی آئی۔ او کیرلہ نے بھی شرکت کی۔

"امن کی پکار" ــــــ ہر طرف

اسٹوڈنٹس اسلامک آرگنائزیشن آف انڈیا کی طرف سے "امن کی پکار" تھیم کے تحت جو پندرہ واڑہ منایا گیا بحمد للہ وہ خاطر خواہ کامیاب رہا۔ یہ مہم ۱۶ تا ۳۰ جنوری ۱۹۹۰ء کو ملک بھر میں منائی گئی بعض وجوہات کی بنا پر کیرالہ میں ۴ تا ۱۹ فروری یہ پندرہ واڑہ منایا گیا۔ اس سلسلے میں خطابات عام امن ریلیاں، سمپوزیم، کارنر میٹنگیں، کانفرنسیں، پوسٹرز، ہینڈ بل اور فولڈرز کی تقسیم، ٹی پارٹیاں اور دوسرے پروگرام منعقد کئے گئے۔ پندرہ واڑہ منانے کا یہ فیصلہ تنظیم کی مرکزی مشاورتی کونسل نے اپنے اجلاس منعقدہ ستمبر ۱۹۸۹ء کو کیا تھا۔ اس کا اصل مقصد برادران وطن سے اچھے تعلقات استوار کرنا، اسلام اور مسلمان کے خلاف پائی جانے والی غلط فہمیوں کو دور کرنا اور انھیں بگاڑ کے بنیادی سوتوں پر غور و فکر کرنے کے لئے آمادہ کرنا تھا۔ اس سلسلے میں تنظیم کے کارکنوں نے ہر فرقے اور ہر طبقہ خیال کے لوگوں سے ملاقاتیں کرکے انھیں پروگرام میں شرکت کی دعوت دی بلکہ مقامات پر نہ صرف یہ کہ مختلف فرقوں سے تعلق رکھنے والے افراد بالخصوص نوجوانوں نے خطابات عام اور مجالس مذاکرات میں شرکت کی بلکہ اپنا سرگرم تعاون بھی پیش کیا۔ مجالس مذاکرات میں شرکا نے عام طور سے اس بات سے اتفاق کیا کہ آج کی بے چینی اور بدامنی کا ایک بہت بڑا سبب روحانیت اور اعلیٰ اقدار سے انسانوں کی دوری ہے۔ ان حضرات نے اس مہم کی ضرورت و اہمیت کو تسلیم کرکے ایس۔ آئی۔ او کی کوششوں کو سراہا۔

تنظیم کے ہیڈ کوارٹر میں ملک کے مختلف چھوٹے بڑے مقامات سے رپورٹوں کی آمد کا سلسلہ جاری ہے۔ ذیل میں کچھ ریاستوں کے بعض مقامات کی رپورٹوں کا خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے۔

مہاراشٹر

جالنہ: شہر میں مہم کا آغاز پوسٹر اور وال رائٹنگ سے کیا گیا۔ قرآنی آیات، احادیث اور اچھی اچھی باتوں پر مشتمل مراٹھی، اردو، سندھی اور انگریزی میں بینرز لگائے گئے۔ ۱۸، ۱۹، ۲۱، ۲۳، ۲۴، ۲۸ جنوری کو کارنر میٹنگیں کی گئیں۔ ۲۰ کو شہر کی شاہراہوں پر "امن ریلی" نکالی گئی۔ اسی دن ٹی پارٹی کا بھی اہتمام کیا گیا۔ اس میں سوالات کے جوابات بھی دیئے گئے۔ ۲۲ اور ۲۹ جنوری کو ۹ مختلف مساجد میں خطبات جمعہ کا اہتمام کیا گیا۔ ۵۸ کو ایک سمپوزیم بعنوان "فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور نئی نسل" منعقد کیا گیا۔ ۲۹ جنوری کو خطاب عام ہوا جس میں مولانا عبداللطیف صاحب اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رکن مجلس شوریٰ جماعت اسلامی مہاراشٹر نے خطاب فرمایا۔ مہم کے دوران ۳۰۰ دعوتی کتابچے تقسیم کئے گئے۔ مختلف اخبارات نے ان پروگراموں کی رپورٹ شائع کی ہے۔

بمبئی: بمبئی میں مہم کا آغاز ۱۶ جنوری کو افتتاحی نشست سے ہوا۔ اس موقع پر مراٹھی وانگریزی کے ۵ ہزار پوسٹرس لگائے گئے۔ دیواروں پر امن وسلامتی کا پیغام لکھا گیا۔ انفرادی واجتماعی ملاقاتوں کے ذریعہ لوگوں کی غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کی گئی۔ ٹی پارٹی اور کارنر میٹنگ کے ذریعہ امن وسلامتی کا پیغام لوگوں تک پہنچایا گیا۔ شہر بمبئی کے ۶ خاص مقامات پر مراٹھی اور انگریزی کے بک اسٹال لگائے گئے۔ ملیالی علاقہ میں ملیالی زبان میں اجتماع کیا گیا۔ ایس۔ آئی۔ او کا لٹریچر اقتباسات لکھے گئے۔ ایک ہائی اسکول میں لکچر کا اہتمام کیا گیا۔

صدر تنظیم کی صدارت میں ایک سمپوزیم دادر بھائی ہال بمبئی میں منعقد کیا گیا۔ جس میں غیر مسلم مفکرین و دانشوروں نے بھی خطاب کیا۔

بلڈانہ: بلڈانہ ضلع کے ناندورہ کوٹ میں ۲۶ جنوری کو نگر پریشد ٹاؤن ہال میں ایک سمپوزیم ہوا جس کا عنوان تھا "بھارت میں امن کس طرح قائم ہوسکتا ہے؟" سمپوزیم کی صدارت ناظم ضلع بلڈانہ جماعت اسلامی بلڈانہ نے کی۔ اس سمپوزیم سے خطاب کرنے والوں میں سردار ہرچین سنگھ ... کے نمائندے پردیپ سنگلے، کانگریس پارٹی کے جالوانی صاحب، گرودیو سیوا منڈل کے سینیئر لک ہری بھاؤ صاحب شامل ہیں۔

دھامن گاؤں بڑے: سرکل میں مہم کا آغاز ناظم جماعت اسلامی بلڈانہ کی گفتگو سے ہوا۔ یہاں مہم کے دوران ۱۰ غیر مسلم بھائیوں سے ملاقات کی گئی۔ پوسٹرس چسپاں کئے گئے اور کتابیں تقسیم کی گئیں۔ یوم جمہوریہ کے موقع پر برادر حنیف براری نے طلبا اور اساتذہ کے سامنے "امن کیسے قائم ہو" کے عنوان سے گفتگو کی۔ اس موقع پر بچوں کو کتابیں بھی دی گئیں۔

پربھنی: پربھنی میں مہم کے آغاز میں شہر کے مختلف حصوں میں اور خصوصاً تعلیمی اداروں کے قریب پوسٹرس چسپاں کئے گئے۔ ۲۴ جنوری کو بی۔ ایڈ کے غیر مسلم طلبہ کی ایک نشست رکھی گئی۔ انھیں مراٹھی اور انگریزی زبان کی کتابیں بھی دی گئیں۔ ۳۰ جنوری کو "ستیہ بھارت۔ شانت بھارت" کے عنوان سے ایک سمپوزیم کیا گیا جس کی صدارت عبدالقیوم صاحب ناظم علاقہ اورنگ آباد نے کی۔ اس جلسہ سے گورنمنٹ بی۔ ایڈ کالج کے پرنسپل جناب وی۔ ایم کلکرنی صاحب اور جناب نجم الحسن صاحب نے بھی خطاب کیا۔ جلسہ میں مسلم وغیر مسلم طلباء و نوجوان کافی تعداد میں شریک تھے۔

بھیونڈی: مہم کے دوران بھیونڈی میں کئی اہم پروگرام ہوئے جس میں افتتاحی اور اختتامی پروگرام خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ افتتاحی پروگرام میں عبدالباری مومن صاحب کی صدارت میں ایک جلسہ ہوا جس سے محترم اقبال ناچن صاحب اور برادر مشتاق احمد نے بھی خطاب کیا۔

اختتامی پروگرام میں مسلم وغیر مسلم طلباء اور نوجوانوں سے خطاب کرتے ہوئے سالم کوکن ڈویژن جماعت اسلامی نے کہا کہ برائیوں کی جڑ شرک ہے شرک

کا بینا فلفلہ بلند ہوگا اس کے بہت سے نتائج اتنے ہی زیادہ سامنے آئیں گے۔ ایک دوسرے مقرر نے "مذہب تعلیم اور قومی ترقی" کے عنوان پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ امن اور ترقی میں گہرا ربط و تعلق ہے۔ امن کے بغیر حقیقی ترقی کا تصور نہیں کیا جا سکتا [illegible] ترقی امن کی ضامن نہیں بن سکتی۔ ترقی کے لئے علم [illegible] ہے اور مذہب یا فکر و عقیدہ علم [illegible] متعین کرتا ہے۔"

اورنگ آباد :- اورنگ آباد یونٹ نے اس مہم کے دوران ایک سمپوزیم کا انعقاد کیا۔ "ہندوستان میں قیام امن کس طرح [illegible]" جناب [illegible] نے اس کی صدارت کی۔ [illegible] آئی۔ ے۔ [illegible] جے۔ کے نارائے، [illegible] کے ضلعی صدر [illegible] شیلکری [illegible] ضلعی صدر پروفیسر [illegible] کے سدھاکر [illegible] نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

لاتور :- لاتور یونٹ نے اس مہم کے دوران مختلف پروگرام کئے۔ [illegible] ٹی پارٹی اور تحریری مقابلہ [illegible] توفیق اسلم خان [illegible] حلقہ [illegible] خطاب کیا۔ اس مہم کے دوران مختلف علاقوں میں پوسٹر چپکائے گئے۔ قیام امن کے تعلق سے [illegible] طلباء و نوجوانوں میں [illegible] تقسیم کیا گیا۔

بیدر :- شہر میں مہم کا آغاز کار نر میٹنگ سے ہوا۔ جس میں سو سے زائد طلباء شریک تھے اس میں غیر مسلم طلباء کی تعداد [illegible] غیر مسلم طلباء کے [illegible] ٹی پارٹی دی گئی جس میں [illegible] طلباء شریک ہوئے۔

یوسف :- یوسف یونٹ میں [illegible] جنوری کو ایک سمپوزیم ہوا [illegible] علاوہ ایک ٹی پارٹی کا بھی اہتمام کیا گیا۔ اس مہم کے دوران پوسٹرس چسپاں کئے گئے اور کتابچے تقسیم کئے گئے۔

ناگپور :- اس مہم کے دوران اس یونٹ نے [illegible] جنوری کو ایک سمپوزیم کا انعقاد کیا۔ جس کی صدارت ناظم جماعت اسلامی ضلع بلڈانہ نے کی۔ جلسے سے P. V. B. A کے نمائندہ کے علاوہ پروفیسر وڈسکر، ماسٹر لوچن سنگھ (سابق ڈپٹی میئر) اور حبیب الرحمٰن صاحب نے بھی خطاب کیا۔

کرناٹک

سندھنور :- شہر میں مہم کا آغاز ۱۶ تاریخ کو محترم اقبال ملا صاحب کے خطاب سے ہوا۔ ۱۷ تاریخ کو معززین شہر کی نشست رکھی گئی۔ ۱۸ تا ۲۳ اور ۲۵ تا ۲۷ تاریخ کو گروپ کی شکل اور انفرادی طور پر غیر مسلم طلباء و نوجوانوں سے ملاقاتیں کی گئیں۔ ۲۴ تاریخ کو برادر شرف الدین صاحب کی صدارت میں ایک سمپوزیم ہوا۔ اسی دن ۱۰۰ عوہ [illegible] کا افتتاح کیا گیا۔ شہر کے مختلف مقامات پر بک اسٹال لگائے گئے۔ ۲۸ تاریخ کو ایک تقریری مقابلہ رکھا گیا جس میں ۷ غیر مسلم اور ۳ مسلم طلباء نے حصہ لیا۔ ۲۹ تاریخ کو ایک ریلی نکالی گئی جس میں غیر مسلم طلباء و نوجوانوں کا بھی تعاون رہا۔ ۱۵۰ افراد اس ریلی میں شریک تھے۔

سورب :- اس مہم کے دوران سورب میں ۲۲ تاریخ کو معززین شہر کی ایک نشست رکھی گئی ۲۹ تاریخ کو لا منس کلب میں ایک ٹی پارٹی کا اہتمام کیا گیا۔

مالوتی :- مالوتی یونٹ نے ۲۲ تاریخ کو ایک سمپوزیم بعنوان "قیام امن میں مذہب کا رول" کا انعقاد کیا۔ جناب ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب کی صدارت میں ہونے والے اس سمپوزیم میں شری ایم۔ آر موڈ گلیری، ونا ایچ تلوار، ڈاکٹر وسوا پربھو پاٹل، جناب شرف الدین (صدر حلقہ ایس۔ آئی۔ او کرناٹک) کے برادر عبد الحبیب صدیقی نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

موڈ گیرے :- موڈ گیرے میں اس مہم کے دوران منعقدہ سمپوزیم کی صدارت سنمارگ ویکلی کے ایڈیٹر عبد السلام صاحب نے فرمائی۔ اس پروگرام میں موڈ گیرے سے جنتا پارٹی اور کانگریس آئی کے صدور کے علاوہ مقامی چرچ کے فادر ایم۔ جے پنٹو، مشہور مضمون نگار سٹے پی پورنا چندر تیجسوی اور سنمارگ کے معاون مدیر شرف الدین صاحب نے بھی تقریر کی۔

گلبرگہ :- ایس۔ آئی۔ او کے سابق جنرل سکریٹری برادر تجمل حسین کی صدارت میں گلبرگہ یونٹ کا سمپوزیم ہوا جس کا عنوان تھا "امن کے قیام میں مذہب کا رول" موصوف نے اپنی صدارتی تقریر میں فرمایا کہ اگر ہم مسجدوں مندروں اور کلیساؤں میں بیٹھے رہیں تو امن نہیں قائم ہو سکتا ہے بلکہ امن کے قیام کے لئے ہمیں مذہبی اصولوں اور قوانین کو عملاً برت کر دکھانا ہوگا۔ اس سمپوزیم میں ڈاکٹر باری کری (صدر شعبہ سنسکرت گلبرگہ یونیورسٹی)، پروفیسر آمیناپور (گلبرگہ یونیورسٹی) برادر اعجاز شاہین اور ڈاکٹر حبیب الرحمٰن صاحب نے بھی اظہار خیال فرمایا۔

یو۔پی

لکھنؤ :- لکھنؤ میں اس مہم کا اختتام ایک کامیاب سمپوزیم بعنوان "ہندوستان میں امن کیسے قائم ہو" منعقد ہوا جو ۳۰ تاریخ کو دفتر حلقہ میں منعقد کیا گیا تھا۔ سرپرست حلقہ مولانا رفیق قاسمی صاحب نے اس کی صدارت کی۔ اس سمپوزیم کا افتتاح صدر حلقہ کی گفتگو سے ہوا۔ سمپوزیم سے خطاب کرنے والوں کے نام ہیں۔ برادر شکیل احمد (صدر مقامی S.I.O)، آر۔ ایس۔ ایس کے نمائندہ شری شو شنکر مشرا، لوک دل (اے) کے نیتا چودھری سکھبیر سنگھ، لوک دل (اے) اقلیتی سیل کے صدر ریحان علوی صاحب، مشہور افسانہ نگار رام لال، ڈاکٹر مزمل صاحب، سکریٹری حلقہ برادر محمد احمد، لوک دل (ب) کے نیتا شری جگدیش لال اور شری رام لال جی۔

اس سمپوزیم کے علاوہ ایک اور سمپوزیم اندرانگر میں بھی ہوا جس کی صدارت سکریٹری حلقہ نے فرمائی۔ اس مہم کے دوران وفد کی شکل میں لکھنؤ یونیورسٹی، کرسچین کالج اور شیعہ کالج کے ہاسٹلوں میں جاکر غیر مسلم طلباء سے ملاقاتیں کی گئیں۔ ۱۹ جنوری کو ایک ٹی پارٹی کا اہتمام کیا گیا۔

الٰہ آباد :- الٰہ آباد میں دو یونٹوں کی طرف سے یہ مہم چلائی گئی۔ کھونپا اور سرائے عاقل۔ کھونپا یونٹ کی جانب سے ۲۶ جنوری کو ایک سمپوزیم ہوا۔ "ہندوستان میں امن کیسے قائم کیا جائے" اس عنوان پر ہونے والے سمپوزیم میں پنڈت رام چندر جی، چندی لال، ماسٹر اما کشور، ماسٹر بابادین اور ڈاکٹر محمد ناظم صاحب نے اظہار خیال کیا۔ صدارت جناب عبد الظاہر صاحب ناظم ضلع الٰہ آباد نے کی۔ ۲۹ جنوری کو یہاں کے ہرسکن محلہ میں ایک ٹی

پارٹی دی گئی جس میں تقریباً ۲۰۰ افراد شریک تھے۔

سرائے عاقل میں مہم کا آغاز ۱۹ جنوری کو انفرادی ملاقاتوں اور پوسٹر کو چسپاں کرکے ہوا۔ ۱۸ اور ۲۲ تاریخ کو ٹی پارٹیاں دی گئیں۔ ۲۲ اور ۲۹ تاریخ کو سمپوزیم منعقد کیا گیا۔ اس مہم کے دوران ۳۵۰ لوگوں تک دعوت پہنچائی گئی۔

سہارن پور: سہارن پور یونٹ کی طرف سے اس مہم کے دوران لکچرس، تحریری انعامی مقابلہ، انفرادی ملاقاتیں اور سمپوزیم کا اہتمام کیا گیا۔ گرونانک کالج، بھارت طبیہ کالج اور اسلامیہ انٹر کالج میں لکچر دیئے گئے۔ ۳۰ جنوری کو سمپوزیم ہوا جس کا عنوان تھا "ہندوستان میں امن کیسے قائم ہو" لوگوں کی ایک اچھی تعداد اس میں شریک تھی۔

رام پور: رام پور میں اس مہم کے دوران قابل ذکر پروگرام ٹی پارٹی ہے۔ یہ پارٹی ۲۶ جنوری کو دی گئی۔ اس موقع پر برادر صفدر سلطان اصلاحی نے ایس۔ آئی۔ او کا تعارف پیش کیا۔ جناب مولانا رونق علی صاحب نے امن کے موضوع پر گفتگو کی۔

بہار

بتیا: ۱۶ تا ۳۰ جنوری کے درمیان بتیا میں منظم طور پر یہ مہم چلائی گئی۔ روزانہ شہر کے مختلف چوراہوں، نکڑوں، و شاہراہوں پر تقریریں کی گئیں۔ جگہ جگہ ہندی اردو اور انگریزی پوسٹر چسپاں کیے گئے۔ انفرادی ملاقاتوں اور کارنر میٹنگوں کا سلسلہ ۲۹ جنوری تک جاری رہا۔ اسی درمیان اسکولوں اور کالجوں کیلئے الگ الگ تحریری مقابلے کروائے گئے۔ ۲۹ جنوری کو مہاراجہ لائبریری میں ایک سمپوزیم بعنوان "مذہب اور کردار سازی" منعقد کیا گیا۔ سمپوزیم کی صدارت ابونصر جمال الدین صاحب نے کی۔ ۳۰ جنوری کو ایک شاندار ریلی نکالی گئی۔ ریلی میں شامل افراد اپنے ہاتھوں میں پلے کارڈس اور سبز اٹھائے ہوئے تھے جن پر مختلف نعرے لکھے ہوئے تھے۔

ہزاری باغ: ہزاری باغ یونٹ نے اس مہم کے دوران مختلف پروگرام منعقد کئے۔ شہر کی مخصوص شاہراہوں پر پوسٹرس چسپاں کئے گئے غیر مسلم بھائیوں سے انفرادی ملاقاتیں کی گئیں۔ اور ان میں کتابچے تقسیم کئے گئے۔ ایک سمپوزیم کا بھی انعقاد کیا گیا جس کا عنوان تھا "ملک امن کی تلاش میں" سکریٹری حلقہ بہار نے اس کی صدارت فرمائی۔

چھپرہ: چھپرہ کے جتیاں سرکل نے اس مہم کے دوران ۲۴ جنوری کو ایک جلسۂ عام منعقد کیا۔ جس سے جناب پروفیسر عبدالباری صاحب، ممتاز علی صاحب، برادر رئیس الزماں اور جناب ڈاکٹر جلال الدین صاحب نے خطاب فرمایا۔

یوم جمہوریہ کے موقع پر تاج پور کالج میں برادر رئیس الزماں نے طلباء اور کالج کے اسٹاف سے خطاب کیا۔

دربھنگہ: دربھنگہ یونٹ سے بھی مہم منانے کی اطلاع موصول ہوئی ہے۔ یہاں ۲۸ جنوری کو ایک سمپوزیم منعقد کیا گیا۔ جس کا عنوان تھا "ہندوستان میں امن کس طرح قائم ہوسکتا ہے"۔ مولانا محمد اشرفی نے اس کی صدارت فرمائی۔

سمپوزیم میں اپنے خیالات کا اظہار کرنے والوں میں شری متھلیش کمار، انظر احمد فاروقی، جیبھ ناتھ جھا، مدار کیپٹن سنگھ، مولانا ابو اسحٰق سمی، آر کے چودھری، دیوی دت پوددار اور جناب ابوزر کمال الدین شامل ہیں۔

تامل ناڈ

مدراس: مدراس سے ملنے والی اطلاع کے مطابق اس مہم کے دوران ۱۳ حلقوں میں یہ مہم چلائی گئی۔ غیر مسلموں سے ملاقاتیں کی گئیں جب کہ مختلف پروگراموں میں شرکاء کی تعداد ۲۵۰۰ رہی۔ اس موقع پر تامل زبان میں ۵۰۰۰ کی تعداد میں ایک کتابچہ شائع کرکے تقسیم کیا گیا۔ A.B.V.P کے کارکنوں کے ساتھ ایک نشست کا اہتمام کیا گیا۔ ۳ سمپوزیم ۲ ٹی پارٹی، ۵ کارنر میٹنگیں کی گئیں اور دو کالجوں میں لکچر دیئے گئے۔

پنجاب

مالیر کوٹلہ: دو امن کی پکار مہم کے سلسلے میں پنجاب زون نے بھی بھرپور کوشش کی۔ ہندو، مسلم و سکھ برادران تک امن کا پیغام پہنچایا۔ یوم جمہوریہ کے موقع پر پنجابی زبان میں ایک فولڈر "سکون امن شانتی نہیں چاہندا" بھی تقسیم کیا۔

۳۱ جنوری کو مالیر کوٹلہ میں لالہ کسدن لال دھرم شالہ میں ایک سیمینار ہوا جو کہ درج ذیل عنوانات پر مشتمل تھا، (۱) فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور نئی نسل (۲) ہندوستان میں امن کیسے قائم کیا جاسکتا ہے۔

جناب مولانا عبدالرؤف صاحب کی صدارت میں ہونے والے اس سیمینار میں جناب نریش کمار جندل، جناب محمود عالم صاحب، جناب دلیو راج صاحب اور جناب محمد کفایت اللہ صاحب نے اظہار خیال کیا۔

مدھیہ پردیش

جبل پور: جبل پور یونٹ نے امن مہم کے پروگراموں کا افتتاح ۱۰ جنوری کو ایک سمپوزیم کے ذریعہ کیا۔ اس کی صدارت مولانا سید یوسف صاحب سکریٹری جماعت اسلامی ہند نے کی۔ سمپوزیم سے خطاب کرنے والوں میں A.B.V.P کے شری دویک سکسینہ، جنتا پارٹی کے شری دلیپ راس جین، فخرالدین ایڈوکیٹ I.P. کے شری مہیش رائے اور سردار سنگھ شامل ہیں۔ اس سمپوزیم میں برادر سردار احمد نے ایس۔ آئی۔ او کا تعارف پیش کیا۔

کیرلہ

ترویندرم: بلدیاتی انتخابات کی وجہ سے کیرلہ میں یہ مہم ۶ تا ۹ فروری کو منائی گئی۔ افتتاحی پروگرام ترویندرم میں ہوا جس سے سرپرست حلقہ نے خطاب فرمایا اس پروگرام میں انڈین یونین مسلم لیگ کے صدر جناب سلیمان سیٹھ، شب ڈاکٹر آچاریہ پرنسپل اور سوامی سارسوتیکانند نے بھی تقریریں کیں۔ صدر حلقہ برادر عارف علی نے اس کی صدارت کی شرکاء نے ایک دوسرے کو پھولوں کے ہار پہنائے۔

اس موقع پر ایک شاندار جلوس بھی نکالا گیا۔ اس میں مختلف جھانکیاں پیش کی گئیں تھیں ایک جھانکی میں افریقہ کی نسل پرستی کو دکھایا گیا تھا۔ دوسری جھانکی روس اور امریکہ کے ذریعہ تیسری دنیا کے استحصال کا منظر پیش کر رہی تھی۔

اس مہم کے موقع پر کیرلہ زون نے خاص طور سے ۱ ہزار کی تعداد میں رومال تیار کروائے جو بھائی چارے کی علامت کے طور پر ایک دوسرے کو دیئے گئے۔

Rafeeque-e-Manzil Monthly
NEW DELHI 110025

R.N. 47227/87
Regd. No. D(SE) 90
VOL. 1 No.

ہماری چند مطبوعات



نقوش ہدایت

ازمولانا سراج الدین ندوی

اس کتاب میں مختلف عنوانات کے تحت چھوٹی چھوٹی احادیث جن کی مجموعی تعداد ۳۶۵ ہوتی ہے درج کی گئی ہیں۔ ہر عنوان سے متعلق قرآنی آیات بھی شامل کی گئی ہیں۔ طلبہ، متعلمین، مقررین نیز جو لوگ احادیث یاد کرنا چاہیں ان کے لئے ایک بیش بہا تحفہ ہے۔ کئی مقامات پر یہ کتاب نصاب میں رکھی گئی ہے۔

طباعت عمدہ، صفحات ۹۶، قیمت صرف ۵ روپے

حدیث کا تعارف

از محمد فاروق خاں

اس کتاب میں حدیث اور علوم حدیث کے بارے میں جملہ معلومات فراہم کردی گئی ہیں۔ ائمہ و محدثین کے حالات بھی بیان کئے گئے ہیں۔ صحیح احادیث کو غیر مستند احادیث سے الگ کرنے کے لئے محدثین نے کیا سائنٹفک طریقے اختیار کئے، نیز اعتراضات حدیث پر بھی مفصل گفتگو کی گئی ہے۔

طباعت عمدہ، پاکیزہ ٹائٹل، قیمت صرف ۶/ روپے

یہ کتاب ہندی میں بھی دستیاب ہے، قیمت ۶/ روپے

علم حدیث میں برعظیم پاک و ہند کا حصّہ

از ڈاکٹر محمد اسحاق
ترجمہ: شاہد حسین رزاقی

یہ ایک قابل قدر تحقیقی کتاب ہے۔ جس میں برعظیم میں علم حدیث کے فروغ و اشاعت کی تاریخ مرتب ہو گئی ہے۔ ہند و پاک کے محدثین اور اہل علم کے حالات کا تذکرہ کیا ہے

کتابت و طباعت معیاری، خوبصورت جلد کے ساتھ قیمت صرف ۲۰/ روپے

مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۶

Edited, Printed and Published by MUNAWWER HUSSAIN on behalf of S.I.O of India, 230, Abul Fazal Enclave, Okhla, New Delhi - 110 025. Printed at Bharat offset press, Delhi-6, for Jamal Printing Press, Delhi-6

ماہنامہ

زندگیِ نو دہلی

سکتے کے مریض کا آخری امتحان اس طرح کیا جاتا ہے کہ اس کی ناک کے پاس آئینہ رکھتے ہیں۔ اگر آئینہ پر کچھ دھندلاہٹ پیدا ہو تو سمجھتے ہیں کہ ابھی جان باقی ہے ورنہ اس کی زندگی کی آخری امید بھی منقطع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح سے مسلمانوں کی کسی بستی کا تمہیں امتحان لینا ہو تو اُسے رمضان کے مہینے میں دیکھو۔ اگر اس مہینے میں اس کے اندر کچھ تقویٰ، کچھ خوفِ خدا، کچھ نیکی کے اُبھار کا جذبہ نظر آئے تو سمجھو ابھی زندہ ہے اور اگر اس مہینے میں بھی نیکی کا بازار سرد ہو، فسق و فجور کے آثار نمایاں ہوں اور اسلامی حس مُردہ نظر آئے تو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھ لو۔ اس کے بعد زندگی کا کوئی سانس مسلمان کے لئے مقدر نہیں۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی

ایس آئی او آف انڈیا کا

ترانہ

تکذیب مٹانے والے ہم
تفریق مٹانے والے ہم
توحید و رسالت کے نغمے دنیا کو سنانے والے ہم

معبود ہمارا ایک خدا
ہم وحدتِ آدم کے شیدا
طبقوں میں بٹی اس دنیا کو پھر ایک بنانے والے ہم

اللہ ہمارا ہے حاکم
ہم دھرتی پر اس کے ناظم
قانون بنانے والا وہ قانون چلانے والے ہم

دنیا سے تعلق بھی ہے اگر
ہے روزِ جزا ہی پیشِ نظر
اس کارگہہ خیر و شر کو عقبیٰ سے ملانے والے ہم

ہم رحمتِ عالمؐ کی امت
اخلاص و وفا اپنی فطرت
ہر دور میں کج رو دنیا کو تہذیب سکھانے والے ہم

اُس ہادیٔ آخرؐ کے صدقے
ہم کو ہیں ملے سیدھے رستے
منزل کا پتہ ہر رہرو کو بے لوث بتانے والے ہم

ماہنامہ نئی دہلی
رفیقِ منزل

جلد ۱
شمارہ ۵
اپریل ۱۹۸۸ء
شعبان، رمضان ۱۴۰۸ھ

مدیر اعزازی :- منوّر حسین فلاحی



آئینۂ ترتیب

منیجر : جاوید اختر

شرح خریداری

فی پرچہ	۲ روپے ۵۰ پیسے
ششماہی	۱۵ روپے
سالانہ	۲۵ روپے
غیر ممالک سے	۱۵۰ روپے

مقام اشاعت اور انتظامی امور میں مراسلت کا پتہ

Manager
RAFEEQUE-E-MANZIL
230, Abul Fazal Enclave
OKHLA, New Delhi - 110025

ڈرافٹ پر صرف اتنا لکھیں
RAFEEQUE-E-MANZIL

رفیق کی ڈاک

کیمپس نیوز

رفیق منزل کا چوتھا شمارہ موصول ہوا۔ پسند آیا۔ اداریہ غائب ہے مگر بڑی کمی محسوس نہیں ہوئی۔ اسی طرح اگر کیمپس نیوز کا صفحہ بھی نہ ہوتا تو کمی شاید محسوس نہ ہوتی۔ اس بار تو یہ انشائیہ کا صفحہ بن گیا ہے۔ کیمپس نیوز کے ذریعہ تو ہم کیمپس کے تازہ حالات سے واقف ہونا چاہتے ہیں۔ اس صفحہ کو ترتیب دینے والے اگر یہ سمجھنے لگیں کہ یہ سب سے آسان صفحہ ہے جو چاہو لکھو تو بڑی بے انصافی ہے۔ اس صفحہ کو بہت محنت سے ترتیب دینا چاہئے۔ اس بار ایک جملہ ایسا آگیا ہے جو بظاہر اردو ہی ہے مگر سمجھ میں نہیں آتا۔ "واقعہ بہار کی ایک یونیورسٹی کا ہے وہاں ایک صاحب صرف چوبیس گھنٹے کے لئے وزارت اعلیٰ کی کرسی پر متمکن ہوئے۔" یونیورسٹی میں وزارت اعلیٰ۔؟

ویسے مولانا مجاہد الاسلام صاحب سے لیا گیا انٹرویو اچھا ہے۔ پچھلے انٹرویو سے کافی بہتر۔ شاعروں کا نام نوٹ نوٹ میں اچھا نہیں معلوم ہوا۔ ہر ماہ ایک سیاسی تبصرہ بھی آنا چاہئے۔ توقع ہے آئندہ آنے والے شمارے میں کتابت کی پروف پر زیادہ توجہ دی جائے گی۔

سید محمد اقبال، گیا۔

ایم۔ اے۔ شمسی صاحب

"رفیق منزل" کے فروری ۱۹۸۰ء کا شمارہ نظر نواز ہوا۔ صفحہ ۲۰ پر جناب محمود عالم صاحب کا ایک خط نظر سے گزرا۔ انھوں نے تحریر فرمایا کہ نثری مقالے، افسانے اور تبصرے وغیرہ جو اس غزل کی اشاعت سے پہلے (میری غزل جو رفیق منزل کے جنوری" کے شمارہ میں شائع ہوئی ہے) ایم۔ اے۔ شمسی کے نام سے شائع ہوئے ہیں وہ محمود عالم شمسی (ایم۔ اے۔ شمسی) کے تھے۔ اس میں یہ بھی وضاحت کر دینا چاہتا ہوں کہ میری ادبی زندگی کا آغاز "رفیق منزل" کے اسی شمارہ سے نہیں ہوا ہے۔ اور نہ ایم۔ اے۔ شمسی کا نام نیا ہے۔ گزشتہ دس سالوں سے ایم۔ اے۔ شمسی دوگھرا، دربھنگہ ہندوستان کے اکثر رسالوں میں نظر آ رہا ہے۔ پھر پتہ نہیں موصوف نے کس بنیاد پر نئے ایم۔ اے۔ شمسی ہونے کا مجھ پر الزام لگایا ہے۔ اب تک میرے افسانے، مقالے، مضامین اسی نام سے شائع ہوتے رہے ہیں اور غزلیں بھی۔

یہ قلمی نام ایم۔ اے۔ شمسی میں نے بھی ایک مجبوری کے تحت اختیار کیا ہے۔ میرا نام بھی محمد علی ہے اور میں نے مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ سے فاضل فارسی اور فاضل اردو کا امتحان پاس کیا ہے۔ مدرسہ مذکورہ سے فراغت حاصل کرنے والے اپنے آپ کو شمسی ہی لکھتے ہیں۔

محمود عالم صاحب نے تحریر کیا ہے کہ اپنی ایک کہانی، "بے حسوں کی بستی میں" ۱۹۷۰ء میں محمود عالم کے نام سے شائع کروائی ہے جب کہ میں ابتدا ہی سے ایم۔ اے۔ شمسی کے نام سے چھپ رہا ہوں۔ میں اپنا افسانوی مجموعہ "اپنی آگ اپنا دامن" بھی اسی نام سے شائع کروانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

ایم۔ اے۔ شمسی، دوگھرا، دربھنگہ

مشورے

رفیق منزل آیا اور ایک نئی شان لایا۔ بعض نئے کالمز کو دیکھ کر طبیعت باغ باغ ہوگئی۔ جو اس کی پیش رفت کی واضح علامت ہے۔ البتہ بعض چیزوں کی کمی محسوس ہوئی مثلاً

- بہنوں کے صفحات میں جان لانے کی ضرورت ہے
- بچوں کے صفحات کی ایک اصطلاح وضع کی جائے اور اس میں لطائف اور پہیلیاں ضروری آنی چاہیے۔ افسانہ یا افسانچہ اسی طرح مکالمہ وغیرہ کے لئے لوگوں کے پاس خطوط بھیجئے۔
- مولانا فاروق خاں صاحب کے سوالات: سوچنے کی عادت ڈالنے کا آغاز پھر ہونا چاہئے۔ اسی طرح ڈاکٹر سید ضیاء الہدیٰ صاحب کا درس قرآن آتا ہے تو بہت ہی اچھا رہے گا۔
- ٹائیٹل خوش نما اور جاذب ہونا چاہئے۔ آیات کے بجائے ترجمہ، یا رسول اکرمؐ کی حدیث یا خلفاء اربعہ کے مواعظ یا انش مندی کا گر وغیرہ ہونا چاہئے۔
- اداریہ میں اردو ادب کی چاشنی آنی چاہئے۔ ویسے فکر تو ہے لیکن فکر کے ساتھ اگر حسن بیان بھی ہو تو سونے پر سہاگہ کا کام ہوگا۔
- انٹرویو اچھا تھا، اگر ہر شمارے میں کوئی انٹرویو ہو تو مفید رہے گا۔

ضیاء الدین ملک جامعۃ الفلاح اعظم گڑھ (یوپی)

سیاسی استحصال کی پالیسی

آپ کا خط ملا۔ پھر یہ اطلاع ملی کہ میرا ارسال کردہ مضمون (مولانا آزاد پر) فروری ۱۹۸۰ء میں شائع ہوگیا مگر اس کی کوئی کاپی مجھے آج تک نہ ملی۔

رانچی کے خصوصی حوالے سے مولانا آزاد کی ہمہ جہتی حیثیت اور ان کے کارناموں کے مختلف پہلوؤں کو موضوعات کی شکل میں پیش کر کے اسے ایک ورکنگ پیپر بنایا گیا تھا۔ مزید یہ کہ سرکار کی مولانا کے سلسلے میں سیاسی استحصال کی پالیسی کو بھی بے نقاب کر دیا گیا تھا۔ اسے دعوت وغیرہ میں بھیجنے کے بجائے میں نے رفیق منزل میں بالالتزام اس لئے بھیجا کہ ہماری نئی نسل ان مسائل اور معاملات پر بھی نظر رکھے۔ بلکہ میں تو کہوں گا کہ مولانا کی علمی اور تحریکی زندگی کے بعض پہلوؤں پر ہر شمارے میں کچھ نہ کچھ شائع کرتے رہیں تو اس سال موقع کی چیز ہوگی۔

(ڈاکٹر) احمد سجاد، رانچی

انٹرویو

حالیہ شمارے میں مولانا قاسمی صاحب کا انٹرویو بے حد دلچسپ ہے، فکر و فہم کو کچھ دینے والا۔ مولانا موصوف کے جوابات سے اختلاف و اتفاق سے قطع نظر، وہ سوالات نہایت اہم اور حالات کے پس منظر میں ہیں جو ابھارے گئے۔ اگر ایسے ہی سوالات پر مبنی اکابرین کے انٹرویو کی اشاعت کا سلسلہ جاری رکھیں تو اس لحاظ سے مفید ضرور ہوگا کہ مختلف نقاط نظر سامنے آجائیں گے۔

رسالے کی دیدہ زیبی میں مزید حسن و بہتری کی توقع ہے۔ ویسے اس بار کا ٹائیٹل بڑا عمدہ ہے۔ امن مہم کے موقع پر باقاعدہ اور مناسب حال ضمیمہ پیش کرنے پر برادران کیرلہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔

حسنین سائر، بھرگنڈہ (بہار)

اداریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

روزہ اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے۔ ایک روایت کے مطابق یہ اسلام کے تین بنیادی ارکان میں سے ایک ہے۔ اس روایت میں توحید و رسالت کی شہادت، نماز اور روزہ کو اس کے بنیادی ارکان کہا گیا ہے کیونکہ یہ بلا تقید ہر شخص کے لئے جو مسلمان ہو نا اور رہنا چاہتا ہو لازمی ہیں جبکہ زکوٰۃ اور حج صرف مالدار لوگوں کے اوپر فرض ہیں۔ گویا نماز کے بعد اگر کوئی حکم بغیر کسی تخصیص کے سب پر لاگو ہوتا ہے تو وہ روزہ ہے۔ اسلام کے تعلق سے مسلمانوں میں جو زوال آیا ہے اس کا ایک واضح پہلو یہ ہے کہ ہمارے فکر و عمل میں بالکل معکوس تبدیلی آگئی ہے۔ اسلام نے جو چیز دلوں میں جسے راجح قرار دیا وہ ہمارے نزدیک مرجوح ہے اور جسے دوسرا مقام دیا وہ ہمارے نزدیک پہلا مقام حاصل کر گئی ہے۔ ترجیح آخرت کی بجائے دنیا پرستی کا بڑھتا ہوا رجحان اس کی بین مثال ہے۔ اسی طرح کی بے اعتدالی رمضان کے دنوں میں بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔ یہ بات مسلم ہے کہ اسلامی احکام میں سب سے اہم حکم نماز کا ہے۔ روزہ دوسرے نمبر پر آتا ہے لیکن یہ عمومی مشاہدہ ہے کہ روزہ داروں کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے کہ عام دنوں کا تو ذکر ہی کیا خود رمضان کے دنوں میں بھی نماز سے ان کا واسطہ نہیں ہوتا۔ اس کی توجیہ جو بھی کی جائے مگر یہ طرز عمل یہ بتاتا ہے کہ گویا روزہ نماز پر بھی مقدم اور اس سے بھی اہم فرض ہے۔ آخر ان کے روزوں کی قبولیت کا کیا حیلہ و امکان ہے جو نماز جیسے اہم فرض کو ناقابل توجہ سمجھتا ہو۔

قرآن مجید جو انسانی زندگی کے لئے ایک مکمل ہدایت نامہ ہے، اس مہینے سے اس کا ایک خصوصی تعلق ہے۔ سورۃ قدر کے مطابق اسی ماہ کی ایک مبارک رات میں اس کا نزول ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اس ماہ میں قرآن مجید کی تلاوت کا خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی رمضان کے روزوں کے اہتمام کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کا اہتمام بھی ثابت ہے۔ رات کی نمازوں (تراویح و تہجد) میں قرآن مجید کے زیادہ سے زیادہ سننے اور سنانے کا اہتمام دراصل اسی اتباع سنت کا مظاہرہ ہے۔ لیکن اس معاملہ میں بھی ہمارے یہاں افراط و تفریط پایا جاتا ہے۔ بعض لوگوں کے لئے تو رمضان اور دوسرے دنوں میں کوئی فرق ہی نہیں ہوتا۔ تو کچھ لوگ ایسے ہیں کہ اس ماہ میں تلاوت سے شغف انہیں اس حد کو بھی پھلانگنے سے باز نہیں رکھتا جو اللہ کے رسولؐ نے متعین کی ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید کم سے کم سات دنوں میں ختم کرنا چاہئے۔ بعض روایتوں میں تین دن کی حد بندی بھی ملتی ہے اور اس سے کم میں ختم کرنے والوں کے لئے لا دریت و لا تلیت کے الفاظ آتے ہیں کہ نہ وہ کچھ سمجھا اور نہ اس نے تلاوت کی۔

روزہ اپنے اندر جہاں بے پناہ اجر و ثواب رکھتا ہے وہیں قرآن کے مطابق انسان کے تزکیہ و تربیت میں بھی بہت معین ہوتا ہے اگر اس فرض کی ادائیگی پورے احساس بندگی کے ساتھ ہو تو انسان کے اندر معصیت سے بچنے اور اطاعت کی راہ پر چلنے کی وافر استعداد و صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے جو سال کے باقی مہینوں میں اس کے لئے توشہ کا کام دے سکتی ہے۔ بعد کے نفل روزے اس صلاحیت میں مزید جلا پیدا کرتے ہیں یہاں تک کہ یہ ماہ مبارک دوبارہ تربیت دوبارہ آموجود ہوتا ہے۔ احساس بندگی ہی دراصل وہ دولت ہے جس سے عمل میں جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ دین کے محدود تصور کے تحت ہم ہر چیز کو علیحدہ علیحدہ دیکھنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ ایک بڑا عمل بھی بے وزن ہو جائیگا اگر وہ اس نظام سے کاٹ کر انجام دیا گیا جس کا وہ حصہ ہے۔ اسی لئے رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ بہت سے روزہ دار اور شب بیدار ایسے ہوں گے جنہیں سوائے بھوکا رہنے اور رات کے جاگنے کی مشقت کے سوا کچھ نہیں مل سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا یہ بڑا احسان و کرم ہے کہ انسان کو معصیت کی راہ پر ڈالنے والی بے شمار ترغیبات کے باوجود اس نے ایسے وسائل و ذرائع بھی مہیا کر دیے ہیں جنہیں استعمال کر کے وہ ان محرکات کا مقابلہ کر سکتا اور انہیں زیر کر سکتا ہے۔ اور خیر و شر کی اس کشمکش میں وہ خدا کی مدد سے خیر کو اپنا کر کامیاب و کامران ہو سکتا ہے۔ اس مہینہ میں اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایات اپنے بندوں پر ہوتی ہیں۔ چھوٹی نیکیوں کو بھی وہ اتنا زیادہ عطا فرماتا ہے کہ دوسرے ایام میں بڑے عمل پر بھی اس قدر نہیں ملتا۔ رمضان کے اوقات سال بھر میں اللہ کی طرف سے خصوصی نوازشوں کے اوقات ہیں۔ بڑا بدنصیب ہے وہ شخص جو اس مہینہ کی برکتوں، رحمتوں، عطاؤں اور نوازشوں سے محروم رہ جائے۔ اس کی برکتوں ہی کا یہ اثر ہے کہ قلوب بالعموم خیر کی طرف راغب ہوتے ہیں، شر اور معصیت کا دائرہ تنگ سے تنگ تر ہو جاتا ہے۔ روزہ کے ساتھ ساتھ نمازوں، دعاؤں، تلاوت کی کثرت اور غربا و مساکین کی اعانت کے عمومی مظاہر سامنے آتے ہیں۔ لیکن اگر یہ سب کچھ بھی رسمی و غیر شعوری طور پر انجام پائے اور دل میں یہ ارادہ ہو کہ بس اس مہینہ کے ختم تک یہ سب تھیلے ہیں تو یہ سارے اعمال اکارت ہی جائیں گے۔

مطالعہ حدیث

اخلاق کی حیثیت واہمیت[1]

جناب فاروق خاں صاحب

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ — مَنْ تَرَكَ الْكِذْبَ وَهُوَ بَاطِلٌ بُنِيَ لَهٗ فِيْ رَبَضِ الْجَنَّةِ وَمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَهُوَ مُحِقٌّ بُنِيَ لَهٗ فِيْ وَسَطِ الْجَنَّةِ وَمَنْ حَسَّنَ خُلُقَهٗ بُنِيَ لَهٗ فِيْ اَعْلَاهَا — (ترمذی، شرح السنۃ)

"حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے جھوٹ بولنا چھوڑا جب کہ وہ بے کار اور لغو (یعنی لائق ترک) ہی ہے اس کے لئے جنت کے (اندر) کنارے کی جگہ مکان بنایا جائے گا اور جس کسی نے جھگڑنا ترک کر دیا حالانکہ وہ حق پر تھا اس کے لئے جنت کے وسط میں مکان تعمیر ہوگا اور جس نے اپنے اخلاق کو بہتر بنا لیا اس کے لئے جنت کی بلندیوں پر مکان تعمیر کیا جائے گا"

اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اخلاق کو زندگی میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ جن لوگوں کی زندگی حسن اخلاق سے مزین ہوگی انھیں جنت کے اعلیٰ طبقہ میں جگہ حاصل ہوگی اس لئے کہ حقیقت کی نگاہ میں اعلیٰ درجہ کے لوگ وہی ہو سکتے ہیں جو اخلاق کے لحاظ سے بہتر ہوں۔

وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ — اِنَّ اَثْقَلَ شَیْءٍ يُوْضَعُ فِیْ مِيْزَانِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ خُلُقٌ حَسَنٌ — (ابوداؤد، ترمذی)

"حضرت ابو درداءؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: قیامت کے روز مومن کی میزان میں جو سب سے وزنی چیز رکھی جائے گی وہ حسن اخلاق ہے۔"

حسن اخلاق چونکہ زندگی کا حقیقی حسن اور اصل انسانی کردار ہے اس لئے یہ فطری بات ہے کہ میزان عمل میں سب سے زیادہ اسی کا وزن ہوگا۔ آدمی کی پہچان اس سے ہرگز نہیں ہوتی کہ اس کے پاس کیا سر وسامان ہے بلکہ آدمی کی اصل پہچان اس سے ہوتی ہے کہ وہ خود کیا ہے۔ خدا کے یہاں اصل سوال اس کا نہیں ہوگا کہ انسان نے دنیا میں کتنی دولت جمع کی اور کتنی شہرت حاصل کی بلکہ اصل سوال یہ ہوگا کہ وہ خدا کے پاس کیسی شخصیت لے کر حاضر ہوا ہے۔ شخصیت کی تعمیر آدمی کے افکار واعمال اور اخلاق ہی کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔ آدمی اگر اخلاق کے لحاظ سے پست ہے تو خواہ وہ دنیا کا سب سے دولت مند اور ذی اقتدار شخص ہو حقیقت میں وہ ایک مفلس اور ذلیل وجود ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا اَبَا ذَرٍّ لَا عَقْلَ كَالتَّدْبِيْرِ وَلَا وَرَعَ كَالْكَفِّ وَلَا حَسَبَ كَحُسْنِ الْخُلُقِ — (البیہقی)

"حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تدبیر کے مثل کوئی عقل نہیں ہے اور نہ ورع (اجتناب واحتیاط) کے مثل کوئی تقویٰ اور نہ خوش خلقی کے مثل کوئی حسب پایا جاتا ہے۔

یعنی اس عقل کے مانند کوئی عقل نہیں جس کے ساتھ تدبیر ہو یعنی آدمی انجام کار پر نظر رکھے اور مقاصد سے بے خبر نہ ہو اگر کوئی شخص عقل سے کام تو لیتا ہے لیکن اس حد تک نہیں کہ انجام کار کو دیکھ سکے تو اس کی عقل اور دانشوری اسے تباہی سے نہیں بچا سکتی۔

دین میں امتثال اوامر اور نواہی سے اجتناب دونوں ضروری ہیں لیکن بعض اعتبار سے ممنوعات سے اجتناب کی اہمیت امتثال اوامر سے بڑھ کر ہے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے بیماری کی حالت میں دوا کے مقابلے میں پرہیز کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے۔

یعنی اصل اور حقیقی فضیلت اور شرف کی چیز خوش خلقی ہے۔ اگر یہ نہیں تو سب کچھ لاحاصل ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ يَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ حَسَّنْتَ خَلْقِیْ فَاَحْسِنْ خُلُقِیْ — (احمد)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: "اے اللہ تو نے میری پیدائش کو حسن وخوبی سے نوازا، پس میرے اخلاق کو بھی حسن وخوبی عطا کر دے۔"

یعنی جس طرح تو نے میرے ظاہر کو بہتر بنایا اسی طرح مجھے باطنی اور اخلاقی حسن وخوبی بھی عطا کر۔ اخلاقی اوصاف کے بغیر انسان کے ظاہری وجود کی کوئی قدر وقیمت باقی نہیں رہتی۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُنَبِّئُكُمْ بِخِيَارِكُمْ؟ قَالُوْا: بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، قَالَ: خِيَارُكُمْ اَطْوَلُكُمْ اَعْمَارًا وَاَحْسَنُكُمْ اَخْلَاقًا (احمد)

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں آپؐ نے فرمایا کیا میں تمہیں بہتر شخص نہ بتاؤں، لوگوں نے کہا ضرور اے اللہ کے رسولؐ آپؐ نے فرمایا تم میں بہتر وہ ہیں جن کی عمریں دراز اور جن کے اخلاق اچھے ہیں۔

[1] زیر ترتیب کتاب کلام نبوت جلد دوم سے

STUDENTS ISLAMIC ORGANISATION OF INDIA



HDQRS. : 230, ABUL FAZAL ENCLAVE, OKHLA, NEW DELHI - 110025. INDIA

کارکنان کے نام

صدر تنظیم کا پیغام

عزیز ساتھیو اور بھائیو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ

خدا کرے آپ سب بخیر ہوں۔

چند ہی دنوں میں رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہونے والا ہے۔ اہل ایمان اور خدا کے نیک بندے جس کا شدت سے انتظار کرتے ہیں۔ ملت اسلامیہ اس ماہ میں دن بھر بھوک و پیاس برداشت کرتی ہے۔ باجماعت نمازوں میں پابندی سے شریک ہوتی ہے۔ بہت سی نفسانی خواہشات سے دور رہتی ہے، راتوں کو خدا کے حضور کھڑی ہوتی ہے۔ اور اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان میں جنت کے دروازے کھول دیتے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔

ہمیں چاہیے کہ اس ماہ میں بھرپور فائدہ اٹھائیں اور خدا کی رحمت و مغفرت حتی الوسع سمیٹ لیں اور خدا کے پسندیدہ بندے بن جائیں۔ یہ بات آپ کو معلوم ہے کہ قرآن جو تمام انسانوں کی ہدایت کے لئے نازل ہوا۔ اسی ماہ مبارک میں اس کا نزول ہوا۔ قرآن سے ہمارا تعلق ہر لمحہ مضبوط ہونا چاہیے۔ قرآن کو تفسیر کے ساتھ پڑھنا ہماری ایک عادت بننی چاہیے۔ قرآن سے ہی ہماری زندگی میں انقلاب آئے گا اور اسی سے ہمیں صحیح مقصد کی طرف رہنمائی اور منزل مقصود مل سکتی ہے۔

بھائیو! یہ بات بھی آپ کو معلوم ہے کہ آج سے چودہ سو سال قبل اسی مہینے میں ایک جنگ ہوئی تھی۔ جنگ بدر یہ جنگ حق و باطل اور بھلائی و برائی کی جنگ تھی یہ جنگ خدا اور شیطانی طاقتوں کے درمیان ہوئی تھی۔ خدا کی تائید و نصرت سے حزب اللہ ہی کو قلیل تعداد کے باوجود کامیابی حاصل ہوئی۔ ایسا اس لئے ممکن ہو سکا کہ ان کے اندر اپنے مقصد کا صحیح شعور، خدا پر کامل اعتماد، ہمت، اخلاص، ہر چیز خدا کی راہ میں داؤ پر لگا دینے کا جذبہ، مستحکم عزم اور ایمان موجود تھا۔ اس وقت دنیا کے مختلف مقامات پر فلسطین، افغانستان، فلپائن اور ہمارے ملک میں بھی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اسلام دشمن طاقتیں ظلم ڈھا رہے ہیں۔ اور ہم اسے برداشت کر رہے ہیں۔ آج مسلمانوں کی تعداد پوری دنیا میں ۸۰ کروڑ کے قریب ہے۔ لیکن اتنی بڑی تعداد کے باوجود بھی حالات کتنے خراب اور افسوسناک ہیں اس کی تفصیل کی کوئی ضرورت میں محسوس نہیں کرتا۔ ایسا کیوں ہے؟ اس کا جواب اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ مسلمان اپنی عملی زندگی میں اسلام سے دور ہو گئے ہیں۔

عزیز بھائیو! رمضان المبارک کا مہینہ ہمیں اپنے نفس کا تزکیہ کرنے کا بہتر موقع فراہم کرتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم ماہ مبارک کے تمام اوقات کا اپنی زیادہ سے زیادہ تربیت کرنے میں استعمال کریں۔

دوستو! ایس۔ آئی۔ او کے سامنے ایک اعلیٰ مقصد ہے۔ اس ملک کے طلبہ اور نوجوانوں کو اسلام کی دعوت دینا اور ان کو سیدھا راستہ دکھانا۔ آج بہت سی شیطانی قوتیں منظم اور متحد ہو کر ظلم، کرپشن، لادینیت، بے انصافی اور دوسری برائیوں کو فروغ دینے میں سرگرم عمل ہیں ہمیں ان کا مقابلہ کرنا ہے۔ ہمارے افراد کم ہیں اور وسائل محدود پھر بھی ہمیں ان کا مقابلہ کرنا ہے۔ یہ ایک ذمہ داری ہے۔ راستے پرخار ہیں ہماری راہوں میں بے شمار رکاوٹیں اور مشکلات بھری پڑی ہیں۔ لیکن ہمیں اپنا انھیں راہوں پر ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس ماہ مبارک میں صبر و استقامت اپنے اندر پیدا کریں اور زیادہ سے زیادہ تلاوت کلام پاک اور قیام اللیل کا اہتمام کریں۔

کچھ دنوں کے بعد اسکول سے لے کر یونیورسٹی کی سطح تک امتحانات شروع ہو جائیں گے۔ ایس آئی او چاہتی ہے کہ جس طرح ہمارے طلبہ تنظیمی کاموں میں سرگرم ہیں اپنی پڑھائی پر بھی یکساں توجہ صرف کریں۔ امتحانات میں ہمارے رفقاء امتیازی پوزیشن حاصل کریں لہٰذا رفقاء کو چاہیے کہ ابھی سے پوری یکسوئی کے ساتھ مطالعہ میں غرق ہو جائیں نیز دوسرے رفقاء کی بھی حسب استعداد مدد کریں۔ تب ہی آپ کامیاب ہو سکیں گے اور ایس آئی او کو اپنی بہتر صلاحیتوں کے ساتھ آگے کی طرف لے جا سکیں گے۔ خدا ہمارا حامی و ناصر ہو۔ آمین

آپ کا بھائی

پی۔ سی۔ حمزہ

تربیت کا مہینہ

منور حسین فلاحی

سال کے تمام مہینوں میں رمضان ہی کی یہ خصوصیت ہے کہ نام کی تعیین کے ساتھ اس کا ذکر قرآن مجید میں ہوا ہے۔ اس میں قرآن مجید کا نزول اس کی اہمیت کو بڑھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس ماہ کے روزے کو فرض قرار دیا ہے۔ اور رات کی عبادت کو نفل۔ روزہ نام ہے صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور ان خواہشات نفسانی کی تکمیل سے باز رہنے کا، جن سے رکنے کا حکم اللہ نے دیا ہے۔ روزے پر اللہ تعالیٰ نے خصوصی جزا کا اعلان کیا تو اس عمل کا فوری اثر تقویٰ قرار دیا ہے۔ انسان کو ایک وقت خاص کے لئے بعض جائز چیزوں سے روک کر اسے اس بات کی تربیت دی جاتی ہے کہ وہ ان ناجائز امور سے بدرجہ اولیٰ بچنے لگے جو فی الواقع اس کے لئے جسمانی یا اخلاقی، مادی یا روحانی اعتبار سے مضر اور مہلک ہیں۔ اسی طرح رات کی نمازیں (تراویح و تہجد) نفس انسانی کو قابو میں رکھنے کے لئے بھی بہت معین ثابت ہوتی ہیں۔ اسی لئے حدیثوں میں آتا ہے کہ جو روزہ رکھے اور رات میں قیام کرے ایمان کی حالت میں اور اجر آخرت کی نیت سے اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ یہ اجر ایسے شخص کے لئے بالکل موزوں ہے جو اللہ کی خاطر اپنی جائز خواہشات بھی ترک کر دیتا ہے۔ لیکن سماجی دباؤ کے تحت یا رسمی طور پر کوئی کام کرنا بالکل بے نتیجہ ثابت ہوگا۔ اسی لئے ان روزہ داروں کو اجر و ثواب کی کوئی توقع نہ رکھنی چاہئے جو اس سے اہم فرض یعنی نماز ادا نہیں کرتے یا روزہ کی حالت میں بھی ان لغویات (جنگ وجدال فحش کلامی، غیبت و بدگوئی اور دیگر منہیات) کے ارتکاب سے باز نہیں رہتے۔

اس مہینہ سے قرآن مجید کا خصوصی تعلق ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس میں تلاوت قرآن کا بھی خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے۔ اس خصوصی تعلق کا تقاضا یہ ہے کہ اس ماہ میں قرآن کو پڑھنے اور سمجھنے کا خاص اہتمام ہو اور قرآن کے پیغام کو عام کرنے کی خصوصی کوشش کی جائے اس لئے کہ قلوب بالعموم خیر کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ البتہ تلاوت قرآن کے سلسلے میں ان بے اعتدالیوں سے سخت پرہیز کی ضرورت ہے جو بعض مقامات یا حلقوں میں پائی جاتی ہیں۔ قرآن کا جلد جلد ختم کرنا اور جیسے تیسے اس کی تلاوت۔ یہ سب امور قرآن مجید کی توہین کی حد تک پہنچا دیتے ہیں۔ تراویح میں حفاظ کی جو عملداری ہوتی ہے اس میں بعض مقامات قرآن کی زیادہ مقدار پڑھنے کے لئے کھینچ دینے اور اسی سے مماثل الفاظ خوب استعمال ہوتے ہیں کیا یہ قرآن کی تکریم ہے؟ تلاوت قرآن کے لئے ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے اور کم از کم تین دنوں میں ختم کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ اس کی روشنی میں ایک رات میں ختم قرآن یا شبینہ جیسے رواج کا آخر کیا جواز رہ جاتا ہے۔

اس مبارک مہینہ کی سب سے مبارک رات، قدر کی رات ہے جس میں قرآن نازل ہوا۔ اس رات کی عبادت کو مفسرین نے ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل بتایا ہے۔ رسول اکرمؐ نے اس کے اہتمام کی بھی تاکید فرمائی ہے۔ آخری عشرہ میں اعتکاف کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد اس رات کی تلاش اور اس میں عبادت بھی ہے۔ احادیث میں اس مہینہ کو ہمدردی و مواسات کا مہینہ بھی کہا گیا ہے۔ اس ماہ میں اللہ کی خصوصی عنایتیں اپنے بندوں پر ہوتی ہیں۔ اس لئے وہ بھی یہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے بھی آپس میں ایسا ہی مظاہرہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ایک فرض کی ادائیگی پر ستر فرض کے برابر اور ایک نفل کی ادائیگی پر فرض کے برابر اجر و ثواب عطا فرماتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں نماز، دعا، تلاوت وغیرہ کی کثرت اس ماہ میں مطلوب ہے وہیں غریبوں، مسکینوں، بیواؤں اور بے سہارا اور مظلوم لوگوں کی اعانت اور خبرگیری بھی خصوصی طور پر ہونی چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اس مہینہ کی جو خصوصی حیثیت ہے وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ آپؐ شعبان ہی سے اس کے استقبال کے لئے تیار رہتے اور اس کی آمد کے انتظار میں بڑے اہتمام سے دنوں کا شمار فرماتے تھے آپؐ چند دنوں قبل ہی صحابہ کو بھی اس کی اہمیت سے آگاہ فرماتے کہ تم پر ایک بہت ہی متبرک مہینہ سایہ فگن ہونے والا ہے۔ عبادات و نوافل میں آپ کے انہماک کا حال احادیث میں بصراحت موجود ہے۔ ایک راوی کا بیان ہے کہ آپؐ ہم لوگوں میں سب سے زیادہ سخی تو تھے ہی لیکن رمضان المبارک میں آپؐ کی سخاوت کا یہ عالم ہوتا جیسے آپؐ موسلادھار برسنے والے بادل ہوں۔

رمضان کے اختتام پر اللہ تعالیٰ نے عید کی شکل میں جس اجتماع کا حکم دیا ہے وہ دراصل اس پورے مہینہ کی کوششوں اور ریاضتوں پر مرتب ہونے والے اجر و انعام کے اعلان کا دن ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ دن اور اجتماع کی وہ ساعت ایک مومن مطیع کے لئے بے انتہا خوشیوں کی ہوتی ہے۔ اپنے مالک کے اس اس اعلان کو بندو! میری عزت وجلال کی قسم! آج اس اجتماع میں تم اپنی آخرت کے تعلق سے جو بھی سوال کرو گے میں پورا کروں گا اور اپنی دنیا سے جو سوال کرو گے اس میں تمہاری مصلحت کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ تم بخشے بخشائے اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ۔ تم نے اپنا فرض پورا کر دیا اور میں نے اپنی رضا تمہیں عطا کر دی۔"

وہ دل کے کانوں سے سنتے ہوئے اور اس قدر شاداں و فرحاں ہوتے ہیں جیسے کونین کی دولت انھیں مل گئی ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس مہینہ کی متبرک ساعتوں سے صحیح طور پر مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور رسول اکرمؐ کے اسوہ کی صحیح اتباع کی توفیق بخشے۔ آمین

روزہ
احادیث رسول میں

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اکرمؐ شعبان کے دنوں کا شمار رکھتے تھے اس قدر احتیاط کے ساتھ کہ اور مہینہ کے دنوں کی اتنی پرواہ نہ کرتے تھے۔ پھر رمضان کا چاند دیکھ کر آپ روزہ رکھتے اگر ابر ہو جاتا تو تیس دن پورے کر کے روزہ رکھتے (ابوداؤد)

حضرت سلمان فارسیؓ راوی ہیں کہ شعبان کی آخری تاریخوں میں رسول اکرمؐ نے ہمارے سامنے ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا: لوگو ایک بڑا مہینہ تم پر سایہ فگن ہونے والا ہے۔ یہ بڑا بابرکت مہینہ ہے۔ اس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے روزہ کو فرض قرار دیا ہے اور رات کی عبادت کو نفل بنایا ہے۔ جو شخص کسی نیکی کے ذریعہ اس ماہ میں اللہ کا تقرب تلاش کرے وہ ایسا ہے گویا اس نے فرض ادا کیا اور جو اس میں کوئی فرض ادا کرے اسے رمضان کے علاوہ مہینوں میں ستر فرض ادا کرنے کی برابر اجر ملتا ہے۔ یہ مہینہ صبر کا ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔ اور یہ مہینہ غمخواری کا ہے اس میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے۔ جو کسی روزہ دار کو افطار کرائے تو یہ اس کے گناہوں کی بخشش کا سبب اور دوزخ سے نجات کا ذریعہ ہو جاتا ہے اور روزہ دار کے اجر کے برابر اسے اجر ملتا ہے اور اس روزہ دار کے اجر میں کوئی کمی نہیں کی جاتی۔ ہم نے پوچھا کہ ہم میں سے ہر شخص تو اتنی استطاعت نہیں رکھتا کہ روزہ دار کو افطار کرائے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ اجر پیٹ بھر کھلانے پر موقوف نہیں۔ اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس کو بھی عطا فرمائے گا جو پانی یا لسی کے ایک گھونٹ یا ایک کھجور سے کسی کو افطار کرائے۔ اور جو پیٹ بھر کر کھانا کھلائے گا اسے اللہ تعالیٰ میرے حوض سے ایسا سیراب کرے گا کہ پھر کبھی جنت میں پہنچنے تک اسے پیاس نہ لگے گی۔ اس مہینہ کی ابتدا میں رحمت ہے درمیان میں مغفرت ہے اور آخر میں دوزخ سے نجات اور جس نے اپنے غلام سے کم کام لیا۔ اللہ اس کی بخشش کرتا ہے اور جہنم سے نجات عطا فرماتا ہے (بیہقی)

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان کی نیکی کا اجر دس گنا سے سات سو گنا تک ہے لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ روزہ صرف میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔ وہ میری رضا کی خاطر اپنی خواہشات اور کھانے کو ترک کر دیتا ہے۔ اس کے لئے دو خوشیاں ہیں ایک افطار کے وقت دوسرے اپنے رب سے ملاقات کے وقت۔ اس کے منہ کی بو خدا کے نزدیک مشک سے زیادہ قابل قدر ہے۔ روزہ ڈھال ہے جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو فحش باتیں نہ کرے اور نہ چلا کر بات کرے۔ اور اگر کوئی اسکو برا کہے یا اس سے لڑائی کرے تو کہہ دے کہ میرا روزہ ہے (بخاری مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ رمضان سے ایک یا دو دن پہلے کوئی روزہ نہ رکھے البتہ وہ شخص رکھ سکتا ہے جو روزہ رکھنے کا عادی ہو۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ ہی راوی ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ جب شعبان کا نصف گزر جائے تو روزے نہ رکھو۔ (ابوداؤد، ترمذی)

حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ سحری کھاؤ اس لئے کہ سحری کھانے میں برکت ہے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت عمر بن العاصؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں کے درمیان سحری کھانے کا فرق ہے۔ (مسلم)

حضرت سہلؓ کہتے کہ رسول اکرم نے فرمایا کہ لوگ ہمیشہ بھلائی پر ہوں گے جب تک افطار میں جلدی کرتے رہیں۔ (بخاری و مسلم)

حضرت حفصہؓ کہتی ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ جو فجر سے پہلے روزہ کی نیت نہ کرے اس کا روزہ نہیں۔ (ترمذی ابوداؤد نسائی دارمی)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اگر اذان کی آواز سن لے اور اس کے ہاتھ میں پیالہ ہو۔ تو جب تک وہ اپنی ضرورت پوری نہ کرے وہ اپنے ہاتھ سے نہ رکھے۔ (ابوداؤد)

حضرت معاذ بنؓ زید کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم جب روزہ افطار کرتے تو فرماتے اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ۔ (اے اللہ میں نے تیرے لئے ہی روزہ رکھا اور تیرے رزق سے افطار کیا) (ابوداؤد)

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہؐ افطار کرتے تو فرماتے ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ۔ (پیاس ختم ہو گئی، رگیں تر ہو گئیں اور اگر اللہ نے چاہا تو اجر ثابت ہو گیا۔) (ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جو شخص

غلط بات اور غلط کام ترک نہ کرے تو اللہ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔ (بخاری)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریمؐ نے فرمایا کہ جو روزہ کی حالت میں بھول کر کچھ کھا پی لے تو اسے اپنا روزہ پورا کرنا چاہیئے یہ اس لئے کہ اسے اللہ نے کھلایا پلایا ہے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں آپؐ نے فرمایا کہ روزہ کی حالت میں خود بخود قے آجائے تو قضا واجب نہیں لیکن اگر کوئی عمداً قے کرے تو قضا واجب ہے (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی، ترمذی اسے غریب کہتے ہیں)

حضرت عامر بن ربیعہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلعم کو اتنی مرتبہ روزہ کی حالت میں مسواک کرتے دیکھا ہے کہ میں شمار نہیں کر سکتا۔ (ترمذی، ابوداؤد)

حضرت انس کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلعم سے عرض کیا کہ میری آنکھیں دکھتی ہیں کیا روزہ کی حالت میں سرمہ لگالوں آپ نے فرمایا ہاں (ترمذی)

بعض صحابہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلعم کو مقام عرج میں روزہ کی حالت میں پیاس یا گرمی کی شدت کے سبب اپنے سر پر پانی ڈالتے دیکھا۔ (مالک، ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا جو شخص بغیر کسی عذر یا رخصت کے رمضان کا ایک روزہ بھی افطار کردے تو ساری عمر روزہ رکھنے سے اس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ بہت سے روزے دار ایسے ہیں جنہیں بھوک و پیاس کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا اور بہت سے شب بیدار ایسے ہیں کہ سوائے جاگنے کی مشقت کے انہیں کچھ نہیں ملتا۔ (دارمی)

حمزہ بن عمرو اسلمیؓ نے نبیؐ سے سوال کیا کہ میں اپنے اندر سفر میں روزہ رکھنے کی قوت رکھتا ہوں۔ اگر میں روزہ رکھوں تو کیا کوئی حرج ہے آپؐ نے فرمایا کہ اللہ کی طرف سے روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہے جو شخص اس سے فائدہ اٹھائے بہتر ہے اور جو روزہ رکھنا پسند کرے اس پر کچھ گناہ بھی نہیں ہے۔

حضرت نافع ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ جو شخص مر جائے اور اس کے ذمہ رمضان کے روزے ہوں تو اس کے وارث کو چاہئے کہ ہر روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔ (ترمذی)

عبداللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے یہ سوال کیا کہ کیا اللہ کے رسولؐ کسی مہینے کے پورے روزے رکھتے تھے انھوں نے فرمایا میں تو یہ جانتی ہوں کہ سوائے رمضان کے آپؐ نے کسی مہینے کے پورے روزے نہیں رکھے اور کوئی مہینہ بھی ایسا نہیں گزرتا جس میں آپؐ روزہ نہ رکھتے ہوں یہاں تک کہ آپؐ وفات پاگئے۔ (مسلم)

حضرت ابو ایوب انصاریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا جو شخص رمضان کے روزے رکھے اور پھر شوال میں چھ دن گویا وہ ہمیشہ روزے سے رہا۔ (مسلم)

حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے (بخاری و مسلم)

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ شب قدر کو رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو یعنی اکیسویں، تیسویں، پچیسویں ستائیسویں اور انتیسویں میں (بخاری)

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے نبی صلعم سے پوچھا کہ اگر مجھ کو شب قدر معلوم ہو جائے تو میں اس میں کیا کہوں۔ آپؐ نے فرمایا یہ کہو اللھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی (اے اللہ تو معاف کرنے والا ہے، معافی کو پسند کرتا ہے مجھے بھی معاف فرمادے) (احمد، ابن ماجہ، ترمذی)

حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہؐ رمضان کے آخری عشرہ میں عبادت میں غیر معمولی طور پر منہمک ہوتے تھے کسی دوسرے عشرہ میں اتنا انہماک نہ ہوتا۔ (مسلم)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی صلعم رمضان کے آخر عشرہ میں اعتکاف فرمایا کرتے لیکن ایک سال اعتکاف نہیں کیا پھر جب دوسرا سال آیا تو بیس دن کا اعتکاف کیا۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا جب لیلۃ القدر ہوتی ہے تو جبرئیل فرشتوں کی جماعت کے ساتھ اترتے ہیں اور اس بندہ پر رحمت بھیجتے یا اس کی بخشش کی دعا کرتے ہیں جو کھڑے یا بیٹھے اللہ کو یاد کرتے ہیں پھر جب عیدالفطر کا دن ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر فرشتوں کے سامنے فخر کرتا ہے اور کہتا ہے فرشتو! اس مزدور کی اجرت کیا ہے جو اپنا کام پورا کردے۔ فرشتے عرض کرتے ہیں پروردگار! اس کی اجرت ہے کہ اس کا پورا معاوضہ دیدیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کہتا ہے۔ فرشتو! میرے غلاموں اور باندیوں نے فرض ادا کیا اور وہ گھروں سے دعا کے لئے عیدگاہ کی طرف نکلے ہیں قسم ہے اپنے عزت و جلال کی، قسم ہے اپنے بخشش و کرم کی اور قسم ہے اپنے بلند مرتبے کی کہ میں ان کی دعائیں قبول کروں گا۔ پھر بندوں سے خطاب ہوتا ہے۔ میرے بندو! اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ میں نے تم کو بخش دیا اور تمہاری برائیوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیا بس مسلمان اس حال میں عیدگاہ سے لوٹتے ہیں کہ ان کے گناہ بخش دئے جاتے ہیں (بیہقی)

(یہ ساری احادیث مشکوٰۃ المصابیح سے منتخب کی گئی ہیں)

(اختصار کے پیش نظر رضی اللہ عنہ/عنہا کی اور صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ بالترتیب رضؓ اور مؐ یا صلعم کی علامتیں استعمال کی گئی ہیں) ●●

خط و کتابت

کرتے وقت خریداری نمبر یا ایجنسی نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔ (منیجر)

روزہ ایک فطری مجاہدہ

محمد فاروق خاں

اسلامی عبادات اور غیر اسلامی عبادات میں بہت فرق پایا جاتا ہے اسلامی عبادات فطری ہونے کے سبب حد درجہ معتدل ہیں۔ اسلام میں روزہ سے مقصود تکلیف و تعذیب جسمانی نہیں۔ بلکہ اس سے صرف تزکیہ و تربیت اور تقرب الٰہی مطلوب ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:۔

یُرِیْدُ اللّٰهُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ ؀

" خدا تمھارے ساتھ آسانی چاہتا ہے، وہ تمھارے ساتھ سختی نہیں چاہتا۔"

یہی وجہ ہے کہ اسلام میں ان سخت ترین ریاضتوں کو ممنوع قرار دیا گیا ہے جو مختلف قوموں نے تقرب الٰہی کے لئے اختیار کی تھیں۔ پہلے روزہ رات دن کا ہوتا تھا۔ روزے کا وقت صبح سے شام تک ٹھہرا دیا گیا۔

اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی اللَّیْلِ۔ " روزہ رات تک پورا کرو۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

لَا صَامَ مَنْ صَامَ الْاَبَدَ۔

"جس نے برابر روزہ رکھا، اس نے روزہ نہیں رکھا۔"

زہد اور تقویٰ کی راہ سے جو لوگ عمر بھر روزہ رکھنا چاہتے تھے اسلام نے اس سے روک دیا۔ اور ہدایت کی گئی کہ آدمی پر اس کے نفس کا بھی حق ہے۔ اور اس پر اس کے ساتھ چلنے والوں کا بھی حق ہے۔ اس لئے وہ روزہ بھی رکھے اور کھائے پیئے بھی۔ راتوں کو آرام بھی کرے اور خدا کے حضور عبادت میں کھڑا بھی ہو۔ مسلسل روزے رکھنا یا اپنے جسم کو بالکل آرام نہ پہنچنے دینا، اسلامی تعلیم کے منافی ہے۔

جاہلیت کے زمانے میں روزے کی مدت میں مقاربت سے احتراز کرتے تھے۔ چونکہ یہ بات فطرت کے خلاف تھی۔ اس لئے اکثر لوگوں سے اس میں خیانت ہوئی۔ قرآن نے بتایا کہ مقاربت کی ممانعت صرف دن کی حد تک ہے جب کہ آدمی روزہ سے ہوتا ہے۔ رات میں بیویوں سے مقاربت جائز ہے، فرمایا:۔

"تمھارے لئے روزے کی شب میں اپنی بیویوں سے مقاربت حلال کی گئی۔ وہ تمھارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس (کی حیثیت رکھتے) ہو۔ اللہ کو معلوم ہو گیا کہ تم اپنے آپ سے خیانت کرتے تھے تو وہ تم پر مہربان ہوا اور اس نے تمھیں معاف کیا۔ اب ان سے ملو جلو، اور خدا نے تمھارے لئے جو لکھا ہے اسے چاہو۔" (بقرہ)

ایک سفر میں نبیؐ نے ایک شخص کو دیکھا کہ روزہ سے اس کا حال بُرا ہے، لوگوں نے اس پر سایہ کر رکھا ہے۔

آپ نے فرمایا: لَیْسَ الْبِرُّ الصَّوْمُ فِی السَّفَرِ (بخاری)

"یہ کوئی نیکی نہیں ہے کہ سفر میں (ایسا) روزہ رکھا جائے (جسے عام قوت برداشت نہ کر سکے۔"

اسی طرح ایک صحابیؓ سال بھر روزے سے رہے جس کی وجہ سے ان کی شکل و صورت بدل گئی جب نبیؐ کے علم میں یہ بات آئی تو آپ نے ان سے فرمایا: لِمَ عَذَّبْتَ نَفْسَکَ۔ "کیوں تم نے اپنے آپ کو عذاب دیا؟" (تمھیں اپنے کو عذاب دینے کا کب اللہ نے حکم دیا ہے۔")

سفر میں ہمیں اس بات کی رخصت حاصل ہے کہ ہم روزے کو قضا کر دیں اور سفر سے واپسی کے بعد اسے پورا کریں۔ اسی طرح ضعیفوں اور بیماروں کو بھی شریعت نے رعایت بخشی ہے۔

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ جس طرح ہمیں روزے کے زمانے میں دن کو کھانے پینے سے روکا گیا ہے اسی طرح اللہ کے رسولؐ نے یہ بھی فرمایا ہے:۔ "سحری کھا لیا کرو، کیوں کہ سحری کھانے میں برکت ہے۔"

ایک اور روایت ہے:۔ دن کے کھانے میں سحر کے کھانے سے مدد لو، اور قیام لیل (تہجد) کے لئے اٹھنے میں دن کے قیلولے سے مدد حاصل کرو۔"

مطلب یہ ہے کہ سحری کھانے سے روزہ رکھنا تمھارے لئے آسان ہو جائے گا۔ روزہ خدا کی عبادت اور دوسرے ضروری کام تم با آسانی انجام دے سکو گے۔ یہ تمھارے لئے برکت کی بات ہوگی۔

اسی طرح فرمایا گیا:۔ "جب تک لوگ افطار کرنے میں جلدی کریں گے۔ حالت خیر میں رہیں گے۔" (مسلم و بخاری)

اوپر کی تفصیل سے بخوبی اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ روزہ محض تزکیہ و تربیت کے لئے ہے۔ اس سے مقصود تعذیب و تکلیف ہرگز نہیں ہے۔ تزکیہ نفس کے لئے ضبط نفس اور مجاہدہ و ریاضت کی ضرورت پیش آتی ہے۔ روزہ ایک معتدل اور فطری مجاہدہ و ریاضت ہے۔

بقیہ صفحہ ۴۳ کا

میں ہیں" اور وہ سے پتہ والا کاغذ تھا کر سیڑھی کی طرف مڑ گیا۔ فراز گرتے گرتے بچا۔ اس نے دیوار پکڑ لی اور کسی طرح کاغذ پر نظر ڈالی۔ وہ ٹیکسی سے اتنی عجلت میں اترا کہ اس نے ڈرائیور سے بقیہ پیسے بھی نہیں لئے۔ جب وہ اپنے فلیٹ پر پہنچا تو دیکھا بند دروازے سے ٹیک لگائے اس کا بیٹا سو رہا تھا اور ملازمہ بھی اسکی نیند میں ڈوبی ہوئی بچی کو اپنے گود میں لئے اونگھ رہی تھی۔ دل خراش منظر دیکھ کر اس کا جی چاہا وہ خودکشی کر لے۔ لیکن اس نے ضبط کیا۔ اور اپنے معصوم بچے کو اٹھا لیا۔ باپ کو دیکھ کر اس کے بیٹے نے کہا "پاپا! ممی کہاں ہیں؟" اس آواز نے اس کے ضبط کے بندھن کو توڑ دیا اور اس کی آنکھوں سے بے تحاشا پانی بہنے لگا۔ اخلاقی قدروں اور فطری اصولوں کی حد پھلانگنے اور مادی خواہشوں کے چکر میں انہیں ایسی زندگی سے پالا پڑ گیا تھا جہاں اب میاں بھی بیکار تھی۔ اس کی بیوی کی جان بچ گئی لیکن اب وہ ہمیشہ کے لئے اپاہج ہو گئی تھی! ۔

●●

عبدالباری صاحب
اللہ کو پیارے ہو گئے

یہ خبر تحریکی اور علمی حلقوں میں انتہائی رنج و غم کے ساتھ پڑھی جائے گی کہ رفیق محترم جناب عبدالباری صاحب کا ۱۲ مارچ [illegible] کو موسیٰ بنی میں انتقال ہو گیا۔ موصوف جماعت کے مخلص ترین لوگوں میں تھے۔ اتنا محنتی اور بے نفس آدمی کم ہی ہوتا ہے۔ شدید بیماری اور ضعف کے عالم میں بھی مراسلت کا سلسلہ نہ ٹوٹا۔ دوسروں سے ہر وقت خطوط کے جوابات لکھواتے رہے۔ صبر و ضبط اور عزم و ہمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ معلوم ہو جانے کے بعد بھی کہ سینہ پر کینسر کا زخم ہے ایک لمحہ کے لئے بھی کبھی افسردہ نہیں دیکھے گئے اور ایک آن بھی کام کی رفتار میں کمی نہیں آئی بلکہ تیزی آگئی۔ چھ سال قبل یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ انھیں کینسر کا مرض لاحق ہو گیا ہے معاون امیر حلقہ بہار کی ذمہ داری سے جماعت نے ازخود سبکدوش کر دیا اور اس خیال سے کہ وہ آرام کے ساتھ گھر پر کچھ لکھنے پڑھنے کا کام کرتے رہیں کچھ عنوانات تجویز کر دیئے۔ موصوف نے کمال محنت اور عرق ریزی سے اور دوڑ دھوپ کے ساتھ جماعت اسلامی بہار کی تاریخ مرتب کی۔ انیس الدین احمد صاحب مرحوم کی تحریکی زندگی اور آدی باسیوں کی تہذیب پر مبسوط کتابیں لکھیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی اسکیمیں بھی اسی بیماری کے دوران لکھی جو مرکزی مکتبہ سے شائع ہو کر منظر عام پر آچکی ہے اور بہار اردو اکادمی نے انھیں اس کتاب پر انعام بھی دیا۔ ماقبل الذکر تین کتابیں کچھ عرصے بعد مرکزی مکتبہ سے طبع ہو کر منظر عام پر ان شاء اللہ جلد آئیں گی۔ ان کتابوں کے علاوہ ان کے تاریخی، تحقیقی اور تاثراتی لمبے لمبے مضامین بکثرت اخبارات و رسائل میں شائع ہوتے رہے ہیں اور غالباً بہت سی غیر مطبوعہ چیزیں اب بھی ان کی فائل میں اشاعت کے لئے محفوظ ہیں۔

جماعت اسلامی ہند بہار نے جب یہ محسوس کیا کہ موصوف کسی طرح بھی آرام سے بیٹھنے والے نہیں تو دو سال قبل انھیں حلقہ بہار کی علاقائی زبان میں لٹریچر کی تیاری کی ذمہ داری سونپی اور بعد میں میقات رواں میں انھیں حلقہ کی سطح پر شعبہ دعوت کا انچارج مقرر کر دیا جس کے تحت موصوف نے بڑی لگن اور محنت سے کام شروع کر دیا۔ غیر مسلموں میں کام کو منظم کرنے کے لئے علاقائی و غیر علاقائی زبانوں میں لٹریچر کی تیاری، تقاریر کے ٹیپ، مقررین کی تیاری اور کارکنوں کی تربیت جیسے امور پر بھرپور منصوبہ بند کوششوں میں آخر دم تک لگے رہے اور انھوں نے تھوڑے سے عرصے میں غیر معمولی کام انجام دیئے۔ ایسی ضعیف العمری اور اتنی خراب صحت کے ساتھ اتنا کام کرتے ہوئے میں نے کسی کو نہیں دیکھا ہے۔ علمی و تحقیقی کام کرنے والے کم ہی لوگ ہوں گے جو موصوف کی طرح تحریک کی عملی سرگرمیوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے ہیں۔ مقامی سے لے کر مرکزی سطح تک ہر چھوٹا بڑا کام یکساں اہمیت، دلچسپی اور دلجمعی کے ساتھ مرحوم نے ہمیشہ انجام دیئے۔ جب بھی موصوف کو مرکز یا حلقہ نے کوئی ذمہ داری سونپی انھوں نے بروقت انجام دیا۔ چند سال تک تو مرکز جماعت میں ہر سال چند ماہ وقت دیتے رہے۔ حلقہ بہار کا نظم جب دو حصوں میں منقسم تھا تو شمالی بہار کے امیر حلقہ کی حیثیت سے بھی کام کیا اور جب منفرد رکن کی حیثیت سے موسیٰ بنی میں رہے تو دعوتی ربط، نظم و ضبط کی پابندی اور خدمت خلق وغیرہ میں ان کی طرز عمل مثالی رہا۔

حلقہ کی سطح پر شعبہ دعوت کے انچارج کی حیثیت سے اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود منفرد رکن اور مقامی یونٹ کے ایک کارکن کی حیثیت سے بھی اپنی ذمہ داریاں پوری پابندی کے ساتھ ادا کرتے رہے۔ اور اپنی ہر حیثیت میں الگ الگ رپورٹیں مرتب کر کے پابندی کے ساتھ وقت پر ارسال کرتے رہے۔ یہ ایک مثالی نمونہ ہے جو اس وقت تحریک کے حلقے میں مشکل ہی سے ملے گا۔ حلقہ بہار اور تقریباً تمام کل ہند سطح کے اجتماعات میں موصوف اجتماع گاہ اور شعبہ تعمیرات کے انچارج مقرر کئے گئے۔ تعمیرات کے کام میں موصوف کو غیر معمولی مہارت اور دلچسپی تھی چنانچہ "اجتماع گاہ کی تکنیک" نامی ان کا کتابچہ مرکزی مکتبہ سے شائع ہو چکا ہے۔ موصوف برابر ہی حلقہ بہار سے مجلس نمائندگان کے رکن اور حلقہ کی مجلس شوریٰ کے رکن منتخب ہوتے رہے۔

موصوف گزشتہ ماہ یرقان کے شکار ہوئے۔ شروع میں بخار کا علاج ہوتا رہا بعد میں مرض کی تشخیص ہوئی۔ نہ معلوم یہ یرقان عام طرز کا تھا یا کینسر ہی کی کوئی علامت تھی بہر حال یہ مرض الموت ثابت ہوا جس نے ہم سے ایک بہترین رفیق اور شفیق بزرگ چھین لیا۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر ہم راضی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ جنت الفردوس میں جگہ عنایت کرے اور ان کی تمام خدمات کا بہترین اجر عطا فرمائے۔ ہم سب کو ان کا نعم البدل عطا کرے اور ہم سب کو ان کے جیسا ہی مخلص اور اپنے دین کا جاں نثار بنائے۔ آمین۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے ورثاء کو صبر کی توفیق بخشے اور انھیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی سعادت نصیب کرے۔

محمد جعفر
پٹنہ

یورپ میں کلیسا کی فکری جکڑبندیوں کی ایک جھلک

مولانا سلطان احمد اصلاحی
علی گڑھ

موجودہ دور میں انسانوں کو مذہب سے دور اور اس کے دائرے کو محدود کرنے کا ایک بڑا سبب وہ فکری جکڑ بندیاں تھیں جو باشندگان یورپ پر کلیسا کے ذریعہ عائد کی گئیں جن کے نتیجے میں آزادی خیال اور آزادی فکر و نظر پوری مسیحی دنیا میں بالکل مفقود ہو کر رہ گئی تھی جس میں روحانی معاملات کو تو چھوڑیئے مادی دنیا کے سلسلے میں بھی کسی نئی اپج اور نئے خیال کو پیش کرنا اپنے تئیں موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ کیتھولک اور پروٹیسٹنٹ دونوں ہی کلیسائی عہدوں کے یورپ میں یہ چیز ہمیں بطور قدر مشترک کے نظر آتی ہے چنانچہ اوّل الذکر کے زمانۂ اثر و اقتدار میں بے دینی کی اصطلاح کی تعبیر و تشریح حد درجہ وسیع تھی جس کے نتیجے میں تمام کیتھولک ممالک میں "انکیوزیشن" کے جبر و استبداد کے پانچ سو سالہ زمانے میں آزادی فکر اور آزادی خیال کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ زبانی طور پر کسی ایسے خیال کا اظہار تو بُرا تھا ہی لیکن تحریری صورت میں تو اس کا اظہار بد سے بدتر نتائج کا حامل تھا۔ پریس سے جو کتاب بھی چھپ کر منظر عام پر آتی اس کے ایک ایک حرف کی جانچ کی جاتی جس کا واحد مقصد یہ ہوتا کہ کسی طرح سے اس میں ایسی کوئی چیز نکل آئے جسے کیتھولک عقیدے کے اصولوں کے خلاف قرار دیا جا سکے[1]۔ اس کے علاوہ انیسویں صدی کے نصف تک صورت یہ تھی کہ سائنسی ریسرچ و تحقیق کے اہمیت کے حامل ہر میدان میں بالکل بے بنیاد خیالات نے اپنا قبضہ جما رکھا تھا جنھیں کلیسا نے بائبل کی ناقابل خطا سند پر شک و شبہ سے بالاتر اور سر تا سر برحق گرداں رکھا تھا۔ کائنات کی پیدائش (Creation) اور ہبوط آدم (Fall of Man) کے یہودی تصورات جس کے ساتھ کفارہ (Redemption) کا عیسائی عقیدہ اٹوٹ طور پر جڑا ہوا تھا۔ اس کا نتیجہ تھا کہ آزادانہ تحقیق و تفتیش سے ارضیات (Geology)، حیوانیات (Zoology) اور انسانیات (Anthropology) کے مطالعے کو مستثنیٰ قرار دے دیا گیا تھا۔ اسی طرح بائبل کی لفظی تشریح کی بنیاد پر یہ حقیقت کسی مزید ثبوت کی محتاج نہ تھی کہ (زمین گول ہے) اور سورج زمین کے گرد گردش کرتا ہے۔ اسی طرح قطبین، قطب شمالی و قطب جنوبی کے نظرے کو کلیسا قابل ملامت تصور کرتا تھا[2]۔ علم الکیمیا (Chemistry) کو ایک شیطانی علم (Diabolical art) تصور کیا جاتا تھا جس کے متعلق ۱۳۱۷ء میں یورپ نے قابل ملامت ہونے کا فتویٰ صادر کر دیا تھا۔ اس طرح تیرہویں صدی میں راجر بیکن (Roger Bacon) جو اگرچہ قدامت پسندی کے لئے اپنے جوش و جذبے کا برابر اقرار کرتا رہتا تھا، لیکن اس کے باوجود اسے طویل مدت تک جیل کی ہوا کھانی پڑی اس کے لئے اس کے اندر سائنٹفک ریسرچ و تحقیق کا مضطربانہ جذبہ موجود تھا جو کہ اسے کسی صورت چین سے بیٹھنے نہیں دیتا تھا[3]۔

یہ حال تو رومن کیتھولک اقتدار کا تھا لیکن جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا پروٹسٹنٹ رفارمیشن کے بعد بھی صورت حال اس سے کچھ زیادہ بہتر نہ تھی اس لئے کہ اس کے زیر سایہ بھی آزادی اور فرد کے ذاتی فیصلے کے اختیار کا حق اسی طرح مفقود تھا جیسا کہ اس سے پہلے تھا۔ اصلاح (Reformation) کی یہ تحریک دراصل ہاتھوں کی تبدیلی سے عبارت تھی جس میں بجائے چرچ کے بائبل کی بالادستی قائم کر دی گئی تھی۔ اور بائبل بھی وہ جسے اس تحریک کے دو بڑے علمبرداروں لوتھر (Luther) اور کالون (Calvin) کی طرف سے برسر حق ہونے کی سند حاصل ہو۔ صداقت کے اجارہ دار کیتھولکوں کی طرح لوتھر بھی آزادی ضمیر اور عبادت و پرستش کی آزادی کا شدید مخالف تھا۔ بے دینوں کو زندہ جلانے اور ان کے تئیں کلیسا کے ظلم و ستم کے خلاف اس نے آواز ضرور بلند کی تھی لیکن یہ بات اس وقت کی ہے جب کہ اسے کلیسا کی طرف سے اپنے خلاف کارروائی کا اندیشہ تھا۔ لیکن اس خطرے کے ٹل جانے اور اقتدار اپنے قبضے میں آجانے کے بعد اس نے اپنے اصل خیالات کا اظہار کیا یعنی یہ کہ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں پر صحیح عقیدے کو بجبر لاگو اور 'بے دینی' کو دیس نکالا دے دے۔ جو کہ انتہائی قابل نفرت (abomination) چیز ہے۔ نیز یہ کہ دوسرے معاملات کی طرح

---

[1] سلسلے کے لئے ملاحظہ ہوں راقم الحروف کے مضامین: 'محدود تصور مذہب کا پس منظر' اور 'یورپ میں محکمۂ احتساب عقائد کے ستم خوردوں پر ایک نظر' مطبوعہ تحقیقات اسلامی، علی گڑھ اپریل و جولائی ۱۹۸۲ء۔ [2] A History of Freedom of Thought. P 47 [3] History of Torture Throughout the Ages P 74

مذہب کے سلسلے میں بھی وقت کے حکمراں کی لامحدود اطاعت کسی ملک کے عوام کے معین فرائض میں شامل ہے۔ مزید برآں ریاست کا منتہائے مقصود عقیدے کا دفاع اور اسے لاحق ہونے والے امکانی خطرات سے محفوظ رکھنا ہے۔ اس طرح ان کا خیال تھا کہ جو شخص بھی بپتسمہ لینے سے انکار کرے (Anabaptists) اسے تہہ تیغ کر دیا جانا چاہیے[11] اس سے بھی گیا گذرا معاملہ کالون (Calvin) کا تھا جو ریاست کو براہ راست چرچ کے قبضے میں رکھے جانے کا قائل تھا یعنی وہ طریق حکومت جسے عام طور پر تھیاکریسی (یعنی مذہبی مستبدانہ حکومت) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ چنانچہ جینوا میں اس نے اسے عملاً قائم کر دکھایا جس کے تحت ہر قسم کی آزادی کو بالکل کچل کر رکھ دیا گیا تھا اور مزعومہ عقائد باطلہ کو قید و بند، جلاوطنی اور سزائے موت کے ذریعہ ہا کر ختم کر دیا گیا تھا۔ بےدینی کے خلاف 'کالون' کے اس اعلان جنگ کی سب سے مشہور مثال وہ بدترین سزا ہے جس سے سرویٹس (Servetus) کو دوچار ہونا پڑا۔ اسپین کے اس باشندے نے 'تثلیث' کے عقیدے کے خلاف کچھ لکھا تھا۔ اس جرم کی پاداش میں اسے پہلے تو لیناس (Lyons) کی جیل میں بند کیا گیا جس میں خاصا بڑا دخل 'کالون' کی درپردہ سازشوں کا تھا۔ وہاں سے بھاگنے میں کامیاب ہو کر وہ بسرعت تمام جینوا پہنچا، جہاں اس پر بےدینی کے الزام میں مقدمہ چلا اور بالآخر ۱۵۵۳ء میں اسے شعلوں کی نذر کیے جانے کی سزا ملی، حالانکہ ضابطے میں جینوا کو اس پر کسی دار و گیر کا اختیار نہ تھا[12]

ان مثالوں کی روشنی میں یہ حقیقت بالکل بے مثال ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ کیتھولکوں کی طرح پروٹسٹنٹوں کے یہاں بھی اپنے تئیں نجات کی محصوریت کا عقیدہ، اس کی مخالفت کرنے والے کو مشترکہ طور پر ایک ہی انجام کا مستحق گردانتا تھا[13] چرچ کی طرح اصلاح کے ان علمبرداروں کے ہاں بھی آزادی کے لئے کوئی خانہ نہ تھا۔ انھیں دلچسپی صرف ایک چیز یعنی سچائی (Truth) سے تھی جو ظاہر ہے انھیں کے ساتھ مخصوص ہو سکتی تھی۔ اگر قرون وسطیٰ کا مطمح نظر یہ تھا کہ دنیا کو بےدینوں سے پاک و صاف کیا جائے تو پروٹسٹنٹ تحریک کا منتہائے مقصود یہ تھا کہ اپنی سرزمین سے ہر کسی زبان اعتراض دراز کرنے والے کو دور رکھا جائے[14] براعظم یورپ کے اصلاح کی یہ تحریک روشن خیالی (enlightment) کی بھی ویسی ہی مخالف تھی جیسی کہ یہ آزادی (فکر و نظر) اور سائنس کی مخالف تھی اگر یہ چیز بائبل سے کسی بھی درجے میں ٹکراتی نظر آتی تو یورپ کی طرح (لوتھر) کے یہاں بھی اس جرم کے مرتکب کے لئے جان بخشی کی کوئی صورت نہ تھی۔ یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ جرمنی میں علم و تحقیق کے کام کو کافی لمبا دھکا لگا تھا[15]

آگے بڑی بڑی علمی شخصیتوں اور سائنس کے میدان کے شہ سواروں کے ساتھ یورپ میں جو عبرتناک سلوک روا رکھا گیا اس سب کی خونداستان بھی ذرا بدلے ہوئے انداز میں کلیسا ہی کے سر عائد ہوتی ہے۔ سیونارولا (Savonarola) اسی طرح کا ایک شخص تھا جو شہر فلورنس Florence کی اصلاح کا متمنی اور اس کے تئیں صحیح طریق زندگی اپنانے کی تلقین کرتا تھا۔ ۱۴۹۸ء میں اسے سزائے موت دے دی گئی۔ پوپ الکزینڈر ششم کی زیر سرپرستی یہ کارنامہ انجام پایا جو ساتھ ہی اپنے وقت کا مشہور لوباش اور شہوت پرست (Profligate) تھا۔ اسی انجام سے جیارڈینو برونو (Giordano Burno) کو بھی دوچار ہونا پڑا۔ کوپرنیکس (Copernicus) کی اسی دریافت کو قبول کرتے ہوئے کہ زمین سورج کے گرد گردش کرتی ہے جب کہ کیتھولکوں کی طرح پروٹسٹنٹ لوگ بھی اس خیال کو یکساں طور پر مسترد قرار دے چکے تھے برونو نے ایک قدم اور آگے بڑھاتے ہوئے سورج کی مانند دیگر غیر متحرک سیاروں (fixed stars) کا خیال پیش کیا جن میں ہر ایک کے الگ الگ سیارے تھے اگرچہ انھیں دیکھا جا سکتا تھا۔ اٹلی کو خیرباد کہتے ہوئے جہاں بےدینی کے الزام میں اس پر شبہے کی نگاہیں ہر وقت لگی ہوئی تھیں، یکے بعد دیگرے اس نے سوئٹزرلینڈ، فرانس، انگلینڈ اور جرمنی میں رہائش اختیار کی۔ ۱۵۹۲ء میں ایک دوست نما دشمن کی ترغیب پر وہ وینس (Venice) لوٹنے کے لئے آمادہ ہو گیا جہاں انکیوزیشن کے فرمان کے بموجب اسے گرفتار کر لیا گیا۔ آخری طور پر اس پر روم (ROME) میں سزا کا نفاذ عمل میں آیا جہاں کمپوڈی فیری (Campode Fiori) میں ۱۶۰۰ء میں اسے نذر آتش کر دیا گیا[16] سب سے برا حال اس سلسلے میں جرمنی کا تھا جس کے حصے میں یہ بدقسمتی بڑے پیمانے پر آئی۔ بہتر معاملہ فرانس کا تھا جہاں نسبتاً آزادی کی فضا میں آدمی سانس لے سکتا تھا جو دراصل نتیجہ تھا ہنری چہارم (Henry IV) اور کارڈینل ریکیلیو (Richelieu) اور مازرن (Mazarin) جیسے متحمل مزاج اور اختلافات کو انگیز کرنے کی صلاحیت رکھنے والے حکمرانوں کا عہد سلطنت تھا جس کا سلسلہ تقریباً ۱۶۶۱ء تک جاری رہتا ہے۔ اس کے باوجود ۱۶۱۹ء میں تولوس (Toulous) میں ایک اطالوی عالم پر جو غریب 'برنو' کی طرح خود بھی پورے یورپ کا چکر لگا چکا تھا۔ بےدین اور کافر ہونے کا الزام لگا۔ اس کی زبان گدی سے کھینچ لی گئی اور اسے نذر آتش کر دیا گیا۔ ملکہ الیزبتھ اور جیمس اول کے عہد حکومت میں پروٹسٹنٹ برطانیہ بھی کسی

---

[11] A History of Freedom of Thought, P 58-59 [12] حوالہ سابق P 60 [13] حوالہ مذکور P 59 [14] حوالہ مذکور P 60
[15] حوالہ سابق P 61 [16] حوالہ مذکور P 64

پیچھے نہ تھا۔ یہ انہیں کے عہد زریں کی بات ہے جبکہ مشہور شاعر مارلو (Marlowe) پر بے دینی کا الزام لگا۔ البتہ یہ خوش قسمتی رہی کہ ابھی جب کہ اس کا مقدمہ جاری ہی تھا کہ ۱۵۹۳ء میں ایک شراب خانے کے سخت جھگڑے میں یہ مارا گیا۔ ایک دوسرا ڈرامہ نگار 'کیڈ' (Kyd) تھا اس پر بھی یہی الزام عائد ہوا اور معروف طریقے پر اس کی ایذا رسانی کی گئی۔ اسی وقت کی بات ہے سر والٹر ریلے (Sir Walter Relegh) پر بھی اسی الزام میں مقدمہ چلا البتہ سزا کے نفاذ سے وہ محفوظ رہا۔ لیکن دوسرے لوگ ان جیسے خوش قسمت نہ تھے۔ چنانچہ غیر مسیحی خیالات رکھنے کے جرم میں ملکہ الیزبتھ کے زمانے میں 'ناروک' (Norwich) میں تین یا چار افراد کو نذر آتش کیا گیا۔ انھی میں ایک فرانسیس کٹ (Francis Kett) بھی تھا جو کیمبرج میں کارپس کرسچی (Corpus Christi) میں بحیثیت اس کے ایک رفیق (Fellow) کے کام کر چکا تھا۔ جیمس اوّل کے زمانے میں بھی یہی صورت رہی جو اس طرح کے معاملات میں ذاتی طور پر دلچسپی رکھتا تھا۔ بارتھلیوگیٹ (Bartholmew legate) اسی زمانے کا ایک شخص تھا جس کے سلسلے میں الزام تھا کہ وہ بہت سے ہلاکت خیز خیالات کا قائل ہے بادشاہ سے اس کی انتہائی تلخ گفتگو کے بعد کافی عرصہ تک اسے نیوگیٹ (New gate) کی جیل میں رکھا گیا۔ اس کے بعد اس کے سلسلے میں یہ فیصلہ صادر کر دیا گیا کہ وہ ایسا بے دین ہے کہ اس کی اصلاح کی اب کوئی توقع نہیں چنانچہ ۱۶۱۲ء میں اسمتھ فلڈ (Smith Field) میں نذر آتش کر دیا گیا اس کے ایک ماہ بعد Wight man کو لیچ فلڈ میں جلا دیا گیا۔ یہ کارروائی بشپ آف کوونٹری (Bishop of Coventry) کے دہاں سے عمل میں آئی۔ اس شخص پر بھی یہی الزام تھا کہ اس کے بہت سے خیالات شریعت عیسوی کے خلاف ہیں[1]۔

خالص مادی امور و مسائل اور سائنسی علوم کے سلسلے میں بھی اصلاح شدہ پاپائیت کا رویہ کیتھولک استبداد سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھا جس کی مثال میں ابھی ابھی ذکر کردہ 'جیارڈنو برنو' کا بس نام لے دینا ہی کافی ہے۔ جدید علم ہیئت (Astronomy) کے بانی گلیلو (Galileo Galilei) کے ساتھ اس کا جو رویہ رہا وہ بھی کچھ کم عبرتناک نہیں ہے۔ اپنے مشاہدات کی روشنی میں اسے 'کوپرنیکس' کے مذکورہ خیال کے سلسلے میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہا تھا اور اس کے برحق ہونے کا اس نے برملا اعلان بھی کر دیا تھا۔ اپنے ٹیلی اسکوپ (Telescope) کی مدد سے اس نے مشتری سیارہ (Moon of Jupiter) کا پہلی بار انکشاف کیا نیز سورج کے اندر پائے جانے والے دھبوں (Spots) کے اس کے مشاہدے کی روشنی میں زمین کے گردش پذیر ہونے کے ایک حقیقت مسلمہ ہونے کے سلسلے میں اسے کوئی کلام نہ تھا۔ محکمہ تفتیش عقائد نے اس سے مطلع ہونے پر اس کی سرزنش کی اور ۱۶۱۶ء میں اس کی طرف سے گلیلو کے مذکورہ خیال کے متعلق 'فضول' اور 'ملحدانہ' ہونے کا فتویٰ صادر کر دیا گیا۔ بعد میں اگرچہ اس نے اپنی مشہور کتاب 'Dialogue' میں اس تصور کی وضاحت کے سلسلے میں کافی لیپا پوتی سے کام لیا، لیکن اس کے باوجود اس کو چھٹکارا نصیب نہ ہوا۔ ۱۶۳۲ء میں اس کتاب کے منظر عام پر آنے کے ساتھ ہی مذکورہ محکمہ کی طرف اسے وہاں حاضری کا پروانہ ملا۔ خیر سے وہاں اس کے کچھ ہمدردوں کی موجودگی سے اس کی جان تو بچ گئی لیکن بہرحال وہ اس کے ساتھ حد درجہ اہانت آمیز سلوک اپنائے جانے سے بچانے کے سلسلے میں کچھ بھی مددگار اور معاون نہ بن سکے[2]۔ جہاں تک اس کی دیگر کتابوں کے تئیں یورپ کے استقبال کا سوال ہے تو اس کے سلسلے میں صرف اس بات کا علم میں آجانا کافی ہے کہ ۱۸۳۵ء تک وہ یورپ کی ممنوعہ کتابوں میں شامل تھیں[3]۔ یہ بھی انیسوی صدی کے اوائل کی بات ہے جب رچرڈ کارلائل (Richard Carlile) کو پین (Paine) کی کتاب (Age of Reason) کو تقسیم کرنے کی جرم میں نو سال تک قید و بند کی صعوبت برداشت کرنی پڑی[4]۔ پریس پر پابندی (Censorship) کی ایجاد کا سہرا بھی کلیسا ہی کے سر ہے جو پوپ الکزنڈر ششم کے ایک فرمان کے ذریعہ ۱۵۰۱ء میں وجود میں آیا۔ اسی طرح فرانس میں شاہ ہنری دوم نے سرکاری اجازت کے بغیر کسی چیز کی طباعت و اشاعت کو قابل تعزیر جرم قرار دے رکھا تھا جس کا ارتکاب کرنے والا سزائے موت کا مستحق تھا۔ ۱۵۲۹ء تک جرمنی میں بھی سنسر شپ لاگو کی جا چکی تھی۔ روشن خیالی کے علمبردار 'انگلینڈ میں' ملکہ الیزبتھ کے عہد سلطنت میں حکومت کے لائسنس کے بغیر کوئی کتاب چھاپی نہیں جا سکتی تھی۔ پریس لگانے کی اجازت بھی صرف لندن، آکسفورڈ اور کیمبرج کے ساتھ مخصوص تھی۔ سرزمین یورپ میں پریس پر پابندی کا یہ سلسلہ انیسوی صدی تک جاری رہتا ہے، اس کے بعد ہی اسے حقیقی معنوں میں آزادی نصیب ہوتی ہے[5] اور کون نہیں جانتا کہ بالواسطہ طور پر ان تمام کارروائیوں کی ذمہ داری کلیسا کے سر عائد ہوتی ہے۔

سرزمین یورپ میں مسیحیت کے علمبرداروں کی یہی کارگذاریاں تھیں جن کے نتیجے میں اس نے 'عیسائیت' کو انسانیت کی ترقی کی راہ کا سب سے بڑا روڑا (Stumbling Block) سمجھا۔ اور عقیدت و احترام تو کجا اپنی مقدس کتابوں کو اس نے اپنی اخلاقی اور علمی

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب مذکورہ صفحات ۶۴، ۶۵۔ [2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب مذکور صفحات ۶۷ تا ۷۰۔ [3] حوالہ سابق صفحہ ۶۹ تا ۷۰۔
[4] Religion as a bar to Progress P 34 [5] A History of Freedom of Thought P 39

بقیہ صفحہ ۱۲ پر

غزل

محمد فاروق خاں فراز

شیشۂ دل میں جو اترو تو کوئی بات بنے
شبنمی رات میں نکھرو تو کوئی بات بنے

برقِ تاباں کی طرح دل سے گذر جاتے ہو
دو گھڑی کے لئے ٹھہرو تو کوئی بات بنے

بن کے نایاب گہر اشک رواں کے قطرے
ان کے دامن پہ جو بکھرو تو کوئی بات بنے

موج دریا کی طرح جنبشِ طوفاں کی طرح
بحرِ ہستی میں جو ابھرو تو کوئی بات بنے

بن کے نغمات محبت کے لبوں سے چھلکو
اپنی ہستی سے جو گذرو تو کوئی بات بنے

کہکشانوں میں تو دیکھا ہے تمہیں پچھلے پہر
میرے اشعار میں نکھرو تو کوئی بات بنے

عشق ہے ایک بلا جاں کے لئے یوں تو فراز
اس کے معیار پر اترو تو کوئی بات بنے

رمضان المبارک

آفتاب عالم تابش آروی

کوئی کیا جانے ہے کیا ماہِ صیام و رمضان
شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن

لائق تعظیم بجا قدر بہت دل سے کریں
آئے ایام ہیں یہ چند بطورِ مہمان

یازدہ ماہ سنواری جو گئی ہے جنت
اس کو پانے کو کرے کیوں نہ مسلماں ارمان

ذکرِ معبود زباں پر رہے ہر صبح و شام
خواہش نفس کی جانب نہ ہو مطلق رجحان

ترک ہرگز نہ کسی حال میں ہوں صوم و صلوٰۃ
گر ہے مقصود رضامندی خلاقِ زمان

آؤ ہم عہد یہ ہم حسنِ عمل کا کرلیں
مجتنب جرم و خطا سے رہیں حتی الامکان

ہے توقع ہمیں بخشش کی خدا سے تابش
اس قدر پختہ اگرچہ نہیں اپنا ایمان

بصائر و حقائق

قمر رام نگری

کبھی زمانے کو اپنے بدل نہیں سکتا
جو دیں کی راہ میں دو گام چل نہیں سکتا

بجھائے لاکھ کوئی شمع حق مگر نہ بجھے
چراغ کفر کسی طرح جل نہیں سکتا

خدا جسے نہ جس کے قدم یقیں جانو
وہ ڈگمگا کے گرے گا سنبھل نہیں سکتا

زمانہ اس پہ ہے شاہد اور اپنا بھی ہے یقیں
بہت دنوں شجر ظلم پھل نہیں سکتا

سوائے یادِ الٰہی بجز خیال نبیؐ
کسی طرح دلِ مومن بہل نہیں سکتا

نہیں ہیں پھول کوئی ہم ہیں پیکر آہن
جو چاہے کوئی مسلنا مسل نہیں سکتا

بنالو سنت نبوی کو رہنما اپنا
رہ ہدیٰ سے قدم پھر پھسل نہیں سکتا

قمرؔ جو مومن صادق ہے وہ قیامت تک
شعار غیر کے سانچے میں ڈھل نہیں سکتا

صفحہ

رغ کا سالن

منور سلطانہ

ریاض میرے لال! کہاں جارہے ہو؟"
سے پاس بلاکر پوچھا۔
اض، "بازار تک جارہا ہوں۔ تِتے سال
ڈر لانے ہیں۔"
ں! "اچھا لے آؤ، لیکن اس بات کا
ہے کہ اس میں تصاویر نہ ہوں۔ کیونکہ جس
صاویر ہوتی ہیں وہاں رحمت کے فرشتے
تے۔"
بہت اچھا امی جان! میں ایسا ہی
"

یاض نے جاتے ہوئے کہا۔ آج کچھ
ہ کے باعث امی تھک چکی تھیں۔ اس
ارپائی پر لیٹ گئیں لیکن فوراً ہی
ال آیا کہ کہیں ماما مرغ کا پلاؤ اور سالن
ہ وقت خراب نہ کردے۔ اس خیال
ی وہ اٹھ کر باورچی خانے کی طرف بڑھیں
ے پر ایک غریب ہمسایہ کو ہاتھ میں پیالہ
ے پایا۔
بی بی جی سلام" ہمسائی نے ماتھے پر
ر لجاجت آمیز لہجے میں کہا؛ جواب میں
می تیزی سے باورچی خانے میں چلی گئیں۔
ریباً ایک گھنٹہ بعد باہر نکلیں تو ہمسائی
رح کھڑے دیکھ کر کمال بے پروائی سے
لیا بات ہے۔ کیوں کھڑی ہو؟"
بی بی جی . . . ." وہ کچھ کہتے کہتے رک
رہ امی کا خشمگیں چہرہ دیکھ کر مرعوب

جلدی سے بات کرو میرے پاس زیادہ وقت
" امی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔
جی وہ ڈرتے اور جھجکتے ہوئے بولی بیبیسے
کل سے سالن نہیں کھا سکی۔ میرے بچے
در ہے ہیں۔ تھوڑا سالن ہو تو عنایت
"

"سالن؟" امی نے نفرت سے کہا "میں تمھارے لئے سالن لئے بیٹھی ہوں، جاؤ یہاں سے کوئی نہیں ہے یہاں سالن والن، بے حیاؤں کو مانگتے ہوئے شرم بھی نہیں آتی" وہ بڑبڑاتے ہوئے کمرے کی طرف جانے لگیں۔

یہ سن کر اس غریب کے دل پر زبردست چوٹ لگی۔ اس کی آنکھیں پرنم ہوگئیں۔ آہ غریبی، اس نے دل میں سوچا، اس کی وجہ سے کیا کچھ سننا پڑا۔ وہ مزید ایک لفظ کہے بغیر الٹے پاؤں واپس چلی گئی۔

ریاض کی بہن فخر، یہ سارا واقعہ کمرے میں بیٹھی دیکھ اور سن رہی تھی۔ امی نے جاتے ہی اس سے کہا؛ "فخر! تم نے دیکھا، یہ سالن لینے آئی تھی، ان بے غیرتوں کو کسی کے یہاں آتے شرم بھی نہیں آتی، باسی سالن ہوتا، تو شاید میں اسے دے دیتی، تازہ کون دیتا ہے، پھر آج تو مرغ کا سالن اور پلاؤ پکوا رہی ہوں، بھلا یہ کیسے دے دیتی۔ اچھا کیا جو آج جواب دے دیا ہے، پھر آئندہ کبھی آنے کا نام تو نہ لے گی" امی نے مسکراتے ہوئے فخریہ لہجے میں کہا فخر جو ہمسائی کے حد درجہ غمگین چہرے اور ماں کے بے دردی کے سلوک سے بے حد متاثر ہوئی تھی یہ باتیں سن کر بھرائی ہوئی آواز میں بولی، "امی! مجھے آپ کی رائے سے بالکل اتفاق نہیں ہے۔ آپ نے اسے جھڑک کر اس کے دل کو ٹھیس لگائی اور خداوند کریم کو الگ ناراض کیا۔ مجھے آج کچھ کھانے کو نہ دیں۔ لیکن ہمسائی کو بھیج دیں۔ کیونکہ . . . ."

"نا بیٹی نا" امی بات کاٹ کر بولیں "تم سے کوئی بات کہے، لو اور سنو، مجھے ہی سمجھانے لگیں۔ یہ بھی زمانہ آنا تھا کہ بیٹیاں ماؤں کو عقل دیں۔"

(غصے سے) "تمہارا نہیں کچھ کھانے کو جی چاہتا، تو نہ کھاؤ، تمھیں کون زبردستی دے رہا ہے۔ تمہارا باپ لوگوں کے لئے نہیں کماتا پھرتا"

فخر یہ سن کر خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی اور خاموشی سے باہر نکل گئی۔ ریاض کو صحن میں پھرتے دیکھ کر امی نے اسے بلایا۔

"بیٹا کیلنڈر لے آئے؟"

ریاض: جی ہاں! یہ دیکھئے دیواروں پر بھی لگا دیئے ہیں ان دونوں پر ایک ایک حدیث بھی لکھی ہوئی ہے پڑھیئے نا ذرا۔"

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سچا مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان ایذا نہ پائیں۔

دوسری یہ ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ایمان نہیں رکھتا، جو خود تو پیٹ بھر کر کھالے اور اس کا ہمسایہ اس کے پہلو میں بھوکا رہ جائے۔"

یہ سنتے ہی امی شرم سے پانی پانی ہوگئیں۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، جن کے متعلق امی کا دعویٰ تھا کہ وہ مجھے دنیا کی ہر شے سے پیارے ہیں، ابھی ابھی ان ہی کے فرمان کے خلاف امی نے عمل کیا تھا۔ اف میرے خدایا! میں کتنی بڑی گنہگار ہوں۔ امی بڑبڑائیں میں نے اپنی زبان سے اس بے چاری کے دل پر چوٹ لگائی۔ استغفر اللہ! یہ میں نے کتنا برا کام کیا۔ میری ہمسائی دانے دانے کو ترسے اور میں پلاؤ، قورمہ اڑاؤں، اگر وہ کچھ مانگیں تو ذلت سے دھتکار دوں، صرف پانچ نمازیں پڑھ کر اور رمضان میں روزے رکھ کر جنت میں جانے کی امید رکھوں ہائے میں کیسے بخشی جاؤں گی۔" اس زبردست احساس سے ان کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ کتنی ہی دیر وہ روتی رہیں۔ پھر یکایک اس محویت کے عالم سے چونکیں۔

فخر! اری فخر ادھر آ بیٹی" امی نے آواز دی

فخر (آکر) کیا کہا امی جان آپ نے"

"بیٹی تو واقعی سچ کہہ رہی تھی۔ واقعی آج میں نے ہمسائی کا دل دکھا کر خدا کی ناراضگی مول لی۔ جلدی سے ایک تھال پلاؤ کا بھر کر اور ایک ڈونگہ سالن سے بھر کر اور کچھ روٹیاں اپنی غریب ہمسائی کے یہاں بھیج دو۔"

فخر کو تو جیسے اپنے ہاتھوں پر یقین نہ آیا وہ حیرت سے بت بنی ماں کے چہرے کی طرف دیکھنے لگی۔

"جلدی کر دو بیٹی دیکھ کیا رہی ہو خدا جانے میرے سلوک کی وجہ سے اس بے چاری کے دل پر کیا گزر رہی ہوگی" فخر کو تو جیسے قارون کا خزانہ ہاتھ آگیا ہو۔ وہ یہ سن کر خوشی سے پھولی سمائی اور فوراً سب چیزیں ٹرے میں خوب سجا کر ہمسائی کے یہاں بھیج دیں۔

نیا وژن

محمود عالم
پٹنہ

اسلام تمدنی ارتقا اور سائنسی ایجادات کا مخالف نہیں حامی ہے۔ سائنسی انکشافات اسلامی نظریات کی تائید ہی کرتے ہیں اس کی تردید نہیں کرتے۔ اسی طرح اسلام میں علوم وفنون اور سائنسی ایجادات کو عام کرنے کی ترغیب تو ملتی ہے اس کی مخالفت کا کوئی پہلو کسی بھی شکل میں نہیں ملتا۔ تاریخ شاہد ہے کہ علم پر ایک خاص طبقہ کی اجارہ داری کو سب سے پہلے اسلام ہی نے ختم کیا ہے اور تحصیل علم کے دروازے تمام انسانوں کے لئے کھولنے کی ابتدا نزول قرآن مجید کے ساتھ ہی ہوئی ہے۔

تحصیل علم کی فضیلت سے احادیث کے تمام مجموعے بھرے ہیں۔ خود قرآن پاک میں بار بار کائنات پر غور و فکر کرنے اور آفاق وانفس میں پائے جانے والے براہین و دلائل پر تدبر کرنے کی تاکید ملتی ہے۔ قرآن پاک کے مطابق انسان کی سرشت میں کائنات کے اسرار اور اشیاء کی حقیقت تک پہنچنے کی بنیادی خوبی اور تسخیر کائنات کی صلاحیت موجود ہے۔

اس وسیع کائنات میں انسان اپنی جسامت کے لحاظ سے اسی طرح حقیر ہے جس طرح نالی کا ایک کیڑا۔ یا شاید اس سے بھی زیادہ بے حقیقت۔ لیکن دیگر جاندار کے مقابلے میں انسان کے اندر اختراع و ایجاد کی لامحدود صلاحیت پیدا فرما کر اور اسے علم کی دولت سے نواز کر اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی اکثر مخلوقات پر فضیلت بخشی ہے اور اس لحاظ سے انسان اپنے آپ کو اشرف المخلوقات سمجھنے میں حق بجانب ہے۔

سائنس کی بنیاد اگرچہ مسلمانوں کے زمانہ عروج میں پڑ چکی تھی لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اہل یورپ نے جو مسلمان سائنسدانوں کو اپنا استاد تسلیم کرتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں کافی ترقی کی ہے اور گذشتہ دو صدیوں میں سائنسی علوم کے مختلف شعبوں میں جو حیرت انگیز تیز رفتاری سے ترقی ہوئی ہے وہ یورپ کی نشاۃ ثانیہ اور مغربی اقوام کی حد درجہ یکسوئی جفاکشی اور علم وفن کے ساتھ ان کی غایت درجہ انہماک کا نتیجہ ہے۔ اس میدان میں اہل مغرب اس قدر آگے بڑھ چکے ہیں کہ اہل مشرق کو ان سے استفادہ کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔

تمدنی ارتقا اور سائنسی ایجادات کا تہذیبی اقدار سے گہرا تعلق ہے۔ تمدن کو اعلیٰ انسانی قدروں کا پابند نہ بنایا جائے تو انسانی معاشرے کے لئے وہ ایک مصیبت بن جاتا ہے۔ سائنسی ایجادات کے محرکات کو تعمیری رخ دینا اور ان کے استعمال کے لئے صحیح سمت کا تعین انسانی معاشرے کی بھلائی کے لئے ناگزیر ہے۔ اسلامی تہذیب تمدنی ارتقا کو ایک تعمیری جہت عطا کرتی ہے جب کہ مغربی لادینی تہذیب نے تمدنی ارتقا کو بے لگام چھوڑ رکھا ہے۔ آج ایٹمی جنگ اور اسٹار وار کے خطرات اس لئے درپیش ہیں کہ مغربی تہذیب نے روحانی قدروں کا گلا گھونٹ کر مغربی اقوام کو بالخصوص اور عام انسانی آبادی کو بالعموم حد درجہ بے رحم، خود غرض اور سفاک بنا دیا ہے۔ زہریلی شراب بنانے والوں کو سزا دی جاسکتی ہے کیونکہ وہ چند نفوس پر مشتمل ہیں لیکن حد درجہ خطرناک اور مہلک ترین ہتھیار بنانے بیچنے والوں کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا جاسکتا کیونکہ وہ اقوام متحدہ میں سوپر پاور کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کی فرعونیت کے سامنے دیگر اقوام بے بس اور کمزور نظر آتے ہیں۔

اسلام دین رحمت ہے۔ وہ تمدنی ارتقا کو انسانیت کے لئے انتہائی مفید بنانا چاہتا ہے۔ وہ اختراع و ایجاد کو تعمیری رخ دینے کے ساتھ ساتھ اس کے مناسب استعمال پر زور دیتا ہے۔ وہ تمام ایجادات کو بنی نوع انسان کیلئے مفید اور باعث خیر دیکھنا چاہتا ہے اور اس کے غلط استعمال کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں دیتا۔

دیگر ایجادات کی طرح پریس، ریڈیو، سینما اور ٹیلی ویژن کی ایجاد نے انسانی معاشرے کو حد درجہ متاثر کیا ہے۔ اس کے مفید استعمال نے انسانی علوم میں بے پناہ اضافہ اور ذہنی ارتقا میں حیرت انگیز تیز رفتاری پیدا کردی ہے۔ ان ایجادات سے فائدہ نہ اٹھانا اور انہیں شجر ممنوعہ سمجھ کر ان سے پرہیز کرنا واقعتاً رجعت پسندی ہے۔ لیکن حکومت اور تمدن کی باگڈور جن ہاتھوں میں ہے وہ ان تمام ذرائع ابلاغ کو نقصان دہ اور غلط مقاصد کے لئے استعمال کر رہے ہیں کہ ان سے انسانیت کی تعمی

کے بجائے تخریب کا کام لیا جا رہا ہے۔ فحاشی، عریانیت، خود غرضی، دہشت پسندی اور دیگر منکرات اور جرائم کو فروغ دینے اور عام کرنے میں ان اداروں کا نمایاں کردار رہا ہے۔ صالح، تعمیری انسانی اقدار کو جس طرح ان ذرائع کے ذریعہ پامال کیا گیا ہے اس کی مثال دوسری جگہ مشکل ہی سے مل سکے گی۔ علمائے کرام کی گرفت مسلم معاشرہ پر اب ایسی نہیں رہی کہ جس چیز کی حرمت کا وہ فتویٰ صادر فرما دیں مسلم عوام اس سے یکسر ہاتھ روک لیں۔ فحاشی اور عریانیت کی وجہ سے سینما کی حرمت کا فتویٰ دیا گیا تھا لیکن جیسے جیسے یہ چیزیں معاشرے میں عام ہوتی گئیں مسلم معاشرہ بھی رفتہ رفتہ اسے قبول کرتا چلا گیا۔ اور اب فحاشی، عریانیت اور بے پردگی کے معاملے میں مسلم معاشرہ اس قدر حساس نہیں رہا کہ وہ ان چیزوں کے خلاف احتجاج کر سکے۔ الا ماشاءاللہ۔

جب تک کوئی معاشرہ اپنی بنیادی اقدار کے معاملے میں حساس رہتا ہے بیرونی تہذیبی یلغار اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی لیکن جیسے ہی اس پر بے حسی طاری ہوتی ہے اکثریت کی تہذیب و ثقافت کا سیلاب اس معاشرے کی اقدار کو تنکے کی طرح بہالے جاتا ہے۔ یہ امر انتہائی افسوسناک اور تشویشناک ہے کہ اکثر مسلم گھرانوں میں "رامائن" بڑے ذوق و شوق سے دیکھا گیا۔ اب مسلمانوں کو وعظ اور میلاد النبیؐ کی محفلوں میں شرکت سے جی گھبراتا ہے۔ تبلیغی اور دعوتی اجتماعات کی شرکت میں انہیں وقت کی بربادی کا احساس ہوتا ہے لیکن دن بھر کرکٹ ٹیسٹ کا آنکھوں دیکھا حال ریڈیو پر سننے اور ٹیلی ویژن پر دیکھنے کے لئے ٹی وی سیٹ کے پاس نہایت ادب کے ساتھ بیٹھتے ہیں اور انہیں ڈاکٹروں کی ہدایت بھی یاد نہیں رہتی کہ کم سے کم کتنے فاصلے سے اسے دیکھنا چاہیئے۔

یوں کہنے کو تو ہمارا ملک سیکولر ہے لیکن آرٹ، کلچر اور قومی سبھیتا کے نام پر مختلف عنوان سے ہمارے یہ ذرائع ابلاغ ایک خاص طبقہ کے عقاید اور مذہبی نظریات کی تبلیغ و اشاعت کر رہے ہیں اور اگر کبھی بھولے سے مسلم معاشرے سے متعلق کوئی پروگرام پیش کرتے ہیں تو اس میں اس کی تضحیک کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔

ٹیلی ویژن پروگرام کے ذریعہ جو تہذیبی یلغار کی جا رہی ہے اس کے خلاف کوئی آواز کسی گوشے سے اٹھتی سنائی نہیں دیتی۔ بابری مسجد، یکساں سول کوڈ اور فرقہ وارانہ فسادات کے مسئلے نے ہمارے ذہنوں کو اس طرح الجھا دیا ہے کہ ان مسائل کے مقابلے میں دیگر مسائل زیادہ اہم محسوس نہیں ہوتے۔ اور اس کی طرف ہماری توجہ کم ہی ہوتی ہے کہ کس طرح درسی کتابوں، اخبارات و رسائل ریڈیو، سینما اور ٹیلی ویژن پروگرام کے ذریعہ ہمارے عقاید و نظریات کی بیخ کنی کی جا رہی ہے اور کس طرح تہذیبی یلغار کے ذریعے ہماری نئی نسل کو اسلامی قدروں سے دور کیا جا رہا ہے۔

موجودہ عہد کی تہذیبی یلغار کی مثال مشرکین مکہ کی ان کوششوں سے دی جا سکتی ہے جو انہوں نے قرآن پاک اور اسلام کے خلاف کی تھیں۔ قرآن پاک نے ان کی ان باتوں کو "لہو الحدیث" کے بلیغ الفاظ میں بیان کرکے ان کی حقیقت واضح کر دی ہے۔ سورہ لقمان میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

ومن الناس من یشتری لھو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ بغیر علم ویتخذھا ھزوًا اولٰئک لھم عذاب مھین ۝ (لقمان-۶)

"اور انسانوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو کلام دلفریب (لہو الحدیث) خرید کر لاتا ہے تاکہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے بغیر علم کے بھٹکائے اور اس راستے کی دعوت کو مذاق میں اڑا دے۔ ایسے لوگوں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔"

اس جامع آیت میں کفار و مشرکین کے جس طرز عمل کی مذمت کی گئی ہے اور جس پر انہیں ذلیل کرنے والے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے اسے سمجھنے کے لئے اس آیت کی شان نزول پر غور کرنا ضروری ہے۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کفار مکہ کی مخالفت کے باوجود پھیلتی رہی اور قرآن پاک کی کشش سے لوگ متاثر ہوتے رہے تو نضر بن حارث نے قریش کے لوگوں سے کہا کہ جس طرح تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مقابلہ کر رہے ہو اس طرح تم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بچپن سے اب ادھیڑ عمر کو پہنچے، آج تک وہ اپنے اخلاق میں سب سے بہتر آدمی شمار کئے جاتے رہے۔ سب انہیں امین اور صادق کے لقب سے جانتے ہیں۔ اب تم یہ الزام لگاتے ہو کہ وہ (نعوذ باللہ) کاہن ہیں، ساحر ہیں، شاعر ہیں، مجنوں ہیں آخر ان باتوں پر کون یقین کرے گا۔ ان الزامات میں سے آخر کون سا الزام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر چسپاں ہوتا ہے کہ تم اس کا یقین دلاکر عوام کو ان کی طرف سے روک سکوگے۔ ٹھہرو، ان کا مقابلہ میں کرتا ہوں۔ نضر بن حارث مکہ سے عراق گیا اور وہاں سے شاہان عجم کے قصے اور رستم و اسفندیار کی داستانیں خرید لایا اس نے قصہ گوئی کی محفلیں برپا کرنا شروع کر دیں تاکہ لوگوں کی توجہ قرآن پاک سے ہٹے اور وہ ان کہانیوں میں کھو جائیں۔ ابن عباس کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نضر بن حارث نے اس مقصد کے لئے گانے والی خوبصورت لونڈیاں بھی خریدی تھیں جس کے متعلق وہ سنتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں سے متاثر ہو رہا ہے اس پر اپنی ایک لونڈی مسلط کر دیتا کہ وہ اسے اپنے دام فریب میں اس طرح گرفتار رکھے کہ وہ کسی دوسری طرف متوجہ نہ ہو سکے۔

قرآن پاک کی مذکورہ آیت پر غور کیجئے اور نئی جاہلیت کے

علم برداروں کو دیکھئے کہ وہ عوام کو کھیل تماشوں تفریحی فلموں اور پروگرام میں اس طرح مشغول رکھنا چاہتے ہیں کہ وہ ملک کے سیاسی سماجی اور معاشی مسائل پر غور و فکر نہ کر سکیں اور انہیں احساس بھی نہ ہو کہ ملک و قوم کو کس تباہی کی طرف لے جایا جا رہا ہے۔

آج ٹیلی ویژن پروگرام کے ذریعہ عوام کے ذہنوں کو جس طرح مفلوج بنایا جا رہا ہے اور مسلمانوں کے مذہبی عقائد اور نظریات کو بدلنے کی جو کوشش کی جا رہی ہے اس سے ہر خاص و عام واقف ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دوردرشن کے پاس کوئی اخلاقی ضابطہ نہیں ہے عریاں فلمیں بھی پیش کرنے سے اس لئے دریغ نہیں کرتا کہ اس میں اس کا تجارتی فائدہ ہے۔

بلاشبہ ٹیلی ویژن کے بعض پروگرام مفید ہوتے ہیں اور تازہ ترین خبروں کے لئے اس کی افادیت مسلم ہے۔ لیکن اس کے اکثر پروگرام محض تفریحی اور بعض مخرب اخلاق اور بعض ایمان و یقین کے لئے انتہائی مضر ہیں۔ ہمیں کوئی مجبور نہیں کرتا کہ ہم اس کے تمام پروگرام دیکھیں۔ لیکن اس کا شعور کتنے مسلمانوں کو ہے کہ کس پروگرام کے پیچھے کیا مقصد پوشیدہ ہے اور شرعی اعتبار سے کس کی کیا حیثیت ہے۔ کس پروگرام کو دیکھنا معصیت ہے اور کون سے پروگرام کفر سے قریب کرنے والے ہیں اور کن حالات میں بعض جائز تفریحی پروگرام ناجائز یا کم از کم مکروہ بن جاتے ہیں۔

فقہا اور مفسرین کی اصطلاح میں "لہوالحدیث" سے مراد وہ چیزیں ہیں جو انسان کو ضروری کاموں مثلاً روزہ نماز اللہ کی دیگر عبادت اور یاد سے غفلت میں ڈالیں۔ اس کا اطلاق ہر قسم کی فضول اور بیہودہ باتوں پر ہوتا ہے اور ہر ایسے کام کو لہوالحدیث کہا جا سکتا ہے جس کا نہ تو دنیا میں کوئی فائدہ ہو اور نہ دین میں۔

اسلام نے اجنبی عورتوں کا گانا مردوں کے لئے سننا قطعاً حرام قرار دیا ہے اسی طرح گانے والی لونڈی کی خرید و فروخت کو حرام کیا گیا ہے۔

ایک مرسل حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کا ہر "لہو" باطل ہے سوائے تین چیزوں کے ایک یہ کہ تم تیر کمان سے کھیلو، دوسرے اپنے گھوڑے سے کھیلو، تیسرے اپنی بیوی کے ساتھ کھیلو۔ (مستدرک حاکم بروایت حضرت ابوہریرہؓ)

یہ تینوں چیزیں بظاہر "لہو" ہیں حقیقت میں یہ "لہو" نہیں ہیں اس لئے ان کی اجازت دی گئی ہے۔ تیراندازی اور گھوڑے کو سدھانا جہاد کی تیاری میں داخل ہے اور بیوی کے ساتھ "لہو" توالد و تناسل کے مقصد کی تکمیل ہے۔ اس اعتبار سے یہ حقیقتاً لہو نہیں۔ کہیں کوئی انتہا پسندی میں اسے خلاف تقویٰ نہ سمجھے اس لئے حضورؐ نے اس کی اجازت دے کر اس کی وضاحت فرما دی۔ مذموم ہونے کے لحاظ سے "لہو" کے مختلف درجات ہیں۔

۱۔ جو کھیل دین سے گمراہ کرنے کا ذریعہ بنے وہ کفر ہے۔

۲۔ جو کام انسان کو کسی معصیت میں مبتلا کر دے وہ کفر تو نہیں مگر حرام اور سخت گناہ ہے۔ جیسے وہ تمام کھیل جو قمار اور جوا میں شمار کئے جاتے ہیں یا جو انسان کو فرائض نماز روزہ وغیرہ سے روک دے۔ گناہ، فحاشی اور جرائم پر ابھارنے والے ناول افسانے اشعار وغیرہ ان سب کا لکھنا پڑھنا معصیت ہے۔

۳۔ جن کھیلوں میں نہ کفر ہے نہ کوئی کھلی ہوئی معصیت وہ مکروہ ہیں کہ ایک بے فائدہ کام میں اپنی توانائی اور وقت ضائع کرنا ہے۔

بعض کھیل ایسے ہیں جن کی صراحتاً ممانعت آئی ہے مثلاً شطرنج، چوسر، کبوتر بازی، گانا اور طبلہ اور سارنگی سننا وغیرہ۔ یہ سب حرام ہیں۔ مردوں کا محض خوش الحانی کے ساتھ اشعار پڑھنا اور سننا بشرطیکہ کلام فحش نہ ہو یا گناہ پر مشتمل نہ ہو جائز ہے۔ عورتوں کے لئے عورتوں کا گانا طبلہ سارنگی وغیرہ کے بغیر سننا جائز ہے بشرطیکہ فحش نہ ہو۔

مباح اور جائز کھیلوں میں وہ کھیل شمار ہوتے ہیں جو بدن کی ورزش، صحت اور تندرستی باقی رکھنے کے لئے یا کسی دینی و دنیوی ضرورت یا کم از کم طبیعت کی تکان دور کرنے کے لئے ہوں اور ان میں غلو نہ کیا جائے کہ ان کو مشغلہ بنا لیا جائے اور ضروری کاموں میں حرج پڑنے لگے۔ جائز اور مباح کھیل اگر دینی ضرورت کی نیت سے ہو تو وہ کار ثواب بھی ہے۔

مذکورہ بالا توضیح کی روشنی میں ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ شرعی اعتبار سے ٹیلی ویژن پروگرام کی حیثیت کیا ہے اور اس معاملے میں ہمیں کس قدر محتاط اور حساس رہنا چاہیئے۔

اگر ہم ٹیلی ویژن پروگرام کے سلسلے میں شرعی حدود کا لحاظ کرتے رہے تو ہم اس کے مضر اثرات سے خود کو اور آئندہ نسل کو محفوظ رکھ سکیں گے۔ ٹیلی ویژن کے ذریعہ جو تہذیبی یلغار ہو رہی ہے اس کا مقابلہ کر کے اپنی مثبت کوششوں سے اس کے پروگرام کو مفید اور کارآمد بنوا سکیں گے۔ ●●

رفیقِ منزل مہم

آئندہ ۱ تا ۱۰ جون ۱۹۸۸ء رفیق منزل کی توسیع و استحکام کے سلسلے میں ایک مہم منانے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ تفصیلات سے جلد ہی آگاہ کیا جائے گا۔

(ادارہ)

ان کے خوابوں کا حسن

نشاط الایمان
کلکتہ

وہ ایک خاص شہر تھا۔ ہنگامہ خیز، پر ہجوم، محلوں، نعروں اور جلوسوں کا شہر۔ وہ ہسپتال اسی شہر کا ہمہ وقت اور مصروف ترین ادارہ تھا۔ فراز اسی ادارہ کے ایمرجنسی وارڈ سے باہر نکلا۔ دھنواں دھنواں سا چہرہ اور تھکا تھکا سا خدوخال لئے۔ وہ مختلف قسم کی دواؤں سے مہکتے ہوئے کوریڈر سے ہوتا ہوا چار اسٹیپ والی سیڑھی پر پہنچا۔ اور جب وہ وہاں سے نیچے اترنے کو ہوا تو یکبارگی اس کا جی چاہا وہ خودکشی کرلے۔ کیسی دل آزار زندگی کا آغاز ہوگیا تھا۔ اس نے تو خواب میں بھی ایسی زندگی کا گمان نہیں کیا تھا۔ لیکن وہ خودکشی نہیں کرسکا۔ اب تو اسے اسی دائرہ میں شب و روز گذارنے ہوں گے۔

وہ بھاری قدموں سے نیچے اترا اور صدر پھاٹک کی طرف بڑھا۔

ایک ایمبولنس گاڑی اندر آرہی تھی۔ وہ اس سے بچتا ہوا گیٹ سے باہر نکلا اور سڑک کے کنارے آ کھڑا ہوا۔ وہیں اسے ایک خالی ٹیکسی ملی۔ ٹیکسی کا ڈرائیور ایک ادھیڑ عمر کا سکھ تھا۔ اس نے ایک تھکے اور اداس آدمی کو اپنے قریب دیکھا۔ حالانکہ یہ وقت لنچ کا تھا اور اس کا ارادہ بھی کسی ہوٹل کی طرف جانے کا تھا۔ مگر اس نے فراز کو ٹیکسی میں بیٹھنے کے لئے کہا، میٹر کو ڈاؤن کیا اور پھر اس کی ٹیکسی منزل کی طرف فراٹے بھرنے لگی۔

یہ اس کا ڈرائنگ روم تھا۔ یہ کمرہ بھی اس کے سلیپنگ روم کی طرح جدید رنگ و روغن اور ماڈرن سامانوں سے آراستہ تھا۔ سیلنگ فین اپنی پوری رفتار سے گھوم رہا تھا۔ ایک کلنڈر جس پر کسی دوشیزہ کی نیم عریاں تصویر تھی، پنکھے کی ہوا سے آنکھ مچولی کھیل رہا تھا۔ بند دروازوں اور کھڑکیوں کے نفیس پردے بھی جھکولے کھا رہے تھے۔ کمرے کا پورا ماحول پرسکون اور خوابناک سا لگ رہا تھا۔ مگر وہ اس خوابناکی سے دور صوفہ کم بیڈ پر لیٹا ہوا تنہائی اور اداسی کے تنکے گن رہا تھا۔

کسی نے اس سے سرگوشی کے انداز میں کہا۔ "بہت کھل رہی ہے تنہائی!"

"ہاں" اس کے وجود نے جواب دیا۔ "کیوں؟ جب کہ اس تنہائی کے سب سے زیادہ ذمہ دار تم ہو۔" "نہیں......"

"اعتراف کرنے میں حرج کیا ہے۔ مگر جھوٹی تہذیب اور باطل تمدن کے ماننے والے اور حقیقی قانون اور انصاف کی حد کو پار کرنے والے کب اپنی غلطی کو مانتے ہیں اور کب اپنی گمراہی سے توبہ کرتے ہیں۔ اور پھر وہ محاورہ یاد نہیں تم کو۔ کوا چلا ہنس......"

"خاموش رہو" وہ چڑ کر بولا۔

"حقیقت تلخ ہوتی ہے۔ تمہارے ایک جہاندیدہ [illegible] نے تو مخالفت کی تھی کہ تمہاری اہلیہ گھر بار کی فطری ذمہ داریوں سے الگ ہوکر موڈرن سویلائزڈ اور جدید کلچر کا پرزہ نہ بنے۔ مگر تم لوگوں نے نئی طرز معاشرت کی جنون انگیز چاہ میں یہ قدم اٹھا ہی لیا۔ اب جب کہ وہ گھر پر ہوتی ہے تو تم نہیں اور تم ہوتے ہو تو وہ نہیں، سوائے دن کے دوسرے حصے اور شب کی چند گھڑیوں کے — شروع شروع میں تم دونوں نے اس فاصلہ کو شاندار فلیٹ، فریج، اسٹیل کی الماری، ٹیلی ویژن، پریشر کوکر وغیرہ کے نشہ اور سرور میں محسوس نہیں کیا۔ لیکن اب دھیرے دھیرے ان کا خمار اتر رہا ہے اور تم دونوں کو ہی اس کانٹے کی چبھن کا احساس ہونے لگا ہے۔ مگر تم دونوں کے پاس زبان ہے اور نہ چہرہ......"

"تم خاموش نہیں رہوگے؟" وہ بھڑکتے ہوئے بولا۔

"میاں فراز! مجھے کہنے دو۔ تم مانو یا نہ مانو۔ انسان جب اپنے خالق کی بندگی سے منکر ہو جاتا ہے تو وہ درجنوں خداؤں کی بندگی کرنے لگتا ہے اور جب وہ اس مشرکانہ راستہ پر چل پڑتا ہے تو اس کی خودی درآمد کردہ تہذیب اور ثقافت کے اندھیرے غار میں سسکتی رہتی ہے۔ تم دونوں کی خودی بھی اسی دور سے گذر رہی ہے......"

"میں کہتا ہوں، لکچر مت جھاڑو، چپ ہوجاؤ" وہ چیخا۔

"میاں مداوا کے لئے کوئی راہ تو تلاش کروگے۔ تم صبح سویرے اپنی چاہ کی آرائش اور دوسرے کی بندگی کرنے کے لئے نکلتے ہو حالانکہ یہ وقت وہ ہوتا ہے جب رب کائنات کے بندے عبادت گاہ کا رخ کرتے ہیں اور پرندے اپنے خالق کی شان میں گیت گاتے ہیں۔ تمہارے جانے کے کچھ دیر بعد تمہاری سند یافتہ بیوی بھی نکلتی ہے اور اس کے ساتھ تمہارے دونوں بچے بھی ہوتے ہیں، ان کی پشت پر کتابوں کا بھاری بنچہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد تمہارے فلیٹ میں تالا لگ جاتا ہے جس کی ایک کنجی تمہارے پاس بھی ہوتی ہے۔

ساری بیوی بچوں کو ایسے مارننگ انگلش میڈیم اسکول میں چھوڑتی ہے جہاں گاڈ اِز مالی فادر کا درس دیا جاتا ہے جو ہمارے عقیدے کے قطعی خلاف ہے اور وہ اپنے کام پر جانے کے لئے بس اسٹینڈ کی طرف لپکتی ہے۔ اور تم اپنے کام سے لوٹتے ہو تو ایک پارٹ ٹائم ملازمہ تمہارے دروازے پر بیٹھی ہوتی ہے۔ تم خاموشی سے دروازہ کھولتے ہو۔ ملازمہ اپنے کاموں میں جٹ جاتی ہے اور تم صوفہ پر بے زار بیٹھے یا لیٹے اپنی بیوی کے آنے کا انتظار کرتے ہو۔ تم تھکن سے چور ہوتے ہو۔ تمہیں ایسے وقت کسی کا دلنشیں پیار کسی کی شیریں رفاقت اور کسی کے فرحت آگیں لمس کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ سب حسین چیزیں تمہاری شریک حیات ہی دے سکتی ہے کوئی اور نہیں۔ لیکن وہ موجود نہیں اور وہ آئے گی تو وہ تمہارے پاس نہیں بیٹھ سکے گی کیوں کہ وہ خود تھکی ماندی اور دوسرے کی بندگی سے بے زار ہوگی۔ اس لئے . . . .''

" نکل جاؤ میرے کمرہ سے۔" وہ لیٹے لیٹے اٹھ بیٹھا اور اپنے دونوں ہاتھوں میں اپنا گھومتا ہوا سر تھام لیا۔

" یار چیخو مت، مجھے دشمن نہ سمجھو۔ میری باتوں پر غور کرو گے تو تمہارا چڑچڑا پن دور ہو جائے گا، تمہارا گھریلو سکون لوٹ آئے گا اور تمہیں دنیا ہی میں جنت جیسی شانتی ملے گی ـــــ میں نے کہا ہے نا کہ آدمی خدا کی وحدانیت اور اس کی بندگی سے مونھ موڑ لیتا ہے تو وہ درجنوں خداؤں کی غلامی اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ تم یورپ، امریکہ اور روس سے درآمد کردہ نظریئے، تہذیب اور ثقافت کے دیوتا کی پرستش میں ملوث ہو گئے اور تم اس گائیڈ بک کو بھول گئے جس کی پہلی ہدایت سے غار حرا بھی روشن ہو گیا تھا اور جسے تم نے ایک مخصوص طاق پر بڑے خوشنما انداز میں رکھ چھوڑا ہے اور جہاں صرف جمعہ کے دن تمہاری بیوی اگربتی جلا کر رکھتی ہے ـــــ حتیٰ کہ تم مشرقی ریت رواج اور ان کی قدروں سے بھی دور ہو گئے۔ پیارے! تم میری ان باتوں کو دقیانوسی کہو گے کیونکہ فرائڈ، ڈاروِن اور مارکس یہودی کے مریدوں کا یہ تکیہ کلام ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ عورت کا صحیح مقام صرف گھر ہی میں ہے۔ وہ اداس اور مغموم بچوں کے لئے ماتا اور خوشی ہوتی ہے اور مجازی خدا کے لئے سراپا روح پرور۔ وہ بیک وقت گھر کی حرمت اور گھر کی ناظم ہے۔ اس خوشگوار شاہراہ سے اترنے والی عورتوں کا حال یورپ، امریکہ اور روس کے سماج اور سوسائٹی میں دیکھو۔ وہاں وہ کیسی بے سکون اور انتشار انگیز زندگی گذار رہی ہیں۔ ان کی زندگی مشین کا گھسا ہوا پرزہ بن گئی ہے۔ وہاں کا بیشتر خاندان سوکھے پتوں کی طرح بکھر چکا ہے۔ وہاں کے سیکس کی بے قید تسکین کا تو ذکر ہی نہیں کیا سنوگے تو کانپ اٹھوگے۔ فطرت سے کھلواڑ کی سزا تو ضرور ملے گی نا . . . . .''

اس مرتبہ فراز نے اس کی باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے جواب کی جگہ کمرے میں صرف پنکھے کی سائیں سائیں گونج رہی تھی۔

"کیوں اب کچھ نہیں بولوگے۔ میں نے کیا غلط کہا ہے؟"

اسے نیند آ گئی تھی۔ نیند آنے سے پہلے اسے ایک گلاس پانی اور ایک کپ چائے کی خواہش ہوئی تھی۔ مگر یہ دونوں چیزیں اسے نہیں ملیں کیونکہ دینے والے ہاتھ وہاں موجود نہیں تھے۔ ملازمہ ضروری کام کرنے کے بعد ان کے بچوں کو لانے کے لئے بھاگم بھاگ اسکول چلی گئی تھی۔ اگر وہ ہوتی بھی تو ان چیزوں کو دینے میں وہ دربائیت اور محبوبیت کہاں ہوتی جو اسے اپنی شریک حیات سے مل سکتی تھی۔

اچانک اس نے پایا، وہ ایک ایسے پہاڑ پر چڑھ رہا تھا جو بہت ناہموار تھا اور جس کی بغل میں تھوڑے فاصلہ پر اسی طرح کا ایک دوسرا پہاڑ تھا اور دونوں کے درمیان ایک راستہ گذرتا تھا۔ اس وقت اس راستہ سے ایک بیل گاڑی گذر رہی تھی۔ بہلی والا بڑا سریلا لوک گیت گا رہا تھا جس کی آواز اس کے کانوں میں رس گھول رہی تھی۔ منظر بڑا دلفریب تھا۔ اس نے دیکھا دوسرے پہاڑ پر اس کی بیوی بڑی مشکل سے چڑھ رہی تھی۔ جب وہ خود پہاڑ کی چوٹی کے قریب پہنچنے والا تھا تو اس نے اپنی بیوی کو دیکھنا چاہا لیکن اس کی بیوی نظر نہیں آئی۔ اس نے بہلی کو ڈھونڈا وہ بھی دکھائی نہیں دی۔ گیت کی مدھر تا بھی بند تھی۔ پریشان ہوا تھا۔ فکر اور اندیشے کے جالے اس پر چھا گئے۔ اس کے پاؤں میں لرزش پیدا ہونے لگی اور یہ لرزش دھیرے دھیرے اس کے پورے حواس پر طاری ہو گئی۔ وہ اپنے کو سنبھال نہیں سکا۔ وہ گر پڑا۔ اور پھر اس نے پایا کہ وہ پاتال کی طرف لڑھکتا ہوا جا رہا ہے۔

کمرے میں مدھر کال بیل کی آواز آ رہی تھی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ پہلے اس نے اپنے ہاتھ پاؤں کو ٹٹولا۔ اپنی آنکھوں کو دونوں ہتھیلیوں سے مَلا، کمرے پر بھرپور نگاہ ڈالی اور تب اسے معلوم ہوا کہ وہ کسی پہاڑ سے نہیں اپنے صوفے سے گر پڑا ہے۔

کال بیل کی آواز پھر آئی۔

وہ تنہائی کے بوجھ کو بمشکل قالین پر رکھتے ہوئے اٹھا اور دروازہ پر آیا۔

دیکھا، وہاں اس کی بیوی نہیں تھی بلکہ ایک ادھیڑ اور خستہ قسم کا آدمی کھڑا تھا۔ اسے تعجب ہوا کہ ایسے ویسے آدمی کا اس وقت اس کے گھر پر کیا کام۔ جب ہی اس آدمی نے پوچھا "کیا آپ ہی مسٹر فراز ہیں؟" "ہاں!"

آپ کی مسز کا ایکسی ڈینٹ ہو گیا ہے۔ آپ کا پتہ ان کے بیگ سے ملا ہے۔ آپ فوراً اس پتہ پر ہاسپٹل پہنچیے۔ وہ ایمرجنسی وارڈ

بقیہ صفحہ ۱۱ پر

بچوں کی تربیت

سید تنویر احمد
بنگلور

بچوں کی اہمیت کا اظہار "ملک، قوم و ملت کے مستقبل و سرمایہ" کے الفاظ سے کیا جاتا رہا ہے۔ جس قوم کے بچوں کی تربیت جس طرح ہوتی ہے ویسے ہی ثمرات قوم حاصل کرتی ہے۔ جس طرح ملک و ملت کے لئے بچوں کی تربیت اور نشوونما کی ضرورت ہے۔ اتنی ہی اہمیت کسی بھی تحریک کو اپنا مشن جاری رکھنے کے لئے ہے۔ اسی اہمیت اور ضرورت کو تحریک اسلامی ہند نے بھی پیش نظر رکھا ہے۔ تحریک کو جنریشن گیپ سے محفوظ رکھنے کے لئے اس نے نوجوان نسل اور بچوں پر توجہ دی ہے۔ تحریک اسلامی نے اپنی سرپرستی میں نوجوانوں کی تنظیم ایس آئی او قائم کی ہے تو اس تنظیم کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی تنظیم کو جنریشن گیپ سے بچانے کے لئے ان کی جانشیں نسل "بچوں" پر خاص توجہ دے، چنانچہ ایس آئی او نے بھی اپنی پالیسی پروگرام میں دیگر امور کے ساتھ بچوں میں کام کرنے اور ان کی تربیت و نشوونما کے لئے پروگرام ترتیب دئے ہیں۔

بچوں میں کام کس طرح کیا جائے اس کے متعلق مختصر تجزیہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ بچوں میں مندرجہ ذیل کام اہم اور ضروری ہیں۔

(۱) ذہنی نشوونما (۲) فکری و اخلاقی نشوونما (۳) جسمانی نشوونما۔

بچوں کا ذہن پختہ نہیں ہوتا بلکہ ارتقائی مرحلہ میں ہوتا ہے اور ان کی اپنی نفسیات ہوتی ہیں۔ چنانچہ ہر مرحلہ میں مربی کو یہ پیش نظر رکھنا ہوگا کہ تربیت کا عمل بچوں کے نفسیات ذہن اور دلچسپیوں سے متضاد و مختلف نہ ہو۔ بچوں کی تربیت میں ماحول بہت زیادہ معاون و موثر ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ تربیت و نشوونما کے دوران بچوں کا ایسا سرکل اور ماحول پیدا کیا جائے جس کے ذریعہ وہ از خود غیر محسوس انداز میں تربیت پاتے رہیں اس پورے تربیتی نظام کے لئے خود مربی کی تربیت بھی بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ بچوں کے سرکل کے نگراں و نظماء کی تربیت کا خاص خیال رکھا جائے۔ طبیعت کی چڑچڑاہٹ خشکی اور احساس برتری کے بجائے اعلیٰ سیرت و کردار، فرض شناسی، لگن انہماک اور سرگرمی سے خود کام کرنے اور دوسروں میں بھی اسپرٹ پیدا کرنے کی فکر، معاملہ فہمی، انتظامی صلاحیت، ہمدردی و خیر خواہی خندہ پیشانی وغیرہ ضروری صفات ہیں۔

۱۔ <u>ذہنی نشوونما</u> : ذہنی نشوونما کے تحت بچوں کی ذہانت کو بڑھانے اور ان کے ذہنی استعداد کو فروغ دینے کی کوشش کی جائے۔

ذہنی نشوونما کے ذریعہ بچوں میں غور و فکر کا اہم مادہ بچپن ہی سے پیدا ہوجاتا ہے۔ اور اس کے ذریعہ بچوں میں جدت اور کسی بات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے اور سوچ سمجھ کر قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔

۲۔ <u>طریقہ کار</u> : چوں کہ بچوں کا ذہن پیچیدہ کلیوں اور فلسفوں کو سمجھ نہیں سکتا اس لئے آسان اور مشاہداتی طریقے استعمال کئے جائیں۔

ذہنی نشوونما کے لئے بچوں کے گرد و پیش واقع مختلف چیزوں کی حقیقت سے متعارف کروایا جائے۔ مثلاً چاند سورج اور انکی گردش اور پھر اسی طرح ہوا۔ بارش انسانی جسم کی ساخت، روزمرہ ہونے والے واقعات کے متعلق بنیادی باتیں۔ اہم مقامات و عمارتوں کی تاریخ اور قدرتی مناظر وغیرہ۔

مختلف تجربات اور مشاہدات کے ذریعہ کلیوں کی وضاحت کی جائے۔ تجربات چونکہ جادوئی انداز کے ہوتے ہیں اس لئے بچے دلچسپی سے اس کی طرف راغب ہوتے ہیں اور اس کے ذریعہ کسی بات کو ٹھوس انداز میں بچوں کے ذہنوں میں پیوست کیا جاسکتا ہے۔

اس لئے ضروری ہے کہ ناظم یا نگراں خود ان تمام تجربات کو اچھی طرح سیکھ لے اور بچوں کے سامنے اس کا مظاہرہ کرے۔

حسابی سوالات اور پہیلیاں بھی کارگر ثابت ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ سائنسی اور دیگر نوعیت کے کوئیز، تحریری و تقریری مقابلہ بھی ذریعہ بنائے جاسکتے ہیں۔

اس نشوونما کے ضمن میں جو مختلف پروگرامس کا تذکرہ کیا گیا ہے اس کے لئے مندرجہ ذیل کتابوں سے مدد لی جاسکتی ہے۔

۱۔ افضل حسین صاحب کے کتب : ہماری دنیا، سائنسی معلومات، آئینہ تاریخ۔

۲۔ سائنسی تجربات اور جادوئی انداز سے مختلف کلیوں کو واضح

سنے کے لئے Pustak Mahal New Delhi کی
مندرجہ ذیل کتب
(1) 101 Magic Tricks (2) 101 Experiments
(3) Tricks and stunts to fool your friend
(4) Science of quiz Book
وغیرہ

۳۔ مکتبہ اسلامی کی شائع شدہ "ذہنی تربیت" "قرآن کوئز" وغیرہ

۲۔ فکری و اخلاقی نشوونما: موجودہ نظام تعلیم کے ذریعہ بچے الحاد اور اخلاقی بے راہ روی کا شکار ہوتے جارہے ہیں۔ اس کی وجہ نصاب تعلیم سے اخلاقی اقدار کا اخراج بھی ہے۔ چنانچہ اس ماحول میں بچوں میں دینی اور اخلاقی اقدار کو پیدا کرنا ایک اہم کام ہے۔ ان اقدار کو اسی عمر میں زیادہ بہتر اور ٹھوس انداز میں پیوست کیا جاسکتا ہے۔ جن کی بنیاد پر ذہنی نشوونما کی وجہ سے وہ اپنی زندگی کو بھی فلاح و کامرانی سے ہمکنار کرسکتے ہیں اور دین کے غلبہ اور فروغ کے لئے بھی بہت کارگر اور مفید ثابت ہوسکتے ہیں۔

طریقہ کار: ذہنی نشوونما کے دوران ہی یہ فکری تربیت کا سلسلہ جاری رہنا چاہیئے۔ مثلاً ذہنی نشوونما کے دوران بچوں کو جب کسی مشاہدہ یا تجربہ کے ذریعہ کوئی سائنسی کلیہ سمجھایا جاسکتا ہے تو وہیں بنیادی عقائد مثلاً توحید، قیامت سزا اور جزا کے تصورات کے متعلق بھی چند باتیں بیان کرتے چلیں۔

بچوں کو واقعات اور حکایات سے بڑی دلچسپی ہوتی ہے چنانچہ مختلف قرآنی واقعات اور دیگر کہانیوں و حکایات کے ذریعہ ان کی فکری تربیت کی جاسکتی ہے۔ اس کے لئے مائل خیرآبادی صاحب کی سیریز اور نقلی شہزادہ وغیرہ، افضل حسین صاحب کی موتیوں کا ہار، سچا دین، ہماری کتاب، قرآن واقعات کے لئے ابو سلیم عبدالحی صاحب کی واقعات قرآنی مفید ثابت ہوں گے۔ نیز انبیاء علیہم السلام کی سوانح و حکایات۔

اسی تربیت کے دوران بچوں کو اسلامی آداب بھی سکھائے جائیں۔ اس لئے کہ مولانا محمد یوسف اصلاحی صاحب کی آداب زندگی کے منتخب ابواب مفید ثابت ہوں گے۔

۳۔ جسمانی نشوونما اور اس کے ذرائع: بچوں کے لئے جسمانی نشوونما بھی ضروری ہے اور اس کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا چونکہ یہ ہی عمر ہوتی ہے کہ بچے اپنے جسم کو متوازن اور صحت مند بنا سکتے ہیں۔ چنانچہ حفظان صحت کے متعلق کچھ تعلیم دی جاتی رہے۔ اور ساتھ ہی کھیل کود کا اہتمام لازماً کیا جائے یہ اس لئے بھی کہ کھیل کود بچوں کی زندگی کا ناگزیر مشغلہ ہے۔ وقت کو ضائع کرنے والے کھیلوں سے پرہیز کیا جائے۔ مثلاً شطرنج اور دیگر انڈور گیمس اس کے برخلاف بچوں کے لئے کبڈی، کھو کھو، فٹ بال اور ہاکی وغیرہ بہتر ہوں گے۔ اس کے ساتھ یوگا کے بعض عمل بھی کرائے جاسکتے ہیں۔

اب آئیے دیکھیں تربیت کے اس پورے نظام کو کہاں اور کس طرح نافذ کیا جاسکتا ہے۔ اس کے لئے ایک ذریعہ تو تعلیمی ادارے ہیں اور دوسرا محلہ جات۔

اسکول: پرائمری اور ہائی اسکولس میں بچوں کی ایک بڑی تعداد حاضر ہوا کرتی ہے چنانچہ اس نظام کو اولاً کوشش کریں کہ اسکولس ہی میں نافذ کریں۔ اور بعض اجزاء کو اسکولس کے باہر۔ اسکولس میں پرنسپل اور دیگر اساتذہ سے ربط قائم کرکے ان پر بچوں کی تربیت کی اہمیت و افادیت واضح کریں اور اپنا پروگرام انہیں دیں اور ان سے گذارش کریں کہ ہمارے پروگرام کو روبہ عمل لے آئیں۔ اس ضمن میں ہمیں چاہیئے کہ اساتذہ کو ضروری تعاون پیش کرتے رہیں۔

وقتاً فوقتاً اسکولس میں ہمارے سائنسی کھیل کود وغیرہ کے کیمپس منعقد ہوتے ہیں۔ اسکولس میں اپنی سرگرمیوں کے دوران اس بات کا خیال رکھا جائے کہ ایس آئی او کا تعارف دینی تنظیم جیسا ابھرنے لگے۔

محلہ جات: مسلم بچوں کا ذہین طبقہ convent اور دیگر غیرمسلم Management یا سرکاری مدارس میں زیر تعلیم ہے اور ان کی تعداد مسلم Managed اسکولس میں پڑھنے والے طلباء سے زیادہ ہی ہوتی ہے۔ چنانچہ ان کی تربیت کے لئے ہمیں اسکولس سے باہر ہی پروگرام ترتیب دینے ہوتے ہیں اور اس کے لئے محلہ واری سطح پر چلڈرنس سرکل مفید ثابت ہوتے ہیں۔

دونوں جگہوں پر اس بات کی کوشش کی جائے کہ بچوں میں نظم و تنظیم کا شعور پیدا ہوجائے اس کے لئے ہمارے نگراں کار حضرات تنظیمی روح پیدا کرتے رہیں۔ اور بچوں ہی میں سے کسی کو صدر اور دیگر عہدیداران کو منتخب کرکے باضابطہ کام کرنے کی عادت ڈالیں۔

بقیہ صفحہ ۱۵ کا

ترقی کے راستے کی رکاوٹ باور کیا اور اس سرزمین سے اس طرح کی کتابیں منظرعام پر آئیں جن میں سے ایک کا نام آپ کے سامنے بھی کئی بار آچکا ہے یعنی 'مذہب ترقی کی راہ کا روڑا'۔

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اپنے اس تجربے کے نتیجے میں 'مسیحیت' سے آگے فی الجملہ مذہب کے سلسلے میں یورپ کو یہ فتویٰ صادر کرنے کا حق پہنچتا ہے کہ وہ قابل رد ہے ورنہ کم از کم اس کا دائرہ فرد کی نجی زندگی تک محدود ہے۔ معاملات دنیا سے اس کا کوئی تعلق ہے اور نہ ہونا چاہیئے؟ اور کیا اس کی تقلید میں کسی بھی دوسری سمت سے اس طرح کے کسی اعلان و اظہار کو بھی برحقیقت اور حق و انصاف کا تقاضا قرار دیا جاسکتا ہے؟
●●

عہدِ مغلیہ کی اسلامی خدمات

ضیاء الدین ملک
جامعۃ الفلاح

سلطنت مغلیہ سولہویں اور سترھویں صدی عیسوی کی وہ عظیم الشان حکومت رہی ہے جس نے برصغیر پر بے مثال حکمرانی کی۔ اور اسے مختلف قسم کی خوبیوں کا مرقع بنا دیا۔ برصغیر ہند و پاک کی صنعت و حرفت کو عرب و عجم کے لئے بیش بہا نمونہ بنایا۔ علوم و معارف کے موتیوں سے ایوان ہند کو تابناک کیا۔ تمدن و معاشرت کو حسن عجمی عطا کی۔ اور اشاعت اسلام میں کس حد تک کوششیں صرف کیں۔

سلطنتِ مغلیہ کا بانی بابر تھا بابر کا شجرۂ نسب ماں کی طرف سے چنگیز اور باپ کی طرف سے تیمور سے جا ملتا ہے۔ بابر کی قائم کی ہوئی سلطنت کو مغلیہ اس لئے کہتے ہیں کہ تیمور کا منگول یا مغل نسل سے قریبی تعلق تھا۔ تیمور سے تعلق کی وجہ سے تاریخ میں اس عہد کو عہد تیموریہ بھی کہا جاتا ہے۔

تیموریوں کی حکومت ۱۵۲۶ء سے ۱۸۵۷ء تک بجز ان سولہ سالوں کے جس میں شیر شاہ سوری اور ان کے جانشینوں نے حکومت کی، کل ۳۱۵ سال قائم رہی۔ تاریخ کا کہنا ہے کہ "کسی ایک خاندان نے برصغیر میں اتنی لمبی مدت تک حکومت نہیں کی۔ اس مدت میں عروج کا زمانہ (۱۵۵۶ تا ۱۷۱۹ء) ۱۶۳ سال ہے" (ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ دوم ص ۳۰۶) ان ڈیڑھ سو سالوں میں جو امن و امان رہا اس کی مثال پیش کرنے سے برصغیر کی تاریخ قاصر ہے۔ اگر عربوں کی ڈھائی سو سالہ دور حکومت کا عہد مغلیہ سے مقابلہ کیا جائے تو ایک مورخ یہ کہنے پر مجبور ہوگا کہ عہد مغلیہ اس لحاظ سے ممتاز ہے کہ اس میں قتل و خونریزی اور سازشوں کے واقعات نہیں کے برابر پیش آئے۔

تمدنی ترقیات

سلاطین مغلیہ کے پورے زمانے میں امن و امان برقرار رہا، ملک میں چوری، ڈکیتی اور رہزنی کے واقعات مفقود ہوگئے۔ بلوے اور خونریزی کے واقعات معدوم ہوگئے۔ تمام صوبے دار اور دیگر ذمہ داران مملکت نیک طینت اور عدل پسند ہوتے تھے۔ ملک میں سازشوں کا جال نہیں پھیلا تھا۔

تمام سلاطین نے عوام کو خوش حال رکھنے کی حتی المقدور جدوجہد کی اس کے لئے بے شمار انتظامات اور اقدامات کئے۔ مثلاً محتاجوں کے لئے باقاعدہ ضروریات پوری کرنے والی کمیٹی تشکیل دی اور عمارتیں بنوائیں سڑکوں کے کنارے پھل دار و سایہ دار درخت لگوائے ہر میل و فرلانگ کی دوری پر مساجد و مسافر خانے بنوائے۔ عوام سے بے شمار ٹیکسوں کو ختم کیا۔ اور جا بجا عدل و انصاف کے محکمے بنوائے جہانگیر نے آگرہ کے قلعے میں ایک زنجیر لٹکا دی تھی جو عدل جہانگیری کا بین ثبوت ہے۔ عالمگیر نے عام منادی کرا دی تھی کہ جس کو بادشاہ سے شکایت ہو وہ عدالت میں بادشاہ کے خلاف مقدمہ لڑ سکتا ہے۔ اور بقول بعض اکبر نے دن کا ½ حصہ عوام کے ساتھ عدل و انصاف کے لیے مخصوص کیا اور جہانگیر دو گھنٹے روزانہ عوام کی شکایت سنتا تھا۔ ہندوستان کے سیاحوں

(علماء اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر ص ۱۳۱)

سلاطین کی مذہبی رواداری:

سلاطین مغلیہ کے ذکر میں اگر ان کی مذہبی رواداری اور علماء کی تصنیفی رواداری کو واضح نہ کیا جائے تو یہ بڑی ناانصافی ہوگی۔ ہم صرف اورنگ زیب کی مذہبی رواداری کے بعض واقعات ذکر کرتے ہیں۔ جسے شریعت اسلامی کا سب سے بڑا علم بردار اور متعصب بادشاہ کہا جاتا ہے۔ اورنگ زیب نے اگر مساجد کی تعمیر و مرمت کروائی تو وہیں دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے لئے زمین وقف کر دی عالمگیر کی مذہبی رواداری کا اندازہ کپتان ہملٹن کی اس تحریر سے بھی ہوتا ہے جس میں اس نے ٹھٹھہ کے حالات بیان کئے ہیں "ریاست کا مسلم مذہب اسلام ہے لیکن تعداد میں اگر دس ہندو ہیں تو ایک مسلمان ہے۔ ہندوؤں کے ساتھ مذہبی رواداری پورے طور سے برتی جاتی ہے وہ اپنے بت رکھتے ہیں اور تہواروں میں اس طرح خوشیاں مناتے ہیں جیسا کہ اگلے زمانے میں مناتے تھے۔ جب کہ خود بادشاہت ہندوؤں کی تھی۔ وہ مردوں کو جلاتے ہیں لیکن ان کی بیویوں کو شوہروں کے ساتھ ستی ہونے کی اجازت نہیں ہے" (ملاحظہ ہو بزم [illegible])

ایک روسی مورخ لکھتا ہے "فقط ہندوستان میں مغلوں کی حکومت مال [illegible] اور مذہبی رواداری میں معاصر یورپ سے بڑھ کر تھی" (۱۲۰ رود کوثر شیخ محمد اکرام ص [illegible])

اسلامی خدمات:

اب ہم عہد مغلیہ کی اسلامی

خدمات کا جائزہ لیں گے کیونکہ عہد مغلیہ جہاں ایک طرف مسلمانوں کی سیاسی، معاشی اور تمدنی انتشار کی شیرازہ بندی کرتا ہے وہیں مسلمانوں کی مذہبی پیشوائی اور اسلام کی بقا و استحکام کی نگرانی بھی کرتا ہے۔

اکبر کے بعد اس کا بیٹا جہانگیر تخت نشین ہوا اس کے فوراً بعد اس نے برائیوں کے سدباب کے لیے اقدامات کیے اور احکام نافذ کیے جن میں سے بعض یہ ہیں:-
سلطنت میں شراب اور نشہ آور چیزیں نہ بنائی جائیں، اور نہ فروخت کی جائیں، کسی مجرم یا آدمی کے ناک کان نہ کاٹے جائیں، کوئی سرکاری عہدیدار معاوضہ دیے بغیر رعایا کے کسی مکان میں رہائش اختیار نہ کرے۔"
شاہ جہاں نے حکمت و دانائی سے برائیوں کے سدباب کے لیے کئی اصلاحی اقدامات کیے بعض یہ ہیں۔ مسلمان عورتوں کو ہندوؤں کے قبضے سے نکالا اور شوہروں کو دو امور میں سے ایک کے اختیار کرنے کا حق دیا یا تو اسلام قبول کریں یا بیویوں سے دست بردار ہو جائیں جن ہندوؤں نے مساجد پر قبضہ کر لیا تھا انھیں آزاد کرایا جہاں اذانیں تعصب کی وجہ سے بند کروا دی گئی تھیں پھر سے ان کا آغاز کرایا۔ سجدۂ تعظیمی کا خاتمہ کیا اور صرف اسلامی سلام کو درباری سلام قرار دیا۔ اس نے دین الٰہی کا مکمل طور سے خاتمہ کیا۔

اورنگ زیب عالمگیر نے مسلمانوں میں قومی و ملی احساس پیدا کیا، اسلامی علوم و معارف کو فروغ دیا اور بے شمار اصلاحی و تربیتی اقدامات کیے مثلاً بھنگ و نشیلی اشیاء پر سخت پابندی لگائی، شراب نوشی و قمار بازی پر سخت سزائیں متعین کیں، فاحشہ عورتوں کو پردہ کا پابند بنایا، ستی کی مخالفت کی، بچوں کو غلام یا خواجہ سرا بنانے پر پابندی عائد کی، درشن کا طریقہ منسوخ کیا، زربفت اور کمخواب کے کپڑے ممنوع قرار دیئے، نوروز اور ملک کا خاتمہ کیا۔ گانے والے اور والیوں کو دربار سے رخصت کیا، رعایا کے ٹیکسوں کا خاتمہ کیا اور بقول بعض ۸۰ ٹیکس معاف کئے، ملک کے نظم کو شریعت کا پابند بنا دیا۔ عدل و انصاف کے محکمے متدین لوگوں کے ہاتھوں میں دیئے
(باختصار تاریخ دعوت وجہاد ص۲۳)

ہر صوبے میں محتسب اور بڑے پیمانے پر محکمۂ احتساب قائم کیا، ہندوؤں سے فوجیوں کے لیے جزیہ لینا شروع کر دیا، جسے بابر نے منسوخ کر دیا تھا، قانون اسلامی کی تدوین کی اور پچاس علماء کی خدمت حاصل کر کے چھ جلدوں پر مشتمل فتاویٰ عالمگیری تیار کروا کر ایک اہم تاریخی اور دینی خدمت انجام دی۔ ایک نئے نظام تعلیم کی بنیاد رکھی تاکہ طلبا اسلامی علوم کی اشاعت، ملکی سیاست اور مدارس کو چلانے کے اہل ہو سکیں۔ (ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ دوم ص؟ اور تحریک اسلامی۔ خورشید احمد ص؟)

عہد مغلیہ کے تمام سلاطین کی یہ خوبی رہی ہے کہ وہ اپنے اپنے زمانے میں علوم و معارف کی ترقی و اشاعت کے لئے کوشاں رہے ہیں۔ درس و تدریس میں مشغول رہنے والے معلمین کے وظائف شاہی خزانے سے دیئے جاتے تھے۔ اکبر نے فتح پور سیکری میں ایک عظیم الشان اسکول (مدرسہ) قائم کیا تھا۔ جہانگیر نے یہ قانون بنا دیا کہ مرنے والے کا اگر کوئی وارث نہ ہو تو پوری جائداد سے مدرسے اور خانقاہیں بنوائی جائیں گی۔ عالمگیر نے تمام شہروں اور قصبوں میں مکاتب قائم کیے۔ لائق اساتذہ کو وظائف اور جاگیریں دیں۔ طلبہ کے لئے روزینے مقرر کئے۔ شاہ جہاں کے عہد میں پنجاب درس و تدریس کا بڑا مرکز رہا ہے۔ اسی عہد میں ملا عبدالسلام لاہوری اور عبدالسلام دیوی کے فیض سے بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے (خلاصہ ہندوستان کے سلاطین، امراء اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر ص۱۴ تا ۱۸)

ان سلاطین کی علم دوستی ہی کا نتیجہ ہے کہ اس عہد میں ابوالفضل، ملا عبدالقادر، نظام الدین، عبدالحمید لاہوری جیسے نامور مؤرخین، غنی کشمیری، عرفی، نظیری اور ظہوری جیسے شعراء پیدا ہوئے۔ حکیم فتح اللہ شیرازی اور استاذ کبیر جیسے فنکار تسلیم کیے گئے۔ اور علماء میں مجدد الف ثانی اور محدث عبدالحق دہلوی اور شاہ ولی اللہ جیسے یکتائے روزگار مجددین و مصلحین پیدا ہوئے۔

سلاطین مغلیہ کی اکثریت باخلاق اور عدل و انصاف کی پیکر تھی۔ ان سلاطین کی اسلامی خدمات کا یہ روشن باب ہے کہ ان کے طرز عمل سے اس ملک کے انسانوں نے اسلام قبول کیا۔ برصغیر ہند و پاک میں ذات پات کی تمیز چھوٹے بڑے کا فرق، چھوت چھات کا رواج ختم ہوا یا کم ہو گیا شراب نوشی کا خاتمہ، ستی کا بند ہونا، عورتوں کو وراثت کا ملنا، جوا اور سٹہ پر پابندی عہد مغلیہ کی دینی خدمت ہے۔ بت پرستی سے بیزاری اور خدا کو پوجنے کی تحریک کا زور پکڑنا اسی عہد کا کارنامہ ہے۔ غیر مسلم رہنماؤں کے ذریعہ بت پرستی کے علی الرغم توحید کا درس انہی توحید پسند افراد کے اثرات ہیں۔ ان تمام خوبیوں کے باوجود یہ ایک ناقابل تردید تاریخی سانحہ ہے کہ اس قدر طویل عہد حکومت میں اسلام کو فروغ و بالادستی نہ ہو سکی۔ اسلام خود انہیں کے دربار میں غربت و افلاس کا شکار رہا۔ یہی وجہ ہے کہ مذہبی علماء دربار شاہی سے بیزار و متنفر رہے اور دوسری طرف سلاطین عیش کوشی میں مست رہے۔ ●●

رفقاء متوجہ ہوں

بار بار یاد دہانی کے باوجود اکثر رفقاء منی آرڈر کوپن پر نہ اپنا نام لکھتے ہیں اور پتہ اور چند تو یہ بھی نہیں لکھتے ہیں کہ یہ رقم کس لیے بھیجی جا رہی ہے۔

اس کوتاہی کی وجہ سے ہمیں پریشانی ہوتی ہے اور آپ کو بدگمانی۔ کیوں کہ رسیدیں چھان بین کے بعد ہی کاٹی جاتی ہیں پھر پرچہ جاری کیا جاتا ہے جس میں کافی وقت لگ جاتا ہے۔

رقم بھیجتے وقت کوپن پر اپنا پتہ صاف صاف تحریر کریں اگر آپ خریدار ہوں تو خریداری نمبر یا ایجنسی نمبر کا حوالہ بھی ضرور دیں۔

ڈاگ شو

اللہ تعالیٰ انسانوں کو جن مختلف طریقوں سے آزماتا ہے مال کی آزمائش ان میں سے ایک ہے۔ خدا کی ہدایت سے دور انسانوں کے پاس جب دولت کی فراوانی ہوتی ہے تو وہ اس کا اظہار اتنے بے جا اور غلط طریقوں سے کرتے ہیں، جس کو دیکھ کر نہ صرف احساس ہوتا ہے بلکہ ایک اہل ایمان فطری طور پر اپنے آپ کو اس کے لئے مجبور پاتا ہے کہ وہ بڑھ کر اسے روک دے۔

ایس۔ آئی۔ او نے اپنے قیام کے اوّل روز سے ہی اپنی پالیسی و پروگرام میں اس بات کو ملحوظ رکھا ہے کہ منکرات کے ازالہ کی کوششیں کی جائیں اور برائیوں کے خلاف جدّ وجہد کیا جائے۔

نہ صرف کیرلہ بلکہ ملک کی اکثر و بیشتر جگہوں میں یہ برائی عام ہے کہ سماج کا مالدار طبقہ جو اپنے آپ کو روشن خیال اور ترقی پسند بھی سمجھتا ہے انسانوں کے بجائے جانوروں کو زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ ہزاروں روپے کتوں کو پالنے اور ان کی دیکھ ریکھ پر صرف کرتا ہے اور ان کی نمائش کر کے دوسروں سے داد و تحسین حاصل کرنے میں فخر محسوس کرتا ہے۔ جب کہ ملک کی کثیر آبادی کو ایک وقت کی روٹی بھی آسانی سے نہیں مل پاتی ہے۔

اسی طرح کی ایک نمائش گزشتہ ۲۸ جنوری کو تریچور میں منعقد کی گئی۔ ایس۔ آئی۔ او کے علاوہ دوسری تنظیموں نے بھی اس کی مخالفت کی۔ ایس۔ آئی۔ او کے کارکنوں نے اس گراؤنڈ کے دروازے پر پُر امن مظاہرہ کیا اور نعرے لگائے جہاں یہ نمائش ہو رہی تھی۔ البتہ ایک دوسری تنظیم کے کارکنوں نے اس اسٹیج کے مائک اور دوسری چیزوں کی توڑ پھوڑ شروع کر دی جس پر کتے بیٹھے ہوئے تھے۔ نمائش کے منتظمین نے اس صورت حال کو دیکھ کر پولیس طلب کر لی جنہوں نے ہمارے کارکنوں سے کہا کہ وہ انھیں گرفتار کرنا چاہتی ہے ایس۔ آئی۔ او کے کارکنوں نے کہا کہ وہ اس کے لئے تیار ہیں البتہ اسٹیج پر جو کچھ ہوا اس سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اس وقت جب کہ چند رفقاء کو گرفتار کر کے ایک بس میں بٹھایا جا رہا تھا ایک سب انسپکٹر نے لاٹھی چارج کا حکم دے دیا۔ اور پولیس نے اپنے اس "فن" کا مظاہرہ انتہائی بربریت کے ساتھ کیا۔ بعد میں پولیس حکام نے یہ بات بتائی کہ لاٹھی چارج کا یہ حکم ان کی طرف سے نہیں تھا بلکہ یہ اس سب انسپکٹر کی غلطی تھی۔

اس اندھا دھند لاٹھی چارج کے نتیجے میں بہت سے بھائی زخمی ہوئے چھ بھائیوں کو اسپتال میں داخل کیا گیا۔ ایک بھائی کے سر پر زبردست چوٹ آئی جس کی وجہ سے ان کا داہنا ہاتھ فالج زدہ اور قوت گویائی رک گئی تھی۔ البتہ اب علاج کے بعد ان کی حالت ٹھیک ہے۔

کیرلہ کے کئی دانشوروں اور رہنماؤں نے اس واقعے کی مذمت کی۔ ایس۔ آئی۔ او کیرلہ نے اس واقعے کے خلاف پورے ریاست میں جلوس نکالا۔ ایس۔ آئی۔ او کے ایک وفد نے وزیر اعلیٰ سے ملاقات کر کے اس واقعے کی تحقیقات اور اس میں ملوث افراد کے خلاف کارروائی کا مطالبہ کیا۔ وزیر اعلیٰ نے اس واقعے کی تحقیقات کی یقین دہانی کرائی ہے۔

صدر تنظیم نے بھی اس واقعے کی تحقیقات کا مطالبہ کیا ہے۔ اور ذمہ دار پولیس افسروں کو برخواست کرنے کی مانگ کی ہے۔



ہر قوم کا بگاڑ ابتداً چند افراد سے شروع ہوتا ہے۔ اگر قوم کا اجتماعی ضمیر زندہ ہوتا ہے تو رائے عام ان بگڑے ہوئے افراد کو دبائے رکھتی ہے اور قوم بحیثیت مجموعی بگڑنے نہیں پاتی۔ لیکن اگر قوم ان افراد کے معاملہ میں تساہل شروع کر دیتی ہے اور غلط کار لوگوں کو ملامت کرنے کے بجائے انہیں سوسائٹی میں غلط کاری کے لئے آزاد چھوڑ دیتی ہے تو پھر رفتہ رفتہ وہی خرابی جو پہلے چند افراد تک محدود تھی، پوری قوم میں پھیل کر رہتی ہے۔ یہی چیز تھی جو آخر کار بنی اسرائیل کے بگاڑ کی موجب ہوئی

مولانا مودودیؒ

یزان عمل

سشر

ھیونڈی :۔ " نوجوانوں کی فکر اگر ڈھل جائے اور ان کی زندگی اسلامی تعلیمات میں ڈھل جائے تو مسلم معاشرہ کے لئے فلاح کے ساتھ ساتھ اس ملک کے کروڑوں غیر امن و شانتی کے حصول کی بنیادوں کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں " یہ بات سکریٹری اشٹر نے ایک جلسۂ تقسیم انعامات کے موقع پر ھیونڈی یونٹ کے زیر اہتمام منعقد کئے جانے والے دینی انعامی مقابلوں میں کامیاب ہونے والے طلبار کے اعزاز میں منعقد کیا گیا۔ ان مقابلوں میں پانچویں تا دسویں جماعت کے ۱۱ طلبار نے حصہ لیا۔

پربھنی :۔ گزشتہ ۸ فروری کو صدر تنظیم شریف لائے اس موقع پر ڈاکٹر ذاکر حسین ہال میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ ۸۰ کروڑ آبادی والے اس ملک میں ۱۵ سے ۳۵ سال کی عمر کے لوگ ۸۰ فی صد ہیں۔ ان کی صلاحیتوں سے اگر صحیح طور پر فائدہ اٹھایا جائے تو ملک میں ایک عظیم انقلاب آسکتا ہے۔ لیکن آج سیاست داں گندی چالوں سے ان کی صلاحیتوں اور توانائیوں کو برباد کر رہے ہیں۔

ایک دوسرے خطاب عام کے موقع پر آپ نے فرمایا کہ "مسلمانوں کے پاس اس وقت اسلام کی شکل میں بہترین نظام حیات کی صورت میں موجود ہے۔ دنیا ایک نئے نظریہ کی تلاش میں ہے کیونکہ اس وقت تمام باطل نظریات کی قلعی کھل چکی ہے ایسے موقع پر ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اس عظیم نعمت کو دوسروں تک بھی پہنچائیں۔

ایک اور خطاب میں آپ نے غیر مسلم طلبار اور نوجوانوں کو دعوت دی کہ وہ اسلام کو سمجھنے کے لئے قرآن اور اسلامی لٹریچر کا مطالعہ کریں۔

اردھاپور :۔ اردھاپور (ناندیڑ) میں ہر سال ایک عرس لگتا ہے۔ مقامی یونٹ نے اس موقع پر لوگوں کو اسلام کی حقیقی تعلیمات سے روشناس کرانے کے لئے علاقائی زبان کی کتابوں کا ایک اسٹال لگایا جس میں کثیر تعداد میں کتابیں فروخت ہوئیں۔

اسی یونٹ سے ماہانہ تربیتی اجتماع (۱۰ فروری) کی خبر بھی موصول ہوئی ہے۔ اس اجتماع میں سورہ یوسف کا اجتماعی مطالعہ ہوا اجتماع کی نگرانی جناب عبدالعزیز صاحب نے کی۔

ناندیڑ :۔

بامٹ اہمشا جھپٹ کر پلٹنا

لہو گرم رکھنے کا ہے یہ بہانہ

علامہ اقبالؒ کا یہ شعر مولانا عبدالقیوم صاحب ناظم علاقہ مرھٹواڑہ نے ایس۔ آئی۔ او اسپورٹس کلب کا افتتاح کرتے ہوئے سنایا آپ نے اپنی تقریر میں اس حدیث کا حوالہ بھی دیا جس میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قوی مومن کو پسند کرتا ہے۔ مولانا نے مزید فرمایا کہ ذہن و دماغ کو تازہ رکھنے کے لئے کھیل کود اور ورزش ضروری ہے۔

افتتاحی تقریر کے بعد کرکٹ کا کھیل ہوا جس میں چار مقامی ٹیموں نے حصہ لیا۔

بمبئی :۔ بمبئی یونٹ میں گزشتہ ماہ کئی اہم پروگرام ہوئے ——

بمبئی ڈویژن کے ایک وفد نے آگری پاڑہ کے فساد زدہ علاقے کا دورہ کیا جہاں پچھلے دنوں ہوئے فساد میں کئی قیمتی جانیں ضائع ہو گئیں۔ وفد کا احساس تھا کہ جب تک امت کے افراد اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی سیرت نبویؐ کے طریقے پر نہیں گزاریں گے امن و امان اور کامیابی ناممکن ہے۔ وفد نے زخمیوں کی عیادت بھی کی۔

بمبئی کا ماہانہ اجتماع سانتا کروز میں ہوا اس اجتماع میں الاتحاد الاسلامی سوڈان کے ایک طالب علم برادر محمد مصطفےٰ نے بھی تقریر کی۔

مومن پورہ کے اجتماع میں مولانا محبوب احمد ندوی صاحب نے فرمایا کہ محض ایمان لانا کافی نہیں۔ نیک عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ آپ نے اعلائے کلمۃ اللہ کی سربلندی کے لئے جدوجہد کرنے پر بھی زور دیا۔ اس اجتماع سے ڈاکٹر ملک عبدالقیوم صاحب، اسلم غازی صاحب اور قاضی منیر الدین صاحب نے بھی خطاب کیا۔

جماعت اسلامی کی جانب سے منعقد ایک خطاب عام میں تقریر کرتے ہوئے آرگنائزر برادر عبدالعظیم صاحب نے کہا کہ طلبار و نوجوان جو سماج کے روح رواں ہوتے ہیں وہ برائیوں کی طرف بڑی تیزی سے بڑھتے جا رہے ہیں۔ ایس۔ آئی۔ او ان کے اندر اسلام کا صحیح علم و شعور پیدا کر کے انھیں ان کی ذمہ داریاں یاد دلا رہی ہے۔

آزاد نگر گھاٹ کوپر :۔ آزاد نگر سرکل نے ایک بیت المال قائم کیا ہے جس سے ضرورت مند اور نادار لوگوں کی حسب استعداد مدد کی جاتی ہے گزشتہ ۳ ماہ سے ایک مریض کو علاج کے لئے ہر ماہ ۲۵۰ روپے بطور اعانت دی جا رہی ہے۔ غیر مسلم حضرات کو ہندی اور مراٹھی میں اور مسلم حضرات کو اردو میں مفت تقسیم کرنے کا بھی انتظام ہے

پونہ :۔ اپنے تنظیمی دورے کے موقع پر صدر تنظیم نے پونہ میں ۱۱ فروری کو طلبار اور اساتذہ سے خطاب کیا۔ آپ نے تحریک آزادی کی یاد دلاتے ہوئے کہا کہ ملک کو آزاد کرانے میں طلبار اور نوجوانوں نے اہم رول ادا کیا ہے اور آج بھی شمالی کوریا، بنگلہ دیش اور چین کی حکومتوں کو جھکنے پر مجبور کر دیا ہے۔ ملک کی موجودہ صورتِ حال پر تبصرہ کرتے ہوئے برادر پی۔ سی حمزہ نے کہا کہ ہمارے ملک میں زبان نسل اور علاقائیت کی بنیادوں پر مختلف گروہ باہم متصادم ہیں دوسری طرف طلبار اور نوجوان اخلاقی بگاڑ کی طرف گامزن ہیں ایسے حالات میں اس بات کی ضرورت ہے کہ مسلم طلبار و نوجوان اسلام کو مکمل نظام حیات کے طور پر برادران وطن کے سامنے پیش کریں

ناگپور :۔ ناگپور میں صدر تنظیم کی آمد پر ایک خصوصی اجتماع ہوا۔ صدر تنظیم نے اس موقع پر ایس۔ آئی۔ او کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی نیز ہندوستان کے موجودہ

حالات کے پسِ منظر میں اس کی بڑھتی ہوئی ضرورت اور ذمّہ داریوں کی بھی وضاحت کی۔

اکولہ:- صدر تنظیم ۱۲ر فروری کو اکولہ پہنچے۔ اسی دن ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ امن کے بغیر ملک کی ترقی ناممکن ہے۔ آپ نے طلباء اور اساتذہ کو ان کی ذمّہ داریاں یاد دلاتے ہوئے کہا کہ جب نوجوان سماج میں اچھا کردار اپناتے ہیں تو وہ سماج شاندار اور مثالی سماج بن جاتا ہے۔ آپ نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ آج ہمارے ملک میں نوجوان کی طاقت و صلاحیت غلط کاموں میں استعمال کی جا رہی ہے۔

اودگیر:- اودگیر یونٹ کا تربیتی اجتماع ۲۸ر فروری کو ہوا۔ اس موقع پر کئی تقریریں ہوئیں۔ برادر ہاشمی سید اسمٰعیل نے اسلام اور اجتماعیت کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے کہا اجتماعیت ہی قوموں کے عروج و زوال کا اصل سبب ہے۔ جناب قیام الدین صاحب نے امیر کی اطاعت کے عنوان پر گفتگو کرتے ہوئے بتلایا کہ امیر کی اطاعت دراصل اللہ اور رسولؐ کی اطاعت ہے۔ ڈاکٹر ایم۔ اے رحمٰن صاحب نے توحید، رسالت اور آخرت کو اسلام کا تین اساسی پہلو قرار دیا۔ "رحمٰن کے مقبول بندے" کے عنوان پر جناب مصباح الدین ہاشمی صاحب نے تقریر کی آپ نے کہا کامل بندگی ہی محبوبِ الٰہی کا ذریعہ ہے۔ ایک اور تقریر میں برادر صدیق احمد ہاشمی نے داعی کے اوصاف بیان کرتے ہوئے بتایا کہ اس شخص سے بڑھ کر کس کی بات ہو سکتی ہے جو یہ کہے کہ میں مسلمان ہوں۔

آندھرا پردیش

صدر حلقہ کا دورہ:- صدر حلقہ برادر حسیب احمد نے ۱۴ تا ۱۲ر فروری ریاست کے اضلاع اننت پور، کرنول اور کڑپہ کا دورہ کیا۔ ان اضلاع میں عمومی اجتماعات کے علاوہ تنظیمی اجتماعات میں بھی شرکت فرمائی۔ تنظیمی امور کا جائزہ لیا گیا۔ رپورٹیں، بیت المال اور دعوتی کاموں کے سلسلہ میں ضروری ہدایات دی گئیں۔

ظہیر آباد:- ظہیر آباد یونٹ نے تعلیم بالغان کا ایک سنٹر قائم کیا ہے اس کی افتتاحی تقریب ۲۲ر فروری کو منائی گئی۔ اس موقع پر برادر حامد محمّد خاں کی صدارت میں ایک جلسہ ہوا۔ جس میں صدر موصوف نے تعلیم کی اہمیت، اس کی افادیت اور مسلمانوں کی طرف سے تعلیم کو عام کرنے کے سلسلے میں کی جانے والی کوششوں سے سامعین کو روشناس کرایا۔ اس جلسہ سے خطاب کرنے والوں میں شری انیل کمار، جناب قطب سرشار اور ڈاکٹر عارف الدین صاحب بھی شامل ہیں۔

محبوب نگر:- طلباء اور نوجوانوں کے تعلیمی اور دیگر مسائل کے حل اور ان کے تعاون کے لئے محبوب نگر یونٹ نے اسٹوڈنٹس اسلامک ویلفیر سوسائٹی کے نام سے ایک کمیٹی تشکیل دی ہے۔ گزشتہ دنوں اس سوسائٹی کی طرف سے طلباء کی رہائش کے لئے مسلم ہاسٹل کا افتتاح ہوا اس تقریب میں صدر حلقہ و سکریٹری حلقہ بھی موجود تھے۔ اول الذکر نے اس کی صدارت کی۔ سکریٹری حلقہ نے آج کے تعلیمی اداروں اور ہاسٹلوں میں ریگنگ کے نام پر ہونے والے بدتمیزیوں اور بدسلوکیوں کی مذمت کی۔ صدر حلقہ نے ذمہ داروں سے درخواست کی کہ وہ طلباء اور نوجوانوں کی صحیح رہنمائی کریں۔

محبوب نگر کے اسی ہاسٹل میں ۷ر فروری کو ممبران کا ایک تربیتی اجتماع ہوا۔ جس کا اہم پروگرام مذاکرہ بعنوان "مقامی کام کو مستحکم کرنے میں اپنا رول" تھا۔ ڈسٹرکٹ آرگنائزر برادر ابوالمنظر عارف الدین صدیقی نے اس کی صدارت کی۔

بہار

اررید:- ۸ار فروری کو اررید یونٹ کا ایک خصوصی اجتماع ہوا جس میں برادر نیر الاسلام نے تنظیم کے اغراض و مقاصد کو تفصیل سے بتایا۔ آپ نے خدمتِ خلق پر بھی روشنی ڈالی اور تعاونوا علی البر والتقویٰ کو واضح کیا۔ موصوف نے کارکنان کو تعلیمی میدان میں آگے بڑھنے کے ساتھ ساتھ اپنے اخلاق و کردار کو سنوارنے پر بھی ابھارا۔ ۱۶ر فروری کو ممبران کی ایک خصوصی نشست بھی ہوئی۔

ایک اور اطلاع کے مطابق اررید یونٹ نے ہر سال کی طرح امسال بھی مقامی طور پر لگنے والے بلائنڈ ریلیف کیمپ میں اپنا بھرپور تعاون دیا۔ مریضوں کی تیمارداری اور ان کی خدمت کی۔

مرلی گنج:- مرلی گنج سرکل کا ایک روزہ تربیتی اجتماع ۷ر فروری کو ہوا جس میں بیرونی طلباء بھی مدعو تھے۔ مسلم طلباء کے کردار اور دعوتِ اسلامی کے عنوان سے برادر عین الحق نے تقریر کی۔ برادر قمر الحسن نے تحریکِ اسلامی پر گفتگو کی۔ برادر سلیم الدین اور برادر زبیر شاہی نے جہیز، فیشن پرستی وغیرہ برائیوں کے اثراتِ بد کا ذکر کرتے ہوئے ان سے بچنے کے عزم کا اظہار کیا۔

اتر پردیش

جامعۃ الفلاح:- آئندہ سال کے لئے فلاح یونٹ کی جلڈرن سرکل کے ذمّہ داران کا انتخاب عمل میں آیا۔ برادر رضوان عالم کو صدر اور برادر شعیب کمال کو سکریٹری منتخب کیا گیا۔

تامل ناڈ

مدراس:- گزشتہ دنوں مدراس یونٹ نے سکریٹری جماعت اسلامی ہند مولانا سراج الحسن صاحب کو ایک استقبالیہ دیا۔ مولانا موصوف نے کارکنان ایس۔ آئی۔ او کو خلوص و للہیت کے ساتھ دعوت و تبلیغ کا کام کرنے کی تلقین کی۔ اس موقع پر سرپرست حلقہ مولانا اعجاز احمد اسلم صاحب نے بھی کارکنان کو مفید مشورے دیئے۔

شیونے نگر:- شیونے نگر سرکل نے عوام کے استفادہ کے پیش نظر ایک گشتی لائبریری قائم کی ہے۔ جس سے گھر گھر جا کر کتابیں تقسیم کی جاتی ہیں۔ دو ماہ قبل قائم ہوئے اس لائبریری کو عوام نے بہت پسند کیا ہے اور اس میں خاصی دلچسپی لی ہے۔ اس لائبریری کا نام اسٹوڈنٹس اسلامک آرگنائزیشن سرکولیٹنگ اسلامک لائبریری (SIOCIL) رکھا گیا ہے۔

"امن کی پکار" ہر طرف

ایس آئی او [illegible] کی جانب سے ملک گیر پیمانے پر منائی جانے والی [illegible] کی پکار" مہم کی [illegible] کی آمد کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

کرناٹک

[illegible] کرناٹک میں ۳۲ مقامات پر مختلف پروگرام ہوئے [illegible] میں [illegible] کی [illegible] کی تعداد میں تقسیم کیا گیا اتنی ہی تعداد میں انگریزی اور [illegible] فولڈرس بھی بانٹے گئے۔ [illegible] پارٹیاں، سات سمپوزیم، [illegible] خطاب عام [illegible] کیا رہ [illegible] اور دوسرے [illegible] کی مجموعی تعداد [illegible] قریب تھی۔

[illegible] مساجد میں خطبات جمعہ دیئے گئے [illegible] کا مقابلہ کروایا گیا جس کا عنوان تھا [illegible] کے قیام میں مذہب کا رول" [illegible] طلبا [illegible] نے اس مقابلے میں حصہ لیا۔

[illegible] کتابوں کی فروخت [illegible] کا انتظام کیا گیا [illegible] مقامات پر [illegible] لگایا گیا [illegible] مجموعی طور پر [illegible] روپے کی کتابیں فروخت ہوئیں [illegible] ہبلی میں اس اسٹیل سے ۵ ہزار روپے کی کتابیں فروخت ہوئیں۔ [illegible] رائچور میں بھی کافی تعداد میں کتابیں فروخت ہوئیں۔ مہم کے اختتام پر [illegible] مختلف مقامات [illegible] امن ریلی نکالی گئیں۔

ھری ھر:۔ کرناٹک کے ہری ہر [illegible] نے اس مہم کے دوران کئی پروگرام کئے جس میں معززین شہر [illegible] تعلیمی اداروں کے ذمہ داران سے ملاقات شامل [illegible] معززین [illegible] کی نشست [illegible] صاحب اور جناب بشیر احمد صاحب نے تقریریں کی۔

ھبلی:۔ ہبلی یونٹ نے اس مہم کے موقع پر ایک سمپوزیم کا انعقاد کیا جس میں بہت [illegible] لوگوں [illegible] نے [illegible] کی [illegible] تقریباً ایک [illegible] کلب میں ہوا جس کا افتتاح ڈاکٹر انیس احمد صاحب نے کیا۔

کیرلہ

کیرلہ میں یہ مہم ۱۳ تا ۱۹ [illegible] منایا گیا۔ [illegible] مہم [illegible] سمپوزیم، سیمینار، امن [illegible] ہوئے۔ ایک [illegible] کا اہتمام [illegible] ریاست [illegible] مقامات پر [illegible] نے ڈرامے پیش کئے جس میں عوام [illegible] کافی دلچسپی لی۔ یہ [illegible] ایس آئی او کیرلہ کا کلچرل ونگ [illegible] کا سکلم [illegible]۔

"اسلام کا نظریہ امن" اس عنوان پر [illegible] ایک [illegible] بڑی تعداد [illegible] تقسیم کیا گیا۔

مہم کے آخر [illegible] کالی کٹ میں ایک [illegible] ریلی نکالی گئی جس میں شرکاء کی تعداد ۵ ہزار تھی۔ اس موقع پر سرپرست حلقہ نے خطاب فرمایا۔

مہاراشٹر

ممبرا:۔ ممبرا یونٹ (ضلع تھانہ) کی جانب سے اس مہم کے موقع پر ایک مذاکرہ کا انعقاد ہوا جس کی صدارت سرپرست حلقہ مہاراشٹر مولانا عبدالرشید عثمانی صاحب نے کی۔ مولانا نے اپنی صدارتی تقریر میں نصابی کتب [illegible] پریس، مفاد پرست سیاسی لیڈران ودیگر [illegible] ریڈیو اور ٹی۔ وی کے غلط استعمال کو [illegible] فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے لئے مہلک [illegible] قرار دیا۔ آپ نے کہا کہ انسانوں میں خوف خدا اور آخرت کی بازپرس کا احساس پیدا کر کے ہی انھیں غلط بینی، غلط اندیشی اور غلط کاری سے بچایا جاسکتا ہے اور اس کے نتائج سے محفوظ رکھا جاسکتا ہے۔

اس مذاکرہ سے مختلف سیاسی و مذہبی مسلم اور غیر مسلم قائدین نے خطاب کیا۔

گجرات

احمد آباد:۔ احمد آباد یونٹ سے بھی مہم منانے کی خبر موصول ہوئی۔ اس مہم کے دوران ۲۸ جنوری کو یہاں ایک سمپوزیم ہوا جس کی صدارت مولانا نظام الدین صاحب (امیر حلقہ گجرات) نے کی۔ آپ نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ "آج ملک بھر میں ہونے والے فسادات ہندو مسلم نہیں کرتے بلکہ یہ فسادات سیاسی افراد کی سازش کا نتیجہ ہے۔ حکومت امن قائم کرنے میں ناکام رہی ہے۔ درحقیقت حکومت انتظامیہ اور پولیس ہی کی ذمہ داری نہیں بلکہ تمام باشندگان ملک کو قیام امن کے لئے بھرپور کوشش کرنی چاہئے۔

سورت:۔ سورت میں اس مہم کے موقع پر ۲۳ جنوری کو معززین شہر کی ایک نشست ہوئی۔ ۲۹ جنوری کو ایک ٹی پارٹی کا نظم کیا گیا جس میں کئی لوگوں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور قیام امن کے سلسلے میں ایس۔ آئی۔ او کی کوششوں کو سراہا۔

یو۔ پی

علی گڑھ:۔ اس مہم کے سلسلے میں سلیمان ہال مسلم یونیورسٹی میں ایک سمپوزیم ہوا۔ اسلامیات کے ممتاز محقق مولانا سید جلال الدین صاحب عمری نے اس کی صدارت فرمائی۔ اس سمپوزیم میں ڈاکٹر جمیل فاروقی صاحب نے ملک میں بڑھتی ہوئی بدامنی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ ہندوستان مختلف تہذیبوں کا گہوارہ ہے۔ اس کے باشندوں کو آپس میں میل محبت کا سلوک کرنا چاہئے۔ انھوں نے مزید کہا کہ مذہب وسیاست کی تفریق کا نعرہ ایک گمراہ کن نعرہ ہے۔

ڈاکٹر ایم۔ سیرا نیم کا خیال تھا کہ قیام امن میں سب سے بڑی رکاوٹ نسلی وقومی برتری

اورذات پات کا امتیاز ہے۔ یہاں امن کے بقا کی واحد شکل یہ ہے کہ اقلیتوں کے مسائل حل کئے جائیں اور جیو اور جینے دو کی پالیسی پر عمل کیا جائے۔

برادر اسرار عالم سب ایڈیٹر ریڈینس نے اپنی تقریر کے دوران یہ سوال اٹھایا کہ کیا ہندوستان میں امن کا فقدان ہے پھر جواب دیتے ہوئے کہا کہ یقیناً یہاں امن نہیں ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے بدامنی کی کئی صورتیں بھی بیان کیں پھر امن کے مختلف مفاہیم کا ذکر کرتے ہوئے اس کا اصل مفہوم بیان کیا اور بتایا کہ انسانیت کو اس وقت تک امن نہیں مل سکتا جب تک کہ وہ صحیح مقصد زندگی کی تلاش نہیں کرتی اور اس پر عامل نہیں ہوجاتی اس ضمن میں انھوں نے اسلام کے تصور توحید، مساوات بنی آدم اور آخرت کی جوابدہی کے تصورات کو فکری طور پر واضح کیا کہ یہ وہ بنیادیں ہیں جنھیں اپنا کر حقیقی اور پائیدار امن کی توقع کی جاسکتی ہے۔

پروفیسر مہدی حسن صاحب نے بھی اس موقع پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

اپنی صدارتی تقریر میں مولانا سید جلال الدین صاحب نے فرمایا کہ اگر قانون فطرت کے مطابق انسان زندگی بسر کرے تو امن قائم ہوسکتا ہے۔ قانون فطرت کی وضاحت کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ زندگی کے تمام شعبوں میں اسلامی اقدار کی فوقیت تسلیم کی جائے اسی کی بدولت ماضی میں بھی امن قائم ہوا تھا اور مستقبل میں بھی اس کے ذریعہ ہوسکتا ہے مولانا نے مزید فرمایا کہ امن کے قیام میں عدل و انصاف انتہائی ناگزیر ہے اس کے ختم ہوجانے سے ہر قسم کی برائیوں نے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔

چاندپور وشیرکوٹ: چاندپور اور شیرکوٹ میں اس مہم کے دوران مذاکرے ہوئے۔ چاندپور میں ڈاکٹر شانتی سروپ نے جلسہ کی صدارت [illegible] شیرکوٹ کے مذاکرہ کی صدارت منشی کھیان سنگھ نے کی۔ اس سمپوزیم میں بڑی تعداد میں ہریجن بھائیوں نے بھی شرکت کی۔

بہار

کٹھار: کٹھار یونٹ کے زیر اہتمام امن کی پکار مہم پندرہ واڑہ کے سلسلے میں کٹھار شہر کے مختلف کالجوں میں غیر مسلم طلبا اور نوجوانوں سے ملاقات اور اسلام اور مسلمانوں کے تئیں غلط فہمیوں کے ازالے کے تعلق سے گفتگو کی گئی۔ کتابیں اور فولڈرس تقسیم کئے گئے۔ شہر کی معروف جگہوں پر پوسٹرس آویزاں کئے گئے۔ مخصوص مساجد میں مسلمانوں کی ذمہ داریوں کے سلسلے میں تقریریں ہوئیں۔ کارنر میٹنگیں ہوئے۔ انجمن اسلامیہ ہال میں برادر [illegible] الزماں کی صدارت میں ایک سمپوزیم ہوا۔ [illegible] کے پروفیسر [illegible] نے طلبا اور نوجوانوں کی [illegible] کی لعنت اور مادہ پرستانہ ذہن پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ آج ہمارا سماج مغربی تہذیب کی زد میں آگیا ہے۔ پروفیسر بی۔ ایل منڈل نے اسلام کو [illegible] کا دین بتایا۔ اے۔ بی۔ وی۔ پی کے [illegible] نے کہا [illegible] حساس تھا کہ ہم ایک دوسرے الگ نہیں ہیں [illegible] ایک دوسرے سے جھجک محسوس نہیں کرنی چاہئے۔

صدر مذاکرہ نے سماجی مسائل پیدا ہونے کی وجہ حرص، لالچ، مفاد پرستی اور ہوس کو قرار دیا۔ اور کہا کہ یہ برائیاں خدا سے بے خوفی کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہیں۔

گرلس اسلامک آرگنائزیشن

اورنگ آباد (مہاراشٹر) "اسلامی معاشرہ کی بنیاد مسلم طالبات ہی میں کیوں کہ یہی [illegible] کی ذمہ دار مائیں بننے والی ہیں اور انھیں کے گہوارۂ تربیت میں نونہالان قوم پرورش پانے والے ہیں" ان خیالات کا اظہار سابق صدر طلبہ ایس آئی او برادر محمد اشفاق احمد نے جی۔ آئی او کی جانب سے منعقدہ ایک تربیتی اجتماع میں کیا۔ بہن شاہدہ وسیم نے جی۔ آئی۔ او کا تعارف پیش کیا اور بہن سطوت جبیں نے شہر کے مختلف مقامات پر جی۔ آئی۔ او کی سرگرمیوں کی رپورٹ پیش کی۔

ادارۂ تعارف اسلام جامعہ دارالسلام عمرآباد

چھٹا سمر اسلامک کورس

[illegible]

[illegible] ہے۔ انشاء اللہ

[illegible]

پتہ

Director,

[illegible]

Rafeeque-e-Manzil Monthly
NEW DELHI 110025

APRIL 1988

VOL. 1 NO. 5
R.N.I. 47222/87
Regd. NO. D(SE)90
Licence No. U(SE)23
To Post Without Prepayment

ہماری چند مطبوعات

نقوش ہدایت
از مولانا سراج الدین ندوی

اس کتاب میں مختلف عنوانات کے تحت چھوٹی چھوٹی احادیث جن کی مجموعی تعداد ۳۶۵ ہوتی ہے درج کی گئی ہیں۔ ہر عنوان سے متعلق قرآنی آیات بھی شامل کی گئی ہیں۔ طلبہ، متعلمین، مقررین نیز جو لوگ احادیث یاد کرنا چاہیں ان کے لئے ایک بیش بہا تحفہ ہے۔ کئی مقامات پر یہ کتاب نصاب میں رکھی گئی ہے۔

طباعت عمدہ صفحات ۸۰، قیمت صرف ۵/- روپے

حدیث کا تعارف
از محمد فاروق خان

اس کتاب میں حدیث اور علوم حدیث کے بارے میں جملہ معلومات فراہم کر دی گئی ہیں۔ ائمہ و محدثین کے حالات بھی بیان کئے گئے ہیں۔ صحیح احادیث کو غیر مستند احادیث سے الگ کرنے کے لئے محدثین نے کیا سائنٹفک طریقے اختیار کئے۔ نیز اصطلاحات حدیث پر بھی مفصل گفتگو کی گئی ہے۔

طباعت عمدہ پاکیزہ ٹائٹل قیمت صرف ۶/- روپے

یہ کتاب ہندی میں بھی دستیاب ہے۔ قیمت ۶/- روپے

علم حدیث میں برعظیم پاک و ہند کا حصہ
از ڈاکٹر محمد اسحاق
ترجمہ: شاہد حسین رزاقی

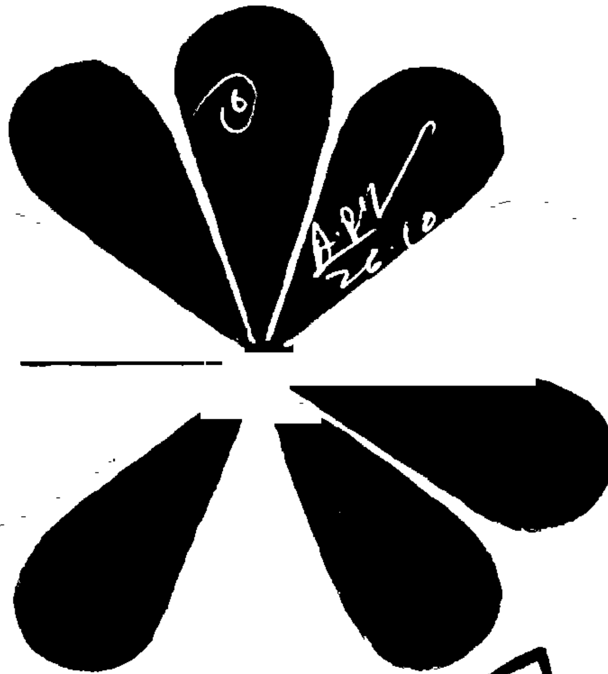
بلند پایہ تحقیقی کتاب ہے۔ جس میں برعظیم میں علم حدیث کے فروغ و اشاعت کی تاریخ مرتب ہو گئی ہے۔ ہندو پاک کے محدثین اور اہل علم کے حالات کا تذکرہ بھی ہے

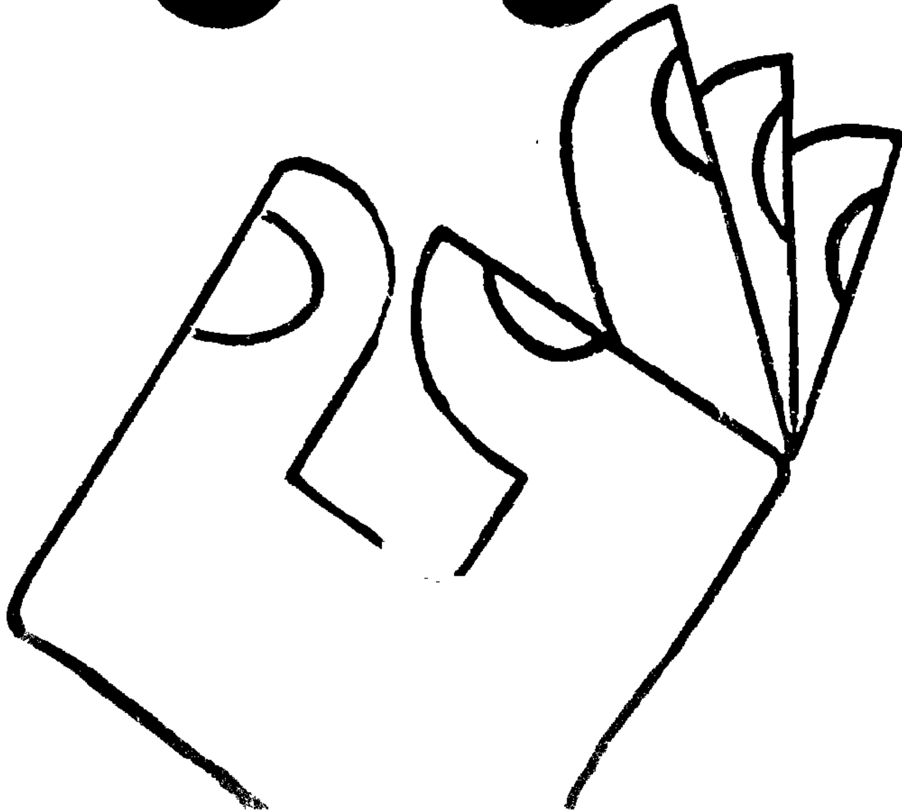
کتابت و طباعت معیاری، خوبصورت جلد کے ساتھ قیمت صرف ۲۰/- روپے

مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۶

Edited, Printed and Published by MUNAWWER HUSSAIN on behalf of S.I.O of India, 230, Abul Fazal Enclave, Okhla...

ماہنامہ زینتِ منزل دہلی





اپیل

برادران اسلام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

اسٹوڈنٹس اسلامک آرگنائزیشن آف انڈیا کی تشکیل ۱۹۸۳ء میں ہوئی۔ یہ تنظیم بالخصوص طلباء اور نوجوانوں میں اسلام کا صحیح شعور پیدا کرنے اور ان کی توانائی کو تعمیری خطوط پر ڈھالنے کی جد وجہد کر رہی ہے۔

الحمد للہ، قلیل عرصہ میں ہی اس نے ملک کی ۲ ریاستوں میں اپنی دعوت کو پھیلا دیا ہے۔ اور ہزاروں طلباء ونوجوان اس سے وابستہ ہوکر اسلام کی دعوت کی اشاعت میں مدد دے رہے ہیں۔ پچھلے سال کے دوران میں اس نے مختلف پروگراموں کو منعقد کرکے ملک میں اپنا ایک مقام بنالیا ہے۔ تنظیم اپنے قیام سے ہی تحریک اسلامی کے سرگرم رول ادا کر رہی ہے اور اس کے پروگراموں میں سرگرمی کے ساتھ حصہ لے کر تحریک کو استحکام عطا کیا ہے اور مزید اسکے لئے کوشاں ہے۔

جہاں اس نے مسلم طلباء ونوجوانوں کے دلوں پر اسلام کے گہرے نقوش ثبت کئے ہیں وہیں اس نے غیر مسلم طلباء ونوجوانوں سے بہتر رشتے استوار کئے ہیں اور ان کی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا ہے۔ ملک میں باہمی ہم آہنگی کی فضا پیدا کرکے فرقہ وارانہ کشیدگی کو اپنے مختلف پروگراموں کے ذریعہ ختم کرنے کی کوشش کی ہے۔ حال ہی میں تنظیم کی جانب سے ملک گیر سطح پر "اس کی پکار" مہم چلائی گئی جو قابل ذکر ہے۔

ملک کے جن اداروں میں کمیونزم اور قادیانیت کی جڑیں پھیلی ہوئی ہیں وہاں بھی اسلام کی دعوت پہنچانے کی کوشش کی گئی، طلباء کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی گئی اور تعلیمی پسماندگی دور کرنے کے لئے پروگرام چلائے گئے۔ سماج میں پھیلی ہوئی برائیوں کے خلاف آواز اٹھاکر ملک میں کھلاڑیوں کے فروغ اور مدرسوں کے ارتقاء کی جد وجہد کی گئی۔ ہمارے ان تمام کاموں اور سرگرمیوں کو ملک وملت کے افراد کی حمایت بھی حاصل رہی ہے اور ان کے ذریعہ سراہا بھی گیا ہے۔

ایس آئی او کے مختلف حلقوں کے ذریعہ بچوں کو اسلامی طور پر منظم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ کارکنان کی تربیت کا خصوصی نظم کیا جاتا ہے نیز آرٹ، لٹریچر، اسپورٹس اور گیمس کے ذریعہ ہمت افزائی کی جاتی ہے۔ ایس آئی او کے مختلف ترجمان، اردو، ہندی، ملیالم، تمل، انگریزی میں شائع ہوتے ہیں۔ اس نے اپنا ایک پبلیکیشن بھی قائم کیا ہے جو انشاء اللہ جلد ہی کام کا آغاز کرے گا۔

مندرجہ بالا ہماری تمام سرگرمیوں اور جد وجہد میں اکثر ہمارے رفقاء ہی اخراجات پورے کرتے ہیں لیکن ہمارے محدود ذرائع ووسائل کو دیکھتے ہوئے تنظیم کے بہی خواہاں نے بروقت اعانت کی ہے جس کی وجہ سے ہم اپنی سرگرمیوں میں آگے بڑھتے ہیں۔ خدا انہیں جزائے خیر دے آمین۔

فی الوقت ایس۔آئی۔او کا مرکز ایک چھوٹی سی عمارت میں ہے۔ اسی تنگ عمارت میں تنظیم کے تمام دفاتر بھی ہیں۔ جگہ کی تنگی کو محسوس کرتے ہوئے نئی دہلی میں "جسولہ" کے مقام پر ایک پلاٹ خرید لیا گیا ہے لیکن زمین کی خریداری اور ابتدائی اخراجات ایک موٹی رقم کا تقاضا کرتے ہیں۔

لہٰذا ہماری ضرورتوں کے پیش نظر آپ سے استدعا ہے کہ رمضان المبارک کے اس بابرکت مہینے میں زیادہ سے زیادہ وسعت القلبی کے ساتھ اپنی زکوٰۃ، صدقات، اعانتیں ہمیں اس کار خیر کے لئے روانہ فرمائیں۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو۔

آپکا دینی بھائی۔

پی سی حمزہ

صدر ایس آئی او آف انڈیا

330, ABUL FAZAL ENCLAVE,
OKHLA, NEW DELHI 110025

چیک اور ڈرافٹ پر صرف اتنا لکھیں

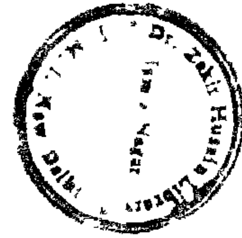
STUDENTS ISLAMIC ORGANISATION OF INDIA

ماہنامہ رفیقِ منزل نئی دہلی

جلد نمبر ۱
شمارہ نمبر ۶
مئی ۱۹۸۹ء
رمضان و شوال ۱۴۰۹ھ

مدیر اعزازی : منظور حسین فلاحی

آئینۂ ترتیب



نگراں : جاوید اختر

شرح خریداری
فی پرچہ ۲ روپے
ششماہی ۱۵ روپے
سالانہ ۲۵ روپے
غیر ممالک ۱۵۰ روپے
[illegible]

Manager
RAFEEQUE-E-MANZIL
230, Abul Fazal Enclave
OKHLA New Delhi 110025

ڈرافٹ پر صرف اتنا لکھیں
RAFEEQUE-E-MANZIL

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ شمارہ جب آپ تک پہونچے گا رمضان المبارک کا مہینہ جس کی ابتدا ہو چکی ہے نصف سے زیادہ گزر چکے گا۔ اس مہینے سے روزہ داروں کو رحمت و مغفرت اور اجر و ثواب کے علاوہ جو تربیت ملتی ہیں ان میں قرآن مجید سے غیر معمولی شغف، احکام خداوندی کی اطاعت اور اس کی معصیت سے اجتناب کی صلاحیت اور سماجی بھلائی کے کاموں کی طرف توجہ بہت اہم ہیں۔ مسلم سماج کا ایک جائزہ جہاں یہ دلکش پہلو ہمارے سامنے لاتا ہے کہ اس میں دینداری کی فضا پائی جاتی ہے پہلے کے مقابلے میں دین سے وابستگی میں اضافہ معلوم ہوتا ہے وہیں یہ تاریک پہلو بھی عبرت کے لئے کافی ہے کہ اخلاقی گراوٹ، خود غرضی، مفاد پرستی جیسے رجحان میں بھی خطرناک حد تک اضافہ ہو رہا ہے۔ اسلام مسلمانوں کو ایثار و بے غرضی کا سبق سکھاتا ہے مگر وہ غرض و مفاد کی بندگی میں اس قدر مست ہیں کہ نہ خدا کا کوئی خوف ہے اور نہ آخرت کے محاسبہ کا کوئی اندیشہ۔ آج کے مسلمان سماج میں بھی یہ لعنت آپ کو مل سکتی ہے کہ مسجدوں، عیدگاہوں اور مقبروں کی زمینوں پر ناجائز تصرف مسلمان ہی کرتے ہیں۔ خواتین کو جائز حقوق سے محروم کرکے جہیز کے نام پر مال و دولت اور جائیداد کی فرمائش کی جاتی ہے۔ اسی رجحان کا یہ بھیانک روپ بھی مسلم سماج دیکھنے لگا ہے کہ جہیز کی خاطر یا تو لڑکیاں خودکشی کر رہی ہیں یا انہیں نذر آتش کر دیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے ادارے بدعنوانیوں کی آماجگاہ، اقربا پروری کی رزم گاہ اور بدانتظامیوں کا ایک شاہکار ہیں۔ دینی تنظیموں کے زیر انتظام چلنے والے اداروں کے ماسوا ایک بھی ادارہ ان چیزوں سے پاک نظر نہیں آسکتا۔ خود غرضی اور مفاد پرستی کے یہ افسوسناک مظاہر ان میں سے چند ہیں جن سے آپ کو اپنے سماج میں واسطہ درپیش ہے۔ کیا بیواؤں، یتیموں اور سماج کے کمزور عناصر کی خبرگیری کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے ناسور ہماری توجہ کے مستحق نہیں؟ ضرورت اس بات کی ہے کہ سماج کے خیر پسند افراد کو خالص خداترسی اور آخرت کی جوابدہی کی بنیاد پر اکٹھا کیا جائے اور کسی بڑے فتنے یا انتشار کے بغیر اپنے سماج کی ان لعنتوں کا خاتمہ کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں جو نہ صرف ہمارے سماج پر ایک سیاہ داغ ہے بلکہ اسلام کی رسوائی اور بدنامی کا سبب ہے اللہ کے حضور جوابدہی کے احساس کے مردہ ہو جانے کے سبب مسلم سماج میں جو بے شمار خرابیاں پائی جاتی ہیں وہ وہ آپ کی نظروں کے سامنے ہیں اس لئے اجتماعی مفاد کے بہت سے کام ایسے ہیں جن کی ضرورت آپ محسوس کرتے ہوں۔ تحریکی بنیادوں پر انہیں یکے بعد دیگرے انجام دیا جاسکتا ہے۔ ضرورت صرف احساس اور عملی اقدام کی ہے۔ رمضان کا یہ مبارک مہینہ ہمیں سماجی اصلاح کے اس پہلو کی طرف بھی متوجہ کرتا ہے اگر ہم نظر بصیرت سے کام لیں۔ سماج کے صالح اور خیر پسند نوجوان غیر جذباتی انداز میں اپنے بزرگوں کے تعاون سے یہ بڑا کارنامہ انجام دے سکتے ہیں۔



انسانی اخلاق[1]

محمد فاروق خاں

عَنْ ابنِ عُمَرؓ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا النَّاسُ کَالاِبِلِ الْمِائَۃِ لَاتَکَادُ تَجِدُ فِیْھَا رَاحِلَۃً (بخاری ومسلم)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لوگ ان سَو اونٹوں کے مانند ہیں جن میں مشکل ہی سے تم کسی کو سواری کے قابل پاسکو"

یعنی جس طرح اونٹوں کی ایک کثیر تعداد میں اپنے مطلب کا اونٹ آسانی سے نہیں ملتا ٹھیک یہی حال انسانوں کا بھی ہے معیاری اور انسانی اوصاف وکمالات کے حامل لوگ کم ہی ملتے ہیں۔ یہ حقیقت اگر ہمارے پیش نظر رہے تو ہم اس صورت حال سے کبھی بددل اور مایوس نہیں ہوں گے کہ زیادہ سے زیادہ اچھے اور بھروسے کے لوگ کیوں نہیں ملتے۔ ایسے لوگ ہوتے ہی کم ہیں۔ لیکن اگر کچھ تھوڑے افراد بھی معیاری قسم کے میسر آجائیں تو وہ ایک بڑی اکثریت پر بھاری ہوں گے۔ ان کے ذریعہ سے بڑا سے بڑا کارنامہ انجام پاسکتا ہے۔ تاریخ انسانی بھی ہمیں یہی بتاتی ہے۔

انسانی اخلاق اور انسانی صلاحیتوں کو اسلام کے ذریعہ جلا ملتی ہے۔ اسلام کی روشنی میں وہ چمک اٹھتے ہیں۔ انسان کے اندر جو بھی خوبیاں اور صلاحیتیں پائی جاتی ہوں ان کے صحیح استعمال سے ہی وہ کامیابی کے اونچے مقام تک پہنچ سکتا ہے۔

اس حدیث سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت پسندی کا پتہ چلتا ہے۔ مومن کا فرض ہے کہ وہ دنیا میں حقائق سے صرف نظر کرکے ہرگز زندگی نہ گذارے۔

وَعَنْ اَبِی ھُرَیْرَۃَؓ قِیْلَ یَارَسُولَ اللّٰہِ مَنْ اَکْرَمُ النَّاسِ؟ قَالَ: اَتْقَاھُمْ فَقَالُوْا: لَیْسَ عَنْ ھٰذَا نَسْأَلُکَ۔ فَقَالَ: فَیُوْسُفُ نَبِیُّ اللّٰہِ ابْنُ نَبِیِّ اللّٰہِ اِبْنِ نَبِیِّ اللّٰہِ ابْنِ خَلِیْلِ اللّٰہِ۔ قَالُوْا: لَیْسَ عَنْ ھٰذَا نَسْأَلُکَ۔ فَقَالَ: فَعَنْ مَعَادِنِ الْعَرَبِ تَسْأَلُوْنَ خِیَارُھُمْ فِی الْجَاھِلِیَّۃِ خِیَارُھُمْ فِی الْاِسْلَامِ اِذَا فَقِھُوْا (بخاری)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ معزز اور بزرگ کون ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: "جو ان میں سب سے زیادہ متقی ہو۔"

[1] زیر ترتیب کتاب کلام نبوت۔ جلد دوم صفحہ

لوگوں نے عرض کیا کہ ہم آپ سے یہ بات نہیں پوچھتے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: "سب سے زیادہ معزز یوسف نبی اللہ ابن نبی اللہ ابن نبی اللہ ابن خلیل اللہ ہیں۔" لوگوں نے کہا کہ ہم آپ سے یہ نہیں پوچھتے۔ آپؐ نے فرمایا: "اچھا تم معادنِ عرب کے بارے میں پوچھ رہے ہو[1]۔ ان میں جو جاہلیت میں بہتر تھے وہی اسلام میں بھی بہتر ہیں بشرطیکہ (دین میں) سمجھ حاصل کرلیں[2]۔"

[1] انسانوں کی مثال معدنیات کی ہے۔ جس طرح معادن میں مختلف قسم کی معدنیات ملتی ہیں۔ یہاں تک کہ لوہا، کوئلہ وغیرہ کے علاوہ سونے اور چاندی کی کانیں بھی پائی جاتی ہیں۔ یہی حال انسانوں کا بھی ہے۔ جہاں ایک طرف بہترین اور قابل قدر انسان ہمیں ملتے ہیں وہیں ایسے لوگوں سے بھی اکثر سابقہ پیش آتا ہے کہ انسانیت کا سر ندامت سے جھک جائے۔

[2] یعنی جو لوگ زمانۂ جاہلیت میں جرأت مند، بہادر، ایثار پیشہ، باحوصلہ، عالی ظرف اور زندہ دل یعنی انسانی خوبیوں کے حامل تھے وہی اسلام میں بھی بہتر ثابت ہو سکتے ہیں بشرطیکہ اسلام کی صحیح معرفت انہیں حاصل ہو جائے۔ پست اور بے حوصلہ کم لوگ نہ جاہلیت اور باطل کے کام کے ہیں اور نہ اسلام کی سربلندی اور انسانیت کی خدمت میں ان کا کوئی خاص حصہ ہو سکتا ہے۔

وَعَنْ اَبِی ھُرَیْرَۃَؓ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ تَجِدُوْنَ النَّاسَ مَعَادِنَ خِیَارُھُمْ فِی الْجَاھِلِیَّۃِ خِیَارُھُمْ فِی الْاِسْلَامِ اِذَا فَقِھُوْا وَتَجِدُوْنَ خَیْرَ النَّاسِ فِی ھٰذَا الشَّانِ اَشَدَّھُمْ لَہٗ کَرَاھِیَۃً وَتَجِدُوْنَ شَرَّ النَّاسِ ذَاالْوَجْھَیْنِ الَّذِی یَأْتِیْ ھٰؤُلَاءِ بِوَجْہٍ وَیَأْتِیْ ھٰؤُلَاءِ بِوَجْہٍ (بخاری)

حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: "تم لوگوں کو معادن (معدنیات کی کانوں) کے مانند پاؤ گے۔ ان میں جو جاہلیت میں اچھے تھے وہ اسلام میں بھی اچھے ہیں بشرطیکہ وہ (دین میں) سمجھ حاصل کرلیں۔ اور تم اس معاملہ (اسلام) میں لوگوں میں سب سے بہتر اس کو پاؤ گے جسکو اس سے سب سے زیادہ نفرت تھی۔ اور تم لوگوں میں سب سے برا اسے پاؤ گے جس کے دو رُخ ہوں۔ ان لوگوں کے پاس جاتا ہے تو ایک منہ کے ساتھ اور ان کے پاس پہنچتا ہو تو دوسرے منہ کے ساتھ۔

بقیہ صفحہ ۲۳ پر

ایک عبرتناک واقعہ

عارف اقبال
نئی دہلی

تقسیم ہند سے کچھ قبل کی بات ہے۔ شمالی بہار کے ایک گاؤں کا بے تاج بادشاہ یوسف جاگیر دار تھا۔ اس کے مظالم کی داستانیں ایسی ہیں جنھیں بھلایا نہیں جاسکتا۔ آج بھی لوگ جب ان داستانوں کو بیان کرتے ہیں تو رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اس کے ظلم کی انتہا یہ تھی کہ رات میں جب بچے روتے تھے تو مائیں انہیں یوسف جاگیردار کے نام سے ڈراتی تھیں۔

یوسف جاگیر دار نہایت مغرور، عیاش اور خود پسند شخص تھا۔ اسے دنیا میں کسی سے کوئی مطلب نہیں تھا۔ تنک مزاج بھی تھا۔ بات بات میں بندوق اور تلوار نکال لینا اس کا مشغلہ تھا۔ گھوڑے پر سوار ہوکر جب گاؤں کی طرف نکلتا تو لوگوں کو ہدایت تھی کہ کھڑے ہوجائیں اور اپنی نظریں نیچی رکھیں۔ گاؤں والے اس کی آمد کی خبر سن کر یا تو گھروں میں چھپ جاتے یا جو کھیت میں ہوتے وہ تھر تھر کانپتے ہوئے ہاتھ جوڑ کر اس کے سامنے کھڑے رہتے۔ اگر جاگیر دار ذرا بھی گاؤں میں کسی سے بد دل ہوگیا تو اس کے ہرے بھرے کھیتوں میں آگ لگادی جاتی۔ غریبوں کے خون کا ایسا پیاسا تھا کہ انھیں قرض دے کر پائی پائی وصولنے کے ساتھ سود در سود بھی وصول کرتا حتیٰ کہ غلاموں کی طرح جسمانی خدمات بھی لیتا۔ گاؤں کا کوئی بھی فرد اس سے خوش نہ تھا۔ گاؤں کی کوئی دوشیزہ اگر اسے پسند آگئی تو دن دہاڑے اسے لقمہ بنالیتا۔ دوسرے دن یا تو لڑکی کی لاش ملتی یا لٹی پٹی اپنے گھر واپس ہوتی۔ والدین رو دھو کر رہ جاتے۔ ان کی فریاد کی دادرسی کرنے والا کوئی نہ تھا۔ گاؤں والے بے حد دکھی تھے۔ خدا سے دعا کرتے کہ اس مصیبت سے نجات ملے۔ مگر وہاں کون کس کی سنتا، ہر کوئی اس کے ظلم کی چکی میں پس رہا تھا۔

گاؤں والے کر بھی کیا سکتے تھے۔ اس علاقہ میں یوسف جاگیردار کا اتنا رعب و دبدبہ تھا کہ اس کے مظالم کی داستانیں سن کر ہی باہر کے لوگ اس سے پناہ مانگتے تھے۔

ایک دن جاگیردار اپنے بنگلہ میں آرام کر رہا تھا۔ اسے کسی چیز کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس نے اپنی بیوی کو آواز دی۔ لیکن ایک منٹ کے بعد بھی جب کوئی آواز نہ ملی تو غصہ سے بھرا ہوا ہاتھ میں بندوق لے کر بیوی کے کمرے کی طرف لپکا۔ بیوی اپنے کمرے میں کھڑی تھی اور اس کا پشت دکھائی دے رہا تھا۔ جاگیردار نے نشانہ لے کر فوراً بندوق کی لبلبی دبادی۔ ایک دھماکہ کے ساتھ ایک چیخ سنائی دی اور اس کی بیوی دھڑام سے فرش بوس ہوگئی۔ کچھ دیر کے لئے تو جاگیر دار بھی سکتہ میں آگیا۔

مصلا پر جاگیر دار کی بیوی کی لاش پڑی تھی جس وقت جاگیر دار نے آواز دی وہ نماز ادا کر رہی تھی۔ جاگیر دار کی بیوی نیک سیرت خاتون تھی۔ اس نے جاگیردار کے برعکس فطرت پائی تھی۔ وہ جاگیر دار کی حرکتوں سے ہمیشہ دکھی رہتی، خدا سے دعا کرتی کہ اس موذی سے نجات ملے۔ آج واقعی اسے نجات مل گئی تھی۔

قتل کی خبر چھپائی نہیں جاسکتی۔ جاگیر دار کی بیوی کے قتل کا معاملہ تھا، جنگل کی آگ کی طرح سارے گاؤں میں پھیل گئی۔ پولس آئی اور ضابطہ کی کارروائی کے بعد جاگیر دار کو تھانہ لے گئی۔ چند دنوں کے بعد جاگیر دار ضمانت پر رہا ہوگیا۔ کچھ دنوں تک تو مقدمہ چلا پھر ڈھیر سارے روپے کے عوض جاگیر دار ایک دن باعزت بری ہوگیا۔

لیکن خدا کی بے آواز لاٹھی میں حرکت آچکی تھی۔ "خدا اور مظلوم کی آہوں کے درمیان کوئی پردا نہیں ہوتا۔"

اچانک ایک دن جب جاگیر دار سو کر اٹھا تو اس کی ذہنی کیفیت بدل چکی تھی۔ ایک طرح سے وہ پاگل ہوچکا تھا۔ عجیب جانوروں جیسی حرکت کرتا۔ یہ خبر گاؤں میں جلد ہی پھیل گئی کہ جاگیر دار پاگل ہوگیا ہے۔ اب گاؤں والوں کے نزدیک اس کی وقعت ایک کیڑے سے زیادہ نہ تھی۔ شاید یہ خدائی انتقام تھا۔

صرف اسی پر بس نہیں ہوا۔ ایک دن گاؤں والوں نے دیکھا کہ پھٹے پرانے کپڑے میں ایک آدمی جاگیر دار کے بنگلہ کے سامنے بیٹھا ہے۔ اس کے سامنے سڑے گلے کھانے پڑے ہیں وہ خود بھی کھا رہا ہے اور کچھ کتے بھی اسی برتن میں کھا رہے ہیں۔ برسوں تک جاگیردار اسی طرح سسکتا رہا۔ پھر اس کی موت واقع ہوگئی۔

جاگیر دار کا یہ عبرتناک انجام آج بھی گاؤں والوں کے سامنے تازہ ہے۔ لوگ اسے سبق کی طرح یاد رکھے ہوئے ہیں۔ ●●

انٹرویو

مولانا ابوبکر اصلاحی صاحب سے

ملاقاتی ضیاءالدین ملک
جامعۃ الفلاح

(یہ انٹرویو مشرقی یوپی کی مشہور درسگاہ جامعۃ الفلاح (اعظم گڑھ) میں لیا گیا ۔ ادارہ)

س:۔ آپ نے ابتدائی تعلیم کہاں پائی مدرسۃ الاصلاح میں کس درجہ سے تعلیم کا آغاز ہوا۔ آپ کے اساتذہ کون کون ہیں؟

ح:۔ میرا اصلی وطن بینا پارہ ضلع اعظم گڑھ ہے۔ ۳ر جولائی ۱۹۲۲ء کو بینا پارہ میں پیدا ہوا۔ بینا پارہ میں اس وقت مکتب اسلامیہ تھا، پرائمری تعلیم میں نے وہیں کے مکتب میں پائی۔ اس کے بعد مدرسۃ الاصلاح میں داخل کیا گیا۔ چونکہ مدرسۃ الاصلاح میں پرائمری کے درجات سوم و چہارم میں فارسی پڑھائی جاتی تھی اس لئے درجہ سوم میں داخلہ ہوا۔ یہ ۱۹۳۳ء کی بات ہے ۱۹۳۳ء میں میری والدہ مرحومہ چیچک کی بیماری میں مبتلا ہوئیں اور ۸ر اگست ۱۹۳۳ء کو انتقال کر گئیں، انا للہ وانا الیہ راجعون یہ حادثہ میرے لئے بڑا روح فرسا تھا۔ جس سے متاثر ہو کر میں نے مدرسۃ الاصلاح کو خیرباد کہا اور بینا پارہ سے متصل منجیرپٹی کے مدرسے میں داخلہ لے لیا جہاں عربی کی ابتدائی تعلیم ہوتی تھی اور مولانا قمرالدین صاحب فاضل دیوبند معلم تھے۔ میرے حقیقی بڑے بھائی جناب حافظ محمد مرتضیٰ صاحب اصلاحی مرحوم جو میرے سرپرست تھے ان دنوں برما میں تھے انہیں مدرسۃ الاصلاح کی تعلیم چھوڑنے سے دکھ ہوا اور انھوں نے دوبارہ میرا داخلہ مدرسۃ الاصلاح میں کرایا یہ ۱۹۳۵ء کی بات ہے اب میرا داخلہ عربی اول میں ہوا۔

۱۹۳۹ء میں میں ایک اور آزمائش سے دوچار رہا۔ محترم والد صاحب ۱۰ر جنوری ۱۹۳۹ء کو طاعون کی بیماری میں مبتلا ہوئے اور تیسرے روز ۱۲ر جنوری ۱۹۳۹ء کو اچانک انتقال فرما گئے۔ پورے خاندان کے لئے اور خود میرے لئے یہ بڑا ہی سخت و شدید حادثہ تھا۔ ۱۹۴۱ء میں جب کہ ہم ساتویں کلاس کے طالب علم تھے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ سے شرف ملاقات حاصل ہوا۔ اگست ۱۹۴۱ء میں جب جماعت اسلامی کا قیام عمل میں آیا اور مولانا نے امارت کی ذمہ داری سنبھال تو پورے ملک کا دورہ فرمایا اور اسی سلسلے میں مدرسۃ الاصلاح بھی تشریف لائے چند روز قیام فرمایا۔ ہم طلبہ ترجمان القرآن میں مولانا کے مقالات و مضامین کا برابر مطالعہ کرتے رہتے تھے اور دل و دماغ پر اس کا کافی اثر تھا۔ اس لئے مولانا کی آمد اور ملاقات سے بڑی مسرت حاصل ہوئی۔ مولانا کی مجلسوں میں علماء کرام اور جدید تعلیم یافتہ حضرات شرکت فرماتے تھے اور تحریک و دعوت اور حکومت الٰہیہ اور اقامت دین سے متعلق مختلف قسم کے سوالات کرتے تھے اور مولانا بڑی ہی متانت و سنجیدگی کے ساتھ مسکت جواب دیتے تھے، ہمارے استاد اور مدرسۃ الاصلاح کے شیخ الحدیث مولانا سعید احمد صاحب ندوی مرحوم کا ایک سوال اور مولانا مودودی مرحوم کا جواب ابتک ذہن میں محفوظ ہے شیخ الحدیث صاحب نے مولانا مودودی مرحوم سے سوال فرمایا۔

مولانا! آپ جو حکومت الٰہیہ کے قیام کی دعوت لے کر اٹھے ہیں۔ یہ دعوت تو بالکل صحیح ہے اور اس میں رد و قدح کی کہاں گنجائش ہے لیکن کیا اس کے قیام کا امکان ہے؟ مولانا مودودی مرحوم نے جواباً فرمایا کہ بعض اور جگہوں میں بھی مجھ سے یہی سوال کیا گیا اور میں نے جواباً بڑے پرزور انداز میں کہا کہ "صد فی صد" امکان ہے۔ لیکن آپ سے مجھے یہ کہنا ہے کہ اگر ایک فی صد بھی امکان نہ ہو تو کیا ہمارے لئے کوئی اور راہ بھی ہے؟"

اس جواب کو پاکر شیخ الحدیث صاحب بالکل خاموش ہو گئے۔

بہرحال مولانا مودودیؒ سے ملاقات اور موصوف کی نشستوں میں شرکت سے ہمارے تاثر میں مزید اضافہ ہوا۔ ۱۹۴۲ء میں ہم نے فراغت حاصل کی۔ مدرسۃ الاصلاح میں جن اساتذہ سے ہم نے تعلیم حاصل کی ان میں بیشتر مرحوم ہو چکے ہیں اور وہ یہ ہیں (۱) مولانا محمد شبلی صاحب متکلم ندوی مرحوم (۲) مولانا عبدالصمد صاحب ندوی مرحوم (۳) مولانا سعید احمد صاحب ندوی مرحوم (۴) مولانا حافظ عبدالاحد صاحب اصلاحی مرحوم (۵) مولانا نبی احمد صاحب اصلاحی مرحوم (۶) مولانا اختر احسن صاحب اصلاحی مرحوم (۷) مولانا داؤد اکبر صاحب اصلاحی مرحوم اللہ تعالیٰ ان کی قبروں کو نور سے بھر دے۔ ہمارے جو اساتذہ کرام بقید حیات ہیں وہ یہ ہیں (۱) مولانا امین احسن صاحب اصلاحی (۲) مولانا ابواللیث صاحب اصلاحی (۳) مولانا ظہیرالدین صاحب اصلاحی۔ اللہ تعالیٰ ان کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رکھے۔

س: جماعت اسلامی کے رکن آپ کس طرح اور کب بنے؟ جماعتی حیثیت سے آپ پر کون سی ذمہ داریاں ڈالی گئیں؟ کوئی خاص تجربہ یا واقعہ بتائیے جو ہمارے لئے مفید ہو؟

ج: مدرسۃ الاصلاح سے میں نے ۱۹۳۸ء میں فراغت حاصل کی دو سال تکمیل میں رہا کچھ گھنٹے پڑھاتا تھا اور بقیہ اوقات میں مطالعہ و تحقیق میں مشغول رہتا۔ ۱۹۴۱ء میں قاضی عدیل مرحوم عباسی نے جامعہ رحمانیہ قادر آباد ضلع بستی کے لئے مدرسۃ الاصلاح سے ایک استاد کی درخواست کی چنانچہ ذمہ داران مدرسہ نے مجھے وہاں بھیج دیا۔ مولانا مودودی علیہ الرحمۃ کے مضامین و مقالات ترجمان القرآن میں شائع ہوتے رہتے تھے جن کا مطالعہ ہم برابر کرتے رہے۔ بستی پہنچ کر از سر نو پورا لٹریچر ہم نے یکسوئی سے مطالعہ کیا تو یہ سوال سامنے آن کھڑا ہوا کہ ایک ایسی جماعت کے موجود ہوتے ہوئے اس سے کنارہ کشی کا ہمارے لئے کیا جواز ہے اور اس سے عدم تعاون پر کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے یہاں کیا عذر ہوگا۔ اور پھر جماعت میں داخل ہونے کا عزم بالجزم کر لیا یہ غالباً ۱۹۴۵ء کی بات ہے اس وقت اس دیار میں کوئی رکن موجود نہیں تھا۔ جمعہ کو بعد نماز جمعہ ابتدائی دستور میں لکھے ہوئے قاعدے کے مطابق کلمہ پڑھا اور اپنے خیال کے مطابق جماعت میں داخل ہو گیا۔ اور مولانا مودودی علیہ الرحمۃ کو اس کی اطلاع کر دی۔ اور اپنے طور پر جماعت کا رکن سمجھتے ہوئے تحریک و دعوت کا کام کرنے لگا کچھ دنوں کے بعد مولانا مودودیؒ کا گرامی نامہ ملا۔ کہ بعض وجوہ کی بنا پر آپ کی درخواست رکنیت پر غور و فیصلہ نہیں ہو سکا۔ اب غور کرنا ہے تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا آپ اپنے سابق فیصلے پر برقرار ہیں یا اس میں کوئی تبدیلی آئی ہے؟ اس پر میں نے جواب دیا کہ مجھے جو کچھ کرنا تھا وہ میں نے کر لیا۔ میں اپنے آپ کو جماعت کا رکن سمجھتے ہوئے کام کر رہا ہوں۔ باقی رہا آپ کو جو کرنا ہے اسے چاہے آج کریں یا ہفتوں، مہینوں اور سالوں کے بعد۔

پھر مولانا کے یہاں سے کچھ قلمی سوالات آئے جو تقریباً وہی تھے جو مطبوعہ فارم رکنیت میں ہیں۔ میں نے اسے پُر کر کے روانہ کر دیا۔ چند دنوں کے بعد مولانا مودودیؒ کا خط ملا۔ جس میں درخواست رکنیت کی منظوری اور مبارکباد دی تھی۔ یہ اطلاع پاکر بڑی مسرت ہوئی اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ کچھ دنوں بعد مطبوعہ فارم رکنیت موصول ہوا۔ اور یہ ہدایت کہ ریکارڈ کے لئے اس کی خانہ پُری کر کے بھیج دیں۔ چنانچہ میں نے حسب ہدایت بھیج دیا۔ گویا فارم رکنیت میری درخواست کی منظوری کے بعد طبع ہوا۔ یہ غالباً ۱۹۴۵ء کی بات ہے۔

تقسیم سے پہلے ۱۹۴۶ء میں ہونے والے آل انڈیا اجتماع بمقام الہ آباد میں میں بحیثیت رکن جماعت شریک ہوا تھا۔ جب میں مدرسۃ الاصلاح میں صدر مدرس تھا۔ اس وقت رفقاء جماعت ضلع اعظم گڑھ کا اصرار ہوا کہ مجھے جماعت کے لئے مدرسۃ الاصلاح سے الگ کر لیا جائے۔ امیر جماعت نے ثانوی درسگاہ سے مولانا عبدالودود ندوی مرحوم کو بھیج کر مجھے مدرسۃ الاصلاح سے حاصل کر لیا۔ اور مجھے اضلاع شرقیہ مشرقی یوپی کا ناظم بنا دیا۔ یہ غالباً ۱۹۵۷ء کی بات ہے جب یوپی کو ایک حلقہ بنا دیا گیا اور سید حامد حسین مرحوم امیر حلقہ مقرر ہوئے، تو یوپی کو مختلف ڈویژنوں میں تقسیم کر دیا گیا اور ہر ڈویژن کا ایک ناظم متعین کیا گیا تو مجھے بھی الہ آباد ڈویژن کا ناظم مقرر کیا گیا۔ اور ۱۹۶۹ء میں جب میں جامعۃ الفلاح کا ناظم ہوا تو نظامت علاقہ الہ آباد کو امیر جماعت کی منظوری سے خیرباد کہنا پڑا۔

جن دنوں میں جامعہ رحمانیہ قادر آباد ضلع بستی میں تھا اور جماعت کا رکن ہو کر تحریک و دعوت کا کام کر رہا تھا تو ان دنوں مولانا حبیب اللہ صاحب فاضل دیوبند جمال جوت ضلع بستی کے مدرسے میں معلم اور جمعیۃ العلماء کے کارکن تھے' جمال جوت قادر آباد سے چار پانچ میل کے فاصلے پر واقع ہے ہم لوگ مسافت کے قرب کے باوجود فکری بُعد کے سبب ایک دوسرے سے دور تھے۔ ۱۹۴۶ء میں جب مدرسۃ الاصلاح میں بحیثیت معلم بلایا گیا تو تحریک و دعوت کا کام بھی جاری رہا۔ ۱۹۴۷ء میں ملک تقسیم ہوا۔ اور ہندوستان میں جماعت اسلامی ہند کی تشکیل جدید عمل میں آئی اور دعوتی کام کے تسلسل میں کوئی فرق نہیں آیا۔ مدرسۃ الاصلاح میں عیدالاضحیٰ کی تعطیل ہوئی تو میں نے بستی ضلع کے دورے کا پروگرام بنایا۔ عیدالاضحیٰ کی نماز ڈومریاگنج کی عیدگاہ میں پڑھی۔ عیدگاہ میں میری تقریر ہوئی عیدگاہ سے نکل کر مولانا حبیب اللہ صاحب مجھ سے ملے اور فرمایا اس طرح کی تقریر ایک ہی جگہ نہیں جگہ جگہ ہونے کی ضرورت ہے میں نے کہا یہاں موقع مل گیا۔ تقریر کی گئی۔ جہاں جہاں موقع ملے گا کی جائے گی۔ مولانا نے فرمایا۔ تو آج ہمارے یہاں چلیں۔ شب میں وہاں تقریر کا نظم کیا جائے گا۔ فکری بُعد تھا ہی۔ مجھے خیال ہوا کہ اپنے یہاں لے جا کر بحث و مباحثہ کا بازار گرم ہوگا۔ لیکن چونکہ دعوتی سفر پر تھا اور بظاہر دعوت ہی سننے اور سنانے کے لئے پیش کش تھی اس لئے میں نے قبول کر لیا۔ شب میں تقریر ہوئی اور ختم ہو گئی۔ نہ کوئی اعتراض نہ سوال و جواب۔ جیسا کہ خیال تھا۔

شب میں جب سکون ہوا اور ہم ہی لوگ رہ گئے تو مولانا نے فرمایا: (۱) جماعت اسلامی مسلمانوں کو مسلمان نہیں سمجھتی۔ میں نے وضاحت کی کہ حقیقت یہ نہیں ہے یہ لوگوں کا شدت احساس ہے۔ جماعت اسلامی کے لٹریچر میں معیاری مسلمانوں کا خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ جس کا مقصود یہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر ایسا ہی مسلمان بننے کی ترکیب پیدا کی جائے، ظاہر ہے کہ اگر مسلمانوں کے اندر اپنی موجودہ حالت پر بے اطمینانی نہ پیدا کی جائے تو انھیں اپنی حالت بدلنے کا خیال ہی کیوں ہوگا۔

اب لوگ یہ سوچتے ہیں کہ جماعت کی نظر میں مسلمان ایسا اور ایسا ہوتا ہے اور ہم ایسے نہیں ہیں اس لئے گویا ہم جماعت کی نظر میں مسلمان نہیں۔

حالانکہ یہ حقیقت کے خلاف ہے۔ کیونکہ جماعت نے نہ کبھی کہا کہ ہم مسلمانوں کو مسلمان نہیں سمجھتے۔ اور نہ کبھی اس کا عملی ثبوت فراہم کیا۔ قول کے لئے تو پورا لٹریچر موجود ہے کھنگال ڈالئے انشاء اللہ کہیں نہیں پائیے گا۔ اور عمل یہ ہے کہ جماعت کے لوگ عام مسلمانوں میں شادی بیاہ کرتے ہیں ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے ہیں اگر مسلمان نہ سمجھتے تو ایسا کیوں کرتے۔ مولانا نے فرمایا

(۲) اپنی جماعت کا نام جماعت اسلامی کیوں رکھا؟
میں نے کہا جو جماعت اسلام کا کام کرنے کے لئے اٹھے اس کا اس سے اچھا نام کیا ہو سکتا ہے؟ لیکن اس کا یہ مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ جو لوگ جماعت اسلامی میں نہیں ہیں وہ مسلمان نہیں ہیں اور نہ ہم نے کبھی سمجھا ہے جیسا کہ جمعیۃ العلماء کے لوگ یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ جو جمعیۃ العلماء میں نہیں وہ عالم نہیں۔ مولانا نے فرمایا۔

(۳) اسمبلی اور پارلیمنٹ میں جانے کے آپ لوگ خلاف کیوں ہیں جب کہ وہاں پہنچ کر اسلام کی بہتر خدمت انجام دی جاسکتی ہے۔
میں نے وضاحت کی کہ اسلام کی خدمت تو اسلامی احکام پر عمل کرکے ہی ہو سکتی ہے خلاف ورزی کرکے نہیں۔ جمہوری حکومت کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ حکومت انسانوں کی، قانون انسان کا اور چلانے والے اس اصول کو ماننے والے۔ اور اسلامی حکومت کی بنیاد یہ ہے کہ حکومت خدا کی، قانون خدا اور چلانے والے اس کے نیک بندے جب اصولوں میں ایسا تضاد ہے تو ایک مسلمان اجتماع ضدین کیسے کر سکتا ہے جب کوئی مسلمان موجودہ جمہوری لادینی اسٹیٹ کی پارلیمنٹ میں پہنچ کر حلف وفاداری اٹھائے گا تو نفاق کا مرتکب ہوگا۔ حلف وفاداری اٹھاتے وقت یا تو وہ اسلام کو برحق مان رہا ہوگا۔ تو وہ جمہوری حکومت کا منافق ہوگا۔ یا وہ جمہوری حکومت ہی کو صحیح سمجھ رہا ہوگا تو اسلام سے منافقت کر رہا ہوگا۔ اور منافقین کا انجام قرآن مجید نے واضح کر دیا ہے کہ

ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار

مولانا نے فرمایا درست ہے۔ مجھے اس پر بھی تعجب ہی ہوا کیوں کہ خیال کچھ اور ہی تھا۔ رخصت ہوتے وقت مولانا نے کچھ کتابوں کے مطالعے کا مشورہ طلب کیا۔ میں نے کہا کتابیں ہمارے کارکن پہنچائیں گے، بس آپ مطالعہ کریں۔ میں نے رکن جماعت مولوی وکیل احمد اصلاحی کو ہدایت کی کہ مولانا کے یہاں جماعت کا لٹریچر یکے بعد دیگرے پہنچاتے رہیں چنانچہ مولانا نے پورا لٹریچر مطالعہ کر ڈالا۔ پھر جماعت کے اجتماعات میں شرکت کرکے اطمینان حاصل کیا، اس کے بعد درخواست رکنیت دی، منظور ہوئی، پھر حلقہ مشرقی یوپی کے قیم (امیر) بنائے گئے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو طرح طرح کی صلاحیتوں سے نوازا ہے اب یہ تحریک کے کارکنوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی محنت و جانفشانی سے انسانی معاشرے سے ان باصلاحیت افراد کو چھانٹیں اور تحریک کی راہ پر رواں دواں کردیں اور تحریک کو ان سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کا موقع فراہم کریں۔

س:- ہندوستان میں اسلامی حکومت کس طرح قائم ہو سکتی ہے؟

ج:- ہندوستان میں اسلامی حکومت اسی طرح سے قائم ہو سکتی ہے جیسے ہر پانچ سال کے بعد الیکشن اور اس کے نتیجہ میں جمہوری لادینی حکومت قائم ہوتی رہتی ہے۔ بس ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلام کا علم عام کیا جائے اس کا صحیح تعارف کرایا جائے اور اس کے حق میں رائے عامہ کو ہموار کیا جائے جمہوریت میں رائے عامہ کی ہمواری کے بعد نظام حکومت اتنی ہی آسانی سے بدل جاتا ہے جتنی آسانی سے جنتا پارٹی کے حق میں رائے عامہ کے ہموار ہو جانے کے بعد اس کی اپنی حکومت قائم ہو گئی۔ اور سالہا سال سے قائم کانگریس حکومت کالعدم ہو گئی۔

اسلامی حکومت کے لئے امکانات صد فی صد ہیں۔ اس کے اصلی مانع ہم اسلام کے نام لیوا ہیں۔ اس کے لئے نسخہ کیمیا ایمان باللہ اور جہاد بالاموال والانفس ہے اس کے بعد پھر یغفرلکم ذنوبکم ویدخلکم جنت تجری من تحتها الانهار ..... واخری تحبونها نصر من اللہ وفتح قریب کی نوید جاں فزا سننے کے لئے تیار رہئے۔

س:- نوجوان طلبا و طالبات کے لئے اس وقت خصوصاً تحریک اسلامی کی سرپرستی آخر کیوں کر ضروری ہے۔ کیا بغیر سرپرستی

کے وہ اقامت دین کی خدمت انجام نہیں دے سکتے؟

ج :- جوانی میں جوش و خروش بہت زیادہ ہوتا ہے اور مقصد سے ہم کنار ہونے کے لئے اس کی ضرورت بھی ہے لیکن جوش کے ساتھ ساتھ ہوش بھی رہنا چاہیئے یہی ہوش والی ذمہ داری بزرگ سنبھالتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نبوت کے لئے چالیس سالہ عمر بلا وجہ تھوڑے ہی رکھی ہے۔ اور آپ کے یہاں تیس سال کی عمر کے بعد آدمی پارٹی بدر ہوجاتا ہے طاقت توانائی رکھنے والے اور جوش و خروش سے بھرپور گھوڑے کی لگام اگر ہوش و حواس والے سوار کے ہاتھ میں نہ ہو تو نہیں معلوم ایسا گھوڑا گھوڑ سوار کو کس حادثے سے دوچار کردے اور کس انجام تک پہنچادے۔

اسی لئے ہم طلبہ و طالبات کے لئے تحریک اسلامی کی سرپرستی ضروری سمجھتے ہیں اور آزادی کو مخلصانہ طور پر مضر سمجھتے ہیں۔

س :۔ جامعۃ الفلاح سے آپ کب وابستہ ہوئے ہیں یہاں کے ناظم و صدر مدرس آپ کتنی بار بنائے گئے؟

ج :۔ جامعۃ الفلاح سے میں اس کے اول یوم سے وابستہ رہا ہوں۔ اس کے قیام کے فیصلہ اس کے خاکہ کی تشکیل، اس کے دستور کی تدوین، اس کے لئے اساتذہ کی فراہمی اس کے تعارف کی مہم غرضیکہ ہر ہر مرحلہ میں ساتھ رہا ہوں۔ اور پھر ۱۹۶۹ء میں مجھے جامعہ کا ناظم بنایا گیا۔ کچھ دنوں کے بعد مجلس انتظامیہ میں پھر میری نظامت کے سلسلے میں تجویز آئی، لیکن اپنی خرابی صحت کی بناپر میں نے اس تجویز کی مخالفت کی اس لئے اس پر غور وفیصلہ نہیں ہوا۔ جامعۃ الفلاح کی صدارت کی ذمہ داری دو مرتبہ مجھے سنبھالنی پڑی۔ اس لئے کہ مجلس انتظامیہ اور عاملہ کے بعض ارکان نے اس کے لئے بہت اصرار کیا تھا۔ اور پھر دونوں مرتبہ اپنی خرابی صحت کی بناپر میں نے استعفا دیا اور مجبوراً عاملہ نے منظور کیا۔ مزید ایک بار عاملہ نے اپنی نشست میں میری صدارت کا فیصلہ کیا۔ اور مجھے اس وقت اطلاع ہوئی جب کہ صدارت کا چارج لینے کے لئے مجھے ناظم جامعہ کا ہدایت نامہ ملا۔ میں نے ناظم جامعہ کے سامنے خرابی صحت کا عذر رکھا اور اپنا استعفا پیش کیا اور اس بار بھی میرا استعفا منظور ہوگیا اور مجھے چارج بھی نہیں لینا پڑا۔

س :۔ فضیلت کی سند لینے سے قبل ہی یہاں سے تعلیمی سلسلہ منقطع کرکے انگریزی لائن اختیار کرنے میں کیا قباحت ہے؟ فارغ ہونے کے بعد ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟

ج :۔ دینی تعلیم کی عدم تکمیل کے بغیر یونیورسٹیوں کا رخ کرنا بڑی بدنصیبی کی بات ہے یکسوئی کے ساتھ دینی تعلیم کو تکمیل تک پہنچانا چاہیئے، اس کے بعد اگر دین ہی کی خدمت کے پیش نظر مزید انگریزی تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت محسوس ہو تو اس کی بھی تکمیل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ بلکہ مفید ہی ہوگا۔ لیکن ہر حال میں دین کی خدمت ہی پیش نظر رکھنی چاہیئے۔ فراغت کے بعد جس ذریعے سے آپ بہتر طور پر دین کی خدمت کرسکتے ہیں اسے اختیار کیجئے اور یکسوئی کے ساتھ اسی میں لگ جائیے۔ نظر دنیا میں نہیں آخرت پر رہنی چاہیئے۔

س :۔ آپ کی عمر کافی ہوچکی ہے لیکن آپ اب بھی خدمت دین کر رہے ہیں آپ آرام کیوں نہیں کرتے؟ اس منزل میں آپ کی سب سے بڑی خواہش اور فکر کیا ہے؟

ج :۔ جب میں مدرسۃ الاصلاح میں زیر تعلیم تھا تو میرے کلاس کے درجہ سوم، درجہ چہارم، پنجم وغیرہ کے ساتھی تکمیل الطب کالج لکھنؤ اور طبیہ کالج علی گڑھ میں داخلہ لیتے تھے عندالملاقات وہ طبیہ کالج میں داخلے کی ترغیب بھی دیتے مگر کبھی رجحان نہیں ہوا اور تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔ جب آخری کلاس درجہ ہشتم میں پہنچے اور فراغت کے دن قریب آئے تو خیال ہوا کہ فارغ ہوکر طبیہ کالج علی گڑھ میں داخلہ لے کر طب کی تعلیم حاصل کی جائے۔ میرے بڑے بھائی جو شروع ہی سے میرے تعلیمی سرپرست ہے ان دنوں برما میں تھے، ان کو خط لکھا چونکہ ان کی اجازت لینی ضروری تھی۔ جواب میں مرحوم نے لکھا کہ دین کی تعلیم معاشی حیوان بننے کے لئے نہیں دلائی ہے بلکہ دین کی خدمت کے لئے دلائی ہے اس لئے ہر طرف سے نظر ہٹاکر دین کی خدمت کے لئے یکسو ہوجاؤ۔ روزی اللہ دے گا۔ اس کے بعد میں دین کی خدمت کے لئے ایسا یکسو ہوا کہ پھر بھول کر بھی کسی اور طرف رخ نہیں کیا۔

دین کی خدمت کے لئے عمر کی کوئی قید نہیں ہے کہ اس کے بعد آدمی خدمت دین سے دستبردار ہوجائے۔ یہ کام تو آخری سانس تک جاری رکھنا ہے اور کامیاب وہی ہے جو آخر تک اسے سنبھالے جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فلا تموتن الا وانتم مسلمون۔ اور رہی آرام کی بات تو اس دنیا میں آرام کہاں؟ آرام کا مقام تو جنت ہے۔ اس وقت ہماری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ دین اسلام کو غلبہ حاصل ہوجائے اسلامی نظام حکومت کا قیام عمل میں آجائے اور قرآن وسنت کا قانون رواں دواں ہوجائے۔ اور دنیا اسلام کی برکات کو بچشم سر دیکھ لے اور اس راہ میں ہماری حقیر کوششوں کو اللہ تعالیٰ شرف قبولیت سے نوازے اور اسکے بدلے میں جنت الفردوس سے شادکام فرمائے آمین!

●●

سید احمد شہیدؒ اور ان کی تحریک

خورشید اکرام
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

انیسویں صدی کے ابتدائی دور میں ہندوستان میں مختلف سیاسی، سماجی اور مذہبی تحریکیں اٹھیں۔ ان تحریکوں میں ایک زبردست تحریک سید احمد کی تحریک تھی۔ جسے انگریزوں نے وہابی تحریک کا نام دیا۔ اس تحریک کے سلسلے میں ڈاکٹر آر۔ سی۔ مجمدار اپنی کتاب Bretish Para-mounty Volx میں لکھتے ہیں:

"۱۹ ویں صدی کی تحریکوں میں مسلمانوں کی وہابی تحریک سب سے منظم اور متحد تھی" اس دور میں مسلمان اخلاقی طور سے بالکل پست ہو چکے تھے۔ اسلام کی اصل روح ان کے دل سے نکل چکی تھی۔ اسلام کے اندر بے شمار نئی چیزیں شامل کر دی گئیں تھیں۔ نذر و نیاز، قبروں کی پرستش، محرم کی دھوم دھام ان میں سے چند ہیں۔ ان خرافات کے وجود میں آنے کی کئی وجہیں تھیں۔ صوفیوں نے بہت سی غلط رسموں کو پروان چڑھایا۔ ترک آئے تو وہ بھی متعدد رسوم لائے۔ جن غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا وہ ہندو رسم بھی ساتھ لائے۔ اس طرح آہستہ آہستہ یہ ساری چیزیں اسلامی تہذیب میں شامل ہوتی چلی گئیں۔ اور ایک مخلوط مذہب وجود میں آیا۔ نام تو اسلام ہی رہا۔ مگر حقیقت میں اسلام کی روح باقی نہ رہی۔ سید احمد نے ان تمام خرافات کو مٹانے کے لئے عملی قدم اٹھایا۔ اور کوشش کی کہ دوبارہ اسلامی تہذیب ہندوستان کی سرزمین پر غالب آئے۔

سید احمد ۲۹ نومبر ۱۷۸۶ء کو بریلی (اودھ) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد دہلی تشریف لائے۔ اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے علمی اور روحانی فیض حاصل کیا۔ آپ شاہ صاحب سے بیعت ہوئے۔ ۱۸۰۶ء میں وطن لوٹ آئے۔ اس وقت مسلمانوں کے اندر بیوہ کی شادی کو غلط تصور کیا جاتا تھا۔ آپ نے اس غلط تصور کو توڑا۔ اور اپنے مرحوم بھائی کی بیوی سے شادی کی۔ اس کے بعد ذریعہ معاش کی تلاش میں گھر سے نکلے، اس وقت تقریباً مسلمانوں کی سبھی ریاستیں انگریزوں کے قبضہ میں چلی گئی تھیں۔ امیر علی ٹونک ریاست کا سردار اب بھی انگریزوں کے قبضہ سے آزاد تھا۔ آپ امیر علی کی فوج میں بھرتی ہو گئے۔ آپ کو بچپن ہی سے کھیل کود، ورزش، سپہ سالاری کا شوق تھا۔ جلد ہی امیر علی کی فوج کے سپہ سالار بن گئے۔ اور امیر علی کے خاص مشیروں میں شامل ہو گئے۔

غالباً یہی وہ دور تھا جب انقلابی تحریک کی چنگاری آپ کے دل میں بھڑک اٹھی تھی۔ نوکری کا مقصد بھی یہی تھا کہ امیر علی کو جہاد کے اعلیٰ مقصد کے لئے آمادہ کریں۔ آپ نے فوجوں کے درمیان تبلیغ کا کام شروع کر دیا۔ آپ کی کوششوں سے امیر علی کے لشکر کی اخلاقی حالت سدھر گئی۔ خود نواب کے دل میں سید صاحب کا احترام بہت بڑھ گیا۔ آپ سات سال تک امیر علی کے یہاں رہے۔ ۱۸۱۷ء میں امیر علی نے انگریزوں کے subsidiary alliance کو قبول کر لیا۔ سید صاحب نے امیر علی کو انگریزوں کی ماتحتی قبول کرنے سے منع کیا تھا اور انگریزوں کے خلاف جنگ کا مشورہ دیا تھا۔ چنانچہ آپ نے اس کی ملازمت ترک کر دی۔

آپ نے ۱۸۲۱ء میں حج کا ارادہ کیا۔ بعض علماء نے فریضۂ حج ساقط ہو جانے کا فتویٰ دے دیا تھا۔ چونکہ پرتگیز حاجیوں کے جہاز پر حملہ کرتے تھے۔ علماء کی رائے یہ تھی کہ راستے کا امن باقی نہ رہا۔ لہٰذا مسلمانوں کو حج کے لئے نہیں جانا چاہیئے۔ سید صاحب نے اس فتویٰ کی مخالفت کی۔ آپ نے اعلان کر دیا کہ میں حج کے لئے جا رہا ہوں۔ جو مسلمان بھی میرے ساتھ حج کے لئے جانا چاہیں تیار ہو جائیں۔ اگر کسی کے پاس پیسہ نہ ہو تو اس کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔ میں اپنے خرچ پر حج کرا کر واپس لاؤں گا۔ اسطرح کم و بیش ساڑھے سات سو آدمیوں کو لے کر گئے۔ اور بخیر و عافیت واپس لائے۔ ان میں ہزاروں روپئے صرف ہوئے۔ آپ کے عقیدت مندوں نے رائے بریلی سے کلکتہ تک اتنے نذرانے پیش کئے کہ حج کا خرچ پورا ہو گیا۔ اس طرح آپ نے حج کو ساقط قرار دینے والے فتوؤں کی عملی تردید کی۔

سفر حج کے بعد آپ نے ایک تحریک چلانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس تحریک کے دو مقاصد تھے۔ ایک انگریزوں کے قبضے سے مسلمانوں کو نجات دلانا۔ اور دوسرے از سر نو اسلام کو نافذ کرنا۔ اگرچہ اس زمانے میں عملی طور پر یہ ناممکن نظر آتا تھا کہ انگریزوں کے خلاف جنگ کی جائے۔ مگر آپ نے ہمت باندھی اور تیاری شروع کر دی۔ اس غرض کے لئے آپ نے پورے ہندوستان کا دورہ کیا۔ اور مسلمانوں کو جہاد کے لئے تیار کیا۔ آپ نے پہلے سکھوں کے خلاف جہاد کا اعلان کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سکھوں کی حکومت اتری بھیم ہندوستان میں افغانستان تک تھی۔ جہاں مسلمانوں کی کثیر تعداد آباد تھی۔ اور سکھ مسلمانوں پر ظلم و ستم کر رہے تھے۔ مسلمانوں کی عورتیں اور لڑکیاں غیر محفوظ تھیں۔ بعض علاقوں میں سکھوں نے نماز پڑھنے پر بھی پابندی

گادی تھی۔ سید صاحب نے پشاور کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنالیا۔ پٹنہ کو تحریک جہاد کا دوسرا مرکز بنا یا گیا۔ پٹنہ میں ولایت علی، عنایت علی جیسے لوگ ان کے ساتھ تھے۔ آپ نے ایک فوج منظم کی۔ اور مجاہدین کی فوجی تربیت شروع کردی۔ آپ خود ایک فوجی سپہ سالار تھے۔

۲ر نومبر ۱۸۲۶ء کو سکھوں کے ساتھ پہلا جنگی مقابلہ ہوا۔ جس میں کم و بیش سات سو سکھ مارے گئے۔ اس وقت سید صاحب کی فوجی طاقت بہت کم تھی۔ اس لئے مستقل جنگ شروع نہیں کی جاسکتی تھی۔ سکھوں کے ساتھ جنگ میں کبھی سکھ فاتح ہوئے۔ کبھی تحریک جہاد کے لوگ۔ سید صاحب نے قبائلی مسلمانوں کی بھی مدد لی۔ کچھ قبائلی ساتھ ہوگئے۔ کچھ نے زبردست مخالفت کی۔ سلطان محمد خان نے سکھوں کے ساتھ سازش کرکے ایک رات مجاہدین کو جو مختلف دیہات میں بکھرے ہوئے تھے۔ یکایک موت کے گھاٹ اتار دیا۔ کئی سو مجاہدین اپنوں کے ہاتھوں خاک و خون میں تڑپے۔ جو سرحد اور ہندوستان کی آزادی کے لئے گھر بار چھوڑ کر آئے تھے۔ یہ لوگ انسانیت کے ہیرے اور جواہر پارے تھے۔ سید صاحب کو اس غداری کا بے حد قلق ہوا۔ آپ نے اپنی مہم جاری رکھی ۱۸۳۰ء تک پشاور سے مشرق کی جانب دریائے سندھ تک سید صاحب کا قبضہ ہوگیا۔ سید صاحب کی بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھ کر رنجیت سنگھ نے یہ پیش کش کی کہ ہمارا کچھ علاقہ لے کر اپنی تحریک جہاد کو بند کردیں۔ مگر آپ نے اس offer کو ٹھکرادیا۔ ۵ر مئی ۱۸۳۱ء کو سکھوں کے ساتھ زبردست جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں سید احمد بریلوی، شاہ اسماعیل اور بہت سارے ممتاز مجاہدین نے شہادت پائی۔ اس طرح تحریک جہاد کا پہلا دور ختم ہوا۔

سید احمد صاحب کی شہادت کے بعد تحریک جہاد کی ذمہ داری اسماعیل پانی پتی نے قبول کی۔ عنایت علی اور ولایت علی نے بہار، بنگال اور اڑیسہ کی ذمہ داری قبول کی۔ عبدالرحیم، عبدالغفور، میاں جان، محمد ابراہیم، فرحت علی وغیرہ اہم شخصیتیں تھیں۔ جنھوں نے تحریک جہاد کو جاری رکھنے کا عہد کیا۔ اور مسلسل اشاعت اسلام، تبلیغ دین اور جہاد کا کام کرتے رہے۔

۱۸۴۹ء تک سکھوں کی حکومت ختم ہوگئی۔ اور پنجاب پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا۔ انگریز خود اس تحریک سے خوف زدہ تھے۔ انھوں نے تحریک جہاد کے خاتمہ کے لئے ایک Separate military dept قائم کیا۔ اس Department کی رپورٹ تھی کہ تحریک جہاد کے لوگ کافی متحد، منظم اور پورے ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کا مقابلہ آسان نہیں۔ پورے ہندوستان کے لوگ ان کی مدد کرتے ہیں اور کثیر رقمیں روانہ کرتے ہیں۔" انگریزوں کے ساتھ بھی مسلسل جنگ جاری رہی۔ اور اکثر جنگوں میں انگریزوں کو شکست کھانی پڑی۔ جب انگریزوں نے دیکھا کہ جنگ کے ذریعہ تحریک جہاد کے لوگوں کو ختم کرنا آسان نہیں۔ تو انہوں نے Diplomatic policy اپنائی۔ اور اس تحریک کو کچلنے کے لئے مکہ مکرمہ، شیعہ گروپ قادیانیوں اور دوسرے مسلم رہنماؤں سے اس تحریک کے بارے میں فتویٰ منگوایا۔ مکہ سے فتویٰ آیا کہ برطانیہ کی مخالفت اس تحریک کے لئے جائز نہیں ہے۔ شیعوں نے کہا کہ یہ تحریک Totally unpaused ہے۔ قادیانیوں نے کہا کہ وہابیوں کی تعلیمات احادیث کے منافی ہیں۔ انگریزوں نے کثرت سے ان فتاویٰ کو عوام میں مشتہر کروادیا۔ اور مسلمانوں کے اندر پھوٹ پیدا کرکے ۱۸۸۴ء تک اس تحریک کو ختم کردیا۔

تحریک کی خصوصیات : سید احمد نے اس تحریک کے لئے جن افراد کو اپنے ساتھ وابستہ کیا۔ وہ سارے لوگ رضاکارانہ طور پر خدمت انجام دیتے تھے۔ ان کی کوئی تنخواہ مقرر نہ تھی۔ صرف کھانے پینے کا انتظام سید صاحب ان رقموں سے کردیتے تھے۔ جو رقم تحریک جہاد کے لئے آتی تھی۔

یہ تحریک مذہب کے نام پر منظم کی گئی تھی۔ لیکن ملکی آزادی کی تحریک میں سید احمد غیر مسلموں کے تعاون کا ہمیشہ خیر مقدم کرتے رہے۔ تحریک کا مقصد صرف یہ تھا کہ شریعت کے مطابق حق و انصاف کے اصول پر حکومت قائم کریں۔

انہوں نے وقت کے تمام مسلمان فرمانرواؤں اور امرا کو جہاد میں شرکت کی دعوت دی۔ سید صاحب کے خطوط اور مکاتیب سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے ۱۴ مسلم حکمرانوں اور ۳۳ امرا سے مستقل ربط پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اور ہر ایک کو اسلام کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا۔ ان میں کچھ نے تو زبانی مدد کی۔ کچھ نے جزوی مدد کی۔ کچھ تو تحریک کا صحیح اندازہ ہی نہ کرسکے۔ اور کچھ نے اس تحریک کو انگریزوں کا کھڑا کیا ہوا شاخسانہ سمجھ لیا۔

ہندوستان میں اسلام کی احیاء کے لئے ایسی کسی دوسری تحریک کی مثال نہیں ملتی افسوس کہ اس کے ساتھ جو امیدیں اور آرزوئیں وابستہ کی گئیں وہ پوری نہ ہوسکیں۔

لوگ ایسے کاموں کے لئے گراں قدر وسائل کی باتیں کرتے ہیں۔ لیکن سید صاحب خلوص نیت کے ساتھ اٹھے۔ اور صرف چھ سال میں ایسی فوج تیار کی۔ جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ان مجاہدین میں ایسے بھی تھے جو عیش و آرام کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ جن کے اہل و عیال کی گذر بسر ان کی کمائی پر منحصر تھی۔ لیکن سید صاحب کی دعوت و تبلیغ اور تربیت سے ان کے اندر وہ جذبہ پیدا ہوا کہ ہر رشتہ کو چھوڑ کر سینکڑوں میل کا سفر طے کرکے دکھوں، پریشانیوں اور مصیبتوں کی زندگی اختیار کی۔ اکثر انہیں فاقہ کشی اختیار کرنی پڑی۔ لیکن خدمت خلق میں کوتاہی کے لئے روادار نہ ہوئے۔ بڑی بڑی نوکریاں

بنگال اور بہار کی تعلیمی صورتحال

احمد رشید شیروانی

مغربی بنگال

یہ بات بار بار کہنے یا لکھنے کی ضرورت بھی اب نہیں ہونی چاہیئے کہ ہندوستانی مسلمان تعلیم میں دوسروں سے پیچھے ہیں۔ کئی گنا پیچھے۔ کیونکہ یہ بات ہزاروں مرتبہ کہی اور لکھی جا چکی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی تقریباً اتنی ہی بار کہی اور لکھی جا چکی ہے کہ مسلمانوں کو تعلیم کے میدان میں تیزی سے آگے آنا چاہیئے۔

اب ذرا مغربی بنگال کے سات اداروں میں یہ ملاحظ فرمائیے کہ ہائر سکنڈری یعنی بارہویں کلاس کے بورڈ امتحان کی سطح پر مسلمان ایک سال میں آگے بڑھے؟ تو کتنے؟ مزید پیچھے گئے، تو کتنے؟ چارٹ ملاحظ ہو۔ ان سات اداروں سے ملاکر ۱۹۸۶ء میں پانچ سو تریسٹھ (۵۶۳) مسلمان شریک ہوئے تھے۔ ۱۹۸۷ء میں پانچ سو دو (۵۰۲) مسلمان شریک ہوئے۔ اکسٹھ (۶۱) تعداد کی یہ کمی گیارہ فیصد ہے۔ جب کہ ان سات میں سے تین اداروں سے ۱۹۸۶ء میں ایک سو پینتالیس (۱۴۵) غیر مسلم شریک ہوئے تھے اور ۱۹۸۷ء میں ایک سو باسٹھ (۱۶۲) شریک ہوئے۔ سترہ عدد کا یہ اضافہ بارہ فیصد ہے۔ یعنی غیر مسلموں کی تعداد تو بارہ فیصد زیادہ ہو گئی اور مسلمانوں کی تعداد گیارہ فیصد کم ہو گئی یعنی مسلمان دوسروں کی بنسبت ۲۳ فیصد اور پیچھے گئے۔

ہائر سکنڈری بورڈ امتحان کے نتائج

اسکول	۱۹۸۶ء شریک امتحان	۱۹۸۶ء پاس تعداد	۱۹۸۶ء پاس فیصد	۱۹۸۷ء شریک امتحان	۱۹۸۷ء پاس تعداد	۱۹۸۷ء پاس فیصد
مسلم						
مٹیا برج	۶۰	۲۶	۴۳	۴۰	۲۳	۵۸
محمد جان	۲۹۳	۱۰۷	۳۷	۲۰۶	۷۰	۳۵
کلکتہ مدرسہ	۲۲	۸	۳۶	۲۴	۵	۲۱
اسلامیہ	۵۲	۱۷	۳۳	۷۵	۱۵	۲۰
آسنسول رحمانیہ	۸۰	۱۵	۱۹	۷۸	۱۳	۱۷
کانکی نارہ	۴۷	۱۶	۳۴	۶۸	۱۶	۲۴
جگتدل	۹	۵	۵۶	۱۱	۱	۹
ساتوں میں مسلم	۵۶۳	۱۹۴	۳۴	۵۰۲	۱۴۳	۲۸
غیر مسلم						
مٹیا برج	۵	۱	۲	۱۱	۳	۲۷
کانکی نارہ	۶۶	۲۲	۳۳	۷۵	۲۵	۳۳
جگتدل	۷۴	۲۹	۳۹	۷۶	۳۰	۳۹
تینوں میں غیر مسلم	۱۴۵	۵۲	۳۶	۱۶۱	۵۸	۳۶
ساتوں میں تمام	۷۰۸	۲۴۶	۳۵	۶۶۴	۲۰۱	۳۰

ذرا سوچیئے: - جن حضرات کو اللہ تعالیٰ نے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت دی ہو۔ اور صرف صلاحیت سے کام نہیں چلتا۔ اس کے ساتھ توفیق بھی دی ہو۔ وہ اس بات پر ذرا غور کریں کہ مسلمانوں کے قریب بیس ہزار بچوں میں سے بمشکل قریب دو ہزار تو مادھیمک یعنی دسویں کلاس کے بورڈ امتحان کی سطح تک پہونچتے ہیں۔ اور ان میں سے بمشکل پانچ چھ سو پاس ہو کر ہائر سکنڈری یعنی بارہویں کلاس کے بورڈ امتحان پاس کرتے ہیں۔ بیس ہزار میں سے ڈیڑھ سو یعنی شاید ایک فیصد سے بھی کم۔ پھر ان میں سے کتنے گریجویٹ ہوتے ہوں گے! کتنے پوسٹ گریجویٹ!

اعلیٰ سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کی تعداد گننے اور ان کا تناسب نکالنے اور پھر اس کے بے حد کم ہونے پر رونے والے واویلا کرنے والے لیڈران ملت تو کافی ہیں۔ لیکن یہ دیکھنے والے بہت کم ہیں کہ دسویں اور بارہویں کلاس کے بورڈ امتحان میں مسلم طلبا، وطالبات تعلیم میں آگے آرہے ہیں؟ یا پیچھے جارہے ہیں! اور کیوں! اس کا کیا علاج ہے! اور یہ علاج کس کو کرنا ہے؟ اور جن کو کرنا ہے وہ کیوں نہیں کرتے؟

شمالی بہار

شمالی بہار کے نو ضلعوں کے چودہ ہائی اسکولوں سے ملاکر ۱۹۸۶ء کے بورڈ امتحان میں مسلم طلبا، وطالبات نو سو پچاسی (۹۸۵) شریک۔ سات سو اکیانوے (۷۹۱) یعنی ۸۰ فیصد پاس۔ ایک سو تیس (۱۳۰) یعنی ۱۳ فیصد فرسٹ ڈویژن۔ ان میں سے پہلے دو ہائی اسکول تو خالص مسلم ہیں (یعنی ان سے صرف مسلم بچے بورڈ امتحان میں شریک ہوئے) باقی بارہ (۱۲) ہائی اسکولوں سے ملاکر اسی بورڈ امتحان میں غیر مسلم طلبا، وطالبات چار سو اناسی (۴۷۹) شریک۔ تین سو باون (۳۵۲) یعنی تہتر (۷۳) فیصد پاس اور اکیس (۲۱) یعنی چار فیصد فرسٹ ڈویژن۔ گویا پہلی بات تو یہ سامنے آئی کہ اب کم سے کم ان مسلم ہائی اسکولوں میں مسلم طلبا، وطالبات کے نتائج اپنے غیر مسلم ہم جماعتوں سے بہتر ہیں۔ عابدہ ہائی اسکول مظفرپور میں دونوں (مسلم اور غیر مسلم) کا رزلٹ بالکل برابر یعنی ۴۸ فیصد پاس ہے۔ باقی گیارہ (۱۱) ہائی اسکولوں میں سے ہر ایک میں مسلم بچوں کا رزلٹ اپنے غیر مسلم ہم جماعتوں سے بہتر ہے۔

نو ضلعوں کے چودہ ہائی اسکولوں میں موازنہ ۱۹۸۷ء

غیر مسلم: شریک	پاس	فیصد	فرسٹ	ہائی اسکول کا نام و مقام	مسلم: شریک	پاس	فیصد	فرسٹ
-	-	-	-	اسلامیہ بھاٹ پار، سہرسہ	۲۵	۲۵	سو	۲۰
-	-	-	-	داؤد میموریل گرلز۔ سیوان	۲۲	۲۲	سو	۷
۲۶	۲۵	۹۶	۳	اسلامیہ اکیڈمی میرگنج	۴۷	۴۶	۹۸	۱۹
۲۲	۹	۴۱	-	اقلیمہ۔ رزاق نگر	۴۷	۴۵	۹۶	۱
۱۲۴	۱۱۵	۹۳	۱۲	مولانا مظہرالحق میموریل گرلز بانکا	۲۷۵	۲۶۱	۹۵	۵۰
۳۵	۳۱	۷۹	۳	اسلامیہ ادلہان پور۔ سارن	۶۸	۶۴	۹۴	۵
۱۲۵	۹۳	۷۴	۲	محمد صالح حسین گنج	۵۵	۵۱	۹۳	۲
۵۵	۳۷	۶۷	-	اسلامیہ۔ سیوان	۱۱۸	۱۰۳	ستاسی	۹
۱۸	۱۲	۶۶	-	ایم پی ٹی اسلامیہ گھیلا	۲۶	۲۲	۸۵	۵
۲۹	۲۲	۷۹	-	عدالت حسین۔ بگاہی	۷۰	۵۶	۸۰	۵
۱۹	۲	۱۱	-	شفیع ۔ دربھنگہ	۱۰۱	۵۰	۵۰	۶
۱۶	۳	۱۸	-	مولانا آزاد، کبیر وا۔ ڈھاکہ	۲۶	۱۲	۴۶	-
۸	۳	۳۸	-	عابدہ۔ مظفر پور	۳۹	۱۵	۳۸	۱
۱	-	صفر	-	تحسین بی بی۔ دربھنگہ	۶۶	۱۹	۲۹	-
۴۷۹	۳۵۲	۷۳	۲۱	چودہ کا ٹوٹل	۹۸۵	۷۹۱	۸۰	۱۳۰

چار کے نتائج خراب کیوں ؟ :-

لیکن اسی بورڈ امتحان میں آخری چار ہائی اسکولوں کے رزلٹ خراب ہیں۔ ان اسکولوں کے ذمہ داران کو خراب نتائج کی وجوہات پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیئے۔ سب سے اہم وجہ ہوتی ہے اسکولوں کے ذمہ داران کا اپنا طرز عمل اور طریق کار۔ اگر ذمہ داران اس کو ٹھیک کریں اور ٹھیک رکھیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ان چار ہائی اسکولوں کے نتائج بھی بدرجہا بہتر نہ ہوں۔

اگر مسلمان کوشش کریں تو وہ پڑھائی میں دوسروں کے برابر آسکتے ہیں، آگے بھی نکل سکتے ہیں۔ تعلیمی پسماندگی مسلمانوں کی قسمت نہیں ہے۔ ان کے وجود یا ان کے تشخص کا جز ولاینفک نہیں ہے۔ پچھڑا پن مسلمانوں کا اٹوٹ انگ نہیں ہے۔ پڑھائی میں پچھڑا رہنا مسلمانوں کے بھاگ میں نہیں لکھا گیا ہے۔

جنوبی بہار

رانچی میں تین خالص مسلم گرلز ہائی اسکول ہیں۔ ایک خالص بوائز ہائی اسکول ہے جو پہلے کبھی شاید اقلیتی ادارہ تھا اب سرکاری ہو چکا ہے۔ یہ اردو میڈیم ہے اور اس میں صرف مسلم طلبا پڑھتے ہیں۔ ایک (ملت اکیڈمی) میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں پڑھتے ہیں۔ ان پانچوں سے ملا کر ایک سو تئیس [۱۲۳] مسلم لڑکے بورڈ امتحان میں شریک ہوئے۔ اور جن میں سے ایک سو بارہ [۱۱۲] یعنی چھیاسی [۸۶] فیصد پاس ہوئے۔ ایک سو سترہ [۱۱۷] مسلم لڑکیاں شریک ہوئیں اور تراسی [۸۳] یعنی اکہتر [۷۱] فیصد پاس ہوئیں۔ یعنی مسلم لڑکوں کا پاس فیصد بہتر ہے۔

جمشید پور شہر سے پانچ ہائی اسکولوں کے نتائج آئے ہیں جن میں ایک (کبیریہ ہائی اسکول) کے ہیڈ ماسٹر صاحب نے فارم بھر کر نہیں بھیجا اس لئے یہاں مسلم لڑکوں اور مسلم لڑکیوں کا رزلٹ الگ الگ معلوم نہیں ہو سکا۔ جمشید پور

دس ہائی اسکولوں میں نتائج کا موازنہ ۱۹۸۷ء

مسلم لڑکیاں: انٹر	پاس	فیصد	فرسٹ	ہائی اسکول کا نام و مقام	مسلم لڑکے: انٹر	پاس	فیصد	فرسٹ
۱۲	۱۰	۸۳	۱	ملت اکیڈمی۔ رانچی	۲۵	۲۵	۱۰۰	۲۳
-	-	-	-	آزاد ہائی اسکول۔ رانچی	۱۰۵	۸۷	۸۳	۲
۲۵	۲۲	۸۸	۵	اسماعیلیہ مسلم گرلز۔ رانچی	-	-	-	-
۲۶	۱۸	۶۹	-	عراقی گرلز۔ رانچی	-	-	-	-
۵۴	۳۳	۶۱	۴	راعین گرلز۔ رانچی	-	-	-	-
۳۱	۱۵	۴۸	۱	سنٹرل کریمیہ جمشید پور	۷۵	۶۵	۸۶	۱۰
۸۶	۳۹	۴۵	۳	کبیر میموریل۔ جمشید پور	۸۳	۴۷	۵۷	۱۲
۳۰	۲۰	۶۷	-	ملت دو گرلز جمشید پور	-	-	-	-
۸	۴	۵۰	-	فیض العلوم جمشید پور	۱۲	۴	۳۳	۱
۵	۲	۴۰	-	ملت اکیڈمی۔ دھنباد	۳۱	۳۱	۱۰۰	۹
۲۷۷	۱۶۳	۵۹	۱۴	دس کا ٹوٹل	۳۳۱	۲۵۹	۷۸	۵۷

کے باقی چار مسلم ہائی اسکولوں کے نتائج چارٹ میں درج ہیں۔ ان میں سے ایک خالص گرلز اسکول ہے۔ تین میں مسلم لڑکے اور لڑکیاں دونوں پڑھتے ہیں۔ ان سب کو ملا کر ایک سو ستر [۱۷۰] مسلم لڑکے شریک۔ ایک سو سولہ [۱۱۶] یعنی ۶۸ فیصد پاس۔ ایک سو پچپن [۱۵۵] مسلم لڑکیاں شریک اور اٹھہتر [۷۸] یعنی ۵۰ فیصد پاس۔ یہاں بھی مسلم لڑکوں کا پاس فیصد بہتر ہے۔

اب یو پی کے مسلم ہائی اسکولوں میں تو عموماً مسلم لڑکیوں کے نتائج مسلم لڑکوں کے نتائج سے بہتر رہتے ہیں۔ گویا فطری ذہانت کے اعتبار سے میٹرک امتحان میں کامیابی حاصل کرنے کے معاملے میں مسلم لڑکیاں کسی طرح بھی لڑکوں سے کمتر نہیں بلکہ بہتر ہی ہیں۔ تو پھر بہار میں اس کے برعکس کیوں؟ کوئی صاحب یا صاحبہ بتائیں۔ اور جب تک کوئی نہیں بتاتا میں تو یہی سمجھوں گا کہ غالباً بہار میں مسلم لڑکیاں اپنی پڑھائی پر پوری توجہ نہیں دے پاتیں ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ وہ مسلم لڑکوں سے پچھڑی رہیں۔ ○○

غزلیں

عزیز بگھروی

منظرِ حیات سوزی کا دیکھا نہ جائیگا — ہم سے تو گھر میں چین سے بیٹھا نہ جائیگا
کٹ جائے سر بلا سے جھکایا نہ جائیگا — ظالم کو بے گناہ تو لکھا نہ جائیگا
طوفان سر اٹھائے کہ بجلی کوئی گرے — گل کی ہنسی کلی کا چٹکنا نہ جائیگا
مقتل سجاؤ تم کہ صلیبیں کھڑی کرو — یہ انقلاب وقت ہے رکا نہ جائیگا
اچھا ہوا کہ فکر نشیمن سے بچ گئے — احسان بجلیوں کا بھلایا نہ جائیگا
اب بے قراریوں سے ہی شاید سکوں ملے — آسودگی میں دل کا تڑپنا نہ جائیگا
دل کی جہاں ہے قدر نہ قیمت ضمیر کی — اس انجمن میں ہم سے تو جایا نہ جائیگا

کرنا ہے تشنگی کا مداوا ہمیں عزیز
چل کر کسی کے پاس تو دریا نہ جائیگا

حسنین سائر

گفتگو چھڑ گئی تھی سنجیدہ — بزم سے سب اٹھے تھے نمدیدہ
ایک اک ذرے میں جھلک اس کی — وہ نہ ہے راز اور نہ پوشیدہ
چھوڑ جانا ہے ایک دن، پھر بھی — آدمی ہے جہاں کا گرویدہ
تھک گئے آزما کے ازم سبھی — مسئلہ زیست کا تھا پیچیدہ
دین حق ہے فقط طریق حیات — بے وجہ لوگ کیوں ہیں رنجیدہ
مقصد زندگی سے ناواقف — لوگ کہتے ہیں خود کو فہمیدہ
تجربہ کار میں بھی ہوں سائر — صرف تم ہی نہیں جہاں دیدہ

ابوالمجاہد زاہد

نہیں سہل یارو مسلمان ہونا
مسلمان ہونا ہے انسان ہونا

یقیناً ہے مشکل کو آسان ہونا
مگر شرط ہے جسم میں جان ہونا

نہ پھول اس قدر گلشن زندگی پر
کہ ایک روز ہے اسکو ویران ہونا

جہاں میں ہے اس طرح رہنا ہمارا
بخیلوں کے گھر جیسے مہمان ہونا

میسر نہیں آج کے آدمی کو
خود اپنے سے بھی جان پہچان ہونا

جو یہ ہلکی ہلکی سی لہریں اٹھی ہیں
انھیں مل کے اک دن ہے طوفان ہونا

ملا ہے ہمیں بوئے گل کا مقدر
ہمارا سکوں ہے پریشان ہونا

بچاتا ہے در در پہ جھکنے سے زاہد
مرا ذات وحدت پہ ایمان ہونا

رباعیات

کلیم ضیاء بمبئی

بہتے ہوئے پانی کو ٹھہرتے دیکھا — ہر بحر کو رُخ اپنا بدلتے دیکھا
یہ کیسی ہے مجبوری الٰہی توبہ — مچھلی کو بھی پانی میں تڑپتے دیکھا

پتھر کے مقدر کو سنورتے دیکھا — انسانی حمیت کو بگڑتے دیکھا
قدرت کا کرشمہ ہے بہر حال ضیاؔ — ساون کو بھی طوفاں سے لرزتے دیکھا

آکاش کے تاروں کو نکھرتے دیکھا — دھرتی پہ بہاروں کو بکھرتے دیکھا
جس زمیں میں پتھر کا بسیرا تھا کبھی — اس زمیں میں پانی کو اترتے دیکھا

ہم کیوں کہیں محتاج کوئی کیا دے گا — تدبیر کا بھرپور اجالا دے گا
نادار کے تیشے کو ذرا اٹھنے دو — اک گھونٹ جو مانگو گے تو دریا دیگا

کیمپس نیوز

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

خصوصی نامہ نگار

اسٹوڈنس یونین کے انتخابات :

طلبہ یونین کے یہ انتخابات پانچ سالوں کے بعد ۲۹ مارچ ۸۸ء کو حسب روایت پرامن فضا میں مکمل ہوئے۔ وائس چانسلر صاحب کی عائد کردہ شرط کے نتیجہ میں طلبہ میں اس الیکشن کے لئے عدم دلچسپی کی فضا پائی جاتی تھی۔ سابق میں ایک مرتبہ موجودہ شرط کے تحت اس الیکشن کو رد کرنے کے باوجود اس مرتبہ طالبعلم رہنما میدان میں آگئے۔ عام طلبہ برادری میں ایک ناگواری کی فضا بھی پیدا ہوئی لیکن یہ اقدام شاید اس مفروضہ پر مبنی تھا کہ الیکشن کے بعد عائد کردہ شرط کو کالعدم قرار دیا جائے گا۔ اس الیکشن کی بہت سی نمایاں اور منفرد خصوصیتیں ہیں جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں، مائک کے استعمال پر پابندی کے باوجود فضا میں آوازوں کی گونج، Supporters کی ریلیاں، Reception party سے الیکشن مہم کا افتتاح اور ایک تقریری مقابلے یا مظاہرے پر ایک دن قبل مہم کا اختتام، بانی درسگاہ کے مزار پر فاتحہ خوانی، سب سے قدیم ہال ایس ایس ہال کے ایک حصہ میں امیدواروں کے کیمپ کا لگنا، مہم کے اختتام سے نتائج کی آمد تک امیدواروں کے باہر نکلنے پر پابندی، نتائج آنے کے بعد کامیاب امیدواروں کا خاص طور پر اپنے حریفوں کے کیمپ جاکر گلے ملنا، اور سب سے اخیر میں رسم تنصیب (جو ذمہ داریوں کے سنبھالنے کا جواز فراہم کرتی ہے)۔

صدارت کے لئے ایم بی بی ایس کے طالبعلم ایس ایم سرور حسین کا انتخاب ہوا۔ یہ واحد امیدوار تھے جو اپنی سنجیدگی و متانت کے اعتبار سے نمایاں تھے اور جنہیں معروف معنوں میں کوئی سیاسی پشت پناہی حاصل نہیں تھی۔ سکریٹری شپ کے لئے محمد عرفان بشر منتخب ہوئے جن کے واحد حریف ایک بہترین مقرر محمد ایوب شباب صرف ۳۰، ۳۵ ووٹوں سے پیچھے رہ گئے۔ زین البشر ایم پی سے تعلق کے ناطے ان کی سیاسی پشت پناہی واضح ہے۔ نائب صدر ملک ذیشان منتخب ہوئے، جن کی بتیس سالہ قدیم رفاقت اور حالت زار کی رعایت کرتے ہوئے ہزار ووٹوں سے زائد کی اکثریت سے کامیاب بنایا گیا۔ موجودہ صدر کی کامیابی ایک طرح سے اسلام پسندوں کی کامیابی کہی جاسکتی ہے اس لئے کہ ان کے حریفوں نے ان کی منفی خصوصیات میں سے ایک "اسلام کا نام لینے والی ایک جماعت سے وابستگی" بھی قرار دیا تھا۔ کیمپس میں موجود ایک اسلامی تنظیم ایس آئی ایم نے اس الیکشن کے مکمل بائیکاٹ کا اعلان کیا۔ ایس آئی او نے موجودہ شرط کے تحت کے ہونے والے الیکشن کو مضرات کے اعتبار سے نامناسب قرار دیتے ہوئے فیصلہ کیا کہ اس کے انعقاد کی مخالفت کی ہر کوشش کا وہ تعاون کرے گی۔ لیکن اگر یہ انتخاب روبعمل آتا ہے تو ایسے امیدواروں کی کامیابی کے لئے تعاون کرے گی جو فکر و اخلاق کے اعتبار سے نسبتاً بہتر ہوں۔

اس الیکشن کی خاص بات یہ بھی ہے کہ صرف ایک تہائی رائے دہندگان نے اپنے حق رائے دہی کا استعمال کیا۔ طلبہ کی یہ موجودہ قیادت کس قدر کامیاب ہوتی ہے اس ضمن میں کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا۔ تاہم یہ امید کی جاتی ہے کہ اگر فکر و عمل کا رجحان تعمیری رہا اور انتشار پسند افراد کو موقع سے فائدہ اٹھانے کا موقع نہ دیا گیا تو قیادت اس تعلیمی ادارے کے حق میں مفید ثابت ہوگی۔ اور ملک و ملت کے مسائل میں اپنا مثبت کردار بھی ادا کرسکے گی۔

اکزیکیوٹو کونسل کے انتخابات

۲ اپریل ۸۸ء کو یونیورسٹی کی ایک اعلیٰ اختیاراتی باڈی ایکزیکیوٹو کونسل کی دو خالی نشستوں کے لئے انتخابات ہوئے۔ یہ نشستیں لکچررس میں سے پر ہونی تھیں۔ آٹھ امیدوار میدان میں آئے مختلف مکتب خیال کے لوگ تھے۔ کل ۷۹ فیصد پولنگ ہوئی۔ دوسرے دن نتیجہ کا اعلان ہوا۔ ڈاکٹر امان اللہ صاحب (جنرل سرجری) اور عبدالقیوم صاحب (فزکس) منتخب قرار پائے۔ اول الذکر کو سب سے زیادہ ۲۲۷ ووٹ ملے تو ثانی الذکر کو ۱۵۴ تیسرے نمبر پر ڈاکٹر آصف الزماں صاحب تھے انہیں ۹۳ ووٹ ملے۔ ان کے بارے میں یہ بات مشتہر تھی کہ انہیں ترقی پسندوں اور بائیں بازو والوں کی پشت پناہی حاصل تھی۔ جب کہ کامیاب ترین امیدوار کے سلسلہ میں یہ بات عام تھی کہ یہ جماعت اسلامی کا آدمی ہے۔ گرچہ ڈاکٹر امان اللہ صاحب نے سماجی خدمت کے کاموں میں بھی اس قدر دلچسپی لی ہے کہ ان کی کارکردگی سے یونیورسٹی کا بڑا طبقہ نہ صرف واقف ہے بلکہ انہیں بنظر تحسین دیکھتا ہے۔ اس بات کی توقع کی جاسکتی ہے کہ ان حضرات کی نمائندگی اس باڈی میں جو اندرون یونیورسٹی اعلیٰ ایکزیکیوٹو اختیارات رکھتی ہے۔ بہت موثر اور مفید ہوسکے گی۔



نبوت محمدیؐ کی عظمت

توقیر عالم فلاحی
علی گڑھ

خدائی سنت کے مطابق لاکھوں انبیاء نوع بشری کو خیر و شر اور حق و باطل کی تمیز بتانے کے لئے تشریف لائے۔ یہ سبھی مقدس ہستیاں ہیں جنہوں نے شر و فساد سے نفرت دلاکر خیر و فلاح کا علم بلند کیا، اور خلوص و للہیت کے ساتھ اللہ کے بندوں کو پیغام حق سنایا۔ اور اسی پیغام کی تبلیغ میں اپنی زندگیاں گذار دیں اس بنا پر ان تمام ہستیوں کے احترام کو ملحوظ رکھنا جزو ایمان ہے۔ ہاں حالات کی نزاکت دائرہ کار کے ہمہ گیر اور وسیع ہونے اور سلسلۂ نبوت کے اختتام و تکمیل کے نقطۂ نظر سے آپؐ کو خصوصی امتیاز حاصل ہے۔

چونکہ آپؐ خاتم النبیین ہیں اور ضلالت و گمرہی کی ڈگر پر چلنے والوں کی ہدایت کے لئے کوئی دوسرا نبی نہ آئے گا اس لئے بنی نوع انسان کی ہدایت کا راز محض اس امر میں مضمر ہے کہ ہر شعبۂ زندگی میں نبی کریمؐ کی تعلیمات کو عملی جامہ پہنایا جائے، کیونکہ خوشنودی رب کا پروانہ نبی کریمؐ کے اتباع کے بعد ہی مل سکتا ہے۔ خود خالق کائنات نے قرآن مجید میں زبان رسالت سے واضح طور پر کہلوا دیا

ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ ترجمہ۔ اے لوگو! اگر تم لوگ اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میرا اتباع کرو اللہ تعالیٰ تمہیں محبوب بنا لےگا (آل عمران - ۳۱)۔ آپ کی حیات طیبہ سے پوری انسانیت کو ایسے نقوش راہ ملتے ہیں جس سے خیر و شر اور فلاح و خسران کے خود ساختہ معیارات کا قلعہ زمیں بوس ہو جاتا ہے اور فکر و نظر کے زاویے میں انقلاب آجاتا ہے۔ اسوۂ حسنہ کی مستند حیثیت کا اندازہ فرمان خداوندی سے لگایا جا سکتا ہے۔ لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ (احزاب - ۲۱)

ترجمہ: تمہارے لئے نبی کریمؐ کی زندگی میں بہترین اسوہ ہے۔

سورہ الاعراف میں ارشاد ہوتا ہے:

فامنوا باللّٰہ ورسولہ النبی الامی الذی یومن باللّٰہ وکلمٰتہ

واتبعوہ لعلکم تھتدون (آیات - ۱۵۸)

اس باب میں اگر رسالتمآب صلعم کا فرمان بھی پیش نظر رکھا جائے تو نبوت محمدیؐ کی عظمت اذہان و قلوب پر نقش ہو جاتی ہے۔

مَنْ اَطَاعَ مُحَمَّدًا فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ وَمَنْ عَصٰی مُحَمَّدًا فَقَدْ عَصَی اللّٰہَ وَمُحَمَّدٌ فَرْقٌ بَیْنَ النَّاسِ۔

ترجمہ: جس نے محمد صلعم کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی جس نے محمد صلعم کا انکار کیا تو درحقیقت اللہ کا انکار کیا اور محمدؐ لوگوں کے درمیان امتیاز کرنے والے ہیں۔

قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیات اور حدیث نبوی کی روشنی میں یہ بات پورے طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ کی مرضی اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب کہ سنت نبوی کو سرمایۂ اصلی قرار دیا جائے۔ قرآن میں جگہ جگہ نبی اکرمؐ کے اتباع سے متعلق آیات اور خود نبی اکرمؐ کے فرمودات اس بات پر ناطق شہادت فراہم کرتے ہیں کہ ایمان کی لذت اس وقت تک حاصل نہ ہو سکے گی جب تک کہ اپنا قولی اور عملی رشتہ نبی اکرمؐ کی ذات سے استوار نہ کر لیا جائے۔ یہ آپؐ کی فضیلت ہی ہے کہ تا قیامت محفوظ رہنے والی کتاب میں دونوں جہان کا خالق آپ کے پایۂ استناد کو واضح کرتا ہے اور انسان کی کامیابی کا دار و مدار آپ کی اتباع کو قرار دیتا ہے۔

نبی کریمؐ کی نبوت کے اسی امتیازی پہلو کا جزو لاینفک تاریخیت ہے۔ غیر جانبدار افراد نے اس اعتراف کے ساتھ حضور اکرم صلعم کو خراج عقیدت پیش کیا ہے کہ آپؐ تاریخیت کی قابل اعتبار اور مضبوط ترین شاہراہ پر کھڑے ہیں۔ اس سلسلے میں ہم علماء کے چند بیانات نقل کرتے ہیں جن کی روشنی میں نبی اکرمؐ کا پایۂ عظمت واضح ہوتا ہے۔ علامہ شبلیؒ رقم طراز ہیں "مسلمانوں کے اس فخر کا قیامت تک کوئی حریف نہیں ہو سکتا کہ انھوں نے اپنے پیغمبر کے حالات اور واقعات کا ایک ایک باب اس استقصار کے ساتھ محفوظ رکھا کہ کسی شخص کے حالات آج تک اس جامعیت اور احتیاط کے ساتھ قلمبند نہیں ہو سکے اور نہ ہی توقع کی جا سکتی ہے"۔[1]

سید سلیمان ندویؒ بیان کرتے ہیں:-

سیرت مبارکہ کا سب سے اہم، سب سے مستند، سب سے زیادہ صحیح تو وہ حصہ ہے جس کا ماخذ خود قرآن پاک ہے۔ جس کی صحت اور معتبری میں دوست کیا دشمن بھی شک نہ کر سکے۔ آنحضرت صلعم کی سیرت کے تمام ضروری اجزاء قبل نبوت کی زندگی، یتیمی، غربت، تلاش حق، نبوت، وحی، اسلام، تبلیغ، معراج، مخالفین کی دشمنی، ہجرت، لڑائیاں، وقائع، اخلاق سب اس میں موجود ہیں اور اس سے زیادہ معتبر تاریخی سیرت دنیا کے پردہ پر کوئی موجود

[1] سیرت النبی ج اول ص ۱۱

نہیں ہے۔"!

اسی حقیقت کا اعتراف محمد مارماڈیوک پکتھال نے اپنے ایک لکچر میں اس طرح کیا "اس میں پیغمبر کے اقوال وافعال کو پوری احتیاط سے جانچنے اور پرکھنے کے بعد صرف مستند چیزوں کو تسلیم کیا جاتا ہے اور بعد میں آنے والے ماہرین اگلے لوگوں کے کام پر نظر ثانی کرتے، ہر حدیث کی سند دیکھتے اور اس میں کوئی کمزوری پاتے تو روایت کو کمزور کہہ دیتے۔" (اسلامی کشکول ص ۸۱)

پروفیسر مارگولیس D S Margalious نے ہیروز آف دی نیشنز سے متعلق اپنی کتاب میں محمدؐ سے متعلق ہر واقعہ کو بگاڑ کر دکھانے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔ سیرت نبوی پر اس زہریلی کتاب کے مقدمہ میں اس اعتراف حقیقت سے گریز نہیں کرسکا۔

محمدؐ کے سوانح نگاروں کا ایک طویل سلسلہ ہے جس کا ختم ہونا ناممکن ہے لیکن اس میں جگہ پانا قابل عزت ہے۔

(خطبات مدراس ص ۶۷)

جان ڈیوٹ پورٹ نے نبی کریمؐ سے متعلق انگریزی میں سب سے زیادہ ہمدردانہ کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام اپالوجی فار محمد اینڈ دی قرآن ہے آغاز تحریر میں ہی آپ کے پایۂ استناد کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

"اس میں کچھ شبہ نہیں کہ تمام مقنین اور فاتحوں میں ایک بھی ایسا نہیں ہے کہ جس کے وقائع عمری محمدؐ کے وقائع عمری سے زیادہ تر مفصل اور سچے ہوں۔" (خطبات مدراس ص ۶۷)

ریورنڈ باسورتھ اسمتھ فیلو آف ٹرینٹی کالج آکسفورڈ نے ۱۸۷۴ء میں محمد اینڈ محمڈنزم کے نام سے رائل انسٹی ٹیوشن آف گریٹ برٹین میں جو لکچر دیئے تھے ان کا انتہائی مختصر ترین حصہ یہ ہے۔

"ہم محمدؐ کے متعلق اس قدر جانتے ہیں جس قدر لیوتھر اور ملٹن کے متعلق جانتے ہیں۔ میتھالوجی، فرضی افسانے اور ما فوق الفطرت واقعات ابتدائی عرب مصنفین میں نہیں ہیں یا اگر ہیں تو وہ آسانی سے تاریخی واقعات سے الگ کئے جا سکتے ہیں۔ کوئی شخص یہاں نہ خود کو دھوکہ دے سکتا ہے اور نہ دوسرے کو، یہاں پورے دن کی روشنی ہے جو ہر چیز پر پڑ رہی ہے اور ہر ایک تک وہ پہنچ سکتی ہے۔" (خطبات مدراس ص ۶۹-۶۸)

نبی کریمؐ کی عظمت کے لئے یہی کافی ہے کہ نوع بشری کی ہدایت و رہنمائی کے لئے قرآن کریم کی شکل میں جو ضابطۂ زندگی دیا گیا ہے اس کے اندر ساڑھے چودہ سو سال کی ایک طویل مدت گذر جانے کے باوجود بھی کسی طرح کی تحریف و ترمیم عمل میں نہ آئی اور آج تک اس کلام پاک کا کوئی مثیل پیش نہ کیا جا سکا اگرچہ من چلوں نے عربیت کی ہمہ دانی کے زعم میں اس کے مقابلے میں کچھ لکھنے کی جرأت کی لیکن تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ وہ اپنے ارادوں کو جامہ عمل پہنانے سے عاجز و قاصر رہے یہی نہیں بلکہ کلام پاک کے تیور کے سامنے ان کی قوت فصاحت شل ہو کر رہ گئی اور انہیں شکست و ہزیمت کا منھ دیکھنا پڑا۔ لہذا قرآن کریم کی اس ناقابل انکار صداقت کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آنحضرتؐ عزت و عظمت کے بلند ترین منصب پر فائز ہیں۔

مسلمانوں کا سہارا تو صرف خدا ہے

اظہار حسین صدیقی۔ لکھنؤ

آج تمام باطل طاقتیں مسلمانوں کے وجود کو ختم کر دینے پر متحد ہیں اور صاحب اقتدار مسلمانوں کو ہر طرح سے کمزور کرنے، ان کا شیرازہ بکھیرنے، ان میں اختلاف و انتشار پیدا کرنے، ان کی مادی و روحانی تمام سرمایوں کو ختم کرنے اور ان کی حکومت و سلطنت کی بساط الٹ دینے کی راہ میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے۔

وہ سب کچھ اپنی اس دلی تمنا کو پوری کرنے کے لئے کرتے ہیں کہ فرزندان اسلام اور دین و شریعت سے نسبت رکھنے والے ایسی بدترین حالت کو پہونچ جائیں کہ لوگ ان پر مرثیہ خواں ہوں۔ وہ سربلندی وہ سرفرازی کا خواب نہ دیکھ سکیں، ان میں کسی جاہ و منصب کا ولولہ باقی نہ رہے، اور نہ ہی وہ دوسروں سے مستغنی ہو کر فارغ البالی کی زندگی گزار سکیں، وہ اپنے اس خسیس و حقیر مقصد کو بروئے کار لانے کے لئے مسلمانوں کے دلوں میں خوف و ہراس اور ناامیدی کا بیج بو رہے ہیں، اور ان کا یکلخت صفایا کرنے کے لئے طرح طرح کے پلان بنا رہے ہیں، فرقہ وارانہ تشدد و دہشت گردی نے اندرونی امن و آشتی کو پارہ پارہ کر دیا ہے، ہر طرف تعصب و تنگ نظری کی گھنگھور گھٹا چھائی ہے، مسلمان اس صورت حال سے مایوس اور ذہنی طور پر پریشان ہیں۔

وطن کی حالت نازک تر ہوتی چلی جا رہی ہے، لوگ مختلف گروہوں اور ٹکڑیوں میں بٹ گئے ہیں، ان تخریب کاروں کو اس کا احساس بھی ہو چلا ہے کہ وہ مسلمانوں اور ان کے مالک کے خلاف اپنے تمام مقاصد میں کامیاب ہو جائیں گے، کیونکہ ان کے جھوٹے وعدوں اور ٹکے میں خریدے ہوئے چند ہمنوا اور معاونین دستیاب ہو گئے ہیں جو توقع سے زیادہ ان کے لئے وفاشعار ثابت ہوں گے، اور ان کے تمام تخریبی پروگراموں میں اپنی انتھک کوششوں کے ساتھ سرگرم عمل رہیں گے، ان کے نزدیک اس سے اہم اور اولیٰ کوئی دوسرا مقصد نہیں ہے، اگر

پلاننگ میں دنیا کے تمام حصے پورے ساز و سامان اور جدید وسائل اور اسباب کے ساتھ جسد واحد کی طرح کھڑے ہیں، تاکہ مسلمانوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس عالم گیتی سے ختم کردیں اور ان کا وجود تک باقی نہ رہ جائے۔ آج اگر ہم اپنی سوسائٹی اور سماج میں خوف و ہراس اور تشدد کے حالات سے دوچار ہیں، تو یہ سب ان دشمنانہ کارروائیوں کا پیش خیمہ ہیں جو وقتاً فوقتاً رونما ہوتی رہتی ہیں تاکہ ان تمام جگہوں میں سنگین حالات پیدا کئے جائیں جہاں مسلمان آباد ہیں۔ اور ان کی سرگرمیاں جاری ہیں۔

مسلمان آج بغض و عداوت اور خوف و دہشت کی ان فصیلوں میں گھرے ہوئے ہیں جن سے ان کا دم گھٹ رہا ہے، اور اس کشادہ و فراخ زمین میں پناہ لینے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی ہے۔

ضاقت علیہم الارض بما رحبت (زمین ان پر وسعتوں کے باوجود تنگ ہوگئی)۔ اگر ہم اس خطرناک صورت حال سے غافل رہے، اور ان فتنہ سامانیوں اور حیلہ سازیوں کے مقابلہ کے لئے کوئی سامان تیار نہ کیا تو وہ کوہ آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑیں گے، جن سے فرار مشکل اور کہیں پناہ لینا دشوار ہو جائے گا۔

غیروں کے ظلم و زیادتی سے قطع نظر اگر ہم سنجیدگی سے غور کریں تو اس نتیجہ پر پہونچیں گے کہ اس نازک اور بھیانک صورت حال کو طاری کرنے میں ہماری اپنی کرتوتوں کا بہت بڑا دخل ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پاک درس "لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاسود علی ابیض ولا لابیض علی اسود الا بالتقویٰ" کو بھلا کر ہم نے رنگ و خون کے بت تراش لئے ہیں؛

اللہ تبارک و تعالیٰ نے زندگی گزارنے کے جو طریقے ہمیں بتائے ہیں انہیں ٹھکرا کر اپنی من مانی و من چاہی زندگی گزارنے لگے ہیں، اپنی مرضی و خواہشات کو خدا کے احکام اور ہدایت پر مقدم رکھا ہے۔ ہم نے حضور کی سیرت و کردار سے پہلو تہی کرلی ہے، جس کا نتیجہ ہے کہ آج زندگی رحمت کے بجائے ہمارے لئے زحمت بن گئی ہے۔

ایسی صورت میں جب کہ انسانیت سسک سسک رہی ہو، آدمیت دم توڑ رہی ہو، SIO کے جیالوں اور دیگر دین کے کام کرنے والوں کی ذمہ داریاں دوچند ہو جاتی ہیں، کہ امت کی دکھتی ہوئی رگوں پر مرہم رکھیں، بتان رنگ و خوں کو توڑ دیں، انسانوں کو بھولا ہوا سبق پھر سے یاد دلائیں، لوگوں کو اخوت و بھائی چارگی کا پیغام سنائیں، اور بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چلیں، تاکہ وہ اپنے خالق و مالک کے بتائے ہوئے طریقہ پر زندگی گزاریں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کو اپنے لئے مکمل نمونہ و اسوہ سمجھیں، "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ"۔ دونوں جہاں کی کامیابی و کامرانی کا راز اسی میں پوشیدہ ہے۔ نجات کا یہی واحد راستہ ہے، اور یہی وہ چیز ہے جو مکر و فریب اور سازش کے ہر جال کو تار تار کر سکتی ہے، حالات کو تابع بنا سکتی ہے، اور ہر دشمن پر غلبہ و سربلندی دلا سکتی ہے، لہٰذا...... پناہ صرف خدا ہی کی لینی ہے، اس کے سوا کوئی پناہ گاہ نہیں،

لاملجأ من اللہ الا الیہ۔

احساس ذمہ داری

محمد نصیر الدین۔ حیدرآباد

یوں تو ہر جاندار اپنے اندر احساس کی خوبی رکھتا ہے اور تکلیف اور راحت کو محسوس کرتا ہے لیکن انسان جو کہ اشرف المخلوقات میں شمار کیا جاتا ہے ایک اور احساس اپنے اندر رکھتا ہے اور وہ احساس ہے ذمہ داری کا۔ دنیا کے ہر انسان پر عمر کے بیشتر مرحلہ میں کسی نہ کسی طرح کی ذمہ داری عائد رہتی ہے۔ چنانچہ دور طالب علمی میں حصول علم کی ذمہ داری، سن بلوغ میں معاش کی ذمہ داری۔ پھر اسی طرح اہل و عیال وغیرہ کی ذمہ داری بالترتیب عائد ہوتی ہے۔ بہت سے افراد ان فطری ذمہ داریوں کے علاوہ بھی کچھ اور ذمہ داریوں کا احساس اپنے اندر رکھتے ہیں۔ چنانچہ بعض لوگ اپنے ملک اور اس کی ترقی کی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہیں اور بعض لوگ اپنے فرقہ اور قوم کی خوش حالی کا احساس رکھتے ہیں اور اسی طرح حکومت کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے افراد کسی نہ کسی حد تک اپنے اپنے مقام اور منصب کی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کی بعثت کا مقصد "شہادت حق" قرار دیا ہے اور اس امت کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی گراں بہا ذمہ داری کے منصب پر فائز کیا ہے۔ اس اہم ذمہ داری کا احساس بدقسمتی سے امت مسلمہ کے محدود طبقے تک ہے اور اس احساس کا حال بھی ایسا ہے کہ نہ ہونے کے مماثل۔ اس کے برخلاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام عمر میں بس ایک ہی احساس رکھا اور وہ تھا دعوت دین کا احساس۔ اگر ہم آپ کے احساس ذمہ داری کو دیکھیں تو ہمیں محسوس ہوگا کہ احساس ذمہ داری ہی کی بدولت اسلامی نظام کا قیام مختصر مدت میں ہو سکا۔

گرمی یوں تو ہمارے ملک میں بھی ہوتی ہے لیکن دیار عرب کی گرمی دنیا کے دیگر علاقوں کے مقابلہ میں انتہائی شدید ہوتی ہے۔

ایسے شدید گرم موسم میں اگر کوئی شخص ایک ثانیہ کے لئے بھی باہر نکلے تو اس کا جسم جھلس جاتا ہے لیکن دنیا کی تکالیف اور مصائب کی پرواہ کئے بغیر نبی کریم ؐ نے دعوت دین کے کام کو ہمیشہ انجام دیا۔ چنانچہ شدید گرمی کا وقت ہے، آپ کو شدید بھوک لگی ہے دعوت حق کا پیغام سناتے ہوئے آپ انتہائی تھک گئے ہیں اپنی کمزوری کو دور کرنے اور کچھ تروتازہ ہونے کے لئے گھر آتے ہیں۔ آپ کی شریک حیات ؓ کھانا تیار کر دیتی ہیں لیکن آپ بنا کھائے پھر گھر سے نکل پڑتے ہیں تو ظاہر ہے کہ اونٹوں کی آواز پر اس طرح بلا کھانا کھائے نکل جانے پر حضرت عائشہ ؓ ششدر رہ جاتی ہیں اور عرض کرتی ہیں کہ اے آقا آپ انتہائی تھکے ماندہ ہیں آپ دعوت حق کا کام انجام دے کر ابھی ابھی تو گھر تشریف لائے ہیں تھوڑا کھانا کھا لیجئے اور آرام فرمائیے پھر کچھ وقفہ کے بعد تشریف لے جائیے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب احساس ذمہ داری کا جیتا جاگتا ثبوت ہے اور آپ کے اسی جذبہ احساس کا آئینہ دار ہے جس کے آپ حامل تھے اور آپ کا جواب داعیانِ حق کے لئے لمحہ فکریہ ہے اس لئے کہ ہم بھی دعوت حق کا کام انجام دینا چاہتے ہیں اور دعوت حق سے بیگانہ ایک عظیم اکثریت کے ملک میں رہتے اور بستے ہیں لیکن ہمارا دعوت حق کے پہنچانے کے لئے کیا احساس ہے! آپ نے فرمایا " اے عائشہ ؓ اگر یہ قافلہ اس مقام سے گذر گیا اور میں دعوت حق ان کے سامنے پیش نہ کر سکا تو میں اپنے رب کو کیا جواب دوں گا"۔

آپ کا یہ جواب اس حقیقت کا آئینہ دار ہے کہ آخرت کی بے پناہ فکر اور تڑپ نے آپ کے اندر وہ احساس ذمہ داری پیدا کیا تھا کہ جس کی نظیر نہیں ملتی۔ اور اگر ہم آج اس جذبہ سے خالی ہیں تو اس کی وجہ آخرت سے ہماری غفلت اور لاپرواہی ہی ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آخرت کی فکر کرنے اور احساس ذمہ داری کو جاگزیں رکھنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

جہیز کی لعنت

فوزیہ سلطانہ ایم بی

کانپور کے ایک خاندان کی تین سگی بہنوں نے اجتماعی خودکشی کرلی۔ جن کے والدین اپنی تعلیم یافتہ بیٹیوں کے لئے بسیار کوشش کے باوجود بھاری جہیز کے بھکاری دولہے نہیں خرید سکے۔ ان میں سے بڑی بہن ہندی میں ایم۔اے اور دو بہنیں بالترتیب ایم۔اے او بی۔اے کے آخری سال کی طالبہ تھیں" سہ روزہ دعوت ۱۰ فروری ۱۹۸۸ء۔

آئے دن اخبارات میں اس طرح کی خبریں آ رہی ہیں پہلے تو یہ خبریں ہندوؤں کے یہاں سے آتی تھیں لیکن آج کل خود مسلمانوں کے اندر اس طرح کی باتیں پائی جاتی ہیں۔ جہیز کیا ہے؛ اس کی حقیقت کیا ہے؛ جہیز کا عام تصور تو یہ ہے کہ ماں باپ جنہوں نے اپنی بیٹی کو جس کو لاڈ و پیار سے پالا تھا ایک شخص کے حوالے کرتے وقت اس کی ضرورت کی چند چیزیں اپنی حیثیت کے مطابق دیتے ہیں۔ لیکن آج جہیز کو اس حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے کہ حضور اکرم ؐ نے اپنی چہیتی بیٹی حضرت فاطمہ ؓ کو جہیز دیا تھا۔ لیکن یہ حقیقت میں بے بنیاد ہے۔ حضور اکرم ؐ نے حضرت فاطمہ ؓ کو جو کچھ دیا تھا تو اس کی حیثیت یہ ہے حضرت علی ؓ آپ ؐ کے گھر ہی میں رہتے تھے اور آپ ؐ کے پاس ہی پلے بڑھے جوان ہوئے اور ان کا الگ سے کوئی ٹھکانا نہ تھا اس لئے حضور اکرم ؐ نے اپنی بیٹی سے شادی کرنے کے بعد ان کو الگ رہنے کے لئے کچھ چیزیں دیں جس کو آج جہیز کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اگر حضور اکرم ؐ نے حضرت فاطمہ ؓ کو جہیز ہی دیا تھا تو سوال یہ ہے کہ آپ ؐ نے اپنی دوسری بیٹیوں کو کیوں نہ دیا؟ کیا آپ ؐ کو اُن سے محبت نہ تھی؟ اگر وہ جہیز ہی تھا تو آپ ؐ کی دوسری بیٹیاں بھی مطالبہ کرتیں۔ لیکن اس کا دور دور تک پتہ نہیں چلتا اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ حضور ؐ نے جہیز کے طور پر نہیں بلکہ اپنا گھر بسانے کے لئے چند چیزیں دی تھیں۔

ہاں جہیز میں اتنی ہی چیزیں جتنی کہ حضور اکرم ؐ نے اپنی بیٹی فاطمہ ؓ کو دی تھیں دی جائیں تو کوئی بات بھی تھی۔ لیکن آج جہیز کے مطالبات پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ شادی نہیں بلکہ کوئی کاروبار ہے۔ ٹی۔وی۔ اسکوٹر، فریج، الماری، پلنگ کرسیاں اور نہ جانے کیا کیا مطالبات ہوتے ہیں۔ آج لڑکی کے اخلاق و عادات کو نہیں تعلیم و تربیت کو نہیں بلکہ اس کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ کتنا جہیز اپنے ساتھ لاتی ہے۔ اگر وہ بہت بھاری جہیز جس کے یہ بھوکے ہوتے ہیں لے کر آتی ہے تو اگر وہ بداخلاق و بدکردار ہی کیوں نہ ہو اپنے لئے پسند کر لیتا ہے۔ اس بری رسم سے آج ہمارے معاشرے میں بے شمار لڑکیاں کنواری بیٹھی ہیں جو اپنے ساتھ زیور اخلاق، زیور تعلیم تو رکھتی ہیں لیکن سونے چاندی کے زیورات نہیں رکھتیں ٹی وی، فرج نہیں رکھتیں جو ان جہیز کے بھوکے بھکاریوں کا پیٹ بھر سکیں۔ سوال یہ ہے کہ:

کیا اس رسم کو روکا نہیں جا سکتا؟ کیا اس بری لعنت سے معاشرے کو پاک نہیں کیا جا سکتا؟ کیا ہماری بہنیں اسی طرح ماں باپ پر بوجھ بنی رہیں گی؟ نہیں! بلکہ اس رسم کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ ہماری بہنیں اس لعنت سے چھٹکارا پا سکتی ہیں بشرطیکہ آج کے نوجوان اس کے خلاف ہوں جہیز لینا اپنے لئے باعث حقارت سمجھتے ہوں اور اس کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں۔

۵۵

ترانہ

رحمت اللہ طالب
باجوڑہ

جب بولیں گے نوری بچے
سچ بولیں گے نوری بچے
سچائی کی عظمت دنیا کو سمجھا دیں گے نوری بچے
یہ دُور کریں گے اندھیارے
اور پھیلائیں گے اجیارے
آکاش کے چندا ماما کو شرما دیں گے نوری بچے
ماں باپ کی خدمت کرتے ہیں
چھوٹوں سے محبت کرتے ہیں
ایثار کے رنگ میں دنیا کو رنگ ڈالیں گے نوری بچے
ہے نفرت کیا؟ معلوم نہیں
غیبت وریا معلوم نہیں
ہر اسوۂ حسنہ اپنا کر دکھلائیں گے نوری بچے
روتوں کو ہنسا کر دم لیں گے
ہر ظلم مٹا کر دم لیں گے
اوروں کے غم کو اپنا کر مسکائیں گے نوری بچے
یہ بیج محبت کے بو کر
ایثار کا پانی دے دے کر
دنیا کو پیار کے گلشن سے مہکا دیں گے نوری بچے
یہ حاصل کرکے علم و ہنر
خود چل کر سیدھے رستے پر
ملت کو اپنی منزل تک پہنچا دیں گے نوری بچے
یہ گالی سن کر دیں گے دعا
ہے پیشِ نظر مولیٰ کی رضا
دنیا میں سکون عقبیٰ میں جزا پا جائیں گے نوری بچے
ویسے تو یہ ننھے بچے ہیں
ہمت والے ہیں پکے ہیں
ہر مشکل کام بھی چٹکی میں کر ڈالیں گے نوری بچے



ٹکٹ کے بغیر

مظفر حسین غزالی

ایک اسٹیشن پر گاڑی رکی۔ مسافروں کا ریلا ہمارے ڈبہ میں آیا۔ ڈبہ ریزرو تھا۔ اور ہم پیر پھیلائے لیٹے تھے۔ مسافروں نے ہمارا کچھ بھی خیال نہ کیا۔ انہیں شاید ریزرو ہونے کی بھی کوئی فکر نہ تھی۔ انہیں تو بیٹھنے کو جگہ چاہئے تھی۔ ایک بوڑھی عورت کو میں نے بیٹھنے کی جگہ دیدی۔ پیر سکوڑ لئے۔ لوگ آتے گئے اور میں سکڑتا گیا آخر اٹھ کر بیٹھنا پڑا سامنے کی سیٹ پر عرفان میاں اب بھی لیٹے تھے۔ ان کو اس بھیڑ سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ان کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی۔ جس کا وہ مطالعہ فرمارہے تھے۔

ڈبہ میں ایک طرف سے زور زور سے بولنے کی آواز آنے لگی۔ کوئی کہہ رہا تھا میاں آپ خوب ہیں۔ میری جگہ پر قبضہ کرلیا۔ آخر ہم نے ریزرویشن کیوں کرایا تھا۔ دوسرا آدمی کہہ رہا تھا کہ آپ نے ریزرویشن کرایا ٹھیک ہے ہمیں بھی بیٹھنے کی جگہ چاہئے۔ مجھے اس آدمی کی دھاندلی پر غصہ آرہا تھا۔ برائی کے بہت سے ساتھی ہوتے ہیں اس کا بھی عملی تجربہ ہوا بہت سے لوگ اس کی طرف بول رہے تھے۔ ہاں میاں ہاں بات ٹھیک ہے۔ بیٹھنے کی جگہ دے دو آپ تھوڑے سکڑ جائیں گے تو کیا بات ہے۔ کسی غریب کا بھلا ہو جائے گا۔

غریب کی بھلائی کے نام سے جیسے مجھے جھٹکا لگا ہو۔ میں نے سب کا خیال کیا تو اب بیٹھنے کی جگہ ہی باقی ہے اور وہ بھی کسی جھگڑے میں چھن سکتی ہے ہمیں شرارت سوجھی۔ ہم نے سوچا ٹی سی کو بلائیں۔ وہی ان کو سمجھا سکتا ہے۔ ہم نے ٹی سی کو تلاش کرنے کی کوشش کی وہ کہیں نظر نہ آیا۔ البتہ ہماری سیٹ پر بوڑھی عورت کمر سیدھی کرنے لیٹ چکی تھی۔ وہ زور زور سے خراٹے بھی لینے لگی۔ اب ہمیں اپنی حماقت پر بہت غصہ آیا جس سیٹ پر ہم لیٹے تھے اس پر ہمارے بیٹھنے کو بھی جگہ نہ تھی۔

تھوڑی دیر میں ہمیں ٹی ٹی دکھائی دیا جیسے ہمیں کوئی بہت بڑی نعمت مل گئی ہو۔ دوڑ کر اس کے پاس گئے۔ اپنی ساری پریشانیاں ایک ہی سانس میں بتا ڈالیں۔ مگر وہ ایسے ہی کھڑا رہا جیسے اس نے کچھ بھی نہ سنا ہو۔ میں نے پھر اس سے کہا۔ اس نے بس اتنا کہا۔ آپ اپنی جگہ پر بیٹھو اگلے اسٹیشن پر بھیڑ کم ہو جائے گی۔ ہمیں تو بہت غصہ آرہا تھا مگر کیا کرتے۔ رات ہو چکی تھی۔ نیند ستا رہی تھی۔ رات کے بارہ بج گئے اسٹیشن آنے میں صرف پانچ منٹ باقی تھے۔ پانچ منٹ پانچ گھنٹوں کی طرح محسوس ہو رہے تھے۔ اللہ اللہ کرکے اسٹیشن آیا۔

عرفان تو کتاب پڑھتے پڑھتے سو چکے تھے۔ انہیں کچھ پتہ نہ تھا ہمارے اوپر کیا گزر رہی ہے۔ ڈبہ میں ایک دوسرا ٹی ٹی آیا۔ وہ سب کی سیٹیں چیک کر رہا تھا اور ٹکٹ بھی۔ اس نے ڈبہ سے زائد لوگوں کو باہر نکال دیا جس سے ہم لوگوں کو بھی سکون ملا۔ ابھی میں اپنی سیٹ پر لیٹا ہی تھا کہ ایک طرف سے زور زور سے باتیں کرنے کی آواز آئی۔ سونے کی کوشش ناکام ہوگئی علی اکبر نام کا ایک ٹی ٹی زمین پر بیٹھی ایک عورت سے ٹکٹ مانگ رہا تھا۔ وہ عورت بوڑھی تھی۔ کپڑے پھٹے تھے۔ کہہ رہی تھی میرے پاس ٹکٹ نہیں ہے۔ ٹی ٹی نے کہا آپ ٹکٹ لے لیں۔ اب گاڑی دھیرے دھیرے رینگنے لگی۔ عورت رونے لگی۔ بابوجی میرے پاس پیسے نہیں ہیں میں ٹکٹ نہیں لے سکتی۔ ٹی ٹی نے پھر کہا آپ کو ٹکٹ لینا پڑے گا۔ بات بڑھتی گئی بڑھیا کی حالت قابل رحم تھی۔

ڈبہ میں کئی لوگ کہہ رہے تھے اس بڑھیا کو نیچے پھینک دو ہماری نیند خراب کر رہی ہے اس سے پیسے لے لو۔ بڑھیا کی حالت مجھ سے دیکھی نہیں جا رہی تھی علی اکبر مجھے بہت ظالم نظر آرہا تھا جس نے رسید کاٹ کر بڑھیا کے ہاتھ میں دے دی تھی بڑھیا کہہ رہی تھی کہ میں پیسے کہاں سے دوں

بقیہ کالم ۳ پر

علی اکبر نے کہا۔ یہ میری ذمہ داری ہے کہ میں کسی کو بغیر ٹکٹ سفر نہ کرنے دوں اس سے ریلوے کا نقصان ہے، ملک کا نقصان ہے۔ اگر آپ پیسے نہیں دے سکتیں تو میں ادا کروں گا۔ ••

کیرلہ میں کمیونسٹ حکومت کا گھناؤنا کردار

گذشتہ مہینہ میں کیرلہ کے تقریباً تمام اضلاع میں حکومت کی شراب سے متعلق پالیسی کے خلاف زبردست احتجاجی جلوس نکالے گئے۔ بائیں بازو کی حکومت سے پیشتر کیرلہ میں شراب سے متعلق یہ قانون نافذ تھا کہ کوئی بھی شراب کی دوکان تعلیمی اداروں یا مذہبی مقامات سے تقریباً ۲۰۰ گز کی دوری پر ہی کھولی جاسکتی تھی۔ لیکن جب سے بائیں بازو کی حکومت برسراقتدار آئی اس نے اس قانون کو کالعدم قرار دیا اس کا عوام پر ردعمل یہ ہوا کہ جماعت اسلامی کیرلہ، اسٹوڈنس اسلامک آرگنائزیشن کیرلہ، و دیگر سیاسی، مذہبی و سماجی تنظیموں نے احتجاج کیا۔ بالآخر حکومت نے پھر سے گذشتہ قانون کو بحال کردیا۔

مگر پھر سال رواں میں حکومت نے شراب سے متعلق اپنی پالیسی میں تبدیلی کردی ہے۔ نتیجتاً سیاسی پارٹیوں و دیگر تنظیموں نے پھر سے مخالفت اور احتجاج شروع کردیا ہے۔ S I O کیرلہ کے بیان کے مطابق کیرلہ کے تقریباً تمام اضلاع میں شراب بندی اور اس نئی پالیسی کے خلاف احتجاجاً جلوس نکالے گئے اور حکومت سے شراب کی پرانی پالیسی بحال کرنے نیز مکمل شراب بندی کی مانگ کی گئی۔ اس دوران کینانور، میں S.I.O کے احتجاجی جلوس پر آبکاری مزدوروں نے اس وقت زبردست حملہ کردیا جبکہ آبکاری کی نیلامی ہورہی تھی۔ ان آبکاری مزدوروں کا تعلق Centre of Indian Trade Union (CITU) اور All India Trade Union Congress (AITUC) سے تھا۔

کینانور میں SIO کارکنان پر آبکاری مزدوروں نے حملہ صرف اس لئے کیا کہ شراب بندی کے خلاف احتجاج کیا گیا تھا۔ ایک شر کو مٹانے کی کوشش کی تھی۔ تاکہ شراب جیسی مہلک چیز سے ملک وملت کو بچایا جائے۔ لیکن آبکاری مزدوروں کے اس غیر انسانی فعل پر حکومت کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ جماعت اسلامی کیرلہ نے اپنے آرگن "پربودھنم" میں اس سانحہ پر اداریہ بھی تحریر کیا۔

۱۸ مارچ کو چیمبر آف کامرس ہال میں جبکہ آبکاری نیلامی ہورہی تھی CITU اور AITUC کے آبکاری مزدوروں نے شراب کی حمایت میں جلوس نکالا تھا۔ جس راستے پر مزدوروں کا جلوس گزرا، ٹھیک اس کے بعد S.I.O کے رفقاء نے بھی احتجاجی جلوس شراب بندی کی حمایت میں اسی راستے سے نکالا۔

ٹھیک اسی وقت جبکہ جلوس خاموش پرامن انداز میں مارچ کررہا تھا، ۲۰۰۰ مزدوروں نے لاٹھیوں اور دیگر ہتھیاروں سے حملہ کردیا جس کے نتیجے میں ۱۵ افراد زخمی ہوگئے۔ لیکن پولس خاموش تماشائی بنی رہی۔

بائیں بازو کی حکومت میں S.I.O کیرلہ کی تاریخ میں یہ دوسرا سانحہ ہے کہ اس کے رفقاء پر ظلم ڈھائے گئے۔ اس سے قبل Dog show کے خلاف احتجاج کرنے پر کینانور ہی میں پولس نے S.I.O کے چالیس کارکنان کو گھنٹوں لاک اپ میں بند رکھا۔ یہ واقعات اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ بائیں بازو کی حکومت اپنے مفاد کے لئے شر پسند عناصر اور پولس کو کس طرح کھیل کھیلنے کا موقع فراہم کررہی ہے۔

کیرلہ میں SIO اب ایسی مستحکم تنظیم بن چکی ہے جس نے قلیل عرصہ میں کافی وسعت اختیار کی ہے بالخصوص تعلیمی اداروں میں اس نے اپنی گرفت بے حد مضبوط کی ہے۔ بائیں بازو کی حکومت کو معلوم ہے کہ اس تنظیم کو ایک دوسری طاقت ور تحریک کی حمایت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو اپنی دہریت خطرے میں نظر آنے لگی ہے۔ بالخصوص کیرلہ میں کمیونسٹ طلبا تنظیموں کے لئے SIO ایک بڑا چیلنج بن کر سامنے آئی ہے۔ بجائے اس کے کہ کمیونسٹ تنظیمیں فکری و نظریاتی حیثیت سے ٹکراؤ مول لیں اب یہ تنظیمیں ڈنڈے کے زور پر آگے بڑھنے کے لئے داؤ پیچ ٹھیک کرنے میں لگی ہیں۔ کیونکہ ان کے لئے فکری اور نظریاتی ٹکراؤ کا سابقہ تجربہ بے حد تلخ رہا ہے۔ لہٰذا اب غنڈہ گردی ہی کو انھوں نے اپنا شعار بنالیا ہے۔

جب سے بائیں بازو کی حکومت کیرلہ میں برسراقتدار آئی ہے۔ کمیونسٹوں کے اندر ایک قسم کا غرور اور تکبر پیدا ہوگیا ہے مسلم لیگ، آر۔ ایس۔ ایس، سی۔ ایم۔ پی۔ (CPM کا علیحدہ پسند گروپ) بھی حکومت کے عتاب کا شکار ہوچکے ہیں کالی کٹ میں ناداپورم کے مقام پر حکومت کے مظالم سے مساجد اور دینی مدارس بھی محفوظ نہیں ہیں جو حکومت جارحیت پر ایمان رکھتی ہو۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اس کے ذریعہ ظلم، فساد فی الارض اور فتنہ ہی کو فروغ حاصل ہوگا۔ لہٰذا حکومت کا یہ رویہ نہ کہ صرف قابل مذمت بلکہ ملک کے لئے بے حد خطرناک ہے۔

مجلس نمائندگان کے اعزاز میں استقبالیہ

اسٹوڈنٹس اسلامک آرگنائزیشن آف انڈیا نے ۲۷ مارچ کو مرکز جماعت اسلامی ہند میں مجلس نمائندگان کے ارکان کو ایک استقبالیہ دیا۔ اس موقع پر سرپرست اعلیٰ محترم جناب ابواللیث اصلاحی ندوی نے تحریک اسلامی سے وابستہ نوجوانوں پر زور دیا کہ اپنا کردار اسلامی تعلیمات کے مطابق زیادہ سے زیادہ نکھاریں اور اپنی سرگرمیاں مزید تیز کردیں کیوں کہ ملک میں دعوت اسلامی کے تعلق سے اب نوجوانوں ہی کو اہم کردار ادا کرنا ہے۔ موصوف نے مزید فرمایا کہ ایک عرصہ سے ہماری تمنا تھی کہ ملک میں دعوت اسلامی کا فریضہ انجام دینے کے لئے نوجوانوں کی ایک نسل تیار ہو جائے۔ اللہ کا شکر ہے کہ ایس۔ آئی۔ او کی شکل میں طلبا اور نوجوانوں کی ایک تنظیم کے قیام سے اس تمنا کی تکمیل کی صورت پیدا ہوئی ہے اور یہ ہمارے لئے بہت خوشی کی بات ہے۔" موصوف نے ایس۔ آئی۔ او کی اب تک کی کارکردگی پر اظہار اطمینان کرتے ہوئے امید ظاہر کی کہ آنے والے دنوں میں اس کا کام مزید آگے بڑھے گا۔ محترم امیر جماعت نے مجلس نمائندگان کے ارکان اور دیگر وابستگان جماعت کو ہدایت کی کہ وہ نوجوانوں اور طلبا کے کام کو اپنے کام کا ایک اہم حصّہ سمجھ کر اس سے تعاون کریں۔ آپ نے تنظیم کی ضروریات کے ذیل میں فرمایا کہ اگرچہ تعمیراتی کاموں وغیرہ میں تعاون بھی ضروری ہے۔ لیکن سب سے اہم بات یہ ہے کہ آپ ایس۔ آئی۔ او کے کاموں کی نگرانی کریں اور اس کے کارکنوں کی تربیت پر توجہ دیں۔ مولانا نے محترم نے فرمایا کہ جماعت کا شعبۂ تنظیم بھی اس سلسلہ میں حتی الامکان سہولت مہیا کرنے کی کوشش کرے گا۔ آپ نے صدر تنظیم پی۔ سی حمزہ کی اردو تقریر پر نہایت مسرت کا اظہار کرتے ہوئے انھیں مبارک باد دی کہ انھوں نے محض چند ماہ کے عرصہ میں اردو زبان پر خاصی دسترس حاصل کرلی۔ اس ضمن میں مولانا نے جماعت کے ایک قدیم رفیق مرحوم وی۔ پی محمد علی کا ذکر کیا۔ جن کا تعلق بھی کیرلا سے تھا۔ اور جنھوں نے دعوتی جذبے کی خاطر بہت کم عرصہ میں اردو زبان پر عبور حاصل کرلیا تھا۔

محترم قیم جماعت جناب افضل حسین صاحب نے اپنے خطاب میں طلبا اور نوجوانوں کی اس تنظیم کی ضرورت و اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ انسانی زندگی میں ۱۵ سے ۳۵ سال تک کی عمر نہایت اہم ہوتی ہے۔ انسان اپنی عمر کے اس حصّہ میں جو کچھ حاصل کرلیتا ہے، باقی عمر میں اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ آپ نے کہا کہ پانچ سے پندرہ سال کی عمر کے بچے بھی معمر افراد کے مقابلہ میں ۱۵ سے ۳۵ سال کے نوجوانوں کے عادات و اطوار اور سرگرمیوں کا اثر زیادہ قبول کرتے ہیں۔ محترم قیم جماعت نے فرمایا کہ دعوت دین کے سلسلہ میں طالبات کی تنظیم اور ان میں کام پر بھی خصوصی توجہ دی جائے۔

اس سے قبل کارروائی کے آغاز میں معزز مہمانوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے تنظیم کے جنرل سکریٹری برادر جاوید علی نے نشست کی غرض و غایت بیان کی۔ اور کہا کہ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آپ حضرات سے وقتاً فوقتاً ہمیں استفادہ کا موقع ملتا رہتا ہے۔ ہماری خواہش تو یہ تھی کہ آپ میں سے ہر کسی سے فرداً فرداً ملاقات کرکے مشورے اور رہنمائی حاصل کرتے۔ لیکن آپ حضرات کی مصروفیت کے پیش نظر ایسا نہیں کیا جاسکتا تھا۔ تاہم تنظیم کے کارکن آپ سے آپ کے اپنے مقامات پر مشورے اور رہنمائی حاصل کرتے رہیں گے۔

صدر تنظیم برادر پی۔ سی حمزہ نے اپنی تقریر میں تنظیم کی اب تک کی کارکردگی پر مختصر روشنی ڈالی۔ اور آئندہ کئے جانے والے کاموں کا خاکہ پیش کیا۔ انھوں نے تنظیم کی کچھ ضروریات کا ذکر بھی کیا۔ جن میں ہیڈ کوارٹرز کی تعمیرات شامل ہیں۔ برادر حمزہ نے امید ظاہر کی کہ رفقائے جماعت اس سلسلہ میں ہمیشہ کی طرح بھرپور تعاون کریں گے۔

اس مجلس استقبالیہ میں، جس کی صدارت خود محترم امیر جماعت نے فرمائی۔ مرکزی ارکان شوریٰ، امرائے حلقہ جات، ارکان مجلس نمائندگان ایس۔ آئی۔ او کے ارکان اور کارکن نیز دیگر وابستگان جماعت شریک تھے۔ نشست کی کارروائی ایس۔ آئی۔ او کے سکریٹری برادر محمد نصیر نے چلائی۔ محترم قیم جماعت کی دعا پر مجلس اختتام کو پہنچی۔

ؔله حالت کفر میں جسے اسلام سے سخت نفرت اور دشمنی تھی اور اسلام کو مٹانے کی کوشش میں جو شخص پیش پیش رہا ہے وہی ایمان لانے کے بعد اسلام کی محبت میں سب سے زیادہ بے خود و سرشار دکھائی دیتا ہے اور اس سے اسلام کی عظیم خدمات کی توقع کی جاسکتی ہے۔ جس شخص کے اندر دشمنی کی طاقت نہ ہو اس کے اندر دوستی کی صلاحیت کہاں سے آجائے گی۔

ؔله دورخاپن جس کی وضاحت اس حدیث میں کی گئی ہے پستی کردار کی انتہائی گھناؤنی اور قبیح حالت ہے۔ جو شخص اخلاق و کردار کی اس پستی تک پہنچ گیا ہو سمجھئے وہ سماج میں ایک انتہائی مکروہ وجود ہے اس سے فتنہ و شر کے سوا کسی دوسری چیز کی امید نہیں کی جاسکتی۔ اس طرح کے لوگوں کی ساری تگ و دو کے پیچھے فریب کاری کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ ان سے محتاط رہنا ضروری ہے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ آخری وصیت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کی جب کہ میں رکاب میں پاؤں رکھنے لگا تھا وہ یہ تھی: "اے معاذ بن جبل، اپنے اخلاق کو لوگوں کے لئے بہتر رکھنا۔"

یعنی لوگوں کے ساتھ تمہارا رویّہ اعلیٰ اخلاق کے تحت ہو۔ مومن کی حیثیت ہمیشہ ایک ذمّہ دار کی ہوتی ہے۔ اسے اپنے مومنانہ۔

تبصرہ

نام کتاب :۔ سیرت حضرت زبیر بن العوام
مصنف :۔ ابن عبدالشکور (محمد سلیمان)
پتہ :۔ تاج کمپنی ۳۱۵۱ ترکمان گیٹ۔ دہلی ۶
سنہ اشاعت ۱۹۸۲ء۔ قیمت ۸ روپے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا دین میں جو مقام ہے اس سے ہر صاحب ایمان واقف ہے۔ خود غرضی مفاد پرستی اور بزدلی کے اس دور میں ان صاحبان ایمان کی زندگیوں کا مطالعہ یقیناً اہمیت رکھتا ہے جو ایثار و بے نفسی کے پیکر اور ہمت و شجاعت کی اعلیٰ مثال تھے۔ ابن عبدالشکور صاحب نے اسی اہم ضرورت کے پیش نظر سیرت نگاری کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ اب تک ان کی پانچ کتابیں تبصرہ نگار کی نظر سے گزری ہیں جن میں سے چار تاج کمپنی نے شائع کی ہیں اور ایک ادارہ صدائے سحر بنگلور کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔ زیر تبصرہ کتاب ۱۵۹ صفحات پر مشتمل ہے اس گنتی میں وہ دو صفحات بھی شامل ہیں جو عموماً شمار نہیں کئے جاتے کتاب سے قبل جناب شبیر احمد قدوسی کا ایک مقدمہ ہے جو دراصل محب الدین خطیب کے ایک اقتباس پر مبنی ہے جس میں اصحاب رسول کی سیرتوں کی موجودہ ضرورت کا ذکر ہے ۲۲ صفحات کے تمہیدی پس منظر کے بعد ۲۳ ویں صفحہ سے صاحب سیرت حضرت زبیر بن العوام کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ اس تمہید میں آنحضورؐ کے تئیں شعرائے عرب کے خراج عقیدت اور بعض صحابہ کرام کے ایمان لانے اور عہد وفا استوار کرنے کا بیان ہے اخیر میں حضرت زبیر کا ذکر ہے۔ صفحہ ۲۹ پر نبی رحمت، حضرت خدیجہ، حضرت صفیہ، حضرت ابوبکر، حضرت اسماء بنت ابی بکر اور حضرت عبداللہ سے ان کے رشتوں کا الگ الگ بیان ہے۔ اس کے بعد ابتدائی تربیت، اسلام کی راہ میں آزمائش اور ہجرت حبشہ کا ذکر ہے۔ ابتدائی مہاجرین حبشہ کی فہرست بھی ہے۔ پھر ہجرت مدینہ کا تذکرہ ہے۔ مدنی زندگی میں جن غزوات و مہمات میں حضرت زبیر کی شرکت ہوئی ان کا خصوصی تذکرہ ہے مثلاً مسجد نبوی کی تعمیر، بدر، واحد، حنین و تبوک اور فتح مکہ۔ اسی طرح خلفائے راشدین کے دور میں انہوں نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ان کا بھی ذکر ہے۔ اس کتاب کی خاص بات یہ ہے کہ حضرت زبیر کی شرکت جس معاملہ میں ہوئی اس کی پوری تفصیل پیش کی گئی ہے۔ کبھی کبھی اس کے پس منظر کا بیان بھی کیا گیا ہے۔ مثلاً حضرت عمر کی شہادت کا تفصیلی بیان ہے حالانکہ یہ بیان کرنا مقصود تھا کہ انھوں نے جن چھ افراد کو نامزد کیا تھا کہ وہ آپس میں کسی کو خلیفہ منتخب کریں، ان میں ایک حضرت زبیر بھی تھے۔ اسی طرح حضرت عثمان کی شہادت کے بعد ان کی شہادت کے مسئلہ پر دور خلافت علی میں جو نزاع اٹھ کھڑا ہوا، اس واقعہ کا تفصیلی بیان ہے۔ اس طرح یہ کتاب اس دور کی ایک تاریخ بھی بن جاتی ہے جو مختلف واقعات کی جھلکیاں دکھاتی ہے اور اس میں مصنف نے اپنی ضرورت کے اعتبار سے اختصار و طوالت سے کام لیا ہے اس کی کوئی توجیہ اس کے سوا نہیں کی جا سکتی کہ وہ قاری کو جو اس دور کے حالات سے بے خبر ہے مختصراً ان کی واقفیت بھی بہم پہنچانا چاہتے ہیں۔ حضرت زبیر کے کارہائے نمایاں کا بیان ۱۳۴ ویں صفحات تک ہے۔ ان کی شہادت کے واقعہ کے لئے الگ حصہ مخصوص کیا گیا ہے اور پھر ان کی شخصیت اور متعلقین کا بیان ہے۔ آنحضورؐ اور صحابہ کرام کی نظر میں ان کے مقام کا بیان ہے اور بالکل اخیر میں ان کی سیرت کے چند پہلو پیش کئے گئے ہیں۔

اس کتاب کی تیاری میں جن کتب سے مدد لی گئی ہے ان کا جا بجا ذکر ہے لیکن تعجب ہے کہ معین الدین صاحب کی کتاب مہاجرین کا کہیں ذکر نہیں جس سے استفادہ بالکل عیاں ہے۔ حضرت زبیر کے حالات مذکورہ کتاب میں ۲۲ صفحات میں ہیں اور وہ بھی خاصے کی چیز ہے۔

ابن عبدالشکور صاحب کی کوشش لائق تحسین ہے کہ انھوں نے آج کے قاری کے لئے جدید طرز سے ڈائجسٹ سائز میں کہانی کے اسلوب میں صحابی اور صحابیات کی سیرتوں سے واقفیت فراہم کرنے کا یہ سلسلہ شروع کیا ہے۔ اگر کتابت کی تصحیح اور ترجموں اور حوالوں کی صحت کا التزام کیا جائے تو ان کتابوں کا معیار مسلم ہوگا اور وہ باتیں جو کھٹکتی ہیں دور ہو جائیں گی۔

کتابت کی غلطیوں کا یہ عالم ہے کہ کتاب میں کم از کم ۳۲ مقامات پر الفاظ یا عبارت غلط ہیں۔ صفحہ ۲۴ پر ۸ سطریں نقص طباعت کا شکار ہو گئیں پڑھی نہیں جاتیں۔ بعض اشعار کے ترجمے محل نظر ہیں۔ مثلاً ص ۶ کا دوسرا شعر ص ۷ کا دوسرا شعر، ص ۸ کا چوتھا شعر ص ۹ کا پہلا شعر ص ۱۴ کا دوسرا شعر اسی طرح بعض الفاظ غیر موزوں استعمال ہوئے یا بلاوجہ۔ مثلاً ص ۱۴ پر "مردم" کا لفظ ص ۱۹ پر پاک و پاکیزہ میں کسی ایک کی ضرورت تھی۔ ص ۲۰ پر دلیر و بہادر، بہادری و جرأت، بہادر و جری جیسے مترادفات کی تکرار موزوں نہیں۔ ایک لفظ تینوں جگہ کفایت کرتا اور خوبصورت لگتا۔ ص ۳۱ پر ترغیب و ترہیب کے بعد "ڈر و خوف" کی ضرورت تھی اور نہ لالچ و دھمکی کی مزید برآں ڈر و خوف دو متضاد صفات کے ذکر کے درمیان نامناسب استعمال بھی ہے۔ ص ۳۹ پر دوسرا شعر صحیح نقل نہیں ہو سکا۔ ص ۴۶ پر دوسرے عنوان کی پہلی سطر شاعرانہ ترکیب کی مظہر ہے۔ نثر کی عبارت نہیں۔ ص ۸۹ پر حضرت زبیر کے قول کا مفہوم صحیح واضح نہیں کیا جا سکا۔ گرچہ کتاب "مہاجرین" میں بھی یہی مفہوم درج ہے۔ اس قول میں لفظی مماثلت سے فائدہ اٹھایا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم مرنے اور مارنے ہی کے لئے آئے ہیں تو طاعون کی کیا پروا۔؟ بعض واقعات کا ایک سے زائد مرتبہ تکرار مناسب نہیں معلوم ہوتی۔ (م۔ ح)

مسلم دنیا کی خبریں

قرآن کے اوراق پر پینٹنگ کے خلاف حکومت اٹلی کا اقدام

اٹلی کے سفیر فرانسیسکو اہنڈیلی نے اپنے ایک پیغام میں مسلم ورلڈ لیگ کے سکریٹری جنرل ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف کو مطلع کیا ہے کہ حکومت اٹلی نے اس مصور کے خلاف کارروائی کی ہے جس نے قرآن کریم کے اوراق پر تصویریں بنائیں تھیں اور جن کو ٹیورن سیٹی کے نمائش گاہ میں نمائش کے لئے آویزاں کی گئی تھیں۔ اس شرانگیز حرکت پر ساری دنیا کے مسلمانوں میں اشتعال کی کیفیت پائی جارہی تھی۔ ڈاکٹر نصیف نے حال ہی میں اٹلی کے سفیر کے پاس اپنا پیغام بھیجا تھا جس میں اس مذموم حرکت کی سخت مذمت کی گئی تھی اور مصور کے خلاف کارروائی کی مانگ کی گئی تھی۔ سفیر اٹلی کی اطلاع کے مطابق مصور اہنڈری بوسٹو نے اپنی اس فتنہ انگیز حرکت پر عوام کے سامنے پریس کانفرنس میں معافی بھی مانگی ہے۔

واضح رہے کہ امیر جماعت اسلامی ہند مولانا ابواللیث اصلاحی نے بھی حکومت اٹلی کو اس سلسلے میں خط روانہ کیا تھا جس میں مصور کے خلاف سخت کارروائی کی مانگ کی گئی تھی۔

ہزاروں فرانسیسی اسلام قبول کر رہے ہیں

"ریڈینس" ویکلی کی حالیہ اعداد و شمار کے مطابق یورپ میں ایسے لوگوں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے جو مشرف بہ اسلام ہو رہے ہیں۔ صرف فرانس میں ۴۰,۰۰۰ افراد نے اسلام قبول کیا ہے۔ اس وقت فرانس میں ایک ہزار مساجد اور مارسیلی شہر میں تقریباً ۲۰,۰۰۰ مسلمان آباد ہیں۔ بیشتر فرانسیسیوں کے قبول اسلام کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ وہ اسلامی نظریہ حیات کے اقدار اور غیر معمولی اسلامی انقلاب سے متاثر ہو کر قبول اسلام کی طرف مائل ہو رہے ہیں اسلام کے نظریہ حمایت مظلومین و محرومین نے بے حد متاثر کیا ہے۔

تیزی سے پھیلتے ہوئے اسلام پر اب یورپین ممالک کے سربراہوں کو تشویش لاحق ہو گئی ہے۔ چنانچہ اسلام کی نعمت سے فرانسیسیوں کو محروم کرنے کے لئے، یورپین ممالک سربراہوں نے مسلمانوں پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا ہے اور اسکیمیں تیار کر رہے ہیں جن سے انہیں قبول اسلام کی طرف مائل ہونے سے روکا جا سکے۔

"شرق النور" ٹی وی سیریل

مصر:- ۳۵ اقساط پر مشتمل "شرق النور" ٹی وی سیریل جو ایک عرصہ سے رکا پڑا تھا۔ اب علماء ازہر کی اجازت سے مصری ٹیلی ویژن کے ذریعہ ٹیلی کاسٹ کیا جائے گا۔ اس سیریل میں ایام جاہلیت سے لے کر سرور کائنات حضور اکرمؐ کی دعوت کو دکھایا گیا ہے۔ جس میں نزول وحی اور ابتدائی جنگوں کو بھی دکھایا گیا ہے سیریل دو قسطوں پر مشتمل ہے ایک جہالت کی تاریکی دوسرا اسلام کی روشنی جبکہ ھدایت کی کرن نمودار ہوئی۔ چونکہ سیریل میں بعض صحابہ کرامؓ کے متعلق کچھ شبہات تھے اسلئے اسے روک دیا گیا تھا۔ لیکن دیکھنے سے پتہ چلا ہے کہ ایسا کچھ بھی نہیں ہے بلکہ وحی کو بھی علامتوں کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے۔

مصری ٹیلی ویژن نے اس سال رمضان المبارک کے موقع پر ایک نیا سیریل "یا اللہ" بھی شروع کرنے کا فیصلہ کیا ہے جس میں دینی مسائل، دعائیں، اور تفسیر کی تعلیم دی جائے گی۔ اسلامی اخلاقی کہانیاں بھی ہوں گی۔

WAMY کے نئے دفاتر

حال ہی میں World Assembly of Muslim Youth کے سکریٹری جنرل ڈاکٹر مانع الجہانی نے وامی کے مجلس عاملہ کے افتتاحی اجلاس میں اس بات کا اعلان کیا کہ وامی کے نئے دفاتر لاطینی امریکہ، بنگلہ دیش اور مشرق بعید میں قائم کئے جائیں گے۔ مجلس عاملہ کا اجلاس ریاض میں آئندہ ہونے والی بین الاقوامی کانفرنس پر غور و خوض کے لئے بلایا گیا تھا۔ اس کانفرنس کا موضوع "امت مسلمہ کا اتحاد" متعین کیا گیا ہے۔ اس سے قبل جنوری (۲۲ تا ۲۷) ۱۹۸۶ء میں بھی ایک بین الاقوامی کانفرنس ریاض میں منعقد ہوئی تھی جس میں ساری دنیا میں مسلم اقلیت کے مسائل پر گفتگو کی گئی تھی۔

اسلامی مخطوطات کی فہرست

حکومت سعودی عرب کے مرکز ملک فیصل نے اسلامی مخطوطات کی ایک جامع فہرست مرتب کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ مرکز کے ڈائرکٹر

ڈاکٹر زید عبدالمحسن آل حسین نے بتایا کہ یہ مرکز اب تک تین طویل فہرستیں تیار کر چکا ہے ان مخطوطات کی مائکروفلم بھی تیار کر لی گئی ہے تاکہ تحقیق کرنے والوں کو آسانی ہو۔ ادارہ نے محققین کو نقول، مسودات اور مائکروفلم تک سپلائی کرنے کی سہولت مہیا کی ہے۔

خواتین کا عالمگیر انقلابی فورس

ایران کی حمایت میں مردوں کے انقلابی فورس کے مساوی عالمی پیمانے پر خواتین کا ایک انقلابی فورس تیار کیا گیا ہے — خواتین فورس کا پہلا دستہ جس کو منظریہ ٹریننگ کیمپ ....
MANZARIAH TRAINING CAMP . ....
میں تربیت دیا گیا ہے۔ ۴۰۰ خواتین پر مشتمل ہے۔ اس دستہ میں لبنان، پاکستان، بنگلہ دیش اور خلیجی ممالک کی خواتین شامل ہیں یہ باور کیا جاتا ہے کہ اس فوج کی سربراہ فی الوقت مسز زہرہ ہیں جو ایرانی مصنف مسٹر پی ایم حسین موسوی کی اہلیہ ہیں۔

ایران کی بیرونی ریڈیو براڈکاسٹنگ

ایران کی بیرونی سمع وبصر یونٹ STATE BRODCASTING ORGANIZATION

نے ۱۱ فروری ۸۹ء سے اپنا کام شروع کر رہا ہے۔ یہ یونٹ روزانہ ۹ گھنٹے پروگرام براڈکاسٹ کرے گی۔ یہ پروگرام ۴۴۰۴ اور ۷۰۲ KHZ پر ۸۰۰ KW ٹرانسمیٹر کے ذریعہ آزری۔ پشتو۔ کرد۔ آرمینی۔ روسی استنبول ترکی اور انگریزی زبانوں میں نشر کئے جائیں گے

ایران میں ۱۹۷۹ء میں پبلک ٹیلیفون کی تعداد ۹۴۷۹ تھی۔ اب تعداد بڑھ کر ۲۳۹۷۹ ہو گئی ہے۔ ٹیلفون........ SUBSCRIBERS.. کی تعداد ۸،۵۰،۸۰۰ سے بڑھ کر ۱۸۱۲۸ ۱،۴۷۱ ہو چکی ہے۔ وہ شہر جس میں ۸۹ خودکار ٹیلی فون ایکسچنج تھے اب اس کی تعداد بڑھ کر ۲۳۵ ہو گئی ہے اور جن شہروں میں بین الاقوامی ڈائلنگ کی سہولت فراہم تھی اب اس کی تعداد ۲۰ سے بڑھ کر ۸۳ ہو چکی ہے

بقیہ صفحہ ۱۲ کا

ٹھکرادیں لیکن جہاد سے منہ نہ موڑا۔ دنیا کی کوئی چیز انھیں اپنی طرف مائل نہ کر سکی۔

مجاہدین کے اندر آپ نے وہ جذبہ پیدا کر دیا تھا کہ جب کوئی شہید ہوتا تو جماعت کے دوسرے لوگ کہتے کہ وہ جو مراد لے کر آیا تھا۔ پوری ہو گئی۔ خدا ہماری مراد بھی پوری کرے۔

سید صاحب کے پاس کوئی خزانہ نہ تھا۔ انھوں نے فطرہ، زکوٰۃ، عطیہ، سٹھیا کے علاوہ عید و بقرعید کے موقع پر خصوصی اعانتیں وصول کیں۔ بہت سے امرار اور روسار مستقل اعانتیں دیتے رہے۔ انگریزوں نے ان پر پابندیاں لگائیں۔ نواب محمد علی (ٹونک) کو اس جرم میں جلاوطن کر دیا گیا۔ صادق پور (پٹنہ) کے مولوی محمد جعفر اور دوسرے بہت سارے افراد کو انگریزوں نے گرفتار کر لیا۔ اور کالے پانی کی سزا دی۔

سید صاحب کو بے شمار آدمی ملے۔ انھوں نے جس شخص کے اندر جو صلاحیتیں دیکھی ان سے دین و ملت کا کوئی نہ کوئی کام لیا۔ مثلاً بوڑھوں کو بچوں اور عورتوں کو قرآن مجید پڑھانے پر لگا دیا۔ سید صاحب کی توجہ سے بے شمار کتابیں، پمفلٹ، دینی رسالے اردو میں چھاپے گئے۔ سر چارلس اپنی کتاب انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا میں لکھتا ہے "اس طرح سید صاحب نے اردو کی بہت بڑی خدمت کی"۔

ان کے فوج کے ساتھ نہ شراب تھی۔ نہ بینڈ بجتا تھا۔ نہ ان کی چھاؤنیاں بدکاریوں کا اڈہ بنتی تھیں۔ اور نہ کوئی ایسی مثال ملتی ہے کہ ان کی فوج کسی علاقے سے گذری ہو اور اس علاقے کے لوگ اپنے حال اور اپنی عورتوں کی عصمتوں کے تحفظ کا خطرہ بھی محسوس کیا ہو۔

ان کے سپاہی دن کو گھوڑے پر اور رات کو مصلے پر ہوتے تھے۔ خدا سے ڈرنے والے آخرت کے حساب کو یاد رکھنے والے اور ہر حال میں راستی پر قائم رہنے والے تھے۔

ان کو جو تھوڑے وقت کے لئے اس چھوٹے سے علاقے میں حکومت کرنے کا موقع ملا۔ وہاں وہی نظام عدل و انصاف قائم کیا۔ جیسے صدیق اکبر اور فاروق اعظم نے قائم کیا تھا۔

سید صاحب کے مجاہدین کے بارے میں پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ ہم صحابہ و تابعین کی سیرتیں پڑھ رہے ہیں۔ اور تعجب ہوتا ہے کہ قریب کے زمانے میں بھی ایسے لوگ گذرے ہیں۔ اے کاش ہمارے اندر اور تحریک اسلامی کے کارکنوں کے اندر بھی وہی جذبہ جہاد و اشاعت دین پیدا ہو جائے۔ •

چند ناگزیر وجوہات کے سبب اس شمارے میں رفیق کی ڈاک شامل نہیں ہے۔ میزان عمل کے تحت دیگر مقامات کی رپورٹیں بھی اگلے ماہ شائع کی جائیں گی انشاء اللہ تعالیٰ۔
(ادارہ)

سفرنامہ

سلسلہ روز و شب

شاہ رشاد عثمانی

سلسلۂ روز و شب نقش گر حادثات بھی ہے اور نقش گر تجلیات بھی۔ وقت کو کہیں ٹھہراؤ نہیں، کبھی اچھا وقت آتا ہے، وہ بھی گذر جاتا ہے اور کبھی برا وقت آتا ہے سو وہ بھی گذر جاتا ہے، ایک جوئے نغمہ خواں کی طرح کبھی تیز رو اور کبھی آہستہ خرامی کے ساتھ۔

میری زندگی کے شب و روز روزمرہ کی مصروفیات میں مقید یونہی گذر رہے تھے کہ ایک دن برادرم ارشد صدیقی صاحب کا خط ملا کہ ۵، ۶، ۷، ۸ فروری ۱۹۸۸ء کو بنگلور میں ادارۂ ادب اسلامی کے زیر اہتمام ایک آل کرناٹک ادبی کانفرنس منعقد کر رہے ہیں اس موقع پر مجلس اعلیٰ کی بھی میٹنگ ہوگی اور کرناٹک کے مختلف ادبی مراکز کے دورے ہونگے اور ان تمام پروگراموں میں مجھے بھی شریک ہونا ہوگا۔ ارشد صدیقی نے کچھ اس طرح مسلسل مسندِ شوق کو تازیانہ لگایا کہ مصروفیات کے تمام بندھنوں کو توڑ تاڑ کر میں اس ادبی مہم پر ۳ فروری کی ایک سہانی صبح۔ بیت القاسم، جمشید پور سے بنگلور کے لیے روانہ ہوا۔

بزرگوں کی شفقتوں اور دعاؤں کے سلسلے میں، بھائی بہنوں کی محبتیں وصول کرتا اور خدا حافظ کہتا میں آٹو رکشہ پر سوار ہوگیا۔ سا کچی بس اسٹینڈ پر ڈیلکس بس بنام Chetak موجود تھی، تھوڑے انتظار کے بعد بس چل پڑی اور ابھی میں سنگھ بھوم کی سرزمین سے باہر نکلا بھی نہ تھا کہ اشہب خیال نے کئی منزلیں طے کر ڈالیں، بس کے اندر کی بھیڑ اور باہر کا شور میرے سیل مکر کے لیے کوئی رکاوٹ نہ بن سکا۔ ہاں کبھی کبھی نگاہ گرد و پیش کے انسانی سمندر پر بھی پڑ جاتی تھی، نوجوانوں کی بے فکری، بوڑھوں کی بے بسی، بے نور آنکھوں، گرمیٔ احساس سے خالی جسموں اور بے لگام زبانوں، تہذیب، تمدن اور معیار و اقدار کی حدود سے آزاد نئی نسل کے کرشمے بھی دیکھنے لگتا۔ خیال و مشاہدہ کی اسی دھوپ چھاؤں میں سفر کرتے ہوئے رانچی پہونچا۔

شہر رانچی میرے لیے کئی شخصیتوں کی وجہ سے باعث کشش ہے، تاج بک ڈپو رانچی کے روحِ رواں بذلہ سنجی کے پیکر جناب مولانا عبدالغنی عزیزی، استاذ مکرم ڈاکٹر وہاب اشرفی (پروفیسر) پروفیسر ابوذر عثمانی اور پروفیسر احمد سجاد صاحبان جن سے رانچی جا کر اگر نیاز حاصل نہ کروں تو گویا میرا رانچی آنا ہی نہیں ہوا۔ ڈاکٹر احمد سجاد صاحب کی مقناطیسی شخصیت بڑی دلکشی رکھتی ہے، مجھے اکثر ان کے یہاں مہمان رہنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ ان کی رہائش گاہ "طارق منزل" کے بالائی حصے پر ان کی ایک ذاتی وسیع لائبریری بہت خوب ہے ڈاکٹر سجاد صاحب کو کتابیں خریدنے اور ترتیب و سلیقے سے رکھنے کا اچھا ذوق ہے۔ دینی و تاریخی اور ادبی و تنقیدی موضوعات پر کتابوں کا کافی بڑا ذخیرہ جمع کر رکھا ہے۔ مگر یہ کتابیں دوسرے بعض بے فیض لوگوں کی طرح تنہا مطالعے یا محض الماریوں میں سجانے کے لیے نہیں ہیں بلکہ ہم جیسے طالب علموں کو بھی اس سے استفادے کا موقع دیا جاتا ہے میں نے نعت پر اپنے تحقیقی کام کے سلسلے میں اس لائبریری سے خاصا استفادہ کیا ہے۔

رات دس بجے رانچی سے بذریعہ مدراس ایکسپریس سجاد صاحب کے ساتھ روانگی ہوئی۔ رات دھیرے دھیرے گذرتی رہی، یہاں تک کہ آسماں پر صبح کی سپیدی نمودار ہونے لگی، وضو کے بعد بیٹھے بیٹھے اپنی جبین نیاز بارگاہ خداوندی میں جھکانے کا فرض ادا کیا۔ جاتی رات اور آتے دن کا یہ امتزاج بہت ہی بھلا لگ رہا تھا، کھیتوں اور جھونپڑیوں میں زندگی نمودار ہو رہی تھی، میری نگاہوں کے سامنے ہر چیز پرچھائیوں کی طرح ٹرین کی رفتار کے ساتھ اڑی جا رہی تھی، شور مچاتی ہوائیں، ترل ترل چشمے، خاموش میدان، کھیت کھلیان اور پرسکون ندی نالے، دور ٹرین کے انجن کو دیکھنے سے یوں لگتا تھا جیسے وہ کوئی ہولناک عفریت ہے۔ موسم بے حد خوشگوار تھا، ٹرین مسلسل اپنی منزل کی طرف دوڑ رہی تھی اور میں کھڑکی پر سر لگائے دور افق کو دیکھ رہا تھا۔

کچھ دیر کے بعد ٹرین ایک اسٹیشن پر جا کر رکی، ہم لوگوں نے ناشتہ کیا۔ ایک انگریزی روزنامہ دکن کرانیکل لیا، جو وشاکھا پٹنم سے شایع ہوتا ہے۔ آج ۴ فروری تھی۔ اخبار میں موٹی موٹی سرخیوں اور بڑی بڑی تصویروں کے ساتھ وزیر اعظم مسٹر راجیو گاندھی کی وشاکھا پٹنم آنے کی خبر شایع ہوئی تھی۔ وہ کل ہی پہلی نیوکلیر سب میرین کے افتتاح کے لیے یہاں تشریف لائے تھے، سوویت یونین کی معاونت سے یہ بحری جنگی جہاز بنایا گیا ہے جسے ہمارے وزیر اعظم نے ہندوستان کی تاریخ میں ایک سنگ میل قرار دیا ہے، اس موقع پر موصوف کی تقریر دھرتی پر شانتی، سماج کی سلامتی اور امن عالم کے موضوع پر ہوئی۔ میں اس فریب نفس پر دیر تک مسکراتا رہا کہ واہ رے انسان

عسکری زبان پر تو امن ہی امن ہے مگر سامان جنگ کا کرے ہے وہ تماکھا نیتم میں کمپارٹمنٹ کی صفائی کے لیے ریلوے کا ایک ملازم بھی آیا جو میرے مشاہدے میں ایک نئی بات تھی۔

گاڑی تیزی سے اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ زندگی کا سفر بھی ریل کے سفر کی طرح ہے، راستے میں کتنے نئے نئے لوگ ملتے ہیں، بے شمار لوگ کہاں سے آئے ہیں، کہاں جا رہے ہیں، ایک اژدہام ہے نئے نئے چہروں کا، ہر ایک اپنی دھن میں بھاگا جا رہا ہے، کسی کو ایک دوسرے کے دکھ درد سے کوئی غرض نہیں۔ میری برتھ کے سامنے والی برتھ پر ایک ادھیڑ عمر کا بیمار شخص وہلور کے لئے سفر کر رہا تھا، ساتھ میں اس کی رفیقۂ حیات بھی تھی، سراپا نسوانیت اور محبت کی پیکر، مکمل مشرقی عورت۔ میرے ساتھ چند نوجوان لڑکے سفر کر رہے تھے سنجیدگی اور متانت سے خالی، لوگ اوپر کی برتھوں پر بیٹھے تاش کے پتوں سے کھیلتے، بات بات پر لڑتے اور بے ہنگم قہقہے لگاتے۔ ہے اور میں سرگودھا پاکستان سے شائع ہونے والے ماہنامہ "اردو زبان" کے تازہ شمارے میں مشغول رہا، یہ پورا سالہ ڈاکٹر وزیر آغا کے لیے وقف تھا ان کا سفرنامہ "۲۰ دن لندن میں" میرے مطالعے کا خصوصی عنوان رہا۔ وزیر آغا بلاشبہ ایک بڑے ادیب اور انشائیہ نگار ہیں، ان کا یہ سفرنامہ ان کی انشاپردازی کا نادر نمونہ ہے۔ ڈاکٹر احمد سجاد صاحب فاؤسٹ کے مطالعہ میں مصروف تھے

مدراس سنٹرل ریلوے اسٹیشن پر ہماری ٹرین تقریباً ۹ بجے صبح پہونچی، جہاں ہمارے نوجوان دوست برادر ظفر اللہ رحمانی ہمارے استقبال کو موجود تھے جن کی معیت میں ہم لوگ اسلامک فاؤنڈیشن کے دفتر پہونچے۔ یہ ایک وسیع و عریض جدید طرز تعمیر کا نمونہ مروری لوازمات سے آراستہ سہ منزلہ عمارت ہے، جو صوبہ تامل ناڈو میں دعوت و تحریک کا مرکز ہے، یہاں امیر حلقہ جناب اعجاز اسلم معاون امیر حلقہ جناب جمیل احمد اور دوسرے رفقاء سے ملاقات ہوئی۔ اعجاز اسلم صاحب بے حد مخلص و متحرک انسان ہیں، ۴۰، ۴۵ کے درمیان عمر ہوگی، دبلے پتلے، اکہرا بدن، سرو قد اور باتیں بڑی خوبصورت اور عمدہ کرتے ہیں۔ موصوف انگریزی میں ایم اے ہیں اور یورپ و امریکہ اور مشرق وسطی کے مختلف ممالک کا دعوتی و تحریکی دورہ کر چکے ہیں۔ غسل کے بعد ہم لوگ نے ناشتہ کیا، اعجاز اسلم صاحب تامل ناڈو میں ہونے والے دعوتی کاموں کی تفصیل بتلاتے رہے، انہوں نے یہ خوش خبری بھی سنائی کہ نو مسلموں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ انہوں نے میناکشی پورم اور دوسرے علاقوں میں نو مسلموں کی تعلیم و تربیت کے کام اور ان کے مسائل کا خصوصی تذکرہ کیا، پھر پیار کی باتیں ہوئیں۔ بعد ازاں اعجاز اسلم صاحب نے اسلامک فاؤنڈیشن ٹرسٹ کی عمارت کے ہر حصے کو تفصیل سے دکھایا۔

اسلامک فاؤنڈیشن کی عمارت میں داخل ہوتے ہی آپ کو سامنے RECEPTION COUNTER ملے گا۔ جہاں ہر آنے والے کو اپنا اندراج کرانا پڑتا ہے۔ کاؤنٹر کے دائیں جانب ایک بڑا ہال ہے جس میں تمل زبان میں نکلنے والے پندرہ روزہ Samarsim کا دفتر ہے اور یہیں بازو میں تمل زبان میں قرآن و حدیث اور دینی لٹریچر کی اشاعت و فروغ کا مکتبہ ہے۔ ہر شعبے کے الگ الگ جدید فرنیچر سے آراستہ دفاتر ہیں۔ جہاں لوگ بڑے سلیقہ سے اپنا کام کرتے نظر آئے۔ بائیں جانب ایک بڑا وسیع ہال ہے، جس میں تقریباً چار سو افراد کے بیٹھنے کا نظم ہو سکتا ہے، اس میٹنگ ہال کے چاروں طرف اسلامی آرٹ کے نمونے اور تمل مطبوعات اسلامی کی نمائش لگی ہے۔ ایک الماری Video Audeo Cassetts سے بھی بھری ہوئی تھی، ہال کے کونے میں رکھی ایک کلرڈ ٹی وی نگاہوں کو روک لیتی ہے۔ سکنڈ فلور پر دفتر حلقہ، مہمان خانہ اور دوسرے دفاتر ہیں۔ تیسری منزل پر ہر ہال میں کتابوں سے بھری لائبریری اور ریڈنگ روم ہے۔ ان تمام چیزوں کو دیکھ کر تامل ناڈو میں ہونے والے تحریک اسلامی کے وسیع کام کا اندازہ ہوتا ہے۔

اسلامک فاؤنڈیشن کے میٹنگ ہال میں دو جلسے بھی ہوئے۔ پہلی نشست تامل زبان سے تعلق رکھنے والے اہل قلم حضرات کے ساتھ جس میں میں نے ادارۂ ادب اسلامی کا تعارف کراتے ہوئے مقامی زبانوں میں بھی اس کے فروغ کی ضرورت و اہمیت پر روشنی ڈالی اس کے بعد ڈاکٹر احمد سجاد صاحب نے اسلامی ادب کے مسائل پر تفصیلی گفتگو کی، بعد ازاں مختلف حضرات نے اس موضوع پر اپنی آراء کا اظہار کیا۔ اردو تقاریر کی تمل زبان میں ترجمانی کے فرائض برادر ظفر اللہ رحمانی نے بڑی کامیابی سے ادا کئے، نشست کے آخر میں تمل زبان میں بھی ادارۂ ادب کی شاخ کا ضابطہ تنظیم عمل میں آئی۔ اسی دن بعد مغرب ایک دوسرا جلسہ کارکنان و ہمدردان جماعت کے ساتھ ہوا، جس سے جناب احمد سجاد نے خطاب فرمایا اس موقع پر SIO کے نوجوان دوستوں سے خاص طور پر تفصیلی ملاقات ہوئی، فی الوقت برادر صہیب احمد، برادر سید محمد مدنی اور برادر سراج الحسن کے نام یاد آ رہے ہیں۔

دوسرے دن صبح سات بجے شہر مدراس اور P & G Wond-Land ۷۰ ... گھومنے کا پروگرام بن گیا۔ رفیق مکرم جناب ریاض الحق اپنی کار کے ساتھ ہماری قیام گاہ پر آ گئے۔ ڈاکٹر احمد سجاد، اعجاز احمد اسلم صاحب، جناب جمیل احمد، وانم باڑی کے ایک نوجوان برادر عبدالرقیب اور ایک بزرگ ڈاکٹر عبدالرحیم صاحب جو فی الوقت مدینہ یونیورسٹی میں استاذ ہیں، اس قافلے میں شامل تھے۔

باقی آئندہ۔

میزان عمل

مہاراشٹر

بمبئی:- جناب اعجاز اسلم صاحب امیر حلقہ تامل ناڈو نے ۱۶ اپریل کو بمبئی ڈویژن کے افراد سے خطاب فرمایا آپ نے علمی انداز میں نوجوانوں کی اخلاقی گراوٹ اور علم کی ترقی کا جائزہ پیش کیا اور نوجوانوں کو ان کا فرض یاد دلایا۔

۱۸ اپریل کو بمبئی سوواری بازار ملاڈ میں بھی آپ نے خطاب فرمایا۔ بتایا کہ دنیا کی تمام قوموں کی رہنمائی کی ذمہ داری ہم پر ہے۔ مسلمانوں کا کام دنیا کو انھیں رخ پر لگانا ہے۔ S. I. O کا تعارف عبدالعظیم صاحب نے کرایا۔

۱۱، ۱۲ مارچ کو منتخب ممبران کا اجتماع ہوا سورۃ العصر کا درس عبدالعظیم صاحب نے دیا۔ عبدالحمید صاحب نے "دعوت اسلامی میں نوجوانوں کا رول" کے عنوان سے تقریر کی۔ مولانا احسن مستقیمی صاحب ناظم علاقہ مہاراشٹر نے ہمارا نصب العین اور اس کے تقاضے کے عنوانات پر تقریر کی۔ ڈاکٹر ذکر اللہ شفاعت علی فلاحی اور سکریٹری حلقہ مہاراشٹر نے اس اجتماع میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

ناندیڑ:- ایس۔ آئی۔ او ناندیڑ یونٹ کا ایک روزہ تربیتی اجتماع ۲۶ فروری ۱۹۸۵ء کو ہوا جس میں درس قرآن برادر احسان اللہ خاں اور اسرار ہاشمی نے دیا درس حدیث خواجہ معین الدین نے مقالہ "تنظیم کیسے مستحکم ہوسکتی ہے" کے عنوان سے پڑھا گیا۔ درس حدیث برادر حفظ الرحمٰن نے دیا

اس اجتماع کی نگرانی جناب رفیق احمد صاحب رکن جماعت نے کی، موصوف نے تبصرہ کیا ہدایتیں دیں۔

وارودہ:- وارودہ ضلع ایوت محل میں ۳ مارچ ۱۹۸۵ء کو ایک نئی سرکل قائم ہوئی۔ ناظم ضلع برادر عظمت اللہ نے درس قرآن کے بعد شرکا کو تنظیم میں شمولیت کی دعوت دی۔ ۱۴ افراد نے ایسوسیٹ فارم پر کئے محمد اقبال صاحب کو ناظم سرکل اور برادر محیب اللہ بیگ صاحب سکریٹری بنایا گیا۔ اللہ تعالےٰ تمام لوگوں کو اس راہ میں استقامت اور للہیت عطا فرمائے۔ آمین

ناندورہ:- ایس۔ آئی۔ او یونٹ ناندورہ نے عثمانیہ ارد و ہائی اسکول ناندورہ کے طلبا کی ہمت افزائی کے لئے مندرجہ ذیل انعامات کا اعلان کیا ہے۔

۱۔ درجہ دہم میں امتیازی پوزیشن حاصل کرنے والے کو ایک سو ایک روپے

۲۔ انگریزی مضمون میں امتیازی نمبر حاصل کرنے والے کو اکیاون روپے

۳۔ ریاضی میں امتیازی نمبر حاصل کرنے والے طالب علم کو اکیاون روپے

۴۔ مراٹھی میں امتیازی نمبر حاصل کرنے والے طالب علم کو اکیاون روپے

یہ انعامات سال رواں ۱۹۸۵ء کے لیے ہیں

جالنہ:- ۱۳ مارچ ۱۹۸۵ء کو ایس۔ آئی۔ او یونٹ کا ایک روزہ تربیتی اجتماع ہوا۔ برادر بشیر احمد راہی نے سورہ آل عمران کی چند آیات کا حوالہ دیتے ہوئے بتایا کہ مسلمان اپنی تربیت خود کریں ایمان والتقویٰ کی صفات سے اپنی زندگی آراستہ کریں۔ باہم متحد ہو بھائی بھائی ہو جائیں اور اس کے ساتھ اقامت دین کی جدوجہد میں لگ جائیں ـــــ تربیتی اجتماع کی پہلی نشست ان سے ایک تقریر ہوئی۔ برادر ناظم الدین نے حضرت جعفرؓ کی سیرت پر روشنی ڈالی۔ "اپنی شخصیت کا ارتقاء کیسے کریں" کے عنوان سے سمپوزیم ہوا جس میں برادر ریحان خاں وانصار راہی نے حصہ لیا۔ دوسری نشست میں خطبات اور شہادت حق کا مطالعہ پیش کیا گیا ـــــ نشست میں رفقاء نے التحیات مع ترجمہ سنایا۔ سورہ التکاثر کا اجتماعی مطالعہ بھی ہوا۔ اس کے بعد کبڈی کھیل کا مقابلہ بھی ہوا ـــــ آخری نشست میں مولانا غفران احمد صاحب نے دن بھر کی کارروائیوں پر تبصرہ کیا تو آپ نے بتایا کہ اللہ کا تقویٰ ہی اصل چیز ہے اس کے لئے عبادات اور مطالعہ قرآن وحدیث اور لٹریچر ازحد ضروری ہے۔ جماعتی نظم تحریک کو مضبوط کرتی ہے

ناگپور:- نوجوانی ایک خصوصیت ہے کہ کوئی طبقہ کہے کہ یہ اللہ تعالےٰ کی ایک عظیم نعمت ہے اگر ہم اسے صرف کہیں تو ہم دیکھیں گے کہ آج کا نوجوان ہمیں بوڑھا نظر آتا ہے اس کے برخلاف ایک بوڑھا جس نے اسے خصوصیت اور اللہ کی نعمت سمجھا ۸۰ سال کی عمر میں بھی جوان نظر آتا ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم اس توجوانی کو معاد اور زندگی کی نشانی بنائیں اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے آپ میں فکری و تدبری صلاحیت پیدا کریں اور مطالعہ وسیع کریں ان خیالات کا اظہار محمد اشفاق صاحب نے ناگپور کے دو روزہ تربیتی کیمپ میں کیا جو ... نامی مقام پر منعقد ہوا۔

"عملی کام جو کارکنان کو انجام دینے ہیں" عنوان کے تحت موصوف نے اختتامی خطاب فرماتے ہوئے کہا کہ سب سے پہلے تو ہمیں اپنے اندر کی سستی، کاہلی، دھیلے بازی نکال پھینکنی ہے اور ... جب ہوتا ہے تب کہیں ہم کارکن کہلائیں گے ورنہ کارکن اور عام آدمی میں کوئی فرق نہیں۔ آپ نے آگے فرمایا تحریک اسلامی کے کارکن کے لئے پہلا لازمہ یہ بھی ہے کہ اس کے عقیدہ میں شرک کا ذرہ برابر شائبہ نہ ہو اور دوسرے خرافات سے اجتناب کرے لیکن ہم اس کام کو انجام نہیں دے سکتے اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی روح، لباس اور طعام وغیرہ کو پاک رکھیں۔ آپ نے مزید فرمایا کہ منصوبہ کے مطابق کام وقت کی پابندی کے ساتھ اور مسابقت کے جذبے کے تحت زیادہ سے زیادہ عملی کام انجام دینے کے لئے کوشاں رہتا ہے۔

مبسرہ خورد:- مبسرہ خورد میں ایس۔ آئی۔ او ایسوسیٹ سرکل کا قیام عمل میں آیا برادر ... کو ناظم سرکل اور برادر عقیل احمد کو سکریٹری منتخب کیا گیا۔

رفیقِ منزل مہم

کے سلسلے میں صدر تنظیم کی ہدایات

برادرانِ اسلام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

[illegible]

اگر ہم [illegible] اس [illegible] خریدار بنا دے تو ہم اس شمارے کو آسانی [illegible] ۔ پالیسی [illegible] رسالہ کے استحکام کے لئے متعین کیا گیا ہے تنظیم کے کارکنان سے گزارش ہے کہ [illegible] مہم میں پوری یکسوئی اور دلچسپی سے حصہ لیں تاکہ مہم کامیاب ہو [illegible] کی کامیابی پر یہ محصر ہے کہ ہم مختلف چیزوں کی قیمتوں میں اضافہ [illegible] اور رسالہ کی قیمت میں اضافہ کا ناخوش گوار فیصلہ لینا پڑے [illegible] کے سلسلے میں درج ذیل نکات [illegible] ملحوظ رکھیں۔

۱۔ [illegible] پوسٹر [illegible] رسید بک اور خریداری فارم وغیرہ اپنے متعلقہ [illegible] سے حاصل کریں۔

۲۔ [illegible] متعینہ تاریخوں (جون [illegible]) میں ہی چلائی جائے۔

۳۔ [illegible] ملحوظ رکھیں کہ ان کا ربط ان تمام [illegible] سے ہو [illegible] قائم ہو سکے۔

۴۔ [illegible] اپنے اثرات اور تعلقات کو استعمال کرکے [illegible] اشتہارات مختلف [illegible] اداروں سے حاصل کرنے [illegible] ۔

۵۔ [illegible] اس کی طرف متوجہ کیا جائے کہ وہ اپنے [illegible] بعض [illegible] رسالہ [illegible] اپنے علاقے کے ذی علم و ذی اثر [illegible] ان سے رابطہ مفید ہو سکے۔

۶۔ [illegible] بصورت دیگر [illegible] جہاں ممکن ہو [illegible] قائم [illegible] ORIGNAL [illegible] رفیق منزل [illegible] جولائی کا شمارہ روانہ کیا جا سکے۔

[illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] کامیابی سے ہمکنار کرے آمین

والسلام

(صدر اسلامک [illegible] آف انڈیا)

[illegible]

Rafeeque-e-Manzil Monthly
NEW DELHI-110025

MAY 1988

VOL. 1 NO. 6
R.N.I. 47227/87
Regd. NO. D(SE)90
Licence No. U(SE)23
To Post Without Prepayment

اقامتِ دین کا صحیح تصوّر

جب خدا کا بھیجا ہوا قانون اور اس کا بنایا ہوا نظام زندگی دنیا میں موجود ہے تو کیا انسانوں کے لئے جو خدا کی مخلوق ہیں، یہ بات جائز ہوسکتی ہے۔ اس قانون کے سوا کسی اور قانون کی اطاعت تسلیم کریں اور اسکے بتائے ہوئے نظام زندگی کے سوا اپنے لئے کوئی اور نظام زندگی اختیار کریں۔ اس بات سے قطع نظر کہ وہ قانون اور وہ نظام زندگی خود ان کا بنایا ہوا ہو یا کسی اور کا اور وہ قانون ان کے خیال میں بہتر ہو یا بدتر مجرد۔ اس سوال کا جواب دیجئے کہ خدائی قانون کی موجودگی میں ایک لمحہ کے لئے بھی یہ بات جائز ہوسکتی ہے کہ اس قانون کو چھوڑ کر کسی اور قانون کی اطاعت و پیروی کی جائے۔

Edited, Printed and Published by MUNAWWER HUSSAIN on behalf of S.I.O of India, 230, Abul Fazal Enclave, Okhla, New Delhi - 110 025. Printed at Bharat offset press, Delhi-6, for Jamal Printing Press, Delhi-6

ماہنامہ

رفیق منزل

دہلی



ہمیں ابھی تک ہتھیلی پر سرسوں جمانے کی عادت پڑی ہوئی ہے اور یہاں برسوں کی لگاتار اور انتھک محنتوں کی ضرورت ہے۔ ہمیں ابھی تک سطحی شور اور ہنگامے میں مزا آتا ہے اور یہاں دراصل گہرا مقصدی شعور اور اس کے لئے حقیقی اخلاص و ایثار مطلوب ہے۔ ہمیں ابھی تک صرف آگ کی طرح بھڑک کر جلا دینا آتا ہے، مگر یہاں اس کی حاجت نہیں ہے، اب تو ہمیں ایسی ہلکی سی حرارت کی ضرورت ہے جو برسوں تک اندر ہی اندر پکا کر لعل و گہر تیار کر دیتی ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ایک وضاحتی خط

رفیق منزل کے دونوں شمارے (فروری، مارچ ۸۸ء) اوائل مارچ تک نہیں ملے اس لئے سید محمد اقبال صاحب (گیا) اور عزیزی ارشد اجمل صاحب (پٹنہ) کے تاثرات کا بروقت جواب دینے سے قاصر رہا۔

دہلی میں آپ نے دونوں شمارے عنایت کئے تو اپنے شائع شدہ مضمون "مولانا ابوالکلام آزاد اور رانچی" کا عنوان دیکھ کر حیران رہ گیا۔ کیونکہ آپ نے میرے دیے ہوئے عنوان کا میری اطلاع کے بغیر مثلہ ہی نہیں بلکہ اس کی شدھی کر دی میرا عنوان تھا: "مولانا ابوالکلام آزاد کا صد سالہ جشن پیدائش — اشتہاری یا افادی" چنانچہ سید محمد اقبال صاحب کا یہ تاثر حقیقت پر مبنی معلوم ہوا کہ "مولانا ابوالکلام آزاد اور رانچی" ایک اچھے مضمون کے لئے اچھا عنوان نہیں چنا گیا۔

(رفیق منزل مارچ ۸۸ء ص۲۹)

اس شدھی نے بھی مذکورہ صاحبان کو مغالطے میں ڈالا۔ طلباء کے کسی رسالے میں اس طرح کی طالب علمانہ فروگذاشتیں زیادہ تعجب خیز نہیں مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ دو نوجوانوں نے کھل کے اس مضمون پر اظہار خیال کیا۔ کوئی تحریر یا تجویز خواہ کیسی ہی ہو اختلاف رائے کی ہمیشہ گنجائش رہتی ہے۔ بشرطیکہ اختلاف سوچ سمجھ کے دلائل کے ساتھ کیا گیا ہو۔ مجھے عزیزی ارشد اجمل صاحب جیسے اعلیٰ تعلیم یافتہ، ادارۂ تحقیقات اسلامی علی گڑھ کے تربیت یافتہ اور ایس۔ آئی۔ او کے ایک ذمہ دار نوجوان سے یہ توقع تھی کہ وہ مضمون پر تبصرے میں اپنے "مطالعہ و تحقیق" کے ماحصل سے بھی قارئین کو مستفیض کرتے۔ رفیق کی ڈاک شاید اس ماحصل کی متحمل نہ ہو پاتی اس لئے انہوں نے چند چبھتے ہوئے جملوں پر اکتفا کیا۔ مضمون کے پس منظر کی چونکہ وضاحت نہ ہو سکی تھی اس لئے بے خبری میں کوئی نوجوان اگر اس طرح کے ان گڑھ جملے تراشتا تو اس پر مجھے کچھ نہیں کہنا تھا۔ تعجب اس پر ہے کہ: "جشن پیدائش کو منانے کے لئے ایک عرضداشت لکھی تھی، جسے رانچی شہر کی انتظامیہ کے سامنے پیش کرنا تھا" کی حقیقت سے واقفیت کے باوجود موصوف نے جو فقرے تراشیاں کی ہیں وہ ان کی جولانیٔ طبع کے عمدہ نمونے کہے جا سکتے ہیں۔ ایک بار پھر ملاحظہ فرمائیں (مارچ ۸۸ء کا شمارہ دیکھئے)

راقم الحروف کو اپنے کسی مضمون کے بہت معیاری ہونے کا کبھی دعویٰ نہیں رہا نہ مولانا آزاد جیسی عظیم شخصیت کے وسیع مطالعہ ہی کا دعویٰ ہے۔ البتہ یہ تمنا ضرور ہے کہ ارشد اجمل جیسے تعلیم یافتہ عزیز نے خاکسار کو جو قیمتی مشورے دیئے ہیں انہیں اس قدر مبہم رکھنے کے بجائے بعض دلائل سے واضح کر دیں تو مجھے استفادے میں آسانی ہو۔

اس سے قطع نظر کہ اس چھوٹے سے مکتوب میں زبان و بیان کی کس قدر گل کاریاں اور غلطیاں ہیں آں عزیز کے خط کی روشنی میں میرے ذہن میں جو چند سوالات ابھر رہے ہیں انہیں اس توقع کے ساتھ پیش کر رہا ہوں کہ موصوف ان کے جواب سے نوازیں گے۔

(۱) کیا کسی تحریر کو مضمون بنانے کے لئے اقتباسات دینا علمی حلقوں میں معیوب سمجھا جاتا ہے؟

(۲) موصوف کی تحریر کے مطابق عرضداشت میں نے پہلے لکھی، بعد میں اقتباسات کا کچھ سابقہ لگا کر اسے مضمون نما بنا دیا اور وہ پھر لکھتے ہیں کہ "اقتباسات بھی گویا پہنے لے۔" اب مکتوب نگار ہی بہتر بتا سکتے ہیں کہ "گو یا پہلے کیا ہوا۔! عرضداشت یا مضمون یا اقتباسات ...!!

(۳) رانچی شہر کی انتظامیہ کے ذمہ دار[illegible] سامنے مولانا آزاد کے سیاسی، سماجی او[illegible] کارناموں کی نشاندہی کی جا رہی ہو تو ا[illegible] مقام پر جواہر لال نہرو اور مہاتما گاندھ[illegible] اقتباسات سے زیادہ موزوں اقتبا[illegible] اور کن بزرگوں کے ہو سکتے ہیں۔! وہ[illegible] کی مناسبت سے چند حوالے بھی عنای[illegible] فرمائیں تو میں بطور خاص ممنون ہو[illegible]

(۴) کسی اہم دینی و علمی اور سیاسی شخ[illegible] کے جشن پیدائش کا اہتمام اگر کسی کی طر[illegible] ہوتا ہو تو اس میں کیا کیا قباحتیں ہیں۔؟ کچھ قباحت ہو تو حکمت کا وہ کون سا[illegible] ہے کہ دوسروں کے منانے پر خاموشی کی جائے۔! اور تحریک اسلامی کا اگر[illegible] ذمہ دار اس طرح کے جشنوں کی قلعی کھ[illegible] اور ان کی طرف سے گذارش کرنے پر ا[illegible] کوئی مثبت رخ دینے کی کوشش کرتا[illegible] تو بات دوسری کیا ہو جاتی ہے۔؟؟

(۵) سیمنار کی جو لمبی فہرست دی گئی[illegible] اس میں "بحیثیت کا اور کی" لگا کر م[illegible] ۵ - ۱۰ عنوانات اور کون کون سے[illegible] ان کی نشاندہی ہو جاتی تو نہ صرف مے[illegible] معلومات میں بلکہ مولانا موصوف کی[illegible] شخصیت میں بھی کچھ اضافہ ہو جاتا۔ ی[illegible] "لمبی فہرست" عنوانات میں سے کو[illegible] عنوان بھی ان کے خیال میں خلط مبحث[illegible] مبالغہ آرائی کے طور پر پیش کیا گیا۔[illegible] مکتوب نگار اس کی بھی نشاندہی ف[illegible]

میں نے یہ وضاحتی سوالات دو[illegible] سے کیے۔ اولاً یہ کہ وہ ان کے علمی[illegible] ہم تمام قارئین کو مستفیض کریں اور د[illegible] یہ کہ کسی کی سنجیدہ تحریر پر بعض دو[illegible] مکتب فکر کے غیر سنجیدہ نوجوانوں کی[illegible] ایس۔ آئی۔ او کے نوجوان بھی اگر سط[illegible] اور فقرے بازی سے کام لیتے ہیں[illegible] بے نقاب کیا جائے ورنہ اس سے[illegible] نقصانات کا اندیشہ ہے ایک مے[illegible] جیسا کم علم اور کمزور آدمی آپ[illegible]

بقیہ صفحہ ۲۰

ماہنامہ نئی دہلی

رفیقِ منزل



جلد نمبر ۱
شمارہ نمبر ۷
جون ۱۹۸۸ء
شوال / ذیقعدہ ۱۴۰۸ ھجری

مدیر اعزازی: منور حسین فلاحی

آئینۂ ترتیب

منیجر: جاوید اختر

شرح خریداری

فی پرچہ	۲ روپے ۵۰ پیسے
ششماہی	۱۵ روپے
سالانہ	۲۵ روپے
غیر ممالک سے	۱۵۰ روپے

مقام اشاعت اور انتظامی امور میں مراسلت کا پتہ

Manager
RAFEEQUE-E-MANZIL
230 Abul Fazal Enclave
OKHLA, New Delhi 110025

ڈرافٹ پر صرف اتنا لکھیں
RAFEEQUE-E-MANZIL

اداریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی طریق زندگی میں جس طرح نفسانیت اور نفاق مہلک امراض قرار دیے گئے ہیں اسی طرح ہنگامہ پروری، تشدد اور جذباتیت کو بھی بنظر تحسین نہیں دیکھا گیا ہے۔ جوش و جذبہ سے کبھی کبھی بڑے مشکل کام آسان ہو جاتے ہیں اور کبھی بڑے مرحلے بھی طے ہو جایا کرتے ہیں۔ مگر اگر اس جوش کے ساتھ ہوش و خرد کی لگام نہ ہو تو یہ سارے کارنامے غیر پائیدار اور بے سود ثابت ہوتے ہیں۔ ہر انقلابی تحریک کی خمیر میں جہاں نوجوانوں اور جوانوں کا جوش اور کارکنوں کا اخلاص کارفرما ہوتا ہے۔ وہیں اس کی قیادت کی ہوش مندی کا بھی اہم رول ہوتا ہے۔ دنیا کے عام انقلابات اور رسول اکرمؐ کے ذریعے برپا ہونے والے انقلاب میں ایک بین فرق یہ ہے کہ آپ جن اصولوں کے نفاذ کے علم بردار تھے کارکنان تحریک کو ان پر نہ صرف یہ کہ پورا ایمان تھا بلکہ عملی زندگی اس یقین کی شاہد تھی۔ اور یہی وجہ ہے کہ قائد تحریک کی بصیرت و قیادت پر انہیں مکمل اعتبار و اعتماد تھا۔ آپ کی تحریک کے علم برداروں میں حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ جیسے جیالوں اور جانبازوں کے جوش و جذبے کا کون منکر ہو سکتا ہے! لیکن کیا یہ جذبے رسول اکرم کی ہوش مندانہ قیادت کے بغیر وہ نتائج پیش کر سکتے تھے جن کا مشاہدہ تاریخ انسانی نے کیا ہے۔

آج ملت اسلامیہ جن حالات سے دوچار ہے وہ بہت واضح ہیں۔ ملت کا درد رکھنے والوں کی بھرپور کوشش ہونی چاہیئے کہ ان کے اندر ٹھوس بنیادوں پر مستقل مزاجی کے ساتھ تعمیری کام انجام دینے کا رجحان پیدا ہو۔ وہ اسلام کے احکام کے نفاذ کی اجتماعی جدوجہد کریں۔ مسلمان اسلام کے قول و عمل کی گواہ بن جائیں۔ ان کا سماج اسلامی سماج کا نمونہ ہو۔ پھر ان میں ایسا اتحاد پیدا ہو جسے فروعی اختلافات اور ذاتی اغراض و مفادات پارہ پارہ نہ کر سکیں۔ ان کی قیادت اسلامی اصولوں کی علم برداری کا قول و عملی مظہر ہو۔ اگر یہ باتیں مسلم سماج میں پیدا ہو جائیں تو انہیں ان بے شمار مسائل سے بڑی حد تک خلاصی نصیب ہو جائے گی جن میں وہ آج گھرے ہوئے ہیں۔

"رفیق منزل مہم"

ذرائع ابلاغ کی اہمیت اس وقت مسلمہ حقیقت بن چکی ہے اسکی طرف سے ہماری عام بے توجہی کا ہی نتیجہ ہے کہ اس وقت اسلام اور مسلمانوں کے متعلق طرح طرح کی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں اور ہم اقوام کے بجائے دفاعی پوزیشن میں چل رہے ہیں فحاشی بے حیائی اور حیوانیت کو بڑھاوا دیا جا رہا ہے ایسی صورتحال میں ذرائع ابلاغ بالخصوص صحافت جو فکر و نظر کی تبدیلی کا اہم ذریعہ ہے بڑی توجہ کی مستحق ہے۔ اس وقت ایسے رسائل و میگزین کے تعاون کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جن کے ذریعہ تعمیری صحافت کا مستحکم بنیادوں پر فروغ و ارتقاء ہو سکے۔

"رفیق منزل" اس بات کے لیے کوشاں ہے کہ اسلامی اصولوں اور انسانی و اخلاقی اقدار کی ترویج و اشاعت ہو اور نوجوانوں کے اندر صالح تعمیری رجحان پیدا ہو۔ لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے جب رفیق منزل زیادہ سے زیادہ ہاتھوں تک پہونچ سکے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے، فیصلہ کیا گیا کہ اسکی توسیع و اشاعت کی ملک گیر مہم چلائی جائے۔ چنانچہ یکم تا ۱۰ جولائی کی تاریخ مقرر کی گئی تھی، لیکن مطبوعات (پوسٹر، پمفلٹ، رسید بک خریداری فارم) کے تاخیر سے آنے اور ترسیل کی دشواریوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اب اس تاریخ کو بڑھا کر یکم تا ۱۰ جولائی ۱۹۸۸ء کر دی گئی ہے۔ امید ہے اس مہم میں تمام لوگوں کی طرف سے تعاون ملے گا ●●●

مطالعہ حدیث

اخلاق اور ایمان کا تعلق

مولانا محمد فاروق خان

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَخِیَارُکُمْ خِیَارُکُمْ لِنِسَائِهِمْ (ترمذی)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اہل ایمان میں ایمان کے لحاظ سے سب سے کامل شخص وہ ہے جو ان میں اخلاق کے لحاظ سے سب سے بہتر ہو اور تم میں اچھا وہ ہے جو اپنی عورتوں کے لئے اچھا ہو۔"

اس حدیث سے واضح ہے کہ ایمان اور اخلاق میں گہرا ربط و تعلق پایا جاتا ہے۔ مومن کے اخلاق اور اس کی عملی زندگی میں درحقیقت اس کے ایمان و یقین ہی کا اظہار ہوتا ہے۔ آدمی کا ایمان اگر کامل اور قوی ہوگا تو لازماً اس کے اخلاق بھی سب سے اچھے ہوں گے۔ آدمی کے اچھے ہونے کی نمایاں علامت یہ ہے کہ اس کا سلوک اپنی عورتوں کے ساتھ اچھا ہو۔ عورتوں کو کمزور سمجھ کر بالعموم لوگ ان کے ساتھ ظالمانہ رویہ اختیار کرتے ہیں۔ عورتوں پر عام طور پر ہر دور میں ظلم ہوتا رہا ہے۔ عورت اگر مرد کی سرپرستی میں دی گئی ہے تو اس لئے نہیں کہ وہ مرد کے مظالم کا نشانہ بنے بلکہ سماج کی تعمیر اور اس کی فلاح و بہبود کے لئے ضروری تھا کہ عورت مرد کی قوامیت کو قبول کرے۔ اسلام نے سوسائٹی میں ایک طرف عورت کے مقام کو بلند کیا، دوسری طرف اس نے عورتوں کے حقوق کی پوری حفاظت کی ذمہ داری لی۔ اس کا انکار وہ شخص نہیں کرسکتا جس نے اسلام کے معاشرتی نظام کا غور و فکر کے ساتھ مطالعہ کیا ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ: مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ وَاَعْطٰی لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ (ابوداؤد)

حضرت ابوامامہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: "جس شخص نے محبت کی اللہ کے لئے، دشمنی کی اللہ کے لئے، دیا اللہ کے لئے اور روکا (نہیں دیا) اللہ کے لئے اس نے اپنے ایمان کو کامل کرلیا۔"

یعنی تکمیل ایمان یہ ہے کہ ہم اپنی ذاتی خواہشات اور نسلی و قومی عصبیتوں سے بلند ہوں۔ زندگی میں ہم جو روش بھی اختیار کریں اس میں اصلاً خوشنودئ رب ہی ہمارے پیش نظر ہو۔ دوستی ہو کہ دشمنی، دینا ہو یا روکنا، ہمارا سب کچھ ایک خدا کے لئے ہی ہو۔ کامل حوالگی کے بغیر اللہ پر ایمان لانے کا مقصد ہی فوت ہو کر رہ جاتا ہے۔ کوئی شخص دعویٰ تو یہ کرتا ہو کہ وہ خدائے بزرگ و برتر پر ایمان رکھتا ہے لیکن معاملات زندگی میں وہ خدا کے احکام اور اس کی پسند و ناپسند کو یکسر نظر انداز کرتا چلا جائے تو اس کے بارے میں یہی کہا جائے گا کہ یا تو وہ خدا پر ایمان ہی نہیں رکھتا یا رکھتا ہے تو اس کا ایمان نہایت ناقص اور کمزور ہے۔ اور ابھی اس کا ایمان اس کی زندگی میں قوت محرکہ بن کر نہیں ابھر سکا ہے۔ اس کی یہ حالت انتہائی تشویشناک ہے۔ مسند احمد کی ایک روایت میں اسی طرح کی ایک حدیث کے آخر میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں فَاِذَا اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَحَقَّ الْوَلَایَةَ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی۔ پس جب اللہ ہی کے لئے اس کی محبت اور اللہ ہی کے لئے اس کی دشمنی اور نفرت ہوگئی تو وہ اس کا مستحق ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنی ولایت سے نواز دے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتّٰی تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰی تَحَابُّوْا اَفَلَا اَدُلُّکُمْ عَلٰی اَمْرٍ اِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ اَفْشُوا السَّلَامَ بَیْنَکُمْ۔ (ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم جنت میں داخل نہ ہوگے جب تک کہ ایمان نہ لاؤ اور تم ایمان والے نہ ہوگے جب تک کہ تم باہم ایک دوسرے سے محبت نہ رکھو۔ کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتا دوں کہ اگر تم اسے عملاً اختیار کرلو تو باہم تمہارے درمیان محبت پیدا ہوجائے۔ آپس میں سلام کو رواج دو۔"

یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی تقریباً انہی الفاظ کے ساتھ ملتی ہے۔ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خبردار کیا ہے کہ اگر وہ خدا کے قرب اور اس کی جنت کے خواستگار ہیں تو انہیں اپنی زندگی میں عام انداز سے ہٹ کر ایک خاص طرز عمل اختیار کرنا ہوگا۔ اس میں شبہ نہیں کہ جنت کا حصول زندگی کا ایک اعلیٰ مقصد ہے۔ لیکن جنت میں دخول ایمان کے بغیر ممکن نہیں۔ جس طرح انسان کا معدہ مکھی کو قبول کرنے سے انکار کردیتا ہے اگر غفلت میں کوئی مکھی پیٹ میں چلی جاتی ہے تو فوراً ابکائی آتی ہے اور قے کے ذریعہ معدہ مکھی کو

با بھینک دیتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح جنت کی پاکیزگی اور لطافت غیر مومن کے ناپاک وجود کو ہرگز قبول نہ کرسکے گی۔ اس لئے انسان اگر اپنی فطری خواہش کی تکمیل یعنی جنت حاصل کرنی چاہتا ہے تو وہ خود کو جنت کا اہل بنائے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ کفر سے دست بردار ہو کر ایمان لے آئے اور ایمان سے مقصود کسی خاص نظریہ و عقیدہ کا محض زبانی اقرار نہیں ہے بلکہ مطلوب ایمان یہ ہے کہ وہ زندگی کی ایک نمایاں خصوصیت کی شکل میں نمایاں ہو۔ ایمان کا تقاضا ہے کہ ہم باہم ایک دوسرے سے محبت سے پیش آئیں۔ ہمارے درمیان اصل رشتہ محبت کا ہو۔ باہم محبت پیدا کرنے والی چیزیں کئی ہوسکتی ہیں۔ ان میں سے اس کے لیے ایک موثر ذریعہ یہ ہے کہ ہم معاشرہ میں سلام کو زیادہ سے زیادہ رائج کرنے کی کوشش کریں۔ ایسا نہ ہو کہ ایک شخص اپنے بھائی کے پاس سے گزرے تو اس سے اپنے تعلق کا اظہار کئے بغیر یوں ہی ہوگا۔ وہ گزر جائے۔ ایسی بیگانگی کی توقع تو کسی چمن کے پھولوں سے بھی نہیں کی جاتی۔ وہ تو اپنے پاس سے گزرنے والوں تک اپنی خوشبو پہنچا ہی دیتے ہیں۔

وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفسی بیدہ لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین۔ ——— (بخاری)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے تم میں سے کوئی ایمان والا نہ ہوگا جب تک کہ میں اس کے لئے اس کی اولاد اور اس کے باپ اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ خدا اے اللہ کے رسولؐ آپ مجھے ہر شے سے بڑھ کر محبوب ہیں سوائے اپنی جان کے۔ اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں اے عمرؓ تم مومن نہ ہوگے جب تک کہ میں تمہیں تمہاری اپنی جان سے بھی بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ خدا کی قسم آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اب اے عمرؓ تم مومن ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنی اللہ کی محبت ہی کی وجہ سے واجب ہے۔ محبت ہی درحقیقت دین و ایمان اور تمام اعمال کی اصل ہے۔ جو عمل اللہ کے لئے نہ ہو یا جس کام کے پیچھے خدا کی خوشنودی کی طلب کارفرما نہ ہو وہ مقبول نہیں۔ اسی لئے صحیح حدیث میں آتا ہے کہ ایسا قاری یا مجاہد یا صدقہ کرنے والا جہنم میں داخل ہوگا جو ریاکار ہو۔ عبادت، انابت، توکل الی اللہ وغیرہ درحقیقت محبت ہی کے متضمنات میں سے ہیں۔ خدا نے مخلوق کو پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ وہ خدا کی عبادت کرے (الذریت: ۵۶) یعنی خدا سے غایت درجہ محبت رکھے اور اسے دل و جان سے پسند کرے۔ لیکن خدا کی تعظیم کے بغیر یہ محبت کامل نہیں ہوسکتی۔ اسی لئے عبادت میں غایت درجہ محبت اور غایت درجہ تذلل کا مفہوم بھی شامل ہے

زندگی میں اصل فیصلہ کن چیز محبت ہی ہے۔ اور یہی چیز آخرت میں بھی فیصلہ کن ثابت ہوگی۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت ہوگی (بخاری و مسلم) زندگی کی اصل غرض و غایت محبت الٰہی ہی ہے۔ دوسرے لوگوں سے محبت کا رشتہ خدا کی محبت کی وجہ سے قائم ہوتا ہے۔ اسی طرح عزیز و اقارب اور دوست اور احباب کی محبت کو ایک ایسی بنیاد مل جاتی ہے جس کی وجہ سے یہ محبت بھی نہ صرف یہ کہ مستحکم بلکہ اہل نظر کے نزدیک بامعنی بھی ہو جاتی ہے۔

محبت کہتے ہیں اپنی ذات کے دائرے سے نکلنے کو۔ جو شخص خود اپنے ہی گرد چکر لگاتا رہتا ہے اور جس کی تگ و دو صرف اپنے ہی لئے ہوتی ہے۔ وہ لفظ محبت کے معنی سے ناآشنا ہے۔ نبیؐ کو سب سے بڑھ کر حتیٰ کہ اپنی جان سے بڑھ کر محبوب رکھنے کا مطلب یہ ہوا کہ مومن کے قلبی لگاؤ کا مرکز و محور اپنی ذات سے کہیں زیادہ رسول کی ذات ہوتی ہے۔ یہ چیز اسے ہر طرح کی تنگ دامانیوں سے نجات دلاتی اور اسے ایک ایسی دنیا میں داخل کر دیتی ہے جہاں اسے کوئی غیر نظر نہیں آتا۔ اب اپنی ہی نہیں ساری انسانیت کی فلاح اس کے پیش نظر ہوتی ہے۔ انسانیت کا ہر قیمتی سرمایہ اس کا اپنا سرمایہ ہوتا ہے۔ لوگوں کی پریشانیاں اس کی اپنی پریشانیاں بن جاتی ہیں اس لئے کہ جس رسولؐ کو وہ اپنی جان سے بڑھ کر عزیز رکھتا ہے وہ سارے عالم کا خیرخواہ ہے۔ پھر کیسے ممکن ہے کہ رسول پاک سے محبت کا رشتہ اسے خودغرضی، موقع پرستی اور دوسرے کے تعصبات سے بلند نہ کر دے۔

جب خدا کا رسولؐ مومن کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے تو اسے خدا سے کس درجہ محبت ہوگی اس کا اندازہ آدمی خود کرسکتا ہے۔ ایمان کی یہ کیفیت اگر ہمارے اندر پیدا ہو جائے پھر کیا دین کی راہ میں آگے بڑھنے میں کوئی چیز ہمارے لئے رکاوٹ بن سکتی ہے۔ ہرگز نہیں۔

خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر
یا ایجنسی نمبر کا حوالہ ضرور دیں • •

تحریک اور نوجوان*

مولانا سید جلال الدین عمری

طالب علموں اور نوجوانوں کی اہمیت ہر زمانہ میں رہی ہے۔ آج بھی ان کی بڑی اہمیت ہے بلکہ پہلے کے مقابلے میں زیادہ اہمیت ہے۔ یہی وہ طبقہ ہے جس کے ہاتھ میں جلد ہی ملک اور قوم کی باگ ڈور ہوگی۔ وہ اگر صحیح فکر اور صحیح سیرت کا حامل ہوگا تو پورے ملک کو صحیح راہ پر لے چلے گا اور اگر وہ فکری اور عملی بے راہ روی کا شکار ہو جائے تو پوری قوم اور ملک کا رخ بھی غلط ہو جائے گا۔ یہ قوم کے معمار ہیں، اس کی قسمت ان سے وابستہ ہے۔ ان میں بعض ایسی خصوصیات ہوتی ہیں جو بڑی عمر والوں میں کم ہی پائی جاتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ کسی فکر و خیال کو قبول کرنے کی صلاحیت ان میں زیادہ ہوتی ہے۔ بڑی عمر کے لوگوں کو دو ر و نزدیک کی مصلحتیں اور بسا اوقات عصبیتیں کسی فکر کو قبول کرنے سے روک دیتی ہیں۔ نوجوانوں کے مضبوط عزائم ان زنجیروں کو کاٹ سکتے ہیں۔ ان کی راہ میں بالعموم وہ چیزیں رکاوٹ نہیں بنتیں جو بڑوں کی راہ کی رکاوٹ ہوتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ ان میں تازہ خون، نیا جوش اور ولولہ ہوتا ہے۔ اس لئے کچھ کر دکھانے کا حوصلہ اور اس کی قوت و صلاحیت بھی زیادہ ہوتی ہے۔ ان کی بڑی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ جس چیز کو وہ صحیح سمجھیں اس پر عمل کر سکتے ہیں۔ کسی فکر سے تعاون نہ کرنا اور خاموش بیٹھے رہنا یہ نوجوانوں کے مزاج کے خلاف ہے۔ وہ اس کے لئے تکلیفیں اٹھا سکتے ہیں اور قربانیاں دے سکتے ہیں۔

ان ہی اسباب کی بنا پر نوجوان ہر تحریک کا سرمایہ ہوتے ہیں۔ اور ہر تحریک اپنے ساتھ لینے اور ان سے طاقت حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ جب کسی تحریک میں جوانوں کی آمد رک جاتی ہے تو وہ ختم ہو جاتی ہے۔ دنیا میں جو بھی بڑے انقلاب آئے ان میں نوجوانوں کا ہاتھ رہا ہے، ان کی قربانیوں ہی سے اس کا بیان سے ہم کنار ہوا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی تاریخ بتاتی ہے کہ نوجوانوں نے ان کا ساتھ دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بندگی رب کی طرف دعوت دی تو نوجوانوں نے ہی آگے بڑھ کر اسے قبول کیا اور فرعون کے ظلم و ستم کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہوئے۔

اصحاب کہف نوجوان ہی تھے جنھوں نے یہ ثابت کر دیا کہ اللہ کے دین کی خاطر اس دنیا کی زیب و زینت و آرائش کو چھوڑا جا سکتا ہے اور اس کی حفاظت کے لئے غاروں میں پناہ لی جا سکتی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ بھی بتاتی ہے کہ زیادہ تر جوانوں اور نوجوانوں ہی نے آپ کا ساتھ دیا۔ اولین صحابہ میں حضرت علیؓ سب سے کم عمر تھے جن کی عمر نو سال سے لے کر گیارہ سال تک بتائی جاتی ہے اور بڑی عمر والوں میں حضرت ابوبکرؓ ہیں ان کی عمر زیادہ سے زیادہ اڑتیس سال تھی۔ دو ایک کے علاوہ بیشتر صحابہؓ کی عمریں اس سے کم ہی تھیں۔

موجودہ دور میں اسلامی تحریک نوجوانوں کی طرف سے کبھی غفلت نہیں برت سکتی۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ آپ ان کے مسائل کو سمجھیں اور انھیں حل کرنے کی کوشش کریں۔ آج کے نوجوان جن مسائل سے دوچار ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں۔

مسائل

۱۔ آج کا نوجوان ایک طرح کے ذہنی انتشار میں گرفتار ہے اس کے سامنے نہ کوئی راستہ ہے اور نہ کوئی منزل۔ طرح طرح کے اور متضاد نظریات نے اسے ہر طرف سے گھیر رکھا ہے وہ ان نظریات کے درمیان حیرانی اور سرگشتگی کے عالم میں کھڑا ہے اور یہ فیصلہ نہیں کر پاتا کہ ان میں کس کو اختیار کرے اور کس کا ساتھ دے۔ فکری لحاظ سے ان میں سے کسی بھی نظریہ میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ اس کے تمام مادی و روحانی مسائل کو حل کر سکے، ایک پہلو سے وہ اسے مطمئن کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو دوسرے پہلو سے اسے بے اطمینانی کے حوالے کر دیتے ہیں۔ وہ یہ بھی دیکھتا ہے کہ ان میں سے ہر نظریہ عملی لحاظ سے اس کے لئے سخت تباہ کن ثابت ہو رہا ہے۔ وہ ان کا بری طرح استحصال کرتا ہے اور اس کی قوتوں اور صلاحیتوں سے غلط فائدہ اٹھاتا ہے۔ ان میں سے کسی میں بھی وہ اپنی بھلائی نہیں دیکھتا ہے۔

۲۔ اس وقت پوری دنیا اخلاقی بحران سے گزر رہی ہے۔ آج کا نوجوان بھی اسی بحران کا شکار ہے۔ اخلاقی اقدار انسان کو بعض اصولوں کا پابند بناتی ہیں اور اس سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ ان کی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔ دنیا نے ہمیشہ ان اخلاقی اقدار کو دائمی قدر و قیمت

* یہ اس تقریر ہے جو نوجوانوں کے ایک اجتماع میں کی گئی۔ (ادارہ)

رکھنے والے اقدار سمجھا ہے اور ان کی خلاف ورزی کو وہ جرم تصور کرتی رہی ہے۔ لیکن موجودہ دور کے انسان کے نزدیک یہ اخلاقی قدریں ابدی نہیں ہیں۔ یہ سماج کی پیداوار ہیں اور سماج کے حالات کے ساتھ بدلتی رہتی ہیں۔ اسی لئے قدیم اقدار پر اصرار کرنا اور ان کی پابندی کو ضروری تصور کرنا قدامت پرستی اور بے دانشی کی دلیل ہے۔ اس تصور کے ساتھ اخلاق کی دائمی اہمیت ختم ہو جاتی ہے اور آدمی جس اخلاقی قدر کو چاہے دورِ جاہلیت کی یادگار کہہ کر پامال کر سکتا ہے۔

اس وقت دنیا میں ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں ہے جو زبانی طور پر تو اخلاقی اقدار کی مستقل اہمیت کے قائل ہیں لیکن عملاً ان کے نزدیک ان کی اتنی اہمیت نہیں ہے کہ ان کے لئے کوئی بڑا نقصان برداشت کیا جائے یا کسی حاصل ہونے والے فائدہ کو چھوڑ دیا جائے۔ صداقت اور راست بازی ایک اخلاقی قدر ہے۔ اس کی اہمیت کو وہ تسلیم کرتے ہیں لیکن کسی بھی چھوٹے سے چھوٹے فائدے کے لئے وہ جھوٹ بول سکتے ہیں۔ یہی حال اور اخلاقی اقدار کا ہے۔ اس اخلاقی زوال کی وجہ سے کسی بھی شخص کو کسی پر اعتماد نہیں ہے۔ ہر شخص دوسرے سے خوف محسوس کرتا ہے۔ آج کا نوجوان بھی اسی بے اعتمادی کی فضا میں جی رہا ہے اسے نہ تو کسی کی دیانت، امانت، عہد و پیمان اور خلوص پر اعتماد ہے اور نہ کوئی دوسرا اس پر اعتماد کرنے کے لئے تیار ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اسے ایک ایسی ہی دنیا ملی ہے جو بے اصول اور اخلاق سے محروم ہے۔ وہ یہاں بے اصولی اختیار کر کے ہی کامیاب ہو سکتا ہے ورنہ اسے قدم قدم پر نقصان اٹھانا پڑے گا۔

۳۔ موجودہ فلسفوں نے انسان کو حیوان کی سطح پر پہنچا دیا ہے۔ وہ حیوان کے نقطۂ نظر سے ہر مسئلہ کو دیکھتا ہے اور اسے فطری نقطۂ نظر سمجھتا ہے۔ اس کا ایک نتیجہ جنسی آزادی کی شکل میں برآمد ہوا ہے۔ وہ حیوانوں کی طرح مکمل جنسی آزادی چاہتا ہے اور اس میں کسی قسم کی رکاوٹ کو پسند نہیں کرتا۔ اس کے نزدیک جنسی جذبات کو مذہب اور اخلاق کے نام پر دبانا غیر فطری اور نقصان دہ ہے۔ اس سے انسان کے ذہن و مزاج پر برا اثر پڑتا ہے۔ اس فلسفہ کے تحت اس نے جنسی جذبات کو ابھارنے والا پورا ماحول تیار کر رکھا ہے۔ ریڈیو، ٹیلویژن، اخبار و رسائل، گندے اشتہارات اور گندی کتابیں غرض نشر و اشاعت کے تمام ذرائع اس ماحول کو بنانے اور ترقی دینے میں مدد دے رہے ہیں۔ انسان کے اندر جوانی کے دور میں جنسی جذبات کا طبعی طور پر غلبہ رہتا ہے۔ موجودہ ماحول نے ان جذبات کو اور بھڑکا دیا ہے۔ آج کے نوجوانوں پر جنسی جنون سوار ہے اور کسی سنجیدہ کام سے انھیں دلچسپی نہیں رہ گئی ہے۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ ان جذبات کو کنٹرول کیا جاتا اور صبر و ضبط کی تعلیم دی جاتی اور اس کا عادی بنایا جاتا لیکن اس کی طرف کسی کی توجہ نہیں ہے۔

۴۔ تعلیم کو موجودہ دور کی خرابیوں کا علاج سمجھا جاتا ہے اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ تعلیم جیسے جیسے عام ہو گی یہ خرابیاں دور ہوتی چلی جائیں گی۔ اس میں شک نہیں کہ تعلیم اصلاح کا ایک عمدہ ذریعہ ہے۔ اس سے انسان کو بنانے اور سنوارنے میں بڑی مدد ملتی ہے لیکن موجودہ نظامِ تعلیم سے اس کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ اس لئے کہ یہ ساری خرابیاں بڑی حد تک اسی نظامِ تعلیم کی پیدا کردہ ہیں۔ جس تعلیم نے پورے معاشرہ کو مسموم بنا رکھا ہو اسے تریاق سمجھنا بہت بڑی نادانی ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ موجودہ تعلیم عام ہو رہی ہے اور اس کے حاصل کرنے والوں کا اوسط بھی بڑھ رہا ہے۔ اگر اس سے موجودہ بگاڑ دور ہو سکتا تھا تو جس تناسب سے تعلیم پھیل رہی ہے اسی تناسب سے بگاڑ میں بھی کمی آتی۔ لیکن یہ ایک واقعہ ہے کہ اس میں کوئی کمی نہیں آرہی ہے بلکہ روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

موجودہ نظامِ تعلیم انسان کے اندر خالص مادی نقطۂ نظر پیدا کرتا اور اسے خود غرض اور ذاتی مفاد کا بندہ بناتا ہے۔ ہر معاملہ میں ذاتی مفاد اس کے سامنے ہوتا ہے۔ وہ اسی پہلو سے اسے دیکھتا اور اسی لحاظ سے عملی قدم اٹھاتا ہے۔ کم از کم مشرقی ملکوں میں موجودہ نظامِ تعلیم آدمی کو قوم و ملک اور نوعِ انسانی کا خیر خواہ تو درکنار ایک اچھا شہری بنانے میں بھی ناکام ہے۔ اسی نظامِ تعلیم کے تحت آج کے طلبا اور نوجوانوں کی ذہنی و فکری تربیت ہو رہی ہے۔ وہ اسی کے زیر اثر پروان چڑھ رہی ہے۔ اس کے نتیجہ میں ہمیں ایک ایسی نسل مل رہی ہے جو صرف اپنی ذات کے لئے جی رہی ہے اور جس کے سامنے کوئی اعلیٰ مقصد نہیں ہے۔

یہ حالات اور مسائل طلبا، اور نوجوانوں ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں بلکہ ان میں سے بیشتر حالات سے آج کا ہر فرد دوچار ہے۔ لیکن آپ نے طلبا اور نوجوانوں کو اپنا میدانِ کار مقرر کیا ہے اس کے پیشِ نظر چند باتیں عرض کی جا رہی ہیں۔

۱۔ موجودہ دور کی ساری خرابیوں کی بنیاد یہ ہے کہ انسان کے سامنے کوئی اعلیٰ مقصدِ حیات نہیں ہے۔ مقصدِ حیات جتنا بلند اور پاکیزہ ہو گا اتنی ہی پاکیزہ خوبیاں انسان کے اندر ابھریں گی اور وہ خامیوں اور کمزوریوں پر قابو پا سکے گا۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ ایک اعلیٰ و ارفع مقصدِ حیات رکھتے ہیں۔ سب سے پہلے اس مقصد کا خود آپ کو گہرا شعور ہونا چاہئے۔ آپ کو یہ پورا یقین ہونا چاہئے کہ وہی ایک مقصد صحیح اور حق ہے اس کے علاوہ زندگی کے جتنے مقاصد ہو سکتے ہیں وہ سب کے سب غلط اور باطل ہیں۔ پھر آپ کی پوری

زندگی پر اس کی گہری چھاپ ہونی چاہیئے۔ آپ کی ایک ایک حرکت اور عمل سے ظاہر ہونا چاہیئے کہ آپ پر اسی مقصد کی حکمرانی ہے۔ اور آپ کے تمام اعمال اسی کے تابع ہیں۔ آپ ان ہی امور میں دلچسپی لیں جن کی اجازت آپ کا مقصد آپ کو دے اور ان تمام امور سے کنارہ کش ہو جائیں جو اس مقصد سے متصادم ہوں۔ آپ کے فکر و عمل پر وہ اس طرح چھا جائے کہ آپ کو دیکھنے والا ہر نوجوان یہ محسوس کرے کہ آپ کی زندگی بے مقصد ہے اور نہ کسی چھوٹے اور کمتر درجہ کے مقصد کو آپ نے اختیار کر رکھا ہے۔ ایک اعلیٰ مقصد کے لئے آپ کی تعلیم بھی ہے اور تربیت بھی اسی کو غالب و سربلند کرنے کے لئے آپ سوچتے بھی ہیں اور تگ و دو بھی کرتے ہیں۔ آپ کو دیکھ کر یہ خیال ہرگز نہ ابھرنے پائے کہ دنیا کے بیشتر نوجوانوں کی طرح آپ بے مقصد زندگی گزار رہے ہیں۔ یاد رکھئے! بامقصد انسان ہی دوسروں پر اثر انداز ہوتا ہے، جو انسان کسی مقصد کے لئے دوڑ دھوپ کرتا ہو، جس کے اوقات اور قوت و صلاحیت اسی کے لئے صرف ہو رہے ہوں، اس سے دوسرا شخص چاہے اختلاف کرے لیکن قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اگر اسے یقین ہو جائے کہ آپ بامقصد ہی نہیں صحیح مقصد کے حامل ہیں اور ایک پاکیزہ اور بلند تر منزل آپ کے سامنے ہے تو وہ آپ کا گرویدہ ہو جائیگا۔

۲۔ آپ جس مقصد کے حامل ہیں اس کا اپنے حلقہ احباب میں تعارف کرائیے اور مسلسل تعارف کرائیے آپ کو جو بھی وقت ملے اسی کام میں صرف کیجئے، یہاں تک کہ آپ سے ملنے والا ہر شخص یہ سمجھ لے کہ آپ جس برتر مقصد کے تحت زندگی گزار رہے ہیں اسی کو دوسروں کی زندگی کا بھی مقصد دیکھنا چاہتے ہیں۔ آپ کے پاس وقت، دولت، علم اور صلاحیت جو کچھ بھی ہے اسے اسی کام میں لگائیے۔ پھر یہ کام نتائج سے بے فکر ہو کر انجام دیجئے۔ نتائج سے بے پرواہ ہو کر کام کرنا آسان نہیں ہے۔ انسان جب اپنی محنت کا نتیجہ آنکھوں کے سامنے نہیں دیکھتا ہے تو اسے مایوسی ہوتی ہے اور وہ ہمت ہار کر بیٹھ جاتا ہے۔ یہ کام اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ آدمی اسے اپنا فرض تصور کرے اور یہ سمجھے کہ مخاطب چاہے میری بات قبول کرے یا نہ کرے مجھے ہر حال اپنا فرض ادا کرنا ہے اور مخاطب کے انکار کی وجہ سے میرا فرض ساقط نہیں ہو جائے گا۔ اس جذبہ کے ساتھ آپ کام کریں گے تو نہ تو آپ کی ہمت ٹوٹے گی اور نہ آپ پر مایوسی طاری ہوگی۔ ویسے یہ بات بھی ذہن میں رکھیے کہ اسلام کی دعوت میں بڑی جان ہے۔ یہ انسان کی فطرت سے بالکل ہم آہنگ ہے۔ اگر فطرت مسخ نہ ہوئی ہو تو اس کا انکار ضمیر پر سخت گراں گزرتا ہے۔ صحیح الفطرت انسان اسے آسانی سے رد نہیں کر سکتا۔

بہت سے نوجوان اس کام کے لئے وقت کے نہ ہونے یا اس کی کمی کا عذر کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ کوئی معقول عذر نہیں ہے۔ ذہین سے ذہین اور محنتی سے محنتی طالب علم بھی تفریح اور کھیل کود کے لئے وقت نکالتا ہے، دوستوں کے درمیان بے تکلفی اور ہنسی مذاق میں بھی وقت صرف ہوتا ہے۔ تھوڑا بہت وقت غفلت کی بھی نذر ہو جاتا ہے۔ چھٹیاں بالعموم بے مقصد کاموں میں گزر جاتی ہیں۔ اگر آدمی اپنے ان ہی فاضل اوقات کو دعوت کے کام میں لگائے تو بہت مفید نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ جس شخص کے سامنے کوئی مقصد حیات ہو اور وہ اسے دوسروں تک پہنچانا بھی چاہتا ہو وہ مصروف ترین لمحات میں بھی اس کے لئے وقت نکال لے گا۔ مقصد حیات انسان کے ذہن و مزاج کو بدل دیتا ہے، اس کی دلچسپیوں کو بدل دیتا ہے، اس کے ترک و اختیار کے پیمانوں اور اس کی گفتگو کے موضوعات کو بدل دیتا ہے۔ وہی وقت جس میں لوگ ایک دوسرے کا مذاق اڑاتے ہیں، فلمی گانوں کے سننے اور ٹیلی ویژن کے گندے پروگرام میں صرف کرتے ہیں، ہنسی مذاق اور ٹھٹھوں میں گنواتے ہیں، سیر سپاٹوں اور تفریحوں میں ضائع کرتے ہیں بامقصد انسان اسی کو اپنے مقصد کی تبلیغ کے لئے استعمال کرتا ہے۔ اور ان موضوعات پر بحث اور گفتگو کے لئے استعمال کرتا ہے جو اس کے مقصد سے ہم آہنگ ہوں۔

یہاں ایک بات ذہن میں رہے۔ وہ یہ کہ تبلیغ و دعوت کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ آپ اپنی تعلیم سے غفلت برتیں۔ اگر آپ طلباء میں کام کرنا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ علم کے میدان میں اونچا مقام پیدا کریں۔ ایک طالب علم اسی طالب علم سے سب سے زیادہ متاثر بلکہ مرعوب ہوتا ہے جو پڑھنے لکھنے میں فائق اور برتر ہو۔ جو طالب علم تعلیم کے میدان میں پیچھے ہو اس کا دوسرے طالب علم پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ خاص کر کسی سنجیدہ طالب علم کو اگر یہ محسوس ہو کہ کسی تحریک سے وابستہ ہونے کی وجہ سے آپ تعلیم کے میدان میں پیچھے رہ گئے ہیں تو وہ آپ کے قریب نہیں ہوگا۔

۳۔ اسلام نے شروع ہی سے عقائد و عبادات کے بعد جس چیز پر زیادہ زور دیا ہے وہ اخلاق ہے آپ قرآن مجید میں دیکھیں گے کہ اسلام جگہ جگہ ان اخلاقی اوصاف کو نمایاں کر کے دکھاتا ہے جنھیں وہ انسان کے اندر پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اس کی پوری دعوت میں اخلاقیات اس طرح رچی بسی ہیں کہ ان کے بغیر اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ خود بھی ان اخلاقیات کی پابندی کیجئے اور نوجوانوں کو بھی ان کا پابند بنائیے۔ ان کو لوگوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کا محافظ اور پاسبان بنا کر کھڑا کیجئے۔ دنیا کی تحریکیں اپنے غلط مقاصد کے لئے غلط طریقے سے طلباء کو استعمال کرتی ہیں۔ وہ ان کو جدو

بقیہ صفحہ ۲۲ پر

کیا آپ نے قرآن پڑھا ہے

محمود عالم ۔ پٹنہ

جندسال پہلے کی بات ہے۔ ہم چند احباب ایک ہوٹل میں بیٹھے محو گفتگو
۔ یہ ہوٹل ادیبوں، شاعروں اور صحافیوں کے لئے ایک کلب کا کام
ا تھا۔ روزانہ شام کو اس کے ہال میں میزوں پر لوگ ایک کپ گرم
ئے کے ساتھ عالمی سیاست سے لے کر ملکی مسائل پر گرماگرم بحث
سکتے تھے۔

ہم چار تھے اور ہمارا شمار پڑھے لکھے لوگوں میں ہوتا تھا۔ ہم میں سے
یک کسی نہ کسی دینی درسگاہ سے فضیلت کی سند حاصل کرچکا تھا اور
نیورسٹی کی تعلیم سے فیضیاب ہوکر تعلیم یافتہ بے روزگاروں کی تعداد
ں اضافہ کا سبب بن رہا تھا۔ ہماری گفتگو کا موضوع متعین نہیں
ا لیکن ہم مذہب، سیاست اور ادب کے مثلث میں محصور تھے۔
ریب بیٹھے ہوئے لوگ بھی ہماری بحث میں دلچسپی لے رہے تھے کیونکہ
میں ہر ایک اپنی خطابت کا جوہر اور علمی قابلیت کا گوہر ہتھیلی پر
لئے بیٹھا تھا۔ خوبصورت تراشے ہوئے جملے اور منتخب الفاظ حاضرین
ہماری طرف متوجہ کرنے کے لئے کافی تھے۔ جس طرح مداری کی ڈگڈگی
مع لگ جاتا ہے ہماری شیریں بیانی سے لوگوں کی ایک بھیڑ جمع ہونے
ی تھی۔ اب ہماری گفتگو کا موضوع عرب اور اسرائیل کے درمیان
ہنے والی جنگ تھی۔ علمی دلائل اور تحقیقی شواہد کے ساتھ ہم نہایت
بش و جذبے سے اپنی معلومات پیش کررہے تھے ملت اسلامیہ کے
ر دانشمندانہ طرز عمل پر رنج وغم اور ان کی شکست پر افسوس
اظہار کررہے تھے۔ ہمارے ایک فاضل دوست نے، جو عالمی
یاست پر گہری نظر رکھتے تھے، اپنے اندیشوں کا اظہار کرتے ہوئے
رمایا

"اگر مسلمانوں کی یہی حالت رہی تو مسجد اقصیٰ یا بیت المقدس
، بازیابی کا معاملہ تو دور رہا عجب نہیں کہ حرمین شریفین بالخصوص
خانہ کعبہ پر بھی غیروں کا قبضہ ہوجائے۔"

ابھی ہمارے دوست نے جملہ پورا بھی نہیں کیا تھا کہ ایک
یہاتی بگڑ گیا " قرآن پڑھا ہے آپ نے ؟" اس نے تند و تیز لب و لہجہ
ں ہمارے دوست کو مخاطب کیا " معلوم ہوتا ہے آپ نے قرآن
ف نہیں پڑھا" ہم زیر لب مسکرانے لگے۔ حاضرین کو دیہاتی کی یہ
داخلت مضحکہ خیز معلوم ہوئی۔ پڑھے لکھے لوگوں سے ایسی بات کہنا
س کی جہالت اور سادہ لوحی سمجھی گئی۔ لیکن دیہاتی کے اگلے جملے
ے ہمارے ہوش اڑا دیئے۔

" آپ نے قرآن پاک پڑھا ہوتا تو ایسا ہرگز نہ بولتے۔ آپ نے سورہ
فیل پڑھی ہے ؟ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ " ہمارے
ہوش ٹھکانے پر آگئے۔ ہمارے سر جھک گئے اور ہماری زبانیں گونگی ہوگئیں۔

کتنی سیدھی اور سچی بات تھی۔ ہم خاموشی سے اٹھ گئے اور ہمیں
احساس ہوا کہ ہم نے اب تک بھاڑ جھونکا ہے۔ موٹی موٹی کتابیں پڑھ
کر بھی ہم جاہل ہی رہ گئے۔ ہم بھی جاہلوں کی طرح لاشعوری طور پر یہی
سمجھتے ہیں کہ دنیا کا خالق اور مالک اسے بنا کر اس سے غیر متعلق
ہوگیا ہے اور اب جو کچھ ہوگا ہماری اپنی کوششوں سے ہوگا۔ ہم
کبھی کبھی یہ بھول جاتے ہیں کہ ظاہری اسباب سے بلند و برتر ایک
قادر مطلق ہے جو شر پسندوں کے منصوبوں کو جب چاہتا ہے خاک میں
ملا دیتا ہے۔

ہم رہنمائی کے لئے اپنی عقل اور تاریخی تجربات پر اعتماد کرتے
ہیں لیکن قرآن پاک اور سیرت سے رہنمائی حاصل نہیں کرتے۔ ہماری
نگاہیں ظاہری اسباب و علل تک محدود رہ جاتی ہیں اور
مسبب الاسباب تک نہیں پہنچ پاتیں۔

پوسٹر

سید تنویر احمد ۔ بیدر

شیخو ایک دیہاتی ہے کسی غرض سے شہر آیا ہوا ہے۔ اس کی ملاقات
عبدالجبار صاحب سے ہوتی ہے جو شیخو ہی کے دیہات کے رہنے والے ہیں
لیکن تعلیم حاصل کرنے کی بعد سرکاری ملازمت اختیار کی اور شہر ہی میں مقیم
ہیں۔ سلام علیک کے بعد شیخو کہتا ہے۔ "جناب عبدالجبار صاحب آپ نے
اپنے بڑے فرزند کو گاؤں بھیج دیا ہے۔ صاحب آج تو لوگ اپنے بچوں کو
ہوشیار بنانے کے لئے دیہاتوں سے شہروں کو بھیجتے ہیں۔ کیا بات
ہے ؟" عبدالجبار صاحب جواب دیتے ہیں۔ " ہاں شیخو صحیح ہے لیکن آج
کل شہر کا ماحول خراب ہے مجھے خدشہ ہے کہ کہیں میرا بچہ بھی خراب نہ ہوجائے۔"
"صاحب، صاحب تو بہت ہی اچھے ہیں۔ نماز بھی پڑھتے ہیں اور صحبت
بھی اچھی ہے پھر بگڑ کس طرح جائیں گے۔" (عبدالجبار صاحب ٹھنڈی
سانس بھرتے ہوئے)۔ "شیخو تم ٹھیک کہہ رہے ہو، میرے بچے کا ماحول بھی
اچھا ہے اور صحبت بھی لیکن شیخو شہر کے نمایاں مقامات پر جو فلمی پوسٹر لگائے
جارہے ہیں یہ گندی صحبت سے کہیں زیادہ برے ہیں۔ ان سے بچانے کے لئے
میرے پاس یہ ہی حل تھا۔"

ایس آئی او یوپی زون

از قیام تا جولائی ۱۹۸۶ء

ایس آئی او کے قیام سے پہلے مختلف صوبوں میں مختلف ناموں سے طلبہ اور نوجوانوں کی تنظیمیں کام کر رہی تھیں۔ ان میں سے کچھ جماعت کی سرپرستی میں تھیں اور بعض آزاد یا نیم آزاد تھیں جماعت اسلامی کی مرکزی مجلس شوریٰ نے ۱۶ر فروری ۱۹۸۲ء کے اپنے غیر معمولی اجلاس میں طلبہ کی ایک کل ہند تنظیم اپنی سرپرستی میں قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ ایک کے علاوہ تمام تنظیمیں اس میں ضم ہوگئیں، اس طرح کل ہند طلبہ تنظیم وجود میں آگئی۔ حلقہ یوپی ان صوبوں میں سے ایک ہے جہاں از سرِ نو کام کا آغاز ہوا۔

جماعت اسلامی ہند کے فیصلہ کے بعد یوپی میں مختلف جگہوں پر طلبہ اور نوجوانوں نے کام شروع کیا یہ افراد اس سے پہلے یا تو M I S سے متعلق تھے یا حلقہ طلبہ اسلامی بہار سے اور یوپی میں تعلیم حاصل کر رہے تھے یا جماعت اسلامی کے ساتھ کام کر رہے تھے۔ چنانچہ جب جماعت کی سرپرستی میں طلبہ تنظیم کے قیام کا اعلان ہوا تو ان تمام افراد نے اس میں شمولیت اختیار کر لی۔ کام کا آغاز مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ہوا ۲۵ر دسمبر ۱۹۸۲ء کو یہاں پر تنظیم قائم ہوئی بعد میں فیروز آباد، شکوہ آباد سے اطلاع ملی کہ وہاں پر جو طلبہ اور نوجوان جماعت سے متعلق تھے وہ جماعت کی طلبہ تنظیم میں شامل ہوگئے ہیں پھر سرائے عاقل، کرنیل گنج، اعظم گڈھ، کھراون، بنارس وغیرہ میں تنظیم کی شاخیں قائم ہوئیں۔

سرپرست حلقہ یوپی کی جانب سے ۲۷ تا ۲۹ مئی ۱۹۸۲ء کو حلقہ یوپی کے تمام ممبران اسلامی تنظیم طلبہ کا اجتماع مولوی گنج لکھنؤ میں ہوا جس میں سرپرست حلقہ مولانا سید حامد حسین مرحوم، مولانا جلال الدین انصر عمری، مولانا مقبول احمد فلاحی، مولانا اشفاق احمد اصلاحی بحیثیت مربی موجود تھے۔ سرپرست حلقہ کی خصوصی دعوت پر برادر ایس۔ ایم۔ اقبال پٹنہ سے شرکت کے لئے آئے تھے۔ اس سہ روزہ اجتماع میں تمام ممبران کو ایک دوسرے کو سمجھنے اور ان کی صلاحیتوں سے واقف ہونے کا موقع ملا۔ آخری دن حلقہ کی مشاورتی کونسل کے لئے ووٹ ڈالے گئے۔ حلقہ کی مشاورتی کونسل کا انتخاب مکمل ہونے کے بعد یکم اگست ۱۹۸۲ء کو حلقہ کی پہلی مشاورتی کونسل دہلی میں منعقد ہوئی جس میں برادر جاوید علی صدر حلقہ منتخب ہوئے اور منور حسین فلاحی کا سکریٹری حلقہ کی حیثیت سے تقرر ہوا۔ اس وقت ممبران کی کل تعداد ۱۰۶، اور یونٹ گیارہ (۱۱) تھیں۔ چار منفرد ممبران تھے۔

ابتدائی مرحلہ میں سب سے پہلے ان افراد اور مقامات سے واقفیت ضروری تھی جہاں پر تنظیم کا کچھ نہ کچھ کام شروع ہو چکا تھا دوسرا اہم کام ان افراد کی تربیت اور ان کے اندر تنظیمی شعور کا پیدا کرنا تھا چنانچہ ان تمام مقامات کا دورہ کیا گیا جہاں پر تنظیم کے ایک یا چند افراد تھے، کام کا جائزہ لیا گیا انتخاب کرایا گیا۔ طریقہ کار اور پالیسی کی وضاحت کی گئی، ساتھ ہی ایسے مقامات کا بھی دورہ کیا گیا جہاں نئے سرے سے تنظیم کی داغ بیل ڈال گئی۔

افرادی قوت

یکم اگست ۱۹۸۲ء سے تنظیم نے باضابطہ کام شروع کیا۔ اس وقت ممبران کی کل تعداد ۱۰۶ تھی اس وقت سے لے کر اب تک کی صورت حال کو نیچے کے خاکہ سے سمجھا جا سکتا ہے۔

وقت	ممبران	امیدواران	سپورٹرس	یونٹس	سرکلس	چلڈرن کلبس	چلڈرن کی تعداد
یکم اگست ۱۹۸۲ء	۱۰۶	x	x	۱۱	x	x	x
جولائی ۱۹۸۴ء	۱۰۸	۵۲	۱۸۰	۱۲	۲۰	۳	۹۰
جولائی ۱۹۸۵ء	۱۲۴	۵۲	۳۵۰	۱۶	۳۵	۵	۲۵۰
جولائی ۱۹۸۶ء	۱۲۸	۶۰	۵۳۴	۱۸	۳۵	۹	۳۸۰

یکم اگست ۱۹۸۲ء سے جولائی ۱۹۸۶ء تک حلقہ یوپی میں ۲۷ امیدواران کی درخواست ممبری منظور کی گئی اب تک دس ممبران عمر کی حد پوری کر چکے ہیں ۱۵ یوپی سے دوسرے صوبوں میں منتقل ہوئے ۲ کا استعفیٰ منظور کیا گیا ۳ کا اخراج ہوا۔

تنظیم و تربیت

تنظیم و تربیت ایسی اہم ضرورت ہے جس سے کوئی بھی تحریک یا جماعت بے نیاز نہیں ہو سکتی تحریک و جماعت کے اندر اگر نظم و ضبط پایا جاتا ہے مقاصد اور نصب العین کے حصول کے لئے افراد کی ہمہ جہتی تربیت کی جاتی ہے تو وہ تحریک و جماعت روز افزوں ترقی کرتی ہے مقصد اور نصب العین کا حصول آسان ہوتا ہے لیکن جس لمحہ اس کی طرف سے توجہ ہٹ

جاتی ہے تو انتشار اور بدنظمی کی فضا پیدا ہوتی ہے اختلافات و اعتراضات کے خود رو پودے ہر سمت سے ابھرنے لگتے ہیں افراد کے اندر سرد مہری اور تعطل پیدا ہوتا ہے نتیجۃً تحریک یا جماعت کا شیرازہ منتشر ہوجاتا ہے اس لئے ہر تحریک و جماعت کے لئے ضروری ہے کہ ابتدا سے اس پہلو پر کڑی نظر رکھے۔ ایس۔ آئی۔ او۔ یوپی زون نے اسی اہمیت کے پیش نظر اس کی طرف خصوصی توجہ دی ہے۔

جو افراد تنظیم سے قریب آئے تھے ان کے اندر نظم ضبط پیدا کرنا اور ان کی ہمہ جہتی تربیت کرنا اولین ضرورت تھی۔ اس لئے ضروری تھا کہ حلقہ کا کوئی آفس ہو جہاں سے تمام افراد سے ربط رکھا جا سکے۔ چنانچہ علی گڑھ کے محلہ بدر باغ میں آفس لیا گیا جس کا افتتاح یکم ستمبر ۱۹۸۳ء کو صدر تنظیم محمد جعفر صاحب کے ہاتھوں ہوا۔ اس کے حصوں سے روابط اور دفتری امور کی انجام دہی میں آسانیاں پیدا ہوئیں۔ (اب صوبائی آفس مولوی گنج لکھنؤ میں ہے)

کارکنان تنظیم کی علمی و فکری تربیت کے لئے ایک نصاب تیار کیا گیا اور اس کو کونسل کے فیصلوں کے ساتھ متعلقہ جگہوں پر بھیجا گیا۔ مراسلت کے ذریعہ مطالعہ کی طرف توجہ دلائی گئی۔

مرکزی ہدایت کے مطابق نومبر ۱۹۸۳ء میں صدور مقامی کا تربیتی اجتماع لکھنؤ میں ہوا۔ اس سہ روزہ اجتماع میں جہاں فکری تربیت کے لئے پروگرام تھے وہیں پر عملی قسم کے بھی پروگرام تھے۔ اگرچہ شرکا کی تعداد کم تھی لیکن افادیت کے لحاظ سے یہ اجتماع انتہائی کامیاب ثابت ہوا۔ پھر کارکنان کی تربیت کے لئے حلقہ یوپی کو تین حصوں میں تقسیم کرکے سہ روزہ اجتماعات منعقد کئے گئے۔ مغربی یوپی کا اجتماع دسمبر ۱۹۸۳ء میں مظفر نگر میں ہوا شرکا کی تعداد ۳۵ تھی وسطی یوپی کا اجتماع جنوری ۱۹۸۴ء لکھنؤ میں ہوا شرکا کی تعداد ۴۵ تھی مشرقی یوپی کا اجتماع بلریا گنج اعظم گڑھ میں فروری ۱۹۸۴ء میں ہوا۔ شرکا کی تعداد ۴۵ تھی یہ اجتماعات تنظیمی اور تربیتی لحاظ سے بھی مفید ثابت ہوئے اور دعوت و توسیع کے اعتبار سے بھی ممبران کا سہ روزہ تربیتی اجتماع لکھنؤ میں نومبر ۱۹۸۴ء میں ہوا تعلیمی اداروں میں امتحانات اور بعض ممبران کی ذاتی مجبوریوں کی وجہ شرکا کی کل تعداد ۲۵ تھی۔ مارچ ۱۹۸۵ء میں منتخب ممبران کے کل ہند تربیتی کیمپ میں یوپی سے ۱۱ ممبران شریک ہوئے۔ جون اور جولائی ۱۹۸۵ء میں کارکنان کی تربیت کے لئے ڈویژنل تربیتی اجتماعات ہوئے ان اجتماعات سے پہلے صدر حلقہ سکریٹری حلقہ یا نمائندہ نے تمام مقامات کا دورہ کیا۔ فروری ۱۹۸۷ء میں آل یوپی کارکنان کا تربیتی اجتماع مولوی گنج لکھنؤ میں ہوا یہ سہ روزہ تربیتی اجتماع بہت ہی کامیاب رہا۔ اگرچہ بابری مسجد کے حادثہ کی وجہ سے حالات خراب ہوچکے تھے بہت ساری جگہوں سے کارکنان نہیں آسکے۔ بعض مقامات سے تو یہ اطلاع ملی کہ اسٹیشن آکر گھر واپس چلے گئے تاہم شرکا کی تعداد ۱۵۱ تھی ذمہ داران تنظیم میں سے صدر حلقہ و سکریٹری کے علاوہ صدر تنظیم محمد اشفاق احمد صاحب قائم مقام صدر تنظیم شبیر عالم صاحب آل انڈیا سکریٹری جاوید علی صاحب موجود تھے ساتھ ہی سرپرست حلقہ مولانا رفیق احمد قاسمی صاحب مولانا سلیمان قاسمی صاحب مولانا فاروق خاں صاحب بحیثیت مربی موجود تھے۔

مشاورتی کونسل

صدر حلقہ کی امداد و مشورے کے لئے حلقہ کی مشاورتی کونسل ہے۔ کونسل کا پہلا اجلاس یکم اگست ۱۹۸۳ء دہلی میں ہوا جس میں ضروری فیصلے لئے گئے۔ عموماً سال میں دو نشستیں ہوئی ہیں شروع سال میں گزشتہ کارکردگی کا جائزہ لیا گیا اور آئندہ سال کا منصوبہ تیار کیا گیا۔ درمیان سال میں ایک مرتبہ جائزہ لیا جاتا رہا ہے۔

تنظیم کی پہلی میقات جولائی ۱۹۸۵ء میں ختم ہوئی دوسری میقات کے لئے نئی مشاورتی کاونسل کا انتخاب ہوا۔ اس میقات کی مشاورتی کونسل کا پہلا اجلاس ۲۱ ستمبر ۱۹۸۵ء کو لکھنؤ میں ہوا۔ جس میں برادر منور حسین صدر حلقہ منتخب ہوئے اور برادر انعام اللہ سکریٹری حلقہ مقرر ہوئے۔ اس میقات کی دوسری نشست فروری ۱۹۸۶ء میں اور تیسری نشست جولائی ۱۹۸۶ء میں ہوئی جس میں گزشتہ سال کی کارکردگی کا جائزہ لیا گیا اور آئندہ سال کا منصوبہ تیار کیا گیا۔

دعوت

حلقہ یوپی میں تنظیم کا کام بالکل نیا تھا اس لئے توسیع دعوت بھی ہمارے لئے اولین اہمیت کی حامل تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے بھی آسانیاں پیدا کردیں۔ جماعت اسلامی حلقہ اترپردیش نے ڈویژنل اجتماعات کا فیصلہ کیا۔ نومبر ۱۹۸۳ء لکھنؤ ڈویژن کا اجتماع کانپور میں، اعظم گڈھ اور گورکھپور ڈویژن کا اجتماع نوگڈھ (بستی) میں ہوا۔ بریلی ڈویژن کا اجتماع شاہجہاں پور میں فروری ۱۹۸۴ء میں ہوا جھانسی ڈویژن کا اجتماع جھانسی میں اور الہ آباد ڈویژن کا اجتماع پرتاپ گڈھ میں مارچ ۱۹۸۴ء میں ہوا۔ میرٹھ ڈویژن کا اجتماع بلند شہر میں ہوا۔ ان اجتماعات میں ایس آئی او کے تعارف کے لئے پروگرام رکھا گیا کہیں متوازی کہیں مشترک، ان اجتماعات میں صدر حلقہ یا سکریٹری حلقہ یا نمائندہ نے شرکت کی۔ صدر تنظیم محمد جعفر صاحب شاہجہاں پور اور پرتاپ گڈھ کے علاوہ تمام اجتماعات میں شریک ہوئے۔ ان اجتماعات میں آنے والے طلبہ اور نوجوانوں اور جماعت کے مقامی ذمہ داران سے ملاقاتیں کی گئیں اور کام کے مواقع کے بارے میں گفتگو ہوئی ایسے افراد کے پتے حاصل کئے گئے جن سے کام میں مدد مل سکتی تھی یا جو کارکن بن سکتے تھے۔ ان اجتماعات سے پورے حلقے میں تنظیم کا

٦

رف ہوا جس کے نتیجہ میں بہت ساری جگہوں پر کام کا آغاز
حلقہ کی جانب سے دو ورقہ تعارفی فولڈر شائع کرکے ان
عات میں تقسیم کیا گیا Badges اور بینر بھی تعارف کے لئے
تعمال کئے گئے۔

اپریل ۸۴ء میں پہلے ہفتہ میں صوبہ کی سطح پر "ہفتہ دعوت"
یا گیا اس ہفتہ میں روزانہ بعد نماز فجر درس قرآن، درس
یث کا اہتمام کیا گیا۔ ہاتھوں سے لکھے ہوئے پوسٹر دیواروں
ومسجدوں میں لگائے گئے قرآن وحدیث کے فقرے اور دعوتی
ے دیواروں پر لکھے گئے روزانہ ایک عمومی پروگرام کا اہتمام
گیا۔ ہر دن بعد نماز عشاء دن بھر کی کارکردگی کا جائزہ لیا گیا خطاب
م، ٹی پارٹی، مذاکرہ، کورنر میٹنگ کے ذریعہ لوگوں تک دعوت
پائی گئی۔ اسی طرح مضمون نویسی مقابلہ اور کھیل کا مقابلہ بھی
یا گیا۔ انفرادی واجتماعی ملاقاتیں کی گئیں۔ ان ملاقاتوں میں
رفی فولڈر پالیسی پروگرام دستور کی کاپیاں تقسیم کی گئیں۔ اس
ح اجتماعی پروگرام کے بعد کافی تعداد میں کتب مطالعہ کے لئے
گئیں۔ یہ ہفتہ تمام یونٹس اور سرکلس میں منایا گیا۔ اس کے
یہ حلقہ کی مشاورتی کانسل نے جو نشانہ طے کیا تھا اس کو پا
گیا۔

عید کے موقع پر بیشتر یونٹس وسرکل نے عید ملن کا پروگرام کیا
ں جماعت کے ساتھ کہیں الگ سے اس میں طلبہ اور نوجوانوں کو
وصاً غیر مسلم برادران کو دعوت دی گئی اور اسلام وتنظیم کا مختصر
ارف کرایا گیا آخر میں تنظیم کا تعارفی فولڈر تقسیم کیا گیا۔

جولائی ۸۵ء میں ڈویژنل اجتماعات کے بعد "ہفتہ صلوٰۃ"
یا گیا۔ نماز فجر سے پہلے لوگوں کو بیدار کرنے کا اہتمام کیا گیا ـــــ
صلوٰۃ خیر من النوم کی صدا لگائی گئی۔ انفرادی واجتماعی ملاقاتوں
س قرآن، درس حدیث کارنر میٹنگ، خطاب عام کے ذریعہ عوام
صوصاً طلبہ اور نوجوانوں کو نماز کی اہمیت وافادیت سے آگاہ
کیا اور نماز کی ادائیگی کے لئے آمادہ کیا گیا۔

چار مقامات پر بعد نماز فجر برابر درس قرآن کا اہتمام کیا
تا ہے اور اسی طرح بعد نماز عصر چار جگہوں پر برابر درس حدیث
ہتمام ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ تمام یونٹس اور سرکلس
تہ وار، پندرہ روزہ، ماہانہ دعوتی اجتماعات منعقد کرتی ہیں۔
رادی واجتماعی ملاقاتوں کے ذریعہ دعوتی کام انجام دیتی ہیں۔
ں طرح کے کاموں کو موصولہ رپورٹوں کی روشنی میں اعداد و
ر کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے جس سے اندازہ لگایا جا
سکتا ہے۔

تقسیم فولڈر	تقسیم کتب برائے مطالعہ	انفرادی ملاقاتیں	اجتماعی ملاقاتیں	کورنر میٹنگ	ٹی پارٹی	خطاب عام	افطار پارٹی	مذاکرہ	خطبۂ جمعہ
6625	1787	2205	258	20	16	16	11	9	143

اجتماعات

ہفتہ وار		ماہانہ	
دعوتی	تربیتی	دعوتی	تربیتی
1267	350	31	102

لائبریری اگست ۸۳ء میں جو لائبریریاں تھیں ان میں کتابوں
کی تعداد ۱۰۶۷ تھی۔ جولائی ۸۴ء میں ۱۷ لائبریریاں
اور تعداد کتب ۲۰۲۶، جولائی ۸۵ء میں ۲۰ لائبریریاں اور
کتابوں کی تعداد ۳ ہزار تک پہنچ گئی، جولائی ۸۶ء میں لائبریریوں
کی تعداد ۳۲ اور کتابوں کی تعداد ۳۷۱۰ ہوچکی ہے، ہر ماہ
کتابوں کے ایشو ہونے کی تعداد ۲۵۰ ہے اور استفادہ کرنے
والوں کی اوسط تعداد ۲۰۰ ہے۔

دو جگہوں پر ریڈنگ روم ہے جس میں کل ۱۸ اخبارات
ورسائل آتے ہیں۔ ایک بک بینک ہے جس میں کتابوں کی
تعداد ۲۳۶ ہے۔ امسال ۶۵ کتابیں ایشو کی گئیں، اور ۳۷
افراد نے استفادہ کیا۔

تعلیمی ادارے یوپی کی بعض دینی درسگاہوں میں تنظیم کا تعارف
ہے۔ پانچ معروف درسگاہوں میں ہمارے
افراد ہیں۔ اس کے علاوہ عصری درسگاہوں میں مسلم یونیورسٹی
علی گڑھ، لکھنؤ یونیورسٹی، گورنمنٹ پالٹکنک کالج لکھنؤ، ڈگری
کالج ماچھرا (میرٹھ) میں تنظیم کا کام ہو رہا ہے۔ دوسری درس
گاہوں میں بھی تنظیم کا تعارف ہے۔ بعض اداروں میں ہمارے
ایسوسیٹ یا امیدوار ممبری بھی موجود ہیں۔

دو یونٹ نے تعلیمی اداروں میں بھی مضمون نویسی کا مقابلہ
کرایا۔ اسی طرح ڈبیٹ، اسلامی معلومات عامہ وغیرہ کے
انعامی مقابلے کرائے گئے۔ ایک یونٹ نے چند ماہ تک
ماہنامہ قلمی رسالہ نکالا، بعض اسباب کی وجہ سے بند ہوگیا۔
حلقہ کی سطح پر بھی مضمون نویسی کا ایک مقابلہ ہوا۔

بچوں کے ۵ فٹ بال مقابلے، ۲ بیت بازی، اور دو
تقریری مقابلے کرائے گئے۔

خدمت خلق اس ضمن میں انفرادی کوششوں کے علاوہ
ہم جماعت اسلامی حلقہ اتر پردیش کے
ساتھ بھی کام کرتے رہے ہیں چنانچہ جماعت کی جانب سے سماج
سدھار کیمپ لگائے گئے جس میں ہمارے کارکنان نے سرگرمی

سے حصہ لیا۔ اس کے علاوہ تنظیم کی سطح سے کیتھراوں، کراولی، سیاتا میں تعلیم بالغاں کا اہتمام کیا گیا۔ بعض مقامات پر اجتماعی صدقہ فطر کی تقسیم کا نظم کیا گیا۔ اس طرح سردیوں میں ایک یونٹ نے غریب عوام کے درمیان لحاف وغیرہ تقسیم کیا، مفت طبی امداد کا اہتمام کیا گیا جس سے ۴۶۶ مریضوں نے علاج کرایا۔ طلبہ کے داخلے میں بھی ممکن تعاون کیا جاتا رہا ہے۔ علی گڑھ یونٹ نے اردو اور ناظرہ پڑھانے کا اہتمام کیا اور یہاں پر کوچنگ کلاسز بھی وقفہ وقفہ سے ہوتے رہے۔

مخالفت

مخالفت کا نہ ہونا دعوت کے مزاج کے منافی ہے چنانچہ جہاں بھی کام زور و شور سے شروع ہوا مخالفت بھی ہوئی، مخالفت غیروں کی جانب سے کم اپنوں کی جانب سے زیادہ ہوئی ہے اگرچہ ہم نے اپنی پالیسی کے مطابق تعاون کی اچھی مثال پیش کی ہے، ہمارے افراد یا ذمہ داران نے بحیثیت مقرر یا مشاہدان کے پروگراموں میں شرکت کی ہے، جبکہ دوسری طرف سے اچھے رویہ کا اظہار نہیں ہوا ہے۔ ایسی مخالفت کی چند مثالیں لکرالہ، کڑا بازار گونڈہ، کراولی، کانپور اور سیاتا کی ہیں۔ ایک جگہ پر مسجد میں پروگرام کرنے سے روک دیا گیا۔ ہمارے ایک ایسوسیٹ جن کے گھر والے تبلیغی جماعت سے متعلق تھے ان کو دھمکی دی اور بالآخر گھر سے نکال دیا۔ قصبہ والوں کی جانب سے بھی شدید مخالفت ہوئی چنانچہ اجتماعات بند ہو گئے لیکن انہوں نے ہمت نہیں ہاری، دوسرے انداز سے کام شروع کیا، تعلیم بالغاں کا سلسلہ شروع کیا۔ پھر بچوں کی تعلیم کا سلسلہ شروع کیا، دھیرے دھیرے درس قرآن درس حدیث شروع کیا اب اس جگہ موافقین و مخالفین دونوں کے بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

ہاپوڑ میں جمعیۃ العلماء کی جانب سے شدید مخالفانہ رویہ کا اظہار ہوا، مسجد میں پروگرام کرنے سے روکنے لگے۔ ہمارے مقامی ذمہ داران نے فیصلہ کیا کہ پروگرام کرتے رہیں گے تو ان لوگوں نے اپنے غنڈوں کو بھیج کر جماعت اسلامی کے آفس سے سارا سامان نکلوا کر باہر کر دیا اور آفس میں تالا لگا دیا۔ اسی طرح کی مخالفت دوسری جگہوں پر بھی ہوتی رہی ہیں۔

ہم خیال تنظیموں کی جانب سے مخالفت ہمارے لئے زیادہ باعث حیرت ہے۔ مثال کے طور پر ابتدا میں بعض جگہوں سے یہ اطلاع ملی ہے کہ کچھ لوگوں نے ہمارے افراد کو انتشار میں مبتلا کرنے کے لئے ذمہ داران جماعت سے غلط باتیں منسوب کیں۔ اسی طرح شریعت مہم میں پوسٹر اور بک لیٹ اتفاق سے ان کو مل گئے جنھیں ہمارے افراد تک نہیں پہنچنے دیا۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو صحیح فہم و شعور عطا فرمائے آمین۔

دوسری طلبہ تنظیموں سے ربط

یوپی میں مختلف سطح کی مسلم اور غیر مسلم طلبہ تنظیمیں کام کر رہی ہیں چار مسلم تنظیموں سے ہمارا واسطہ پڑا ہے۔ تین مقامی سطح کی ہیں اور ایک کل ہند ہے۔ مرادآباد میں مسلم طلبہ و نوجوانوں کی ایک تنظیم تھی اس کی ایک اچھی خاصی لائبریری تھی جس میں ہزار سے زیادہ کتابیں تھیں۔ یہ تنظیم اپنے تمام کام کے ساتھ ...... ایس۔ آئی۔ او میں ضم ہو گئی۔ دوسری تنظیم "حلقہ طلبہ" نجیب آباد میں ہے اس کے ذمہ دار سے خط و کتابت ہوئی ہے۔ انھوں نے ضم ہونے کا وعدہ کیا ہے، دستور، ایسوسیٹ فارم وغیرہ بھیج دیئے گئے ہیں، تیسری تنظیم M Y O گلاوٹی میں ہے اس کے افراد ایس آئی او سے متعارف ہیں۔ اگر کوشش کی جاتی رہی تو قریب ہو سکتے ہیں۔

چوتھی تنظیم ایس۔ آئی۔ ایم ہے، یہ کل ہند سطح کی تنظیم ہے نسبتاً یوپی میں اچھا کام کر رہی ہے، اس کا مختلف حیثیوں سے تعاون کیا گیا۔ اور اس کی طرف سے تعاون بھی ملا ہے۔

شریعت مہم

مرکزی مشاورتی کونسل کے فیصلے کے تحت ۱۵ر نومبر تا ۲۹ر نومبر ۸۵ء کل ہند شریعت مہم منائی گئی، عوام الناس خصوصاً طلبہ اور نوجوانوں کو شریعت کا مفہوم بتایا گیا اور شریعت سے انحراف کے نتائج بد سے آگاہ کیا گیا۔ مہم میں جو کوششیں کی گئیں وہ اس طرح ہیں۔

یہ مہم ۱۱ یونٹس اور پندرہ سرکلس میں منائی گئی اس کے علاوہ ۱۷ محلوں اور ۵۱ مواضعات میں مہم چلائی گئی جس میں ۲۷۸۹ مسلم طلبہ، ۱۶۷۵ مسلم نوجوان، ۲۹۹۱ عام مسلم افراد سے، اور ۱۳۷ غیر مسلم طلبہ، ۴۰۳ غیر مسلم نوجوانوں ۴۰۱ عام غیر مسلم افراد تک انفرادی ملاقاتوں کے ذریعہ بات پہنچائی گئی اسی طرح ۴۴۵۰ مسلم طلبہ، ۵۹۷۹ مسلم نوجوان ۱۰۱۵۳ عام مسلم افراد، اور ۱۴۲ غیر مسلم طلبہ، ۳۷۷ غیر مسلم نوجوان اور ۴۰۱ عام غیر مسلم افراد تک اجتماعی خطاب یا پروگرام کے ذریعہ بات پہنچائی گئی۔ ۲۸ خطابات عام ہوئے، ۶۸ کورنر میٹنگ ہوئیں۔ ۸ جگہوں پر سمپوزیم اور سمینار ہوئے ۱۴۷ مساجد میں پروگرام ہوئے، ایک یونٹ نے جلوس نکالا جس میں تقریباً دس ہزار افراد شریک تھے۔

حلقے کی جانب سے "مسلم پرسنل لا اور ہمارا کرتبہ" کتابچہ ۴ ہزار شائع کرا کے تقسیم کرایا گیا اس کے علاوہ مظفر نگر کی یونٹ نے مسلم پرسنل لا کے تعارف میں ۱۵۰۰ ہینڈ بل چھپوا کر تقسیم کیا۔

(مرتبہ: ۔ انعام اللہ فلاحی سابق سکریٹری ایس آئی او یوپی زون)

غزلیں

سید سعید الحسینی سعد
حیدرآباد

قتل کرکے بھی وہ اعزاز کے قابل ٹھہرے
اور جو حامئ مقتول تھے قاتل ٹھہرے
آگے آگے تھے جو باطل کی وفاداری میں
خوں لگا کر وہ شہیدوں میں بھی شامل ٹھہرے
یار لوگوں نے کتابوں کو بنایا نہ رفیق
صرف باتیں ہی بناتے رہے جاہل ٹھہرے
"رہ کے خاموش گرفتاری سے وہ بچ نہ سکے
ہم تو لب کھول کے پابندِ سلاسل ٹھہرے"
رقص و موسیقی اداکاری دبے راہ روی
عہدِ حاضر کے مہذب یہ مشاغل ٹھہرے
ہاتھ ملتے ہی رہے وقت گنوا کر اپنا
اس طرح سعدؔ ہمیشہ یہاں غافل ٹھہرے

شمس صدیقی
تالنڈانگوی

یہ ہیں ارباب عدالت، عدل کے پابند لوگ
دیکھ کر مظلوم کو کرتے ہیں آنکھیں بند لوگ
شورشِ غم میں بھی گاتے ہیں جو خودداری کے گیت
خارزاروں میں پڑے ہیں ایسے غیرت مند لوگ
خون آلودہ ہیں جن کے پیرہن بھی ہاتھ بھی
بام پر بیٹھے ہیں کچھ ایسے نفاست مند لوگ
کیا ستم ہے دیکھ کر غربت زدہ انسان کو
اپنے دروازوں کو کرلیتے ہیں اکثر بند لوگ
ساری قسمیں بے یقیں ہیں سارے وعدے ہیں فریب
دورِ حاضر میں نہیں ہیں قول کے پابند لوگ
یہ فریبِ دوستی ہے، یا خلوصِ دشمنی
زہر بھی دینے لگے ہیں اب بشکل قند لوگ
شمسؔ جن سے ہے جہاں رنگ و بوکی آبرو
غم کی دنیا میں ابھی باقی ہیں ایسے چند لوگ

سالک دھامپوری

یہ قید و بند بھلا کیا ہمیں جھکائیں گے
مزید حق کا پرستار ہی بنائیں گے
ہمیں نہ قید کی پروا نہ دار کا ڈر ہے
ہمارا فرض ہے ہم راہِ حق دکھائیں گے
چمن کی آبرو جو خاک میں ملی ہے آج
کبھی تو آئے گا وہ دور جب سجائیں گے
وہ باغ دے کے لہو جس کو ہم نے سینچا تھا
کسے پتہ تھا وہاں سے نکالے جائیں گے
بلا سے میکدہ خالی ہو ساغروں سے
جو تشنہ لب ہیں وہ مایوس یوں نہ جائیں گے
یہ ان کا ظرف ہے گلشن میں آج ویرانی
ہمارا ظرف ہے گلشن سنوارے جائیں گے
ہمارے سامنے اک مرحلہ ہے یہ باقی
کہ جور و جبر کا قانون ہم مٹائیں گے

معینؔ بہمن بروی
سیوان

وہ شخص یوں تو بڑا منچلا رنگیلا تھا
مگر بہار جو آئی تو رنگ پیلا تھا
عیاں تھیں چہرے سے اس کے حکائتیں اسکی
نمی تھی آنکھوں میں دامن بھی اس کا گیلا تھا
وہاں بھی سر پہ میرے چلچلاتی دھوپ رہی
جہاں پہ سبز درختوں کا ایک قبیلا تھا
میں کھو کے رہ گیا گمنامیوں کے جنگل میں
کہ میرے پاس نہ شہرت کا کچھ وسیلا تھا
معینؔ لہجے کی تلخی چھپا گیا ظالم
اک ایک شعر غزل کا بڑا رسیلا تھا

سیّد جمال الدین افغانی

صفدر سلطان اصلاحی

"سولہویں اور سترھویں صدی عیسوی میں یورپی ممالک کے اندر کلیسا اور حکومت کی طویل جنگ میں حکومت کو فتح و کامرانی نصیب ہوئی اور یورپ میں صدیوں سے جاری ظلم و استبداد کا خاتمہ ہوا اور آزاد خیالی کو فروغ حاصل ہوا جس کے نتیجہ میں سائنس و ٹکنالوجی اور صنعت و حرفت کی راہ میں حائل مشکلات کا قلع قمع ہو گیا۔ یورپ کے اندر اس سرمایہ دارانہ نظام کے غلبہ کے بعد ملک گیری کی ہوس پیدا ہوئی۔ صنعت و حرفت کو بڑھانے کے لئے خام مال کی ضرورت تھی اور تجارت کے فروغ کے لئے بیرونی منڈیاں درکار تھیں اس لئے یورپ کی نگاہیں بجا طور پر ایشیا اور افریقہ کی طرف اٹھنے لگیں لیکن اس راہ میں اسلامی ممالک اپنی جغرافیائی اہمیت کی وجہ سے زبردست رکاوٹ ڈال رہے تھے ابتدا میں تو یورپ نے ان ممالک کو چھیڑنا مناسب نہ سمجھا لیکن جب روس نے ایشیا میں اپنے توسیعی عزائم کا کھلا مظاہرہ کیا اور یورپ نے اپنے مفادات کو خطرہ کی زد میں پایا تو اس نے عدل و انصاف کے تمام تقاضوں کو بالائے طاق رکھ کر ان اسلامی ممالک پر یلغار کر دیا۔ مسلمانان وسطی ایشیا و افریقہ نے ان کا مقابلہ کیا لیکن ناکامی ہوئی اس وقت عالم اسلام معاشی، سیاسی اور اخلاقی اعتبار سے زوال کا شکار تھا مسلمانوں میں انتشار تھا اور سلطنت عثمانیہ محض نام کی اسلامی سلطنت رہ گئی تھی چنانچہ مسلمان بہت جلد مشرقی یورپ اور وسطی ایشیا میں یورپ و روس کے ہاتھوں مغلوب ہو گئے۔ مشرق وسطی پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا اور برصغیر ہند میں ۱۸۵۷ء کے بعد اسلام کے جھنڈے سرنگوں ہو گئے۔ غرض پورا عالم اسلام عجیب بے بسی سے دوچار تھا۔

اس زمانہ میں سلطنتِ عثمانیہ ایک ایسی اسلامی سلطنت رہ گئی تھی جس کا بین الاقوامی سیاست میں کچھ نہ کچھ وقار ابھی باقی تھا لیکن انتشار و افتراق کی اس فضا میں وہ اپنے وقار کو بہت دنوں تک باقی نہ رکھ سکی۔ یورپ کی نگاہوں میں اسلام کا یہ ٹمٹماتا ہوا چراغ بہت کھٹک رہا تھا انھوں نے اس کو یورپ کے مرد بیمار کا نام دے رکھا تھا اور اس کو داخلی و خارجی سازشوں کے ذریعہ برابر کمزور کرنے کے درپے تھے۔ اس کے خلاف چاروں طرف بغاوت کا بیج بو یا گیا اور مختلف قوموں کو قومیت و وطنیت کی بنیاد پر اس کے خلاف صف آرا کر دیا گیا۔ ادھر سلطنت کے داخلی حالات بھی اچھے نہ تھے ہر طرف بے چینی، اضطراب اور پریشانی کی کیفیت تھی۔

جمال الدین افغانیؒ کی پیدائش اسی پر آشوب دور میں ہوئی وہ افغانستان کے شہر اسدآباد میں ۱۸۳۸ء میں پیدا ہوئے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد انھوں نے کچھ عرصہ تک مختلف افغانی امیروں کے ساتھ ملکی امور کی بھی نگرانی کی اسی درمیان وہ حجاز گئے اور حرمین شریفین کی زیارت کی۔ ۱۸۶۹ء میں انھوں نے مسلمانوں کے حالات سے متاثر ہو کر افغانستان سے ہجرت کرنے کا فیصلہ کیا اور ہندوستان کے راستہ سے قاہرہ پہنچے۔ وہاں انھوں نے کچھ عرصہ تک قیام کیا اور مسلم ممالک کے اتحاد و اتفاق کی ضرورت و اہمیت پر اپنی عظیم الشان تحریک کا آغاز کیا۔ زبان و بیان اور تقریر و خطابت میں ان کو بڑا کمال حاصل تھا۔ اس لئے اپنی تقریروں کو خاص طور سے اس اہم کاز کے لئے استعمال کیا۔ اسی دوران وہ کچھ دنوں کے لئے استنبول بھی گئے لیکن بہت جلد دوبارہ قاہرہ واپس آگئے۔ اس زمانے میں مصر کے اندر انگریزوں کے خلاف قومی تحریک شباب پر تھی انہوں نے اس میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ بالآخر ۱۸۷۹ء میں انہیں مصر سے جلا وطن کر دیا گیا وہ ہندوستان آئے اور حیدرآباد دکن میں قیام کیا۔ ہندوستان میں قیام کے دوران انھوں نے اپنی تحریک "تحریک اتحاد اسلام" کا کام جاری رکھا انھوں نے اس سلسلہ میں ہندوستان کے کئی شہروں کا دورہ کیا اور اپنے موافق فضا تیار کی۔ جمال الدین افغانیؒ کا ہندوستان میں کم و بیش تین سال قیام رہا ۱۸۸۲ء میں جب مصر پر انگریزوں کا غلبہ مکمل ہو گیا تو ان کو ہندوستان سے باہر جانے کی اجازت دے دی گئی وہ لندن پہنچے اس کے بعد پیرس (فرانس) میں قیام کیا۔ پیرس میں اپنے تین سالہ قیام کے دوران وہ اپنے مشہور و معروف ہفت روزہ "العروۃ الوثقیٰ" شائع کرتے رہے۔ ۱۸۸۶ء میں وہ ایک مرتبہ پھر لندن گئے اس کے بعد ماسکو وغیرہ کا بھی سفر کیا اور وہاں قیام کیا روس میں قیام کے دوران ہی انھوں نے زار روس سے وسطی ایشیا کے مسلمانوں کی مشکلات پر گفتگو کی اور کچھ مراعات حاصل کر کے دیا۔ روس ہی میں ان کی ملاقات ایران کے بادشاہ نصیرین سے ہوئی انہوں نے

اپنے ملک آنے کی دعوت دی آپ نے وہاں پہنچ کر ایران میں شاہی حکومت کے خلاف جاری دستوری تحریک کی حمایت کی اور ایران میں دستور کی بالادستی کا مطالبہ کیا چنانچہ انھیں ۱۸۹۰ء میں ایران سے نکل جانے کا حکم دے دیا گیا۔ ۱۸۹۱ء میں وہ تیسری مرتبہ لندن گئے لیکن سلطنت عثمانیہ کے خلیفہ سلطان عبدالحمید کی ایما پر وہ استنبول آگئے۔ سلطان نے انھیں اپنے ذاتی مفادات کے لئے استعمال کرنا چاہا مگر ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ انھوں نے اپنی زندگی میں کبھی کسی شخصی حکومت کی حمایت نہ کی تھی ۱۸۹۷ء میں یہ عظیم مرد مومن اپنے مالک حقیقی سے جا ملا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

جمال الدین افغانی کی سیرت کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ ان کی زندگی کا مشن عالم اسلام کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنا تھا۔ وہ دراصل تحریک اتحادِ اسلام "پین اسلام ازم" کے بانی تھے۔ وہ ایک طرف تمام اسلامی ملکوں میں شخصی حکومت اور مطلق العنانیت کے بجائے دستوری حکومت اور قانون کی بالادستی کا مطالبہ کر رہے تھے تو دوسری طرف عثمانی خلیفہ کی آئینی سربراہی میں تمام مسلم ریاستوں کے وفاق کو وجود میں لانا چاہتے تھے۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک وفاقی جمہوری نظام کے ذریعہ عالم اسلام کو متحد کرنا چاہتے تھے ان کی نگاہ میں مسلم حکومتوں کے تحفظ اور بقا کا یہی واحد راستہ تھا۔

جمال الدین افغانیؒ کے افکار و نظریات بالکل واضح ہیں دراصل انھوں نے امت مسلمہ کے مرض کی صحیح تشخیص اور اس کے صحیح علاج کا تعین کر لیا تھا لیکن بدقسمتی سے مسلم حکومتیں اپنی فکری پستی کی وجہ سے ان کے افکار کو قبول نہ کر سکیں دوسری طرف اسلام دشمن طاقتوں کے لئے اسلام کا اتحاد کسی طرح قابل قبول نہ تھا انھوں نے اسلام کو پارہ پارہ کرنے کا باقاعدہ منصوبہ بنا لیا تھا اسی لئے جمال الدین افغانیؒ کی تحریک اور انکی شخصیت کو انھوں نے اپنے عزائم کی راہ میں زبردست رکاوٹ تصور کیا چنانچہ انھوں نے یہ پروپگنڈہ کیا کہ تحریک اسلام یورپ اور روس کے خلاف جارحانہ تحریک ہے اور مسلمانانِ عالم آپس میں متحد ہو کر عیسائیت کو دنیا سے ختم کر دینا چاہتے ہیں اس طرح انھوں نے اس تحریک کے خلاف باقاعدہ مہم شروع کر دی اور اسے کامیاب نہ ہونے دیا۔

بلاشبہ جمال الدین افغانیؒ انیسویں صدی کے عظیم فرد تھے اس صدی میں انھوں نے اپنی سحر انگیز شخصیت سے عالم اسلام کو بہت زیادہ متاثر کیا۔ مصر کی قومی تحریک اور ایران کی دستوری تحریک کے اصل روح رواں اور محرک وہی تھے۔ کاش کہ مسلمانوں نے اس اہم شخصیت کی تحریک کو تقویت دی ہوتی۔ ●●

بھٹکتے قدم

شیخ امتیاز احمد۔!

رات بھر بارش ہوتی رہی۔ کبھی ہلکی تو کبھی موسلا دھار۔ جل تھل ہو گیا تھا۔ گڑھے پانی سے بھر گئے ندی نالے بہہ نکلے آمد و رفت ختم ہو گئی باہر نکلنا دوبھر ہو گیا۔

دوسرے روز اخباروں کی سرخیاں۔ ریڈیو کی خبریں پر مناظر۔ لوگوں کی گفتگو۔ موضوع ایک تھا" پانی نے تہلکہ مچا دیا شہر پانی کی نذر ہو گیا۔ اتنے لوگ بے گھر ہو گئے۔ اتنے لوگ ہلاک ہوئے۔ سوچنے لگتا ہوں۔ پانی رحمت ہے یا زحمت۔!

ذہن بھٹکنے لگتا ہے۔

ان وادیوں میں۔ ان میدانوں میں۔ ان ریگستانوں میں۔ ان [illegible] میں۔ ان جنگلوں میں۔ جہاں کبھی قوم نوحؑ رہا کرتی تھی۔ وہی قوم جہاں حضرت نوحؑ نے ساڑھے نو سو سال تبلیغ کی۔ ان کی کوئی نہیں تھی۔ پھر بھی انہیں دھتکارا گیا۔ جھوٹا قرار دیا گیا۔ ذلیل کیا گیا لیکن یہ اللہ کا بندہ۔ پیش کرتا رہا اپنی بات لوگوں کے امیدیں دلاتا رہا اللہ کی رحمت کی۔ ڈراتا رہا اللہ کے غضب بلاتا رہا اللہ کی طرف۔ لیکن شاید تباہی مقدر ہو چکی تھی۔

آخرکار۔۔۔۔۔۔۔ پانی۔۔۔۔۔۔ اللہ کے عذاب کی [illegible] میں نازل ہوا۔

بارش ہوتی رہی۔ تنور ابلتا رہا۔ لوگ اپنی جانیں بچانے کے کشتیوں پر سوار ہونے لگے۔ گاؤں تباہ ہوتے رہے۔ شہر تباہ رہے۔ پانی کا ایک ریلا آتا اور کشتیوں کو غرق کر دیتا۔ ایک [illegible] بچ گئی۔ نوحؑ کی کشتی جو اللہ کے حکم پر بنائی گئی تھی۔ جس کا چلنا رکنا اللہ کے اذن سے تھا۔ مشہور ہے" جیسے اللہ۔ کھے اسے کون زمین کو حکم ہوا۔ زمین نے پانی نگل لیا۔ پانی ختم ہوا۔ کشتی جودی کی پر رک گئی۔ اللہ کا انکار کرنے والے۔ اللہ کی ذات میں شریک کرنے تباہ ہو کر رہ گئے۔ بچ گئے صالحین۔ اللہ کو پہچاننے والے۔ اللہ کا شکر ادا کرنے والے۔

ذہن نے جواب پا لیا۔ پانی رحمت بھی ہے اور زحمت اس کی نوعیت اللہ کی مشیت اور انسان [illegible] ہے۔

بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ ا

یاتری گزر با دھیان رہے

صباح الدین ملک فلاحی
نرسٹ

زندگی ایک سفر ہے : کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل (زندگی یوں بسر کرو جیسے کوئی اجنبی یا مسافر) اور کائنات کی ہر شئے مسافر۔ کسی کو زمانی سفر سے سابقہ ہے، کسی کو مکانی سفر درپیش ہے اور کسی کو دونوں۔ کل یجری لاجل مسمی (ہر چیز ایک وقت مقرر تک چل رہی ہے) اس شاہراہ کا آخری اسٹیشن (Terminus) سب کے لئے کیا جاندار کیا بے جان بلاشبہ ایک ہی ہے یعنی موت: کل نفس ذائقۃ الموت اور فنا : کل شئی ھالک الا وجھہ اور سب کی منزل بھی ایک یعنی اللہ ہے: لا الہ الا ھو الیہ المصیر غرضیکہ تمام قافلۂ ہست و بود پا بر کاب۔

مگر زمین و آسمان کا یہ کارواں ایک خاص "احتیاط" کے ساتھ زندگی کی صراط مستقیم پر رواں ہے۔ یہ خاص احتیاط ہی کائنات کو حادثوں سے بچائے ہے۔ شاہراہ حیات پر خلقت (Traffic) اندھادھند نہیں آگے بڑھ رہی ہے بلکہ ہر ایک کے پاس ایک مہار (Breake) ہے لا الشمس ینبغی لھا ان تدرک القمر ولا اللیل سابق النھار (مجال نہیں کہ سورج چاند کو جالے اور رات دن پر پیش قدمی کر جائے) اسی احتیاط کا نام دین میں تقویٰ ہے۔ یہی وہ لگام ہے جو ہر متحرک و سالک کو قابو میں رکھے ہے۔ اسی بریک کی موجودگی اور درستی میں خود سیارہ (Motor) نیز دیگر ہم سفروں کی سلامتی مضمر ہے۔

زندگی کے سواء السبیل پر جو کتبہ جلی حروف میں زمین و آسمان ہر جگہ آویزاں ہے وہ یہی ہے: "ساؤدھانی ہٹی درگھٹنا گھٹی"۔ یہی ساؤدھانی ضبط مرور (Traffic controll) کا اصل اصول اور مسافر کا "زاد و راحلہ" ہے اور اس سے بہتر کوئی توشۂ سفر نہیں: وتزودوا فان خیر الزاد التقویٰ اسی احتیاط پر سفر کی کامیابی موقوف اور اسی سے منزل وابستہ ہے: والعاقبۃ للتقویٰ۔ اور منزل تک پہنچنا اسی کے لئے مقدر ہے جو محتاط ہو : والعاقبۃ للمتقین۔ اس کے بغیر ممکن نہیں کہ انسان منزل کو پا سکے۔ دانشمند وہ ہے جو راہ کے خار و خس سے دامن بچا کر نکل جائے کہ خاردار جھاڑیوں سے گھرے ہوئے تنگ راستہ سے دامن کو سمیٹتے ہوئے گزرنا ہی تقویٰ ہے۔ جادۂ توحید (صراط سوی) کے راہرو کا واحد سہارا ہی تقویٰ ہے۔ ان اوثق العری کلمۃ التقویٰ اسی کے دامن تھام کر وہ اس راہ گذر سے گذر سکتا ہے۔ اسی سے اس کے مسافر میں دم خم اور سب کچھ انگیز کرنے کا بوتا ہے۔ یہی اس کی استقامت کا اصلی راز ہے: فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ لا انفصام لھا

ظاہر و باطن کے تمام "بناؤ اور بگاڑ" کا گھر انسان کا قلب ہے: ان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب (جسم میں ایک بوٹی ہے جب وہ درست ہوتی ہے تو پورا جسم درست ہوتا ہے اور جب وہ فاسد ہو جاتی ہے تو پورا جسم فاسد ہو جاتا ہے، وہ قلب ہے) اور اس قلب کی درستی کا مدار تقویٰ پر ہے: قال ؐ: التقویٰ ھھنا تقویٰ یہاں (دل میں) ہے۔ یہ دل کا چراغ ہے جس سے جسم و جان کی روشنی ہے کہ یہ خانۂ خدا ہے : القلب بیت الرب اور خدا روشنی کا منبع: اللہ نور السماوات والارض۔ جس دل میں یہ قندیل روشن ہو جاتی ہے اس سے حسنات اور حکمتوں کا چشمہ پھوٹ نکلتا ہے: ان التقویٰ ملاک الحسنات رأس الحکمۃ مخافۃ اللہ۔ یہی ہر خیر کی کلید: علیک بتقویٰ اللہ فانہا ھو جامع کل خیر اور یہی ظاہر و باطن کا سنگار ہے: اوصیک بتقوی اللہ فانہ ازین لامرک کلہ، اوصیک بتقوی اللہ فی سر امرک وعلانیتہ (میں تمہیں کھلے اور چھپے ہر حال میں تقویٰ کی تلقین کرتا ہوں کہ یہ زندگی کے ہر شعبہ کو زینت و جمال بخشتا ہے۔)

انسان اپنے لباس سے معزز ہے۔ یہ اس کی حیا کی چادر، اس کے جسم کی زینت اور سردی اور گرمی کا محافظ ہے۔ لیکن تقویٰ کا لباس سب سے نفیس اور خوب ترین ہے: ولباس التقویٰ ذالک خیر۔ یہ حریر و دیبا اور مخمل و کمخواب سے بھی بڑھ کر ہے۔ یہ ملکوتیوں کا دل پسند لباس (Fancy dress) ہے۔ یہی عزت و شرف کا لباس خلیفۃ اللہ اور اشرف المخلوقات کے قامت پر جچتا ہے۔ کرم و فضل اسی سے وابستہ ہے: ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ جمال سرخ و سیاہ رنگ میں نہیں ہے۔ گورا فی الواقع وہ نہیں ہے جو سرخ و سپید ہے اور حسین وہ نہیں جو چمکتی ہوئی سیاہ رنگت والا ہے۔ خیر و برتری تقویٰ سے ہے: انک لست بخیر من احمر ولا اسود الا ان تفضلہ بتقویٰ۔ (تم نہ سفید فام سے اچھے اور نہ سیہ فام سے الا یہ کہ تقویٰ سے اس پر فضیلت پاؤ)۔ بہترین رنگ تقویٰ کا رنگ ہے جو اللہ کا رنگ ہے: صبغۃ اللہ

ومن احسن من اللہ صبغۃ۔ حسن دراصل حسنات میں سے ہے اور حسنات کا سرا تقویٰ ہے: ان التقوی ملاک الحسنات۔

جب تقویٰ ہی زندگی کا حاصل اور اس کا خلاصہ ہے اور جب یہی دین کی الفیا اومیگا (Alfa omega) ہے تو ضروری ہے کہ اس کی کنہ کی دریافت کی جائے۔ آنحضرتؐ کی یہ جامع حدیث اس باب میں بڑی بصیرت افروز اور چشم کشا (eye opener) ہے:

الحلال بین والحرام بین وبینھما مشتبھات لا یعلمھن کثیر من الناس فمن اتقی الشبھات استبرأ لدینہ وعرضہ ومن وقع فی الشبھات وقع فی الحرام کالراعی یرعی حول الحمی یوشک ان یقع فیہ الا وان لکل ملک حمی الا ان حمی اللہ محارمہ (متفق علیہ)

حلال واضح ہے اور حرام واضح ہے اور ان کے درمیان کچھ چیزیں مشتبہ ہیں جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں پس جو ان مشتبہ چیزوں سے بچا وہ اپنے دین اور اپنی آبرو کو بچا لے گیا اور شبہات میں پڑا وہ حرام میں مبتلا ہوا جس طرح وہ چرواہا جو چراگاہ کے پاس اپنا گلہ چراتا ہے اغلب ہے کہ اس کا گلہ چراگاہ میں پڑ جائے۔ آگاہ رہو ہر بادشاہ کے پاس محفوظ علاقہ ہوتا ہے اور اللہ کا محفوظ علاقہ اس کے محارم ہیں۔

مطلب یہ کہ تقویٰ دراصل حلال و حرام سے آگے بڑھ کر مشتبہات سے بچنے کا نام ہے۔ حلال و حرام کا لحاظ تو مومن سے اول درجہ میں مطلوب ہے اور جو محرمات سے پرہیز کرے سب سے بڑا عابد ہے: اتق المحارم تکن اعبد الناس۔ لیکن تقویٰ اس سے آگے کی چیز ہے۔ مومن متقی اس وقت بنتا ہے جب وہ حرام سے بچنے کی خاطر مشتبہ مباحات کو بھی چھوڑ دے: لا یبلغ العبد من المتقین حتی یدع ما لا بأس بہ حذرا لما بہ بأس (کوئی شخص اللہ کے متقی بندوں کی فہرست میں نہیں آسکتا جب تک کہ گناہ میں پڑنے کے ڈر سے وہ چیز نہ چھوڑے جس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔) یہی حقیقت ایک حدیث میں ان الفاظ سے بیان ہوئی ہے: اجعلوا بینکم وبین الحرام سترۃ من الحلال۔ اپنے اور حرام کے درمیان حلال کو سترہ (اوٹ) بنا لو۔ اور تب ہی عبد متقی اپنے دین اور آبرو کو نہ صرف بچا لے جاتا ہے بلکہ عزت و شرف کی منزلت پر جا پہنچتا ہے: قیل من اکرم الناس؟ قال "اتقاھم"۔

امور مشتبہ کیا ہیں، اس کا معیار کوئی اور نہیں آدمی کا اپنا قلب و ضمیر ہے:

استفت نفسک، استفت قلبک البر ما اطمأنت الیہ النفس واطمأن الیہ القلب والاثم ما حاک فی النفس وتردد فی الصدر وان افتاک الناس۔

اپنے نفس سے پوچھو، اپنے دل سے سوال کرو۔ تقویٰ وہ ہے جس پر تمہارا دل مطمئن ہو جائے اور اثم وہ ہے جو دل میں کھٹکے اگرچہ لوگوں نے اس کے جواز کا فتویٰ دے دیا ہو۔

راہ تقویٰ یہ ہے کہ دل جس پر صاد کرے اسی پر انسان عامل ہو:

دع ما یریبک الی ما لا یریبک فان الصدق طمانیۃ والکذب ریبۃ۔ (ترمذی)

اس پہلو کو چھوڑ دو جو خلجان میں ڈالتا ہے اور اس کو اختیار کرو جو خلجان میں نہیں ڈالتا۔ صحیح چیز طمانیت بخشتی ہے اور غلط چیز خلجان میں ڈالتی ہے۔

اور اسی سلسلہ میں پتے کی بات حسب ذیل حدیث میں بتائی گئی:

عن حرملۃ قال، قلت یا رسول اللہ ما تأمرنی بہ اعمل؟ فقال ائت المعروف واجتنب المنکر وانظر ما یعجب اذنک ان یقول لک القوم اذا قمت من عندھم فأتہ، وانظر الذی تکرہ ان یقول لک القوم اذا قمت من عندھم فاجتنبہ۔ (بخاری)

حضرت حرملہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ مجھے کن باتوں پر عمل کرنے کی تلقین فرماتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ تو نیکی پر عمل کر اور برائی سے بچ اور دیکھ اگر تو یہ پسند کرتا ہے کہ لوگ مجلس سے تیرے اٹھ کر چلے جانے کے بعد اچھی رائے قائم کریں تو وہ کام کر اور جن باتوں کو تو ناپسند کرتا ہے کہ تیری عدم موجودگی میں لوگ تیرے بارے میں کہیں تو تو اس سے پرہیز کر۔

اسی حدیث کی عمدہ تشریح یہ پارۂ حدیث ہے کہ والاثم ما حاک فی نفسک وکرہت ان یطلع الناس بدی وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تجھے پسند نہ ہو کہ لوگ اسے جان جائیں۔ ان حدیثوں نے گویا دل کے چور اور گھر کے بھیدی کو بے نقاب اور پابند سلاسل کر دیا۔

تقویٰ کی راہ بلاشبہ بڑی نازک ہے لیکن اس کے سوا کوئی راہ نجات اور کوئی سلامتی کا راستہ ہے بھی تو نہیں تو اے لوگو! تقویٰ اختیار کرو: یا ایھا الناس اتقوا ربکم۔ اے مومنو! حق تقویٰ ادا کرو: یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ۔ ایمان والو! جی جان سے تقویٰ کرو: فاتقوا اللہ ما استطعتم۔ اے رفیق منزل! یہی راہ عمل، یہی زاد راہ، اور یہی سفینۂ نجات ہے۔ اسے گرہ کرو۔ خذہ بقوۃ۔

دعوت حق کے بعض اہم نکات

کمی حسن فلاحی
جامعۃ دار السلام
عمرآباد

دعوت حق کن پر واجب ہے؟ اسلام کی دعوت ہر بالغ عاقل مسلمان مرد و عورت پر ان کی صلاحیت اور علمی استعداد کے مطابق واجب ہے۔ اس سے کوئی شخص اپنے آپ کو مستثنیٰ نہیں کر سکتا۔ قرآن و سنت میں اس عمومی ذمہ داری کے شواہد بکثرت موجود ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "کہہ دو کہ یہی میرا راستہ ہے میں اور میرے متبعین بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دے رہے ہیں" (سورۂ یوسف ۱۰۸) سے صاف پتہ چلتا ہے کہ دعوت کی ذمہ داری ہر اس شخص پر عائد ہوتی ہے جو اتباع رسول کا دم بھرتا ہو، ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "تم ایک بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے نکالی گئی ہے تم معروف کا حکم دیتے ہو اور منکر سے روکتے ہو" (آل عمران ۱۱۰) اس آیت میں جمع کا صیغہ اس بات کی دلیل ہے کہ امت مسلمہ کے ہر ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ بھلائی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔ یہ حدیث بھی اسی کی تائید میں ہے۔ کہ "حاضر میری بات کو غائب تک پہنچا دے" (بخاری جلد اوّل) اس حدیث میں شاہد سے مراد ہر وہ صحابی ہے جو حجۃ الوداع کے موقع پر حاضر رہا ہو، اس طرح اس میں عموم پایا جاتا ہے پس اس سے بھی یہی بات ثابت ہوئی کہ دعوت و تبلیغ کی ذمہ داری کسی مخصوص طبقہ یا خاندان ہی کے ساتھ متعلق نہیں ہے، ہاں! دعوت و تبلیغ کے معیار میں کمی بیشی ہو سکتی ہے، مثلاً علما رڑے پیمانے پر اس ذمہ داری کو ادا کریں گے اور روز مرّہ کی زندگی میں پیش آمدہ دقیق مسائل کو قرآن و سنت اور اجماع کی روشنی میں حل کر کے عوام کو آگاہ کریں گے اور عوام جنہوں نے باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی چھوٹے پیمانے پر جو کچھ بھی جانتے ہوں دوسروں تک پہونچائیں گے۔ اگر امت مسلمہ کے کسی فرد یا طبقے یا خاندان نے اس ذمہ داری کی ادائیگی میں تساہل سے کام لیا تو ان کی انفرادی نیکیاں خدا کی گرفت اور پکڑ سے ان کو بچانے کے لئے کافی نہ ہوں گی۔

دعوت کی کامیابی کے شرائط:

دعوت ایک اہم ذمہ داری ہے جس کی ادائیگی آسان بھی ہے اور مشکل بھی، وہ لوگ بڑی آسانی کے ساتھ فریضۂ دعوت ادا کر سکتے ہیں جنہیں اس کے نشیب و فراز کا علم ہے اور جو طریقۂ دعوت سے واقف ہیں، لیکن ان لوگوں کو اس کی ادائیگی میں بڑی کلفتوں اور زحمتوں کا سامنا کرنا پڑے گا جن کے پاس کوئی واضح اور روشن طریقۂ کار نہ ہو اور جو اس کی کامیابی کے شرائط سے نابلد ہوں۔ ایک داعی کو اپنی دعوتی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے اور اس میں کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہونے کے لئے درج ذیل شرائط کو ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

(۱) اسلوب حکیم:- ایک داعی کے لئے دعوت کے سلسلے میں حکیمانہ طرز اختیار کرنا بہت ناگزیر ہے، ورنہ دعوت کی پہلی منزل کو بھی عبور نہیں کیا جا سکتا۔ ایک داعی کو چاہیئے کہ وہ اپنی مخاطب قوم کی ذہنیت اور علمی قابلیت کا اندازہ لگالے اگر وہ لوگ علمی حیثیت سے کافی بلند ہوں تو خود ان سے زیادہ علمی استعداد پیدا کر کے ان کے سامنے علمی انداز اور اثر آفریں اسلوب میں دین کی دعوت پیش کرے علمی طبقہ کے سامنے دعوت پیش کرنے سے پہلے داعی کو اپنے اندر ٹھوس اور تحقیقی معلومات کا ذخیرہ جمع کر لینا چاہیئے ورنہ اس کی بات قابل التفات نہیں ہوگی اور اگر اس کا مخاطب طبقہ عوام ہو تو داعی کو اس کے سامنے انتہائی سادہ اور سلجھے ہوئے انداز میں دین کی بات رکھنی چاہیئے، دقیق اور ناقابل فہم مسائل کو پیش کرنے سے احتراز کرنا چاہیئے۔ یہی وہ اسلوب حکیم ہے جس کو اپنا کر کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے، قرآن دعوت کے سلسلے میں حکمت اور موعظت پر زور دیتے ہوئے کہتا ہے: "ادع الی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة" (سورۂ نحل آیت ۱۲۵) اس آیت میں دعوت کے تعلق سے دو چیزوں کی رعایت کرنے کی ہدایت دی جا رہی ہے۔ ایک حکمت دوسری موعظت (عمدہ نصیحت) حکمت کی تشریح کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں کہ "حکمت کا مطلب یہ ہے کہ بے وقوفوں کی طرح اندھا دھند تبلیغ نہ کی جائے، بلکہ دانائی کے ساتھ مخاطب کی ذہنیت، استعداد اور حالات کو سمجھ کر، نیز موقع و محل کو دیکھ کر بات کی جائے، ہر طرح کے لوگوں کو ایک ہی لکڑی سے نہ ہانکا جائے، جس شخص یا گروہ سے سابقہ پیش آئے پہلے اس کے مرض کی تشخیص کی جائے، پھر ایسے دلائل سے اس کا علاج کیا جائے جو اس کے دل و دماغ کی گہرائیوں سے اس کے مرض کی جڑ نکال سکتے ہوں"۔ اور موعظہ (عمدہ نصیحت) کی تفسیر مولانائے محترم یوں کرتے ہیں کہ مخاطب کو صرف دلائل ہی سے مطمئن کرنے پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ اس کے جذبات کو بھی اپیل کیا جائے، برائیوں

اور گمراہیوں کا محض عقلی حیثیت ہی سے ابطال نہ کیا جائے بلکہ انسان کی فطرت میں ان کے لئے جو پیدائشی نفرت پائی جاتی ہے اسے بھی ابھارا جائے اور ان کے برے نتائج کا خوف دلایا جائے۔ ہدایت اور عمل صالح کی محض صحت اور خوبی ہی عقلاً ثابت نہ کیا جائے بلکہ ان کی طرف رغبت اور شوق بھی پیدا کیا جائے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ نصیحت ایسے طریقے سے کی جائے جس سے دل سوزی اور خیر خواہی ٹپکتی ہو۔ مخاطب یہ نہ سمجھے کہ ناصح اسے حقیر سمجھ رہا ہے اور اپنی بلندی کے احساس سے لذت لے رہا ہے بلکہ اسے یہ محسوس ہو کہ ناصح کے دل میں اس کی اصلاح کے لئے ایک تڑپ موجود ہے اور وہ حقیقت میں اس کی بھلائی چاہتا ہے۔" (تلخیص تفہیم القرآن ص۴۴۹)

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ "حکمت" کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "حکمت سے مراد یہ ہے کہ نہایت پختہ اور اٹل مضامین مضبوط دلائل و براہین کی روشنی میں حکیمانہ انداز سے پیش کئے جائیں۔ جن کو سن کر فہم و ادراک اور علمی ذوق رکھنے والا طبقہ گردن جھکا سکے" اور "موعظہ حسنہ" کی تشریح یوں کرتے ہیں کہ "موعظہ حسنہ" مؤثر اور رقت انگیز نصیحتوں سے عبارت ہے جن میں نرم خوئی اور دلسوزی کی روح بھری ہو۔ (حاشیہ شبیر احمد عثمانیؒ ص۳۶۴)

اگر مخاطبین، داعی سے اس کی واضح دعوت پر بھی کٹ حجتی اور بحث و مناظرے پر آمادہ ہو جائیں تو اسے بہترین طریقے سے تہذیب، شائستگی، حق شناسی اور انصاف کے ساتھ بحث کرنے کی اجازت ہے، البتہ خشونت، بداخلاقی، سخن پروری اور ہٹ دھرمی کے ساتھ جدال کرنے کی ہرگز اجازت نہیں ہے ارشاد ربانی ہے "اور ان سے بطریق احسن بحث و مباحثہ کرو" (النحل آیت ۱۲۵) اس آیت سے بحث و مناظرے کے جواز کا ثبوت تو ملتا ہے البتہ 'بالتی ھی احسن' کی قید کے ساتھ۔

(۲) رفق ولین :۔ دعوت انتہائی نرمی اور ملاطفت کے ساتھ دینی چاہیئے، سخت کلامی اور خشونت کا برتاؤ نہیں کرنا چاہیئے، ورنہ مخاطب مکابرہ کی روش اختیار کرے گا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو فرعون کے پاس نبی بنا کر بھیج رہا تھا تو انہیں کلام میں نرمی اختیار کرنے کی ہدایت کی تھی۔ ارشاد ربانی ہے "تم دونوں فرعون سے نرم بات کہو ہو سکتا ہے کہ نصیحت حاصل کرے یا ڈر جائے" (سورۂ طٰہٰ ۴۳-۴۴) ایک دوسرے مقام پر قرآن نے رفق ولین کے فائدے کی طرف یہ کہہ کر اشارہ کیا" (اے محمدؐ) آپ اللہ کی رحمت کی وجہ سے نرم ہو گئے ہیں۔ اگر آپ سخت اور تنگ دل ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے ہٹ جاتے۔" (آل عمران ۱۵۹)

یہاں کسی کو یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے کہ نرمی اور لینت سے مراد کفار سے مداہنت اور مصالحت ہے۔ بلکہ نرمی سے مراد وہ جذبۂ مخلصانہ ہے جو دوسروں کی خیر خواہی کے لئے دل میں ابھرتا ہے۔ رہی کفار سے مداہنت اور مصالحت تو قرآن نے اس کی پرزور تردید کی ہے۔ ایک مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اے نبیؐ تم جھٹلانے والوں کے دباؤ میں ہرگز نہ آؤ، یہ تو چاہتے ہی ہیں کہ کچھ تم مداہنت کرو تو یہ بھی مداہنت کریں" یعنی ان کی تمنا یہ ہے کہ اگر تم تبلیغ اسلام کی سرگرمی کو کچھ کم کر دو تو یہ بھی تمہاری مخالفت میں کچھ نرمی اختیار کریں یا تم ان کی گمراہیوں کی رعایت کر کے اپنے دین میں کچھ ترمیم کرنے کے لئے آمادہ ہو جاؤ تو یہ بھی تمہارے ساتھ مصالحت کریں۔ ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے "ان لوگوں کی طرف ذرا نہ جھکو جنہوں نے ظلم کیا، ورنہ جہنم کی لپیٹ میں آ جاؤ گے" ایک تیسرے مقام پر خداوند قدوس کا ارشاد ہے: "اے نبی صاف کہہ دو کہ یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے اب جس کا جی چاہے اس پر ایمان لائے اور جس کا جی چاہے انکار کر دے" (کہف ۔ ۲۹)

ان تمام آیات کریمہ سے یہی بات مترشح ہوتی ہے کہ منکرین حق سے مصالحت کا رویہ قطعاً درست نہیں ہے، ایمان اور کفر، حق اور ناحق کا ایک ہی جگہ جمع ہونا اسی طرح ممتنع ہے جس طرح آگ اور پانی کا جمع ہونا،

(۳) دعوت کی عملی شہادت :۔ داعی کے لئے دعوت کی عملی شہادت پیش کرنا ناگزیر ہے ورنہ دعوت بے اثر ہو کر رہ جائے گی۔ یعنی وہ جیسا کچھ دوسروں کو کرنے کا حکم دیتا ہے، اسے چاہیئے کہ سب سے پہلے وہ خود اس پر عمل کر کے دکھا دے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ دعوت کی دو شکلیں ہیں ایک قولی دوسری عملی، اور قولی دعوت میں اس وقت تک کامیابی حاصل نہیں کی جا سکتی جب تک کہ اس کا عملی ثبوت نہ فراہم کیا جائے، اسی لئے قرآن نے جہاں داعی الی اللہ کی تعریف کی ہے وہاں عمل صالح کا بھی ذکر کیا ہے چنانچہ ارشاد ہے" اور اس شخص کی بات سے اچھی بات اور کس کی ہو گی جس نے اللہ کی طرف دعوت دی اور خود عمل صالح کیا اور یہ اعلان کر دیا کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں" (حم سجدہ ۳۳)

میدان دعوت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کے جہاں بہت سے دوسرے اسباب ہیں وہیں ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ آپ نے اپنی دعوت کا ایک ایسا عملی ثبوت دنیا کے سامنے پیش کیا جس کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ قاصر ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ دعوت کے باب میں اثر آفرینی اور سحر انگیزی کے اعتبار سے کردار کو ہمیشہ گفتار پر تقدم حاصل رہا ہے۔

(۴) صبر :۔ مشکل حالات میں ثبات و استقلال کا نام صبر ہے اور شریعت میں صبر کے تین مفہوم ہیں ۱۔ دین کی خاطر پیش آنے والے مصائب و شدائد میں ثابت قدم رہنا۔ ۲۔ دنیا کی دلفریبیوں اور شیطان کی دربائیوں کے باوجود پائے استقلال میں لغزش نہ ہونا۔ ۳۔ ذاتی میلانات، آبائی رسوم اور قومی تعصبات کو خاطر میں لائے بغیر شاہراہ ہدایت پر برقرار رہنا۔

ان میں سے پہلا مفہوم ہی صبر کا حقیقی مفہوم ہے اور اسی مفہوم میں "صبر" کا استعمال قرآن میں ہوا ہے آخر کے دو مفاہیم مفہوم اوّل کے لازمی تقاضے ہیں۔

دعوت دین میں صبر کو بہت اونچا مقام حاصل ہے، ہر نبی کو منصب نبوت سے سرفراز کرنے کے بعد خدا کی طرف سے جہاں بہت سی ہدایتیں ملیں وہیں ایک اہم ہدایت صبر کی بھی ملی۔ انبیائے سابقین کی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی صبر کی کافی تلقین کی گئی۔ دوسری ہی وحی میں آپ کو خدا کی طرف سے "ولربک فاصبر" (اور اپنے رب کی خاطر صبر کیجئے) (مدثر) کی ہدایت ملی۔ پھر جب آپ کی دعوت کے نتیجے میں بہت سے دوسرے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے، اور انھیں آلام و مصائب کا سامنا ہوا۔ تو ان کو بھی یہی تعلیم دی گئی کہ صبر سے مدد حاصل کرو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "اے وہ لوگو جو ایمان لائے صبر اور نماز سے مدد طلب کرو بیشک اللہ صابروں کے ساتھ ہیں" (بقرہ ۱۵۳)

ایک دوسرے مقام پر اسی مفہوم کو یوں بیان کیا گیا ہے "اے لوگو جو ایمان لائے ہو صبر سے کام لو اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین بھی کرتے رہو، حق کی خدمت کے لئے کمربستہ رہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ فلاح پاسکو" (آل عمران ۲۰۰)

آج بھی دین کا کام کرنے والوں کو چاہئے کہ صبر کا دامن کبھی اپنے ہاتھ سے نہ چھوڑیں اور اللہ کی اس بشارت کے مصداق بننے کی کوشش کریں۔ "بشارت ہو ان صابروں پر جو مصیبت آنے پر کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے لئے ہیں اور ہمیں اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے" (البقرہ)

یہ ہیں وہ چار اہم شرائط جو ایک داعی کی کامیابی میں اساس کی حیثیت رکھتے ہیں ان میں سے کسی بھی ایک شرط کے فقدان کی صورت میں کامیابی کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان شرائط کو مدنظر رکھتے ہوئے دعوت کے کام کو آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

بقیہ صفحہ ۹ کا

وقیود سے آزاد کردیتی ہیں اپنے مخالفین کے خلاف بھڑکاتی ہیں، ان سے ہنگامے کراتی ہیں تخریب کے کام لیتی ہیں لیکن آپ اس طرح کے کام نہ ان سے لے سکتے ہیں اور نہ آپ کو لینا چاہئے آپ کو ان کے ذہن و فکر کو بنانا ہوگا۔ ان کو نیکی اور تقویٰ کی راہ پر لگانا ہوگا اور انھیں اس مقام تک پہنچانا ہوگا کہ وہ نیکی اور تقویٰ کے علمبردار بن جائیں۔

آخری بات یہ کہ آپ کا مقصد دنیا کی کامیابی نہیں آخرت کی کامیابی۔ آپکی ساری کوششیں اسی لئے ہیں۔ اس مادہ پرست دور میں آخرت کا کوئی تصور نہیں ہے۔ آج کے نوجوانوں میں یہی تصور آپ کو پیدا کرنا ہے۔ بظاہر یہ بڑا مشکل کام ہے۔ لیکن انسان کے عزم کے سامنے کوئی مشکل مشکل نہیں رہتی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس میں کامیابی عطا فرمائے۔ ●●

بقیہ صفحہ ۳ کا

میں کوئی تحریر بھیجنے سے گھبرائے گا، دوسرے یہ کہ نوجوانوں میں مطالعہ و تحقیق کی بجائے ماری کی جگہ لفظی بازی گری اور فقرے بازی ہی کو سب کچھ سمجھ لیا گیا تو ان کے بعد کی نسل کا کیا حشر ہوگا۔

"رفیق کی ڈاک" اس سے زیادہ کی شاید متحمل نہ ہوسکے ورنہ میں مولانا آزاد کی ہمہ گیر شخصیت پر مزید کچھ اظہار خیال کرنے کا خواہشمند تھا کیونکہ میرا احساس یہ ہے کہ نئی نسل کے بیشتر نوجوان اولاً مولانا آزاد کے واقعی کارناموں سے عموماً بے خبر ہیں اور بعض تو اپنے کچے پکے تحریکی جذبات اور سطحی مطالعہ کی وجہ سے انہیں قابل اعتنا ہی نہیں سمجھتے۔ میں نے اسی لیے اپنے کسی خط میں آپ کو یہ مشورہ دیا تھا کہ ان دنوں کسی نہ کسی بہانے ہندوستان بھر میں مولانا کا اچھا خاصا غلغلہ ہے آپ ان پر بعض نئے اور پرانے اہل قلم کے مضامین حاصل کرکے سلسلہ وار کچھ دنوں تک شائع کرتے رہیں۔

ڈاکٹر احمد سجاد۔ رانچی

طنز سے پرہیز

رفیق منزل فروری ۸۸ء نظر سے گذرا۔ آپ کو یہ زیب نہیں دیتا کہ کسی کام کرنے والی جماعت پر تنزیہ نگاہ ڈالیں۔ بلکہ اپنا کوئی ایسا اقدام کریں جس سے مسلمان ایک پلیٹ فارم پر اکیجا ہوجائیں۔

یوں سمجھئے کہ چھوٹا بچہ اگر کسی کھلونے سے کھیل رہا ہے اس کھلونے کو لینے کے لئے اس سے بہتر کھلونا دینے کی ضرورت ہے۔ مگر اس سے آپ کی جماعت اب تک قاصر ہے۔

جہاں ایک غیر مسلم کو دعوت کی بات ہے تو یہ آپ کی کوتاہ نظری ہے ورنہ انگلینڈ اور امریکہ اس پر شاہد ہے۔

محمد ضیاء الحق القاسمی۔ چمپارن

مطبوعہ تخلیق

مارچ ۸۸ء کا "رفیق منزل" پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ شعری تخلیقات میں مجاز لاری صاحب کی غزل پڑھ کر مایوسی ہوئی۔ موصوف کی یہی غزل ایک سال قبل "مسافر" دھونی (ایڈیٹر عطا عابدی) کے شمارہ میں نظر سے گذر چکی ہے۔ پتہ نہیں، ایک ہی چیز کو کئی بار چھپوانے کی کیا مجبوری ہے؟ کیا ان کے پاس دوسری غیر مطبوعہ تخلیق نہیں تھی یا نئی تخلیق پر قادر نہیں ہیں؟ برائے کرم آئندہ مطبوعہ تخلیق چھاپنے سے پرہیز کریں۔

فائزہ خانم
حیدرآباد

امن کی تلاش

انجم پروین
گیا

امن کا لفظ سنتے ہی انسان کے ذہن میں ایک ایسے ماحول کا خیال پیدا ہوتا ہے جہاں نہ اختلاف ہو اور نہ ہی فتنہ و فساد۔ آج کے دور کے لئے یہ نہایت خوشنما لفظ ہے جس کا ہر شخص متمنّی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو بہت پُرلطف بنایا تھا لیکن آج لوگ اِسی دنیا سے بیزار ہو چکے ہیں۔ وہ ایک ایسی دنیا کے خواہشمند ہیں جو ہنگاموں اور شور و شرابے سے دُور ہو۔ جب بابا آدم اور بی بی حوّا اِس دنیا میں تشریف لائے اسوقت یہ دنیا بہت پرسکون تھی۔ نہ تو انسانوں کی وحشتناک چیخیں اور نہ ہی کل کارخانوں کے شور و غل سنائی پڑتے تھے۔ جیسے جیسے دنیا بڑھتی گئی ان کی ضرورتوں میں بھی اضافہ ہوتا گیا اور نت نئے ایجاد شروع ہوئے۔ ایک دور وہ بھی گذرا ہے جب انسان ننگے رہا کرتا تھا۔ پیڑوں کے پھل پھول کھاکر زندگی بسر کرتا تھا۔ اُس وقت اُسے نہ تو تن ڈھکنے کا شعور تھا اور نہ ہی خوفناک جانوروں کا ڈر۔ اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و کرم سے اسے اپنے ننگے پن کا احساس ہوا اور عزّت بچانے کی خاطر وہ شروع شروع میں درختوں کی پتوں سے اپنے جسم کو ڈھانکنے لگا پھر ترقی کرتے کرتے ایک دور وہ بھی آیا جب لوگ باقاعدہ لباس سے اپنے جسم پر پردہ ڈالتے۔ فطرت کا تقاضہ تو یہ تھا کہ تہذیب و تمدّن کا ارتقاء ہوتا مگر آج پھر انسان ننگے پن کو زیادہ ترجیح دینے لگا ہے۔ پہلے انسان کو خوف تھا بھیانک جانوروں سے، درندوں سے مگر آج ایک انسان دوسرے انسان سے خوف کھاتا ہے۔ پہلے یہ جانوروں کے گوشت کھاکر بھوک مٹایا کرتا تھا اب اپنی ہی ذات کے خون چوس کر بھوک مٹاتا ہے۔ آج انسان دولت و شہرت کی ہوس میں ہر وہ کام کرنے کو تیار ہے جسے شاید جانور بھی کرنا پسند نہ کرتے ہوں۔ یہ سچ ہے کہ انسان چاند پر پہنچ چکا ہے مگر ان کی تہذیب بہت نیچے جا چکی ہے۔ ہر جگہ بدامنی، لوٹ، مار، قتل و غارت گری، عریانیت، فحاشی عام ہے۔ بلکہ یہ کہنا بھی غلط نہ ہوگا کہ یہی چیزیں لوگوں کی وہ دولت بن چکی ہیں جس پر وہ فخر کرتے ہیں۔ شرم آتی ہے ان انسانوں کی عقل پر۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اشرف المخلوقات بنایا۔ یعنی اسی عقل و شعور کی بنا پر اس ذات کو اشرف قرار دیا لیکن یہ انسان جانوروں سے بدتر رول ادا کر رہا ہے اسے تو اس بات کا احساس بھی نہیں ہے کہ وہ کس طرح ظلم کی چکّی میں پس رہا ہے۔ نہ تو وہ ان مظالم کے خلاف احتجاج کرتا ہے اور نہ ہی ان بُرائیوں کو مٹانے کی کوشش۔ بعض لوگ جو شور و ہنگامے سے گھبراتے ہیں، جن کی آنکھیں موجودہ حالات کو دیکھنا برداشت نہیں کرتیں وہ Front پر آنا ہی نہیں چاہتے اور کسی کونے میں یا پھر امن کی جگہ تلاش کرکے چھپ بیٹھتے ہیں۔ یہ انسان کی فطرت کے خلاف ہے کہ وہ خود کو تو بچالے مگر دوسروں کو ڈوبنے کے لئے چھوڑ دے۔ ایسی نازیبا حرکت تو ایک جانور بھی نہیں کرتا۔ بات حالات کے مذمت کرنے سے ختم نہیں ہوتی بلکہ اگر انسان واقعی سُکون اور امن کا متلاشی ہے تو اسے پوری تندہی کے ساتھ مشکلات کا سامنا کرکے برائیوں کو مٹانے اور نیکی کو فروغ دینے کی کوشش کرتا ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم بھی ہے اور موجودہ وقت کی پُکار بھی۔

کوئی ایک چیز دنیا میں بدامنی پھیلنے کی وجہ نہیں ہے۔ بہت ساری چھوٹی چھوٹی برائیوں نے مل کر دنیا کے امن و چین کو ختم کر رکھا ہے۔ اس کی ایک وجہ حُبّ مال بھی ہے۔ مال و دولت کی ہوس نے انسان کو اندھا کر دیا ہے۔ مال کی محبت کے آگے انسان کی جان کی محبت بھی ہیچ ہے۔ سماج میں غریبوں کی عزت و قدر ملیامیٹ ہوکر رہ جاتی ہے۔ جس کسی کے پاس دولت ہو وہی عزت و مرتبہ پاتا ہے۔ آج ہمارے ملک میں نوّے فی صد لوگ ایسے ہیں جو ناجائز کمائی سے ہر جگہ دھاک جمائے ہوئے ہیں۔ اب ہر کوئی اس تاک میں ہے کہ وہ بھی زیادہ سے زیادہ پیسہ کما سکے۔ اِسی پیسہ کی وجہ سے جائز اور ناجائز کا شعور بھی ختم ہو جاتا ہے۔ ایک بھائی دوسرے بھائی کو، بیٹا باپ کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔ آج ہر فرد کا سکون درہم برہم ہو چکا ہے۔ صرف مشرق میں ہی نہیں مغرب جو نہایت ترقی یافتہ کہلاتا ہے وہاں بھی لوگ امن و سکون کے متلاشی ہیں۔

یہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے فرق صرف یہ ہے کہ فتنہ و فساد پہلے کبھی انفرادی مسائل تھے مگر اب یہ قومی اور بین الاقوامی مسائل بن چکے ہیں۔ دنیا کو فتنہ و فساد اور جنگ سے محفوظ رکھنے کے لئے پہلی جنگ عظیم کے بعد League of Nations کا قیام عمل میں آیا۔ مگر پھر بھی اس کے نتائج خاطر خواہ نہ ہوئے۔ اور دوسری جنگ عظیم

نہ پیش آیا جس میں کروڑوں انسان موت کی نیند سلا دیئے
جس کے بعد UNO کا قیام عمل میں آیا۔ مگر اس سے جس قدر
ا ہونا چاہیئے وہ نہ ہوسکا۔ جن ممالک کے پاس Vito Power
وہ ایک خموش تماشائی کی حیثیت سے جنگ و جدل کو دیکھتے
ہیں۔ اگر واقعی یہ Organisation بہت active ہے تو کشمیر
مسئلہ حل کیوں نہیں ہوتا؟ اسرائیل، ایران اور عراق کی جنگ ختم
ں نہیں ہوتی؟ ہر جگہ خون کی ندیاں بہہ رہی ہیں مگر اس کا حل
نظر نہیں آتا۔ روس اور امریکہ آگ کو بجھانے کی نہیں بھڑکانے
کی کوشش کرتے ہیں۔ UNO کی ہی بات نہیں بلکہ کوئی بھی
وہ جب گمراہ قوم کے زیر سرپرستی ہو تو وہ نیست و نابود ہوکر
ا ہے۔ اس امر سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ اسلام سے
بہتر دنیا میں نہ کوئی تنظیم ہے نہ ادارہ۔ یہ ایک طرف امن و
سلامتی کا گہوارہ ہے تو دوسری جانب نجات کا واحد راستہ بھی۔
اسلام کے قوانین انسان کے بنائے ہوئے نہیں ہیں جس میں
ذرہ برابر بھی کھوٹ کا شبہ ہو۔ اس کا بنانے والا تو اللہ
رب العالمین ہے۔ ابھی بھی وقت ختم نہیں ہوا ہے۔ ہر فرد اب
بھی اگر ان قوانین کو اپنی زندگی میں نافذ کرے اور اسی اسلامی
اصول کے تحت اپنی زندگی گذارنے کا عہد کرے تو یہ دنیا سکون
سلامتی کا گہوارہ بن سکتی ہے۔

آج امن و شانتی کی ضرورت اس بات کے لئے بھی ہے کہ اس
کے بغیر نہ تو فرد کا ارتقاء ہی ممکن ہے اور نہ سماج کی ترقی۔ پُرسکون
ماحول میں ہی کوئی شخص کسی بات پر فخر کرسکتا ہے۔ اور سب سے
بڑی ضرورت تو یہ ہے کہ آج کے جدید دور میں انسان نے اپنے پیدا
کرنے والے خالق کو اور ساتھ میں خود اپنی حیثیت کو بھلا دیا ہے۔
ان ہنگاموں اور شور و شرابے سے فرصت ہی نہیں ملتی کہ وہ
خدائے واحد کی پسند اور ناپسند کا خیال رکھ سکیں۔ اور اس دوسری
زندگی کو تو سرے سے بھول چکے ہیں۔ خدا کا وعدہ جھوٹا نہیں ہوتا۔
تمام مُردے دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اور پھر تمام افعال کے جوابدہ
ہوں گے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ انصاف کے ساتھ ہر ایک کا فیصلہ
صادر کردے گا۔ جو لوگ عذاب کے مستحق ہوں گے انھیں آگ سے
کوئی نہ بچا سکے گا اور نہ ہی جنت میں جانے والوں سے ان کے
عیش و آرام ہی چھین سکے گا۔ وہاں نہ امیر و غریب میں امتیاز کیا
جائے گا اور نہ ہی ذات پات کی بنا پر درجات ملیں گے۔ صرف
ان کے اعمال کی بنا پر درجات مرتب کئے جائیں گے۔ لہٰذا ہمیں جو
مہلت دی گئی ہے اس میں دنیا سے زیادہ دین کو ترجیح دینا ہی
مناسب ہوگا۔ جب دین کو بلند کرنے کی کوشش کی جائے گی تو دنیا
خود بخود سنور جائے گی۔ ہر جگہ کے حالات خوشگوار ہو جائیں گے۔

زندگی تو حرکت ہی کا نام ہے۔ تو پھر کیوں نہ کچھ ایسا کام کیا جائے
جس سے خدا بھی خوش ہو اور دنیا میں بھی ترقی ہو۔ اس میں کوئی شک
نہیں کہ ہر فرد اس ہنگامے سے پریشان ہے۔ اس کے پاس قوت بھی
ہے صلاحیت بھی مگر وہ اس کی کوشش ہی نہیں کرتا ہے کہ ان موجودہ
حالات پر قابو پایا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم مسلمانوں پر یہ ذمہ داریاں
عائد کی ہیں کہ ہم برائیوں کو مٹائیں اور نیکی کو فروغ دیں۔ جو لوگ ایسا
نہیں کرتے نہ تو وہ خود محفوظ ہیں اور نہ ہی ان کا معاشرہ۔ بلکہ سچ
یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے بھی بازپرس کرے گا جو خود تو نیکی کرتے
رہے مگر دوسروں کو نیکی کی تلقین نہیں کرتے۔ ہر فرد کو چاہیئے کہ وہ
معاشرہ میں پھیلی برائیوں کو ختم کرنے کی حد درجہ کوشش کریں۔ وہ
اپنی قوت و صلاحیت سب کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرے۔ یقیناً ویسے
ہی لوگ آخرت اور دنیا دونوں میں فلاح پانے والے ہیں۔ اور
ایسے ہی لوگوں کو سچی خوشی حاصل ہوسکتی ہے۔ غرض کہ اگر اسلامی
قوانین کو ہر فرد اپنی زندگی میں نافذ کرلے تو یہ دنیا امن و سلامتی
کا گہوارہ بن سکتی ہے۔ ●●



ناصحہ حسین
چاندپور، بجنور

اس میں کوئی شک نہیں کہ جہاں ہمارے ملک نے آزادی
کے بعد نمایاں ترقی کی ہے۔ مگر ان تمام ترقیوں کے باوجود ہمارا ملک
بدامنی کو ختم نہیں کرسکا ایسا لگتا ہے کہ جیسے ہمارے ملک سے سکون نام کی
چیز اٹھ چکی ہے ہم دیکھتے ہیں کہ انسانوں کے اندر فتنہ و فساد کا سیلاب
پھوٹ پڑا ہے ہولناک تباہی کی طرف ہمارا ملک بڑھ رہا ہے یہ سب
اس لیے ہے کہ ہمارے اندر سے انسانیت نکلتی چلی جا رہی ہے ہم قوموں
میں مٹ رہے ہیں کہیں فرقوں میں بٹ رہے ہیں۔ پنجاب کی بدامنی
گورکھا لینڈ تحریک اس کی مثالیں ہیں۔ انسانی دنیا درندوں کا اکھاڑا
بن گئی۔ عوام ہوں یا خواص ان کی انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی زندگی
اس میں فکر و اعتقاد کی گمراہی عام ہے نیکی و شرافت مفقود ہے یا
خاندانی نظام کا شیرازہ بکھر گیا ہے معاشرتی عدم توازن برپا ہے
معاشی بحران عام ہے سیاسی کشمکش شباب پر ہے اخلاقی انحطاط
صنفی آوارگی عریانی و بے حیائی انسانیت کا مذاق اڑا رہی ہے غرض
یہ کہ اس تمدنی دور میں فتنہ و فساد کی جتنی صدائیں ممکن ہوسکتی ہیں
وہ امن و سکون کو ختم کرنے میں پوری طرح مگن ہیں اب سوال
یہ پیدا ہوتا ہے کہ امن کیسے قائم کیا جائے۔
اس کے حل کے طور پر کسی نے معاشی عدم توازن کو سبب فساد

قرار دے کر کمیونزم کو پیش کیا اور کوئی سرمایہ دارانہ جمہوریت کو حل قرار دیتا ہے لیکن تاریخ شاہد ہے کہ ان میں سے کوئی بھی موجودہ مسائل کا حل نہیں ہے بلکہ ہر ایک بجائے خود اس پریشانی کا سبب ہے لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ دنیا کی قیادت جن کے ہاتھوں میں ہے جو امن کے ضامن بنے بیٹھے ہیں ان سب کے دل و دماغ ماؤف اور فکر و عقل معطل ہو چکے ہیں وہ سوچ تک نہیں سکتے کہ واقعتاً اسباب فساد کیا ہیں اور ان کا واحد حل کیا ہو سکتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ان مسائل کا کوئی متوازن اور صحیح حل ہے ہی نہیں۔ دنیا میں کوئی مسئلہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا جس کا کوئی حل نہ ہو۔ میرے خیال میں ان سارے مسائل کا حل صرف اسلام ہے اور ملک امن و شانتی کا گہوارہ صرف اسی وقت بن سکتا ہے جب کہ انسانیت اسلام کے اصولوں کے مطابق اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کی تعمیر کرے۔ میرا خیال محض اسی وجہ سے نہیں ہے کہ میں مسلمان ہوں اور یہ میرے ایمان کا لازمی تقاضہ ہے بلکہ میں عقل و تاریخی شواہد کی روشنی میں کہتا ہوں کہ اسلام کے سوا جو حل بھی ابھی تک پیش کئے جا چکے ہیں یا کبھی پیش کئے جائیں گے وہ سب بجائے خود بگاڑ کا باعث ہیں اور ہوں گے۔

انسان ایک متمدن ہستی ہے وہ پیدائش سے لے کر موت تک بے شمار تعلقات میں جکڑا ہوا ہے ظاہر ہے کہ ان تعلقات کو ٹھیک طور پر قائم رکھنے کے لئے ایک ایسے ضابطہ حیات کی ضرورت ہے جو انتہائی فطری اصول اپنے اندر رکھتا ہو جس میں ہر ہر فرد کے لئے صلاحیتوں کے اعتبار سے ترقی کے راستے کھلے ہوں اور جو ہر فرد ہر گروہ ہر قوم کے حقوق عام انسانی بنیادوں پر متعین کرتا ہو جس میں امیر غریب کا کوئی امتیاز نہ ہو۔ اونچ نیچ نہ ہو۔ سب کو خالص انسانی برادری میں قرار دیتا ہو اور جو ملک کی قیادت اور رہنمائی انھی لوگوں کے ہاتھ دیتا ہو جو اس نظام زندگی کے مطابق انفرادی و اجتماعی کردار کے نمونے اور اخلاقی پاکیزگی کے پیکر ہوں تاریخ شاہد ہے کہ آج تک کسی بڑے سے بڑے مفکر مورخ اور انسانیت کے کسی ذہین ترین گروہ نے کسی دور میں اس بات کا دعویٰ نہیں کیا کہ وہ ایک ایسا ہی نظام زندگی بنانے میں کامیاب ہوا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اشتراکیت اور سرمایہ دارانہ جمہوریت کی طرح ایسے بہت سے غیر متوازی نظام دنیا کے سامنے ضرور پیش کئے گئے ہیں۔ کسی میں اگر معاشی حل کسی قدر قابل ستائش ہے تو دین و اخلاق خدا اور مذہب کا دیوالہ نکال دیا گیا ہے اور انفرادی آزادی بالکلیہ سلب کر لی گئی ہے حتیٰ کہ انسان محض حیوان تصور کر کے دو وقت کے چارہ کے بدلے میں اس کی عقل و صلاحیت کو مال و دولت کو آزادئ رائے و عمل کو اور بیوی بچوں تک کو قومیا لیا گیا شریف اور نیک انسان جنگلوں میں روانہ کر دیئے گئے اور دنیا کو شیاطین کے ننگے ناچ کے لئے خالی چھوڑ دیا غرض یہ کہ آج تک دنیائے انسانیت ایسا متوازن نظام زندگی بنا ہی نہ سکی اور نہ یہ اس کے بس کی بات ہے۔

میں یہاں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اسلام سے مراد وہ اسلام نہیں جس کا مظاہرہ عرصہ دراز سے مسلمان اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی میں کرتے رہے ہیں وہ اسلام نہیں جو مسلمان قوم کی میراث بن چکا ہے اور جیسے دیگر مذاہب کی طرح محض پوجا پاٹ اور مخصوص رسم و رواج کا مذہب بنا دیا گیا ہے وہ اسلام بھی نہیں جس میں قوم پرستی وطن پرستی یا زر پرستی اور پیٹ پرستی کی گنجائش نکالی جاتی ہو اور وہ اسلام بھی نہیں جس کے خدا کو مسجد اور خانقاہ میں مقید کر دیا گیا ہے اور جس کو اس بات کا حق نہیں دیا گیا کہ وہ اجتماعی مسائل انسانیت میں مداخلت کرے بلکہ ہماری مراد اس اسلام سے ہے جو قرآن و سنت میں محفوظ ہے۔ چنانچہ قرآن میں ارشاد ہے:

آج کے دین ہم نے تمہارے دین کو کامل کر دیا۔ تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور اسلام کو تمہارے لئے دین کی حیثیت سے پسند فرمایا۔

یہ بات بظاہر بڑی عجیب و غریب معلوم ہوتی ہے کہ دنیا کے بہترین نظام اشتراکیت اور جمہوریت تو مسائل حاضرہ کو حل نہ کر سکے لیکن اسلام اتنا قدیم ہونے کے باوجود فتنہ و فساد کو امن و شانتی میں کیسے تبدیل کر دے گا لیکن ایک واقعی حقیقت ہے۔ اسلام کے نقطہ نظر سے اللہ چونکہ ساری دنیا کا خالق اور رب ہے اس سے اس بات کا ہرگز اندیشہ نہیں ہو سکتا کہ وہ اقتدار پانے کے بعد ظالم و جابر بن جائے گا۔ کیونکہ اس کو اقتدار کی ہوس نہیں بلکہ اس کی حاکمیت پہلے ہی سے تکوینی طور پر ساری دنیا پر چھائی ہوئی ہے پس اللہ ہی کی ذات کو مقتدر اعلیٰ تسلیم کر لیا جائے تو ہمارے ملک پر ہی نہیں ساری دنیا میں امن و شانتی قائم ہو سکتی ہے یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ اللہ خود ہی انسان کے روپ میں اقتدار کے منصب پر فائز نہیں ہو جائے گا بلکہ اس ذمہ داری کو انسان ہی سنبھالیں گے یہ وہ انسان ہوں گے جن میں خدا سے محبت ہو وہ خدا سے ڈرنے والے ہوں۔ خدا کے احکام پر چلنے والے ہوں۔ صالحیت کے ساتھ انتظام دنیا کی صلاحیت بھی اپنے اندر رکھتے ہوں اور جو خدا کے سامنے جواب دہی کا اتنا شدید احساس رکھتے ہوں کہ اس کی مرضی کے خلاف کام کرنے کے خیال سے گھبرا اٹھتے ہوں بس ایسے لوگ ہی امن و شانتی لا سکتے ہیں کیوں کہ یہ ساری چیزیں ہی آپس میں بھائی چارگی کو پیدا کرتی ہیں پھر آپس میں تعاون و اتحاد پیدا ہو جائے گا۔ یہ سارے انسان خواہ کہیں رہتے بستے ہوں

ئی زبان بولتے ہوں کسی بھی نسل یا قوم سے تعلق رکھتے ہوں ایک ماں اور باپ کی اولاد ہیں سب کا ایک ہی خالق اور ایک ہی حاکم ہے سب اسی ایک کی رعیت اور بندے ہیں۔ اس مالک کو قومی و ملی تفریقیں ناپسند ہیں کہ اس سے انسانی معاشرت کا شیرازہ بکھر جاتا ہے البتہ نیک اور بد کا امتیاز ہو سکتا ہے لیکن وہ بھی صرف اس لئے کہ نیکی منظم ہو کر بدی کی طاقت پر غالب ہو جائے تاکہ سارے انسان نیک بن جائیں۔ وحدت انسانیت کا یہ اصول کہ زمین کا مالک اللہ ہے سارے انسان اس کی مخلوق ہیں ساری زمین انسانوں کا مشترک وطن ہے اگر بنیادی طور پر ہر انسان قبول کر لے تو تمام جنگوں اور تمام فسادوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔

اسلام کے یہ اصول جو وحدت اقتدار، وحدت انسانیت وحدت نظام زندگی وحدت مقصد پر مشتمل ہیں معاشرہ کی تعمیر جدید کر سکتے ہیں اور سارے مسائل زندگی حل کر سکتے ہیں جس کے نتیجہ میں دنیائے انسانیت میں بھی ویسا ہی امن و سکون پایا جا سکتا ہے جیسا کہ کائنات کے نظام میں ہے۔ میں نے موجودہ مسائل کا جو اسلامی حل آپ کے سامنے رکھا ہے وہ کوئی محض نظریہ، خیالی قلعہ نہیں ہے بلکہ ایک تاریخی حقیقت ہے آپ اگر آج سے چودہ سو نو برس پہلے کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ اس وقت بھی تمام دنیا اور بالخصوص ملک عرب میں آج ہی کی طرح تمدنی معاشی اور سیاسی مسائل حل طلب تھے۔ اس وقت بھی اخلاقی آوارگی تھی۔ صنفی انتشار تھا قبیلے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے اور برسوں ایک دوسرے کا انتقام لیا جاتا تھا یہودیوں کی سود خواری اور سرمایہ داری نے ملک کو معاشی بحران میں مبتلا کر دیا تھا یہ دوسری بات ہے کہ کیفیت میں فرق ضرور ہے کہ آج یہی مسائل بہت وسیع پیمانہ پر پیدا ہو گئے ہیں لیکن حقیقت اور نوعیت میں کوئی فرق نہیں ہے تاریخ شاہد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جوں ہی اس معاشرہ کی تعمیر مذکورہ اصولوں پر کی تو چند سال کی مدت میں ایک ایسا صالح ترین معاشرہ وجود میں آگیا کہ وہی عرب جو بداخلاق تھے دنیا والوں کو اخلاق کا درس دینے لگے وہ جو نسل پرستی کی وجہ سے سیاسی طور پر منتشر اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے ان میں عدیم المثال سیاسی اتحاد عمل میں آیا اور باہمی منافرت اور دشمنی ہمدردی اور دوستی میں تبدیل ہو گئی وہ اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ ان کی بہترین تربیت کرنے لگے۔ وہ جو رہن سہن کے اصولوں سے ناواقف تھے دنیا کو معاشرت کے طور طریقے سکھانے لگے وہ جو معیشت کے میدان میں سود، بٹہ، لوٹ کھسوٹ اور زاید نفع اندوزی کی لعنتوں میں گرفتار تھے انتہائی دیانتدار تاجروں میں تبدیل ہو گئے یہاں تک کہ عملی زندگی میں ایسی عظیم الشان تبدیلی ہو گئی کہ فقر و فاقہ سے نکل کر تخت حکومت پر جا بیٹھے تو نشہ اقتدار سے بدمست نہ ہوئے۔ لاکھوں انسانوں کی جانوں کے مالک بنے لیکن ہمیشہ اپنے آپ کو ان کا خادم سمجھا وہ جب فاقہ کرتے کرتے روم و ایران کی سلطنتوں کے وارث ہو گئے تب بھی دولت و اقتدار کی ہوس ان کے دلوں میں گھر نہ کر سکی لاکھوں کروڑوں کی دولت ان کے ہاتھوں میں آنے لگی قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کے خزانوں سے حکومت اسلامی کا بیت المال بھرپور تھا لیکن انھوں نے اس میں ایک پائی کی خیانت نہ کی بلکہ ضرورت ہی کے مطابق اپنے لئے لیا۔ اور باقی عوام و مستحقین کی فلاح و بہبود کے کاموں میں صرف کرتے رہے وہ انصاف کی کرسیوں پر بیٹھے تو خلیفۂ وقت کے مقابلہ میں بھی عوام کے حق میں انصاف کی بنیاد پر فیصلے کیے وہ فوجوں کے کمانڈر بنے لیکن طاقت کے نشہ میں بدمست ہو کر طاقت کا غلط استعمال نہ کیا۔ انہوں نے بین الاقوامی سیاست کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لی لیکن دیانت ایمانداری ایفائے عہد کو ہر قیمت پر اختیار کیا غرض یہ کہ انہی بنیادوں پر ایک معاشرہ وجود میں آچکا تھا جس میں امن و شانتی ہی کا دور دورہ رہا اور جہاں تک اس کے اثرات پہنچتے رہے سکون پایا گیا اس حقیقت کی شہادت صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ دنیا کے سنجیدہ اور صائب الرائے غیر مسلم تک دیتے ہیں۔ بہرحال کوئی تسلیم کرے یا نہ کرے سورج سورج ہی ہے اور اس سے روشنی ہی کا صدور ہو سکتا ہے تاریکی کا ظہور ممکن نہیں، آج بھی اگر انہیں بنیادوں پر معاشرہ کی تعمیر نو کی کوشش کی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ پھر دنیا امن و چین کا گہوارہ نہ بن جائے۔ ہم کو جس طرح کل سورج کے نکلنے کا یقین ہے اس سے کہیں زیادہ اس بات کا یقین ہے کہ اسلام کے پیش کردہ اصولوں کے بغیر دنیا ہمیشہ عالمگیر فساد کا گھر بنی رہے گی۔ جہاں امن قطعی مفقود ہوگا۔

●●

اہل علم اظہار خیال فرمائیں۔

پروفیسر اسرار احمد

رمضان المبارک کا مہینہ ہے شام کا وقت ہے۔ سورج کو غروب ہوتے دیکھنا محال ہے لیکن یہ کوئی پریشانی یا الجھن کی بات نہیں۔ گھر میں لگے ہوئے افطار و سحر کے جدول سے افطار کا وقت معلوم کیا اور گھڑی دیکھ کر وقت پر بلا کسی پس و پیش کے افطار کر لیا ــ سوچنے کی بات ہے،

* سحر و افطار کے اوقات کا جدول، فلکیات کے جس علم کی بنیاد پر تیار کیا جاتا ہے اسی علم کی بنیاد پر جب یہ کہا جاتا ہے کہ عید کا چاند فلاں روز طلوع ہوگا تو ہم اس بات کا یقین کیوں نہیں کرتے ؟

* جس ریڈیو یا ٹی وی پر اعلان کیے گئے وقت سے ہم اپنی گھڑیوں کو ملاتے ہیں تاکہ صحیح وقت پر سحر و افطار کر سکیں جب اسی پر کسی عالم کے اعلان کی بنیاد پر عید کا چاند ہونے کی خبر دی جاتی ہے تو ہمیں اسے صحیح مان لینے میں تامل کیوں ہوتا ہے ؟ ہمارے اپنے تضادات کی وجہ سے ہر سال رویت ہلال کا جھگڑا کھڑا ہوتا ہے۔ کاش ہم اللہ کی دی ہوئی عقل سے کام لینا سیکھتے ! ــ (تہذیب الاخلاق)

کرناٹک میں انجینئرنگ اور میڈیکل تعلیم کی سہولیات

سید تنویر احمد

ریاست کرناٹک میں انجینئرنگ اور میڈیکل کالجس بڑی تعداد میں قائم ہیں جس کی وجہ سے ملک کے مختلف علاقوں کے طلبہ کی توجہ کرناٹک میں کل ایک اعداد و شمار کے مطابق ۴۱ انجینئرنگ کالجس ہیں ان میں سرکاری ۴، AIDED ۸، UNAIDED ۲۵ اور ۴ اقلیتی اداروں کے تحت۔ اور ۱۵ میڈیکل کالجس قائم ہیں جن میں ۴ سرکاری اور ۱۱ خانگی۔ اِن میں ایک مسلم اقلیت کے لیے الامین میڈیکل کالج بھی شامل ہے۔ جس کا کالج بیجاپور میں واقع ہے لیکن داخلے بنگلور میں ہوا کرتے ہیں۔

دونوں تعلیم کے لیے حکومتی کالجس کے علاوہ تمام کالجس میں ڈونیشن کے ذریعہ داخلہ لیا جاتا ہے۔ اقلیتی اداروں کے تحت قائم شدہ کالجس میں اقلیتوں کو اولیت دی جاتی ہے۔

دونوں کالجس میں داخلوں کا آغاز مئی کے پہلے ہفتہ سے شروع ہوجاتا ہے کسی بھی کالج میں ڈونیشن کے ذریعہ داخلہ حاصل کرنے کے لیے حسب ذیل شرائط لازمی ہیں۔

(۱) امیدوار ۲ + ۱۰ کا امتحان پاس ہو۔

(۲) انجینئرنگ کے لیے امیدوار لازماً طبعیات، کیمیا، ریاضی اور میڈیکل کے لیے طبعیات، کیمیا، اور بیالوجی مضامین کے امتحانات دیئے ہو اور ان میں کم سے کم ۵۰٪ نمبرات حاصل کئے ہو۔

(۳) وہ ہندوستان یا بیرونِ ہندوستان کے ان کالجس میں تعلیم حاصل کئے ہو جسے یہاں کی ریاستی یونیورسٹیاں تسلیم کرتی ہوں

جو طلباء مندرجہ بالا شرائط کو پورے کرتے ہیں وہ کالجس کے پرنسپل / ایڈمنیسٹریٹرس سے خط و کتابت فرمائیں۔ ذیل میں کالجس ان میں پڑھائے جانے والے مضامین کے کوڈ اور کالجس کے پتہ درج ہیں۔

: CODE OF SUBJECTS :

A	Architecture	F	Computer science	L	Mechanical	T	Metallurgy
B	Automobile	G	Electrical	I	Textile	V	Civil Environmental Engg.
C	Ceramic & Cement Technology			H	Electronics	X	Polymer Tech.
P	Transportation	U	Chemical	J	Industrial & Production	W	Information Technology.
D	Chemical	K	Instrumentation	Q	Mining	R	Telecommunication Engg.
E	Civil						

LIST OF COLLEGES

Name of the College.	Place.	List of Valid College-Subject Codes.
	AIDED ENGINEERING COLLEGE.	
BMS Engineering College	Bangalore	A E F G H . L P P W
Basveswara Engg. College	Bagalkot. Dist. Bijapur.	B E F G I J K L
[illegible] Engg. College	Gulbarga	A B C E F G J K L
[illegible]land Engg. College.	Hassan	A B E F G H J K L
[illegible]V Engg. College	Hubli	A B E F G J K L
PES Engg. College	Mandya	B E F G H J L V
JCE Engg. College	Mysore	E F G H J K L V I
NIE Engg. College	Mysore	E F G H J L V
	UNAIDED ENGINEERING COLLEGES	
R[illegible] Engg. College	Bangalore	D E F G I J K L V
[illegible]SR Inst. of Technology	Bangalore	D E F G H J K
Dayan[illegible] Engg. College.	Bangalore	D E F G J K L
B[illegible]lore, Inst. of Tech.	Banglore	E F G H J K L
Dr. Ambedker Inst. Tech.	Banglore	E F G J K L
Sir. [illegible]V Engg. College	Bangalore	E G L

LIST OF COLLEGES

Name of the College.	Place.	List of Valid College-Subject Codes.
	UNAIDED ENGINEERING COLLEGES.	
KLE Engg. College.	Belgaum	E F G H L
KLS Engg. College.	Belgaum	E F G H J L
Vijaynagar Engg. College.	Bellary	B E G H J L
Rural Engg. College.	Bhalki.Dist. Bidar.	E F H L
BLDES Engg. College	Bijapur	E F G H J K L
SJC Inst. of Tech.	Chickballapur Dist. Kolhar.	E F H L
Adichunchangiri Tech. Inst.	Chikmagalur	E F G H J L
SJM Engg. College	Chitradurga	B E F G H J L
Bapuji Inst. of Tech.	Davangere Dist. Chitraduga	E F G H J L N
RTE Engg. Colleges.	Hulkoti Dist. Dharwand.	B D E H J L N
GVE Trust Engg. College	KGE Dist. Kolar	G L Q
NMAMIT Engg. College.	Nitte	E F G H K L
HKES Engg. College.	Raichur	E H L N
STJ Engg. College.	Ranebennur Dist. Dharward.	E G L
NES Engg. College.	Shimoga	E G H L
ALE Society Engg. College.	Sullia Dist. Mangalore	E H L
Kalpatharu Inst. of Tech.	Tiptur Dist. Tumkur	F H K
Sri Siddaganga Inst. Tech	Tumkur	D E F G H J K L
Siddartha Inst. of Tech.	Tumkur.	E F G H J L
	MINORITIES/COLLEGES.	
Islamia Inst. Tech.	Bannaggatta Road, Bangalore.	
Ghousia Engg. College.	Ramnagram, Bangalore.	
GND Engg. College.	BIDAR.	
Anjuman Engg. College.	Bhatkal Dist. Karwar.	

LIST OF MEDICAL COLLEGES.

Dr. Ambedkar Medical College.	*Bangalore.*
Kempegowda Inst. of Medical Sciences	Bangalore.
MS Ramaiah Medical College.	Bangalore.
JN Medical College.	Belgaum.
Adichunchangiri Inst. of Med. Sc.	Bellur. Dist. Hassan
AL-Ameen Medical College.	Bijapur.
JJM Medical College.	Davangere, Dist. Chitradurga.
MR Medical College.	Gulbarga.
Devaraj Urs Medical College.	Kolar.
Kasturba Medical College.	Mangalore.
JSS Medical College.	Mysore.

بہار

بھر کنڈہ :۔ گزشتہ دنوں بھر کنڈہ (ہزاری باغ) مقامی یونٹ کی جانب سے اسلامک لائبریری کا افتتاح عمل میں آیا۔ اس موقع پر مہمان خصوصی جناب شمیم احمد صاحب (ڈائریکٹر المجلس التعلیمی۔ الاسلامی بہار) نے لائبریری کا افتتاح کرتے ہوئے طلباء اور نوجوانوں کو اس کام کے لیے مبارک باد دی۔ برادر قدرت اللہ نے لائبریری ہذا کا تعارف کرایا۔

دربھنگہ :۔ دربھنگہ یونٹ کا ماہانہ تربیتی اجتماع ۲۵، ۲۶ مارچ کو ہوا، اس موقع پر درس قرآن و احادیث، منی لکچرس کے پروگرام ہوئے۔ "نبی بحیثیت قائد" کے عنوان سے ایک گفتگو پیش کیا گیا۔ ملی مسائل کے تحت گروپ ڈسکشن ہوا۔ "راہِ حق کے مہلک خطرے" کا حاصل مطالعہ پیش کیا گیا اور "تاریخ کے دریچے سے" عنوان کے تحت صحابہ و صحابیات کے چند واقعات پیش کیے گئے۔

مغربی بنگال

گزشتہ ۱۳ مارچ کو Z.A.C کی ایک میٹنگ ہوئی جس میں درج ذیل فیصلے کیے گئے۔

- ۱۶ تا ۲۲ جون حلقہ کی سطح پر ہفتہ صلوٰۃ منایا جائے گا۔
- صدور، مقامی ممبرس اور امیدوار ممبر کے لیے ضلعی سطح پر تربیتی کیمپ لگائے جائیں گے۔
- ۱۷ اپریل تا ۱ مئی تربیتی پکھواڑہ منایا جائے گا۔

حلقہ مغربی بنگال کے Z.A.C کے دو نئے ممبران کا انتخاب عمل میں آیا ہے۔ ان کے نام ہیں۔

۱۔ برادر صداقت علی، ہوڑہ

۲۔ برادر شمیم عالم، کلکتہ

جگت دل :۔ ۱۰ اپریل کو جگت دل یونٹ کا ماہانہ تربیتی اجتماع ہوا۔ اس موقع پر برادر شمیم احمد نے اپنی تقریر میں کہا کہ معاشرے میں موجود برائیوں کا مقابلہ ہم اسی وقت کر سکیں گے جب ہم خود ان برائیوں سے دور رہیں۔ اس اجتماع میں درس قرآن و حدیث، تقاریر کے پروگرام ہوئے۔ حاجی نگر اور گکنار بگان کے رفقاء بھی اس اجتماع میں شریک تھے۔

یو۔ پی

علی گڑھ :۔ ایس۔ آئی۔ او علی گڑھ کا ماہانہ تربیتی اجتماع ۳۱ مارچ و یکم اپریل ۱۹۸۸ء کو بلند شہر میں ہوا۔ اس اجتماع کی خاص بات یہ بھی تھی کہ بلند شہر کی جماعت کا ضلعی اجتماع بھی انھیں اوقات میں ہو رہا تھا دو پروگرام ساتھ ہوئے۔ ایک افتتاحی نشست جس میں ناظم ضلع بلند شہر اور صدر یونٹ اے۔ ایم۔ یو نے کارکنان تحریک کے لیے اللہ کی یاد کی اہمیت واضح کی اور اپنی تربیت میں اللہ کے ذکر سے مدد لینے کی ضرورت پر زور دیا۔ دوسرا پروگرام اجتماعی مطالعہ قرآن کا تھا۔ اس اجتماع میں ایک اہم تقریر "نماز کا معیار مطلوب" بھی تھی جس میں برادر ابو طارق نے نماز کے سلسلہ میں ضروری اور مطلوبہ باتیں بتائیں۔

اسلامی کوئز، مختصر تقاریر، اور عالم اسلام کی خبروں کے پروگرام بھی اس اجتماع میں ہوئے

اس کے علاوہ ایک مذاکرہ "فرد کے ارتقاء کے لیے اجتماعیت ناگزیر ہے" کے موضوع پر ہوا اور روزے کے متعلق احادیث کا درس برادر آفتاب عالم آروی نے دیا۔

تازہ یاد کی ہوئی سورہ اور حدیث نیز دعاؤں کے سننے کے پروگرام بھی ہوئے۔ شب میں آداب نوم سے متعلق ایک تذکیری گفتگو برادر صباح الدین فلاحی نے کی۔ فجر کے بعد برادر تنویر الٰہی نے درس قرآن دیا۔

جمعہ کی نماز سے قبل ایک عمومی خطاب برادر ثناء اللہ صاحب کا ہوا۔ جس میں امت مسلمہ کے فرض منصبی کی اہمیت اور اتحاد کی ضرورت پر زور دیا گیا۔ اور ایس۔ آئی۔ او کا تعارف اس حیثیت سے پیش کیا کہ وہ اسی لیے منظم ہوئی ہے۔ شہر کے ایک مضافاتی حصے میں عصر کی نماز پڑھی گئی اور بعد نماز عصر اس محلہ میں ملاقاتیں کی گئیں۔ جس میں بزرگوں کو سماج میں تعلیم کو عام کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی اور نوجوانوں کو خطاب عام میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ بعد نماز مغرب مسجد میں صدر یونٹ کا ایک خطاب ہوا۔

باندہ :۔ باندہ ضلع میں دو نئے سرکل کا قیام عمل میں آیا۔ مانک پور اور کروی۔ مانک پور میں برادر محمد شفیق کو صدر اور برادر ممتاز علی کو سکریٹری منتخب کیا گیا۔ کروی میں برادر افتخار احمد کو صدر اور برادر محمد طاہر صدیقی کو سکریٹری منتخب کیا گیا۔

آندھرا پردیش

نظام آباد :۔ خود اعتمادی ہی دراصل بہترین کامیابی ہے۔ طلباء اگر اس بات کا عہد کر لیں کہ وہ محنت کے ذریعہ ہر مشکل کام کو کرنے کی کوشش کریں گے تو وہ بڑے سے بڑے امتحان میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ جو طلباء محنت سے گھبراتے ہیں وہ دنیا میں کبھی کوئی بڑا کارنامہ انجام نہیں دے سکتے۔ ان خیالات کا اظہار برادر حسیب احمد صدر حلقہ نے ایس۔ آئی۔ او نظام آباد کی جانب سے چلائے جانے والے ایس۔ ایس۔ سی فری کوچنگ کلاس کے افتتاحی جلسے سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ انھوں نے طلباء کو مشورہ دیا کہ وہ مخلوط تعلیمی اداروں میں داخلہ نہ لیں۔ کیوں کہ اس سے طلباء کے سیرت و کردار متاثر ہو سکتے ہیں۔

جناب احسان رسول صاحب ٹیچر نے پرچے کے حل کے سلسلے میں طلباء کو خصوصی ہدایت دیں۔ اور ایس۔ آئی۔ او کے اقدام کو لائق تحسین قرار دیا۔

جناب ضمیر الدین صدر زید۔ یو۔ ہائی اسکول نے اپنی تلگو تقریر میں طلباء کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے تمام کاموں پر تعلیم کو فوقیت دیں۔ انھوں نے کہا کہ میں ایس۔ آئی۔ او کے کاموں سے متاثر ہوں۔

صدر اسٹوڈنٹس یونین خلیل واڑی اسکول نے کہا کہ میں خود ایس۔ آئی۔ او کے کوچنگ کلاس سے جو مسلسل ۳ ماہ سے چل رہے تھے استفادہ اٹھایا ہوں۔ کوچنگ کلاس کافی فائدہ مند رہے۔

برادر عبدالعزیز ممبر A.C. و رکن اسٹوڈنٹس اسلامک ویلفیر سوسائٹی نے کہا کہ ایس۔ آئی۔ او کی جانب سے مقامی سطح پر طلبا کی ہمہ جہتی ترقی کے لیے جو کوششیں ہو رہی ہے۔ طلباء اس سے مستفید ہوں۔ اس وقت ویلفیر سوسائٹی کی جانب سے دو لائبریریاں۔ بک بینک۔ تعلیمی امداد۔ فری کوچنگ کلاس میرٹ اسکالرشپ وغیرہ کا انتظام کیا گیا ہے۔

رپورٹیں جامع، مختصر اور بروقت ارسال کیا کریں ● ●

تبصرہ

کتاب۔ نظریہ ادب اور ادیب
مصنف۔ شاہ رشاد عثمانی
اشاعت۔ دسمبر ۱۹۸۵ء
قیمت۔ بیس روپے
ناشر۔ دارالکتاب، کریم گنج گیا (بہار)

ایک سو چھتیس صفحات کی یہ کتاب مختلف وقتوں میں لکھے گئے مضامین کا مجموعہ ہے۔ ان صفحات میں اشتہار کا آخری صفحہ اور ٹائٹل، انتساب و ترتیب، پیش لفظ کے دو صفحات اور مقدمہ کے چار صفحات یعنی کل گیارہ صفحات بھی شامل ہیں۔ ان مضامین میں ایک مناسبت تو یہ ہے کہ مختلف اصناف میں معین اخلاقی زاویہ نظر رکھنے والوں پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ لیکن افسانہ اور نعتیہ شاعری والے مضامین اس اعتبار سے جدا ہو جاتے ہیں کہ ان میں پوری روایت کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کے برخلاف باقی مضامین کا انداز یہ ہے کہ ہر صنف کے کسی نمائندہ شاعر کو موضوع بنایا گیا اور اس کے ذیل میں سرسری طور پر اس صنف کی روایت کا بھی تذکرہ آگیا ہے۔ تنقید میں ڈاکٹر عبدالمغنی، غزل گوئی میں حفیظ میرٹھی، نظم گوئی میں سہیل زیدی، طنز و مزاح میں م۔ نسیم، ناول نگاری میں نجمہ نکہت، و افسانہ نویسی اور ڈرامہ نگاری میں عابد حسین کے فن کا جائزہ لیا گیا ہے۔ عبدالمغنی صاحب کے علاوہ تمام لوگوں کی ایک نمائندہ کتاب یا تخلیق کے حوالے سے ان کے فن پر گفتگو کی گئی ہے۔

ان مضامین میں ایک کمی تو یہ محسوس ہوتی ہے کہ قاری یہ نہیں معلوم کر سکتا کہ یہ کب لکھے گئے اور دوسری بات یہ کہ اقتباسات کے حوالوں کا التزام نہیں کیا گیا ہے۔ البتہ ان مضامین میں ایک ارتقاء ملتا ہے السا نہیں ہے کہ قاری آگے چل کر بے کیفی محسوس کرنے لگے، محسوس یہ ہوتا ہے کہ مضامین کی ترتیب میں تاریخی ترتیب کا خیال رکھا گیا ہے۔

پیش لفظ ڈاکٹر عبدالمغنی صاحب کا ہے جبکہ مقدمہ میں مصنف نے اپنے مضامین کی نوعیت کا اور اپنے نظریہ نقد کا تعارف کرایا ہے۔ اردو ادب میں یہ ایک دھیمی لیکن لائق تحسین آواز ہے کہ ادب کا رشتہ پائیدار اخلاقی اقدار سے استوار کیا جائے اور اسے ناپنے کے ایسے پیمانے وضع کئے جائیں جو زمان و مکان کی دستبرد سے ماورا ہوں۔

مجھے اس اعتراف میں کچھ باک نہیں کہ سہیل زیدی جیسے اچھے شاعر سے میں اسی کتاب کے ذریعے متعارف ہوا۔ یہ بات بھی اچھی ہے کہ کتاب میں کتابت کی غلطیاں نسبتاً کم ہیں یعنی ایک درجن سے کچھ ہی زیادہ ہیں۔ بعض غلطیاں تو ایسی ہیں جن کا قصور وار کاتب کو ٹھہرایا جا سکتا ہے اور یہ بھی امکان ہے کہ اصل تحریر ہی ایسی ہو۔ ان میں تذکیر و تانیث اور واحد و جمع کی عدم رعایت بھی ہے۔ ص ۹۰ پر آپ کی عظمت و وسعت کا بیان شاعرانہ ہے حقیقت پسندانہ نہیں ہے۔ حفیظ میرٹھی کی شاعری میں تمام بڑے غزل گو کی خصوصیات تلاش کرنا کچھ موزوں کوشش نہیں معلوم ہوتی، اگر ایک شعر سے موازنہ کرنا ہو تو مومن و آتش، اور درد وغیرہ بھی اس میں آسکتے تھے۔ البتہ یہ بات خوبی کی ہے کہ مضمون نگار نے جو کہا ہے اس کیلئے دلائل بھی دیئے ہیں۔ البتہ فانی کے رنگ کے ثبوت کے طور پر جو اشعار پیش کئے ہیں ان میں بالترتیب شکوہ حسرت، نیرنگی زمانہ اور استغنا تو جھلکتے ہیں یاس کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ ص ۲۲ پر ۱۵ویں سطر کا جملہ کچھ نامناسب ہے۔ کمزور نوجوان تو بالکل نہ ٹھہرتے، باحوصلہ نوجوانوں کی استقامت کے بارے میں شبہ ظاہر کیا جاتا تو مناسب تھا۔ بعض الفاظ شاید صحیح نہیں لکھے جا سکے مثلاً اساتین کی بجائے "اساطین" صحیح ہے۔ کندہ م کا لفظ مناسب نہیں۔ ص ۱۲۲ پر "اسلوب حسن" کی ترکیب سمجھ میں نہیں آئی۔ ص ۱۰۱ پر چھٹے شعر کا قافیہ درست معلوم نہیں ہوتا۔ ص ۱۲۱ کی ۱۵ویں سطر کا جملہ اپنے لفظ "راستے" کی وجہ سے مفہوم واضح کرنے سے قاصر ہے۔ ص ۱۳۱ کی پہلی سطر میں بھی شاید لفظ "میں" چھوٹ گیا ہے۔ آخری صفحہ میں ایک طرف ڈرامے میں فنی خامیوں کا اظہار ہے تو ایک سطر بعد ہی فنی خصوصیات کی وجہ سے اسے قابل قدر اضافہ بھی کہا گیا ہے۔ یہ تضاد ناقابل فہم ہے۔

زبان و بیان کے یہ چند تسامحات اگر نہ ہوتے تو بہت اچھا تھا لیکن اس میں کوئی کلام نہیں کہ یہ مجموعہ مضامین طرز فکر کی انفرادیت کے اعتبار سے خاصے قدر و قیمت کا حامل ہے۔ اور ہم جیسے نئے لکھنے والوں کو مضمون نویسی کا ڈھنگ سکھانے کے لئے رہنمائی کر سکتا ہے۔ آزاد شاعری مجھے کم ہی اپیل کرتی ہے لیکن اس میں درج رشید قیصرانی کی نعتیہ نظم ان چند نظموں میں سے ہے جسے بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔

(منور حسین)

رمضان کے بعد

بڑی غلطی ہو گی اس مزدور کی جس نے تھوڑی سی مشقت پر اتنا اجر و انعام پانے کے بعد بھی اس در کو بھول گیا ہو جہاں اسے مقررہ مزدوری سے زیادہ مزدوری ملتی ہے۔ ایک مزدور تو اس در کو فراموش کرتا ہے جہاں سے اسے بھرپور مزدوری ملی ہو۔ وہ بھرپور مزدوری پانے کے بعد محنت مزدوری چھوڑ دیتا ہے وہ مزدور انتہائی نافہم ہوگا جو یہ سمجھ لے کہ اس نے بہت کچھ کما لیا اب اسے مزید کام کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ طرز عمل اگر دنیا کے نزدیک مناسب نہیں تو دین میں کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ ان روزہ داروں کی بھاری چوک ہو گی جو رمضان میں مع تہجد و نوافل دینی شب و روز گزارنے کے بعد رمضان کے بعد فرائض سے بھی غافل و بے فکر ہو جائیں۔ قرآن کی تنبیہ ہے: تمہاری حالت اس عورت کی سی نہ ہو جائے جس نے آپ ہی محنت سے سوت کاتا اور پھر اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ ●●

بنام صدور حلقہ جات

برادران محترم ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

خدا کرے مزاج گرامی بخیر ہو!

۳۱ر جولائی ۱۹۸۸ء کو میقات رواں کا پہلا سال ختم ہونے جارہا ہے۔ اس کے بعد سال بھر کی کارکردگی کے جائزے و احتساب کا وقت ہوگا اس کام کے لیے حلقوں کی مکمل... سالانہ رپورٹوں کی بھی ضرورت ہوگی۔

- اگست ۱۹۸۷ء تا جون ۱۹۸۸ء کی ایک یکجا رپورٹ دو ماہی رپورٹ فارم کی بنیاد پر تیار کر کے ۱۰ر جولائی ۱۹۸۸ء تک مرکز بھجوانے کی زحمت کریں۔
- ماہ جولائی کی رپورٹ بعد میں اگست میں روانہ کر دی جائے
- جن مقامات سے رپورٹیں اب تک کسی وجہ سے موصول نہیں ہوئی ہیں وہاں سے اسکے حصول کی خصوصی کوشش کی جائے۔ دوروں کو بھی اس کام کے لیے استعمال کرنا مفید ہوگا۔
- اختتام جون تک اپنے حلقہ کے بیت المال کی آڈٹ کے لیے بھی ابھی سے کوشش شروع کر دیں تاکہ سالانہ رپورٹ کے ساتھ آڈٹ رپورٹ بھی تیار ہو جائے
- برائے کرم رپورٹ کے ساتھ حلقہ کے سالانہ منصوبہ کا اس پہلو سے موازنہ بھی ضبط تحریر میں لائیں کہ کن پر عمل نہیں ہو سکا کس پہ اللہ نے اچھی کامیابی عطا فرمائی۔

طالب دعا — جاوید علی

(جنرل سکریٹری)

رفیقِ منزل مہم کے سلسلے میں ہدایات

مہم کے سلسلے میں درج ذیل نکات ضرور ملحوظ رکھیں۔

۱۔ مہم کے لئے پوسٹر، ہینڈبل، رسیدبک اور خریداری فارم وغیرہ اپنے متعلقہ زون سے حاصل کریں۔

۲۔ مہم پورے ملک میں جولائی ۱ تا ۱۰) میں ہی چلائی جائے۔

۳۔ تمام یونٹ اور سرکل اس بات کو ضرور ملحوظ رکھیں کہ ان کا ربط ان تمام افراد سے جو ہمارا تعاون کرتے ہیں یا تعاون کرنے کے خواہش مند ہیں، مہم کے دوران قائم ہو سکے۔

۴۔ مہم کے دوران رفقاء اپنے اثرات اور تعلقات کو استعمال کر کے مستقل یا عارضی اشتہارات مختلف فرموں اور تجارتی اداروں سے حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

۵۔ مختلف اصحاب خیر کو اس کی طرف متوجہ کیا جائے کہ وہ اپنے ذمہ پر بعض اہم اداروں میں اس رسالہ کو جاری فرمائیں نیز اپنے علاقہ کے ذی علم و ذی اثر منتخب افراد و اداروں کے پتے بھی روانہ فرمائیں تاکہ ان سے رابطہ مفید ہو سکے

۶۔ کوشش کی جائے کہ خریدار سالانہ ہوں۔ بصورت دیگر ششماہی خریدار بھی بنائے جا سکتے ہیں نیز جہاں ممکن ہو وہاں ایجنسی بھی قائم کریں۔

۷۔ رقم کے ساتھ خریداری فارم (ORIGINAL) فوراً رفیق منزل نئی دہلی کو روانہ فرمائیں تاکہ خریدار کو اگست کا شمارہ روانہ کیا جا سکے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہماری سرگرمیوں میں استحکام و مضافرت اور ہماری جد و جہد و کوششوں کو کامیابی سے ہمکنار کرے۔ آمین

والسلام

منیجر رفیق منزل

نرخ اشتہارات

پورا صفحہ	۵۰۰ روپے
نصف صفحہ	۳۰۰ روپے
بیک کور	۱۰۰۰ روپے
انسائیڈ بیک کور	۸۰۰ روپے
چوتھائی صفحہ	۲۰۰ روپے
کم سے کم چارج	۱۰۰ روپے

To Post Without Pre-payment

ایمان کا تقاضا



"تم کبھی یہ نہ پاؤ گے کہ جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں وہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہوں جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی ہے۔ خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے، یا ان کے بھائی یا ان کے اہل خاندان۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت کر دیا ہے۔"

(المجادلہ)

محترمہ رشیدہ بانو فاروقی پارک سرکس، کلکتہ

Edited, Printed and Published by MUNAWWER HUSSAIN on behalf of S.I.O of India, 230, Abul Fazal Enclave, Okhla, New Delhi - 110 025 Printed at Bharat offset press. Delhi-6, for Jamal Printing Press, Delhi-6

ماہنامہ

رفیق منزل

دہلی





"دراصل فساق اور فجار کی قیادت ہی نوع انسانی کے مصائب کی جڑ ہے اور انسان کی بھلائی کا سارا انحصار صرف اس پر ہے کہ دنیا کے معاملات کی سربراہ کاری صالح لوگوں کے ہاتھوں میں ہو" ——— سید مودودی

رفیق کی ڈاک

ملت کی معاشی خوشحالی

رفیق کی ڈاک (مارچ ۱۹۸۸ء) میں ملت کی معاشی خوشحالی" پر تحریری تبصرہ پڑھا۔ پہ ۳ سطری تبصرہ بڑا ایماندارانہ ہے۔ جو ہے حق کا شکار ہوگیا ہے۔ قصہ کہانی سب جھوٹی نہیں ہوا کرتے "احسن القصص" بھی ہوتے ہیں۔ بروقت رہنمائی اور عملی اقدام کی ہے نہ کہ مضمون کے اسلوب اور طرز نگارش کے تجزیہ کی۔

"اعتراف حقیقت سے وزن میں کمی آتی ہے" اس انکشاف کو بیسویں صدی کا اخلاقی دھماکہ ہی سمجھنا چاہئیے۔ یہ حال غنیمت ہے تاج متفق کو قصہ کہانی اور وزن میں کمی کے علی الرغم مضمون انتہائی سنجیدہ نظر آیا جس کا شکریہ ادا نہ کرنا ظلم ہوگا۔

سید علی۔ گیا۔

پروف ریڈر کا تھیلا

رفیق منزل کا تازہ شمارہ (اپریل ۱۹۸۸ء) دیکھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ رفیق منزل کی کتابت شدہ کاپیوں کو دیکھنے والے صاحب انسان کے زاویہ اور نوک پلک سے ناواقف ہیں۔ ورنہ وہ کاتب صاحب کی غلطیوں کو نظر در گزر نہیں لاتے۔ "ان کے خوابوں کا حسن" تین حصوں میں منقسم ہے پہلا حصہ وہاں ختم ہوتا ہے جہاں ٹیکسی فراز کو لے کر روانہ ہوتی ہے اور اس (پہلا) حصہ اور دوسرے حصہ (جہاں سے شروع ہوتا ہے) کے درمیان ایک لکیر (گیپ) ہے۔ اسی طرح دوسرا حصہ وہاں ختم ہوتا ہے جہاں فراز گرتے گرتے دیوار پکڑ لیتا ہے اور کسی طرح کاغذ پر نظر ڈالتا ہے اور اس دوسرا حصہ اور تیسرے حصہ کے درمیان بھی لکیر (یا گیپ) ہے لیکن یہ لکیر ہر دو حصہ کے درمیان سے کاتب صاحب کی جھولی اور پروف ریڈر صاحب کے تھیلے میں چلی گئی ہے۔ طبیعت مکدر ہو گئی، خاص طور پر دوسرے اور تیسرے حصہ کو ملا دیتے ہے۔

بچوں کے صفحات کو آخر میں جگہ دیجئے۔

نشاط الایمان

ٹیلی ویژن

رفیق منزل پابندی سے مل رہا ہے۔ محمود عالم صاحب کا ٹیلی ویژن (اپریل ۸۸ء) کافی پسند آیا۔ اسے حاصل شمارہ کہا جاسکتا ہے۔ "رفیق کی ڈاک" میں چند قابل قدر مشورے دیئے گئے ہیں اگر ان پر عمل کیا جائے تو رسالہ کی افادیت میں اضافہ ہوگا۔ حالات حاضرہ پر تبصرہ ضرور ہونا چاہئیے۔

سہیل ساحل موتی ہاری۔

میں ہر شمارہ کو دو یا دو سے بار پڑھ ڈالتا ہوں اور جتنی بار پڑھتا ہوں میری دلچسپی اور بڑھتی جاتی ہے۔

اپریل ۸۸ء کے شمارہ میں محمود عالم صاحب کا ٹیلی ویژن بہت پسند آیا اور میں بار بار پڑھتا رہا۔ ان کی تحریر سبق آموز ہے۔

محمد زبیر شاہی۔ مدھے پور

ملت کی عظیم شخصیتوں کا تعارف

رفیق منزل کا پانچواں شمارہ نظر نواز ہوا۔ کم وقت میں اس کے معیار میں جو بلندی آئی ہے اور اسے جو مقبولیت حاصل ہوئی ہے یقیناً قابل تحسین ہے۔ اداریہ کے علاوہ آپ کا کالم بعنوان تربیت کا مہینہ کافی پسند آیا۔ مولانا سلطان احمد اصلاحی کا مضمون بھی معلومات افزا ہے۔ جناب ضیاء الدین ملک صاحب نے اپنے مضمون میں ایک اچھوتے پہلو پر اظہار خیال کیا ہے۔ تاریخ کے طلباء عموماً ان باتوں سے روشناس نہیں ہو پاتے۔

آپ ہر ماہ اسلام کی عظیم شخصیتوں پر مضامین کا سلسلہ جاری کریں۔

محمد الحسنی، مظفر پور

انٹرویو

مارچ کا شمارہ ملا۔ ٹائیٹل دیکھ کر تشویش ہوئی کیونکہ ہیئت بدلی بدلی سی نظر آئی۔ مضامین وغیرہ پسند آئے اور غزلیں بھی۔ بہت سارے مضامین کے ساتھ "بقیہ" کا وجود تھوڑا سا نامناسب معلوم ہوا۔ کتابت اور پرنٹنگ لائق ستائش ہے جس کی برقراری ضروری ہے۔ انٹرویو تو آیا لیکن کچھ کھٹکا۔ تحریک اسلامی کے رہنما اور قائدین کے انٹرویو شائع کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔

محمد نصیر الدین، حیدرآباد

حالاتِ حاضرہ

الحمدللہ رفیق منزل پابندی سے موصول ہو رہا ہے۔

مضامین میں حالات حاضرہ کو قطعی نظر انداز کیا جاتا ہے تو بہتر ہوگا۔ پورے ملکی سطح پر اور بین الاقوامی سطح پر جو واقعات رونما ہوتے ہیں ان پر مضمون کافی مفید رہے گا۔

مضمون طویل نہیں ہونا چاہئیے کیونکہ آپ کے پاس صفحات محدود ہیں۔

محمد عالم۔ الہ آباد

پرچہ کا سائز

رفیق منزل کا چوتھا شمارہ حسب معمول ایک ہی نشست میں پورا پڑھ گیا۔ رسالہ الحمدللہ خوب سے خوب تر ہوتا جا رہا ہے۔ مجاہد الاسلام قاسمی صاحب سے ایک ملاقات کے بعد تو دل بہت ہی خوش ہوا۔ آپ آئندہ بھی ملت اسلامیہ کی رہبر شخصیتوں سے ملاقات کراتے رہیں گے۔ ٹائیٹل بھی خوب رہا۔ پرچہ کا سائز کچھ بڑا ہو جاتے تو بہتر ہے۔ اللہ کرے ہمیشہ رفیق منزل ثابت ہو۔

محمد طیب۔

ماہنامہ

رفیقِ منزل

دہلی

جلد ۱ — جولائی ۱۹۸۸ء - ذیقعدہ - ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ — شمارہ ۸



نقوشِ منزل

مدیر اعزازی

منور حسین فلاحی

منیجر: جاوید اختر

شرح خریداری

فی پرچہ	۲ روپے ۵۰ پیسے
ششماہی	۱۵ روپے
سالانہ	۲۵ روپے
غیر ممالک سے	۱۵۰ روپے

مقامِ اشاعت اور انتظامی امور میں مراسلت کا پتہ

Manager
RAFEEQUE-E-MANZIL
230, Abul Fazal Enclave
OKHLA, New Delhi - 110025

ڈرافٹ پر صرف اتنا لکھیں

RAFEEQUE-E-MANZIL

اخلاق اور ایمان کا تعلق

مولانا محمد فاروق خاں

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَةً وَّالْحَیَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ ــــ مسلم

حضرت ابو ہریرہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: "ایمان کی ستّر سے کچھ زیادہ شاخیں ہیں۔ اور حیا ایمان کی ایک شاخ ہے۔"

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: لَا یَجْتَمِعُ الشُّحُّ وَالْاِیْمَانُ فِیْ قَلْبِ عَبْدٍ اَبَدًا ــــ نسائی

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "بخل و حرص اور ایمان دونوں کسی بندے کے دل میں کبھی بھی جمع نہیں ہوں گے۔"

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَا یُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ ــــ بخاری و مسلم

حضرت انسؓ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ بندہ مومن نہیں ہوتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہی چیز پسند نہ کرے جو وہ خود اپنے لئے پسند کرتا ہے۔"

آدمی اپنے لئے شر کو نہیں بلکہ خیر اور بھلائی کو پسند کرتا ہے اس لئے لازماً اسے اپنے دوسرے بھائیوں کے لئے بھی خیر کا طالب ہونا چاہیے اس لئے کہ اس کے بغیر ہمارا ایمان ناقص ہی رہے گا۔ ایمان تو ہمیں ہر طرح کی تنگی خواہ وہ دل کی تنگی ہو یا فکر و نظر کی نکال کر وسعتِ قلب و نظر کی دولت سے بہرہ مند کرتا ہے جس کی بقا کا ضامن وہ جذبہ ہوتا ہے جسے ہم محبت سے تعبیر کرتے ہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: لَا یُؤْمِنُ وَاللّٰهِ لَا یُؤْمِنُ وَاللّٰهِ لَا یُؤْمِنُ۔ قِیْلَ مَنْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: اَلَّذِیْ لَا یَاْمَنُ جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ ــــ بخاری و مسلم

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بخدا وہ ایمان نہیں رکھتا، بخدا وہ ایمان نہیں رکھتا، بخدا وہ ایمان نہیں رکھتا۔" پوچھا گیا: "کون اے اللہ کے رسول (ایمان نہیں رکھتا)؟" فرمایا: "وہ شخص جس کا ہمسایہ اس کی برائیوں سے مامون وہ محفوظ نہ ہو۔"

یعنی یہ اس کے ایمان کا تقاضا ہے کہ مومن کا پڑوسی اس سے کسی قسم کا خطرہ اور اندیشہ محسوس نہ کرے بلکہ اس سے اپنی جان مال اور عزت کو محفوظ پائے۔ مومن سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ کسی کی عزت یا مال پر ڈاکہ ڈال سکتا ہے۔ وہ تو لوگوں کا محافظ اور ان کے لئے باعث رحمت ہوتا ہے۔

وَعَنْ عَبَّاسٍ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: لَیْسَ الْمُؤْمِنُ بِالَّذِیْ یَشْبَعُ وَجَارُهٗ جَائِعٌ اِلٰی جَنْبِهٖ ــ البیہقی فی شعب الایمان

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا کہ "وہ شخص مومن نہیں جو پیٹ بھر کر کھائے اور اس کا ہمسایہ اس کے پہلو میں بھوکا ہو۔"

مومن لوگوں کا غم خوار ہوتا ہے۔ ہمسایہ بھوکا رہ جائے اور وہ پیٹ بھر کر مزے لے کر کھائے ایسی سخت دلی کا اظہار کسی مومن شخص سے ممکن نہیں۔ اگر کوئی ایمان کا دعویدار ایسا سخت دل اور بے رحم ہے تو اسے اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے۔ کیا عجب کہ یہ ضعیف اور کمزور ایمان بھی اس کے یہاں زیادہ دن تک نہ ٹھہر سکے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلْمُؤْمِنُ غِرٌّ کَرِیْمٌ وَالْفَاجِرُ خَبٌّ لَئِیْمٌ۔

ــــ احمد، ترمذی، ابوداؤد

حضرت ابو ہریرہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: "مومن بھولا بھالا اور شریف و فیاض ہوتا ہے اور فاجر چالاک (فریبی) اور کمینہ و بخیل ہوتا ہے۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایمان کا آدمی کے اخلاق و عمل پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ مومن سادہ مزاج ہوتا ہے۔ وہ فریب کھا سکتا ہے لیکن وہ خود کسی کو فریب دے ممکن نہیں۔ لیکن مومن کو بار بار دھوکا بھی نہیں دیا جاسکتا۔ چنانچہ حدیث میں ہے لَا یُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَّاحِدٍ مَّرَّتَیْنِ (بخاری و مسلم) "مومن ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا۔" مومن کریم ہوتا ہے۔ کریم کہتے ہیں شریف کو۔ فیاضی شرافت کی سب سے بڑی پہچان ہے اس کے برخلاف فاجر کے بارے میں شرافت کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ وہ لئیم

یعنی کمینہ ہوگا جس کی واضح ترین علامت بخل ہے۔ اس حدیث کا ماحصل یہ ہے کہ مومن حسن اخلاق کا پیکر اور فاجر شخص بداخلاقی کا مظہر ہوتا ہے۔ مومن کی طبیعت میں شرافت ہوتی ہے۔ اس کی ذہانت باعث شر وفتنہ نہیں بن سکتی۔ وہ بے خبر اور ناسمجھ نہیں ہوتا لیکن اس کی ذہانت وبصیرت جہل اور چالبازیوں سے یکسر پاک ہوتی ہے۔ اس کے مقابل میں ایک فاجر شخص سے کسی خیر کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ وہ لوگوں کو اپنی چالبازیوں سے پریشانیوں اور الجھنوں میں مبتلا کردیتا ہے۔ اس سے کمینگی کے سوا کسی اور چیز کا اظہار ممکن نہیں۔ بھلائیوں کے لئے اس کا دامن ہمیشہ تنگ دکھائی دے گا۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَؓ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ:
اِنَّ الْحَیَاءَ وَالْاِیْمَانَ قُرَنَاءُ جَمِیْعًا فَاِذَا رُفِعَ
اَحَدُھُمَا رُفِعَ الْاٰخَرُ ـــــــ البیہقی فی شعب الایمان

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حیا اور ایمان دونوں ساتھ یکجا رکھے گئے ہیں چنانچہ ان میں سے جب ایک کو اٹھالیا جاتا ہے تو دوسرا بھی اٹھالیا جاتا ہے"۔

ابن عباسؓ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں فَاِذَا سُلِبَ اَحَدُھُمَا تَبِعَہُ الْاٰخَرُ" جب ان میں سے ایک کو سلب کرلیا جاتا ہے تو دوسرا بھی اس کے ساتھ جاتا رہتا ہے۔ ایمان اور اخلاق میں کتنا گہرا رشتہ ہوتا ہے اس کا بخوبی اندازہ اس حدیث سے کیا جاسکتا ہے۔ شرم وحیا کو اخلاق اوصاف میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لِکُلِّ دِیْنٍ خُلُقٌ وَّ خُلُقُ الْاِسْلَامِ الْحَیَاءُ (موطا امام مالک) "ہر ایک دین کا ایک خلق ہوتا ہے۔ اسلام کا خلق حیا ہے"۔ یعنی ہر مذہب کا ایک مزاج (Nature ، Manner) ہوتا ہے۔ اسلام کے مزاج کی لطافت اور پاکیزگی کا اس سے بڑھ کر ثبوت کیا ہوسکتا ہے کہ حیا اس کے مزاج میں شامل وداخل ہے۔ حیا کے متعلق ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ یہ کوئی معمولی چیز نہیں ہے بلکہ ایمان سے اس کا گہرا اور انتہائی قریبی رشتہ ہے۔ ایمان اور حیا میں باہم انتہائی وابستگی پائی جاتی ہے۔ ان میں کوئی ایک اگر باقی نہ رہے تو دوسرا بھی باقی نہیں رہ سکتا۔ ایک کے رخصت ہوتے ہی دوسرا بھی دم توڑ دے گا

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے ایمان کا جائزہ لینے کے لئے ہمیں کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایمان اپنی فطرت کے لحاظ سے ہمیشہ ایک پاکیزہ زندگی میں ڈھلنے کو بے قرار رہتا ہے۔ جب تک وہ ایک پاکیزہ زندگی کی شکل اختیار نہیں کرلیتا اسے قرار میسر نہیں آتا۔ جس طرح سے کہ کسی مسموم فضا میں آدمی کا دم گھٹتا ہے۔ وہ تازہ ہوا میں سانس لینے کو بے چین ہوتا ہے، ٹھیک یہی حال ایمان کا بھی ہے۔ اب اگر ہماری زندگیوں سے حیا، غیرت وشرم وغیرہ اخلاقی اوصاف ناپید ہوتے جارہے ہیں تو کسی کو اس بات کے سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہونی چاہئے کہ ہماری ایمانی حالت حد درجہ تشویشناک ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا یَزْنِی الزَّانِیْ حِیْنَ یَزْنِیْ وَھُوَ مُؤْمِنٌ وَّلَا یَشْرَبُ الْخَمْرَ حِیْنَ یَشْرَبُ وَھُوَ مُؤْمِنٌ وَّلَا یَسْرِقُ حِیْنَ یَسْرِقُ وَھُوَ مُؤْمِنٌ وَّلَا یَنْتَہِبُ نُھْبَۃً یَرْفَعُ النَّاسُ اِلَیْہِ فِیْھَا اَبْصَارَھُمْ وَھُوَ مُؤْمِنٌ ـــــــ بخاری

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "زانی اس حال میں کہ وہ مومن ہو زنا نہیں کرتا، اور نہ شرابی اس حال میں کہ وہ مومن ہو شراب پیتا ہے، اور نہ چور اس حال میں کہ وہ مومن ہو چوری کرتا ہے، اور نہ اچکا اس حال میں کہ وہ مومن ہو کوئی چیز اچکتا ہے جب کہ لوگ (بے بسی کی حالت میں) اس کی طرف اپنی آنکھیں اٹھاتے ہیں"۔

یعنی جب کوئی شخص زنا کرتا یا شراب پیتا ہے یا وہ چوری کرتا یا لوگوں کے دیکھتے دیکھتے کسی کی کوئی چیز اچکتا ہے تو اس وقت اس کی مومنانہ حیثیت باقی نہیں رہتی۔ ایمان کے بجائے اس کے اندر اس وقت کوئی دوسری ہی چیز کام کررہی ہوتی ہے۔ حالانکہ مطلوب یہ ہے کہ اس کے تمام اعمال کا صدور اس کے ایمان کے تقاضے کے طور پر ہو۔ آدمی کی زندگی میں ایمان کی جگہ کوئی اور قوت کام کرنے لگ جائے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان اس کے دل میں ابھی پوری طرح گھر نہیں کرسکا ہے۔ اسی لئے ایمان کی حریف قوت کو اس کی زندگی میں کھیلنے کا موقع مل جاتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ، امّت مسلمہ اور حج

صفدر سلطان اصلاحی علی گڑھ

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا "تمہارے لئے ابراہیمؑ اور ان لوگوں میں جو ان کے ساتھ تھے بہترین نمونہ ہے" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء و رسل کی تاریخ میں ابراہیمؑ کا مرتبہ کافی بلند ہے اور ان کا امّت مسلمہ سے گہرا ربط ہے۔ سیّدنا ابراہیمؑ نے عقیدۂ توحید کا اعلان ایک ایسے دور میں کیا جب کفر و شرک اور ظلم و جور کا ہر چہار جانب غلبہ تھا آپ نے اس عقیدے پر صبر و استقامت کا ایسا مظاہرہ کیا کہ تا قیامت ان کو علم بردارانِ توحید کا امام قرار دیا گیا ہے۔ انھوں نے اعلانِ حق کی راہ میں اپنی خاندان اور رشتہ داروں کی ناراضی کا بالکل خیال نہیں کیا اپنی قوم اور وطن کی مخالفتوں کو برداشت کیا بادشاہ وقت کی ناراضی کو بھی کوئی اہمیت نہیں دی آگ میں ڈالے جانے کے باوجود اعلاء کلمۃ الحق میں کسی طرح کی کوتاہی سرزد نہیں ہوئی اس راہ میں جلاوطنی جیسے مشکل اور کٹھن مرحلے کو بھی بخوشی قبول کر لیا۔ ہجرت کے بعد اپنی بیوی اور کمسن بچے کو بے کسی اور بے سروسامانی کے عالم میں چھوڑ کر چلے گئے۔ بڑھاپے میں اپنے ہونہار بردبار اور اکلوتے بیٹے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

سیّدنا ابراہیمؑ کی زندگی کے یہی روشن پہلو ہیں جن کی وجہ سے قرآن مجید نے فرمانبردارانہ اطاعت، احکام الٰہی کی والہانہ پیروی اور رضائے الٰہی کے لئے ہر چیز فدا کر دینے میں ان کا ذکر خصوصی طور سے کیا ہے اور مسلمانوں کو ان کی تقلید کا حکم دیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے "اے رسول کہہ دو کہ ابراہیمؑ کے طریقے کی پیروی کرو وہ یکسو تھا اور مشرکوں میں سے نہیں تھا۔"

قرآن مجید کے مطالعہ سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ پیغمبر آخرالزماں کی بعثت کے لئے حضرت ابراہیمؑ نے کعبہ کی تعمیر کے وقت دعا کی تھی اور انھوں نے اپنی دعا میں ان کی بعثت کے مقاصد کو بھی واضح کر دیا۔ پیارے نبیؐ حضرت ابراہیمؑ کی ذریت میں سے ہیں اور آپ کا ذکر قرآن مجید میں جس طرح ہوا ہے وہ دعاءِ ابراہیمیؑ کے بالکل مطابق معلوم ہوتا ہے۔ قرآن مجید اس بات کی بھی وضاحت کرتا ہے کہ ابراہیمؑ مسلم حنیف تھے اور انھوں نے اپنی ذرّیت میں امّت مسلمہ کے برپا کئے جانے کی اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی پیارے نبیؐ کی اتباع کرنے والوں کا نام "مسلم" بھی ابراہیمؑ ہی نے رکھا ہے۔ ارشاد باری ہے "اس خدا ہی نے تمہارا انتخاب کیا اور دین کے معاملہ میں تم پر کوئی سختی نہیں کی تمہارا دین وہی ہے جو تمہارے باپ ابراہیمؑ کا تھا انھوں نے پہلے ہی سے تمہارا نام مسلم رکھا اور اس قرآن میں بھی تم کو مسلم کہا گیا تاکہ رسول تم پر شہادت دیں اور تم تمام لوگوں پر۔"

مذکورہ بالا سطور کو پڑھ کر امّت مسلمہ سے حضرت ابراہیمؑ کے خصوصی ربط و تعلق اور انبیاء علیہم السلام کی تاریخ میں ان کے نمایاں مقام کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے اسی ربط اور منزلت کی وجہ سے ان کی زندگی امّت مسلمہ میں شامل تمام افراد کے لئے ایک آئیڈیل زندگی قرار دی گئی اور ان کی ہر روش اور ہر ادا کو مسلمانوں کے لئے قابل تقلید نمونہ بتایا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ مسلمانانِ عالم اسوۂ ابراہیمی کی اتباع کا عہد تازہ کرنے اور اسے مزید تقویت دینے کے لئے ہر سال مکہ معظمہ حاضر ہوتے ہیں مکہ معظمہ کی عظمت حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ سے قائم ہے یہاں کے وہ مقاماتِ مقدسہ جن کا مسلمان طواف کرتے ہیں حضرت ابراہیمؑ ہی سے متعلق ہیں۔ خانۂ کعبہ، صفا و مروہ، زمزم غرض مکہ کا ہر سنگریزہ حضرت ابراہیمؑ کی ثابت الی اللہ اور محبت الٰہی کا جیتا جاگتا ثبوت ہے اس بابرکت شہر کی خاک کا ایک ایک ذرہ انسان کو اعلاء کلمۃ الحق کے لئے پر زور ترغیب دیتا ہے۔

مسلمانوں کو اپنے اسلام کی بقا اور تحفظ کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اسوۂ ابراہیمیؑ کو ہمیشہ اپنی نگاہوں کے سامنے رکھیں نبی آخرالزماں کی زندگی خود ابراہیمؑ کے اسوہ سے ہم آہنگ ہے راہ حق میں قربانی، فداکاری اور للّٰہیت کا جو مظاہرہ اعلان ادیانِ برحق نے کیا وہی مظاہرہ مسلمانوں کو بھی اپنی زندگی میں دکھلانے کی جدّ و جہد کرنی چاہئے۔ یوں تو اسوۂ ابراہیمیؑ اور اسوۂ محمدیؐ کی طرف صحیح رہنمائی و رہبری کتاب و سنت ہی سے حاصل کی جا سکتی ہے، تاہم خانہ کعبہ کی زیارت سے دلوں میں راہ خدا پر گامزن ہونے کا جو جذبہ پیدا ہوتا ہے، قوت تحریک کو جس طرح تحریک ملتی ہے اور حوصلوں میں جو بلندی آتی ہے وہ کسی اور چیز سے ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی۔

جس سرزمین پر حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے کو راہ حق میں قربان کر دینے کا عزم صمیم کیا ہو جہاں حضرت ہاجرہ نے اپنے کمسن بیٹے کو لٹا کر پانی کی تلاش کی ہو، جہاں ایک بے کس اور مجبور عورت کی پریشان حالی کو دیکھ کر رحمت خداوندی جوش میں آ گئی ہو اور زمزم کا چشمہ پھوٹ پڑا ہو، جس سرزمین پر حضرت ابراہیمؑ کی دعا قبول ہوئی ہو اور اس کے نتیجہ میں دنیا کو روشن شریعت اور کتاب ہدایت ملی ہو جہاں حضرت جبریلؑ اللہ کی طرف سے آخری اور مکمل ہدایت نامہ لے کر اترے ہوں جس سرزمین پر پیارے نبیؐ نے اپنے شب و روز گزارے اور جس کی ہر گلی سے آپ کا گزر ہوا ہو کیا اس سرزمین کو دیکھ کر اور اس کی زیارت کر کے دل و دماغ متاثر نہیں ہوں گے اور ذکر الٰہی میں بالکل محو نہیں ہو جائیں

بقیہ صفحہ ۱۱ پر

افغانی مجاہد برادر بشیر احمد شہادت یار سے

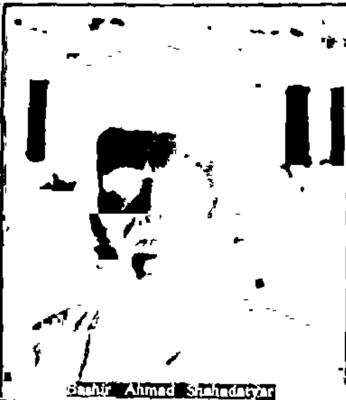
ملاقاتی: محمد نواب سلیم

سوال: — آپ کب سے دشمنوں کے خلاف جہاد کر رہے ہیں۔ کس علاقے میں اور کتنے مجاہد آپ کی قیادت میں جہاد کر رہے ہیں؟

جواب: — میں ۱۹۷۸ء سے ملحد طاقتوں کے خلاف سرگرم عمل ہوں۔ ابتدا میں میں شہید انجینئر حمید اللہ کی قیادت میں ایک عام مجاہد کی طرح جہاد کرتا رہا۔ بعد میں اپنے آبائی وطن ضلع شاہی آب کا کمانڈر بنا اور اس وقت میں چار صوبوں کا جنرل کمانڈر ہوں۔ ہماری جہادی سرگرمیوں کا دائرہ کار صرف صوبہ تخیار، کندوز، بغلان اور بدخشاں تک محدود نہیں ہے بلکہ ہمیں اس وقت روس کے مقبوضہ علاقے میں پولیس چوکیوں اور فوج کے خلاف بھی کارروائیاں کرنی پڑتی ہیں ہمیں جب روسی جنگی جہاز اور توپیں پاکستان کے اندر افغان پناہ گزینوں کو اپنا نشانہ بناتی ہیں۔ چاروں جنوبی صوبہ جات کی ۴۵ ہزار فوج ایک کمانڈر کی قیادت میں جہاد کرتی ہے۔ چاروں صوبوں کا امیر بننے سے پہلے میں ۱۵ ہزار مسلم مجاہدین کا کمانڈر تھا۔

سوال: — بعض مغربی تبصرہ نگاروں نے روس کے مقبوضہ علاقوں میں آپ کے حملوں کو شدید جارحانہ اقدامات سے تعبیر کیا ہے۔ اس کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: — ہم شدید جارحانہ اقدامات کی پالیسی پر کبھی بھی یقین نہیں رکھتے۔ دو اہم اسباب ایسے ہیں جس کی بنا پر ہم اس طرح کے دفاعی حملوں کو اختیار کرنے پر مجبور ہوئے۔ پہلا سبب یہ ہے کہ روسی فوجیں مجاہدین کے ٹھکانوں پر روسی مقبوضات کے اندر سے حملہ کرتی ہیں اور ہمیں بہرحال ان کے فوجی اڈوں اور فضائی ٹھکانوں پر جوابی کارروائی کرنی پڑتی ہے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ جب روسی پاکستان میں پناہ گزین افغان کیمپوں پر حملہ کرتے ہیں تو ہم بھی اسی طرح کی کارروائیاں



۳۵ سالہ بشیر احمد شہادت یار صوبہ تخیار میں حزب اسلامی افغانستان کے مشہور اور نوجوان کمانڈروں میں سے ایک ہیں۔ کابل یونیورسٹی سے انھوں نے انجینئرنگ میں ڈگری حاصل کی ہے۔ وہ ایک پرکشش شخصیت کے مالک اور زبردست مقرر ہیں۔ ان کی مقبولیت اور عزت افزائی کا یہ عالم ہے کہ مجاہدین انھیں پیار سے "بشیر جان" کے نام سے پکارتے ہیں۔ فوجی امور میں غیر معمولی صلاحیت اور شجاعت و بہادری کی بنیاد پر انھیں افغانستان کے چار جنوبی صوبوں کا امیر جہاد منتخب کیا گیا ہے۔ کمانڈر بشیر احمد شادی شدہ ہیں اور ان کے تین بچے ہیں۔

روس کے اندر کرتے ہیں۔ لیکن ہم صرف گورنمنٹ اور فوجی اڈوں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ کسی اور کو نہیں۔

سوال: — روسی مسلمانوں پر جنگ افغانستان کے کیا اثرات مرتب ہوئے ہیں؟

جواب: — بلاشبہ جنگ نے روسی معاشرہ پر ایک انمٹ نقوش چھوڑا ہے۔ روسی معاشرے میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔ وہاں حالیہ بے چینی اسی جنگ کا نتیجہ ہے۔ مختلف علاقوں میں روز روز کے مظاہرے، ہڑتالیں اور میٹنگیں جہاد کے براہ راست نتائج ہیں۔ اور یہ سب روسی مسلمانوں کے اسلامی جذبات کا مظہر ہیں۔ مجھے یقین کامل ہے کہ روس جتنی دیر تک افغانستان میں ٹھہرا رہے گا یہ اثرات گہرے ہی ہوتے رہیں گے۔

سوال: — مجاہدین روسی مقبوضات میں کتنی دور تک اور کس صوبہ سے ہو کر داخل ہوتے ہیں؟

جواب: — مجاہدین اب تک صوبہ تاجکستان سے ہو کر روس کے اندر بیس کلو میٹر تک داخل ہونے میں کامیاب ہو سکے ہیں اور شہر MOSKO VI.TSKI، فرخار اور سار چشمہ کے علاقے میں جنگی کارروائیاں انجام دی ہیں۔

سوال: — آپ نے کتنے روسیوں کو قیدی بنایا ہے؟

جواب: — بارہ روسی فوجیوں کو قید کیا۔ وہ سب کے سب مسلمان ہیں اور اب مجاہدین کے دوش بدوش سرخ فوج کے خلاف جہاد کر رہے ہیں۔ ان میں دو گروپ کمانڈر ہیں۔

سوال: — ظاہر شاہ کو دوبارہ لانے کے لیے مغربی کوششوں کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: — ظاہر شاہ بیرون ملک ہیں تو اسے افغانستان میں آنا چاہیے اپنے سنگین جرم کی بدولت پھانسی کے کی سزا بھگتے گا۔

اسلحہ ایمان سے ٹکرایا

ڈاکٹر عابد ۔
ہری چند ہسپتال ۔

سردار داؤد سے نجیب تک افغانستان کو پانچ میر جعفر حکمران ملے۔ انھوں نے اپنے "دورِ اقتدار" میں جو کچھ کیا اور جس وفاداری کے ساتھ کیا اس کا عالم یہ ہے کہ اگر داؤد کی تقریر ترہ کئی کے نام لکھ دی جائے یا حفیظ اللہ امین کی بات ببرک اور نجیب سے پیش کی جائے تو قطعاً کوئی الجھن پیدا نہیں ہوگی۔

سب نے ایک ہی فلسفے کا پرچار کیا ایک ہی آقا کے گن گائے۔

اور اس کے اشارے پر اپنے ملک کے 'رجعت پسندوں' کے ساتھ ایک ہی جیسی 'ترقی پسندی' برتتے رہے۔

ان کی وفاداریوں کا مرکز اس حد تک ایک تھا کہ جب اس مرکز نے انھیں موت کے گھاٹ اتارنا شروع کیا تو دنیا کو حیرت ہوئی کہ کیا ایسے وفادار بھی اس سلوک کے مستحق تھے؟

لیکن خود سوشلزم کی باب میں یہ کوئی نئی بات تو نہیں تھی۔

کمیونسٹ آقا تو وہی کچھ کر رہا تھا جو کچھ اس نے اس سے پہلے سمرقند و بخارا میں کیا تھا۔ کردستان، ازبکستان، قازکستان، آذربائیجان، ترکمانستان، ترکستان اور تاجکستان کی سرزمین میں کر چکا تھا...... جس طرح تاشقند اور کرغاریہ میں کر چکا تھا۔

جو کھیل پولینڈ اور یوگوسلاویہ میں کھیل چکا تھا تاتاریہ اور کریمیا میں جو کارنامے دکھائے تھے باشغیر اور لتھونیا میں جو گل کھلائے تھے۔ قوقند، ایرال، اورال، داغستان، کرمستان اور ارپغان پر جو قیامت ڈھائی تھی۔

قدم قدم وہاں بھی نئے نئے ترہ کئی نئے نئے حفیظ اللہ امین نئے نئے کارمل اور نجیب کمیونزم اور سوشلزم کے اسٹیج پر آتے رہے اور پھر ختم کیے جاتے رہے وسط ایشیا کی ان مسلمان ریاستوں پر کمیونسٹ قبضے کے بعد یہ کہانی بڑے تسلسل کے ساتھ دہرائی جاتی رہی تاتاریہ کے سوشلسٹ وزیر اعظم سلطان قلیوف نے ۱۹۳۴ء میں اپنے آقاؤں کے ہاتھوں قتل کی سزا پائی۔ کریمیا کے وزیر اعظم کامریڈ ولی ابراہیموف کو ۱۹۳۷ء میں واصل جہنم کیا گیا۔

باشغیر کے صدر ظفر وف اور وزیر اعظم بلاشوف کو بھی ۱۹۳۷ء میں گولی مار دی گئی۔

۱۹۳۷ء ہی تاجکستان کے صدر نصرت اللہ مقسوم اور وزیر اعظم عبدالرحیم خواجیوف کے انجام کا سال بھی تھا۔

۱۹۳۸ء میں ازبکستان کے ملحد وزیر اعظم فیض اللہ اور مرکزی کمیٹی کے صدر اکمل اکرام نے موت ہی کی سزا پائی۔ فیض اللہ کی جگہ عبداللہ شان کریمی وزیر اعظم بن کر اسٹیج پر نمودار ہوئے مگر اسے بھی انقلاب سرخ کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دیا گیا —— عبداللہ شان کریمی کی جگہ تراب بیگ ارغلو وزیر اعظم بنے مگر انھیں بھی تو پھانسی ہوگئی۔

پھر سلطان ثاقب بے آگیا مگر سلطان ثاقب بے کو بھی گولی مار دی گئی۔

یہ ساری ریاستیں افغانستان کی ہمسایہ تھیں اور یہ سب پڑوس کے مقتول تھے۔

سردار داؤد خان، نور محمد ترہ کئی اور حفیظ اللہ امین وغیرہ ان سب کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے۔ اس کے باوجود وہ بدبخت لوگ اسی انجام کی طرف بڑھتے رہے اور بالآخر اسی انجام کو پہنچے۔

یہ تو افغانستان کے عوام تھے جنھوں نے اپنے لیے اس انجام کو ٹھکرا دیا۔ ۔ اور ہر ایک کے بیٹی میں جتنی بھی گولیاں موجود تھیں وہ انھیں لے کر باہر نکل آیا۔

ان کا فیصلہ کس قدر صحیح تھا۔ اور کتنا حق بجانب اور کیوں نہ ہوتا۔

وہ مارکس کی تلاوت کرنے والوں میں سے تو نہ تھے.... وہ اللہ واحد کے تسبیح خواں تھے۔

جو کچھ آج افغان سرحدوں کی اندر ہو رہا ہے وہی سب کچھ اس سے پہلے ان سرحدوں سے متصل مسلمانوں کی دوسری بستیوں میں بھی ہو رہا تھا۔

کوکند میں، بخارا میں، تاجکستان میں، قرغازیہ میں ریدال اورال میں، داغستان میں کرمستان میں، ارپغان میں۔ آذربائی جان میں اور سمرقند و بخارا تاشقند میں بھی تو —— یہی کچھ تو ہوا ہے۔

اگر افغان حکمران اسی وقت جاگتے، ہمسایوں کی مدد کرتے۔ پڑوسیوں کو پناہ دیتے اور اخوت اسلامی کا ثبوت پیش کرتے، تو آج نقشہ ہی مختلف ہوتا۔

امان اللہ خان سے لیکر ظاہر شاہ تک نے سرخ درندوں کا ساتھ دے کر اپنے ہی بھائی کو کچلا — اپنے ہی بیٹیاں ان وحشیوں کی حوالے کیں۔

اپنی ہی بہنیں اور مائیں ان کی اختیار میں چھوڑ دیئے اپنی پڑوس کی سرزمینوں کو آقاؤں کے حوالے کر دیا آج آخر کیوں ظاہر شاہ کو اٹلی میں حیرت ہے کیا اس نے تاجکستان کے مہاجرین کو واپس نہیں کیا تھا۔ کیا تاجک مجاہدین آزادی کے ہاتھ پاؤں باندھ کر انھیں اپنے روسی آقاؤں کے حوالے نہیں کیا تھا۔

آج یہ سیاہ بخت کس منہ سے خود افغ

بقیہ صفحہ ۲۲ پر

اقبالؔ جارحانہ فرقہ پرستی کی زد میں

اعجاز حسن ندیم (ایم اے) رانچی

افسوس کہ شری مدن گوپال سنگھل نے ۱۹۵۰ء میں ہندی میں ایک کتابچہ ــــ "کیا آپ سارا بھارت کو دارالسلام بننے دیں گے؟" کے نام سے جین گیان مدرنالیہ دلی ۳۲ سے پہلی بار شائع کیا تھا لیکن بعد میں وقفے وقفے سے یہ کتابچہ آر۔ ایس۔ ایس کے ماتحت چلنے والی تنظیم، دیانند سنستھان، ویدمندر نئی دہلی سے پنڈت راکیش رانی کی نگرانی میں شائع ہوتا رہا اور آج اس کتابچے کی ایک بڑی تعداد پورے ہندوستان میں ہاتھوں ہاتھ گھوم رہی ہے۔

جیسا کہ اس کتابچے کا نام ایک سوالیہ انداز میں رکھا گیا ہے، ایک نظر دیکھتے ہی محسوس کیا جاسکتا ہے کہ یہ کتابچہ، اسلام اور مسلمان، کے خلاف ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اس چھوٹے سے کتابچے کی ہر عبارت سے ہندوستانی مسلمانوں کو ملک دشمن باور کرانے اور ہندوستان میں اسلام، کے خلاف من گھڑت جائزہ کے ذریعہ زہر افشانی کی گئی ہے۔ جس کا مقصد صرف رائے عامہ کو ہموار کرنا ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کے خلاف ان میں نفرت اور عداوت کا جذبہ بھی ابھارنا ہے۔

ادبی جائزہ میں مصنف نے محب وطن شاعر ـــــ اقبالؔ کو بھی شک کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ اس کے خیال میں اقبال ہندوستانیت اور حب الوطنیت، کے معیار پر پورے نہیں اترتے اس کے ثبوت میں اقبال ہی کے اشعار بطور دلیل لائے گئے ہیں۔ ملاحظہ ہوں ــــ

"ہندوستان کو دارالسلام بنانے کی بات
ہر پرکار کے مسلمان کے ہردئیے میں
گھر کئے ہوئی تھی۔ شریمتی نائیڈو کے
شبدوں میں ـــــ "ایشیا کے سب سے
مہان کوی، سر اقبالؔ جنھوں نے دیش
بھکتوں کا دھیان اپنی اور آکرشیت
کرنے کے لئے ہی لکھا تھا



سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا

پر اندر ہی اندر یہ بھی لکھ رہے تھے:

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

ر کنتو مسلمان پورے دیش دارالاسلام بنانے میں کچھ کٹھنائی اَوشیئے انوبھو کرتے تھے۔ اَت پہلے انھوں نے اس کے اس بھاگ کو ہی چنا جہاں ان کی سنکھیا ادھک تھی۔ اپنے ادھیکار میں کرنا اچیت سمجھا"

(ہندی اقتباس بحوالہ "کیا آپ سارا بھارت کو دارالسلام بننے دیں گے" از شری مدن گوپال سنگھل)

مصنف نے صرف سروجنی نائیڈو کے حوالہ سے اقبال پر محب وطن نہ ہونے کا شک عائد کرکے جہاں سراسر حقیقت سے چشم پوشی کی ہے وہیں اپنی متعصبانہ ذہنیت کا واضح ثبوت بھی پیش کیا ہے۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ شریمتی نائیڈو کے اس قول کی تائید میں اسی دور کے ایشیا کے بنگلہ زبان وادب کے ممتاز شاعر رابندر ناتھ ٹیگور کے خیالات بھی پیش کئے جاتے جن سے علامہ کے اچھے مراسم تھے۔ اس کے علاوہ اس دور کے دیگر عظیم سیاسی رہنماؤں میں سبھاش چندر بوس، رادھا کرشنن اور جواہر لال نہرو جو ہندوستانیوں کی بیداری اور ہندوستان کی آزادی کے سلسلے میں بڑی حد تک اقبال کے ہم خیال تھے۔

بہرحال اس سے قبل بھی اقبال پر مختلف حلقوں کی جانب سے عائد کئے گئے جملہ الزامات میں، اقبال کے محب وطن نہ ہونے کا یہ الزام کوئی نئی بات نہیں۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ جس فرقہ اور نظریہ کے لوگوں تک اقبال کی شاعری کی پذیرائی ہوئی۔ وہ اقبالؔ سے حد درجہ متاثر ہوئے اور ان کی شاعری میں اپنا عکس دیکھا تو اقبالؔ کو اپنا ہم نوا بھی خیال کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آزاد ہندوستان کے تصور سے سرشار ہوکر مہاتما گاندھی اپنے ایام اسیری میں اقبالؔ کا یہ شعر اکثر گنگنایا کرتے،

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا

اور آج بھی ہندوستانی بچوں کا قومی گیت، یہاں کے بچے بچے کی زبان پر ہے۔ آزادی کے چالیس سال گذرنے کے بعد بھی 'قومی جشن' اور 'قومی ترانے' کے لئے اس کے بول اور دھن مخصوص ہو چکے ہیں۔ جب کہ یہاں کے رائج شدہ قومی گیت "جن گن من ادھینایک جے ہے" کی بائی کاٹ کی آواز رہ رہ کر سنائی دیتی ہے کیا یہ اقبالؔ کی حب الوطنی اور ان کی شاعرانہ عظمت کی دلیل نہیں ہے؟

سچی بات تو یہ ہے کہ اس کتابچے کا مصنف اقبالؔ کے کلام سے واقف ہے، ورنہ اس نے کبھی اقبالؔ کے فکر و نظر سے واقف ہونے کی ضرورت ہی محسوس کی۔ جب کہ کلام اقبالؔ کا ترجمہ انگریزی کے علاوہ بنگالی، مراٹھی، گجراتی، پنجابی اور کشمیری زبانوں

بھی موجود ہے اور جنوبی ہندوستان میں اقبال سے وہ طبقہ جس کی بھی پائی جاتی ہے۔ مگر مصنف نے محض ہندو عقائد اور ہندو قوم نظریے کی بنیاد پر رام راج کے شور سے سرشار ہو کر برادرانِ وطن کو گمراہ کرنے اور نفرت پھیلانے کی کوشش کی ہے۔

اقبال ــــــ نام ہے ایک آفاقی شاعر کا جو نہ صرف ہندوستان یا ایشیا کا، بلکہ دنیا کے انسانیت کا شاعر ہے۔ انھوں نے جو کچھ لکھا وہ ساری دنیا کے انسانوں کے لیے ایک ایسا پیغام ہے جس نے مشرق اور مغرب دونوں کو بیک وقت متاثر کیا۔ لہٰذا اقبال بیسویں صدی کے ایک عظیم مفکر شاعر ہیں جس پر کسی فرد، جماعت، گروہ یا طبقے کی اجارہ داری قائم نہیں ہو سکتی۔

اقبال کی زندگی اور ان کی شاعری کے دو خاص ادوار ہیں۔ پہلا دور ابتدا سے لے کر ۱۹۰۵ء تک یعنی ان کے انگلستان کی روانگی سے پہلے تک کے زمانے پر محیط ہے۔ ان کے ابتدائی دور کی شاعری میں مناظرِ قدرت اور مظاہرِ فطرت کے مشاہدے سے شاعر نے رازہائے حیات کو فاش کرنے نیز اپنی شاعری میں انھیں برتنے میں باکمال فنکاری ہے۔ ایک معلمِ اخلاق کی حیثیت سے کوشاں نظر آتے ہیں۔ "ہمارا ہندوستانی بچوں کا قومی گیت"، "ترانۂ ہندی"، "تصویرِ درد"، اور "صدائے درد" وغیرہ جیسی نظمیں علامہ کے محبِ وطن ہونے کی واضح دلیل ہیں۔ وہ اہلِ وطن کے باہمی نفاق سے مضطرب ہو کر اپنے جذبات کا اظہار اس طرح کرتے ہیں۔

جل رہا ہوں کل نہیں پڑتی کسی پہلو مجھے
ہاں ڈبو دے اے محیطِ آبِ گنگا تو مجھے
سرزمیں اپنی قیامت کی نفاق انگیز ہے
وصل کیسا یاں تو اک قربِ فراق آمیز ہے

انگریزی سیاست کی بنیاد "پھوٹ ڈالو، حکومت کرو" کے پیشِ نظر انگریز سیاست دانوں نے ہندوستانیوں کو، اکثریت، اور اقلیت کے نام پر دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور ہندوستان میں اتحاد کا شیرازہ ٹوٹنے لگا تو یہ اشعار علامہ کی زبان سے نالے بن کر نکلے

رلاتا ہے ترا نظارہ اے ہندوستاں مجھ کو
کہ عبرت خیز ہے تیرا فسانہ سب فسانوں میں
وطن کی فکر کر ناداں مصیبت آنے والی ہے
تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
(تصویرِ درد)

"نیا شوالہ" پہلے دور کی آخری نظم کہی جا سکتی ہے جس کا ہر شعر وطنیت کے جذبے سے لبریز ہے۔ درحقیقت اقبال اس نظم کے ذریعے اہلِ وطن کو اتحاد اور محبت کا درس جس سنجیدگی سے دیا ہے وہ ان کے انتہائی خلوص کا نمونہ ہے ؎

پتھر کی مورتوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
خاکِ وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے
شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے
(نیا شوالہ)

غرض یہ کہ ان تمام نظموں سے اس بات کی نفی ہوتی ہے کہ اقبال فرقہ پرست تھے یا محبِ وطن نہ تھے۔ بلکہ برِ صغیر کی آزادی کے لیے جو تحریکیں وجود میں آ رہی تھیں اور حب الوطنی کے جوش و جذبے میں ہندو مسلم اتحاد کا جو خواب دیکھا جا رہا تھا۔ اقبال نے بھی ایک حساس شاعر کی حیثیت سے ان کا گہرا اثر قبول کیا۔ بلکہ انھوں نے مسلم اور غیر مسلم کے امتیاز سے بالاتر ہو کر جن افکار و خیالات کو اپنے مسلک اور نظریہ سے قریب تر پایا اس سے استفادہ بھی کیا۔ لہٰذا نظم "آفتاب" جو گائتری کی (ہندو مذہب کی مقدس کتاب رگ وید) کی ایک قدیم دعا کا اردو ترجمہ ہے اور اقبال کی کشادہ نظری اور وسیع القلبی کا ثبوت پیش کرتی ہے۔

علاوہ ازیں ہندوستان کی عظیم ہستیوں میں "رام چندر" اور "گرو نانک" کا ذکر اقبال نے جس ادب و احترام سے کیا ہے۔ اس سے وہ ہزاروں سرپرست، وطن دوست اور دعویانِ حبِ وطن سے بہت آگے نظر آتے ہیں۔ لہٰذا "رام چندر" کے متعلق کہتے ہیں ؎

ہے رام کے وجود پہ ہندوستاں کو ناز
اہلِ نظر سمجھتے ہیں اس کو امامِ ہند

اور "گرو نانک" کی مدح سرائی اس طرح کرتے ہیں ؎

پھر اٹھی آخر صدا توحید کی پنجاب سے
ہند کو اک مردِ کامل نے جگایا خواب سے

اقبال کی شاعری کا دور، انگلستان اور جرمنی کے زمانۂ قیام سے شروع ہو کر آخر حیات تک قائم رہتا ہے۔ انھوں نے اپنے تین سالہ قیامِ یورپ کے دوران وہاں کی وطنی اور سیاسی تحریکات کا بچشمِ خود مطالعہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ اہلِ مغرب کی وطنیت اور قومیت کے گمراہ کن تصور ہی کے نتیجے میں یورپین قومیں دوسری قوموں کو مٹانے کی جس طرح تدبیریں کر رہی ہیں اس سے ان کی تہذیبی، معاشی اور سیاسی زندگی میں پیچ و تاب مضطرب ہے ابتلا پیدا ہو گیا اور روحانیت سے خالی معاشرہ نسلِ آدم اور وجود انسانیت کے لیے سراسر مہلک ہے۔

اسی لیے ہندوستانیوں خصوصاً مسلمانوں کو قومیت اور وطنیت کے غلط اور مہلک تصور سے باخبر کرتے ہیں ؎

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی

۱۹۰۸ء میں اقبال یورپ سے اہلِ مغرب کی تہذیب و تمدن اور سیاسی رویوں سے بیزار اور ناآسودہ آئے۔ نیز ان کی یہ بے چینی، ان کے افکار و نظریات میں زبردست تبدیلی کا سبب بنی اور اسلامی شاعری کی ابتدا ہوئی۔ جس کا اعتراف خود اقبال نے کیا ہے:

"میں سماجی اتحاد کے لیے وطن کو ایک بنیاد سمجھتا تھا اس لیے خاکِ وطن کا ہر ذرہ مجھے دیوتا دکھائی دیتا تھا۔ اس وقت میرے خیالات مادیت کی طرف مائل تھے سوائے وطن کے مجھے انسانوں میں اتحاد کے لیے کوئی دوسرا ذریعہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اب میں انسانوں کو صرف ازلی اور ابدی روحانی بنیادوں پر متحد کرنا چاہتا ہوں اور جب بھی "اسلام" کا لفظ استعمال کرتا ہوں۔ تو میری مراد اس سے یہی روحانی نظام ہے"

(بحوالہ رسالہ اردو، اقبال نمبر ۱۹۳۸ء یا از اقبال کامل۔ عبدالسلام ندوی ص ۳۲۷)

اقبال کے نزدیک اسلام نہ تو چند ظاہری رسوم کی بجا آوری کا نام ہے اور نہ محض عاقبت سدھارنے کے مختلف ذرائع کا مجموعہ ہے۔ بلکہ ایک ایسا نظام ہے جو روحانی مسائل کے ساتھ ساتھ مادی مسائل کے سلجھانے میں بھی انسان کی مکمل اور صحیح ترین رہبری کرتا ہے اور قرآن انسان کی روحانی اور مادی زندگی کے لیے ایک جامع دستور العمل ہے۔ لہٰذا اقبال کا یہ محکم اور بنیادی عقیدہ ان کی شاعری کی آبرو نہیں بلکہ معراج ہے۔[1]

اقبال کے اس بنیادی عقیدے سے جزواً یا کلیتہً اختلاف ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ ہندو وطن پرستوں کو ہمیشہ سے ہو رہا ہے لیکن کشادہ نظری اور خلوصِ قلبی

---

[1] پروفیسر رشید احمد صدیقی بحوالہ دیباچہ "اقبال سب کے لیے" از ڈاکٹر فرمان فتحپوری۔

کا تصور یہ ہوتا کہ اسلامی آئین و نظام کے متبادل
بین الاقوامیت اور عالمگیر انسانیت کے کلی تصور کے تحت
کوئی دوسرا نظام حیات یا آئین جو جغرافیائی حدود و قیود
اور امتیاز سے بالاتر ہو پیش کیا جاتا۔ جس کی شدت سے
مہاتما گاندھی بھی آرزومند تھے۔ وہ کہتے ہیں:

"میں اپنے ملک کی آزادی اس لئے
چاہتا ہوں کہ دوسرے میرے ملک
سے کچھ فائدہ حاصل کریں، میرے ملک
کے وسائل نوع انسانی کے فائدے کے
لئے استعمال ہو سکیں۔ جس طرح وطن
پرستی ہمیں آج یہ سکھاتی ہے کہ فرد کو
خاندان کے لئے گاؤں کو ضلع کے لئے،
صوبے کو ملک کے لئے جان دینی پڑتی
ہے۔ اسی طرح ملک کی آزادی کا مقصد یہ
ہے کہ اگر ضرورت پڑے تو وہ دنیا کے
فائدے کی خاطر جان دے دے، اس
لئے میری قومی محبت یا میری قومیت کا
مقصد یہ ہے کہ میرا ملک آزاد ہو تا کہ ضرورت
کے وقت سارا ملک دوسری قوموں کی
زندگی کی خاطر مر مٹے۔"

(بحوالہ مضمون "قومیت و وطنیت" از ڈاکٹر سید عابد حسین)

گاندھی جی کے اس خیال سے عالمگیر انسانیت کا جو تصور جھلکتا ہے اقبال کی شاعری اس کا بہترین نمونہ ہے جو انھوں نے پوری دنیا کو اسلام کے وسیلے سے دیا۔

غرض یہ کہ اقبال کی وطن سے محبت نہ صرف فطری تھی بلکہ مطلوب و مرغوب تھی اس لئے کہ اسلام کا بنیادی نقطۂ نظر تمام اقوام سے الگ اور سب سے بلند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں میں کبھی وطن پروری، حب الوطنی اور سیاسی وفاداری کا صالح تصور بھی پایا جاتا ہے ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی سے ہندوستان کی جنگ آزادی تک علماء نے جھنڈے، خلافت ترک کرنے، خطابات واپس کرنے، قید و بند کے مصائب جھیلنے اور دار و رسن کی صعوبتوں تک پہنچنے کا جذبہ اسی قوم پروری اور حب الوطنی کے نتائج ہیں اور مسلمانان ہند کا رول برادران وطن سے کبھی بھی کسی طرح کم تر نہیں رہا۔ فرق صرف یہ ہے کہ اس کے نزدیک وطن محبوب ہے معبود نہیں، معبود اس کا خدا ہے جس پر وہ ایمان رکھتا ہے۔ اور خدا کے حکم کے مطابق نماز کے لئے قبلہ کا رخ کرتا ہے اور حج کے لئے مکہ، و مدینہ جاتا ہے جو اس کی وفاشعاری اور خدا پرستی کے مراکز ہیں لیکن اس سے اس کی حب الوطنی اور قوم پروری پر شک کرنا یا اسے ملک دشمن باور کرنا سراسر تنگ نظری اور متعصبانہ عمل پر محمول کیا جائے گا ۔۔۔ آج برادران وطن کی اسی تعصب پسندی اور تنگ نظری کا ہی نتیجہ ہے کہ قومیت و وطنیت کا مظاہرہ خواہ پنجاب میں خالصتان کا نعرہ ہو یا گورکھا لینڈ کی تحریک، آسام میں زبان کی کشیدگی کی شکل میں ہو یا جھارکھنڈ الگ ریاست کا مطالبہ زبان و نسل اور ذات و قومیت کے گمراہ کن تصور ہی سے پیدا ہوا ہے۔

حواشی:-

۱۔ اقبال کامل، از مولانا عبدالسلام ندوی، در مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۹۴۸ء
۲۔ اقبال سب کے لئے، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی ۶ ۱۹۸۱ء
۳۔ ماہنامہ شاعر بمبئی جلد ۴۹ شمارہ ۱۲، ۱۹۷۸ء
۴۔ ماہنامہ دوام ... (فیض آباد یو۔پی) شمارہ ۲، اگست ۱۹۷۸ء

ایک انمول حدیث قدسی

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا۔
میں نے پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں میں رکھ دیا ہے؛
لوگ انھیں دوسری چیزوں میں تلاش کرتے ہیں۔ بھلا وہ کیسے پائیں گے۔
میں نے اپنی رضا کو مخالفتِ نفس میں رکھ دیا ہے۔ لوگ اُسے موافقتِ نفس میں تلاش کرتے ہیں۔ بھلا وہ کیسے پائیں گے۔
میں نے آرام کو جنت میں رکھ دیا ہے لوگ اسے دنیا میں تلاش کرتے ہیں۔ بھلا وہ کیسے پائیں گے۔
میں نے علم و حکمت کو بھوک میں رکھ دیا ہے لوگ اُسے سیری میں تلاش کرتے ہیں۔ بھلا وہ کیسے پائیں گے۔
میں نے تونگری کو قناعت میں رکھ دیا ہے لوگ اُسے مال میں تلاش کرتے ہیں۔ بھلا وہ کیسے پائیں گے
میں نے عزت کو اپنی اطاعت میں رکھ دیا ہے لوگ اسے بادشاہوں کے دروازوں پر تلاش کرتے ہیں بھلا وہ کیسے پائیں گے

بقیہ صفحہ ۱۷

ایک مشکل امر ہو گا۔ مگر یہ بھی ایک واضح حقیقت ہے کہ V.C کے اس اقدام سے نہ صرف طلبہ خوش ہیں بلکہ عوام پر بھی اس کا مثبت ردِ عمل ہو(ا)۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مسٹر خلیل الرحمٰن ان برائیوں کا قلع قمع کرنے میں کہاں تک کامیاب ہوتے ہیں۔ کیوں کہ جہاں انھیں کرپشن کو ختم کرنا ہے۔ وہیں ان کی راہ میں بے شمار رکاوٹیں حائل ہیں۔ قدم قدم پر مخالفت کا سامنا ہے۔ ان کا مقابلہ صرف حکومت میں بیٹھے لوگوں سے نہیں بلکہ ایک ایسے منظم گروہ سے بھی ہے جو برسوں سے یونیورسٹی کو اپنی ہوس کا شکار بنائے ہوئے ہے ـــ

ملک کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ وائس چانسلر نے وزیر تعلیم کو بھی چیلنج کر دیا۔

بقیہ صفحہ ۲۸ کا

کے عبرتناک باب کا ایک حصہ بن جاتی ہے۔

اسعد گیلانی صاحب جرأت مند آدمی ضرور ہیں لیکن ایک مورخ نہیں۔ پھر جس تحریک میں آدمی شامل ہو اس کی تاریخ کا تنقیدی جائزہ ذرا مشکل کام ہے اس کے لئے کم از کم ایک فاصلہ قائم کرنا پڑتا ہے اور اس کو مختلف زاویوں سے دیکھنا پڑتا ہے بشرطیکہ اس کو پڑھنے والے اپنے ہی نوک غلط زاویے سے نہ دیکھنے لگیں۔ اور اس علمی فاصلے کو قریبی لوگ حقیقی فاصلہ نہ سمجھ لیں۔

پہائے رنگارنگ

نئے نظام معیشت کی ضرورت

محمد جمال الدین
شیخ پوروی، پورنیہ

کسی قوم میں غربت وافلاس یا عدم مساوات کا پایا جانا ایک بڑی لعنت
... اپنا وطن عزیز ہندوستان اس معاشی ناہمواری میں سرفہرست ہے۔
ن اب ارباب حل عقد کو اس بات کا احساس شدت سے ہونے لگ گیا
ہے کہ ان ناہمواریوں پر کس طرح قابو پایا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ
م جمہوریہ کے موقع پر قوم سے خطاب کرتے ہوئے صدر جمہوریہ نے
مدر نارائن سے اپنی ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے سب کو ان سے شفقت و
ربانی سے پیش آنے کی تلقین فرمائی ہے۔ ہمارے وزیر اعظم مسٹر راجیو
نے تو ۱۵ر جنوری کو ہردوار میں کانگریس (آئی) سیوادل کے کل ہند تربیتی
مپ کی ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے ان کے اسباب وعلل
طرف اشارہ بھی فرمایا اور بڑے پتے کی بات کہہ ڈالی ہے۔ موصوف
نے فرمایا کہ:

"صرف ہندوستان ہی کو غریبی کا سامنا نہیں ہے۔ بلکہ دوسرے ملکوں کو بھی اس مسئلہ کا سامنا ہے۔ انھوں نے کہا کہ کچھ مفاد پرست ساری دنیا میں غریب ملکوں کے دشمن ہیں۔ روپیئے غریب ملکوں سے امیر ملکوں کی طرف بہہ رہے ہیں۔ لیکن امیر ملکوں سے روپیئے نہیں آتے۔ جب تک امیر ملکوں کا یہ رجحان جاری رہیگا غریب ملکوں کے مفادات کچلتے رہیں گے۔" (قومی آواز، پٹنہ ۱۶ر جنوری ۱۹۸۸ء)

اسی طرح کا ایک بیان ہندوستانی سائنس کانگریس کی سب کمیٹی برائے سائنس اور ٹکنولوجی کے کنوینر ڈاکٹر بولس کا ہے جو وزیر اعظم کے اس بیان کو تقویت بخشتا ہے۔ ڈاکٹر بولس نے یہ انکشافات پونے میں اس طرح کیا کہ:

"گذشتہ ۳۰ برسوں کے دوران تعلیم، صحت، التغذیہ بخش غذا اور مکانات کو بہت کم اہمیت دی گئی ہے۔ انھوں نے سرکاری ذرائع کے حوالے سے بتایا کہ ۲۷ کروڑ افراد اب بھی خط غربت کے نیچے زندگی گذار رہے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ دیہی اور شہری علاقوں میں عدم مساوات میں تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔"

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسی حالت کیوں ہے اور اس کا علاج کیا ہے؟ تو اصل وجہ یہ ہے کہ دنیا کی معیشت جن بنیادوں پر چل رہی ہے وہ اصولی طور پر سرمایہ دارانہ ہیں۔ اسی وجہ سے وہ استیصالی مزاج بھی رکھتا ہے۔ ہردم اپنے مال میں منافع یا افزائش کے ایسے اصول وضع کرتا ہے جس میں فائدہ ہی فائدہ ہو۔ وہ خسارے کے نزدیک بھی نہیں پھٹکتا۔ اس نظام معیشت میں دولت یا سرمایہ کو ہی فوقیت حاصل رہتی ہے جو دوسرے پیداواری عوامل کو حاصل نہیں ہوتے۔ جیسے کسی بھی پیداوار کے لئے چار عوامل مشروط ہیں ۱۔ سرمایہ ۲۔ محنت، ۳۔ عقل (ذہنی اور فکری قابلیت) اور ۴۔ وقت۔ مگر کسی بھی ناموافق حالات کی وجہ سے یا مسابقت میں شکست کی بنا پر اگر پیداوار میں نقصان ہوتا ہے تو اس نقصان سے سرمایہ اپنے آپ کو الگ رکھتا ہے۔ سرمایہ صرف نفع میں ساتھ رہتا ہے، نقصان میں نہیں۔ اس پیداواری نقصان کو ان کے باقی تینوں عوامل ہی کو سہنا پڑتا ہے۔ سرمایہ دار تو اپنے سرمایہ کا سود اسی وقت سے جوڑنا شروع کر دیتا ہے جب روپیہ بینک سے نکل کر کسی پیداواری یونٹ کو مل جاتا ہے۔ اب وہ کارخانہ جس میں مذکورہ سرمایہ لگایا گیا ہو معیاری مال تیار کرتا ہے اور بازار مسابقت میں اپنا کوئی مقام بناتا ہے یا نہیں اس سے اس کو کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ سرمایہ دار کو اپنے سرمایہ کے سود سے غرض ہوتی ہے جو اس کے سرمایہ میں اضافہ کا موجب ہوتا ہے اور بڑھتا ہی رہتا ہے۔ گھٹنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس طرح زراعت کا کھیت ناسازگار موسم اور ناموافق حالات کی وجہ سے پیداوار دینے سے قاصر رہ جاتے تو محنت، عقل اور وقت ان تینوں کو ان کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔ سرمایہ یا سرمایہ دار کو اس سے کوئی تعلق نہ ہوتا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ نظام معیشت میں دولت یا سرمایہ کو وہ مقام بلند حاصل ہے جو دوسروں کو حاصل نہیں ہے اور نہ ہوسکتا ہے۔ یہی وہ نکتہ ہے جس کی وجہ سے چھوٹی دولت بڑی دولت کی طرف کھینچتی چلی جارہی ہے۔ کم پیسے زیادہ پیسے کی طرف بہتے ہیں۔ امیر، امیر تر ہوتے چلے جارہے ہیں اور غریب اور زیادہ غریب بنتے جارہے ہیں۔ امیروں کو اپنی دولت بڑھانے اور اس کی حفاظت کرنے کی فکر ہمیشہ لاحق رہتی ہے۔ اس کا زندہ ثبوت سابق مرکزی وزیر خزانہ مسٹر وشوناتھ پرتاپ سنگھ کا وہ بیان ہے جس میں انھوں نے کہا تھا کہ سوئزرلینڈ کے بینکوں میں ہندوستانی باشندوں کے ایک ہزار کروڑ روپیئے جمع ہیں۔ جس کی تصدیق انٹرنیشنل مونیٹری فنڈ (.I.M.F) کے رپورٹ سے بھی ہوتی ہے۔ یہ ہے سرمایہ دارانہ مزاج اور اس کی خاصیت کی گھناؤنی تصویر یعنی دوسرا ملک ہمارے ایک ہزار کروڑ روپیئے سے فائدہ اٹھا رہا ہے اور ہم دوسرے ملکوں سے قرض لینے پر مجبور ہیں۔ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ ان خفیہ کھاتوں میں

* اس عنوان کے تحت تحقیقات اپنی اصلی شکل میں شائع کی جارہی ہیں۔

سیاہ دولت چھپی ہوئی نہیں ہے۔ پھر دولت میں روزافزوں زیادہ ترقی اوران کا تحفظ بھی اس کے اسباب ہوسکتے ہیں۔ گرچہ اس سے قوم اور ملک کا جس قدر بھی نقصان ہوجائے سرمایہ دارانہ مزاج اس میں نہ کوئی عار محسوس کرتا ہے اور نہ کوئی جھجک۔ یہی سرمایہ دارانہ نظریہ فکر سماج میں بگاڑ پیدا کرنے کی وجہ بن گیا ہے۔ سماج کے ہر شخص کو دولت کا حریص بنا کر رکھ دیا ہے۔ خواہ دولت جائز طریقوں سے حاصل ہو یا ناجائز طور پر لوٹ لیا جائے۔ چاہے یہ مکر وفریب یا دھوکا اور ظلم کے ذریعہ ہی کیوں نہ حاصل کیا جائے۔ دوسری طرف غریبوں کے دلوں میں امیروں سے اور ان کے خلاف بغض وعناد کا پیدا ہونا ایک فطری امر ہے۔ غرباء امراء کو اپنا استیصالی عناصر تصور کرتے ہیں۔ یہیں سے طبقاتی کشمکش شروع ہوتی ہے۔ یہی سودی نظام معیشت بنی آدم کو دو مالی طبقات میں بانٹتا ہے۔ ایک طبقہ امیروں کا ہوتا ہے جو دن رات اپنی دولت کو اور زیادہ بڑھاتے اور اس کی حفاظت کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ دن اور رات کی اپنی راحتیں بھی اس کے لئے تج دیتا ہے۔ دوسرا زمرہ غریبوں کا ہوتا ہے جو نان شبینہ کا محتاج ہوتا ہے دن رات اس کو یہی فکر لگی رہتی ہے کہ کل اس کے بچے کیا کھائیں گے؟ تعلیم اور معقول علاج ان کے دسترس سے بہت دور ہوتا ہے۔ ڈاکٹر بولس کے تخمینے کے مطابق ایسے لوگوں کی تعداد ملک میں ۲۷ کروڑ کے قریب ہے۔ یعنی ملک کی ایک تہائی آبادی خط غربت سے بھی نیچے اپنی زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ شاید ۱۷-۱۹۱۶ء میں روس کی ایسی حالت بھی نہ ہوئی ہوگی جب کہ وہاں زار جیسے جابر اور ظالم بادشاہ کی حکومت تھی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ حکمراں طبقہ اپنے اپنے ملکوں میں سوشلزم لانے کا اعادہ اور غربت ختم کرنے کا نعرہ دیتے رہتے ہیں۔ تاکہ عوام کو مطمئن رکھا جاسکے ورنہ اس استیصالی نظام معیشت میں یہ نعرے فقط ایک فریب تخیل اور طفل تسلی سے زیادہ کی اہمیت کے حامل نہیں ہوتے۔

سودی نظام معیشت کی سحر آفرینی ہی تو ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کے کٹر مخالف بھی اس کی پیروی پر مجبور ہیں اور وہ بھی جو اس نظام کو دولت کے ارتکاز کا موجب اور افراط زر کا سبب گردانتا ہے وہ بھی اس نظام سے چھٹکارے کی کوئی کوشش نہیں کرتا اور نہ پرہیز سے کام لیتا ہے۔ اور وہ بھی انسانوں کی عزت ووقار کو اسی دولت کے پیمانے سے ناپتا ہے۔ حیرت ہے کہ اب تک دنیا اس نظام معیشت کا کوئی متبادل نظام معیشت تلاش کرنے میں قطعی قاصر رہی ہے۔ بلکہ اس سودی نظام معیشت کے حمام میں دنیا کا ہر ملک خواہ اس کا تعلق اشتراکیت سے ہو یا اشتمالیت سے، جمہوریت سے لگاؤ رکھتا ہو یا آمریت سے سب یکساں ننگے نظر آتے ہیں۔ سرمایہ داری کے مخالفین پر اس سحر کا اتنا ہی اثر دکھائی دیتا ہے جتنا اثر اس سرمایہ داری نظام کے بہی خواہ قبول کئے بیٹھے ہیں۔ ان حالات میں غریبوں کے پیسے کا بہاؤ امیروں کی طرف اور غریب ملکوں کی دولت کا بہاؤ امیر ملکوں کی طرف ہونا لازمی ہے اسی حقیقت کا اعتراف تو ہمارے وزیر اعظم نے بھی کیا ہے۔

پھر دولت حاصل کرنے اور اس میں سبقت لے جانے کی دوڑ بدعنوانیوں کے صدہا باب کھول ڈالتی ہے۔ اسی استیصالی معاشی نظام کی کوکھ سے قانون شکنیاں جنم لیتی ہیں۔ تو جائز طریقوں سے دولت حاصل کرنے کا گر بھی سکھاتا ہے۔ اور بے مروتی، بے رحمی اور دہشت پسندی کی راہیں بھی دکھاتا ہے۔

اے کاش! اگر دنیا کی حکومتیں غربت ختم کرنے میں واقعی مخلص ہوں تو دنیا میں سرمایہ دارانہ نظام معیشت سے کہیں ارفع واعلیٰ نظام معیشت موجود ہے جس کی بنیاد اخلاق کی اعلیٰ قدروں پر استوار ہے۔ اور جو ایسے اصول وضع کرتا ہے جس میں امیر غریبوں کا ہمدرد اور غم خوار بن جاتا ہے، تو دوسری طرف غریبوں کو امیروں کا مددگار اور محافظ بنا دیتا ہے۔ مگر اس متبادل نظام معیشت کو اپنانے سے پہلے مغرب کی اندھی تقلید اور انکی ذہنی غلامی سے رہائی پانا ضروری ہے۔ پھر موجودہ نظام معیشت کے دیو سے جنگ کا خطرہ بھی مول لینا لازمی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ حکومتیں ان خطرات سے نمٹنے کی طاقت، قوت اور صلاحیت اپنے آپ میں نہیں پاتیں اس لئے بادل ناخواستہ بھی اس استیصالی سرمایہ دارانہ نظام معیشت کو اپنائے رکھنے میں ہی عافیت محسوس کرتی ہیں۔

'تمس' اندھیرے سے اجالے کی اور

محمد عالم - الہ آباد

چھ قسطوں پر مشتمل "تمس" ابھی اندھیرے سے اجالے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ ہندو کٹر تنظیمیں و آریہ سماج کو اس کی روشنی میں اپنا بھیانک چہرہ صاف صاف نظر آنے لگا۔ ملک کی تمام چھوٹی بڑی ہندو راشٹر کا سپنا دیکھنے والی تنظیموں نے ملک گیر پیمانے پر مذمت ومظاہرہ کرنا شروع کر دیا۔ دہلی دوردرشن کے سامنے سابق وزیر نشر واشاعت جناب ایل۔ کے۔ ایڈوانی کے زیر قیادت بڑے پیمانے پر مظاہرہ کیا گیا۔ حیدرآباد میں تو ان تنظیموں نے قانون ونظم کی دھجیاں اڑا دیں۔ بہرکیف یہ سیریل قلیل مدت میں پورے ملک میں موضوع بحث بنا رہا۔ شاید سیریل کے ڈائرکٹر گووند نہلانی کو اس کی توقع بھی نہ ہو۔

دراصل یہ تنظیمیں ہر اس بات کو صحیح سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش میں مصروف رہتی ہیں جو ہندوؤں کے اعلیٰ ذات کی طرف سے منسوب ہو چاہے وہ بات حقیقت سے کتنی دور کیوں نہ ہو اور ہر وہ بات غلط وقابل مذمت سمجھتی ہیں جو ان کی غلطیوں کی نشاندہی کرتی ہو چاہے وہ بات حقیقت پر کتنی کھری کیوں نہ ہو۔

ان مظاہروں کی ابتداء دراصل ایپیسوڈ نمبر ۱ سے شروع ہوئی جس میں ایک کمزور لڑکے کو ایک علامتی لباس میں دکھایا گیا جو شروع میں مرغی کو ذبح

کرنے میں اپنے آپ کو کمزور سمجھتا ہے بعد میں وہی کمزور لڑکا ایک مسلسل ٹریننگ کے بعد اپنے مقصد کو واضح کرنے اور تنظیم کو قائم رکھنے کے لئے ایک منیف ملان کو بہادری سے قتل کرتا ہے۔ بس یہیں سے کٹر ہندو تنظیمیں وآر یہ سماج سڑکوں پر نکل آتیں۔

ساہتیہ اکاڈمی سے انعام یافتہ یہ ناول ۱۹۷۳ء لکھا گیا تھا جس کے مصنف مسٹر بھیشم ساہنی ہیں۔ ظاہر ہے یہ ناول ایک عرصہ سے عوام کے درمیان رہا ہے۔ مسٹر ایل۔کے۔ ایڈوانی کے وزارت کے زمانے میں بھی پڑھا جاتا رہا مگر تب وزیر موصوف کو اس پر پابندی لگانے کا خیال نہیں آیا؟ اس وقت کسی نے اس کے خلاف صدا کیوں نہیں بلند کی؟ کیا اس وقت فرقہ پرستی کے معنی دوسرے تھے؟ اس وقت ان تنظیموں کو ملک خطرے میں کیوں نہیں نظر آیا؟

ٹی وی اس وقت ہمارے سماج کے مستقبل کا پیمانہ ہے جس کے ذریعہ سے سماج کا تمدن ثقافت اور مزاج طے ہوتا ہے۔ اب جن کے ہاتھ میں اس کا کنٹرول ہے اس کے ساتھ ہمارا مستقبل ہے اگر وہ چاہیں تو اس کے ذریعہ ملکی اتحاد، بھائی چارگی، امن کے پیغام کی روشنی پھیلائی جا سکتی ہے مگر افسوس ہمارے یہ کنٹرولر جنھیں صرف "بنیاد" "ہم لوگ" "کالا جل" یا "اپنے پرائے" جیسے سیریل دکھانے میں لطف آتا ہے اور اس کو دیکھنے والے کو ایک ایسی دنیا میں پہنچا دیا جاتا ہے جہاں سے اسے صرف سپنا دکھائی دیتا ہے پیار ومحبت کے نئے طریقے نظر آنے لگتے ہیں۔ عریانیت اور جنسی لذت اس کے بالکل نزدیک سے دستک دینے لگتی ہے۔ مانو دنیا صرف اسی چیز کا نام ہے۔ اس زاویہ سے دیکھا جائے تو دوردرشن کے ادھیکاری قابل مبارک باد ہیں کہ انھوں نے اپنے اصولوں سے بغاوت کرتے ہوئے نبض پکڑنے کی کوشش کی۔

پورے سیریل کو دیکھنے پر چند باتیں عرض کرنا مناسب ہوگا۔ اوّل یہ کہ ایسے نازک وقت پر کچھ لوگ ایسے ضرور ہونا چاہیئے جو امن قائم کرنے کے لئے آخری وقت تک کوشش کرتے رہیں اور فساد کے وقت آپسی بدگمانی وافواہ سے ہوشیار رہنا چاہیئے یا اسی طریقے کی کچھ اور نکات۔ مگر اس بات سے کون لوگ واقف نہیں۔ ظاہر ہے یہ صرف تاریخ کو دوہرانا ہی ہے۔ حالانکہ بھیشم ساہنی نے سیریل کے پیش لفظ میں یہ بات کہی تھی ہم محض تاریخ کے طور پر اس سیریل کو دکھانا نہیں چاہتے بلکہ اس جگہ کی نشاندہی کرنا چاہتے ہیں جہاں سے غلطی سرزد ہوئی۔ مگر غور سے دیکھنے پر پتہ چلا کہ انھوں نے ہندوؤں کے ایک مخصوص طبقے کو فساد کا ذمہ دار ٹھہرایا سکھوں کو صرف گرودوارے تک ہی محدود رکھا مگر اس کے برعکس مسلمانوں کے پورے سماج کو ذمہ دار ٹھہرایا۔ ظاہر ہے مسلم سماج کے لئے یہ تاثر انکی ایمانداری پر داغ لگاتا ہے حالانکہ تاریخ گواہ ہے تقسیم ملک کے وقت سب سے زیادہ نقصان اسی طبقے کو ہوا۔

دوسری بات گوند نہلانی نے جس طرح کمیونسٹوں کو نمایاں کرکے دکھایا وہ بات سمجھ میں کم آتی ہے حالانکہ ان لوگوں کا ہمیشہ سے یہ دستور رہا کہ دنگے فساد ہو جانے کے بعد ہی یہ لوگ دکھ درد بانٹنے نکلتے ہیں۔ شاید ہی کبھی ہوا ہو کہ دنگے سے قبل اس کو روکنے کی کوئی تدبیر ان کی طرف سے عمل میں آئی ہو۔ چونکہ نہلانی جی خود اپنی نجی زندگی میں کمیونسٹ ذہن رکھتے ہیں اس لئے اگر انھوں نے ایسا کیا تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

سیریل ایسے وقت دکھایا گیا جب مسلم اور سکھ کے مابین ماضی کی وہ تلخی کافی حد تک مندمل ہوتی نظر آ رہی تھی مگر اس وقت یہ سیریل نئی پیڑھی کو پھر سے اسی راہ پر ڈال دیگی جہاں دونوں فرقوں میں پھر نئے سرے سے کشیدگی بڑھنا شروع ہو جائیں گی۔ چنانچہ اس لحاظ سے اگر دکھا جائے تو یہ قومی یکجہتی کے منافی ہوگا۔

آخر میں ایک بات اور پورے سیریل کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ تقسیم آزادی کی لڑائی میں مسلمان اگلی صف میں نہیں رہے وہ یا تو اس سے غافل رہے یا پچھلی صف میں ہی محدود رہے ظاہر ہے یہ عمل تاریخ کو جھٹلانے کے مساوی ہے اور نئی نسل کو حقیقت سے دور رکھنے کی سازش ہے۔ ویسے تاریخ گواہ ہے انھیں ہندو راشٹروادی تنظیموں نے آزادی کی تحریک کی مخالفت کی تھی۔

بہرکیف ہمیں تیار رہنا چاہیئے آئندہ اس طرح کے سیریلوں کو دیکھنے کے لئے کیونکہ یہ ایک شروعات ہے اس طویل سلسلہ کا جو خالص مسلم دشمنی پر مبنی ہوگا کیونکہ یہ سنگھٹن خاموش نہیں رہیں گے بلکہ اپنے اختیارات کے تحت اپنے مشن کی اشاعت کے لئے کوشاں رہیں گے۔

رشتہ

فرمان احمد خان
دھنباد

حالانکہ گھرانہ بہت ہی اونچا تھا۔ تعلیم بھی بہت اعلیٰ تھی۔ لیکن ذہن وفکر مادہ پرستانہ تھا۔ بس نام نہاد کی شہرت، دنیوی ترقی کا حصول ان کا شعار تھا یا مقصدِ زندگی...

شفیق نے جب ایم۔ اے۔ پاس کرلیا تو ان کے والد جو گورنمنٹ فرم کے ایک ملازم ہیں کی تمنا تھی کہ شفیق کسی کالج کا پروفیسر بنے۔ آخرکار عتیق کی تمنا پوری ہوکر ہی رہی K.L.N کالج میں اردو کے ایک لکچرر کی جگہ خالی تھی۔ شفیق نے اسے پُر کیا۔ اس کے بعد سب سے بڑا مسئلہ جو عتیق کے سامنے تھا وہ اس کی لڑکی رشیدہ کا تھا۔ رشیدہ نے بی۔ اے۔ بی ایڈ کرلیا تھا اسے ایک سرکاری نوکری بھی مل گئی تھی۔ عمر کی دہلیز ۲۵ پار کرچکی تھی۔ رشیدہ خوبصورت تھی بہت سی خوبیوں اور صلاحیتوں کی مالک تھی۔ رشیدہ کو دیکھنے کے لئے اسی وقت سے لوگ آتے تھے جب وہ میٹرک میں پڑھتی تھی اور آج اس نے بی۔ اے۔ بی ایڈ۔ کے بعد ملازمت بھی کرلی تب بھی لوگ دیکھنے کے لئے آرہے ہیں۔ آج تک جو بھی رشتہ آیا نقدی کے ساتھ مطلوبہ

سامان جیسے کار، اسکوٹر، رنگین ٹی۔ وی، فریج وغیرہ کی فرمائش کی عتیق کو تو اتنی رقم اور سامان دینا بھاری مشکل تھا۔ رشیدہ پڑھی لکھی کے علاوہ سروس بھی کرتی ہے۔ اس کے بعد بھی عتیق کو جھکنا پڑ رہا ہے۔ جھکنا کیوں نہ پڑے جبکہ پڑھا لکھا برسر روزگار دینی مزاج، اسلامی ذہن رکھنے والا مہذب لڑکا کو عتیق نے محض اس لئے ٹھکرا دیا کہ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ نہیں ہے۔ ڈاکٹر، انجینئر، بیرسٹر نہیں ہے۔ اس طرح کئی سال گزر گئے لیکن لڑکا نہیں مل سکا۔ وقت گزرتا گیا۔ لیکن عتیق کے حال میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ میں آپ کی لڑکی سے شادی کرنے کو تیار ہوں عتیق صاحب۔ میں کچھ نہیں لوں گا سلیم نے ہمدردانہ الفاظ میں کہا۔ آخر میرا لڑکا عابد بھی تو ہے دینی مزاج، اسلامی ذہن رکھنے والا باشعور اور سنجیدہ لڑکا ہے۔ ایک پرائیویٹ اسکول کا ٹیچر بھی ہے۔ لیکن عتیق کو تو ڈاکٹر، انجینئر کا بھوت سوار تھا۔ ان کے نزدیک پیسے کے علاوہ اور کسی چیز کی کوئی قدر نہیں تھی۔ اپنی انتھک کوششوں کے باوجود بھی عتیق اپنی بیٹی کے لئے لڑکا نہیں کھوج سکے۔ آخر کار نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بغیر شادی کے کنواری ہی بوڑھی ہو گئی۔

ادھر شفیق کے لئے رشتہ ڈھونڈا جا رہا تھا۔ شفیق نے بھی اپنے دل میں بہت ہی سنہرے خواب سجا رکھے تھے۔ اسے بھی اپنی رفیق حیات کا انتخاب کوئی ایسی ویسی لڑکی کا نہیں تھا بلکہ خوب سے خوب حسین و جمیل دلکش اور جاذب دل کا تھا۔ تاکہ اس کا کوئی بھی دوست اس کا چرچا کئے بغیر نہ رہ جائے اور ساتھ ہی ساتھ اپنے ساتھ جہیز میں بھی کافی سامان لائے اور نقدی میں ۴۰ ہزار ہو۔ اسے ایسی ہی لڑکی کا انتخاب کرنا تھا۔

بہر حال وہ دن آ گیا جبکہ چاروں طرف شہنائی کی آواز گونج رہی تھی۔ ہر طرف قمقموں کے حصار میں پروانے جھومتے گاتے نظر آ رہے تھے۔ آج شفیق کی شادی ہو رہی ہے۔ آج شفیق کا گھر روشنی اور قمقموں سے جگمگا رہا ہے۔ لیکن آج رشیدہ نہ جانے کیوں اداس تھی۔ شاید وہ اپنے ماضی میں مستقبل ڈھونڈ رہی تھی۔ اس نے اپنے خیالات کے دریچے بالکل کھول رکھے تھے تاکہ اس کے فیصلے میں کوئی الجھن نہ لگے۔ آخر کار اس نے فیصلہ کر ہی لیا مجھے اس دنیا میں جینے کا کوئی حق نہیں۔ میں جی کر ہی کیا کروں گی۔ میں اپنے ماں باپ کی بوجھ بنی بیٹھی ہوں۔ میری وجہ سے میرے والدین پریشان ہیں ان کو چین نہیں ہے۔ شاید میرا فیصلہ انھیں سکون پہنچائے۔

چودھویں کی ایک رات تھی۔ چاندنی رات کی پُر نور فضا میں اپنے آپ کو پا کر رشیدہ بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ وہ بالکل سمٹ چکی تھی۔ آج اس نے دلہن والا جوڑا پہن رکھا تھا اس احساس سے کہ میں بھی کسی کی دلہن بنی ہوں۔ ادھر شفیق اپنی دلہن کے ساتھ سسرال جا رہا تھا اور ادھر رشیدہ سسرال تو نہیں آج کے معاشرے کے گندے اور گھناؤنے جابر و ظالم لوگوں سے چھٹکارا پا کر دور کہیں دور انجان راستے کی طرف رخصت ہو رہی تھی۔

۔ رفیق منزل

مطبخ انچارج

سہیل ساحل ۔ موتی ہاری

اجتماع کا آخری دن تھا اور کارروائی زور و شور سے چل رہی تھی۔ مطبخ انچارج اجتماع کی کارروائیوں سے بے نیاز اپنی دھن میں مگن تھا۔ اس نے منتظمین سے مشورہ کر کے شرکائے اجتماع کو گوشت اور پلاؤ سے نوازنے کی بات پکی کر لی تھی کہ شرکاء اجتماع کی یادوں کے ساتھ پلاؤ کی خوشبو بھی ساتھ لئے جائیں۔ خالص دیسی گھی اور عمدہ باسمتی چاول کے ساتھ چربدار گوشت کا انتظام کر لیا گیا تھا۔ اب مطبخ انچارج باورچی کو ہران نئے "ڈائرکشن" دے رہا تھا اور اپنے "تجربے کی داد وصول کر رہا تھا۔ خدا خدا کر کے گوشت تیار ہوا اور پلاؤ کو دم پر رکھ دیا گیا۔ گوشت اور پلاؤ کی خوشبو اس قدر پھیلی کہ کیپاؤنڈ اور اجتماع گاہ کو پار کر کے سڑک پر جا پہنچی۔ ایک فقیر اپنی مخصوص قوت شامہ کی مدد سے مطبخ کے پاس پہنچ گیا۔ ساٹھ باسٹھ کی عمر سفید داڑھی میں کہیں کہیں سرخ و سیاہ بال، آدھے سر کے بال اڑے ہوئے۔ آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئیں بغل میں ایک بڑا سا جھولا اور ہاتھ میں ایک لاٹھی۔ یہ تھا فقیر کا حلیہ۔ اس نے اپنے جھولے سے المونیم کا ایک بڑا کٹورا نکالا اور کنگھار کر کہا "بابو مجھ پر ذرا نظر کر دیجئے" مطبخ انچارج نے وزن دار آواز میں کہا۔ "اطمینان سے بیٹھئے دیکھتے نہیں ہیں ابھی کھانا تیار نہیں ہوا ہے۔" فقیر بیٹھ گیا۔ اس بیچ سلاد تیار کیا جانے لگا۔ جب وقفہ کا اعلان کیا گیا اس وقت تک ہر چیز تیار ہو گئی تھی۔ انچارج نے کھانے کا اعلان کروا دیا۔ قاب اور رکابیوں میں پلاؤ اور گوشت نکالے جانے لگے اور دسترخوان پر چنے جانے لگے۔ فقیر نے اپنے نتھنوں میں کچھ محسوس کیا۔ اس نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری اور کچھ کہنا چاہا اتنے میں مطبخ انچارج نے کہا "ذرا آپ راستہ چھوڑ کر بیٹھئے لوگوں کو آنے جانے میں دقت ہو رہی ہے۔ آپ کو بھی ملے گا ذرا باہر سے آئے ہوئے مہمانوں کو کھا لینے دیجئے۔" فقیر پہلو بدل کر رہ گیا جب لوگوں نے ایک شفٹ کھا لیا اس وقت تک فقیر کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا۔ اس نے جیب سے ایک روپیہ کا سکہ نکالا اور کہا۔ مجھے زیادہ نہیں چاہیئے صرف ایک روپیہ کا دے دیجئے۔ انچارج نے فقیر کو اوپر سے نیچے تک گھور کر دیکھا۔ یہ کوئی ہوٹل نہیں ہے۔ میں نے کہا ہی ہے مہمان کھا لیتے ہیں تو پھر آپ کو بھی کھلا دیا جائیگا۔ دوسرے شفٹ میں پتہ چلا کہ پلاؤ کم ہے اور ابھی لوگ باقی ہیں۔ مطبخ انچارج کی پریشانی بڑھی اس نے باقرخانی کا انتظام کرایا کہ دونوں ملا کر کام چلایا جائے۔ دوسرے شفٹ میں جب لوگوں نے کھا لیا تو اس نے کاؤنٹنگ کی اور اطمینان کا سانس لیا۔ کسی نے انچارج صاحب سے کہا آپ بھی بیٹھ جائیے ہم لوگ کھلا دیتے ہیں۔ انچارج صاحب دسترخوان پر جم

بقیہ صفحہ ۱۹ پر

للت نارائن متھلا یونیورسٹی

بدعنوانی اور مفاد پرستی کا اڈہ

——— عارف اقبال

صوبہ بہار کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ جب بھی کوئی شخص یہاں ایمانداری کی بات کرتا ہے تو اسے عتاب کا شکار ہونا پڑتا ہے، چاہے وہ سکریٹریٹ کا افسر ہو، پولیس کا ذمہ دار ہو یا تعلیمی اداروں سے اس کا تعلق ہو۔ قدردانی اس کی ہوتی ہے جو سب سے زیادہ کرپٹ ہو، رشوت خوری، جھوٹ اور بے ایمانی پر جس کا مکمل اعتماد ہو۔ بہار میں جتنی یونیورسٹیاں ہیں ان میں للت نارائن متھلا یونیورسٹی (دربھنگہ) وہ واحد یونیورسٹی ہے جس پر میتھلی برہمنوں کی مضبوط گرفت ہے۔ آج بھی وہاں سیشن تین چار سال لیٹ چل رہے ہیں۔ جعلی اسناد کی خرید و فروخت دھڑلے سے ہوتی ہے۔ امتحان کی بنیاد ہی چوری اور نقل پر رکھی ہوئی ہے۔ یہ واحد یونیورسٹی ہے جہاں ملازمین سنڈیکیٹ کو دھمکا کر منہ مانگی تنخواہیں طے کرا سکتے ہیں۔

موجودہ وائس چانسلر مسٹر شکیل الرحمٰن نے جب ۱۹ دسمبر ۱۹۸۰ء کو یونیورسٹی میں اپنے عہدہ کا چارج لیا۔ اسی دن سے سچ اور جھوٹ کی کشمکش شروع ہو گئی۔ جب انھوں نے یونیورسٹی کا گرتا ہوا معیار، دھاندلی، جعلی سرٹیفکیٹ کی خرید و فروخت اور امتحانات میں نقل کا بازار گرم دیکھا تو عہد کر لیا تھا کہ یونیورسٹی کو ان برائیوں سے پاک کر دیں گے۔ مگران کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب دیکھا کہ کرپشن میں نچلے درجے کے ملازمین سے لے کر رجسٹرار، پروفیسر حتیٰ کہ منسٹر تک ملوث ہیں۔

انھوں نے سب سے پہلے جعلی ڈگریوں پر روک لگایا۔ امتحانات میں نقل کو بالکل بند کر دیا۔ اور وہ ملازمین جنھوں نے دھونس اور دھاندلی کے ذریعہ اپنی تنخواہوں میں اضافہ کروالیا تھا اس اضافے کو بند کر دیا۔ حتیٰ کہ بہار کے وزیر تعلیم کو بھی



للت نارائن متھلا یونیورسٹی کی شاہی عمارت: خود غرضی اور مفاد پرستی کی آماجگاہ

نہیں بخشا۔

اس کے بعد جو کچھ ہونا تھا وہی ہوا۔ ملازمین اور اساتذہ سڑکوں پر نکل آئے اور "وائس چانسلر مردہ باد" کے نعرے لگانے لگے۔

> وائس چانسلر مسٹر شکیل الرحمٰن کا قصور یہ ہے کہ انھوں نے یونیورسٹی سے بدعنوانی اور کرپشن دور کرنے کا عزم کر لیا ہے۔

یونیورسٹی ۱۷ مارچ سے وائس چانسلر مردہ باد کے نعروں سے گونج رہا ہے۔ اصل معاملہ کیا ہے؟ عوام اس سے باخبر ہیں۔ وہ طلبہ جو واقعی تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں وائس چانسلر کے اس اقدام سے خوش ہیں۔ انھیں عوام کا بھی SUPPORT حاصل ہے مگر خود غرض اور مفاد پرست ملازمین اور اساتذہ جو برسوں سے اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھو رہے تھے۔ اور یونیورسٹی کو ہر لحاظ سے تباہ کر کے چین کی بانسری بجا رہے تھے انھیں وائس چانسلر کے اس اقدام سے جو دھکا لگا وہ اظہر من الشمس ہے۔

اپنے عہدے پر فائز ہوتے ہی وائس چانسلر کو یہ جان کر حیرت ہوئی کہ یہاں بعض چپراسی ایسے بھی ہیں جو پورے ملک کے کسی بھی چپراسی سے زیادہ تنخواہ پا رہے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض کی تنخواہیں تو لکچرر سے بھی زیادہ ہیں۔ دراصل ۱۹۸۰ء میں سنڈیکیٹ نے وائس چانسلر مسٹر سی پی سنگھ کے وقت میں ملازمین کی ہڑتال اور ڈراؤ دھمکاؤ میں آکر تنخواہوں میں اضافہ کر دیا تھا۔ ملازمین نے یہ سہولت بھی حاصل کر لی تھی کہ ۱۰ سال کے بجائے ۵ سال میں ہی انھیں ترقی

دیا جائے۔ اس میں یہ گنجائش بھی رکھی گئی تھی کہ میٹرک یا اس کے مساوی صلاحیت رکھنے والوں کو وقت پورا ہونے پر کلرک بنا دیا جائے۔ ۳۶ چپراسی اس طرح کلرک بن گئے۔ ۱۹۸۵ء میں سنڈیکیٹ کے فیصلے کے مطابق تنخواہوں میں ۱۲۰۰ ـ ۔۔۔ کا اضافہ ہوا۔ اس کے ساتھ ہی یونیورسٹی کے ۴۷ ملحق کالجوں میں بھی یہ آسانیاں فراہم ہوگئیں۔ یونیورسٹی کو ہر سال ایک کروڑ روپے مزید ادائیگی کرنی پڑی۔ نتیجتاً یونیورسٹی مالی بحران کا شکار ہوگئی۔ قاعدہ کے مطابق سنڈیکیٹ کو حکومت بہار سے اس کی منظوری لینی چاہیے تھی۔ لیکن انارکی کے لیے مشہور اس یونیورسٹی میں اس کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ اس صورت حال سے وائس چانسلر نے حکومت بہار اور چانسلر مسٹر گوبند نارائن سنگھ کو واقف کرایا وہاں سے جواب آیا کہ جو آسانیاں ۱۹۸۵ء میں ملازمین کو دی گئی تھیں انھیں بند کر دیا جائے ملازمین کو اس کی خبر ملتے ہی ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ یونیورسٹی کا سارا کام ٹھپ ہوگیا۔ وائس چانسلر اور ملازمین میں رسہ کشی شروع ہوگئی جو ہنوز جاری ہے مجبور ہو کر وائس چانسلر نے ۲۱ ملازمین کو معطل کر دیا۔ وائس چانسلر کہتے ہیں کہ اگر ملازمین کام پر واپس نہ آئے تو اور لوگوں کو بھی نوکری سے ہاتھ دھونا پڑ سکتے ہیں۔

مسٹر شکیل الرحمن نے اپنے ایک اپیل میں کہا ہے کہ طلبہ کے لیے ہمارا دروازہ ہمیشہ کھلا ہے۔ جب چاہیں طلبہ اپنی پریشانیاں اور شکایتیں ہم تک پہنچا سکتے ہیں۔ طلبہ اپنی پریشانیوں کے سلسلے میں ان سے ملنے بھی لگے۔ وائس چانسلر نے Ph.D کے VIVA بھی بیٹھنا شروع کر دیا۔

V.C نے جہاں ملازمین کے خلاف کارروائی کر کے بھڑ کے چھتے میں ہاتھ ڈالا ہے وہیں دوسری طرف اساتذہ سے بھی دشمنی مول لے کر سانپ کے بل میں بھی ہاتھ رکھ دیا ہے۔

دربھنگہ کے سب سے بڑے کالج C.M سائنس کالج اور C.M آرٹس کالج میں اساتذہ کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ چند کے ذمہ مہینے میں ایک دن کا صرف ایک پریڈ پڑتا ہے — C.M. سائنس کالج کے کمسٹری ڈپارٹمنٹ میں ۲۶ اساتذہ ہیں مگر شہر سے دور پنڈول کالج کے اسی ڈپارٹمنٹ میں ایک بھی ٹیچر نہیں ہے، خود پرستی نے اساتذہ کو اتنا اندھا بنا دیا ہے کہ ہر طرح کے جوڑ توڑ لگا کر یہ لوگ بیرون شہر کے کالجوں سے اپنا تبادلہ شہر کے کالجوں میں کروا لیتے ہیں۔ کچھ اساتذہ ایسے بھی ہیں جن کی ترقی DEMONSTRATOR سے لکچرر کے عہدے پر ہوئی ہے۔ صرف C.M. سائنس کالج میں کیمسٹری ڈپارٹمنٹ میں ۷ اساتذہ باہر سے آئے اور ۵ کی ترقی ڈیمانسٹریٹر سے لکچرر کے عہدے پر ہوئی۔ اس طرح ڈپارٹمنٹ Physical میں ۴ باہر سے آئے اور ۵ کی ترقی ہوئی BOTONY ڈپارٹمنٹ میں ۴ باہر سے آئے اور ۳ کی ترقی ہوئی ZOOLOGY DEPTT میں بھی ۴ باہر سے آئے اور ۵ کی ترقی ہوئی۔ یہ ایک لمبی فہرست ہے جس میں بہت سے کالجوں کے پرنسپل بھی شامل ہیں۔ جنھوں نے اپنے مفاد کے پیش نظر شہر کے مشہور کالجوں میں اپنا تبادلہ کروا لیا ہے۔ وائس چانسلر نے ان میں سے ۳۴ اساتذہ اور ۱۱ پرنسپل کا تبادلہ ان کالجوں میں کر دیا جہاں ان کی "زیادہ ضرورت" تھی۔

اس کے ساتھ ہی V.C. نے ریڈر کے عہدے پر فائز ڈاکٹر نیلا میر چودھری کی ترقی بھی ختم کر دی ہے کیوں کہ وہ غلط ڈھنگ سے ریڈر کے عہدے پر فائز ہوئے تھے۔ جس کا ثبوت V.C. کو مل گیا تھا۔ V.C. کی اس صفائی مہم میں وزیر تعلیم بہار نگندر جھا بھی نہ بچ سکے۔ نگندر جھا C.M. آرٹس کالج کے متعلق ڈپارٹمنٹ میں پروفیسر ہیں۔ اس عہدہ پر انھیں ۲۵ سال پورا ہونے کے بعد ترقی ملنی چاہیے تھی۔ لیکن V.C. کا کہنا ہے کہ انھوں نے ۲۵ سال پورے نہیں کیے نیز انھوں نے اس مدت میں جب کہ وہ اسمبلی کے ممبر نہیں تھے اس دوران کالج نہیں آئے اور نہ ہی چھٹی کی درخواست دی۔ بتلایا جاتا ہے کہ نگندر جھا کے آدمی C.M. سائنس کالج میں بھی بھرے ہوئے ہیں۔ خود ان کا لڑکا سنجے جھا جو میڈیکل کے طالب علم ہیں یہ مانگ کر رہے تھے کہ میڈیکل کا امتحان C.M. سائنس کالج میں ہو (تاکہ نقل کرنے میں آسانی رہے) لیکن V.C. کو جب اس بات کا علم ہوا تو انھوں نے سنٹر مارواڑی کالج میں تبدیل کروا دیا۔ جس کی وجہ سے V.C. کے خلاف مظاہرے ہوئے اور نتیجتاً وہ امتحان آج تک رکا ہوا ہے۔

V.C. کی اس صفائی مہم سے پریشان لوگوں میں سے چند نے نگندر جھا کے پاس پہنچ کر شکایت کی۔ نگندر جھا نے چانسلر پر دباؤ ڈالا کہ V.C. کے ان تمام فیصلے اور احکام کو رد کر دیں جو ملازمین کے خلاف ہیں۔ اس پر فوری کارروائی ہوئی اور چانسلر کا ایک وائرلیس پیغام مسٹر شکیل الرحمن کے پاس پہنچا کہ انھوں نے جو بھی فیصلے کیے ہیں انھیں رد کیا جاتا ہے۔ اپنی خبط کے لیے مشہور گورنر (جو یونیورسٹی کے چانسلر بھی ہیں) نے ایک طرف یہ حکم جاری کیا اور دوسری طرف انھوں نے اساتذہ کے لیڈر اور قانون ساز اسمبلی کے ممبر مانند سنگھ مدن اور لکشمن پرساد سنگھ کو کہا کہ V.C. اچھا کام کر رہے ہیں۔ ساتھ ہی انھوں نے یہ بھی کہا کہ کبھی کبھی حکومت کے جذبات کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے۔

اس یونیورسٹی میں نقل کی چھوٹ تو ممتحن کا پیدائشی حق ہو گیا تھا، رشوت کے بغیر کوئی کام ہونا ناممکن تھا۔ اونچے عہدے پر فائز ملازمین ذات برادری اور رشتے کی بنیاد پر کام کرتے تھے اس کے خلاف جب V.C. نے ACTION لیا تو یہ V.C. کے خلاف ہو گئے۔

یونیورسٹی کا پورا نظام اتنا سڑ چکا ہے کہ حق بات پر ڈٹے رہنا V.C. کے لیے [illegible]

ہوٹل کی صنعت

ہمارے ملک میں سیاحت کی طرف خصوصی طور سے دھیان دیا جارہا ہے جس کی وجہ سے ہوٹل کی صنعت نے کافی ترقی کی ہے اور اگلے پانچ برسوں کے دوران ملک کے بڑے بڑے ہوٹلوں میں مجموعی طور سے مزید ۲۵ ہزار کمروں کی ضرورت پڑے گی اور اس کے ساتھ ایسے لوگوں کی ایک بڑی تعداد کو بھی اس صنعت میں شامل کیا جائے گا جو اس صنعت سے متعلق کچھ جانکاری رکھتے ہوں۔ صرف انتظامیہ میں ہی ڈھائی ہزار لوگ لئے جائیں گے مگر بات صرف بڑے ہوٹلوں کی ہی نہیں ہے چونکہ بڑی صنعتوں کے ساتھ ہی ساتھ ذیلی صنعتیں بھی ترقی کرتی ہیں۔ اس لئے بلاشک وشبہ چھوٹے اور درمیانے ہوٹل بھی خود ہی ترقی کریں گے۔ اب اگر آپ کو بھی ترقی کی اس دوڑ میں شامل ہونا ہے سیاحت و صنعت سے دلچسپی ہے، باہری ملکوں اور وہاں کے لوگوں کے بارے میں جاننے کا شوق ہے تو اس کے لئے ضروری ٹریننگ لینے کے لئے تیار ہو جائیے کیونکہ ادھر ٹریننگ ختم ہوئی نہیں کہ آپ کو ملکی و غیر ملکی ہوٹلوں سے ملازمت کی پیش کش ملنے لگے گی لہٰذا ملک بھر میں کہاں کہاں ڈگری، ڈپلوما، سرٹیفکیٹ کورس کی تعلیم دی جاتی ہے اس کی تفصیلات ہم ذیل میں پیش کر رہے ہیں۔

سرکاری ڈپلوما کورس کہاں؟

ہوٹل مینجمنٹ کا سرکاری ڈپلوما کورس کی تعلیم ملک کے ۱۲ علاقائی انسٹی ٹیوٹوں میں دی جاتی ہے۔ اس کورس کی مدت تین سال ہے۔ آپ مدھیامک امتحان کی کسی بھی شاخ سے انگریزی میں ۵۰ فی صد نمبر لاکر یہ ٹریننگ لے سکتے ہیں۔ اس کے لئے عمر کی حد زیادہ سے زیادہ ۲۲ سال ہے۔ جن ریجنل انسٹی ٹیوٹوں میں ٹریننگ دی جاتی ہے ان کے نام ذیل میں درج کئے جارہے ہیں۔

(۱) انسٹی ٹیوٹ آف ہوٹل مینجمنٹ کیٹرنگ ٹکنالوجی اینڈ اپلائیڈ نیوٹریشن، اولڈ ایئرپورٹ گراؤنڈ، تارا تلہ روڈ کلکتہ۔ ۸۸۔

(۲) انسٹی ٹیوٹ آف ہوٹل مینجمنٹ، کیٹرنگ اینڈ نیوٹریشن پوسا نئی دہلی ۱۲۔

(۳) انسٹی ٹیوٹ آف ہوٹل مینجمنٹ کیٹرنگ ٹکنالوجی اینڈ اپلائیڈ نیوٹریشن۔ سی آئی ٹی کیمپس۔ تھاراماتی ایس او۔ مدراس ۶۰۰۱۱۳۔

(۴) انسٹی ٹیوٹ آف ہوٹل مینجمنٹ کیٹرنگ ٹکنالوجی اینڈ اپلائیڈ نیوٹریشن۔ ویر ساورکر مارگ، دادر (پچھم) بمبئی۔ ۲۸۔

(۵) انسٹی ٹیوٹ آف ہوٹل مینجمنٹ، کیٹرنگ ٹکنالوجی اینڈ اپلائیڈ نیوٹریشن بھونیشور (اڑیسہ)

۶۔ انسٹی ٹیوٹ آف ہوٹل مینجمنٹ کیٹرنگ ٹکنالوجی اینڈ اپلائیڈ نیوٹریشن۔ بھوپال (مدھیہ پردیش)

۷۔ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 بنگلور (کرناٹک)

۸۔ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 احمدآباد (گجرات)

۹۔ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 گیا (بہار)

۱۰۔ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 سرینگر

۱۱۔ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 حیدرآباد

آپ مندرجہ بالا انسٹی ٹیوٹوں میں سے کسی ایک میں تعلیم حاصل کرسکتے ہیں۔ ان میں سیٹوں کی تعداد یوں ہے۔ کلکتہ (۱۰۰)، احمدآباد اور گیا (۶۰ ہر ایک میں) دہلی اور بمبئی (۱۲۰ ہر ایک میں)، بنگلور (۵۰) حیدرآباد (۴۵) بھوپال (۴۵) اور سرینگر (۲۰) ہوسٹل کی سہولت بھونیشور، دہلی اور احمدآباد میں موجود ہے۔ صرف لڑکوں کے لئے ہوسٹل کی سہولت بھوپال بنگلور، مدراس اور کلکتہ میں پائی جاتی ہے۔ جبکہ گیا میں صرف لڑکیوں کیلئے ہوسٹل ہے۔

اس ڈپلوما کورس کے لئے ایک انٹرنس امتحان دینا پڑتا ہے جو کونسل آف ہوٹل مینجمنٹ اینڈ کیٹرنگ ٹکنالوجی لیا کرتی ہے۔ یہ امتحان عموماً فروری۔ مارچ کے مہینے میں ہوا کرتا ہے۔ تین موضوعات کا تحریری امتحان لیا جاتا ہے جن میں نیومریکل ایبلیٹی (اعدادی صلاحیت) اور سائنسی ایپٹی ٹیوڈ (سائنسی قابلیت)، انگریزی اور ریزننگ اینڈ لوجیکل ڈیڈکشن (دلالت و منطقی نتیجہ) امتحان میں کامیابی کے بعد انٹرویو کا مرحلہ آتا ہے جس میں عام معلومات اور ان تمام موضوعات پر سوالات کئے جاتے ہیں جن میں امیدوار پاس کرتا ہے۔ اس کے علاوہ گروپ ڈسکشن (جماعتی بحث) ہوتا ہے۔ امتحان اور انٹرویو دونوں میں کامیابی کے بعد کسی منظور شدہ انسٹی ٹیوٹ میں کرافٹ کورسوں کی ٹریننگ دی جاتی ہے۔ ٹریننگ کے بعد میڈیکل ٹسٹ لیا جاتا ہے۔

دیگر منظور شدہ ڈپلوما کورس

رانچی کے انڈین انسٹی ٹیوٹ آف سائنس ہوٹل مینجمنٹ کیٹرنگ اینڈ اپلائیڈ نیوٹریشن میں تین سالہ ڈپلوما کورس کی تعلیم دی جاتی ہے جو حکومت سے منظور شدہ ہے۔ کسی بھی شاخ کے ہائر سکنڈری پاس لڑکے لڑکیاں اس کے لئے درخواست کر سکتے ہیں۔ عمر کی کوئی قید نہیں ہے۔ سیشن جولائی کے مہینے میں شروع ہوتا ہے۔ جبکہ داخلہ کی درخواست اکتوبر میں قبول کی جاتی ہے، انسٹی ٹیوٹ کا پتہ ہے۔ انسٹی ٹیوٹ آف سائنس کورو رد رانچی۔ ۲۔

نئی دہلی کے اوبیرائے اسکول آف ہوٹل مینجمنٹ نے دو سالہ ایڈوانس ٹریننگ پروگرام شروع کر رکھا ہے۔ یہ بھی سرکار سے منظور شدہ ہے کسی بھی شاخ کے گریجویٹ لڑکے لڑکیاں اس میں داخلہ لے سکتے ہیں۔ روانی سے اچھی انگریزی بولنا لازمی ہے اس کے علاوہ اگر فارسی، جرمن، اسپینی، عربی یا جاپانی زبان کا بھی علم ہو تو اسے اضافی قابلیت میں شمار کیا جاتا ہے عمر ۲۰ سے ۲۵ کے درمیان ہونی چاہیئے۔

ٹریننگ کے دوران پہلے سال ماہانہ ۱۵۰۰ روپیہ اور دوسرے سال ۱۶۰۰ روپیہ بطور وظیفہ دیا جاتا ہے۔ ٹریننگ کے خاتمہ پر کمپنی سے یہ معاہدہ کرنا ہوتا ہے کہ امیدوار اسی جگہ ۵ سال کے لئے ملازمت کرنے کا پابند ہوگا۔ اس کی تقرری اسسٹنٹ منیجر کے عہدے پر کی جاتی ہے۔ اس وقت تنخواہ ۲ ہزار روپیہ دی جاتی ہے جو بڑھ کر ۲۲۰۰ ہو جاتی ہے۔ اگر بیرون ملک تقرری ملے تو تنخواہ ماہانہ ۱۶۵۰ امریکی ڈالر دی جاتی ہے۔ طعام و قیام مفت ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ معاہدہ کے خاتمہ پر وطن واپس لوٹنے کے لئے ہوائی خرچ بھی دیا جاتا ہے امیدواروں کا انتخاب گروپ ڈسکشن (جماعتی بحث) اسپاٹ اسپیچ (فی البدیہہ تقریر) اور انٹرویو کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ ابتدائی انٹرویو کلکتہ، دہلی، بمبئی اور بنگلور میں لئے جاتے ہیں۔

عام طور پر درخواستیں مئی۔ جون میں لی جاتی ہیں۔ پتہ ہے: اوبیرائے اسکول آف ہوٹل مینجمنٹ ہوٹل اوبیرائے انٹر کانٹی نینٹل، ڈاکٹر ذاکر حسین مارگ، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۳۔

سرٹی فکیٹ کورس

کلکتہ، بمبئی اور مدراس کے ریجنل انسٹی ٹیوٹوں میں ہوٹل مینجمنٹ کے مختلف ٹریڈوں کے سرٹی فکیٹ کورس کی تعلیم دی جاتی ہے۔ کلکتہ کے مراکز میں ۲۴ ہفتے کا کرافٹسمین شپ کورس کرایا جاتا ہے۔ اس کے موضوعات ہیں۔ (۱) کوکری (COOKERY) (۲) بیکری اور کنفیکشنری (۳) ہوٹل سیشن اور لنک کیپنگ (۴) ہوٹل ہاؤس کیپنگ (۵) ریستوراں اور کاؤنٹر سروس۔

ایسے کورسوں کے لئے مدھیامک پاس ہونا ضروری ہے۔

سرٹی فکیٹ کورسوں کیلئے درخواستیں جولائی۔ اگست کے درمیان لی جاتی ہیں۔

مدراس والے مرکز میں ایک سال کا کرافٹس سرٹی فکیٹ کورس کرایا جاتا ہے۔ اس کورس کے موضوعات ہیں۔ (۱) کیٹرنگ اور فوڈ پریزرویشن (۲) بیکری اور کنفیکشنری (۳) کوکری (۴) ریستوراں اور کاؤنٹر سروس (۵) ہوٹل ریسپشن اور بک کیپنگ، اول الذکر چار کورسوں کے لئے تعلیمی قابلیت مدھیامک میں ۴۵ فی صد مارک کا حاصل کرنا ہے۔ مگر پانچویں کورس کے لئے ہائر سیکنڈری امتحان میں مجموعی نمبر کا ۴۵ فی صد اور صرف انگریزی میں ۵۰ فیصد نمبر حاصل کرنا ضروری ہے۔ عمر ۲۱ سال سے زیادہ نہ ہو درخواست صرف چھپے ہوئے فارم پر کی جا سکتی ہے جو عام طور پر مئی۔ جون میں ملتے ہیں۔

بمبئی میں ایک سال کا کرافٹس مین شپ کورس ان موضوعات پر کرایا جاتا ہے۔ (۱) کوکری (۲) بیکری اور کنفیکشنری (۳) بیکری اور فوڈ پریزرویشن یہاں نہ تعلیمی قابلیت کی کوئی قید ہے اور نہ عمر کی درخواست کے لئے چھپے ہوئے فارم جون میں دیئے جاتے ہیں۔

ڈگری کورس

اب ہوٹل مینجمنٹ کے ڈگری کورس بھی شروع ہو چکے ہیں ا؛ سارے ملک میں اسی کو مسلمہ ڈگری کورس سمجھا جائے گا۔ کرناٹک کے منی پال میں ڈاکٹر ٹی ایم اے پائی فاؤنڈیشن نے ایک سال قبل ایک ایسا ہی کالج قائم کیا تھا اس کورس کا اہتمام اور انتظام ہوٹل صنعت کا ایک جانا پہچانا ادارہ ویلکم گروپ کرے گا اس کالج کا نام اسکول آف ہوٹل ایڈمنسٹریشن ہوگا۔ اس کورس کے دوران طالب علم ہوٹل مینجمنٹ کے ہر رخ اور ہر پہلو سے واقف ہو جائیں اس کے لئے کالج کے ساتھ ہی ایک ٹریننگ ہوٹل بھی ہوگا۔ یہ کالج منگلور یونیورسٹی سے جڑا ہوا ہے۔

اس تین سالہ ڈگری پروگرام میں کل ۴۳ کورس اور ۶ سمسٹر ہونگے اس کورس میں داخلہ کے لئے ہائر سکنڈری پاس ہونا ضروری ہے۔ البتہ اگر ہوٹل مینجمنٹ یا کام کا تجربہ یا کسی فوڈ کیٹرنگ کالج کا طالب علم یا طالبہ ہو تو وہ داخلہ کا دوسروں سے زیادہ مستحق ہوگا۔ شیراٹن مینجمنٹ کارپوریشن اور ویلکم گروپ نے اس سلسلے میں ۵ وظیفے دینے کا بھی فیصلہ کیا ہے۔ اس کورس کے پاس کر لینے کے بعد کالج ہی ملازمت مہیا کرنے میں مدد دیگا۔

بقیہ صفحہ ۱۵ کا

گئے۔ جب انھوں نے باقر خوانی اور گوشت تناول فرمالیا اور پلاؤ میں چمچہ ڈالا تو فقیر کی یاد آئی۔ انھوں نے دیکھا گوشت۔ باقر خوانی اور پلاؤ بھی کچھ رہے۔ انھوں نے سوچا کھانے کے بعد اسے کھلا دوں گا۔ کھانے سے فراغت پانے کے بعد جب وہ ایک آدمی کی مدد سے کھانا لئے باہر نکلے تو فقیر کا دور دور تک پتہ نہ تھا۔

اسرائیلی درندگی

محمد علاءالدین، دربھنگہ

آج سے چالیس سال قبل ۱۹۴۸ء میں لاکھوں فلسطینی عربوں کی لاشوں پر اور دسیوں لاکھ فلسطینیوں کو بے وطن کر کے ریاست اسرائیل کی تشکیل کی گئی۔ عالم عرب میں اس صیہونی ریاست کا خنجر گھونپنے میں برطانیہ، امریکہ اور دوسری مغربی طاقتوں نے اپنی پوری قوت کا زور دکھایا اور اس نے بھی اس خونی ڈرامہ کی پشت پناہی کی۔ مغربی طاقتوں کی پشت پناہی میں جنم لینے والا اسرائیل اپنے ناجائز وجود کو مستحکم نہ سمجھتے ہوئے ۱۹۶۷ء میں عرب سرزمینوں اور مزید فلسطینی علاقوں پر قبضہ کر لیا اور گھناؤنی سازش لوٹ کھسوٹ اور بدترین جبر ظلم کے ذریعہ اپنی ریاست کی عمارت تعمیر کی اپنے ناجائز وجود کو برقرار رکھنے کے لئے اسرائیلی حکومت فلسطینی عوام کی جذبہ آزادی کو کچلنے کی جتنی بھی کوششیں کر رہی ہے ٹھیک اس کے برخلاف فلسطینی عوام میں آزادی کی لہر میں تیزی آتی جا رہی ہے۔ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی کے مصداق آزادی کے متوالے اپنی جان جوکھم میں ڈال کر اسرائیل کے ناپاک وجود کے خاتمہ کے لیے ہمہ تن مصروف ہیں۔ حالیہ پانچ ماہ سے فلسطینی عوام میں ایک نئی تیزی آئی ہے اور جذبۂ جہاد کو نیا رخ ملا ہے۔ فلسطینی بغاوت کو دبانے کیلئے ہٹلر کے جانشیں یہودی حکمراں اپنے مظالم کا پورا زور صرف کر رہے ہیں۔ فلسطینی عوام کی کوششوں کو دیکھتے ہوئے ایک یہودی دانشور فیتا لانگر نے کہا ہے کہ وہ دن دور نہیں ہے جب اسرائیل اور مقبوضہ علاقوں کے فلسطینی اور مقامی یہودیوں میں ہر شہر میں دست بدست جنگ ہوگی اور اس خانہ جنگی میں یہودی املاک داؤ پر لگ جائیں گے۔ آزادی فلسطین کی تحریک کو کچلنے اور سرد کرنے کے لئے اسرائیل اور اس کے مربی جس وحشت درندگی کا مظاہرہ کر رہے ہیں اس سے اس جذبۂ آزادی کو کچلا نہیں جا سکتا۔ اس حقیقت کو نہ اسرائیل سمجھ رہا ہے اور نہ اس کا مربی امریکہ۔ آزادی اور انسانی حقوق کا راگ دونوں ہی الاپتے رہتے ہیں لیکن جہاں مسئلہ فلسطین کی آزادی اور فلسطینیوں کے انسانی حقوق کے احترام کا ہو تو وہاں یہ گونگے، بہرے اور اندھے بن جاتے ہیں۔ اور آزادی کا مطالبہ کرنے والے انھیں دہشت پسند نظر آنے لگتے ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ اسرائیل پیدائشی درندہ ہیں، وہ درندہ ہی پیدا ہوا اور درندہ ہی بن کر جی رہا ہے۔ ہر روز درندگی کا نیا مظاہرہ کرتا رہتا ہے مگر

باطل سے دبنے والے اے آسمان نہیں ہم

کے مصداق اسرائیل کی ہر درندگی کے جواب میں آزادی فلسطین کی تحریک میں تیزی ہی آتی جا رہی ہے۔ شاید فلسطینیوں کی اسی جذبہ آزادی سے متاثر ہو کر رابرڈ ڈیلون (لبنان میں امریکی سفیر تھا) نے کہا ہے کہ آزادیٔ فلسطین کی موجودہ تحریک فلسطینی عوام کی کامیابی کی نوید سناتی ہے ان کا کہنا ہے کہ فلسطین کی زمین صرف فلسطینی عوام کے لئے ہے۔ اسرائیل نے امریکہ، برطانیہ اور روس کے سہارے اپنے کو مضبوط کر لیا ہے۔ لیکن اگر یہ بڑی طاقتیں اس کا ساتھ چھوڑ دیں تو اسرائیل زیادہ عرصہ فلسطین میں حکومت نہیں کر سکتا ہے۔ فلسطینی عوام نہتے اور کمزور ہیں کیونکہ اس وقت دنیا میں اکیلے ہیں اگر عرب ممالک ان کا ساتھ دیں، ان کی معاشی اور عسکری مدد کریں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ چند لاکھ یہودی فلسطین کو چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور نہ ہو جائیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ عرب ممالک کا آپس میں نظریاتی انتشار ختم ہو، وہ آپس میں یکجہتی اور اتحاد قائم کریں اور پیغمبروں کی سرزمین فلسطین کو یہودی قبضہ سے آزاد کریں، وہ قبال قائم کریں جو عظیم مجاہد سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے دور میں قائم کی تھی۔

قبلہ اول اور فلسطین کو یہودی تسلط سے آزاد کرنے میں جو لوگ اسرائیلی درندگی کا شکار ہوئے اللہ تعالیٰ انھیں اپنی رحمتوں سے نوازے اور فلسطین و مسجد اقصیٰ کی آزادی کی راہ آسان کر دے۔

بقیہ حضرت ابراہیمؑ ....

گے؟ یقیناً ہو جائیں گے۔ اسی لئے اس جگہ کی زیارت کو ہر صاحب حیثیت مسلمان پر فرض کیا گیا جس کو ہم حج کے نام سے یاد کرتے ہیں اور جو اسلام کا ایک اہم رکن ہے۔

حج کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے عشق و محبت کا جو عملی نقشہ پیش کیا جاتا ہے اس کے اثرات بڑے دیرپا اور موثر ہوتے ہیں اسی حج کے ذریعہ مسلمانان عالم کی اجتماعیت کا ایک عظیم الشان مظاہرہ پوری دنیا کے سامنے میدان عرفات میں پیش کیا جاتا ہے اس میدان میں مسلمانوں کی اجتماعی دعا بہت جلد بارگاہ ایزدی میں شرف قبولیت حاصل کر لیتی ہے یہاں کا طواف اس بات کی علامت ہے کہ طواف کرنے والا اپنے خالق کا سچا عاشق ہے اور پروانے کی طرح مرکز توحید کا چکر لگا رہا ہے یہاں کنکریوں کا پھینکنا گویا باطل سے جنگ اور اس کی مخالفت کا اعلان ہے آخیر میں جانوروں کی قربانی کرنا اس حقیقت کا عملی مظاہرہ ہے کہ رضائے الٰہی کے لئے اپنی خواہشات اور محبوب چیزوں کو قربان کر دینے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کی جائے گی۔

حج اسوۂ ابراہیمیؑ کی اتباع کا سب سے بڑا مظاہرہ ہے اس سے دلوں کو تازگی ملتی ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں ابراہیمؑ کے اسوہ پر چلنے کی توفیق دے اور خانہ کعبہ کی زیارت کی توفیق دے۔ آمین ثم آمین۔

غزلیں

ابوالمجاہد زاہد

اکثر چھوٹے لوگ ملے ہیں، عالی شان ایوانوں میں
ہم نے نقلی پھول ہی دیکھے، سونے کے گلدانوں میں
ساری جرأت قرباں کر دی، ساحل کی آسائش پر
طوفانوں سے لڑنے والے، ڈوب گئے میدانوں میں
میرے لئے حیرت کی اس سے بڑھ کر کوئی بات نہیں
فرزندانِ نور ملے ہیں، ظلمت کے دربانوں میں
اک ملت بن کر سب بھائی، ایک ہی گھر میں رہتے تھے
بٹتے بٹتے، بٹتے بٹتے، بٹ گئے کتنے خانوں میں
دونوں ہی شیطان ہیں لیکن، "لال" بڑا ہے یا "پیلا"
سارا جھگڑا بس اس پر ہے، دونوں ان شیطانوں میں
علم و حکمت ہی نے یارو! ویرانے آباد کئے
علم و حکمت ہی نے بدلا، شہروں کو ویرانوں میں
اندھیارے افسردہ گھروں کے دو رکھی ہوں تو کیونکر ہوں
"سورج" تو لپیٹے رکھے ہیں، غفلت کے جزدانوں میں
قبریں ایسی، جیسے دلہنیں چوتھی کی ہوں، اے زاہد
کیا کیا زیب و زینت دیکھی، "اسلامی بت خانوں" میں

ایم۔ اے۔ شمسی

در بھنگہ

اک شخص جو ہے آپ کی نظروں میں عقلمند
لیکن وہ میرے شہر کا ہے انتہا پسند
اے اہلِ کارواں یہ کدھر جا رہے ہو تم
منزل کی سمت جانے کا یہ راستہ ہے بند
کیوں حسن بے مثال پہ تھا ناز آپ کو
دیکھیں ذرا حضور کی ٹوٹی کہاں کمند
ہاں قید کر کے مجھکو بھی زنداں میں ڈال دو
میں بھی تمہارے گاؤں کا ہوں اک وفا پسند
ہر صاحبِ شعور کو ہے اس کا اعتراف
شمسی تمہارے ذوق کا معیار ہے بلند

کلیم ضیا

یہ سچ ہے میرے غم سے کوئی بے خبر نہ تھا
ہاں میرے رنج و غم کا کسی پر اثر نہ تھا
سوغات درد و غم کی ملی اس لئے مجھے
میرے سوا جہاں میں کوئی معتبر نہ تھا
سب کہہ رہے تھے راہ نئی چاہیئے مگر
جب میں چلا تو کوئی مرا ہمسفر نہ تھا
اس بزم میں بھٹک گئی بینائی حیات
وہ بزم جس میں کوئی بھی اہلِ نظر نہ تھا
دشتِ انا میں ڈالی تھی ظلمت نے چھاؤنی
قسمت کی وادیوں میں سحر کا گزر نہ تھا
اس دور کی تلاش میں ہے میری کائنات
وہ دور جس میں دل کو غم خیر و شر نہ تھا
سب ہی ضیاؔ تڑپتے تھے پرواز کے لئے
اک میں تھا جس کے دل میں غمِ بال و پر نہ تھا

تابش مہدی

دیوبند

ہمیں پھر آزمایا جا رہا ہے
خدا کے گھر کو ڈھایا جا رہا ہے
اندھیروں کی پرستش ہو رہی ہے
چراغوں کو بجھایا جا رہا ہے
پلا کر نشۂ تہذیبِ حاضر
جوانوں کو سلایا جا رہا ہے
سمندر تو ابھی سوکھے نہیں ہیں
لہو سے کیوں نہایا جا رہا ہے
ستم یہ ہے کہ چیخوں کو ہماری
ہواؤں میں اڑایا جا رہا ہے
خدایا! بھیج دے "محمود" کوئی
بتوں کو سر چڑھایا جا رہا ہے

قاتل کون؟

محمد ظہیر الدین شاجاپور (ایم۔ پی)

طوفان آنے سے پہلے دریا میں چھائی خاموشی کی طرح شاجاپور میں بھی بہن شاہدہ خانم کی خودسوزی سے ہلکی سی ہلچل کے بعد ایک گہری خاموشی چھا گئی۔ مگر تل کا تاڑ بنا دینے والے ہمارے سماجک سنگٹھن اس بار چپ ہی رہے وجہ شاید مظلومہ کا مسلم اقلیت سے تعلق رکھنا ہو۔

ایک بہترین خوبصورت باغ جس میں کئی قسم کے پودے اپنی شاخوں پر لگے ہوئے پھولوں کی خوشبوؤں سے فضا کو معطر کئے رہتے ہیں۔ اس باغ کو ایک خاص مقصد کے تحت بنانے والا مالی ان پودوں کو وقت وقت پر کھاد اور پانی بھی دیتا ہے۔ کیا یہ برداشت کرے گا کہ کوئی بے مقصد ہی ان پودوں کو اکھاڑ پھینکے۔ اسی طرح اس باغ سماجہاں میں انسان جیسی بامقصد بنائی گئی مخلوق کا بلا وجہ خاتمہ کرنا بھی اس جہاں کے مالی نے حرام قرار دیا ہے۔ چاہے خاتمہ خود کا ہی کیوں نہ ہو۔

مولانا گاؤں شاجاپور کے کاشتکار پٹھان عمر خان صاحب سوموار یا بازار شاجاپور میں سکونت پذیر ہیں۔ شاہدہ ان کی لڑکی تھی جو بے حد ذہین اور غیر معمولی خوبصورتی کی بنا پر طلباء اور طالبات میں ایک اہم مقام رکھتی تھی اور بی۔ اے۔ کے دوسرے سال میں تھی۔

کچھ غیر طلباء جو بلا وجہ ہی علمی ادارے شاجاپور میں گھومتے رہتے ہیں شیو سینا ممبر جیتندر بھاردواج بھی ان میں سے ایک ہیں جس نے متعصبانہ ذہنیت کے تحت کالج کیمپس میں ۲۲ر فروری ۱۹۸۸ء کو اپنے چند ساتھیوں کی مدد سے ایک سازش کی اور بہن شاہدہ خانم کے ساتھ بر سر عام بیہودہ حرکت کی۔ حادثے کی رپورٹ پرنسپل صاحب کو اور پولیس کو دی گئی جسے دفعہ ۹۰ کے تحت درج کیا گیا۔

پولیس کی نااہلی کی وجہ سے ملزم کا فرار رہنا اور مقامی اخبارات کے ذریعہ حادثے کو شرمناک اور بھونڈے انداز میں اچھالے جانے کی وجہ سے حساس لڑکی کو دوہرا ذہنی تناؤ کا سامنا کرنا پڑا۔ سماج اور کالج میں لگاتار بدنام کئے جانے کے احساس سے اس نے ۲۵ر اپریل ۱۹۸۸ء کو صبح ساڑھے سات بجے خودسوزی کی اور اسی روز ۱۲ بجے ایم۔ وائی ہسپتال اندور لے جاتے وقت دنیا سے رخصت ہو گئی انا للہ و انا الیہ راجعون۔ خدا مرحومہ کی مغفرت فرمائے آمین۔

طوفان آنے سے پہلے دریا میں چھائی خاموشی کی طرح شاجاپور میں بھی بہن شاہدہ خانم کی خودسوزی سے ہلکی سی ہلچل کے بعد ایک گہری خاموشی چھا گئی۔

اس جرم کا ذمہ دار کون ہے؟ پولیس، پرنسپل، سماج یا صرف جیتندر بھاردواج اور اس کے چند ساتھی؟

ذرا غور کیجئے اس جرم کا ذمہ دار کوئی ایک نہیں ہے بلکہ تمام ادارے ہی اس میں ملوث ہیں، دوسرے الفاظ میں ان اداروں میں کام کر رہا سسٹم ہی اس کا ذمہ دار ہے۔

یہ خودسوزی نہیں دراصل ایک قتل ہے اور قاتل ہے اس طرح کی جرائم پیشہ ذہنیت کو پروان چڑھانے والا یہ پورا نظام۔

قاتل کی مدد کرنا اور قاتل کو سزا نہ دینا بھی قتل سے کم نہیں۔ اس نظام پر عمل کرنے والے ہم سب اس کے قاتل ہیں۔

تصحیح جی آئی او
خاکہ [illegible] ہے۔

گذشتہ شمارے میں طالبات ذمہ داران کے [illegible] جی۔ آئی۔ او [illegible] اور [illegible] چند [illegible] معروف ہے ان کی مختصر روداد آپ کے سامنے پیش کی گئی ہے۔ [illegible] ہیں [illegible] معاف فرمائے۔ (آمین)

بقیہ جہاد افغانستان

آئے گا۔

آج یہ ہیئت کس شان سے خود کو افغان کہے گا۔

آج یہ طور کس حیثیت سے خود کو انسان کہے گا۔ جس نے انسانیت کو درندوں کے آگے بے بس کر کے ڈال دیا ہے۔

سب رہا ہے آج افغان حکمرانوں کی سنگدلی کا رونا رو رہا ہے۔

آج تاریک در و دیوار۔ فضائیں، گھٹائیں۔ نظاہر اور اس کے بچوں کے ہاتھوں خلا میں [illegible] بے بسی سے خون کے آنسو رو رہی ہیں۔

افغانستان میں مسجدیں تو بند کر دیں لیکن پٹھانوں میں تڑپتے سجدے نہیں چھینے۔

حال یہ ہے کہ آج تاجکستان کی اجڑی ہوئی مسجدیں، ویران خانقاہیں اور خاموش فضائیں افغان مجاہدین کی راہ تک رہی ہے۔ جہاد مقدس کی کامیابی کی دعا کر رہی ہیں......

یہ جنگ محافظ اسلام ہے۔
آزادی وطن، آزادی ایمان ہے
یہ جنگ انسانیت کی بحالی ہے۔
حیوانیت کی رسوائی ہے۔ یہ حق و باطل کا معرکہ ہے۔ جس میں کمیونزم اسلام کے مقابل آیا ہے۔
جس میں اسلحہ ایمان سے ٹکرا رہا ہے
جس میں اسلام سرخرو ہو رہا ہے۔
جس میں کمیونزم ذلیل ہو رہا ہے۔
پسپا ہو رہا ہے۔ [illegible] رہا ہے۔ [illegible] رہا ہے۔

جہاد اسلامی کا [illegible] اور [illegible] کے باوجود [illegible] ہے [illegible] کے [illegible] پیغام [illegible] ایمان کے ساتھ

عیدی

مظفر حسین غزالی

شام ہو چکی تھی۔ سب کی نگاہیں آسمان پر لگی تھیں۔ ایک بچے نے شور مچایا۔ مجھ کو چاند نظر آیا۔ سب نے اس سے پوچھا کدھر اس نے اپنی چھوٹی انگلی سے بتلایا۔ باریک نوکیلا چاند سب نے دیکھا۔ بچے خوشی سے شور مچانے لگے۔ عید کی تیاری ہونے لگی۔ سڑکوں پر چہل پہل نظر آنے لگی۔ بازار میں بھیڑ بڑھ گئی ہے۔ خریداری ہو رہی ہے بازار کھلے ہیں۔

صبح ہوئی عابد نے امی سے کہا میں تو شیروانی پہنوں گا۔ راشد کو کرتا، پاجامہ اور گڑیا کو فراک پہنا دینا۔ تینوں نے کپڑے پہنے۔ ابو کے ساتھ عیدگاہ گئے۔ عید کی نماز کے بعد سب ایک دوسرے سے گلے ملنے لگے۔ ابو نے سب کو عیدی دی۔ امی نے گلے لگایا سویاں اور چاول کھلائے۔ چاولوں میں دودھ اور کھانڈ ڈال کر سب نے کھائے۔ عابد اور راشد کے دوست بھی آئے۔ ان کو بھی امی نے چاول اور سویاں کھلائیں۔

عابد، راشد گھر سے باہر گئے۔ باہر اکرم ملا۔ وہ گیند سے کھیل رہا تھا۔ عابد راشد بھی اس کے ساتھ کھیلنے لگے۔ اتنے میں آئس کریم والا آیا۔ اکرم نے جیب سے پیسے نکالے۔ آئس کریم لی۔ راشد نے کہا میں بھی آئس کریم لے لوں۔ عابد نے کہا بھائی آئس کریم سے زکام ہو جاتا ہے۔ اس لیے آئس کریم نہیں کھانا چاہیے۔ وہ [illegible] [illegible]

راشد نے پھر پوچھا۔ ہم چھولے کھائیں گے۔ عابد نے پھر کہا بھائی چاٹ کھانے کو امی منع کرتی ہیں اس لیے ہم چھولے نہیں کھائیں گے۔ کیلے لے لو۔ کیلے۔ راشد سے نہ رہا گیا اس نے کہا بھیا میں تو کیلے کھاؤں گا۔ دیکھو تو کیلے پیلے پیلے کیلے ہیں۔ راشد نے کیلے لیے۔ کیلے بہت اچھے لگے۔ راشد نے اپنے سارے پیسوں کے کیلے کھا لیے۔ اب اس کے جیب میں کچھ نہیں تھا۔ عابد نے کہا کہ امی پوچھیں گی تو کیا کہو گے۔ راشد نے جلدی سے جواب دیا۔ میں کہوں گا میں نے سب پیسے کھا لیے۔ اتنے میں گڑیا آ گئی۔ گڑیا نے کہا چلو امی بلا رہی ہیں۔

تینوں اپنے گھر کی طرف چل دئے۔ راستے میں انہیں بوڑھی اماں ملیں۔ عابد نے بوڑھی اماں کو سلام کیا۔ پھر پوچھا۔ اماں کہاں جا رہی ہیں۔ اماں نے کہا بیٹے بازار جا رہی ہوں۔ آج عید ہے۔ کچھ کھانے کو لانا ہے۔ عابد نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اسے عید میں جو پیسے ملے تھے وہ نکال کر اماں کے ہاتھ میں دے دئے۔ اماں نے منع کیا۔ بیٹے یہ پیسے تو تمہارے کھانے کے لیے ہیں۔ تمہیں عیدی میں ملے ہوں گے۔ میں نہیں لینا چاہتی۔

عابد نے اماں کو پیسے دے دئے۔

راشد اور گڑیا کو عابد پر بہت غصہ آیا۔ انھوں نے کہا۔ بھیا آپ نے پیسے بڑھیا کو کیوں دے دئے۔ عابد نے سمجھایا۔ دیکھو ہمارے پیسے میں غریبوں کا بھی حق ہے۔ ہم عید منائیں۔ اور ہمارے غریب پڑوسی عید کی خوشی میں شامل نہ ہوں۔ یہ اللہ میاں کو پسند نہیں۔ جانتے ہو عید کے موقع پر [illegible] کیوں؟ راشد نے کہا۔ آپ ہی بتائیے۔ ہم کیا جانیں۔ اس طرح غریب بھی ہمارے ساتھ عید کی خوشی میں شامل ہو سکتے ہیں۔ گڑیا نے پوچھا۔ بھیا امی پوچھیں گی تو کیا کہو گے۔ عابد نے کہا۔ میں ان کو بتا دوں گا کہ میں نے پیسے بوڑھی اماں کو دے دئے۔ تینوں باتیں کرتے ہوئے گھر گئے۔ گھر پر امی ابو کے علاوہ ماموں صاحب بھی بیٹھے ہوئے تھے سب بچے خوشی خوشی ماموں سے ملے۔ ماموں نے مٹھائی اور پھل دئے۔ بچوں نے خوشی سے مٹھائی اور پھل کھائے۔ عابد کے ابو نے بچوں سے معلوم کیا۔ بچو تم نے عید کے پیسوں کا کیا کیا۔ راشد نے کہا میں نے تو اپنے پیسوں کے کیلے کھائے۔ گڑیا نے بتایا میں نے چابی سے چلنے والی موٹر لی۔ اب عابد کا نمبر آیا۔ عابد نے کہا۔ میں نے اپنے پیسے بوڑھی اماں کو دے دیا۔ ابو نے عابد کو گود میں اٹھا لیا۔ شاباشی دی۔ پھر جیب سے نکال کر تین روپئے دئے۔ ماموں نے بھی عابد کو دو روپئے عیدی دی۔ ابو نے کہا بیٹے تم نے ٹھیک جگہ خرچ کئے۔ غریبوں کی مدد کو اللہ پاک پسند کرتے ہیں۔ عابد کو امی نے آواز دی۔ کھانے کا ایک خوان اس کو دیا۔ اور کہا جاؤ یہ کھانا بوڑھی اماں کو دے آؤ۔ وہ خوشی خوشی چلا گیا۔ عید کے پیسے فضول خرچ کر کے راشد اور گڑیا بہت پچھتائے۔ سچ ہے۔ جو غریبوں سے محبت کرتا ہے۔ اللہ میاں اس سے محبت کرتے ہیں ●

[illegible]

گرلس اسلامک آرگنائزیشن (کیرلہ) کی پیش رفت

زیر نظر مضمون جی۔آئی۔او کیرلہ کی صدر بہن کے۔کے زہرو کی اس تقریر کی تلخیص ہے جو موصوفہ نے ایس۔آئی۔او آف انڈیا کی پہلی کل ہند کانفرنس میں کی تھی۔

(ادارہ)

تقسیم ہند کے بعد جب جماعت اسلامی ہند کی از سر نو تشکیل ہوئی تو کیرلہ میں بھی جماعت نے اپنے کام کا آغاز کر دیا تھا۔ یہ وہ دور تھا جب کہ کیرلہ میں عورتوں کو تعلیم دینا حرام سمجھا جاتا تھا۔ جس کی وجہ سے خواتین کے درمیان دعوتی کام کرنا دشوار تھا۔ لیکن اصلاحی اور دعوتی کاموں کے ساتھ ساتھ تعلیم و ثقافت کے میدان میں بھی جماعت نے اقدامات کیے جس کے اچھے نتائج رونما ہوئے۔

اس وقت کیرلہ میں دو سو سے زائد پرائمری اور سیکنڈری اسکول اور بیس کالج جماعت کے تعاون سے چلائے جا رہے ہیں۔ ان میں آٹھ کالج خواتین کے لئے ہیں۔ دیگر مسلم تنظیموں نے بھی مسلم خواتین کے اندر تعلیمی بیداری لانے میں اہم رول ادا کیا ہے۔ خواتین کی نئی نسل جو ایک عظیم سرمایہ ہے تعلیم سے آراستہ ہونے کے بعد دیہاتوں اور قصبوں میں دعوتی کام کو فروغ دینے میں بے حد معاون ثابت ہوئی ہے۔ خواتین کی اس [illegible] استعمال کرنے کے لئے جماعت بہت پہلے [illegible] ہے۔ اسی کوشش کا نتیجہ تھا کہ کیرلہ میں [illegible] حلقے قائم ہوئے۔ جن میں متفق خواتین کی تعداد دو ہزار سے زائد ہے۔ ان میں سے بارہ خواتین جماعت کی رکن بھی بن گئیں۔ ان کاموں کی نگرانی کے لئے علاقائی سطح پر کنوینر مقرر کیے گئے۔ جماعت اسلامی ہند کے کل ہند اجتماع (حیدرآباد) میں کیرلہ سے تقریباً پانچ سو خواتین شریک ہوئیں۔ ۱۹[illegible]ء میں کیرلہ کی سطح پر اجتماع ہوا جس میں بیس ہزار خواتین شریک تھیں۔ غیر مسلم خواتین بھی کثیر تعداد میں اس اجتماع میں شریک ہوئیں۔

[illegible] طرح جہاں جماعت کی کوششوں سے دینی تعلیمات سے آراستہ طالبات و خواتین کی تعداد میں اضافہ ہوا، وہیں سیکولر طرز کی تعلیم گاہوں سے ایسی طالبات کا سیلاب امڈ آیا جن کے اندر جدید کی جاہلیت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ ان کے اندر بے حیائی اور بے جا رسومات پھیلنے شروع ہو گئے تھے۔ اس تشویشناک صورت حال کے پیش نظر جماعت نے بالعموم تمام خواتین اور بالخصوص مسلم خواتین کے حالات پر غور و فکر کیا۔ طالبات کو قدیم و جدید جاہلیت سے نجات دلانے کے لئے جماعت نے ان کی اخلاقی تربیت کے پیش نظر ایک منصوبہ بنایا۔ طالبات کی قوتوں کو منظم کرنے کے لئے جماعت اسلامی ہند کیرلہ کی مجلس شوریٰ نے جی۔ آئی۔ او کے قیام کا فیصلہ کیا اور اسے امیر حلقہ کی سرپرستی میں قائم کر دیا گیا۔ تنظیم کا دستور اور پالیسی پروگرام ترتیب دیا گیا۔ اس کے بعد ضلعی کانسلوں اور صوبائی کانسل کی تشکیل عمل میں آئی۔

تنظیم نے اپنے پالیسی و پروگرام میں افراد کی تربیت کے ساتھ ساتھ صحیح فکر، دین کی وسیع معلومات پر بھی خاص توجہ دی۔ نیز سماجی برائیوں کے خلاف جدوجہد، خواتین میں تعلیم، حجاب ٹریننگ، صحت و تندرستی کی حفاظت، بچوں کی پرورش، فرسٹ ایڈ، خدمت خلق وغیرہ جیسے کاموں کو بھی اہمیت دی گئی۔

تنظیم کے قیام کے بعد ڈھائی سال کے مختصر عرصے میں اس کی ۴۰ یونٹیں قائم ہو چکی ہیں۔ ارکان کی تعداد ۳ ہزار کے قریب ہے۔ کارکنان کی تربیت کے لئے ہفتہ وار اجتماعات منعقد کئے جاتے ہیں اور ان کی علمی و ادبی صلاحیتوں کو نکھارنے کے لئے خصوصی پروگرام چلائے جاتے ہیں۔ علاقے کی سطح پر ہر تین ماہ میں ایک جلسۂ عام بھی ہوتا ہے۔ کارکنان کی تربیت اور تنظیم کی وسعت کے پیش نظر ریاست کو ۳ علاقوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ وومن عربک کالج کی فارغ طالبات کو علاقہ کے کنوینر کی حیثیت سے مقرر کیا جاتا ہے۔ چھوٹی بچیوں کے لئے بالیکا سماج، عام طالبات کے لئے ایسوسی ایٹ سرکل اور غیر مسلم طالبات کے لئے سسٹرس فورم کے قیام کا جلد ہی امکان ہے۔

شریعت اسلامی کے بارے میں اور خصوصاً نکاح و طلاق کے مسائل کو سمجھنے کے لئے تنظیم نے ۳۰ کارکنان کا ایک تربیتی کیمپ لگایا۔ صفائی، بچوں کی تربیت، فرسٹ ایڈ اور خانگی زندگی کے مسائل کا حل عام طالبات تک پہنچانے کے لئے ایک ہفتہ منایا گیا۔ غیر مسلم خواتین کی ایک بڑی تعداد نے بھی اس میں حصہ لیا۔ سماج میں بڑھتی ہوئی عریانیت، بے جا رسومات، فحش لٹریچر اور دیگر برائیوں کے خلاف مہم چلائی گئی۔ نیز ان پر پابندی عائد کرنے کے لئے خواتین سے پچاس ہزار دستخط حاصل کر کے ریاست کے گورنر کو پیش کیا گیا۔ عیدین کے موقع پر غیر مسلم بہنوں کے ساتھ عید ملن کے پروگرام منعقد کئے گئے۔

سالانہ امتحانات میں امتیازی مقام حاصل کرنے والی طالبات کو انعامات بھی دیئے جاتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات کو بڑی عمر کی خواتین اور غیر تعلیم یافتہ لڑکیوں تک پہنچانے کے لئے تعلیم بالغان کے مرکز بھی چلائے جا رہے ہیں۔ اپنے پیغامات کو دیگر افراد تک عام کرنے کی خاطر اس نے [illegible] کے تعاون سے کیمپس الیکشن میں حصہ بھی لیا۔

[illegible] خواتین کی دیگر تنظیموں سے بھی ربط پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اس سلسلے میں [illegible] خواتین ونگ کی جنرل سکریٹری اور دیگر ذمہ داروں سے کی گئی گفتگو قابل ذکر ہے۔

خواتین اور طالبات کو اپنی سرگرمیوں سے باخبر رکھنے نیز انہیں اسلامی تعلیمات سے آگاہ کرنے کے لئے جی۔ آئی۔ او ایک ماہنامہ "آرام" بھی نکال رہی ہے۔ اس کا سرکولیشن الحمد للہ پچاس ہزار کے قریب ہے۔ گرچہ اس پرچہ کو قومی اخبارات، اسلام دشمن قوتوں اور کچھ ہی علماء کی مخالفت کا سامنا بھی کرنا پڑا ہے لیکن اس مخالفت سے پرچہ کر

سلسلۂ روز و شب

ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی

سلسلہ کے لئے مئی ۱۹۸۸ء کا شمارہ دیکھئے

ہماری بس سُرعت کے ساتھ صاف وشفاف سلیٹی سڑک پر دوڑ رہی تھی، اطراف میں بڑے حسین وجمیل مناظر تھے۔ ادھر ادھر مختلف قسم کے یوکلپٹس، ناریل اور تاڑ کے درخت، چھالیہ کے درخت پھر ان سے لپٹی ہوئی پان کی بیلیں، کافی کے رنگ برنگے پتوں والے پودے جگہ جگہ نظر آرہے تھے، نظر نواز اور دل کش مناظر تسکین خاطر کا وافر سامان مہیا کررہے تھے ٹھیک چار بجے شام میں میری بس ایک شہر میں داخل ہوئی۔ یہ ویلور تھا، ملک کے مشہور ایچ۔ ایم ہی ہاسپٹل کے سامنے سے ہم گزر رہے تھے، جو جانے کتنے بیمار انسانوں کی امیدوں کا مرکز ہے۔ ہم اسی طرح مختلف دیہاتوں، جنگلوں اور شہروں سے گزرتے رہے،

میری بس تقریباً دس بجے شب میں بنگلور پہنچ گئی، سارا شہر جگ مگ کر رہا تھا، انسانوں کا ایک اژدہام تھا۔ ایک آٹو رکشہ کے ذریعہ ہم لوگ دفتر ادارہ آئے، جہاں ارشد صدّیقی اپنے نوجوان اصحاب کے ساتھ چشم براہ تھے۔ دفتر سے ہم اپنی قیام گاہ پر آئے جہاں دلدادگانِ ادب جمع تھے۔

دہلی کا قافلہ آچکا تھا۔ حفیظ میرٹھی اور انتظار نعیم سے میری دوسری ملاقات تھی جب کہ عزیز بگھروی اور مسعود اختر میرٹھی سے پہلی بار ملنے کا اتفاق ہو رہا تھا۔ اتنے میں دبلے پتلے تقریباً اسّی برس کی عمر کے ایک بزرگ ادھر آنکلے، میں نے سجاد صاحب سے استفسار کیا تو انھوں نے بتایا کہ یہ مدیر حجاب رام پور ماہل خیر آبادی ہیں یہ ماہل صاحب۔! میری حیرت کی انتہا نہ رہی، مجھے بچپن کا وہ زمانہ یاد آگیا، جب میں غالباً آٹھ نو برس کی عمر کا پانچویں درجہ کا طالب علم تھا اور ماہنامہ نور کا مطالعہ پابندی سے کیا کرتا تھا ای دور میں میں نے ماہل صاحب کا پہلا ناول منقلی شہزادہ نور میں قسط وار پڑھا تھا۔ اس زمانہ میں نور معمولی انداز سے لمبے سائز میں نکلتا تھا۔ ماہل صاحب کی نظموں اور کہانیوں کا وہ پہلا نقش آج تک قائم ہے آج میں اپنے بچپن کے محبوب مصنّف کے سامنے کھڑا تھا ہم نو عمروں اور نو مشقوں کے درمیان ماہل صاحب اور اس قدر انکسار، اور اس قدر سادگی کے ساتھ، میں نے بغیر کسی اہتمام کے سلام کیا ان کے جواب میں مشفقانہ انس تھا، میں نے مصافحہ کیا ان کی بھووں پر شکن کے بجائے ہونٹوں پر تبسم کھیل گیا۔

بھٹکل سے عمر حیات خاں غوری، حیدر آباد سے مسعود جاوید ہاشمی، کوٹہ راجستھان سے یوسف رانا، بلگام سے عزیز الدین عزیز، بیدر سے مظہر محی الدین، یہ سب میرے لئے نئے چہرے تھے مگر شناسا نام۔ کچھ لوگوں کو حیرت سے میں بار بار دیکھ رہا تھا، کچھ مجھے دیکھ کر متعجب تھے، اکثر احباب نے مجھے میری تحریروں کے حوالے سے کافی عمر رسیدہ سمجھ رکھا تھا اور اب وہ اپنے سامنے ایک کم عمر نوجوان کو دیکھ کر حیرت زدہ تھے۔ ہم سب ایک دوسرے سے بغل گیر ہو رہے تھے۔ یہاں نہ کوئی تصنع تھا، نہ تکلف، بالکل بے تکلف دوستانہ ماحول، خلوص، محبت اور اپنائیت کی فضا تھی، جہاں پہلے ہی مرحلے میں یہ وہم دور ہوگیا کہ جھوٹے تقدس کو قائم رکھنے کے لئے ان بزرگوں کے سامنے زانوئے ادب تہ کرکے بیٹھنا ہوگا۔

یہ رات تو آنکھوں آنکھوں میں کٹی، نماز فجر سے کچھ پہلے اور کچھ بعد آرام کا موقع ملا۔ آج کانفرنس کا دن تھا، ریاست کرناٹک کے مختلف شہروں سے ادبا و شعراء اور ادب نوازوں کا قافلہ مسلسل چلا آرہا تھا، تقریباً ڈیڑھ سو مندوبین صوبہ کے مختلف شہروں سے جمع ہو چکے تھے۔ ہم سب ٹھیک دس بجے انسٹی ٹیوٹ آف اگریکلچر ٹکنالوجیش کے آڈیٹوریم میں پہنچ گئے۔ یہ ایک نہایت وسیع وخوبصورت ہال ہے۔ بڑے سلیقے سے تمام کرسیاں لگی تھیں جو شرکاء سے پر تھیں، ہال کے ایک حصّے میں خواتین کے لئے پردے میں بیٹھنے کا نظم کیا گیا تھا۔

کلام ربانی سے کانفرنس کا باضابطہ آغاز ہوا، الامین ڈگری کالج کے لکچرر عبدالکریم تماپوری نظامت کے فرائض انجام دینے کے لئے مائک پر تشریف لائے۔ سب سے پہلے امیر حلقہ کرناٹک مولانا محمود احمد خاں نے خطبۂ استقبالیہ پیش کیا۔ محترم محمود خاں صاحب سادگی ومتانت کے پیکر بڑی پُرخلوص شخصیت کے مالک ہیں، آپ نے تمام حاضرین کا استقبال کرتے ہوئے کانفرنس کی غرض وغایت پر روشنی ڈالی۔ ملک کے مشہور دینی وملی رہنما مولانا محمد سراج الحسن نے کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے اپنی پر مغز تقریر میں ادب وتہذیب اور معاشرے کی موجودہ صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے فرمایا کہ ان ناگفتہ بہ حالات میں پوری سرگرمی کے ساتھ ادب اسلامی کی تحریک صالح انداز فکر کے ذریعہ حیات انسانی کی صحیح رہنمائی کر سکتی ہے۔" مولانا موصوف جو بحیثیت مہمان خصوصی دہلی سے تشریف لائے تھے، کی بصیرت افروز گفتگو کے بعد ادبی کانفرنس کے کنوینر اور ادارہ ادب اسلامی کرناٹک کے جنرل سکریٹری جناب ارشد صدّیقی نے سکریٹری رپورٹ پیش کی۔ موصوف بے پناہ متحرک اور فعال نوجوان ہیں، انھوں نے پورے صوبے میں ادارہ ادب کو متحرک کرنے اور اس کی شاخیں قائم کرنے میں ذاتی طور سے بڑی سرگرمی دکھائی ہے۔ آپ نے اس موقع سے اس سلسلے کی فردی تفصیل پیش کی۔ بعد ازاں ادب اسلامی کے موضوع پر ایک سیمینار شروع ہوگیا۔

سیشن میں انجمن کالج بھٹکل کے پروفیسر عمر حیات خان غوری نے اپنا مقالہ تحریک ادب اسلامی کا بنیادی مقصد پیش کیا۔ غوری صاحب اپنی بعض دینی تصنیفات کی وجہ سے اسلامی حلقے میں محتاج تعارف نہیں، خصوصاً ان کی نئی کتاب "اقبال اور مودودی کا تقابلی مطالعہ" نے ہر حلقے سے خراج تحسین حاصل کیا ہے۔ بنگلور کی اہم ادبی شخصیت، بزرگ استاد، بنگلور یونیورسٹی کے صدر شعبۂ اردو جناب ڈاکٹر عبدالاحد نے "کرناٹک میں تعمیری ادب کی روایات" کے عنوان سے اپنا جامع مقالہ پیش فرمایا۔ موصوف نے اپنے مقالہ میں اردو شاعری کے حوالے سے بعض نئے اور چونکا دینے والے نکات اٹھائے ہیں جن پر سیمینار میں خاصی مزے دار بحث ہوئی اور اس لحاظ سے یہ مقالہ بہت کامیاب اور لوگوں کی توجہ کا مرکز بنا رہا۔ آخر میں راقم الحروف کو اپنا مقالہ "تحریک ادب اسلامی کی رفتار" پیش کرنے کی دعوت دی گئی۔ اسے پسندیدگی کی نظر سے بھی دیکھا گیا۔ خاص طور سے اجلاس کے بعد مولانا سراج الحسن صاحب نے جس خلوص و محبت کے ساتھ مجھے اس سلسلے میں مشورے دیئے اور پسندیدگی ظاہر کی، وہ انداز اور وہ لہجہ، شفقت بھری ستائش مجھے ہمیشہ یاد رہے گی۔ آخر میں صدر جلسہ ڈاکٹر سجاد احمد نے اپنی صدارتی تقریر میں تمام مقالوں پر تنقیدی تبصرہ کے ساتھ ادب کے مسائل پر تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ ادیب فنکار، تاریخ، ثقافت اور روایات کے حقیقی نمائندے اس کے محافظ ہوتے ہیں۔ مثبت زاویوں پر کام کیا جائے تو ادب جوش حیات، مثبت انداز فکر اور اعلیٰ انسانی قدروں کا پاسبان بن جاتا ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ادبی قبیلے کو جدید ملحدانہ ادبی تصورات اور تحریکات سے بچایا جائے۔"

یہ سیمینار بہت کامیابی کے ساتھ تقریباً تین گھنٹے جاری رہا، ہال کی تمام کرسیاں بھری ہوئی تھیں اور لوگ دلچسپی کے ساتھ ہمہ تن گوش بنے ہوئے تھے۔ جیسے ہی نماز ظہر و طعام کے لئے وقفہ کا اعلان ہوا، لوگ ایک دوسرے سے ملنے اور گفتگو کرنے میں مصروف ہو گئے۔ ہال سے باہر استقبالیہ کاؤنٹر، آڈیو ریڈیو کیسٹ کاؤنٹر اور ادبی کتب و رسائل کے کاؤنٹر پر کافی بھیڑ نظر آرہی تھی۔ اس آڈیٹوریم سے قریب ہی ایک عمارت میں کھانے کا اجتماعی نظم کیا گیا تھا۔ اور ان کے ساتھ درجنوں نوجوان احباب جن میں بیشتر مختلف کالجوں کے اساتذہ و طلبہ تھے، سرگرم نوازش رہے، خدا جزائے خیر دے۔

ٹھیک تین بجے ایک سمپوزیم بعنوان "معاشرے کی تعمیر میں ادب کا رول" زیر صدارت جناب انتظار نعیم جنرل سکریٹری ادارہ ادب اسلامی ہند منعقد ہوا، جس میں خالد عرفان لکچرر سینٹ جوزف کالج بنگلور، مسعود جاوید ہاشمی مدیر ماہنامہ فنکار حیدرآباد اور واثق عارفی نائب مدیر روزنامہ "سالار" بنگلور نے اظہار خیال فرمایا۔ نظامت کے فرائض برادرم ارشد صدیقی ادا کر رہے تھے۔ واثق عارفی کا تعارف کراتے ہوئے جیسے ہی انھوں نے بتایا کہ ان کا سابق ادبی نام "بدنام رفیعی" ہے تو میں دیر تک انھیں تکتا رہ گیا۔ بدنام رفیعی کو ان کے ناول اور افسانوں کے حوالے سے میں برسوں سے جانتا ہوں۔ آج اس سادہ سی شخصیت کو قریب سے دیکھ کر بڑی مسرت ہو رہی تھی۔ موصوف بڑی مسرت اور خلوص سے ملے۔ کاش صحافت کے میدان سے تھوڑا وقت نکال کر وہ اردو فکشن کے فن میں کچھ اضافہ کرتے، خصوصاً تعمیری افسانے کا قاری ان کی تخلیقات کا منتظر ہے۔

بعد نماز عصر ریاست کرناٹک کے مختلف شہروں سے آئے ہوئے ادارۂ ادب کی شاخوں کے ذمہ داروں کے ساتھ ایک تنظیمی نشست ہوئی، جس میں بطور خاص شریک ہوا، اس موقع پر لوگوں سے تنظیمی مسائل پر گفتگو ہوئی۔

رات دس بجے جناب عزیز بگھروی (دہلی) کی صدارت میں ایک یادگار مشاعرہ منعقد ہوا۔ عزیز بگھروی اسلامی حلقے کے ممتاز غزل گو شاعر ہیں۔ خاص طور سے میرے لئے ان کی پرخلوص اور معصوم سی شخصیت اپنی بلند فکری، اعلیٰ ظرفی اور بے پناہ سادگی کے باعث بڑی دلکشی رکھتی ہے۔ میں ان سے متاثر ہوا۔ اس موقع پر ایک بزرگ شاعر ابوالبیان حماد عمری سے بھی میری ملاقات ہوئی۔ یہ ۱۹۵۲ء، ۱۹۵۳ء سے تحریک ادب اسلامی کے ساتھ ہیں۔ ان سے مل کر معلوم ہوا کہ تخلیق کا سوتا ابھی خشک نہیں ہوا ہے بلکہ موصوف ابھی بھی پرورش لوح و قلم کر رہے ہیں۔

اس وسیع آڈیٹوریم کے خوبصورت اسٹیج پر درجنوں کرسیاں لگی تھیں، جن پر بنگلور کے نمائندہ شعراء کے علاوہ ملک کے مختلف حصوں سے آئے ہوئے مہمان شعراء تشریف فرما تھے۔ پورا ہال روشنیوں سے جگمگا رہا تھا، خصوصاً اسٹیج بڑے بڑے ویپر لائٹس اور ویڈیو ریکارڈنگ کی لائٹس سے چمک رہا تھا۔ ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ لوگ چاروں طرف برآمدے اور صحن میں بھی بڑی تعداد میں موجود تھے۔ بزرگ شاعر حفیظ میرٹھی اور مائل خیرآبادی کو خاص طور سے بار بار سنا گیا۔ حفیظ کے چند اشعار حالیہ واقعات کے پس منظر میں بہت پسند کئے گئے؎

بے سہاروں کا انتظام کرو
یعنی ایک اور قتل عام کرو
بے قراری سہی سکوں نہ سہی
کچھ نہ کچھ تو ہمارے نام کرو

مائل خیرآبادی نے اس لے کو کچھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا؎

غم اور بڑھیں گے ابھی غم اور بڑھیں گے
کچھ غم نہیں اس راہ میں ہم اور بڑھیں گے
وہ لاکھ بچھائیں میری راہ میں کانٹے
کانٹے جو چبھیں گے تو قدم اور بڑھیں گے

اور عزیز بگھروی نے خود احتسابی کا یہ پیغام دیا؎

ضبط سے کم نہ اضطراب سے کم
دل کا رشتہ ہے احتساب سے کم
بات کرتے ہیں انقلاب کی لوگ
ربط رکھتے ہیں انقلاب سے کم

تقریباً ۲ بجے شب میں یہ مشاعرہ اپنے اختتام کو پہنچا لیکن اس رات کچھ مہلت نیند کی آغوش میں جانے کو میسر آئی۔

سنٹرل اینٹلی جنس کی نااہلی یا سازش

اندور (مدھیہ پردیش) سے شائع
نے والا ہندی روزنامہ 'نئی دنیا' کے
رچ ۸۸ء کے شمارہ میں اسٹوڈنٹس اسلامک
ائزیشن آف انڈیا کے بارے میں ایک
لن خبر شائع ہوئی ہے جس کی جانکاری
ر اور مدھیہ پردیش کے دیگر مقامات
مارے رفقا نے دی ہے۔ خبر سے موجودہ
ئع ابلاغ کی نااہلی، کینہ پروری اور اسلام
منی کا واضح اندازہ ہوتا ہے۔ خبر
.S.I.O کو بدنام کرنے کی گھناؤنی سازش
ہے، اور تنظیم کا طریقہ کار آل انڈیا سکھ
ڈنٹس فیڈریشن (AISSF) کے طرز پر
گیا ہے۔ خبر کے مطابق SIO کا قیام بابری مسجد
زیابی، متھرا کی عیدگاہ (نام نہاد کرشن
بھومی) بنارس کی مسجد اور دیگر اہم مذہبی
ت کو آزاد کرانے کے لیے عمل میں آیا ہے۔
آئی او کے صدر تنظیم کا نام عبدالرحمٰن
لیا ہے۔ نیز ایس، آئی، او کو علاحدہ
مد اور فرقہ وارانہ منافرت پھیلانے والی
ثابت کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے
اندور سے خبر ملتے ہی ایس آئی او
رٹر کی جانب سے 'نئی دنیا' کو ایک تردیدی
ر ایس آئی او کا تعارفی لٹریچر ارسال کیا
ں میں اس گمراہ کن خبر کی سخت مذمت
۔ نیز ایس آئی او کے قیام کا مقصد،
العین اور طریقہ کار کی وضاحت کی گئی
تردیدی بیان کے فوراً بعد مدھیہ پردیش
ن نوجوانوں کے خطوط ہمیں موصول ہوئے
ایس آئی او سے بے حد متاثر ہیں اور
کے ساتھ منسلک ہو کر کام کرنا چاہتے
یسے خطوط کا سلسلہ ابھی بھی جاری ہے۔
دلچسپ بات یہ ہے کہ 'نئی دنیا' نے

سنٹرل اینٹلی جنس کے ذرائع کی بنیاد پر
یہ خبر شائع کی تھی۔ صاف ظاہر ہوتا ہے
کہ حکومت کے کارندے کس طرح جھوٹی

उग्रवादी छात्र संगठन का गठन

नई दिल्ली २७ मार्च (मिग)। बाबरी मस्जिद का मामला अभी शांत नहीं हुआ है। ऑल इंडिया सिख स्टूडेन्ट्स फेडरेशन की तर्ज पर इस मुद्दे को फिर से उठाए जाने की गरज से स्टूडेन्ट्स इस्लामिक ऑर्गनाइजेशन नामक एक उग्रवादी छात्र संगठन का गठन भी किया गया है।

केंद्रीय गुप्तचर सूत्रों के अनुसार बाबरी मस्जिद की आड़ में देश में साम्प्रदायिक वैमनस्य और अलगाववाद को बढ़ावा देने के लिहाज से अभी कुछ माह पूर्व अस्तित्व में आए इस संगठन का प्रधान कार्यालय दिल्ली में है तथा कोई अब्दुल रहमान नामक युवक इसका महासचिव है।

सूत्रों के अनुसार वैचारिक रूप से मुस्लिम लीग की विचारधारा स्वीकारने वाले इस नए संगठन को अलीगढ़ मुस्लिम विश्वविद्यालय समेत कई विश्वविद्यालयों में एक सम्प्रदाय विशेष के छात्रों की सहानुभूति प्राप्त है। बताया जाता है कि इस वर्ग के जो छात्र पहले स्टूडेन्ट्स इस्लामिक मूवमेंट इन इंडिया नामक संगठन के प्रभाव में थे अब इस नए संगठन के समर्थक हो गए हैं।

सूत्रों का कहना है कि यह संगठन देश भर में इस बात का प्रचार कर अपने अनुकूल माहौल बनाएगा कि भारत में अल्पसंख्यकों के हित सुरक्षित नहीं हैं। बहुसंख्यकों से सहानुभूति रखने वाली इस देश की सरकार ने अल्पसंख्यकों की उपासना के ऐतिहासिक स्थलों को बंद कर रखा है। बाबरी मस्जिद, कृष्ण जन्म भूमि और बनारस की मस्जिद समेत ऐसे सभी धार्मिक स्थलों को मुक्त कराना जरूरी है। इस प्रकार धार्मिक सहानुभूति की आड़ में यह संगठन पूरे देश में साम्प्रदायिक वैमनस्य का वातावरण तैयार करने की योजना बना रहा है।

गुप्तचर सूत्रों का कहना है कि छात्र संगठन के साथ ही राजनीतिक व्यावसायिकता के इन्हीं आदर्शों और योजनाओं को ध्यान में रखकर ऑल इंडिया मजलूम आर्गनाइजेशन नामक [illegible] अन्य संगठन का गठन भी मार्च के पहले सप्ताह किसी दिन किया गया है। ओखला के [illegible] अब्दुल रशीद काबुली इसके अध्यक्ष हैं। इस संगठन का कार्यालय दिल्ली जामा मस्जिद के मटिया महल में बताया जाता है।

۲۸ مارچ ۸۸ء روزنامہ 'نئی دنیا' اندور۔

प्रतिवाद; स्टूडेंट्स इस्लामिक आर्गनाइजेशन का

महोदय, आपके समाचार पत्र के २८ मार्च ८८ के अंक में 'उग्रवादी छात्र संगठन का गठन' शीर्षक से प्रकाशित समाचार तथ्यों से परे है। इस संबंध में स्टूडेंट्स इस्लामिक आर्गनाइजेशन ऑफ इंडिया ने हमारा ध्यान आकर्षित करते हुए निम्न तथ्यों की जानकारी दी है।

(१) स्टूडेंट्स इस्लामिक आर्गनाइजेशन ऑफ इंडिया (एस आई ओ) का गठन २९ अक्टूबर १९८२ को हुआ था न कि अभी कुछ माह पूर्व जैसा कि आपके समाचार पत्र में प्रकाशित हुआ है।

(२) समाचार में इस संगठन का उद्देश्य ऑल इंडिया सिख स्टूडेंट्स फेडरेशन (ए आई एस एस एफ) की तर्ज पर बताया गया है। लेकिन सत्य यह है कि इस संगठन के उद्देश्य ए आई एस एस एफ के बिलकुल विपरीत हैं।

(३) खबर में किसी अब्दुल रहमान नामक युवक को संगठन का महासचिव बतलाया गया है, जबकि हमारे संगठन के अध्यक्ष का नाम पी सी हमजा है।

(४) यह संगठन मुस्लिम लीग तथा स्टूडेंट्स इस्लामिक मूवमेंट ऑफ इंडिया से न तो प्रभावित है, न ही उनसे इसका कोई संबंध है।

(५) यह संगठन अपने उद्देश्यों की प्राप्ति के लिए शांतिपूर्ण और रचनात्मक तरीके अपनाएगा तथा शिक्षा एवं प्रसारण के सामान्य साधनों का उपयोग करेगा। वह ऐसी सभी बातों से बचेगा, जो सच्चाई और ईमानदारी के विपरीत हो या जिनसे साम्प्रदायिक घृणा, वर्ग संघर्ष और धरती पर उत्पात मच सकता है। "[illegible], सचिव, स्टूडेंट्स इस्लामिक आर्गनाइजेशन ऑफ इंडिया, मुख्यालय-२३० अबुल फजल इन्क्लेव, ओखला, नई दिल्ली-२५

۴ مئی ۸۸ء

اور بے بنیاد افواہ پھیلانے میں سرگرم عمل
ہیں۔ حکومت کا یہ نعرہ کہ "افواہ پھیلانے
والے دیش کے دشمن" کتنا مضحکہ خیز معلوم
ہوتا ہے

قارئین کی معلومات کے لیے خبر کی
کٹنگ اور اس کا تردیدی بیان من وعن
دیئے جا رہے ہیں۔ ہم مدیر 'نئی دنیا' کے
شکر گزار ہیں کہ موصوف نے ہمارے
تردیدی بیان کو بر وقت شائع کیا
اور اس گمراہ کن خبر کی تنقیش دہلی میں
موجود اپنے نمائندہ کے ذریعہ کرانے کا وعدہ
کیا ہے۔

جواب طلب امور
کے لیے جوابی لفافہ
یا پوسٹ کارڈ ضرور
بھیجیں (مدیر)

ل

تعارف و تبصرہ

از: حسن رضا۔ رانچی

تاریخ جماعت اسلامی از سید اسعد گیلانی
ناشر المنار بک سنٹر زیر اہتمام ادارہ معارف اسلامی
منصورہ۔ لاہور
صفحات۔ ۴۶۲ پہلا اڈیشن ۱۹۸۲ء

سید اسعد گیلانی برصغیر میں تحریکی اہل قلم کی حیثیت سے معروف ہیں۔ تحریک اسلامی کی وابستگی سے قبل ہی موصوف افسانہ نگار کی حیثیت سے ادبی دنیا میں متعارف ہو چکے تھے۔ اور انھیں دنوں ان کا ایک اسلوب بھی نکھر چکا تھا۔ البتہ اس قافلے میں شمولیت نے ان کی تحریروں میں حرکی عنصر کا اضافہ کیا۔ چنانچہ اب ان کے یہاں بانکپن کے ساتھ نوکیلا پن، ٹھہراؤ کے ساتھ داخلی بہاؤ، شگفتگی کے ساتھ دھار اور مٹھاس کے ساتھ طنز کی ان کا احساس ہر باذوق قاری کر سکتا ہے۔ ان کے اسلوب میں حرارت اسی حرکی عنصر کے سبب پیدا ہوئی ہے۔

ڈاکٹر سید عبداللہ مرحوم نے انھیں ٹھیٹ قسم کا تحریکی قلم کار کہا ہے اور حقیقت ہے کہ گیلانی صاحب نے کاروان تحریک اسلامی میں شامل ہونے کے بعد جو کچھ لکھا وہ سب تحریکی کام ہیں۔ بہر حال اسعد گیلانی صاحب کی یہ کتاب "تاریخ جماعت اسلامی" ۱۹۴۱ء تا ۱۹۴۷ء تک کے واقعات، حالات، سیاسی افکار و نظریات اور اس تاریخی پس منظر میں تحریک اسلامی کے بنیادی خدوخال اور اساسی تصورات کے ساتھ قائد تحریک کے ابتدائی محرکات نیز کارکنوں کی اہم سرگرمیوں اور مختلف مواقع پر انقلابی فیصلوں کی روداد اور تبصرے پر محیط ہے۔ جس کے مطالعے کے بعد جماعت اسلامی کی پوری شناخت اور اس کا اور یجنل تناظر سامنے آجاتا ہے۔

یہ کتاب پندرہ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں تحریک اسلامی کا تاریخی و سیاسی پس منظر پیش کیا گیا ہے دوسرے باب میں ان اصولی اور بنیادی افکار سے بحث کی گئی ہے جو تحریک اسلامی کے اساس کہے جا سکتے ہیں۔ تیسرے باب میں مولانا مودودیؒ کی ابتدائی زندگی اور ان کا ذہنی و جذباتی پس منظر پیش کیا گیا ہے۔ چوتھے باب میں ادارہ دارالاسلام کے قیام سے متعلق ضروری معلومات مستند ذرائع سے جمع کر دیئے گئے ہیں۔ پانچویں باب میں تشکیل جماعت سے لے کر تقسیم ہند تک کی تحریکی سرگرمیوں کی روداد ہے۔ چھٹے باب میں ہم عصر سیاسی جماعتوں کا تعارف ہے اور ساتویں باب میں تحریک اسلامی کے دو کٹھن سال ۱۹۴۱ء اور ۱۹۴۲ء کے ابتدائی فیصلوں اور رفتار کار کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اسی طرح بعد کے ابواب میں تنظیم و تربیت، وسعت و ارتقاء، داخلی نفوذ اور بیرون ملک میں تحریکی اثرات۔ چار تاریخی اجتماعات، اجتماع ٹونک، پٹنہ، مدراس، پٹھان کوٹ کے تاثرات، تحریک پاکستان اور تصور پاکستان کے ساتھ تحریک اسلامی کے نظریاتی موقف کی وضاحت ہے۔ آخری باب میں اختتامی بحث کے تحت مخالفین کے الزامات کا جائزہ لیا گیا ہے اور آخر میں ضمیمہ جات کے تحت چند تاریخی دستاویز اور اہم بیانات کو قلم بند کر دیا گیا ہے۔

یہ کتاب ملت اسلامیہ کی نئی نسل کو جماعت اسلامی کی تاریخ سے پوری طرح باخبر کرنے کی ایک اچھی کوشش ہے اور ضرورت ہے کہ اس کا بغور مطالعہ کیا جائے تاکہ تحریک اسلامی کے اساسی تصورات کا پورا شعور اور اس کے مختلف مراحل کا صحیح اندازہ ہو سکے۔ آج کے انحطاطی دور میں جب کہ تحریک اسلامی کے اساسی تصورات، بنیادی مزاج اور ملک و ملت کے مسائل کے اسلامی حل کے سلسلے میں مختلف تعبیرات خود اپنے حلقے میں پائی جاتی ہیں ایسی حالت میں اس کتاب کا پہلا اور دوسرا باب کافی اہمیت کا حامل ہے خصوصاً حاکمیت ربانی اور حاکمیت جمہور کی جو بحث اس کتاب میں کی گئی ہے۔ جدید جاہلیت اور طاغوت اکبر کے سلسلے میں انقلابی فیصلوں کا جو حوالہ دیا گیا ہے۔ ہندوستان کی ملت اسلامیہ کے سیاسی مسائل پر مولانا مودودیؒ کی تین تجویزوں پر جو بحث کی گئی ہے۔ آج بھی ان باتوں میں سیاسی بصیرت کا اچھا سامان موجود ہے۔

اس کتاب کا مطالعہ تاریخ کی روشنی میں کیا جائے تو اس میں اس مؤرخانہ بصیرت کی کمی کا احساس ہوتا ہے جس سے تحریک کے ماضی پر ناقدانہ آگہی پیدا ہو۔ کسی تنظیم کے ذیلی اداروں کے ذریعہ بے لاگ تنقیدی جائزہ جو ایک مورخ کا فریضہ ہوتا ہے ذرا مشکل بھی ہے، اس کے لئے اجتماعی تحمل نظم میں تحریکی وسعت اور فرد کے اندر غیر معمولی جرأت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک بڑی تحریک کے لئے تنظیمی شاخیں، تحقیق و تنقید کے ادارے تربیت عامہ (مثلاً صحافت) کے ذرائع میں توازن بڑی اہمیت رکھتا۔ اگر ہمہ جہتی اسلامی انقلاب کے مختلف ادارے ایک ہی اجتماعی ہیئت کے "بڑ مخلص" کل پرزے بن جائیں تو ایسی تحریک کا داخلی نظام احتساب (Feed back System) مضمحل ہونے لگتا ہے۔ پھر کمزوریاں بروقت سامنے نہیں آتیں بلکہ پنپنے لگتی اور بالآخر تحریک ان کمزوریوں کا شکار ہو جاتی ہے جن کے نتیجے میں وہ تار

بقیہ صفحہ ۱۱ پر

جانبِ منزل

ترتیب:۔۔۔۔۔۔ جاوید اختر

کرناٹک

مانوی:۔ مانوی یونٹ کی جانب سے عید الفطر کے موقع پر عید ملن کا پروگرام ہوا۔ جس میں تقریباً تین سو افراد شریک تھے۔ اس پروگرام میں جناب سراج الحسن صاحب سکریٹری جماعت اسلامی ہند مہمان خصوصی کی حیثیت سے موجود تھے۔

سندھنور:۔ مقامی یونٹ کی طرف سے ۲۹ مارچ تا ۱۱ اپریل سمر اسلامک کورس چلایا گیا جس میں سیرت رسولؐ، سیرت صحابہؓ، تاریخ وغیرہ پر لکچر دیے گئے، نماز کا طریقہ بتایا گیا، فقہی مسائل سے واقفیت کرائی گئی اور مسنون دعائیں اور قرآنی سورتیں یاد کرائی گئیں۔

آندھرا پردیش

محبوب نگر:۔ محبوب نگر یونٹ کی جانب سے گذشتہ دنوں Islamic Quiz Competition منعقد کیا گیا۔ جس کی نگرانی مولانا مجتبیٰ حسین صاحب اور صدارت جناب مسعود جاوید ہاشمی صاحب (مدیر نگار) نے کی۔ اس میں اسکول اور کالج کے طلبہ نے حصہ لیا۔ جنھیں الگ الگ گروپ میں رکھا گیا تھا۔

نظام آباد:۔ طلباء اور نوجوانوں کی فلاح و بہبود کے لئے ایس۔ آئی۔ او نظام آباد کی نگرانی میں اسٹوڈنٹس اسلامک ویلفیر سوسائٹی (رجسٹرڈ) گذشتہ تین سالوں سے کام کر رہی ہے، گذشتہ سال فری کوچنگ کلاسس کے ذریعہ ایس۔ ایس۔ سی کے ۲۴ اور گریجویشن کے ۱۴ طلباء نے استفادہ کیا بک بینک کے ذریعہ ۴۰ طلباء کو کتابوں کی مدد دی گئی۔ تعلیم بالغاں کے مرکز سے ۱۰ طلباء مستفید ہوئے نیز سوسائٹی کے ذریعہ دو کتب خانے چل رہے ہیں اور ایک مسلم ہاسٹل۔ سوسائٹی کے پیش نظر کئی فلاحی اور تعلیمی کاموں میں معیاری پرائمری اسکول کا قیام اور ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ کا قیام شامل ہیں۔

تامل ناڈو

مدراس:۔ گذشتہ سال کی طرح امسال بھی مدراس ڈویژن کی جانب سے ۱۹ر اپریل تا ۱۲ر مئی "سمر اسلامک کورس" کا اہتمام کیا گیا۔ اس کورس میں ۱۰۵ طلباء نے اپنے نام درج کرائے۔ کورس کے اختتام پر ایک ٹیسٹ لیا گیا اس میں کامیاب طلباء کو انعامات دیئے گئے۔ گرمی کی شدت اور رمضان کے باوجود طلباء نے گہری دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔

مہاراشٹر

جالنہ:۔ جالنہ یونٹ کی جانب سے ۱۵ر مئی کو ایک عید ملن پروگرام کا انعقاد کیا گیا۔ اس موقع پر مختلف سیاسی پارٹیوں کے نمائندے، طلباء تنظیموں کے نمائندے، صدر بلدیہ اور ضلع کلکٹر بھی موجود تھے۔ صدر مقامی نے تنظیمی سرگرمیوں کا تعارف کرایا اور کہا کہ مذہب اسلام کسی خاص فرقہ کے لئے نہیں بلکہ تمام انسانوں کے لئے راہِ ہدایت فراہم کرتا ہے ناظم جماعت اسلامی ضلع جالنہ نے اپنے خطاب میں کہا کہ انسان خود اپنا دشمن بن چکا ہے۔ پورا انسانی معاشرہ پراگندگی کا شکار ہو چکا ہے اس پراگندگی کو دور کرنے کا واحد حل خوفِ خدا ہے۔

اودگیر:۔ اودگیر یونٹ کی طرف سے ۲۶ر مئی کو نگر پریشد ہال میں عید ملن کا پروگرام ہوا۔ جس میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے برادر توفیق اسلم سکریٹری حلقہ مہاراشٹر و گجرات موجود تھے۔

ایڈوکیٹ شنکر داودھا کور کرنے اس موقع پر ۵ جولائی کے کارکنوں کو مبارکباد دی اور کہا کہ اس طرح کے پروگراموں کے لئے نوجوانوں کو آگے آنا چاہیے۔

شیواجی کالج کے صدر شعبہ انگریزی پروفیسر پنڈیتا نے موجودہ صورت حال کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا کہ قیامت کے قریب ہونے کے آثار نمایاں ہیں۔

مولانا حبیب احمد صاحب نے قومی یکجہتی، مساوات، بھائی چارگی کو وقت کی اہم ضرورت بتایا۔

ظہیر الدین ایڈوکیٹ نے رمضان کی فضیلت اور اس کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔

جناب ابراہیم خان صاحب نے کہا کہ ہر شے کا ایک مقصد ہے۔ انسان بھی بے مقصد پیدا نہیں ہوا ہے۔ انھوں نے انسان کے مقصدِ وجود کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ انسان کو اس کائنات کے مالک کی عبادت اور بندگی کرنی چاہیے۔

ناندیڑ:۔ کھڑکپورہ سرکل کی جانب سے گذشتہ دنوں ایک کارنر میٹنگ بعنوان "نماز" ہوا۔ اس موقع پر مقررین نے نماز کی اہمیت اور اس کے اثرات کی وضاحت کی۔

بمبئی:۔ "زندہ قومیں اپنی ترقی کے اسباب خود تلاش کر لیتی ہیں اور اپنی راہ کی مشکلات کو دیکھنے کے باوجود اس راہ سے گزرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ خیرِ امت ہونے کی وجہ سے جو ذمہ داریاں ہم پر عائد ہوتی ہیں نوجوان اس کے پورا کرنے میں اپنا رول ادا کریں" یہ بات صدر حلقہ مہاراشٹر نے ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا جو ان کے چار روزہ دورے کے آخری دن منعقد کیا گیا تھا۔ اس جلسہ سے سکریٹری حلقہ نے بھی خطاب فرمایا۔

اس چار روزہ دورے کے دوران یکم جون کو سانتا کروز سرکل کی جانب سے منعقد ایک جلسہ عام میں خطاب کیا۔ ۲ر جون کو پکنک کا اہتمام کیا گیا جس میں سکریٹری حلقہ نے پکنک کی اہمیت اجاگر کیا۔ اسی دن شام کو سیوڑی سرکل نے ایک ٹی پارٹی دیا ۳ر جون کو مومن پورہ میں تنظیمی نشست ہوئی جس میں صدر حلقہ نے کارکنان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے اللہ اور اس کے رسول سے ساتھ جو پختہ عہد کیا ہے اس کو پورا کریں اور دین کا صحیح علم و شعور اور رجحان پیدا کریں۔

آپ نے فرمایا کہ اسلام کے کارکنوں کو دو اتحاد کا سے کام کرنے کی ضرورت ہے۔

بہار

گیا :- گیا یونٹ کی جانب سے گزشتہ دنوں ایک دعوتی اجتماع منعقد کیا گیا۔ اس اجتماع میں سابق ناظم علاقہ حلقہ طلبا اسلامی بہار ڈاکٹر جاوید اختر صاحب (مقیم ریاض) نے طلبا اور نوجوانوں سے خطاب کیا۔ موصوف نے طلبا اور نوجوانوں کو ان کی حیثیت سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ ان پر دوہری ذمہ داری عائد ہوتی ہے انھیں اپنے کورس پر بھی پوری توجہ دینی چاہیے اور اپنے کردار کی تعمیر پر بھی، ساتھ ہی ساتھ اسلام کا فہم پیدا کرنا چاہیے تاکہ وہ داعی اسلام بن سکیں۔ انھوں نے بتایا کہ ان دونوں حیثیتوں میں بڑا گہرا تعلق ہے۔ انھوں نے نوجوانوں سے مزید فرمایا کہ وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے نہ رہیں بلکہ اپنی صلاحیتوں کا بہترین مصرف لیں۔

اس موقع پر برادر سید محمد اقبال نے اتحاد و تنظیم کی اہمیت اور ایس۔ آئی۔ او کی ضرورت پر گفتگو کی انھوں نے توجہ دلائی کہ اس وقت برائیاں تو منظم ہو کر اپنے اثرات ڈال رہی ہیں مگر نیکی کو پسند کرنے والے لوگ منظم و مستحکم ہو کر برائی کی قوت کو شکست دینے پر آمادہ نہیں۔ موصوف نے ایس۔ آئی۔ او کے قیام اور اس کے مقاصد سے طلبا کو روشناس کرایا۔

دربھنگہ :- للت نرائن متھلا یونیورسٹی کے شیخ الجامعہ کی حمایت میں S.I.O دربھنگہ یونٹ نے ایک قرارداد منظور کی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ "ایس۔ آئی۔ او دربھنگہ یونٹ وائس چانسلر جناب ڈاکٹر شکیل الرحمن کے مستحسن اقدام کا خیر مقدم کرتا ہے۔ اور یہ امید کرتا ہے کہ وہ سیاسی دباؤ کی پرواہ کئے بغیر کرتے ہوئے یونیورسٹی کے تعلیمی ماحول کو بہتر بنانے کی کوشش کرتے رہیں گے اور ایسا نظم کریں گے کہ امتحانات مناسب وقت پر ہوا کریں۔"

واضح ہو کہ مذکورہ یونیورسٹی کا تعلیمی نظام بالکل چوپٹ ہو کر رہ گیا تھا۔ امتحان کا وقت پر نہ ہونا، جعل سازی، نقل بازی اور جعلی اسناد کی فروخت عام بات ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر شکیل الرحمن صاحب نے اپنا عہدہ سنبھالتے ہی ان پر پابندی لگانی شروع کر دی۔

اسرا یا :- اسرا یا یونٹ کی جانب سے گزشتہ دنوں ایک خصوصی اجتماع منعقد کیا گیا۔ اس پروگرام میں دربھنگہ کمشنری کے ناظم برادر نظیر احمد نے فرمایا کہ دین کا کام خالص رضائے الٰہی اور فلاح آخرت کا حصول ہے جو خلوص و للہیت کے بغیر ممکن نہیں۔ مسلم طلبا و نوجوانوں کو ان کی ذمہ داری کا احساس دلاتے ہوئے ایک صحابی رسول کا وہ قول کہ اسلام بغیر جماعت کے نہیں، امارت بغیر اطاعت کے نہیں، اطاعت بغیر امارت کے نہیں کی یاد دہانی کرا کر کہا کہ اسلام صرف نظریہ اور اصول کے لئے نہیں بلکہ جوانوں کی فطری امنگوں کے مطابق ہے۔

نئے سرکلس کا قیام :- نرنا ضلع دربھنگہ میں السبہ سی پہلے سرکل کا قیام عمل میں آیا۔ برادر عرشی کو سرکل انچارج منتخب کیا گیا۔ یہ انتخاب ایک اجتماع کے دوران ہوا جس کی نگرانی جناب عبدالفتاح صاحب (سابق امیر حلقہ بنگال) نے کی۔

کمہر ولی :- (ضلع دربھنگہ) میں بھی نئے سرکل کا قیام عمل میں آیا۔ اس موقع پر ایک جلسہ عام ہوا جس سے برادر نظیر احمد نے خطاب فرمایا۔

مغربی بنگال

حلقہ مغربی بنگال میں درج ذیل نئے سرکلس قائم کیے گئے ہیں۔

۱۔ اقبال پور	ضلع کلکتہ	انچارج محمد احسان
۲۔ تتی باغ	ضلع کلکتہ	
۳۔ ہریس پور	ضلع بیر بھوم	انچارج سلطان البشر
۴۔ ککڑاکھا	ضلع مدناپور	" محمد صفی الدین
۵۔ قمچ پور	ضلع مرشدآباد	" ارمان علی
۶۔ جنتا	ضلع مرشدآباد	" کلیم الدین
۷۔ رام نگر	ضلع مرشدآباد	" عبدالودود
۸۔ رتن پور	ضلع مرشدآباد	" ذاکر حسین
۹۔ کاموڑیا	ضلع مرشدآباد	" اکمل حسین
۱۰۔ پولاسی	ضلع ندیا	"

راجستھان

ماکھولی :- برادر عبدالحی زونل سکریٹری نے ماکھولی یونٹ کا دورہ کیا اس موقع پر ایک خصوصی پروگرام منعقد کیا گیا۔ راجستھان میں دو نئے سرکل کا قیام عمل میں آیا ہے۔ ٹونک اور بونلی۔ ٹونک میں برادر آصف علی کو ناظم اور برادر محمد راشد زبیری کو سکریٹری منتخب کیا گیا۔ بونلی میں برادر خلیق احمد کو ناظم اور برادر سلیم مرزا کو سکریٹری منتخب کیا گیا۔

افطار پارٹی

حسب روایت ایس۔ آئی۔ او آف انڈیا کی اکثر مقامی یونٹوں نے رمضان المبارک کے مہینے میں افطار پارٹی کا اہتمام کیا۔ چند ایک کی رپورٹ یہاں پیش کی جا رہی ہے۔

یوپی

بلریا گنج :- یہاں ۲۶ رمضان المبارک کو افطار پارٹی دی گئی جس میں دو سو طلبا اور نوجوانوں نے شرکت کی۔ اس موقع پر مولانا محمد طاہر صاحب مدنی نے نوجوانوں سے خطاب فرمایا۔ آپ نے کہا کہ کسی بھی قوم کے نوجوان اس کی ریڑھ کی ہڈی ہوتے ہیں اور قوموں کے عروج و زوال کا دارومدار بہت حد تک انھیں نوجوانوں پر ہوتا ہے۔ عید کے دن اسی یونٹ نے عید ملن کا پروگرام رکھا جس میں صرف غیر مسلم نوجوانوں کو دعوت دی گئی تھی شرکا کی تعداد ۸۰ تھی۔

میرٹھ :- میرٹھ یونٹ کی جانب سے ۱۳ اپریل کو افطار پارٹی کا اہتمام کیا گیا۔ جس میں بڑی تعداد میں طلبا اور نوجوان شریک ہوئے۔ افطار سے قبل مختلف عنوانات پر تقریریں ہوئیں۔ جناب رشید الدین صاحب امیر مقامی نے طلبا اور نوجوانوں کو ان کی ذمہ داریاں یاد دلاتے ہوئے کہا کہ آج ہماری ذلت و رسوائی کا سبب یہ ہے کہ ہم مختلف بلاکوں میں بٹ گئے ہیں۔ اور اتحاد جیسی نعمت رخصت ہو چکی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر ہم کامیاب و کامران ہونا چاہتے ہیں تو ایک دوسرے سے مل کر آگے بڑھنا ہوگا۔ برادر محمد اسلم نے اس موقع پر ایس۔ آئی۔ او کا تفصیلی تعارف پیش کیا۔

سکھپورہ (بلیا) :- سکھپورہ سے بھی افطار پارٹی کی خبر موصول ہوئی ہے۔ یہاں ۲۵ رمضان المبارک کو افطار پارٹی دی گئی۔ ۲۶ رمضان کو ایک سمپوزیم بھی ہوا۔ افطار پارٹی کے موقع پر طلبا اور نوجوانوں سے خطاب کرتے ہوئے برادر شمشاد علی نے کہا کہ صالح طلبا ہی ملک کے بہتر مستقبل کی ضمانت ہو سکتے

میں۔ آپ نے طلباء اور نوجوانوں کی موجودہ اخلاقی گراوٹ پر تشویش ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ اگر ان پر دھیان نہیں دیا گیا تو ملک بربادی کے غار میں چلا جائیگا۔

کرناٹک

گلبرگہ: رمضان المبارک کے مہینے میں گلبرگہ یونٹ نے کئی مخصوص پروگرام منعقد کئے۔ شہر کے مختلف مساجد میں رمضان اور قرآن کے عنوان پر تقریریں کی گئیں۔ ساتھ ہی تقریباً تمام محلوں میں اجتماعی افطار کا نظم کیا گیا۔ شب قدر کے موقع پر کئی مساجد میں جسے منعقد کئے گئے۔

رائچور: رائچور یونٹ نے رمضان المبارک کے مہینے میں کئی پروگرام کئے۔ [illegible] شب قدر اور افطار پارٹی ... [illegible] ایس آئی او کے اسپورٹس کلب ... [illegible] کئے گئے ... [illegible] کی آمد سے قبل استقبال رمضان کے عنوان سے ایک پروگرام منعقد کیا گیا۔ ... [illegible] کیا گیا۔

بیلی: بیلی سے ... [illegible] مختلف پروگرام ہونے کی اطلاع موصول ہوئی ہے ... [illegible] کو جلسہ استقبال رمضان منعقد کیا گیا ... [illegible] الیس احمد صاحب نے خطاب فرمایا۔ آپ نے رمضان ... [illegible] سے کما حقہ فائدہ اٹھانے کی تلقین کی۔

یکم مئی کو جلسہ یوم القرآن منعقد کیا گیا ... [illegible] نورالدین قادری نے اس موقع پر طلباء اور نوجوانوں سے ایک بڑے مجمع کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ قرآن کتاب ہدایت ہے ... [illegible] انسانیت کا ... [illegible] قرآن مجید ہے۔

یکم رمضان المبارک کو احترام رمضان المبارک کے عنوان سے ایک اشتہار جاری کیا گیا جسے مساجد میں چسپاں کیا گیا اور عوام میں تقسیم کیا گیا ... [illegible] رمضان المبارک میں لغویات سے دور رہنے اور لڑائی جھگڑے سے پرہیز کرنے ... [illegible] سینما ... [illegible] بچنے کی تاکید اور گزارش کی گئی تھی۔

پورے ماہ میں ۸ مقامات پر افطار پارٹی کا نظم کیا گیا۔ ایک افطار پارٹی تنھے منے بچوں کے لئے مخصوص تھا۔

بہار

دربھنگہ: دربھنگہ یونٹ نے ۱۱ رمضان المبارک کو اجتماعی افطار کا نظم کیا۔ اس سے قبل عصر سے ... [illegible] ہفتہ وار اجتماع ہوا ... [illegible] ... [illegible] طیع الرحمٰن ... [illegible] کا منصب اور اس کی ذمہ داریاں کے عنوان سے ایک مقالہ پیش کیا۔ برادر محمد علاؤ الدین نے ... [illegible] ... [illegible] ... [illegible] کے عنوان پر ختم ہوا۔

کٹیہار: کٹیہار یونٹ کی جانب سے ۲۳ رمضان کو افطار پارٹی ... [illegible] شہر کے ... [illegible] طلباء ... [illegible] اس موقع پر ڈاکٹر ... [illegible] ... [illegible] کی اہمیت، فضیلت ... [illegible]

آندھرا پردیش

گوداوری کھنی: اس یونٹ نے ۲۴ رمضان المبارک کو ... [illegible] افطار پارٹی کا اہتمام کیا۔ اس موقع پر ... [illegible] کالج کے ... [illegible] عبدالعزیز صاحب بھی موجود تھے۔ رفقاء کی تربیت کے لئے اس ماہ ... [illegible] پروگرام چلائے گئے۔

مہاراشٹر

جالنہ: یونٹ نے ۲۳ اپریل کو افطار پارٹی کا نظم کیا۔ اس موقع پر ... [illegible] نے سورہ صف کی چند آیات کا درس دیتے ہوئے کہا کہ دنیا اور آخرت میں کامیابی کی راہ صرف ایک ہے۔ اللہ اور اس کے رسول پر سچے دل سے ایمان لانا اور اپنی جان و مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا۔

[illegible]

مطمح نظر صرف دنیوی وں کا حصول نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ خدا کی عظمت مانی جائے اللہ کا کلمہ بلند ہو۔ آخرت میں کامیابی ہو یہی وہ امتیاز ہے جو اہل ایمان کو حاصل ہے اور اسی کو باقی رکھنا ضروری ہے۔ آپ نے مزید فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے پاکی نصف ایمان ہے اور روزہ نصف صبر ہے۔ حضور نے بڑے ہی نکتے کی بات فرمائی ہے۔ ایمان کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کا ظاہر و باطن سب پاک ہو۔ اس کے جذبات، خیالات، شعور اور احساسات، عقائد و اعمال سب پاک ہوں لیکن جس نے صرف پاکی اختیار کی تو گویا اس نے آدھا ایمان حاصل کیا۔

روزہ نصف صبر ہے یعنی روزہ کے ذریعے جو تربیت ملتی ہے صبر کی جو کیفیت پیدا ہوتی ہے یہ آدھا صبر ہے گویا یہ اشارہ بھی ہے کہ یہ آدھا صبر تو حاصل ہو گیا ہے اس کو پورا صبر بنانا چاہئے۔

سرپرست اعلیٰ مولانا ابو اللیث اصلاحی کی دعا پر نشست کا اختتام ہوا۔

راجستھان

جے پور: جے پور یونٹ کی جانب سے معززین شہر کے لئے ایک افطار پارٹی کا اہتمام کیا گیا ہے جس میں ... [illegible] افراد شریک ہوئے۔ اس موقع پر امیر حلقہ راجستھان نے اس بات پر اظہار مسرت کیا کہ راجستھان میں ... [illegible] کے کارکنان وسائل کی کمی کے باوجود دیگر مسائل کا سامنا کرتے ہوئے بڑی ہمت سے اپنے منزل کی طرف گامزن ہیں۔ اور راجستھان کے مختلف علاقوں میں اسلام کی دعوت کو عام کرنے کے لئے سرگرم عمل ہیں۔ ایس۔ آئی۔ او کی جانب سے بیاور، ... [illegible] ... [illegible] بھاڑا اور ... [illegible] میں بھی افطار پارٹی دیئے جانے کی خبر موصول ہوئی ہے۔

● برادر ممتاز علی ... [illegible] کو حلقہ راجستھان کے ... [illegible] کی ایک خالی نشست کے لئے منتخب کیا گیا ہے۔

رپورٹیں جامع، مختصر اور بروقت ارسال کریں

Rafeeque-e-Manzil Monthly JULY 88
NEW DELHI 110025
VOL
R.N.
Regd. SE)90
Licence U(SE)23
without Prepayment

فکرِ آخرت اور اسلامی انقلاب کا رشتہ

سید احمد عروج قادری

کی تین اہم تقریروں کا مجموعہ

قیمت صرف ڈھائی روپے پچاس پیسے

- کارکنان تحریک اسلامی اور بالخصوص طلبہ اور نوجوانوں کے لیے بہترین تحفہ
- تجزیاتی اسلوب، مدلل اور پُراثر انداز بیان ● آفسٹ کی روشن طباعت،
- معیاری کتابت اور دلکش ٹائٹل ● تاجروں کے لیے معقول کمیشن

ناشر :- اسٹوڈنٹس اسلامک پبلیکیشنز

۲۳۰ ابوالفضل انکلیو اوکھلا نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

ملنے کے دیگر پتے:

۱۔ مرکزی مکتبہ اسلامی ۱۳۵۳ چتلی قبر دہلی ۶

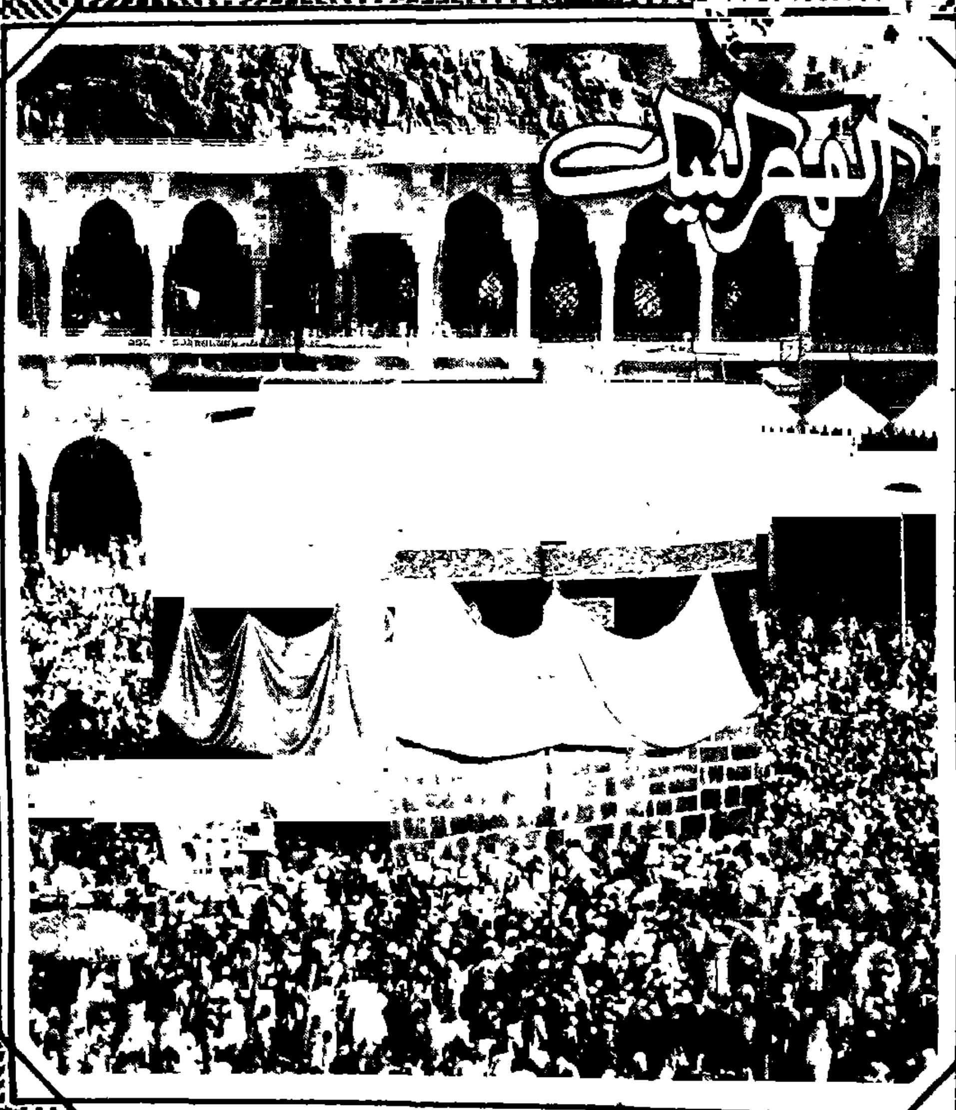
۲۔ کریسنٹ پبلشنگ کمپنی ۲۰۲۰-۵ قاسم جان اسٹریٹ بلی ماران دہلی ۶

Edited, Printed and Published by MUNAWWER HUSSAIN on behalf of SIO of India 230, Abul Fazal Enclave, Okhla, New Delhi - 110 025 Printed at Bharat offset press Delhi-6 for Jamal Printing Press Delhi 6

ماہنامہ

رفیق منزل

دھلی



رفیق کی ڈاک

وضاحت

رفیق منزل (جون ۸۸ء) میں شائع خط میں فائزہ خانم نے میری غزل کے سلسلہ میں جس رسالہ و مدیر کا حوالہ دیا ہے، خود اس رسالہ کے ایڈیٹر جناب عطا عابدی کی فرمائش پر ہی مذکورہ غزل بھیجی گئی تھی۔ یہ کوئی ایسی بات نہ تھی کہ جس کی یوں مذمت کی گئی۔ نشاندہی کافی تھی۔ بہرحال ہونے والی بات تھی جو ہوگئی۔

مجاز نوری۔ دربھنگہ

رفیق منزل (جون ۸۸ء) کے شمارہ میں کسی فائزہ خانم کا خط پڑھ کر افسوس ہوا۔ یہ تو سچ ہے کہ مجاز نوری صاحب کی مذکورہ غزل میرے رسالہ میں شائع ہو چکی ہے۔ لیکن واقعہ یوں ہے کہ مذکورہ غزل میرے ہی اصرار و ترغیب پر "رفیق منزل" میں اشاعت کے لئے بھیجی گئی تھی۔ بڑے بڑے معتبر و مستند شعراء کی مثالیں ہیں کہ ان کی ایک تخلیق مختلف رسالوں و زبانوں میں چھپی۔ اس کا مطلب تو یہ نہیں ہے کہ ان کے پاس غیر مطبوعہ تخلیق نہیں تھی یا نئی تخلیق پر قادر نہیں تھے۔ آج بھی یہ باتیں بیشتر جگہوں پہ دیکھنے کو مل جاتی ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ مجاز نوری صاحب بزرگ شاعر و صحافی ہیں ان کی شان میں فائزہ خانم نے دانستہ یا نادانستہ طور پر جو لہجہ اختیار کیا ہے وہ نامناسب ہے۔

عطا عابدی، دربھنگہ

تشنگی کا احساس

رفیق منزل کا ساتواں شمارہ (جون ۸۸ء) پیش نظر ہے۔ مقالات کے پہلو سے پچھلے پرچوں سے بہتر، 'تحریک اور نوجوان' کا عنوان 'تحریک اسلامی اور نوجوان' زیادہ مناسب ہوتا۔ پتہ نہیں مولانا نے اشاعت سے قبل اپنی اس تقریر پر نظر ثانی کی تھی یا نہیں۔ یہ احساس اس لئے ہوا کہ مضمون ذرا تشنہ سا ہے۔ ایسی ہی تشنگی کا احساس برادر صفدر سلطان اصلاحی کا مضمون پڑھ کر ہوا۔ جمال الدین افغانی کی مجاہدانہ زندگی کی انتہائی سرسری معلومات پر مشتمل ہے یہ مضمون۔ صفدر صاحب اس عنوان پر ایک بھرپور مضمون تیار کریں جو خصوصاً مصر اور ہندوستان میں ان کے قیام کی تفصیلات پر مشتمل ہو۔

یوپی زون کی رپورٹ ایک اچھی پیشکش ہے۔ ہر ماہ ایک ریاست کی رپورٹ شائع ہونی چاہئے۔ ادارہ رفیق اپنی کوشش سے یہ رپورٹیں حاصل کرے۔ تحریکی سرگرمیوں کا صفحہ بس ایک ہی ہے۔ کیوں؟ ہاں اس پر عنوان درج ہے۔

سید محمد اقبال، گیا۔

رفیق کی ڈاک

اس عنوان کے تحت آنے والے خطوط آپ نے ملاحظہ فرمائے ـــــ اکثر خطوط میں ایک ساتھ پورے پرچے پر تبصرہ رہتا ہے اور کبھی مضامین کا ایک ساتھ جائزہ لیا جاتا ہے۔ بہتر ہوگا کہ آئندہ خطوط میں کوئی ایک ہی مضمون یا مسئلہ زیر بحث آئے۔ معیاری پرچوں و رسائل کا اکثر یہی انداز رہتا ہے۔ بجائے اس کے کہ کسی تخلیق کے صرف اچھے یا برے ہونے کا تذکرہ کر دیا جائے، اس کے مختلف پہلو مع دلائل اس طرح آجائیں کہ قارئین کو خط کا فائدہ محسوس ہو اور جو کچھ کہا جائے اس کا انداز مناسب ہو نہ کہ کسی کی دل آزاری ہونے لگے۔ کسی نئے مسئلہ پر بھی اظہار خیال کیا جا سکتا ہے۔ امید ہے ہمارے قارئین اس کا اہتمام فرمائیں گے۔ (ادارہ)

کیریئر گائیڈنس

رفیق منزل کا شمارہ نمبر ۶ ملا۔ بحمد اللہ تابیل صفحہ میں بہتری آئی ہے۔ کہانی مطبخ انچارج میں تحریک اسلامی کے کارکنوں کی ایک کمزور پہلو کی نشاندہی کی گئی ہے۔ کہانی پسند آئی

کیریئر گائیڈنس طلباء کی رہنمائی کا بہترین ذریعہ ہے۔ اسے جاری رہنا چاہئے۔ اگر ملک کے دوسرے بڑے تعلیمی اداروں کے Professional courses کا تعارف کرایا جاتا رہے تو طلباء کو کافی فائدہ ہوگا۔ ساتھ ساتھ اگر Competitions کے مختصر تعارف کا سلسلہ بھی ہو تو طلباء کی رہنمائی ہو سکتی ہے۔

سلسلہ روز و شب کا مقصد سمجھ میں نہیں آیا۔ موصوف محترم سفرنامے میں آنے جانے، کھانے پینے، ملنے جلنے کی تفصیلات دینے کے بجائے اگر کانفرنس کی پوری روداد لکھتے تو ہم لوگوں کو فائدہ پہنچتا۔ رفیق منزل کو کسی سفرنامے کے لئے جگہ دینا مناسب نہیں معلوم ہوتا ہے۔

للت نارائن متھلا یونیورسٹی اور بہار کی دیگر یونیورسٹیوں کا حال یقیناً افسوسناک اور قابل توجہ ہے۔ شمارہ وقت پر مل رہا ہے۔ خدا کا شکر ہے۔

خورشید اکرام، علی گڑھ۔

بہنوں کا صفحہ

میرے نام بھیجا ہوا رفیق منزل ملا۔ ہمت افزائی کا شکریہ۔ اس شمارے میں مضامین اچھے ہیں لیکن آپ نے بہنوں کا صفحہ نکال دیئے ہیں معلوم نہیں کیوں؟ بہنوں کے لئے پھر سے کالم شروع کریں تاکہ بہنیں بھی اپنی ذمہ داری کو پہچانیں اور دین کی خدمت کے لئے اٹھ کھڑی ہوں۔

فوزیہ سلطانہ، بنگلور

بہت خوب

رفیق منزل (جون ۸۸ء) کا اداریہ ٹھیک ہے۔ مطالعہ حدیث مختصر ہو۔ 'تحریک اور نوجوان' خوب ہے۔ ماہرین سے نوجوانوں کی تنظیم کے استحکام کے خطوط کار لکھوائیے۔ ویسے نظمیں بھی نوجوانوں کو ابھار کر منظم بنانے والی ہوں۔ 'کیا آپ نے قرآن پڑھا ہے' بہت خوب ہے۔ 'جمال الدین افغانی' بہترین ہے۔ مختصر افسانے، طنز و مزاح کی چاشنی، تاریخی افسانے اور اکابر اسلام کی سوانح عمریاں، تحریک اسلامی اور دیگر مسلم جماعتوں و تنظیموں کے نمائندوں کے انٹرویو بھی دیں۔ جی آئی او کو منظم بنانے کے لئے خصوصی صفحات دیں۔ سرورق سادہ سہی اسلامی آرٹ کا نمائندہ ہو۔

حرمہ ہندی، مہاراشٹر

ماہنامہ

رفیقِ منزل

دہلی

جلد ۱۰ — اگست ۱۹۸۸ء، ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ — شمارہ ۹

مدیر اعزازی

منور حسین فلاحی

منیجر: جاوید اختر

شرح خریداری

فی پرچہ — ۲ روپے ۵۰ پیسے

ششماہی — ۱۵ روپے

سالانہ — ۲۵ روپے

غیر ممالک سے — ۱۵۰ روپے

مقام اشاعت اور انتظامی امور میں مراسلت کا پتہ

Manager
RAFEEQUE-E-MANZIL
230, Abul Fazal Enclave
OKHLA, New Delhi - 110025

ڈرافٹ پر صرف اتنا لکھیں

RAFEEQUE-E-MANZIL

فون نمبر — 684 6530

خط و کتابت کرتے وقت اپنی خریداری نمبر یا ایجنسی نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔ منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ ضرور لکھیں۔ — منیجر

نقوشِ منزل

اداریہ

دنیا کا ہر نظریہ اپنے ماننے والوں سے قربانی کا مطالبہ کرتا ہے۔ اور بغیر قربانیوں کے کسی نظریہ کی اشاعت کی امید بھی نہیں کی جا سکتی۔ اسلام بھی جو اس سرزمین پر سب سے مستحکم نظام فکر و عمل ہے۔ اپنی اشاعت کے لئے اپنے فرزندوں سے قربانیوں کا طالب ہے۔ قرآن مجید میں جان اور مال کے ذریعہ جس جہاد کا مطالبہ بار ہا کیا گیا ہے۔ وہ اپنی اصل میں انسان کی بدنی اور مالی سرمایوں اور صلاحیتوں کو کھپانے ہی کا دوسرا نام ہے۔ جو شخص اس راہ میں قربانیوں کی جتنی مقدار پیش کرے گا وہ اللہ کی نگاہ میں اتنا ہی عزیز اور بلند مرتبہ قرار پائے گا۔ دنیا میں محبوبیت اور مرتبہ کی بلندی بھی اللہ کی بارگاہ میں مرتبہ کے تعین ہی سے قرار پاتی ہے۔ قربانیوں کی جو مقدار مطلوب ہے وہ فرد کی اپنی وسعتوں اور صلاحیتوں کے اعتبار سے ہے یہاں مقدار اور تعداد سے زیادہ اہمیت جذبہ و کیفیت کی ہے۔ سنہ ہجری کی ابتدا جس ماہ سے ہوتی ہے وہ ہمیں دو عظیم ہجرتوں کی یاد دلاتی ہے۔ ایک موسیٰ و بنی اسرائیل کی ہجرت جس کی یاد میں عاشورہ کے روزہ رکھنے کی تاکید آپؐ نے فرمائی دوسری خود حضرت محمدؐ اور مومنین کی مکہ سے مدینہ کو ہجرت۔ یہ ہجرت بھی راہ خدا کی عظیم ترین قربانیوں میں سے ایک ہے۔ جو شخص یہ مرحلہ طے کر لیتا ہے۔ اس سے ہر قسم کی قربانی کی توقع کی جا سکتی ہے۔ اس لئے کبھی کبھی یہ ایمان و نفاق کے درمیان حد فاصل بھی بن جایا کرتی ہے۔ ہجرت کا عمل اس بات کا بھی حتمی ثبوت فراہم کر دیتا ہے کہ مومنین و کافرین میں وجہ عناد و مخالفت صرف اللہ کا دین یا بالفاظ دیگر وہ دعوت ہے جسے مومنین پیش کرتے ہیں کوئی مادی، علاقائی یا معاشی مفادات کا ٹکراؤ یا اشتراک اس خصومت کی بنیاد نہیں ہے اسی لئے ہجرت قتال فی سبیل اللہ کے لئے ایک اہم موڑ بھی ثابت ہوتی ہے اور حق و باطل میں امتیاز کا ایک واضح اعلان بھی۔ دعوت دین کی ہر کوشش کے لئے اس مرحلہ کا آنا ناگزیر ہے۔ اسی طرح اسلامی سال کی انتہا ایک ایسے ماہ پر ہوتی ہے جو تسلیم و رضا کی راہ میں قربانیوں کی ایک عظیم الشان یادگار ہے۔ حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام اور ان کے خاندان کی قربانیوں کا یہ مہینہ ہے۔ جس کی یاد اگر صحیح روح کے ساتھ منائی جائے تو امت مسلمہ میں نئی زندگی پیدا کر دینے اور اسے امامت و قیادت کے منصب اصلی پر فائز کر دینے کے لئے کافی ہے۔



اخلاق کا تعلق ایمان سے

مولانا محمد فاروق خاں

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: اِذَا زَنَا الرَّجُلُ خَرَجَ مِنْهُ الْاِیْمَانُ کَانَ عَلَیْهِ کَالظُّلَّةِ فَاِذَا انْقَلَعَ رَجَعَ اِلَیْهِ الْاِیْمَانُ

——— ابوداؤد

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب کوئی شخص زنا کرتا ہے تو ایمان اس کے اندر سے نکل کر اس کے سر پر سائبان کی طرح قائم ہو جاتا ہے، اور جب وہ یہ کام کر چکتا ہے تو ایمان کی طرف پھر لوٹ آتا ہے۔"

ایمان جو زندگی کا بیش قیمت سرمایہ ہے گناہ کے وقت آدمی کا رشتہ اس سے منقطع سا ہو جاتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ گناہ کے بعد آدمی کی وہ کیفیت باقی نہیں رہتی جو گناہ کے وقت ہوتی ہے۔ گناہ کے بعد آدمی کو سخت ندامت ہوتی ہے۔ وہ اپنے کیے پر پشیمان ہوتا ہے۔ خدا سے توبہ کرتا ہے۔ اس طرح ارتکاب گناہ کے باوجود اس کا امکان بھی رہتا ہے کہ آدمی کا دل ایمان کی حقیقی کیفیات سے پھر معمور ہو سکے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ: قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ابْنُ جُدْعَانَ کَانَ فِی الْجَاهِلِیَّةِ یَصِلُ الرَّحِمَ وَ یُطْعِمُ الْمِسْکِیْنَ فَهَلْ ذَالِكَ نَافِعُهٗ؟ قَالَ: لَا یَنْفَعُهٗ لِاَنَّهٗ لَمْ یَقُلْ یَوْمًا رَبِّ اغْفِرْلِیْ خَطِیْئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ

——— مسلم

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ابن جُدعان زمانہ جاہلیت میں صلہ رحمی کرتا تھا اور مسکین کو کھانا دیتا تھا تو کیا یہ اس کے کام آئے گا؟ آپؐ نے فرمایا: "یہ اس کے کچھ کام نہ آئے گا اس لئے کہ اس نے کسی دن بھی یہ نہ کہا کہ مرے رب، جزا و سزا کے دن تو میری خطا کو بخش دینا۔"

یعنی وہ شخص کفر میں مبتلا تھا، آخرت پر اس کا ایمان نہ تھا۔ اس لئے وہ خدا سے کبھی مغفرت کا طالب نہ ہوا۔ ایمان کے بغیر خواہ کتنے نیک اعمال ہوں وہ اکارت جائیں گے۔ آخرت میں وہ ہرگز آدمی کے کام نہ آسکیں گے۔ معلوم ہوا کہ نیک اعمال خدا کی نگاہ میں وہی ہیں جن کا اصل محرک ایمان ہو نہ کہ کچھ اور۔ ایمان کے بغیر حقیقت میں وہ زندگی ہی میسر نہیں ہوتی جسے قابل قدر قرار دیا جائے۔ جب کسی کو وہ زندگی ہی میسر نہ ہو جو مطلوب ہے تو اس کے اعمال و افکار اور اخلاق کو کیسے باوزن ٹھہرایا جا سکتا ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ ؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ مَا الْاِیْمَانُ فَقَالَ مَنْ سَرَّتْهُ حَسَنَتُهٗ وَسَاءَتْهُ سَیِّئَتُهٗ فَهُوَ مُؤْمِنٌ.

——— الحاکم فی المستدرک

حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا سے دریافت کیا گیا کہ ایمان کیا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: نیکی کر کے جس کو خوشی ہو اور برائی کر کے جس کو غم اور پچھتاوا ہو تو وہ مومن ہے۔"

اس حدیث سے بھی اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ ایمان انسان کے اعمال سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔ ایمان درحقیقت آدمی کے ذوق و فطرت کو نکھار دیتا ہے۔ ایمان کی اصل بنیاد ہی دراصل انسان کا ذوق صحیح اور حاسۂ فطرت ہے۔ اسی لئے مومن کو نیکی سے مسرت اور برائی سے انقباض ہوتا ہے۔ اس کے برعکس غیر مومن شخص کو اپنے بُرے اعمال ہی خوشنما اور مسرت بخش معلوم ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ کفر سب سے پہلے اس کے ذوق و فطرت ہی پر حملہ آور ہو کر اسے بگاڑ کر رکھ دیتا ہے۔ پھر اس کی حالت اس مریض کی سی ہوتی ہے جس کے مرض نے اس کی زبان کا ذائقہ خراب کر دیا اور اسے میٹھی چیز کڑوی معلوم ہوتی ہے۔ قرآن میں ہے: اَفَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا، فَاِنَّ اللّٰهَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ (۸:۳۵)

"پس کیا وہ شخص جس کے لئے اس کا بُرا عمل خوشنما بنا دیا گیا ہو، اور وہ اسے اچھا سمجھتا ہو۔ . . . . پس اللہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں ڈال دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔" سب سے بڑی گمراہی اور ضلالت یہی ہے کہ آدمی کا ذوق اور اس کی طبیعت ہی مسخ ہو جائے۔ اور وہ صحیح ذوق اور دل کی صحیح کیفیت کی لذت سے محروم ہو کر رہ جائے۔

چند باتیں شعور کی

محمد سلیمان قاسمی رام پور

الحمد للہ! آج دنیا میں ہر جگہ اسلامی تحریکیں ابھر رہی ہیں اور ان میں نوجوان طلبہ اور طالبات آگے آگے نظر آ رہے ہیں۔ لیکن نوجوانوں کا خون گرم ہوتا ہے، ہوش سے زیادہ ان میں جوش ہوتا ہے۔ عقل سے زیادہ وہ جذبات سے کام لیتے ہیں۔ اس لئے ان میں اعتدال پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ فکر میں گہرائی، نظر میں وسعت، ذہن میں رسوخ اور پختگی، قلب و نگاہ میں کشادگی اور بلندی درکار ہے۔ طبیعت میں گداز اور عادات و اخلاق میں سلامت روی ہونا چاہئے۔

اس غرض سے قرآن کا مطالعہ غور و فکر اور تدبر و تفکر کے ساتھ ضروری ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی سیرتوں اور داستانوں کا مطالعہ ضروری ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور احادیث کا مطالعہ ضروری ہے۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کی سیرتوں کا اور دیگر علم بردارانِ اسلام کی سوانح کا مطالعہ ضروری ہے۔ عبادات میں شغف اور ان کے اہتمام کی ضرورت ہے۔ اور عملاً دعوتی کام کے میدان میں اترنے اور اس میں جولانی کی ضرورت ہے۔

ان سب کے علاوہ اور ان سب کے ساتھ اللہ کو یاد کرنے اور یاد رکھنے کی ضرورت ہے کیوں کہ اسلامی تحریک کی غرض و غایت۔ مقصود اور مدعا اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ اللہ راضی ہو جائے، انسان خدا کے غضب اور دوزخ سے محفوظ ہو جائے، خدا کی خوشنودی اور رضا کے مقام جنت سے ہمکنار ہو جائے، اس لئے اسے اپنے عقائد، افکار و نظریات درست اور صحیح کرنا اور رکھنا ہے۔ اسی لئے اپنی سیاست و جہانبانی کو حاکمیت الٰہ کے مطابق استوار کرنا ہے۔ اسی لئے ذکرِ خدا اور یادِ الٰہی کے ذریعہ اپنا تعلق اپنے خدا سے زیادہ سے زیادہ مضبوط کرنا ہے۔

اس کی ایک تدبیر یہ ہے کہ حضور نبی کریمؐ سے جو دعائیں منقول ہیں ان دعاؤں کا اہتمام کریں اور شعور کے ساتھ رو کر، گڑگڑا کر اپنے اللہ سے دعائیں مانگیں مثلاً آپ سو کر اٹھیں تو آنکھ کھلتے ہی یہ دعا کریں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ

شکر ہے اس اللہ کا جس نے موت کے بعد ہمیں زندگی بخشی اور بالآخر اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔

اس کے بعد آپ کے پاس جو کوئی بھی ہو اسے سلام کریں۔

جب آپ بیت الخلاء میں داخل ہوں تو بایاں پیر رکھتے ہوئے یہ دعا کریں۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ

اے اللہ میں ہر قسم کی گندگیوں اور خباثتوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

فراغت کے بعد جب باہر نکلیں تو پہلے دایاں پیر نکالیں اور یہ دعا کریں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِیْ

سب تعریفیں اور شکر یے اللہ کے لئے ہیں جس نے ہم سے گندگی اور تکلیف کو دور کر دیا اور مجھے عافیت بخشی۔

اس کے بعد آپ وضو کریں گے۔ بسم اللہ کر کے شروع کریں اور وضو سے فارغ ہوتے ہی پڑھیں

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِیْنَ

اے اللہ مجھے خوب توبہ کرنے والوں میں شامل فرما دے اور مجھے اچھی طرح طہارت حاصل کرنے والوں میں شامل کر دے۔

اس کے بعد آپ مسجد جائیں گے تو گھر سے نکلتے وقت یہ کلمات ادا کریں۔

بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

اللہ کے نام سے میں نے اللہ پر بھروسہ کیا۔ میرے اندر کسی نقصان یا دشمن سے بچنے یا کوئی کارنامہ انجام دینے کی کوئی طاقت اور قوت نہیں ہے، ہاں اللہ بلندی اور عظمت والا امداد فرمائے تو ہر نقصان سے محفوظ رہ سکتا ہوں اور ہر خوبی سے ہمکنار ہو سکتا ہوں۔

پھر آپ مسجد جائیں گے تو پہلے دایاں پیر رکھئے اور کہئے۔

اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ

اے اللہ میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔

اور جب مسجد سے واپس ہوں تو پہلے بایاں پیر نکالئے اور پڑھئے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ

اے اللہ میں تجھ سے تیرے فضل کی بھیک مانگتا ہوں۔

مسنون دعائیں اہتمام کے ساتھ پڑھنا اور ان میں غور و فکر کے نتیجہ میں چند باتیں سامنے آتی ہیں ملاحظہ فرمایئے!

۱۔ اللہ تعالیٰ کا زندہ و تابندہ تصور ہمارے ذہن و دماغ میں راسخ ہوتا رہے گا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کا تصور زندہ اور تازہ ہوتا رہے گا مثلاً یہ کہ اللہ ہی زندگی دینے والا اور موت دینے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ عادل اور منصف ہے۔ محاسب اور مجازی ہے جزا و سزا دینے والا ہے، نفع دینے والا اور نقصان سے بچانے والا ہے، ہر قسم کی طاقتوں اور قوتوں کا مالک ہے وغیرہ۔

۳۔ ہمارے عقائد، افکار اور نظریات میں رسوخ پیدا ہوتا رہے گا مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ تمام خوبیوں، کمالات اور قوتوں کا مالک ہے اس لئے تمام تعریفوں کا مستحق ہے۔ اس لئے پرستش اور اطاعت و فرمانبرداری کا مستحق ہے۔ دوسرا کوئی تمام خوبیوں، تمام کمالات اور تمام طاقتوں کا مالک ہے ہی نہیں۔ اس لئے دوسرا کوئی نہ تو پرستش کا مستحق ہو سکتا ہے اور نہ اطاعت و فرمانبرداری کا۔ توحید میں رسوخ پیدا ہونے کے ساتھ ساتھ عقیدہ

بقیہ صفحہ ۲۲ پر

اسلام تیرا دیش ہے تو مصطفوی ہے

ڈاکٹر حسن رضا، رانچی

دنیا کے سارے مسلمان مل کر ایک امت
۔ اللہ کے رسول نے ان کو اخوت کے دینی
تے میں باندھا ہے مسلمانوں کی اس اجتماعیت
ال خود رسول اللہ صلعم نے ایک جسم سے دی
جس کے کسی ایک حصہ کو اگر تکلیف ہوتی
تو سارا جسم اس کو محسوس کرتا ہے۔ قرآن
دے ایک مومن دوسرے مومن کا ولی
دوست ہے۔ حدیث کی روشنی میں وہ ایک
رے کا آئینہ اور خیر خواہ ہے۔
لہذا کوئی جغرافیائی تقسیم سیاسی اختلافات
ی مناقشے، فقہی مکاتب فکر، جمعیۃ و جماعتوں
، اختلافات، دیوبندی، بریلوی، وہابی اور
یعہ سنی کے جھگڑے مسلمانوں کے اس
انی اور آسمانی رشتے میں حائل نہیں ہوسکتے
نہ ہونا چاہیئے۔
یہ ایک بین الاقوامی امت ہے جو انصاف
امن کے قیام پر مامور ہے جسے سیاسی
ی، ذہنی اور تہذیبی ہر طرح کی غلامی سے انسانوں
ات دلا کر ایک خدا کی بندگی اور غلامی میں لانا
یہی اس کا مقصد وجود ہے اور اسی وجہ سے
مت اس کا لقب ہے۔ قرآن اس کا دستور ہے۔
ت اس کا راستہ ہے۔ توحید اس کی قوت ہے۔
ت اس کی منزل ہے۔ تقوی اس کا زاد راہ ہے۔
حج اس کے قائد ہیں مساجد اس کے روحانی
قافتی مراکز ہیں۔ زکوٰۃ انفاق کے ادارے یعنی
المال اس کا گروپ انشورنس ہے۔ رمضان
رک ماہ جشن قرآن اور فصل بہاراں ہیں تاکہ
ن کا احساس اجتماعیت خزاں رسیدہ نہ ہو اور
کا زاد راہ یعنی تقوی کم نہ ہو اور یہ آفاقی ملت
امیہ پوری طرح متحد ہو کر قرآن کو مضبوطی سے
ے رہے۔ حج اس کا سالانہ بین الاقوامی روحانی
ع ہے تاکہ توحید کے علمبرداروں میں جہاد
نی اور مقصد سے عشق کا ذوق و شوق تازہ ہوتا

رہے اور عالم اسلام خود نگری کے ساتھ حریت،
عدالت اور شجاعت کا درس ساری دنیا کو دیتا
رہے۔

اس امت محمدی کا ہر فرد جہاں کہیں ہے اصلاً
وہ اسلام کا داعی، مبلغ اور مجاہد ہے۔ اس کے
مختلف ادارے، حلقے، مراکز، انجمنیں، تنظیمیں اور
جماعتیں اشاعت اسلام، خدمت دین یا تحفظ
ملت کے قلعے ہیں۔ کوئی ادارہ یا مرکز امت سے
بالاتر نہیں اور کوئی تنظیم یا جماعت امت کا بدل
نہیں۔ کوئی کوشش نقص سے پاک نہیں اور
کوئی حلقہ خوبیوں سے یکسر خالی نہیں۔ اسلام کے
وسیع تر مفاد کے لئے اپنی نگاہ کو وسیع کرنا ہوگا۔
اور قلب کو کشادہ۔ اپنے ہی حلقے کی کوششوں کی
پذیرائی نہیں خدمت دین کی ہر کوشش کو لائق
تحسین سمجھنا ہوگا۔ اپنے ہی سلسلے کے بزرگوں کا
احترام نہیں بلکہ امت کے سارے علماء، دانشور اور
مخلصین لائق صد احترام ہیں جن کی کوششوں سے
اسلام کو فروغ ہوا۔ جن کی تحریروں اور کاوشوں
سے امت نے بہت سارے فتنوں کا مقابلہ کیا
اور کئی معرکے سر ہوئے۔ وہ سب ہمارے بزرگ
ہیں۔ ان کے آپسی اختلافات باعث رحمت ہیں
کیونکہ وہ اخلاص، للّٰہیت اور وسعتِ قلب پر مبنی
ہیں۔ ان کو اس کا حق تھا کہ وہ ایک دوسرے سے
اختلاف کریں لیکن ہمارے لئے جائز نہیں کہ ایک
کی ایسی عقیدت میں مقید ہوں کہ دوسرے کی
تنقیص کرنے لگیں۔ یہ سارے بزرگ جنھوں نے
امت کی مشترکہ بھلائی کے لئے کوششیں کیں ہمارے
لئے باعث فخر ہیں۔ جن پر بجا طور پر ہمیں فخر کرنا
چاہیئے۔

تصویر کا یہ رخ بھی صحیح ہے کہ امت کے
درمیان عبداللہ بن ابی کی ذریات بھی موجود ہیں
ہر طرح کے منافقین جو عہد رسولؐ و صحابہؓ میں پائے
جاتے تھے اس سے کہیں زیادہ آج پائے جاتے

ہیں۔ ہمارے درمیان کچھ دانا دشمن ہیں تو نادان
دوست بھی۔ علمائے سو بھی ہیں، ابن الوقت
خطیب و شاعر اور بے ضمیر دانشور بھی۔ مذہب
کی دوکان چلانے والے مذہبی ٹھیکیدار اور اس
کے گاہک بھی۔ دنیا دار صوفی اور ملا بھی ہیں اور
ان کے مرید آباد بھی۔ ملت فروش لیڈر بھی ہیں
اور ان کی چراگاہیں بھی۔

سچ پوچھیئے تو ملت اسلامیہ کو اصل ڈسنے
والے یہی مار آستین ہیں جنھوں نے دنیا میں
مختلف ناموں سے مسجد ضرار تعمیر کر رکھے ہیں جو
ہمارے درمیان افتراق و انتشار پھیلاتے رہتے
ہیں اور ہر طرح کی عصبیتوں کو ہوا دیکر ہماری وحدت
کو پارہ پارہ کرتے رہتے ہیں۔ ان کی ساری کوشش
یہ رہی ہے کہ ملت اسلامیہ کی قوتیں کفر و نفاق
کے خلاف استعمال نہ ہو کر آپس ہی میں برسر
پیکار رہیں۔

یہ غیروں ہی کی عیاری اور اپنی سادگی کا
نتیجہ ہے۔ آج ہم پچاسوں جغرافیائی اور چھوٹے
چھوٹے سیاسی خطوں میں منقسم ہیں۔ حد یہ ہے
کہ آج بھی کہیں ملوکیت ہے کہیں نیم اسلامیت،
کہیں فوجی آمریت، کہیں مغربی جمہوریت ایک
ڈیڑھ جگہ اسلام کا تجربہ ہو رہا ہے تو درجنوں
جگہ اسلام کو دیش نکالا۔ اور ان کا ذرا گہرائی
سے جائزہ لیا جائے تو ہر جگہ عالمی مستکبرین کی
ریشہ دوانیاں نظر آئیں گی۔ خود احتسابی سے
کام لیا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ عالم اسلام
اپنے ہی "غازیوں" کی تلوار سے لہو لہان ہے اور
غیروں کی سازشوں کا بُری طرح شکار۔

بلاشبہ یہ ساری چیزیں ملتِ اسلامیہ کیلئے
ایک عظیم چیلنج ہے اور اس چیلنج کا صحیح جواب یہ
ہے کہ ہم اپنے اندر ایک امت کے فرد ہونے
کے احساس کو تازہ اور مضبوط کریں۔ کلمے کو بنیاد
اتحاد بنائیں۔ اس شعور کو پختہ کریں اور اپنی دوسری

[illegible]یت نہ دیں۔
ہمارا [illegible]شتہ کلمۃ من اخوۃ کا رشتہ ۔۔ ہم سب حزب اللہ کے سپاہی اور توحید [illegible] امین ہیں۔ یہی کلمہ توحید ہمارا پرچم ہے۔ [illegible]ت پن کا یہ احساس سارے رشتوں پر حاوی [illegible]نا چاہئے۔ اگر دین کی خدمت کے ساتھ [illegible]ی تنگ نظری میں مبتلا ہے اور جماعتی [illegible]شش کے ساتھ تحزب کا روگ لگا ہوا ہے یقین مانئے آج وہ جتنا تعمیر کرینگے کل اس سے [illegible]یادہ موجب تخریب ہونگے۔

بلا شبہ یہ بھی صحیح ہے کہ یہ امت پوری [illegible]رح متحد و منظم نہیں۔ خلیفہ، امام یا امیر کے نہیں [illegible]نے کی وجہ سے اس کا اجتماعی نظام شرعیہ [illegible]رہم برہم ہے۔ دوسری طرف رسولؐ کا حکم [illegible]یکم بالجماعۃ وسمع وطاعۃ کا [illegible]اضہ ہر باشعور مسلم کو مضطرب کرتا ہے۔ یہ حکم [illegible]یڑھ کی ہڈی کے مانند ہیں۔ اس لئے نصب امیر کی کوشش ایک اہم دینی ضرورت ہے۔ اس لئے امت کے اندر اس نظام شرعیہ کو برپا کرنے کے لئے عارضی طور پر ذیلی جماعت یا تنظیم کا قیام ایک ناگزیر فرعی ضرورت ہے۔

لیکن یاد رہے کہ یہ جماعت عارضی ہے اور یہ بھی واضح رہے کہ یہ اجتماعیت ناقص ہے اور اس کو بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ اس کے کچھ فتنے بھی ہیں جس کی طرف سے چوکنا رہنا بہت ضروری ہے۔ تحزب بڑی خطرناک چیز ہے۔ اس سے بچنے کے لئے کچھ تدبیریں لازمی ہیں مثلاً دینی مباحث اور علمی تحقیق کاوش کو تنظیمی حصار میں کبھی بند نہ رکھئے۔ یہ امت کی امانت ہے۔ اس سطح پر اخذ و استفادہ میں تنظیمیت کو حائل کرنا خطرناک ہے۔ یاد رہے جماعت سازی کا ذہن کچھ نئے پیمانے وجود میں لاتا ہے۔ ان پیمانوں اور ایسی ذہنیتوں پر پیہم ضرب لگانی پڑتی ہے۔ ٹوٹے ہوئے پیمانوں کے یہ ڈھیر ہی اس کی صحت کے ضامن ہیں۔ زبانی طور پر نہیں بلکہ حقیقی اور جذباتی سطح پر عرشی پیمانوں کی نگہبانی کرنی پڑتی ہے۔ اور یہ پیمانے تنظیمیت سے ملوث نہ ہوں اس کا بڑا خیال رکھنا پڑتا ہے۔

امت اور جماعت کے بیچ کی لکیر بال سے کم باریک ہونی چاہئے۔ جہاں یہ لکیر گہری ہوئی جذبات، احساسات، لاشعور پر اس کے اثرات پڑنے لگتے ہیں جس کے بعد ادراک کا بچانا بڑا کٹھن ہے۔ پھر الفاظ وہی رہتے ہیں معنی بدل جاتا ہے۔ تبدیلی کا یہ عمل بڑی خاموشی سے ہوتا ہے۔ پہلے لاشعور پھر لہجہ اس کے بعد اسلوب اور تب معنی۔ الفاظ تو کفن کی طرح بھی ساتھ رہتے ہیں۔ اس لئے اس پر سختی سے پہرہ دینے کی ضرورت ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ جادل پر قل ھو اللہ لکھنے کا مشکل فن ہے۔ بس اس کیلئے وسعت قلب اور وسعت نگاہ دو چیز چاہئے جس کی ہمیشہ ضرورت رہی ہے ہاں آج کچھ زیادہ ہے●

تعارف وتبصرہ

——— سید محمد اقبال، رگیا

"فکرِ آخرت اور اسلامی انقلاب کا رشتہ"

مصنف: سید احمد قادری

صفحات: ۲۲۔ قیمت: ۲ روپے ۵۰ پیسے۔

ناشر: اسٹوڈنٹس اسلامک پبلیکیشنز

یہ کتابچہ اسٹوڈنٹس اسلامک پبلیکیشنز کی پہلی پیشکش ہے۔ اسلامی کتابوں کے اشاعتی اداروں کی اب کوئی کمی نہیں مگر ایس۔ آئی۔ پی کے پیش نظر خاص طور سے نئی نسل کے مزاج اور ضرورتوں کو سامنے رکھتے ہوئے صالح لٹریچر کی فراہمی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ ادارہ نئے لکھنے والوں کو آگے بھی بڑھانا چاہتا ہے۔ یہ خیال صحیح معلوم ہوتا ہے کہ اپنے ماحول اور ہم مزاج لوگوں کیلئے زیادہ مؤثر [illegible] لٹریچر نئی نسل کے مصنفین ہی تیار کر سکتے ہیں۔ ادارہ کو اپنے مقاصد میں یہ بھی شامل کرنا چاہئے [illegible] نسل کے غیر مسلموں کے لئے بھی لٹریچر [illegible] کی کا احساس ان کے درمیان دعوتی کام کیوقت ہوتا ہے۔

۲۲ صفحات کے اس کتابچے میں مولانا سید احمد قادری کی تین تقریریں ہیں جو انھوں نے ایس آئی او کے تربیتی اجتماع میں کی تھیں۔ مولانا اسلامی انقلاب کے سرگرم داعی تو تھے ہی فکر آخرت سے بھی سرشار تھے۔ ان کی دوسری تحریروں اور تقریروں میں بھی یہ فکر بہت نمایاں ہے۔ آخرت ہماری آخری اور ابدی منزل ہے اور اسلامی انقلاب کے داعیوں کے ذہنوں میں اس کا استحضار اتنا ہی ضروری ہے۔ پہلا مضمون اسلامی انقلاب اور فکر آخرت کے رشتے کی وضاحت پر مشتمل ہے۔ قرآن و حدیث کے حوالوں سے مزین یہ تقریر بے حد اثر انگیز ہے اور یہ نصیحت بھی کہ "ہم میں سے ہر شخص کو اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھنا چاہئے کہ اس کے دل میں آخرت کی فکر کتنی ہے؟"

دوسری تقریر "مذہب و روحانیت کا محدود تصور" ہے۔ یہ مضمون جتنا اہم ہے اس لحاظ سے اس پر اظہار خیال بہت ہی مختصر ہے۔ کچھ تو مولانا نے خود ہی اختصار سے کام لیا ہے اور کچھ باتیں ضبط تحریر میں آ بھی نہیں سکیں۔ اسی لئے کسی قدر تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔ اس محدود تصور کے اسباب بیان کرنے کے بعد اصلاح کی تدبیریں بیان کی گئی ہیں جو پانچ نکات پر مشتمل ہیں۔ چار نکات تو مختصراً بیان کی گئی ہیں مگر پانچواں نکتہ بالتفصیل ہے۔ بقیہ چار نکات بھی کم از کم اتنی ہی تفصیل کے ساتھ ہوتے تو اس کی افادیت بہت بڑھ جاتی۔ لیکن ظاہر ہے اب مولانا کی طرف سے اس میں کوئی اضافہ ممکن نہیں۔

تیسرا اور آخری عنوان ہے "سیرت کا مطالعہ اور اس سے استفادے کا طریقہ"۔ اس میں سیرت کا مفہوم، اس کے مطالعے کی اہمیت، اس کے مطالعے کا مقصد، سیرت کا ماخذ اور اس سے استفادے کے طریقے پر دلنشیں انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے پھر اردو میں سیرت کی پانچ مستند کتابوں کے مطالعے کی سفارش کی گئی ہے۔ ہمیں بھی سیرت کی ان پانچ کتابوں کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیئے۔

ایس آئی او کی یہ پہلی پیشکش حوصلہ افزا ہے طباعت اچھی، ٹائٹل جاذب نظر اور کتاب مفید، قابل مطالعہ ہے۔ ❀ ❀

امریکن انگلش

محمد انیس، پورنیہ

ہندوستان میں عام طور پر جو انگریزی بولی اور لکھی جاتی ہے وہ بہت حد تک انگلستان کی انگریزی سے ملتی جلتی ہے۔ امریکن انگریزی اس سے ذرا مختلف ہوتی ہے۔ گو امریکہ میں بولے جانے والے بہت سارے الفاظ اب ہندوستان میں بھی استعمال ہونے لگے ہیں مگر امریکن اور ولایتی انگریزی میں بعض امور پر جو فرق پایا جاتا ہے وہ بہت نمایاں ہے۔ آئیے سب سے پہلے لہجے کے فرق کو دیکھیں۔

۱۔ انگلستان میں بعض الفاظ کو جب ماضی میں تبدیل کرنے کے لئے لفظ کے آخر میں جب ed جوڑا جاتا ہے تو اس سے پہلے والے حرف کو ڈبل کر دیا جاتا ہے مگر امریکہ میں ایسا نہیں ہوتا۔ جیسے Worshipped, Travelled, Equalled جبکہ انگریزی لہجے میں اس طرح ہے Worshiped, Traveled, Equaled

۲۔ بعض انگریزی الفاظ جن کا تلفظ Sound "re" پر ختم ہوتا ہے امریکہ اور انگلستان میں اس فرق کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ جیسے انگلستان والے Theatre, Fibre, Centre لکھتے ہیں اور امریکہ Theater, Fiber, Center لکھتے ہیں۔

۳۔ انگلستان میں جس لفظ کے اندر ou ایک ساتھ استعمال ہوتا ہے اس لفظ میں امریکہ میں صرف u سے کام لیا جاتا ہے جیسے امریکی Labor کو Labour، Color کو Colour اور Glamor کو Glamour لکھتے ہیں۔

۴۔ بعض الفاظ امریکہ میں ولایتی انگریزی کے برخلاف اختصار سے لکھے جاتے ہیں جیسے Although، Thru کو Through، Alright کو Allright، Altho کو Programme، Catalog کو Catalogue، Nite کو Night اور Program کو لکھا جاتا ہے۔

۵۔ بعض الفاظ ہندوستان میں بھی اسی طریقے سے لکھے جاتے ہیں جس طریقے سے وہ امریکہ میں لکھے جاتے ہیں۔ جیسے انگلستان میں Civilisation، Connexion، Allright لکھا جاتا جبکہ امریکہ اور ہندوستان میں بھی Civilization، Connection، Alright لکھتے ہیں۔

۶۔ بعض الفاظ جو خالص امریکی ہیں اب ہندوستان میں بھی عام ہو گئے ہیں۔ جیسے

Campus, Semester, Break up Dimension, Politicking

بعض مقام پر گو معنی میں فرق نہیں ہوتا مگر امریکی اور ولایتی انگریزی ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہو جاتے ہیں۔ ذیل کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔ (بریکٹ میں انگلستان میں مستعمل لفظ اور بعد میں اسی کا ہم معنی امریکی لفظ دیا جارہا ہے۔)

Main Road (Trunk Road), City Hall (Town Hall), Under Shirt (Vest), Flash Light (Torch), Mail Car (Postal Van), Sporting Goods (Sports Goods), Seaboard (Seashore), Steno (Shorthand), Rail Road (Railway), Game (Match), Grade (Class) Domestic letter (Inland letter), Film (Cinema), Movie (Picture), Smart Clever)

بعض جگہ الفاظ کے استعمال میں بھی فرق پایا جاتا ہے۔ مثلاً ۸۸-۸-۲، کا معنی امریکہ میں آٹھ فروری ۱۹۸۸ء ہوتا ہے جبکہ انگلستان اور ہندوستان میں اس کا مطلب دو اگست ۱۹۸۸ء ہے۔ نیز امریکہ میں تاریخ اس طرح لکھی جاتی ہے March 6, 1988 جبکہ انگلستان میں اس طرح لکھی جائے گی 1988 6 March۔ ہندوستان میں ان دونوں طریقوں کا استعمال ہوتا ہے۔

قواعد میں بھی کچھ فرق پایا جاتا ہے۔ ہندوستان میں Double Inverted Commas کا جو استعمال ہوتا ہے وہ انگلستان میں نہیں بلکہ امریکہ میں رائج ہے۔ انگلستان میں Single Inverted Commas کا استعمال ہوتا ہے۔

بعض جملے امریکہ اور انگلستان میں الگ الگ قسم سے بولے اور لکھے جاتے ہیں گو ان کے معنی میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔

امریکہ

1. My friend just came
2. You don't have to do that
3. To chair a meeting
4. To captain a team
5. Have you completed your work.

انگلستان

1. My friend has just come
2. You need n't do that
3. To act as chairman
4. To be the captain of a team
5. Have you done your work

بقیہ صفحہ ۱۴

ہوئی رات کی تاریکی میں روپوش ہوگئی۔

فٹ پاتھ پر نیم دراز شخص پر رعشہ طاری ہونے لگتا ہے۔ اس کی آنکھیں خلا میں تاریکیوں کو چیرتی ہوئی نہ جانے کہاں دیکھ رہی ہیں۔ دفعتاً وہ فرش پر دوزانو ہو کر جانور کی طرح رینگنے لگتا ہے۔ پھر کتے کے بھونکنے کی ایک انسانی آواز سے فضائے بسیط تار تار ہوجاتی ہے۔

مضامین خوشخط اور کاغذ کے ایک طرف تحریر فرمائیں۔

آغاخانی مسلک ــــ تعارف

ــــــ ناصر محمود، پاکستان
انتخاب و تلخیص سید تنویر احمد، بیدر

آغاخانی (اسمٰعیلی) قوم کی تاریخ بیان کرتے ہوئے سواد اعظم اہلسنت چترال کے سکریٹری جنرل قاری فیض اللہ نے لکھا ہے کہ ۱۱۷۱ء میں مصر میں اسمٰعیلیوں کی فاطمی خلافت ختم ہوئی۔ اب ساڑھے آٹھ سو سال گذرنے کے بعد، باوجود تمام سازشوں اور کاوشوں کے دنیا کے کسی ملک اور خطے میں اسمٰعیلی حکومت قائم نہیں ہوسکی ہے اور ان آٹھ سو سالوں میں اسمٰعیلی اماموں اور داعیوں اور ان کے مریدوں کی عقل، تدبیر اور دانش کی پوری کاوشیں صرف اور صرف ایک اسمٰعیلی ریاست قائم کرنے کے لئے وقف رہی ہیں۔ ــــ

حسن بن صباح، جس نے "الموط" کی خوبصورت پہاڑیوں میں اپنی جنت بنائی تھی۔ اس نے حشیش (بھنگ چرس) کے استعمال سے تاریخ میں پہلی مرتبہ برین واشنگ کے ذریعہ سیاسی دہشت گردی کی ابتداء کی تھی اور اپنے تربیت یافتہ اور حشیش کے عادی دہشت گردوں کے ذریعہ اس زمانہ کے وزیراعظم، کمانڈر انچیف، عالموں اور دانش وروں کو قتل کروا دیا تھا، مشہور اسمٰعیلی داعی تھا اور اس کا بنیادی مقصد سنی عباسی خلافت کو ختم کرنا تھا۔ اس مقصد کو سو سال بعد حسن بن صباح کے جانشینوں نے ہلاکو اور منگولوں کے ذریعہ پائیہ تکمیل تک پہنچایا۔

حسن بن صباح کا مقصد بھی فاطمی خلافت یعنی اسمٰعیلی حکومت کو دوبارہ قائم کرنا تھا۔ اس کے بعد کئی صدیوں تک اسمٰعیلی تاریخ کے صفحوں سے غائب ہوگئے اور پھر انیسویں صدی میں ایران میں انگریزوں کے خفیہ پولیس کے ایجنٹ کے طور پر نمودار ہوئے اور حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش ناکام ہونے کی وجہ سے ایران سے فرار ہوکر سندھ آگئے۔ یہاں پہنچ کر ایک طرف افغانستان پر قبضہ کرنے کے لئے انگریزوں سے افغانستان پر حملہ کروایا، جس میں اس اُمید پر مدد کی کہ انگریز افغانستان کو آغاخاں اوّل کے حوالے کردیں گے۔ جب یہ چال ناکام ہوئی اور انگریز خود افغانستان سے نکالے گئے، جو اس وقت ایک سپر پاور تھے، تو انھوں نے انگریزوں کو سندھ فتح کرنے کی ترغیب دی اور اس میں ان کی مدد کی۔ آغاخاں اوّل کا اصلی مقصد سندھ پر اسمٰعیلی حکومت قائم کرنا تھا، لیکن یہ کوشش بھی انگریزوں کی ڈپلومیسی کے سامنے بے کار گئی۔

اس کے بعد ایک طویل سازش کی گئی، جس کے تحت انگریزوں سے مکمل تعاون کیا گیا اور اپنی خدمات کے سلسلے میں کبھی مصر اور کبھی سنکیانگ کو اسمٰعیلی ریاست کے لئے انگریزوں سے مانگا گیا، مگر انگریزوں نے ہز ہائی نس اور پرنس کا خطاب تو دے دیا، لیکن کوئی ریاست یا ملک کبھی نہیں دیا۔ ــــ

چترال (پاکستان) کے ایک باشندے مدینہ مسجد کے خطیب عبید اللہ چترالی کے مطابق اسمٰعیلی تاریخ کے تحت انگریزوں نے اس فرقہ کو منظم کرنے میں بڑی دلچسپی لی اور عدالتی فیصلہ کے ذریعہ آغاخان کو اس فرقے کا پیشوا قرار دے کر اس کو مختلف، القابات و اعزازات سے نوازا، جس کی وجہ سے اب بھی آغاخاں کو "پرنس" کا لقب دیا جاتا ہے۔ پھر بھی یہ فرقہ اپنے عقائد و عزائم کو ظاہر کرنے سے گریزاں تھا اور اندر ہی اندر اپنے آپ کو مستحکم بنانے میں مصروف تھا۔ مگر جب افغانستان پر اس کا تسلط ہوا، اس وقت سے یہ فرقہ منصۂ شہود میں آیا اور نہ صرف اپنے عقائد کا برملا اظہار کرنے لگا، بلکہ مسلمانوں کو اپنے عقائد باطلہ کی طرف دعوت دینے اور علماء کو چیلنج دینے کا سلسلہ شروع کردیا۔ نیز آغاخاں فاؤنڈیشن وغیرہ ناموں سے رفاہ عامہ کی صورت میں تنظیمیں بنا بنا کر، مسلمانوں پر معاشی دباؤ ڈالنے کی کوشش کی اور کئی، سرکردہ، بلکہ بہت سے دین دار افراد کو اپنے زیر اثر کیا۔

مسلمان علمائے دین کے مطابق قادیانیت، بہائیت اور ذکری مذہب کی طرح اسمٰعیلی مذہب بھی جو آغاخانیت کے نام سے معروف ہے اسلامی فرقہ نہیں بلکہ ایک مستقل مذہب ہے مگر اس مذہب کی تعلیمات پردۂ خفا میں ہیں، نہ عام لوگوں کو اس مذہب کے اصول و عقائد معلوم ہیں، نہ اہل علم کو بلکہ، خود آغاخانی حضرات کی بڑی اکثریت بھی اپنے مذہب کے اصول و مبادی اور آثار و نتائج سے یکسر بے خبر ہے۔ بس چند رسوم ہیں

جو باپ دادا کی تقلید میں بجا لا رہی ہیں۔ اس کے سوا وہ کچھ نہیں جانتے کہ مذہب کیا ہے۔

اسمٰعیلی مذہب پر سب سے زیادہ مفصل اور محققانہ کتاب جناب ڈاکٹر زاہد علی صاحب کی کتاب "ہمارے اسمٰعیلی مذہب کی حقیقت اور اس کا نظام" ہے مگر یہ کتاب آج کل نایاب ہے۔ جناب ڈاکٹر زاہد علی ولد فضل علی، حسینی علم حیدر آباد دکن کے رہنے والے ہیں آپ بقول خود اصلی و نسلی اسمٰعیلی ہیں۔ پنجاب یونیورسٹی سے بی۔ اے اور مولوی فاضل اور نظام کالج حیدر آباد دکن کے سابق پروفیسر عربی اور وائس چانسلر ہیں۔ آپ "تاریخ فاطمین مصر" کے مولف اور دیوان ابن ہانی الاندلسی کے شارح اور آغا پورہ حیدر آباد دکن میں قائم شدہ "اکیڈمی آف اسلامک اسٹڈیز" کے رکن رکین ہیں۔ اس کے علاوہ اردو زبان میں مولانا عبدالحلیم شرر کا مشہور ناول "فردوس بریں" اور ان کی دوسری کتاب "حسن بن صباح" اس سلسلہ کی دلچسپ کتابیں ہیں۔ ایک محقق کے بیان کے مطابق جناب آغاخان سوئم نے اپنی سوانح حیات میں لکھا ہے کہ "یہودیوں کے دنیا میں متمول ترین بینک مالکان جیمز روشچالڈ اور بیرن مورس ڈی روشچالڈ پچاس سال تک ان کے بے تکلف اور اچھے دوست رہے۔ آغاخان کو ان دونوں نے تو مشورہ دیا کہ ہم نے اسرائیلی ریاست بنوالی تم کیوں اسمٰعیلیوں کیلئے ایسی ہی ریاست نہیں بنوا لیتے۔" اس کے بعد آغاخان نے "اسمٰعیلی ریاست" کے لئے اپنی جدوجہد تیز سے تیز تر کر دی۔

آغاخانی مسلک کیا ہے؟

اسماعیلی فرقہ کی مستند کتابوں کے حوالے سے ایک جائزہ

میں براہ راست حضرت محمدؐ کی نسل سے تعلق رکھتا ہوں اور دو کروڑ مسلمانوں کی کثیر تعداد مجھ پر یقین رکھتی ہے مجھے اپنا روحانی پیشوا مانتی ہے۔ مجھے خراج ادا کرتی اور میری عبادت کرتی ہے، اس وجہ سے کہ میری رگوں میں پیغمبر محمدؐ کا خون ہے۔ (آغاخاں سوئم، ایور لیونگ گائیڈ، از قاسم علی ایم۔ جے، شائع کردہ اسمٰعیلیہ ایسوسی ایشن، پاکستان کراچی)۔ ہندو بھی اور مسلمان بھی روئیں گے۔ برہمن جوتشی بھی پُران پڑھ کر روئیں گے۔ ملاّ اور قاضی بھی قرآن پڑھنے کے باوجود روئیں گے۔ اپنی کٹیا میں بیٹھے ہوئے جوگی بھی روئیں گے۔ بھی روئیں گے۔ کیوں کہ ان کو شاہ برحق (امام) کی حفاظت نصیب نہ ہوئی۔ یہ سب گمراہ لوگ پیر (امام) کو نہ پہچاننے کی وجہ سے روئیں گے۔ بس وہ نہیں روئیں گے جن کو ست گرو (امام) مل گیا۔ ان کو تو نر علی مل گئے۔ ان کی حقیقت کا کیا کہنا۔ (حوالہ: گنان نمبر ۱۴۳ صفحہ ۱۴۱، معلاس لالڈ کا بھرہ، از: پیر صدر دین۔ کیے از مطبوعہ اسمٰعیلیہ ایسوسی ایشن برائے بھارت۔ بمبئی)

س۔ ہم کلمہ میں حضرت علی کا نام کیوں لیتے ہیں؟ جواب: حضرت مولیٰ مرتضٰی علی میں خدائی نور ہونے کی وجہ سے اور حضرت علی کا مبارک نام لینے سے خدائی نور کی شناخت ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے ہم حضرت مولیٰ مرتضٰی علی کا نام کلمہ میں لیتے ہیں۔ علی اللہ یعنی اللہ میں سے علی ہیں یا علی میں خدا کا نور ہے۔ (حوالہ: مارگ درشیکا، ریلیجس نائٹ اسکولز کے لئے خاص درسی کتاب صفحہ ۴۸۔ مطبوعہ اسمٰعیلیہ ایسوسی ایشن برائے ہند، بمبئی)

مُرشد یعنی امام حاضر کو ہر بات کی خبر ہے۔ اگر وہ یہ کہے کہ مہر (یعنی امام کی تصویر) کے بجائے 'شراب کو سجدہ کرو' تو کرنا چاہیئے، کیونکہ مُرشد کا فرمان ہے۔ مرتضٰی علی بزرگ ہیں۔ ان کے فرمان ماننے چاہئیں کیونکہ وہ خود اپنی قدرت سے گناہ بخش کر جنت میں بھیج سکتے ہیں۔ خلیفہ عثمان کے وقت میں کچھ حصہ قرآن شریف میں سے نکال دیا گیا ہے اور کچھ حصہ بڑھا دیا گیا ہے۔ امام حاضر کے پاس ہر وقت ایک نئی خبر ہوتی ہے۔ یہ اس وقت بتانے کی نہیں ہے بعد میں ہم بتلائیں گے۔ عورتیں جو برقع پہنتی ہیں، وہ اچھی بات نہیں ہے۔ مگر اپنے دل کی آنکھوں پر حیاء کا برقعہ ڈالو، تاکہ تمہارے میں کبھی کوئی بُرا خیال نہ آئے۔ آج تک جتنے گناہ آپ لوگوں نے کئے ہیں، وہ سب ہم معاف کرتے ہیں۔ اب آئندہ گناہ نہ کرنا۔ ہمارے سارے روحانی بچوں کا مذہبی اور معاشرتی فرض اولین ہے کہ اپنی پوری وفاداری سے اور کل طاقت سے برٹش حکومت سے تعاون کریں۔ سلطنت (برطانیہ) اپنے مذہب، اپنے مقصد اور اپنی آزادی کی محافظ ہے، اس لئے اس وقت پر خلوص وفاداری کے ساتھ لامتناہی خدمات انجام دینی چاہئیں۔ (آغاخاں سوئم کے فرامین کا مجموعہ کلام امام مبین۔ کیے از مطبوعہ اسمٰعیلیہ ایسوسی ایشن برائے انڈیا، بمبئی)۔

پہلا سبق: ہم امامی اسمٰعیلی "امام حاضر" کے مرید، خدا کا نور جو "امام حاضر" میں روشن ہے اس کو سجدہ کرتے ہیں۔

دوسرا سبق: یا علی مدد: یا علی مدد، ہمارا سلام ہے۔ مولیٰ علی مدد سلام کا جواب ہے۔ یا علی بابا ہماری مدد کرتے ہیں اٹھتے بیٹھتے "یا علی مدد" بولتے رہنا۔ گھر سے باہر نکلتے وقت یا علی مدد کہنا۔ گھر میں داخل ہوتے وقت علی مدد کہنا۔ ماں باپ کو "یا علی مدد" کہنا (سلام کے طور سے) بھائی اور بہن کو "یا علی مدد" کہنا۔ قرآن شریف کی صحیح سمجھ اور اس کے چھپے بھیدوں کے صحیح معنی اور صحیح علم "امام حاضر" کو ہی ہوتا ہے۔ "امام حاضر" قرآن ناطق (یعنی بولتا ہوا قرآن) ہے اس لئے اس کے فرمانوں کے مطابق عمل کرنا چاہیئے اس کے فرمانوں پر عمل کرنے والے دنیا میں فلاح پا [illegible] امام کا ہاتھ خدا کے ہاتھ کے برابر ہے۔ امام کا چہرہ خدا کے چہرے کے برابر ہے

بقیہ صفحہ ۱۳ پر

درخت کی فریاد

ناصر ہاشمی، چکردھرپور

لمحہ بھر بوڑھا درخت خاموش رہا۔ نوجوانوں پر نظر ڈالی پھر اپنی بات شروع کی۔

میرے پیارے بچو اس شخص نے خاندان والوں کی تنقیدیں برداشت کیں محلہ اور شہر والوں کی مخالفت کی پرواہ کی اور اس نوزائیدہ پودے کو سینچتا رہا سینچتا رہا یہاں تک کہ اس میں خوبصورت خوبصورت پتیاں نکل آئیں۔ لوگ اسے دیکھتے اور متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے۔ ہر طرف اسی پودے کا چرچا تھا۔ وہ شخص لوگوں کو بتاتا، اس پودے کو بڑا ہونے دو اسے سینچنے میں میری مدد کرو۔ اس کا ٹھنڈا سایہ تمہیں آرام و سکون بخشے گا، اس کے خوبصورت پھول تمہاری آنکھوں کو تازگی بخشیں گے۔ اس کے پھل ایسے مزیدار ہوں گے کہ ایک بار جو چکھے گا دوسرے پھلوں کو بھول جائے گا۔ یہ سب تمہارے لئے ہی ہے، میری مخالفت چھوڑو میرے کام میں ہاتھ بٹاؤ۔

لوگ اسی کی بات مانتے جاتے اور اس کی مدد میں لگ جاتے۔ کچھ لوگوں سے پودے کی شہرت اور ہر دلعزیزی برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ اس کی موجودگی میں انہیں اپنے باغ کا مستقبل تاریک نظر آ رہا تھا۔

پھر میٹنگس ہوئیں........

ایک نے کہا یہ شخص ہم لوگوں کو تباہ کرنے پر لگا ہوا ہے۔

دوسرے نے کہا اس چھوٹے سے پودے کے سامنے ہمارے بڑے بڑے باغات اہمیت کھوتے جا رہے ہیں۔

تیسرے نے کہا ہماری آمدنی ماری جا رہی ہے.... ہم تباہ ہو جائیں گے۔

کسی نے کہا اسے ہر طرح سمجھایا گیا، لالچ دیا گیا لیکن اس شخص نے ہم لوگوں کی بات کو کوئی اہمیت نہیں دی۔

سبھی نے کہا ہم اپنے آپ کو تباہ نہیں ہونے دیں گے اسے ہی تباہ کر دیں گے اس پودے کو نوچ پھینکیں گے، اسے ہی قتل کر دیں گے۔

کسی طرح سازش کی خبر اس شخص کو ہو گئی، اسے کافی افسوس ہوا اپنے لوگوں کی بیوقوفی پر۔ وہ مغموم ہوا......

کتنی بڑی نعمت سے اپنے آپ کو محروم کر رہے ہیں....

کاش انہیں عقل آ جاتی۔

اپنی جان سے بھی پیارے ننھے پودے کے ساتھ اسے دوسری جگہ پناہ لینی پڑی۔ نیا ماحول تھا آب و ہوا پودے کے لئے مفید ثابت ہوئی..... تیزی سے بڑھنے لگا۔ نئی نئی شاخیں نکلتی جاتیں پرانی شاخیں مضبوط ہوتی جاتیں۔

کتنے طوفان آئے، آندھیاں چلیں، لو کے جھکڑ آئے لیکن وہ سینہ تانے کھڑا رہا۔ اب وہ پہلے والا نازک پودا نہیں ایک تناور درخت تھا جس کی جڑیں گہرائی تک پھیل چکی تھیں شاخیں آسمان سے باتیں کر رہی تھیں۔ پھولوں کی خوشبو سے سارے علاقے معطر ہو رہے تھے۔ فوج در فوج لوگ اس کی طرف کھنچے چلے آ رہے تھے اور وہ اپنا گھنا سایہ لوگوں کے لئے وسیع کر رہا تھا، اپنی شاخیں تیزی سے پھیلا رہا تھا۔

اب اس شخص کا کام ختم ہو چکا تھا، عظیم نعمت اپنے لوگوں کے حوالے کر کے وہ اپنے مالک کے پاس واپس چلا گیا۔ نگراں بدلتے رہے اپنے خون جگر سے درخت کو سینچتے رہے، اپنی ساری توانائیاں اسے بنانے سنوارنے میں لگاتے رہے۔ بہت زیادہ شاخیں سالوں بھر پھولوں اور پھلوں سے لدی رہتیں۔ سبھی کا درخت پر برابر حق تھا۔ پھل سبھی میں برابر تقسیم ہوتے۔

پھر ایسا ہوا..... ایسا ہوا..... بوڑھے درخت کی آواز بھرا گئی، سسکیوں کے درمیان اس نے بات آگے بڑھائی.......

..... میرے بچو وہ درخت جس نے پیدا ہوتے ہی مزاحمت کا سامنا کیا تھا۔ مخالفت کے بڑے بڑے طوفان اس سے ٹکرا کر اپنی اہمیت کھو چکے تھے، اپنے ہی لوگوں کے ہاتھوں بڑے جھٹکے کا شکار ہوا...... درخت خاموش تھا بچے مضطرب تھے....

ایک نگراں نے ایک اہم شاخ اپنے لئے مخصوص کر لی تھی، اس کا پھل صرف اس کے خاندان والے ہی کھا سکتے تھے دوسروں کے لئے اس میں کچھ بھی حصہ نہیں تھا.....

ناانصافی کے خلاف آوازیں اٹھیں، تلواریں چلیں خون بہے لیکن اس شاخ پر اسی خاندان کا قبضہ رہا۔

درخت بظاہر تو ابھی تک مضبوط تھا۔ شاخیں بڑھ بھی رہی تھیں پھل پھول بھی آ رہے تھے..... لیکن دن بدن اپنی اہمیت وہ کھوتا جا رہا تھا۔ اس کی کشش کم ہوتی جا رہی تھی۔ ایک شاخ کا مخصوص ہونا تھا کہ یہ سلسلہ چل نکلا۔ شاخیں مخصوص ہوتی گئیں۔ بٹوارے پر بٹوارہ ہوتا رہا، مالی کی روح تڑپتی رہتی۔ پھلوں کے لئے لوگ لڑتے رہے۔ جڑوں سے دھیان ہٹتا گیا اور درخت کمزور ہوتا گیا صرف چند لوگ ہی تھے جو لوگوں کو سمجھاتے انہیں لڑنے سے منع

کرتے، جڑوں کی اہمیت بتاتے، لیکن ان کی باتیں کون سُنتا ؟ سبھی کو اپنی شاخیں ہی اہم تھیں، اس کے پھلوں ہی سے مطلب تھا۔

اور ایک دن تیز آندھی آئی، اس نے درخت کو تہس نہس کر ڈالا۔ مالی کی روح چیخ اٹھی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بوڑھا درخت زار و قطار رو رہا تھا۔ روئے روئے جا رہا تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ !

ٹھوٹھا درخت ابھی بھی موجود ہے، لنڈی شاخیں ابھی تک ہری ہیں لیکن پھول پھل نہیں آتے۔ وہ فرحت بخش سایہ دینے سے قاصر ہے۔ اپنے لوگ تو اب دوسرے درختوں کی چھاؤں میں سکون تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ بعض کو منڈے درخت سے ہی محبت ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ اس کی شاخیں بھی اہم ہیں، اس کے پھل پھول بھی اہمیت رکھتے ہیں۔ ٹھوٹھا درخت انھیں ورثہ میں ملا ہے اسے ویسا ہی رکھنا چاہتے ہیں۔

یہی ہے میری کہانی میرے بچو۔ بوڑھے درخت نے ایک سرد آہ بھری۔

تو کیا ابھی ابھی تم میں صلاحیت ہے نئی شاخیں اگانے کی، پھول پھل لگانے کی ؟ ایک نوجوان نے سوال کیا۔

کیوں نہیں میرے بچو مجھ میں ابھی بھی صلاحیت ہے۔ میں اب بھی اپنی شاخیں بڑھا سکتا ہوں۔ میرے پھل پھول سے اب بھی لوگ مستفیض ہو سکتے ہیں۔ میں بوڑھا نہیں ہوا ہوں بوڑھا بنا دیا گیا ہوں۔ میں جوان ہوں اور جوان ہی رہوں گا۔

تو ایسا کیوں نہیں کرتے ؟

آہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میرے بچو ابھی تم نہیں سمجھ پاؤ گے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں کتنے کرب کی زندگی گذار رہا ہوں دن رات تڑپتا رہتا ہوا وہ جانتے ہیں کہ میں پھر چھا جاؤں گا۔ میری اس صلاحیت سے خوف زدہ ہیں۔ میں نئی نئی کونپلیں نکالتا رہتا ہوں اور وہ نو رہتے ہیں۔ دشمنوں کو تو میری چند پتوں کی شاخیں بھی بے چین کئے ہوئے ہے۔ دن رات اسی فکر میں ہیں کہ کسی طرح مجھے جڑ سے اکھاڑ پھینکے۔ دشمن تو خیر دشمن ہی ہیں میں تڑپ اٹھتا ہوں جب اپنے بچوں سے بھی ایسی باتیں سُنتا ہوں آہ میرے بچے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تم نہیں جانتے میری اہمیت ۔ ۔ ۔ بھلا تمہیں ایسے درخت سے کیا محبت جو نہ پھل ہی دے سکتا اور نہ ٹھنڈا سایہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ !

مجھے یقین ہے وہ دن جلد آئے گا جب لوگ اٹھیں گے مجھے دشمنوں کے چنگل سے آزاد کرائیں گے، میری حفاظت کے لئے جان کی بازی لگائیں گے، میرے اردگرد کی جھاڑ جھنکاڑ صاف کریں گے۔ میں پھر پہلے جیسا ہو جاؤں گا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مزید پھلوں سے لدا ہوا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ درخت سنہرے مستقبل میں گم ہو گیا

بقیہ آغاخانی مسلک

عقیدت سے امام کا دیدار کرنے والا خدا کا دیدار کر رہا ہے۔

(حوالہ: سکستھن مالا نمبر ۳، منظور شدہ درسی کتاب برائے رلیجیس نائٹ اسکولز کیے از مطبوعہ اسمٰعیلیہ ایسوسی ایشن برائے انڈیا، بمبئی)

آغاخانی مذہبی عبادات کا پیغام

حقیقی مومنوں کو یاعلی مدد!

بیان یہ ہے کہ ہم لوگ آغاخانی ہیں۔ ہمارا تعلق اسماعیلی تنظیم سے ہے جس کے ذمہ داری لوگوں کو مذہبی معلومات فراہم کرنا ہے ہمیں جماعت خانوں میں مکھی صاحب کی زیر سرپرستی جو مذہبی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس کی روشنی میں ہم آغاخانی بندگی / عبادت جو جماعت خانوں میں کرتے ہیں۔ اس کی مکمل وضاحتی تفصیل ہم تحریر کر رہے ہیں۔

- سلام ہمارا ہے یاعلی مدد اور ہمارے سلام کا جواب ہے مولاعلی مدد
- کلمہ ہمارا ہے: اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمد رسول اللہ واشھد ان علی اللہ
- وضو کی ہمیں ضرورت نہیں، اس لئے کہ ہمارے دل کا وضو ہوتا ہے۔
- نماز کی جگہ ہر آغاخانی پر فرض ہے تین وقت کی دعا جو جماعت خانے میں آکے پڑھے، پانچ وقت فرض نماز کے بدلے میں ہماری دعا میں قیام و رکوع کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں قبلہ رُخ کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم ہر سمت رخ کر کے پڑھ سکتے ہیں جن کے لئے دعا میں حاضر امام کا تصور لانا بہت ضروری ہے (ہم دعا کی کتاب اس پیغام کے ساتھ بھیج رہے ہیں۔ آپ خود بھی پڑھیں اور دوسرے روحانی بھائیوں کو بھی دیں)
- روزہ تو اصل میں آنکھ، کان اور زبان کا ہوتا ہے۔ کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہمارا روزہ سوا پہر کا ہوتا ہے جو صبح دس بجے کھول لیا جاتا ہے۔ وہ بھی اگر مومن رکھنا چاہے ورنہ روزہ فرض نہیں ہے۔ البتہ سال بھر میں جس مہینے کا چاند جب بھی جمعہ کے روز کا ہوگا اس دن ہم روزہ رکھتے ہیں۔
- زکوٰۃ کی بجائے ہم آمدنی میں روپیہ پر دو آنہ ہم فرض سمجھ جماعت خانے میں دیتے ہیں۔
- حج ہمارا حاضر امام کا دیدار ہے (وہ اس لئے کہ زمین پر خدا کا روپ صرف حاضر امام ہے۔)
- ہمارے پاس تو بولتا قرآن یعنی حاضر امام موجود ہے مسلمانوں کے پاس تو خالی کتاب ہے بقیہ صفحہ ۲۴ پر

بارہویں کلاس پاس کرنیکے بعد پیشہ وارانہ تعلیم کے مواقع

جی۔ اے۔ داگھولکر

بارہویں کلاس (انٹرمیڈیٹ) پاس کرنے کے بعد پیشہ ورانہ نصاب کی تیاری شروع کیجا سکتی ہے۔ اسس کے بعد بالعموم طلباء بی۔ اے، بی۔ ایس۔سی۔ اور بی۔کام۔ کی تیاری کیلئے بھاگتے ہیں لیکن بہت سے پیشہ ورانہ نصابات ایسے بھی ہیں جن سے مقابلے کے امتحانات کی تیاری کے راستے کھل جاتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ طالب علم اپنی مرضی سے جہاں چاہیں داخلہ لیں بلکہ اس کے لئے محنت اور مقابلے کے امتحانات کی تیاری ضروری ہوتی ہے۔ یہ داخلے میرٹ کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔ میرٹ جانچنے کے دو طریقے ہوتے ہیں (۱) کوالیفائی کرنے والے امتحان میں لیاقت کی بنیاد یعنی کہ اس امتحان میں طالب علم کے بہت زیادہ نمبر ہوں (۲) ہر ادارہ اپنے یہاں داخلے کے امتحانات کراتا ہے۔

ان پیشہ ورانہ اداروں میں داخلہ میرٹ کی بنیاد پر ملتا ہے۔ یعنی امیدوار کے نمبر مقابلۃً زیادہ ہوں۔ ان مشہور اداروں میں داخلے کے لئے امیدواروں کو بارہویں جماعت کے امتحان میں شرکت سے قبل ہی ان کی تیاری شروع کر دینی چاہئے تاکہ وہ امتحان میں کامیاب ہو سکیں۔ ذیل میں اس سلسلے کی کچھ مفید معلومات دی جا رہی ہیں۔

(۱) انجینیرنگ اور الائیڈ کورسز
(۲) میڈیکل اور الائیڈ کورسز
(۳) کورسز ان آرٹس
(۴) کورسز ان کامرس
(۵) دیگر نصابات

انجینئرنگ اور الائیڈ نصابات:
ملک میں ترقی کی خاطر سائنس اور ٹکنالوجی پر خاص زور ہے۔ اس لئے انجینیرنگ کالج اور نئے ٹکنالوجی نصابات کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ [illegible] سیکٹروں میں مزید شعبوں کا اہتمام [illegible] ہے۔ ان کالجوں میں سیٹیں محدود ہیں اور امیدوار لاتعداد ہیں۔ کچھ کالجوں میں داخلہ رہائش کی بنیاد پر ہوتا ہے اور کچھ میں کل ہند بنیادوں پر ہوتا ہے ہر ریاست میں کچھ کالج ہوتے ہیں۔ ان کالجوں میں داخلے کے لئے مشترکہ امتحان ہوتا ہے۔ کم سے کم کوالیفیکیشن بارہویں جماعت ہے جسے انٹرمیڈیٹ بھی کہتے ہیں۔ سائنس ہونی لازمی ہے، عمر ۱۷ سال سے ۲۲ سال کے درمیان ہونی چاہیئے، کچھ نشستیں اسی ریاست کے امیدواروں کے لئے مخصوص ہوتی ہیں جس ریاست میں وہ کالج ہے، سابق فوجیوں کے بچوں کے داخلے میں سہولت دی جاتی ہے۔ اچھے کھلاڑیوں، مجاہدین آزادی کے بچوں، معذور افراد اور فوجیوں کے بچوں کے لئے خاص رعایتیں ہیں۔ شیڈول کاسٹ شیڈول ٹرائب کے لئے خصوصی ریزرویشن ہے کہیں کہیں میرٹ کی بنیاد پر بھی داخلہ ہے یعنی کہ کوالیفائنگ امتحان میں اعلیٰ نمبر حاصل کرنے کی بنیاد پر۔ ہر ادارے میں امتحان داخلہ بھی ہوتا ہے۔ امیدواروں سے درخواست ہے کہ وہ بک نمبر ۳۴ پڑھیں، اس کا نام ہے۔ ایڈمیشن ٹو انجینیرنگ (فرسٹ ڈگری کورس) اسے سنٹر انسٹی ٹیوٹ فار ریسرچ اینڈ ٹریننگ ان ایمپلائمنٹ سروس پوسا نئی دہلی کے کیریر اسٹڈی سنٹر نے شائع کیا ہے مختلف کالجوں میں جو پیشہ ورانہ رہنمائی کے مراکز قائم ہیں یہ ان کے لئے شائع کی گئی ہیں۔ ان دفاتر سے مختلف انجینیرنگ کالجوں میں داخلے کے لئے مناسب رہنمائی ملتی ہے۔ یہ کتاب قریب ترین دفتر روزگار سے بھی مل سکتی ہے۔ اس کے علاوہ کنٹرولر آف پبلی کیشنز اولڈ سکریٹریٹ سول لائنز دلی ۔ ۱۱۰۰۵۴ سے بھی مل سکتی ہے۔

میڈیکل اور الائیڈ کورسیز:
بارہویں جماعت کے بعد داخلہ کا امتحان ہوتا ہے اور اس میں میرٹ کی بنیاد پر داخلہ ملتا ہے۔ جنرل کیمسٹری اور بایولوجی میں امتحان دینا پڑتا ہے۔ حالانکہ نشستیں تمام میڈیکل کالجوں میں سوائے جموں اور کشمیر اور آندھرا پردیش کے کل ہند مقابلے کی بنیاد پر پر کی جاتی ہیں۔ سنٹرل بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن نئی دلی اس کے لئے امتحان کراتا ہے۔

ایم بی بی ایس کے علاوہ نیم میڈیکل بہت سے نصابات ہیں۔ ان سے نفع بخش روزگار ملتا ہے۔

نرسنگ: یہ تین سالہ نصاب ہے۔ یہ عورتوں کے لئے ہے اس سلسلے میں قریب کے نرسنگ ادارے، کالج اور ہسپتال سے تفصیلی معلومات حاصل کی جاسکتی ہے۔

ڈینٹسٹری (دانتوں سے متعلق نصاب): یہ چار سالہ نصاب ہے۔ اس کے بعد بیچلر آف ڈینٹل سرجری بن جاتا ہے اس کے لئے ڈینٹل کونسل آف انڈیا مقابلے کا امتحان کراتی ہے۔ اس کے علاوہ ہومیوپیتھی میں لائسنس سرٹیفکٹ ہے۔ ان کے علاوہ نیچرکیر، آڈیولوجی، اسپیچ تھیراپی کے نصابات ہیں۔ نیم ڈاکٹری کورس زیادہ تر ۲ یا تین سال کی مدت کے ہیں مگر نفع بخش بہت ہیں۔

آرٹس میں نصابات: فارن لینگویج بہت سے ادارے فارن لینگویج میں خصوصی نصابات کا اہتمام کرتے ہیں، یہ نصابات فرانسیسی، جرمن روسی، عربی، فارسی، انڈونیشین، ہسپانوی، چینی زبانوں میں موجود ہیں۔ ان کے ذریعہ امیدوار ٹرانسلیٹر اور انٹرپریٹر بنتے ہیں۔

فائن آرٹس: ڈرائنگ اور پینٹنگ کی تعلیم دینے والے بہت سے ادارے ہیں۔ سنگتراشی آرٹ ماسٹر، ٹیکسٹائل ڈیزائننگ، میٹل کرافٹ ڈرامہ، فلم ایڈیٹنگ، موشن پکچر، ساؤنڈ ریکارڈنگ وغیرہ بہت سے نصابات ہیں، جو تین سال سے لے کر ۵ سال تک کے لئے ہیں نیشنل اسکول آف ڈرامہ [illegible] نئی دلی ۱۱۰۰۰۱

اس کا خاص ادارہ ہے۔

کامرس کے نصابات: کامرس اور بینکنگ کے بہت سے نصابات ہیں۔ ان میں بااجرت روزگار بھی ہے اور روزگاری کے بھی بہت سے مواقع ہیں۔

نیوی گیٹنگ آفیسر: آئی این ایس راجندر میں اس کی تربیت ملتی ہے۔ جہازوں پر کنٹرول، ان کی دیکھ بھال، مال کی نقل و حمل سمندری مسافروں کی دیکھ بھال اور عملے کی دیکھ بھال بہت سے کام ہیں۔ اس کے لئے تحریری امتحان اور پھر انٹرویو ہوتا ہے۔ عمر ۲۰ سال ہوتی ہے۔ اس کا نصاب گیارہ ماہ کا ہے۔ ڈائرکٹر جنرل آف شپنگ جہاز بھون، والچند ہیراچند مارگ بمبئی ۴۰۰۰۰۱ کے پتے پر داخلے کی درخواستیں بھیجی جاتی ہیں۔ نصاب اپنے خرچ سے سیکھنا پڑتا ہے۔ اس میں کچھ وظیفے بھی دیئے جاتے ہیں۔ جہاز راں کمپنیوں میں ملازمت مل جاتی ہے۔

میرین انجینئر: یہ چار سال کا کورس ہے، یہ نصاب نیوی ہیڈ کوارٹرز بمبئی / کلکتہ میں سکھایا جاتا ہے۔ اس کا داخلہ تحریری امتحان اور انٹرویو کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ اس کی جملہ تفاصیل ڈائرکٹر آف شپنگ، جہاز بھون والچند ہیراچند مارگ بمبئی ۴۰۰۰۰۱ سے مل سکتی ہیں۔ یا پھر ڈائرکٹوریٹ آف انجینئرنگ ٹریننگ تارتولہ روڈ کلکتہ ۷۰۰۰۵۳ سے مل سکتی ہے۔ یہ ڈائرکٹوریٹ آف میرین انجینئرنگ ٹریننگ رسے بندر سیوری بمبئی ۴۰۰۰۲۲ سے مل سکتی ہے یا پھر لال بہادر شاستری ناٹیکل کالج رسے بندر سیدری بمبئی ۴۰۰۰۳۳ سے بھی مل سکتی ہے۔

دیگر نصابات: جنگل بانی کا ۲ سالہ سرٹیفیکٹ کورس جس کا تعلق محکمہ زراعت سے ہے، اس کے لئے کم سے کم انٹر پاس ہونا ضروری ہے۔ یہ نصاب فارسیٹ رینجرز ٹریننگ کورس کے نام سے ہے جو درج ذیل اداروں میں پڑھایا جاتا ہے۔

(۱) ناعدرن فارسیٹ رینجرز کالج، دہرہ دون (۲) سدرن فارسیٹ رینجرز کالج کوئمبتور (۳) ایسٹرن فارسیٹ رینجرز کالج کرسیانگ (۴) سینٹرل فارسیٹ رینجرز کالج چندر پور۔

بی ایس سی کے بعد دو سال کا فارسیٹ آفیسرز ٹریننگ کورس ہے جو انڈین فارسیٹ کالج دہرہ دون میں سکھایا جاتا ہے۔

انڈین ڈیری ڈپلوما: (یہ دو سالہ کورس ہے) درج ذیل اداروں میں پڑھایا جاتا ہے۔

(۱) ڈیری سائنس انسٹی ٹیوٹ، ایرے ملک کالونی، بمبئی۔

(۲) نیشنل ڈیری ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بنگلور ۵۶۰۰۳۰۔

(۳) الہ آباد ایگریکلچرل انسٹی ٹیوٹ الہ آباد ۲۱۱۰۰۱۔

بی ایس سی کے بعد ڈیری کا چار سالہ کورس ان اداروں میں کرایا جاتا ہے۔

(۱) ڈیری سائنس کالج نیشنل ڈیری ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، کرنال۔

(۲) برہان چندر ایگریکلچرل یونیورسٹی، کلیان۔

(۳) ایم۔ سی۔ کالج آف ڈیری سائنس، گجرات ایگریکلچرل انسٹی ٹیوٹ، آنند ۳۸۸۰۰۱۔

بیچلر آف فزیکل ایجوکیشن (B.P.Ed.): یہ تین سالہ کورس درج ذیل اداروں میں پڑھائے جاتے ہیں۔

(۱) انڈین انسٹی ٹیوٹ آف فزیکل ٹریننگ مرادتی۔

(۲) نیشنل اسپورٹس انسٹی ٹیوٹ، پٹیالہ۔

(۳) کالج آف فیزیکل ایجوکیشن، ناگپور۔

(۴) لکشمی بائی نیشنل کالج آف فیزیکل ایجوکیشن گوالیار۔

بیچلر آف سوشل ورک (B.S.W.): یہ کورس تین سالہ ہوتا ہے۔

(۱) تریپوڑ کالج آف سوشل ورک، ناگپور۔

(۲) نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف سوشل ورک، ناگپور۔

(۳) اسکول آف سوشل ورک [illegible]، ناگپور۔

(۴) ایس۔ این۔ ڈی۔ ٹی۔ کالج۔ پونہ ۴۱۱۰۰۴۔

بیچلر آف فشریز سائنس (B.F.Sc.): چار سالہ یہ کورس درج ذیل اداروں میں کرائے جاتے ہیں۔

(۱) یونیورسٹی آف ایگریکلچرل سائنس، ہیبل بنگلور۔

(۲) کالج آف فشریز، منگلور، کرناٹک۔

بی ایس سی (اسٹاٹسٹکس)، چار سالہ یہ کورس کلکتہ کا انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اسٹاٹسٹکس میں ہوتا ہے۔

ان کورسوں کے علاوہ مختلف میدانوں میں **ووکیشنل کورس** بھی ہوتے ہیں جن کی تفصیلات ریاستی حکومت کے ڈائرکٹوریٹ آف ٹیکنیکل ایجوکیشن سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔

اخیر میں یہ بات کہنا چاہوں گا کہ کام اور کیریئر بنانے کے ہزاروں مواقع ہیں ضرورت اس بات کی ہے کہ کیریئر کے متعلق معلومات حاصل کی جائیں۔ اس کے لئے ڈائرکٹوریٹ جنرل، ایمپلائمنٹ اور ٹریننگ کے ذریعہ وقتاً فوقتاً کرائے جانے والے سیمنار میں شریک ہوں۔ اس سے نہ صرف یہ کہ آپ کو جدید معلومات حاصل ہوں گی بلکہ کسی بھی کورس کے متعلق فیصلہ کرنا آسان ہوگا۔

(بشکریہ روزگار سماچار)

صدور حلقہ جات کے نام

برادرانِ محترم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تنظیم کی میقات رواں کا پہلا سال ختم ہوا چاہتا ہے۔ اس لئے اپنے حلقہ میں نئے سال کے لئے صدور مقامی اور نظمائے سرکل کے انتخابات یا تقرریاں اگست ۱۹۸۸ء کے آخر تک مکمل کرالیں۔

طالبِ دعا

جاوید علی

جنرل سکریٹری

ایس آئی او آف انڈیا

احساس

مرزا یوسف بیگ، ناندیڑ

دھوپ اتنی شدت کی پڑ رہی ہے کہ بس پوچھئے ہی مت، ایسے میں ہر کوئی ٹھنڈی چھاؤں کی تلاش میں ہوتا ہے۔ ہمارے محلے کی جامع مسجد کے احاطے میں ایک بزرگ کی مزار ہے جس کے آس پاس دو تین سایہ دار گھنے درخت لگے ہیں اور پھر آبادی سے دور ہونے کے باعث ٹھنڈی ہوا کے جھونکے سکون و راحت کا باعث بنتے ہیں۔ اسی لئے اکثر لوگ نماز جمعہ کے بعد آرام کی غرض سے درخت کے سایے میں بیٹھے رہتے ہیں۔

اس دن میں بھی کالج کی چھٹی ہونے کے باعث نماز جمعہ کے بعد ٹھہر گیا۔ اتنے میں محمود بھی آگیا۔ محمود میرا دوست بھی ہے اور پڑوسی بھی۔ سلام علیک کے بعد میں نے پوچھا "کیوں بھائی محمود! اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟"

"اب ٹھیک ہوں یوسف بھائی! امی جان اس مزار شریف کے آس پاس جالی لگوانے والی ہیں۔"

"کس لئے...؟"

"میری طبیعت ٹھیک ہوگئی ہے نا۔ اس لئے۔"

"طبیعت ٹھیک ہوگئی ہے تو جالی لگوانے کا کیا مطلب؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"اور ویسے بھی اس مزار شریف کا احاطہ پہلے ہی سے بنا ہوا ہے۔"

"کس لئے کا کیا مطلب۔ یوسف بھائی! سیدھی سی بات ہے امی جان شکرانے کے طور پر ایسا کرنا چاہتی ہیں۔"

تب پوری بات میری سمجھ میں آئی۔ خالہ جان نے منت مانگی ہوگی کہ میرا بیٹا ٹھیک ہوجائے گا تو میں مزار پر جالی کا احاطہ بنواؤں گی اس لئے ایسا کر رہی ہیں۔

"اچھا ایک بات بتاؤ محمود۔"

"پوچھئے۔"

"بیماری کا اچھا کرنے والا کون ہے؟"

"خدا ہی ہے اور کون یوسف بھائی۔" محمود نے جھٹ سے جواب دیا۔

"اچھا تو پھر تمہیں کس کا شکریہ ادا کرنا چاہئے؟"

"خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے۔"

"پھر خالہ جان اس مزار پر اپنا پیسہ کیوں خرچ کر رہی ہیں۔ اس سے فائدہ کیا ہوگا۔ اس سے اچھا تو یہ ہے کہ مسجد میں کوئی ترجمہ کا قرآن یا پھر نمازیوں کے لئے جائے نماز دے دیتی۔ اس سے لوگوں کو فائدہ بھی ہوگا اور جب تک یہ چیزیں رہیں گی ثواب بھی ملتا رہے گا اور تمہارے اس کام سے خدا بھی خوش ہوگا۔ تم خدا کے گھر کے بجائے کسی مزار پر پیسہ کیوں خرچ کرتے ہو؟"

محمود میری باتیں کافی غور سے سن رہا تھا۔

"یہ سچ کہتے ہو یوسف بھائی! اگر امی جان مسجد میں کچھ دے دیتی تو ثواب بھی ملے گا اور کام بھی آئے گا۔ میں امی کو سمجھاؤں گا۔"

شام کو وقت جب میں باہر سے آ رہا تھا محمود کے گھر سے خالہ جان کے چیخنے چلانے کی آوازیں آنے لگی۔ خالہ جان کہہ رہی تھیں "تو اب تو بھی مجھے نصیحت کرنے لگا ہے۔ میں نے منت مانگی ہے سو پوری کر کے رہوں گی۔"

میں اندر چلا گیا "کیا بات ہے خالہ جان! کون آپ کو نصیحت کر رہا ہے؟"

"اب تمہیں سمجھاؤ میاں یوسف! اپنے اس نالائق دوست کو"۔ خالہ جان کافی غصہ میں معلوم ہوتی تھیں "کہہ رہا ہے درگاہ پر جالی مت بنواؤ اس کے بدلے مسجد میں نمازیوں کے لئے جائے نماز یا قرآن منگوا دو۔ بڑا آیا ہے نصیحت کرنے والا۔"

"محمود ٹھیک ہی تو کہتا ہے خالہ جان!"

"لو! اب تم بھی مجھ کو سمجھانے لگے" خالہ جان مجھے گھورنے لگیں۔

"برا نہ مانیئے خالہ جان! اب آپ ہی بتایئے آپ نے درگاہ پر منت کیوں مانگی تھی؟ آپ کو چاہیئے تھا کہ آپ جو کچھ مانگتی خدا سے مانگتی۔ زندگی، موت، صحت اور بیماری تو خدا کے ہاتھ ہے۔"

"اے لو! میں نے کب انکار کیا کہ صحت و بیماری خدا کے ہاتھ میں نہیں۔ لیکن وہ بھی تو خدا کے نیک بندے ہیں۔ ان سے مانگنے میں برائی کیا ہے۔"

"اچھا ایک بات بتایئے خالہ جان! اگر آپ کا بیٹا اپنی ضرورت کی چیزیں آپ سے مانگنے کی بجائے آپ ہی کے سامنے راستہ چلنے والے سے مانگنے لگے تو آپ کیا کریں گی؟"

"میں اس کے ہاتھ توڑ دوں گی" خالہ جان کو فوراً غصہ آگیا۔

"کیوں...؟"

"تو کیا وہ میرے ہوتے ہوئے راستہ چلنے والوں سے اپنی فریاد کرے گا۔ اس کی ضرورت پوری کرنے والی میں ہوں یا راہ گیر؟"

"بالکل ٹھیک کہا خالہ جان! اسی طرح خدا بھی ناراض ہوجاتا ہے جب اس کے بندے اس سے مانگنے کی بجائے اسی کے بندوں سے مانگتے ہیں۔ جب یہ بات آپ برداشت نہیں کرسکتیں کہ آپ کا بیٹا دوسروں سے مانگے تو خدا کیسے برداشت کرے گا کہ اس کا بندہ دوسروں سے مانگے جبکہ خدا کے اس کے بندے پر ان گنت احسانات ہیں۔"

میری باتیں شاید خالہ جان کی سمجھ میں آنے لگی تھیں سر ہلا کر بولیں۔ "تم ٹھیک کہتے ہو میاں! آج مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوگیا ہے اب میں کبھی کسی درگاہ پر منت مانگنے نہیں جاؤں گی۔ اللہ میری غلطیوں کو معاف کرے۔"

"آمین" میں نے اور محمود نے بیک وقت ایک آواز میں کہا۔ ❀

حصولِ علم کی اہمیت

خواجہ نصیر الدین، شکر نگر، نظام آباد

تعلیم (Education) ایسی شئے ہے جس کے حاصل کرنے سے انسان کی سوئی ہوئی قوتیں جاگ اٹھتی ہیں اور دبی ہوئی استعداد میں نکھار آتا ہے لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ تربیت کے بغیر تعلیم ناکارہ بلکہ بے سود رہتی ہے اور اس کے اصلی جوہر نہیں کھلتے۔

بلاشبہ طرزِ تعلیم اگر بہتر ہو تو تعلیم سے عمدہ نتائج حاصل ہوتے ہیں۔ سرسید جو تعلیم کے بڑے حامی تھے، انھوں نے کہا کہ "تعلیم تربیت کے بغیر ناکارہ بلکہ بے سود ہے۔"

تعلیم زندگی ہے۔ اگر تعلیم نہیں تو زندگی کا کوئی لطف نہیں اس میں مرد ہو یا عورت سب برابر ہیں۔ تعلیم ہی بڑی نیکی ہے۔ تعلیم کے بغیر نہ خدا حاصل ہوتا ہے اور نہ خود شناسی۔ جہالت تاریکی ہے۔ جاہل کا کوئی کام ہی نہیں سدھرتا ترقی کی معراج تک پہنچنے کے لئے تعلیم حاصل کرنا لازمی ہے۔

ایک مضمون نگار نے تعلیم کو بڑے اچھے فلسفیانہ انداز میں بیان کیا۔ انھوں نے کہا۔ تعلیم کیا ہے؟ تعلیم زندگی کی روشنی ہے۔ زندگی کی مسرتوں کا سرچشمہ ہے۔ اس کے برعکس جہالت تاریکی ہے اندھیرا ناکامی اور ذلت ہے۔

علم کے بغیر زندگی کا کوئی کام بھی بخیر و خوبی انجام نہیں پاتا۔ علم سے کائنات کو تسخیر کیا جا سکتا ہے۔ بگڑے ہوتے کام بنائے جا سکتے ہیں۔ علم سے دلوں پر حکومت کی جا سکتی ہے۔

زمانہ گواہ ہے کہ تعلیم نے قوموں کی تقدیریں بدل ڈالی۔ قومیں جب تعلیم کے زیور سے آراستہ ہوئیں تو دنیا کو مسخر کر لیا۔ اور زمانہ اس قوم کے آگے ہاتھ باندھے کھڑا رہا۔

تعلیم سے قوموں کی زندگی میں انقلاب برپا ہوا۔ تعلیم سے ہی رنگ و نور کے چشمے جاری ہوتے۔ تعلیم ہی سے پستیاں بلندیوں میں تبدیل ہوئیں۔

تعلیم کے بغیر زندگی پھیکی ہے۔ ادھوری ہے۔ بے نور ہے۔ تعلیم کے بغیر زندگی کا تصور ہی بے معنی ہے۔ وہی قوم زمانے میں سربلند و سرفراز ہوئی جس نے اپنے آپ کو تعلیم کی دولت سے مالا مال کیا۔

تعلیم کا مقصد کیا ہے؟ دولت کے ڈھیر لگانا، امتحان میں کامیابی حاصل کرنا یا اور کچھ دراصل ان میں ایک بھی نہیں۔ یہ وہ چیزیں ہیں جو تعلیم سے خود بہ خود حاصل ہو جاتی ہے۔ انھیں غلطی سے مقصد تعلیم سمجھ لیا گیا ہے۔ جو خیال کی پستی کی دلیل ہے۔ تعلیم کا مقصد ان سے بہت بلند اور بہت اعلیٰ ہے۔

تعلیم کا اثر انسانی زندگی کے ہر شعبوں پر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر سماجی زندگی کو لیجئے۔ انسان کو سماج میں مختلف مسائل سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ان تمام کو حل کرنے کے لئے فرد کو تعلیم حاصل کرنا لازمی ہے۔

تعلیم کا اثر انسان کے تہذیب و تمدن پر بھی ہوتا ہے۔ انسان کے تہذیب و تمدن میں تبدیلی لانے کے لئے مؤثر ذریعہ تعلیم ہے۔ قدیم زمانے کی تہذیبوں کا جائزہ لیجئے۔ یہ قدیم پتھر اور جدید پتھر کے لوگ اپنی تعلیم کی بدولت ہی ترقی کے راستوں پر گامزن ہوتے۔

اس طرح انسانی معاشرے میں غلط رسم و رواج اور برائیوں کو مٹانے میں تعلیم ایک اہم رول ادا کرتی ہے۔ ایک زمانے تک ہندوستان ستی کی رسم اور بچپن کی شادیوں کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ تعلیم اور تعلیم یافتہ افراد کی کوششوں کی وجہ سے ان برائیوں کو ختم کیا گیا۔

مختصر یہ ہے کہ تعلیم کے ذریعہ ایک شخصیت دوسری شخصیت کو سمجھ سکتی ہے۔ ایک تہذیب دوسری تہذیب سے واقف ہو سکتی ہے۔ ایک بگڑے ہوئے سماج اور معاشرے کو ٹھیک راستے پر لانے والی شئے تعلیم ہے۔ یہ زندگی کے مسائل کو حل کرنے میں مدد دیتی ہے۔

تعلیم کا اثر ملک کی ترقی پر ہوتا ہے۔ کسی بھی ملک کی ترقی کا دار و مدار اس ملک کی تعلیمی صلاحیتوں پر منحصر ہے اگر کوئی ملک تعلیمی میدان میں پیچھے ہو تو وہ ملک ترقی یافتہ قوموں کی صفوں میں کھڑا نہیں ہو سکتا۔ اچھے تعلیم یافتہ شہری ملک کے مستقبل کو درخشاں کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ اس طرح ملک کی ترقی کا راز ملک کے تعلیم یافتہ شہریوں پر منحصر ہے۔

تعلیم کا بہترین مقصد معاشرے کی نشو و نما ہے۔ تعلیم کا معاشرے کی ارتقاء میں اہم دخل ہے۔ اگر کسی معاشرے کے افراد تعلیم یافتہ ہوں تو اس معاشرے کے روشن مستقبل کی ضمانت دی جا سکتی ہے۔

اس طرح معاشرے میں عورت اور مرد کا تعلیم یافتہ ہونا نہایت ضروری ہے۔ تعلیم یافتہ عورت اور مرد اپنے آنے والی نسلوں کو ملک اور معاشرے کا ایک بہترین فرد بنا سکتے ہیں۔

سوشلائزڈ کتا

عارف اقبال، دہلی۔

"رات بے حد سرد ہے۔ سڑکیں سنسان ہو چکی ہیں۔" "دفعتاً سوزوکی ماروتی کار کی ہیڈلائٹس کے دائرے میں ایک کتا دوڑتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ کتا فٹ پاتھ پر نیم دراز شخص کے قریب ہانپتا کانپتا کھڑا ہو جاتا ہے۔ کار بھی کتے کا تعاقب کرتے ہوئے فٹ پاتھ کے قریب رک جاتی ہے۔ کار سے مغربی طرز کے لباس میں ملبوس ایک حسین جوان عمر عورت نمودار ہوتی ہے اور جھٹکے کے ساتھ کتے کو اپنی گود میں اٹھا لیتی ہے۔"

"او ٹامی! تم کتنے شریر ہو! کیوں میری خوابگاہ سے بھاگ آئے؟ کیا میں تمھیں پیار نہیں کرتی؟ میں چاہتی ہوں کہ میرا ٹامی کلب میں سبھوں پر سبقت لے جائے۔ میں تمھیں ضرور سوشلائزڈ بناؤں گی۔" پھر عورت کتا سمیت کار میں داخل ہوئی اور کار فراٹے بھرتی

بقیہ صفحہ پر

سچا دوست

——— آر۔ ایل پیاٹھک

جاوید اور محمود دونوں آٹھویں جماعت کے طالبِ علم تھے۔ دونوں ایک ہی اسکول میں پڑھتے تھے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے بہت پکے دوست تھے۔ ان کی دوستی اتنی پکی تھی کہ وہ ایک ہی رنگ، ایک ہی قسم کے کپڑے پہنا کرتے تھے۔

ایک بار جاوید نے محمود کو بن بتائے ایک قمیض سلوائی مگر محمود نے بھی جب تک بالکل ویسی ہی قمیض سلوا نہیں لی چین نہیں لیا۔

ایک دن جاوید نے محمود کو بتایا کہ اس کے گھر کے پاس ایک برگد کا درخت ہے اور اس کے پاس کچھ دنوں سے ایک بوڑھا فقیر لمبی اور سفید داڑھی والا ڈیرہ ڈالے ہوتے ہے۔ دن بھر اس کے پاس آنے جانے والوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔

"دوست! لوگ بتاتے ہیں کہ اس فقیر کے پاس جو کوئی بھی آتا ہے وہ اسے اس کے دل کی بات خود بخود بتا دیتے ہیں۔ ان سے بخشش حاصل کرنے کے بعد ہر کسی کا کام بنتے دیر نہیں لگتی۔ تو پھر کیوں نہ ہم بھی اس فقیر کے پاس چلیں۔" جاوید نے اپنے دوست محمود کو صلاح دی۔

محمود کو جاوید کی یہ بات پسند نہیں آئی۔ وہ ہنس پڑا اور اپنے دوست جاوید کی پیٹھ تھپتھپانے لگا اور ہنستے ہنستے بولا:

"واہ میرے دوست! تیرا بھی جواب نہیں چھوڑ ان بے بنیاد باتوں کو اور تیاری کر اسکول چلنے کی اسکول کا وقت ہو چکا ہے۔"

جاوید کے ذہن میں یہ بات گھر کر چکی تھی کہ وہ فقیر ضرور کوئی پہنچا ہوا شخص ہے، تبھی تو اگلے روز پھر اس نے اسی موضوع پر بات چیت کرنا شروع کر دی مگر محمود نے اسے بیچ میں ہی ٹوک دیا۔

"دیکھ میرے دوست! مجھے تو ایسی بے سر پیر کی باتوں پر کوئی اعتقاد نہیں ہے میں تو بس اتنا جانتا ہوں کہ جتنا گڑ ڈالو گے اتنا ہی میٹھا ہوگا۔"

"چھوڑ یار! میں تو تیری بات سمجھا نہیں" جاوید نے کہا۔

"ارے واہ! تم میری اتنی سی بات بھی نہیں سمجھے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ جتنی محنت کروگے اتنا ہی پھل پاؤ گے، پہنچے ہوئے فقیر کیا الجبرا، جغرافیہ گھونٹ پیس کر ڈال دیں گے ہمارے دماغ میں؟ چھوڑ ان چکروں کو، چل اسکول چلیں۔" محمود نے کہا۔

"یہ بھی خوب رہی،" جاوید نے ناراض ہو کر کہا: "اچھا دوست ہے تو میرا، میری کوئی بات نہیں مانتا۔ مگر وہاں جانے میں تو تمھیں کوئی اعتراض نہ ہونا چاہئے۔"

"دیکھو بھائی جاوید،" محمود نے کہا: "یوں تو تمہارے ساتھ چلنے میں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے مگر سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے ایسی بے بنیاد باتوں پر بالکل یقین نہیں ہے ہاں فخر تو اپنی محنت پر ہے۔"

جب جاوید نہیں مانا تو دونوں دوست فقیر کے پاس پہنچ گئے۔ تعجب کی بات یہ کہ فقیر نے بھی جاوید ہی کی پیٹھ تھپتھپائی اور کہا:

"جاؤ عزیز، خدا تمھیں کامیاب کرے۔"

جاوید بہت خوش ہوا

گھر لوٹتے وقت محمود نے پھر جاوید کو سمجھایا کہ وہ بھی اس کی طرح محنت کا راستہ ہی اپنائے۔ کوئی دوسرا شارٹ کٹ نہ اختیار کرے۔

مگر جاوید کے ذہن میں جادو ٹونوں اور فقیروں کی باتیں ایک مستقل اعتقاد کی شکل اختیار کر چکی تھیں۔

سالانہ امتحان قریب تھے۔ محمود برابر محنت کرتا رہا تھا اسی لئے نتائج کے وقت اس کا نام کامیاب طالبعلموں کی فہرست میں سب سے اوپر تھا۔ اتنی بڑی خوشی مل جانے پر بھی وہ اپنے دوست جاوید کے فیل ہو جانے پر بیحد پریشان تھا۔

ادھر جاوید فقیر کی تلاش میں نکل پڑا مگر وہ اب وہاں تھا ہی نہیں تو اسے کیسے ملتا۔ وہ تو محض ایک دھوکے باز تھا جو کچھ دنوں تک اس پاس کے لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکتا رہا تھا۔

بالآخر جاوید ڈھونڈتا ہوا پچھتا اور پکے دوست محمود کے پاس پہنچا اور آئندہ کیلئے محنت کا راستہ چلنے کا اپنے دوست کا سمجھاؤ مان لیا۔

تو مسلم ہے دنیا پہ چھاتا چلا جا

——— ابوالبیان حمّاد

خدا کو تو اپنا بناتا چلا جا
درِ حق پہ سر کو جھکاتا چلا جا

برائی کے کانٹے ہٹاتا چلا جا
قدم راہِ حق میں بڑھاتا چلا جا

بھلائی کا پرچم اڑاتا چلا جا
تو مسلم ہے دنیا پہ چھاتا چلا جا

ہر اک بت کو ٹھوکر لگاتا چلا جا
خدا سے تعلق بڑھاتا چلا جا

جو ساتھی ترے خوابِ غفلت میں ہیں اب
انھیں نیند سے پھر جگاتا چلا جا

نہ گھبرا کبھی مشکلوں سے نہ گھبرا
مصائب میں بھی مسکراتا چلا جا

زمانے کو اسلام سے آشنا کر
تو ایماں کے موتی لٹاتا چلا جا

جلا علم و حکمت کی مشعل جہاں میں
جہالت کے پردے ہٹاتا چلا جا

جو جینا ہے تجھ کو تو جگنو کی مانند
اندھیرے میں بھی جگمگاتا چلا جا

غریبوں یتیموں کا ہمدرد بن کر
تو گرتوں کو پیہم اٹھاتا چلا جا

جہاں دیں کو حاجت ہو تیرے لہو کی
وہاں کھیلتا مسکراتا چلا جا

جو آئے وہ آئے نہ آئے تو جائے
سوئے حق تو سب کو بلاتا چلا جا

خدا کی زمیں پر خدا کی حکومت
یہی نقش دل پر بٹھاتا چلا جا

مرے ننھے منے مسلماں سپاہی
تو میدان میں دندناتا چلا جا

جو حمّاد نے تیری خاطر کہا ہے
ترانہ وہ سب کو سناتا چلا جا

تنظیم وتربیت سے متعلق ایک خاکہ

—— جاوید علی، دہلی

عموماً طلبا تنظیمیں اپنے مخصوص مزاج کیوجہ سے کم وقت کی منصوبہ بندی کرپاتی ہیں جبکہ ضرورت ہے کہ چند کاموں کی لمبی پلاننگ بھی کرلی جائے۔ اسی نقطہ نظر سے ذیل میں تنظیم وتربیت سے متعلق ایک خاکہ غور وفکر کیلئے پیش خدمت ہے۔ اس میں علمی وفکری تیاری، ذرائع ابلاغ کا استعمال، تعلیمی میدان میں کام اور توسیع دعوت وغیرہ امور شامل نہیں ہیں۔ بہتر ہوگا کہ اس پر دوسرے افراد قلم اٹھائیں۔ —— مذکورہ خاکہ سے متعلق اپنے خیالات ومشورے بھیجتے وقت لفافہ پر تنظیم وتربیت ضرور لکھ دیں۔ (ادارہ)

ایک اسلامی طلبا تنظیم کے لئے تنظیم و تربیت کے تعلق سے پلاننگ کا ایک خاکہ سپرد قلم ہے۔ یہ خاکہ اصلاً حلقہ اور مرکزی ذمہ داروں کے لئے ہے۔ اس میں عام طور سے وہی امور رکھنے کی کوشش کی گئی ہے جس کا تعلق لمبی مدت کی کوششوں سے ہوسکتا ہے۔

اس خاکہ کے اندر زیر بحث نکات درج ذیل ہیں۔

(۱) تربیت کے مقاصد (۲) تربیت کے ذرائع اور عملی تدابیر (۳) توسیع واستحکام (۴) تربیت گاہیں (۵) سیاسی شعور کی تربیت (۶) اولڈ بوائز سے ربط وتعلق۔

(۱) مقاصد تربیت:

(اس شق کی تیاری میں عام طور سے مجلس شوریٰ جماعت اسلامی ہند کا منظور کردہ ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۹۵۶ء کے تربیتی خاکہ سے مدد لی گئی ہے)۔ تربیت کے سلسلے میں جو مقاصد پیش نظر رکھے گئے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ ایمانیات خصوصاً ایمان باللہ و ایمان بالآخرت کی پختگی نیز تصور خدا و آخرت کا استحضار۔

۲۔ فکری ہم آہنگی

۳۔ انفرادی و اجتماعی کردار کی تعمیر

۴۔ داخلی نظم کا استحکام

۵۔ دعوتی کام کرنے کے لئے صلاحیت و استعداد اور عملی جذبے کی نشوونما۔

۶۔ حالات حاضرہ سے باخبری، تجزیہ اور اس پر اسلامی موقف رکھنے کی صلاحیت و تربیت

مقاصد تربیت کی تشریح

۱۔ ایمانیات: اس سلسلے میں جو چیزیں مطلوب ہیں وہ یہ ہیں۔

- وجود باری تعالیٰ اور توحید کا پختہ یقین
- صفات الٰہی اور ان کے تقاضوں کا استحضار صحیح توازن کے ساتھ۔
- زندگی بعد موت پر پختہ یقین۔
- آخرت کی جوابدہی اور دوزخ اور جنت کے مناظر کا استحضار۔
- اللہ کی رضا اور آخرت کی کامیابی واقعتہً زندگی کا حقیقی مقصود بن جائے۔
- ایمان بالرسول کی پختگی اور اس کے تقاضوں کا صحیح شعور۔
- اسلام کے واحد دین حق ہونے پر کامل یقین۔
- محبت خدا اور رسول کا دلوں پر غلبہ۔
- کفر اور شرک سے نفرت۔

۲۔ فکری ہم آہنگی: فکری ہم آہنگی جن پہلوؤں سے مطلوب ہے وہ یہ ہیں۔

- جماعت اسلامی کے عقیدے، نصب العین طریق کار اور ذمہ داریوں کی تشریحات۔
- تنظیم کے اغراض ومقاصد، طریقہ کار کی تشریحات
- جماعت اور طلبہ تنظیم کا فرق اور تعلق۔
- تنظیم کی بنیادی پالیسی۔
- تنظیم کا لائحہ عمل، پروگرام اور اس کے مختلف فیصلوں سے برابر آگاہی۔
- تحریک اسلامی کا مزاج اور دوسری تحریکوں سے اس کا فرق بلحاظ مقصد طریق کار اور تنظیم ایس آئی او اور دیگر طلبہ تنظیموں کا فرق۔
- تنظیم کی تاریخ سے واقفیت۔
- تحریک اسلامی کے تقاضے اور مراحل۔
- موجودہ دور و مرحلہ میں تحریک کے تقاضے۔
- موجودہ مرحلہ میں تنظیم کے تقاضے۔
- دوسری جماعتوں وتنظیموں سے تعاون کے حدود وشرائط۔
- نظام باطل سے تعلق کی نوعیت۔
- موجودہ نظام سے تعلق کی نوعیت۔

۳۔ انفرادی واجتماعی کردار کی تعمیر: انفرادی واجتماعی کردار کی تعمیر جس معیار پر مطلوب ہے وہ درج ذیل ہیں۔

(یہ اصلاح وتربیت صرف نظری، فکری، ذہنی اور اعتقاداً نہ ہو بلکہ عملی بھی ہو)

- عقیدہ کے لوازم۔ (بیان کردہ دستور جماعت اسلامی ہند)
- نصب العین کی تشریح۔ 〃 〃
- ذمہ داریاں۔ 〃 〃
- معیار مطلوب۔ 〃 〃
- اصلاً اپنی ذاتی اصلاح پر توجہ ہو۔
- حقوق العباد کی ادائیگی اور رحمت ومواساۃ خصوصاً والدین، بیوی، اولاد، رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے حقوق کی ادائیگی۔
- راہ خدا میں استقامت اور جذبۂ ایثار و قربانی۔

۴۔ داخلی نظم کا استحکام: داخلی نظم کا استحکام سے مراد ہے۔

- دستور تنظیم کی پابندی۔
- امراء اور مامورین کا اپنی ذمہ داریوں اور فرائض کو ازخود محسوس کرنا اور ان سے عہدہ برآ ہونا۔ اور ان کے درمیان حسن تعلق کا ہونا۔

استحکام کے چند علامات:

مختلف سطحوں پر:

انفرادی سطح پر:

• اجتماعات میں پابندیٔ وقت سے شرکت
• رپورٹنگ اور اعانت کی پابندی۔
• تنظیمی اور دعوتی کام۔
• اجتماعی فیصلوں پر عمل آوری۔
• وقت کی قربانی۔

مقامی سطح پر

• ہفتہ وار اجتماعات کا پابندی سے انعقاد۔
• ماہانہ رپورٹ اور حصۂ حلقہ (بیت المال) کی بروقت روانگی۔
• ذمہ داروں کے خطوط کا جواب۔
• تنظیم کے فیصلوں کا نفاذ۔
• لائبریری اور ریڈنگ روم کا قیام
• باہمی مشورہ، تعاون وتعلق

حلقہ کی سطح پر

• دوماہی رپورٹوں کی تیاری اور بروقت روانگی۔
• حصۂ مرکز اور بیت المال کا حساب۔
• آمس۔
• خطوط کا جواب اور یونٹ وسرکل سے مسلسل ربط۔
• فیصلوں کے نفاذ کی مسلسل کوشش اور عمل آوری
• دوروں کی سالانہ منصوبہ بندی اور اس پر عمل آوری
• Inactive افراد اور شاخوں کی تعداد میں کمی۔
• حلقہ کی سطح کے پروگرام دینے والے افراد کی تنظیم میں موجودگی۔

۵- دعوتی کام: دعوتی کام کرنے کی صلاحیت واستعداد اور عملی جذبے کی نشوونما سے مراد یہ ہے کہ

• دین میں دعوت کی اہمیت نیز اس کی فرضیت وافادیت کا احساس دلوں میں راسخ ہو۔
• رفقاء میں افہام وتفہیم، تقریر وتحریر اور مذاکرے کی صلاحیتوں کو ابھارا جائے۔
• مسلم وغیر مسلم طلباء ونوجوانوں کے مختلف طبقوں میں دعوت پہنچانے اور تحریک کی طرف لانے کی کوشش۔
• مسلسل روابط۔

(۲) تربیت کے ذرائع اور عملی تدابیر

۱- چند ذرائع کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

• قرآن پاک کی صحیح تلاوت اور اس سے مسلسل تعلق کی استواری۔
• تقاریر وغیرہ۔
• صالح لٹریچر کا انفرادی واجتماعی مطالعہ۔
• اجتماعات۔ خصوصی اور عمومی دونوں۔
• صالح لوگوں کی صحبت
• عربی سیکھنے کا شوق۔
• انفرادی احتساب اور توبہ کا جذبہ شدت سے ابھارنا مسنون دعاؤں کا اہتمام
• عام نمازوں کے ساتھ نماز فجر کا خصوصی اہتمام۔ تہجد کی نماز پر ذمہ داروں کو ابھارا جاتے۔
• عملی دعوتی جدوجہد، دورے، تطہیر ممبران
• نزاعات کا بروقت حل وغیرہ۔
• NCERT اور دیگر مخصوص کتب سے استفادہ۔

(۳) توسیع واستحکام

اس سلسلے میں کسی طویل المیعاد منصوبے کیلئے آئندہ کے برسوں میں تنظیم کی ضروریات کا تعین مفید ہوگا۔ چند ضروری نکات عرض خدمت ہیں۔ خیال ہے کہ اس کے نتیجے میں یا اس کے ذیل میں اس سے متعلق دیگر کام بھی لئے جائیں گے۔

۱- توسیع کی ضرورت و Scope: ملک کے ہر ضلع میں تنظیم کی یونٹ/سرکل کا قیام اس صدی کے خاتمے تک کر لیا جائے۔ کوشش کی جائے کہ اس دوران ہر اس مقام پر تنظیم کا قیام عمل میں لایا جائے جس کی آبادی ایک لاکھ ہو یا وہ تحصیل/تعلقہ/سب ڈویژن کی حیثیت رکھتا ہو۔

اندازہ ہے کہ پورے ملک کے تقریباً ۴۲۵ اضلاع میں سے ۲۶۵ میں یعنی ۶۰٪ میں ہمارا کام ہے۔

کام: ہر ضلع میں توسیع کے لئے مقام یا ادارے کا تعین اپنے ترجیحات کی بنیاد پر کرلیا جائے۔

• ان صوبوں میں جہاں بڑی تعداد میں اضلاع یونٹ وسرکل نہیں ہیں، توسیع کو اہمیت دی جائے۔
• علاقائی زبانوں میں مقررین ومصنفین تیار کئے جائیں۔ خاص طور سے تلگو، تمل، کنڑ، ملیالم میں۔ (کیرالہ، بنگال اور آسام میں انھیں کے زبان میں کام ہے)
• شمال کی ریاستوں میں ہندی میں تقریر وتحریر پر خصوصی توجہ دی جائے۔
• انگریزی مقررین تیار کرنے کی کوشش کی جائے۔
• اس صدی کے خاتمے تک ہر ضلع میں کم از کم تین علاقائی زبان کے مقررین تیار کر لئے جائیں۔

طریقہ: اجتماعات میں مشقی تقاریر، ورکشاپ، خصوصی اجتماعات وغیرہ کا انعقاد۔

• حلقے کی سطح پر مقامی زبان میں تعلیم حاصل کرنے والوں کے لئے کم از کم ایک اسکالرشپ جاری کیا جائے۔
• دورے منصوبہ بند ہوں اور دیگر ذرائع اختیار کئے جائیں۔

۲- نظم کے استحکام کی ضرورت:

• Inactive اور Slack ممبران، ایسوسی ایٹس یونٹ وسرکل کی تعداد پر ہر حلقہ اور صوبے میں خصوصی توجہ دی جائے۔
• Tolarance Limit: حلقوں کے لئے Inactive کی ایک Maximum Limit ہو۔ اوّل تو یہ کوشش ہو کہ یہ تعداد کم سے کم ہو لیکن بصورت دیگر زیادہ کی Limit سے نہ بڑھنے دیا جائے۔
• ممبران اور یونٹ کے لئے Tolerence Limit کسی حلقہ میں ۵٪ سے زیادہ نہ ہو۔
• ایسوسی ایٹس اور سرکل کیلئے Tolerence Limit کسی حلقہ میں ۱۰٪ سے زیادہ نہ ہو۔
• جو یونٹ اور سرکل ایک سال سے Inactive ہوں انھیں Dissolve کر دیا جائے۔
• جو ممبران ۶ ماہ سے سمجھانے کے باوجود Inactive ہوں ان کے خلاف اخراج کی کارروائی شروع کر دی جائے۔

تنظیم میں نظم وضبط کو بحال وبرقرار رکھنے اور اس پر تسلسل رکھنے کے لئے ہر حلقہ میں ایک Disciplinary Committee تین افراد پر مشتمل ہو۔ جو اس طرح کے معاملات میں مشورے دے۔ (کمیٹی کی تفصیلات بعد میں طے کی جاسکتی ہیں)

۳- باصلاحیت افراد کی نشاندہی اور اس کام منصوبہ بندی: کسی حلقہ میں باصلاحیت

اور قائدانہ خصوصیات کے حامل افراد کی ضرورت توسیع کے عمل کے ساتھ ساتھ ہوگی۔ اس کا تعین ہر حلقہ کے توسیع کے Target کے مطابق ہوگا۔ بطور مثال ایک حلقہ کا جائزہ درج ذیل ہے۔

کیرلہ: یہاں چونکہ کام کا پھیلاؤ بعض پہلوؤں سے Saturation point پر پہنچ گیا معلوم ہوتا ہے اس لئے اس کی آئندہ کی ضرورت کا اندازہ لگانا شاید قدرے آسان ہے۔ تنظیمی ذمہ داران۔ اس وقت وہاں ۱۹ ZAC ممبران، ۱۴ ضلعی صدور اور ۵۰ ایریا کنوینر ملا کر تعداد ۸۳ ہوتی ہے۔ بعض دیگر ضروریات کے لئے ذمہ داروں کو ملا کر یہ تعداد ۱۰۰ کی جاسکتی ہے۔ آئندہ ۵ سالوں میں اس میں ۲۵٪ کے حساب سے یہ تعداد ۱۲۵ ہوجائے گی۔ گویا پورے صوبے میں کام کے پھیلاؤ کے لیے حلقہ کیرلہ میں کم از کم ۱۲۵ قائدانہ صلاحیت کے افراد کی ضرورت ہوگی۔

اسی طرح دوسرے حلقوں کی ضروریات کا نشانہ مقرر کیا جاسکتا ہے۔

قائدانہ صلاحیت سے کیا مراد ہے؟

ایس۔ آئی۔ او۔ آف انڈیا کے دستور میں ذمہ داروں کے لئے درج ذیل صفات کی نشاندہی ملتی ہے۔

(الف) ۱۔ دینی معلومات۔ اس کا اندازہ ممبران کی فہرست کتب سے کیا جاسکتا ہے۔
۲۔ تقویٰ۔ اس کا اندازہ نماز کی پابندی واہتمام خصوصاً فجر کی نماز سے لگایا جاسکتا ہے۔
۳۔ معاملہ فہمی۔
۴۔ تدبر و اصابت رائے۔
۵۔ دستور کی پابندی۔ اس کا اندازہ نظم کی پابندی سے لگایا جاسکتا ہے۔
۶۔ راہ خدا میں استقامت
۷۔ تنظیمی صلاحیت۔

ان قائدانہ اوصاف کے علاوہ درج ذیل سٹ بھی اس سلسلے میں بنایا جاسکتا ہے۔

(ب) قوت فیصلہ و تجزیہ، گہرائی و معاملہ فہمی، [illegible] سب کے ساتھ چل سکنے کی صلاحیت، [illegible] بردباری، دوسروں سے کام لینے کی صلاحیت، پلاننگ اور فیصلوں

کا نفاذ، فنڈ management اور بیت المال کے حساب کا علم، مشاورت و استفادے کی صلاحیت

درج بالا صفات میں درج ذیل چار صفات کسی اسلامی تنظیم کی ہر سطح کی قیادت کے لئے ضروری ہیں۔

(۱) دینی معلومات
(۲) تقویٰ
(۳) دستور و نظم کی پابندی
(۴) استقامت

ان چار خصوصیات کے حامل افراد کی ایک فہرست ہر حلقہ اپنے Target کی تعداد کی تین گنی بنالے۔ اس کے بعد اس فہرست میں سے

(۱) معاملہ فہمی
(۲) تدبر و اصابت رائے۔
(۳) تنظیمی و انتظامی صلاحیت

نسبتاً زیادہ رکھنے والے افراد کی فہرست اصل Target کا دوگنی تعداد میں بنالیا جائے اور اس کے بعد اس دوسری فہرست کے افراد پر خصوصی توجہ تربیت کے لئے دی جائے۔

• مختلف age group کا اندازہ لگا کر افراد تیار کرنے پر توجہ دی جائے اور B، C ٹیم بنائی جائے۔
• مختلف قائدانہ خصوصیات پر تربیتی اجتماعات میں لیکچر دلوائے جائیں۔ خصوصی کیمپ کا انعقاد ہو۔
• صدور کے اجتماع میں ایسے پروگرام بطور خاص رکھے جائیں۔
• قائدانہ صلاحیت کو ابھارا جائے نہ کہ قائدین کو ابھارا جائے۔
• کنٹرول طریقے سے اجتماعی احتساب کا پروگرام باشعور ذمہ داروں کی موجودگی میں چلائے جائیں۔
• وقت فارغ کرنے کی اہمیت دلوں میں بٹھائی جائے۔
• تحریکی بزرگوں اور Old Boys کی صحبت سے فائدہ اٹھایا جائے۔

اہم: ان میں ایسے لوگ جو نماز میں کوتاہی برتیں یا نظم یا استقامت میں گڑبڑی دکھائیں انھیں اس فہرست سے خارج کر دیا جائے۔

۳۔ بیت المال کا استحکام

• مستقل آمدنی کی کوشش ہو۔ مستقل معاونین کی فہرست بنائی جائے اور ان سے ربط ہو
• حلقہ کی کل آمدنی کا کم از کم ۲۵٪ حلقہ یونٹوں، سرکلوں سے ماہانہ اعانت کے جمع کرنے کی کوشش ہو۔
• اس کی تفصیلی پلاننگ کی جائے۔

④ تربیت گاہیں

ایسے مراکز قائم کئے جائیں جہاں تھوڑے عرصے یا وقفے کے لئے [illegible] سے دین کو سیکھ سکیں۔ یہ مراکز مرکزی [illegible] بنیادوں پر قائم ہوں اور ان مراکز میں کا ایک نگراں بھی ہو۔

مدت قیام یہاں ۳ سے ۱۵ دن اور ضرورت کے مطابق ہمہ جہتی و مخصوص کا کورس بنایا جائے۔ ۱۰ سے کم افراد میں نہ ہوں۔

تربیت کے پروگرام:

(۱) مرکزی تربیت گاہ میں پختہ کارکن وابستگان تنظیم کی تربیت کا پروگرام سیلبس مخصوص ہو۔
(۲) علاقائی تربیت گاہ میں قدرے نئے تنظیم کی تربیت کا پروگرام ہو جس کا مخصوص ہو۔
(۳) مخصوص تربیت کے لئے Short Term اور Refresher Course رکھے جائیں۔

بعض اہم امور جو اس سلسلے میں قابل [illegible] ہیں وہ یہ ہیں۔

• تربیت میں آنے والوں کی حتی الوسع مشکلات رفع کرنے کی کوشش کی جا[ئے]
• معلوم کیا جائے کہ کن مہینوں میں رفقا [illegible] تعداد شرکت کرسکتی ہے۔
• ایسے افراد کی فہرست ہر حلقہ بنائے مختلف میدانوں میں تربیت کی ضرورت [illegible]
• Feedback کے ذریعہ تربیت کے شرکاء کی کیفیت کو معلوم کیا جائے تا[کہ] کی افادیت کا اندازہ لگایا جاسکے۔
• مرکزی تربیت گاہ اور علاقائی تربیت [گاہوں کے درمیان] بہ اس لحاظ سے نظر رہے کہ تربیت میں Co-ordination برقرار رہے
• تہجد کا اہتمام کرانے کی خوشگوار کوشش کی جا[ئے]

ہ کا نقشہ وضروریات:

ایک مربی بزرگوں میں سے
روگرام میں رکھا جائے جو ہر وقت
رہے اور شرکاء کی انفرادی تربیت

رام کی نوعیت کے مطابق نگراں
رام کے دوران موجود رہیں جیسے
سلسلے کا کوئی تربیتی پروگرام ہو رہا ہو
کا ایک اکسپرٹ وہاں موجود رہے۔
ت پانیوالے کے علاوہ دوسروں کا
گاہ میں کنٹرول میں رہے اور وہاں مناسب
پر توجہ رہے۔
تم ایک لکچر روم وقیام گاہ اور ضروری
م کیا جائے۔ یہ گشتی یعنی مختلف مقامات
تے رہیں۔

• اچھے پروگرام کے Video Cassette
تیار کر لئے جائیں جو عام نہ ہوں بلکہ مخصوص پروگرام
کے موقعہ پر ہی Relay کئے جائیں۔ تاکہ اس
کا خاطر خواہ فائدہ مناسب ماحول میں ہو سکے۔
• ہر پروگرام کا علیحدہ بجٹ بنایا جائے
اور کوشش ہو کہ اس کو اپنے وسائل سے ہی رفقاء
وتنظیم پوری کرلے۔

⑤ سیاسی شعور کی تربیت

یہ مرکزی طور پر کنٹرول کمیٹی کے ذریعے
انجام دیا جائے۔ اس کا مقصد ملک کی سیاسی
صورتِ حال سے واقفیت اس کا جائزہ اور
اس پر غور و فکر کی عادت ڈلوانا ہوگا تاکہ تحریک
کے لئے وہ معاون و مددگار ہو سکے۔
• یہ کام احتیاط سے کرنے کا ہے۔
• یہ مخصوص لوگوں کیلئے ہو اور یہ وہ ہوں
جو قائدانہ صلاحیت رکھنے والے افراد کی فہرست
میں آتے ہیں۔
• مختلف موضوعات پر کیمپ کرائے جاسکتے
ہیں یا اندرونی طور پر News Letter کے ذریعے
یا زندگی نو کے ذریعہ تحریری مباحثہ کرایا جاسکتا
ہے۔ مختلف ایشوز پر افراد کی نشست بلائی
جاسکتی ہے۔

⑥ اولڈ بوائز سے ربط وتعلق

ہر سال تنظیم سے باقاعدہ تعلق کی مدت
پوری کرنے والوں کی ایک نشست ہر حلقہ میں
بلائی جائے۔
• اولڈ بوائز سے تنظیم وتربیت کے سلسلے
میں حسب ضرورت استفادہ ومشورہ کیا جائے۔
ان سے مالی تعاون بھی لیا جائے۔ یہ کام عام طور
سے حلقہ کی سطح پر انجام دیئے جائیں۔

بقیہ چند باتیں شعور کی صحیح ،
آخرت کی پختہ ہوتا رہے گا کہ ہماری پوری انفرادی اور
اجتماعی زندگی کا ریکارڈ محفوظ ہو رہا ہے۔ محفوظ رہے
گا اور ایک دن اللہ کے دربار میں حاضر ہونا ہوگا جہاں
ہمارا کچا چٹھا ہمارے سامنے آئے گا اور اپنی پوری
زندگی کا ہمیں حساب دینا ہوگا اور پھر ہمیشہ کی کامیابی
سے ہم کنار ہوں گے یا خدانخواستہ ہمیشہ کی ناکامی سے
دوچار ہونا ہوگا۔
۴۔ ہر خبیثت اور ہر خباثت سے اللہ ہی بچا سکتا
ہے۔ انسانی شیطانوں اور جناتی شیطانوں سے بچانے
والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔
ایمان کی راہ میں، اسلام کی راہ میں، تقویٰ اور
احسان کی راہ میں دعوت وتبلیغ کی راہ میں اعلاء
کلمۃ اللہ کی راہ میں جو شیطان آڑے آتے ہیں جو
شیطان آڑے آئیں گے ان سے بچانے والا، پناہ دینے
والا اللہ اور صرف اللہ ہے، رحمت کے دروازے کھولنے
والا، فضل وکرم سے نوازنے والا اللہ اور صرف اللہ
ہے، راہِ حق کے نوجوان ساتھیو! اللہ سے اپنا تعلق
مضبوط سے مضبوط تر کرنے کی ضرورت ہے، ذکر
واذکار اور مسنون دعاؤں کے اسلحہ سے لیس
ہونا ضروری ہے مگر ساتھیو! اس اسلحہ کے لئے
سپتل بھی ضروری ہے۔ اور ان میں شعور سے کام لینا ہے

سلسلۂ روز و شب

——— شاہ رشاد عثمانی
جمشید پور۔

میسور ایک نہایت خوبصورت شہر ہے۔ حیدر علی اور ٹیپو سلطان کا یہ تاریخی شہر ایک خاص کشش رکھتا ہے۔ ہم لوگ پروگرام کے مطابق ۸؍ فروری ۸۸ء کو شام ۵ بجے میسور پہنچ گئے۔ ذکریا صاحب کے دولت کدے "رحمت منزل" میں قیام رہا اور موصوف سراپا اخلاق و اخلاص بنے سرگرم نوازش رہے۔ یہاں کی انجمن حدیقۃ الادب کی جانب سے ایک ادبی جلسہ شملتا ہوٹل کے خوبصورت ہال میں رکھا گیا تھا۔ ڈاکٹر احمد سجاد کی صدارت میں ادب میں مقصدیت کے موضوع پر ایک مذاکرہ منعقد ہوا جس میں سب سے پہلے میں نے موجودہ ادبی صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے یہ بات کہی کہ ترقی پسندی نے ادب کے قارئین کے عقیدہ و اقدار کو غارت کرنے کی کوشش کی تھی۔ جب کہ جدیدیت نے ادب کے فنی لوازم پر ہی شب خون مار دیا ہے، نتیجہ کے طور پر آج ادب کی دنیا میں ایک برہمی، بے سمتی اور ابتری سی پھیلی ہوئی ہے۔ چنانچہ میں نے ان حالات میں اعلیٰ ادب کی تخلیق کے لئے فکر و فن کی حسین آمیزش اور بہترین امتزاج کو لازمی ضرورت قرار دیا۔ اس مذاکرے میں جناب انتظار نعیم، پروفیسر ایم اے۔ قادر اور ڈاکٹر ہاشم علی نے اظہار خیال فرمایا۔ آخر میں ڈاکٹر احمد سجاد نے تمام گفتگو کو سمیٹتے ہوئے اسلامی ادب کا پیغام پیش کیا۔ مذاکرے کی یہ نشست بہت ہی کامیاب رہی جس میں شہر کے کالجوں اور یونیورسٹی کے اساتذہ و طلبہ اور ادب نواز حضرات کی کثیر تعداد موجود تھی۔ انجمن کے روح رواں نور الحق نعیم نے بڑی محنت سے یہ پروگرام ترتیب دیا تھا۔ رات دس بجے لیبر ایسوسی ایشن بلڈنگ کے وسیع ہال میں ادارہ ادب اسلامی کی جانب سے جناب حفیظ میرٹھی کے زیر صدارت ایک کامیاب مشاعرہ منعقد ہوا، جو وہاں کے ایک ادب نواز کے بقول گذشتہ بارہ پندرہ برسوں سے اس شہر میں ایسا کامیاب مشاعرہ نہیں ہوا تھا۔ اسلامی مشاعرہ کا جیتا جاگتا نمونہ۔

دوسرے دن ہم لوگ اس شہر کے تاریخی مقامات کی سیاحت کے لئے نکلے، برادرم واجد علی خاں جو ادارۂ ادب کے مقامی مدیر بھی ہیں، ہماری میزبانی اور رہنمائی کر رہے۔ سری رنگا پٹنم شہر میسور سے ۱۵ کیلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔ یہاں حیدر علی کا قلعہ ہے، یہ اس کی راجدھانی تھی، یہیں پر ٹیپو کا بنوایا ہوا قیدخانہ ہے جہاں انگریز قید کئے جاتے تھے، یہیں لوہے کے توپ کا ایک بڑا سا ٹکڑا رکھا پڑا ہے۔ اسی کے قریب وہ مقام ہے جہاں ٹیپو سلطان شہید ہوئے تھے۔ یہیں پر قدیم طرز تعمیر کا نمونہ ۱۷۸۴ء میں تعمیر شدہ جامع مسجد ہے اور دوسری جانب ایک بڑا مندر ہے۔ سب سے پہلے ہم لوگ ٹیپو سلطان شہید کے مقبرہ کی زیارت کے لئے گئے۔ یہاں ملکی و غیر ملکی مرد عورت سیاحوں کی ایک بھیڑ تھی۔ میں نے دیکھا کہ مقبرہ سے تقریباً ۲۰ قدم پہلے ہی سے لوگ بالخصوص غیر مسلم حضرات اپنے جوتے چپل ہاتھ میں لے کر ننگے پیر جا رہے ہیں۔ ان میں ٹیپو کے تئیں بڑا احترام اور جذبۂ عقیدت پایا جاتا ہے۔ مگر میں سوچنے لگا کہ کبھی کبھی یہی جذبۂ احترام و عقیدت شخصیت کو کیا سے کیا بنا دیتا ہے۔ یہاں اس مجاہد جلیل کے سائے میں بھی وہ سب کچھ ہو رہا تھا جو مختلف خانقاہوں اور درگاہوں پر اکثر دیکھنے کو ملتا ہے، یہاں بھی اکثر مسلمان عورتیں قبر کے سامنے سجدہ ریز اور منت کش نظر آئیں، میں دیر تک شہید وفا کے خون عزیمت کو یاد کرتا اور اپنی ملت کی اس حرکت پر خون کے آنسو بہاتا رہا۔ گنبد نما مقبرے میں داخلے سے قبل میری نگاہیں دروازے کے اوپر خوبصورت حروف میں لکھے قرآنی آیات کے علاوہ اس شعر پہ رک گئیں ؎

نہ شادی داد سامانے نہ غم آورد نقصانے
بریں جانباز سلطانے کہ آمد شد چو مہمانے

"دریا دولت باغ" تینوں جانب کاویری ندی سے گھرا ایک خوبصورت مقام ہے۔ کئی ایکڑ زمین پر پھیلے ہوئے اس خوبصورت باغ کے درمیان ایک بڑی سی دو منزلہ عمارت ہے، یہ دراصل ایک محل ہے جسے اب میوزیم بنا دیا گیا ہے۔ جس میں ٹیپو سلطان سے پہلے اور بعد کی نسلوں کے قصے بڑے بڑے چارٹس اور تصویروں کی زبانی سنائے گئے ہیں، تاریخی واقعات، جنگ کے آثار اور اس وقت کے حالات کی منہ بولتی تصویریں دیواروں پہ آویزاں تھیں۔ یہ دکنی نقاشی کے نادر نمونے ہیں۔

کمرے میں دکنی پگڑی باندھے ٹیپو سلطان شہید کی قد آدم تصویر
ی اور میری نگاہیں تھوری دیر کے لئے احترام کے ساتھ اس
ر پر ٹھہر گئیں یہیں پہ ان کے تمام لڑکوں کی تصویریں بھی بنی
ں ہیں۔ ایک جگہ ٹیپو کے لباس، ان کی تلوار ڈھال، بندوق
ڈل، دیوان کرسیاں، قالین وغیرہ بطور تبرکات وعجائبات
ے ہوئے تھے۔

میسور کی ایک خوبصورت چیز Brindavan پارک ہے۔
ے کے ساگر ڈیم کے پیچھے واقع ہے۔ اس کے چاروں طرف مصنوعی
ل بنائی گئی ہے، جس میں کشتیاں اور موٹر بوٹ چلتی ہیں، اس
یک بڑا پل بھی تعمیر کیا گیا ہے، جس سے گذر کر ہم لوگ پارک
ں داخل ہوئے۔ اس کا حسن بس دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔
ے مختلف قسم کے ہرے بھرے پودوں اور پھولوں سے بڑی
بصورتی سے سجایا گیا ہے۔ دونوں جانب سرو کے درخت،
لوں کی جھاڑیاں اور طرح طرح کے کروٹن کی کیاریاں قرینے
ے لگی ہیں اور درمیان میں ترشی ہوئی گھاس سبز مخمل نظر
ہی ہے۔ یہ اتوار کا دن تھا اور مغرب کے بعد کا وقت،
ق جوق درجوق چلے آرہے تھے، بے شمار خواتین بچی بنی بچوں
ی انگلیاں پکڑے ہوئے اس پُرفضا مقام کو رونق بخش رہی
ہیں، تمام پتھروں کی بنچیں اور بیٹھنے کی جگہیں نوجوانوں سے پُر
ہیں، اور انسانی ہجوم کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ادھر سے ادھر
بلا جا رہا تھا۔ جھیل کے کنارے کنارے بجلی کے راڈ اور درمیان
ں بجلی کے قمقمے خوبصورت منظر پیش کر رہے تھے۔ پورے پارک
و مختلف طرح کے ڈیزائن دار ٹیوب لائٹس اور رنگین بلب
سے سجایا گیا تھا۔ اس گارڈن کی خوبصورتی کا راز اس کے
سینے میں پنہاں وہ فرحت بخش فوارے ہیں، جسے بے حد اچھے
ڈھنگ سے بنایا گیا ہے۔ پانی کے موٹے موٹے دھاروں کے
ذریعہ مختلف رنگوں کی مختلف خوبصورت شبیہیں بنائی جا رہی ہیں
اور لوگ اسے چاروں طرف سے گھیرے کھڑے لطف اندوز
ہو رہے تھے اور بے شمار لوگ اس منظر کو اپنے کیمرے میں
محفوظ کر رہے تھے۔ یہ منظر اتنا خوبصورت تھا کہ بے پناہ تھکن
کے باوجود واپس آنے کو جی نہیں چاہتا تھا، یہ تفریح گاہ بس
دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

ہماری ایک سہ پہر میسور یونیورسٹی کے پوسٹ گریجویٹ
شعبۂ اردو کے اساتذہ، طلبہ اور طالبات کے درمیان گذری۔
یہاں صدر شعبہ ڈاکٹر مسعود سراج اور سینئر پروفیسر ڈاکٹر ہاشم علی
اور خواتین اساتذہ سے ملاقات رہی۔ یہ کافی خوبصورت اور
وسیع و عریض یونیورسٹی ہے، ایک بڑی سی حسین عمارت کی
دوسری منزل پر شعبۂ اردو قائم ہے۔ اس کے وسیع ہال میں ایک

دلچسپ پروگرام ہوا۔ سب سے پہلے ارشد صدیقی نے ہم سب
کا تعارف کرایا جو وہاں بحیثیت مہمان شریک تھے۔ بعد ازاں
عزیز بلگامی نے اپنی نعت سنائی، بزرگ شاعر مائل خیرآبادی
غزل سرا ہوئے۔ ڈاکٹر ہاشم علی نے میری تقریر کے حوالے سے اسلامی
ادب کے سلسلے میں چند سوالات اٹھائے اور اپنے شکوک و
شبہات کا اظہار کیا، جس کا ڈاکٹر احمد سجاد نے اپنی صدارتی تقریر
میں تفصیل سے جواب دیا۔ آخر میں ڈاکٹر مسعود سراج کے شکریہ
پر نشست برخواست ہوگئی۔ یہ ادبی محفل ہر لحاظ سے بہت
کامیاب رہی، تعداد میں طلبہ سے زیادہ طالبات نظر آئیں۔ اس
موقع پر جس تہذیب وشائستگی اور تنظیم کا مظاہرہ ہوا وہ متاثر
کرنے والا تھا، یہاں کے طلباء و طالبات کو اظہار خیال کا کوئی
موقع نہیں دیا گیا، جس سے ان کی علمی و ادبی صلاحیتوں کا کوئی
اندازہ نہ ہو سکا۔

میسور میں دو دن قیام کے بعد ہم شہر ہاسن کے لئے
روانہ ہوئے، قافلے میں حفیظ میرٹھی، مائل خیرآبادی، احمد سجاد،
عزیز بگھروی، مسعود جاوید ہاشمی، مسعود اختر، یوسف راز، عزیز
بلگامی اور مظہر محی الدین شامل تھے۔ سرزمین میسور کو خیرباد
کہنے سے پہلے ایک الوداعی نشست مولانا محمد سراج الحسن اور
مولانا محمود خاں کے ساتھ پروفیسر نور احمد خاں (ریٹائرڈ کیمسٹری ڈپارٹمنٹ)
کے دولت کدے پر ہوئی، جس میں بہت سارے مقامی احباب
جمع تھے۔ اس چھوٹی سی خوبصورت اور پُرخلوص صحبت کے بعد
ہم لوگ آگے کے لئے روانہ ہوئے ——— (باقی آئندہ)

بقیہ شفاخانہ

○ ہمارے صبح وشام تک کے گناہ، مکھی صاحب چھینٹا ڈال
کر معاف کرتے ہیں۔ ہم میں سے اگر کوئی آدمی روز جماعت
خانہ جا نہ سکے تو جمعہ کے روز پیسے دے کر چھینٹا ڈلوا کر
اور آب شفا (یعنی گھٹ پاٹ) پی کر اپنے گناہ معاف کرا سکتا
ہے۔ اور اگر کوئی جمعہ کے روز بھی جماعت خانہ نہ جا سکے
تو مہینہ بھر کے گناہ چاندرات کو پیسے دے کر چھینٹا ڈال کر
آب شفا پی کر معاف کرا سکتا ہے۔

ہماری بندگی/عبادت کا طریقہ یہ ہے کہ:
حاضر امام ہمیں ایک بول اسم اعظم: دیتے ہیں جس کے
عوض ۷۵ روپیہ ادا کرتے ہیں جس کی بندگی/عبادت ہم رات
کے آخری حصے میں ادا کرتے ہیں۔ ۵ سال کی بندگی معاف
کرانے کے لئے ہم ۵ سو روپے اور ۱۲ سال کی عبادت
معاف کرانے کے لئے ۱۲ سو روپے اور لائف ممبری (پوری عمر
کی بندگی معاف کرانے کے لئے ۵ ہزار روپیہ ہم جماعت خانوں
میں دیتے ہیں

دس روزہ تربیتی مرکز ایس آئی او، بہار کی رپورٹ

(۴ر تا ۱۳ر جون ۱۹۸۸ء)

مرتب: شفیق الرحمٰن (سکریٹری حلقہ بہار)

۲ سال کے ارادے اور کوششوں کے بعد محض اللہ کے فضل و کرم اور تائید غیبی کی بدولت ایس آئی او، بہار اس سال اپنے مقصد کے حصول میں کامیاب ہو سکی اور مجوزہ تربیتی مرکز کا انعقاد ہو سکا۔ اس کیمپ کے پس منظر میں یہ بات تھی کہ یہاں ہم کچھ ایسا ماحول فراہم کرنے کی کوشش کریں کہ شرکاء کے سامنے ایک آئیڈیل تحریکی زندگی کا نقشہ آجائے بلکہ وہ خود بھی اس کا تجربہ کرلیں۔ انھیں یہاں سے تحریک ملے اور فکری پختگی کا سامان حاصل ہو۔ حلقہ کے ذمہ داروں کو ان کی صلاحیتوں کا علم ہو سکے اور وہ خود بھی پورے نظم سے واقف ہوں۔

یہ کیمپ پٹنہ شہر کے کنارے واقع ایک مسجد میں لگایا گیا تھا۔ اس کی تیاری تو گذشتہ فروری سے ہی شروع ہو گئی تھی کیوں کہ اسے مارچ میں ہی لگانا طے ہوا تھا لیکن بعض ناگزیر اسباب کی وجہ سے اس وقت اسے ملتوی کرنا پڑا تھا۔ دوبارہ ضروری تیاری مئی سے شروع ہوئی اور دیگر چیزیں (کتابیں وغیرہ) ۲ر جون ۱۹۸۸ء کو تربیت گاہ پہنچا دی گئیں شرکاء کی آمد کا سلسلہ بھی اسی روز سے شروع ہو گیا تھا۔ کیمپ کے نگراں محترم حسن رضا صاحب ۴ر جون کی صبح براہ راست تربیت گاہ پہنچے۔ صوبے سے دس ممبران کو شریک ہونا تھا۔ بعض دوسرے صوبوں کے ذمہ داران ایس آئی او سے بھی گزارش کی گئی تھی کہ وہ اپنے حلقہ سے کسی ایک ممبر کو اس اجتماع میں شرکت کے لئے بھیجیں لیکن کہیں سے آمد نہیں ہو سکی۔ خود اپنے صوبے سے بھی وقت پر مطلوبہ تعداد پوری نہیں ہو سکی تھی جس کی وجہ سے اجتماع قدرے تاخیر سے شروع ہوا۔

اجتماع کا آغاز محترم صدر حلقہ براد[illegible] صاحب کی گفتگو سے ہوا۔ آپ نے اپنی افتتاحی گفتگو میں تربیتی اجتماع کی اہمیت، افادیت اور تاریخ پر روشنی ڈالی اور اس اجتماع کی خصوصیت اور امتیاز کو واضح کیا۔ موصوف نے مسلم طلبہ کے مزاج اور عام تعلیمی صورتحال پر بھی گفتگو کی اور فرمایا کہ ایک طرف عام طور سے پڑھنے لکھنے کا رجحان قابل لحاظ حد تک کم ہو گیا ہے۔ پھر ہمارے یہاں کا تعلیمی نظام کچھ ایسا بن گیا ہے کہ طا[illegible]ت کم ملتی ہے۔ اسی طرح اسی نظام کی دین یہ بھی ہے کہ سنجیدگی عنقا ہو چکی ہے وہ اپنے مستقبل کے سلسلہ میں بالکل غیر یقینی کی کیفیت میں مبتلا رہتے ہیں، انھیں ہمارے لٹریچر کی زبان سخت معلوم ہوتی ہے اور اس کا مواد ان کی فہم سے بالا محسوس ہونے لگا ہے اور چوں کہ ایسے ماحول سے افراد ہمیں بھی ملتے ہیں، نتیجتاً مقصد کا شعور فکری پختگی، عزم و حوصلہ ان تمام چیزوں میں ہیں واضح کمی محسوس ہوتی ہے۔ آپ نے اپنی گفتگو میں یہ بھی فرمایا کہ ہمارے یہاں سہ روزہ تربیتی اجتماعات ہوتے رہے ہیں لیکن محسوس ہوتا ہے کہ وہ ہماری ضرورت پوری نہیں کر پا رہے ہیں اور ان سے ہم خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھا پاتے ہیں اس لئے اس ضرورت کا احساس ہوا کہ لوگوں کو کچھ زیادہ دنوں کے لئے جمع کیا جائے مگر کم تعداد میں۔ انھیں ایک آئیڈیل ماحول میں رکھا جائے پھر ان کی چوبیس گھنٹے کی روٹین پر نظر رکھی جائے اور بر وقت مشورے دیئے جائیں بعد ازاں انھیں دعوتی کام کے لئے میدان میں بھیج کر ان امور کی عملی صورت بنادی جائے تاکہ اس نہج پر وہ باقی دنوں میں کام کریں۔

آپ نے فرمایا کہ ہمارے تربیتی نظام میں اس طرح کا یہ پہلا تجربہ ہے۔ اس دعا کے ساتھ آپ نے اپنی گفتگو ختم کی کہ اللہ اسے کامیاب کرے اور ہمیں اس سے کچھ حاصل ہو۔

محترم صدر حلقہ کی گفتگو کے بعد محترم ناظم اجتماع برادر ارشد اجمل صاحب نے ضروری ہدایات دیں۔ آپ نے اپنی گفتگو میں ماحول بندی پر زور دیتے ہوئے فرمایا کہ پوری روٹین آپ کے سامنے ہے۔ ہماری کوشش ہونی چاہئے کہ حتی الامکان اس کی پوری پوری پابندی کریں۔ اس کا خاص طور سے خیال رکھا گیا ہے کہ ہر موقع پر آپ کو توجہ نہیں دلائی جائے بلکہ آپ خود ان کو اپنائیں۔ موصوف نے یہ بھی فرمایا کہ یہاں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ بنیادی باتیں آپ کے سامنے رکھ دی جائیں اور جو بات بھی آئے وہ ٹھوس اور معتبر ہو۔ اس لئے ہم نے پروگرام ایسے بزرگوں کے ذمہ کیا ہے جو اپنے شعبہ کے ماہر کہے جا سکتے ہیں اللہ کا شکر ہے کہ ہمیں ان کا تعاون حاصل رہا ہے یہاں مختلف جہت سے تیاری کی ایک منہاج آپ کو بتا دی جائے گی آگے کی تیاری آپ کو خود کرنی ہے۔ ہاں رہنمائی ضرور کی جا سکتی ہے۔ امید ہے آپ ان باتوں کو ذہن میں رکھیں گے اور اجتماع سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے۔

محترم حسن رضا صاحب (نگراں کیمپ) نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ اس وقت تحریک اسلامی ایک نازک مرحلے میں ہے۔ یہ مرحلہ آنے والی آندھی میں شمع توحید کی لو تیز تر کرنے کا ہے، سلگتے ہوئے مسائل میں الجھنے کا، بھڑکتے ہوئے مسائل میں جھلسنے کا اور اپنی خاکستر سے ایک نیا جہاں تعمیر کرنے کا ہے ظاہر ہے اس چیلنج سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اور موجودہ ہندوستان میں اسلامی عزائم کو بروئے کار لانے کے لئے ایسے نوجوان چاہئیں جن کا دل جرأت ایمانی سے لبریز ہو، جو مسائل کو

ان حرکی نگاہ سے دیکھیں اور جو متحرک
... بے سمتی کا شکار نہ ہوں۔
... سے پروگرام کے Formal Session
، پہلا سیشن صبح ۸½ تا ۱۲ بجے تک
تا تھا اور دوسرا عصر تا مغرب کے درمیان
سیشن کے پروگرام کی تفصیل حسب ذیل
ہے۔

مطالعہ قرآن محترم حسن رضا صاحب رکن
ری جماعت اسلامی ہند حلقہ بہار کی نگرانی
ہوا۔ ایک پوری سورہ (انفال) کا مطالعہ
تار پانچ دنوں تک جاری رہا۔ تجوید کے
لہ میں بھی بنیادی باتیں بتائی گئیں۔ البتہ
رہ قرآن کا پروگرام تقریباً روزانہ ہوا۔
ن کے مطالعہ کے سلسلہ میں محترم حسن رضا
حب نے فرمایا کہ تحریکی زندگی قرآن کے
یے میں گزرنی چاہیئے۔ موصوف نے
یہ فرمایا کہ قرآن فہمی میں جہاں ہمیں یہ خیال
نا چاہیئے کہ انفرادی طور سے قرآن ہم سے
تقاضے کرتا ہے وہیں ہمیں یہ بھی دیکھنا
ہیئے کہ آج کے تناظر میں اس سے ہمیں کیا
اعی ہدایتیں ملتی ہیں پھر تمام معاملات میں
اسے وعا مانگنی چاہیئے کیوں کہ وہی ہمارا
ب سے بڑا رہنما ہے۔ آپ نے مطالعہ کے
اصول بھی بیان فرمائے اور کہا کہ ہمارے
سلاف نے اس سلسلہ میں کیا کچھ کیا ہے اس
سے رہنمائی لینی چاہیئے۔

جدید ہندوستان کا تاریخی پس منظر کے
ان سے محترم محمد یوسف امین صاحب
لی گڑھ) نے بہت تفصیل سے اپنی باتیں
یں۔ آپ نے اپنی گفتگو میں اسلام سے
لے کا ہندوستان، اسلام کی ہند میں آمد اس
ت کے ہند و تمدن کا حال، یہاں کے معاشرے
اسلام کے اثرات، مسلمانوں پر یہاں کے
ات، احیاء اسلام کی تجدیدی کوششیں وغیرہ
مسائل سے بحث کی۔

جدید ہندوستان کی معاشرتی صورتحال
جناب ضیاء الدین احمد صاحب (صدر شعبہ
... یونیورسٹی) نے پر از معلومات
لیکچر دیا۔ آپ نے ہندو سماج میں ذات پات
کا نظام، مسلمانوں پر اس کے اثرات، موجودہ
سماج میں تعلیمی بدحالی، افلاس اور بڑھتے ہوئے
جرائم پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور کام
کس انداز سے کرنے کی ضرورت ہے اس
کی بھی نشاندہی کی۔

محترم عبدالمغنی صاحب نے جدید ہندوستان
کی سیاسی صورتحال کا نقشہ پیش کیا۔

محترم حسن رضا صاحب نے ہندوستان
میں اسلامی نشاۃ ثانیہ کے تعلق سے اپنی باتیں
رکھیں۔ آپ نے مختلف پہلوؤں سے اسلامی
نشاۃ ثانیہ کی کوششوں کا جائزہ لیا، درپیش
مسائل کی نشاندہی کی اور کام کی نہج کیا ہو سکتی
ہے اس کی وضاحت فرمائی۔

برادر محترم منور حسین فلاحی صاحب
نے ادب کی فکری تحریکیں کے تحت اپنا
حاصل مطالعہ پیش کیا اور ترقی پسند تحریک و
جدیدیت کی تاریخ پر روشنی ڈالی پھر اسلامی
ادب کیا ہے اور کیا ہونا چاہیئے اس پر بھی
گفتگو کی۔

سیرت کے عنوان پر محترم نسیم احمد صاحب
(رکن شوریٰ جماعت اسلامی بہار و رکن مرکزی
نمائندگان جماعت اسلامی ہند) نے سیرت
کے مقام اور اہمیت پر روشنی ڈالی۔ آپ
نے فرمایا کہ ہندوستان میں غلبۂ اسلام کی کوشش
کے لیے پُر امن ذرائع ہی استعمال کرنا چاہیئے
اور جمہوریت کا یہ جدید دور رسول اللہ کے
زمانے سے یکسر مختلف ہے۔

محترم شاہد رام نگری صاحب (ایڈیٹر
ہفت روزہ نقیب، پٹنہ) نے ہندوستان
کی موجودہ صحافت پر ایک مفید گفتگو کی۔
آپ نے اس کے مزاج، اس پر حاوی قوتیں
اور اس کے نشانہ گروہ جیسے عنوانات پر
روشنی ڈالی۔

آج کے ابھرتے ہوئے مسائل کے
تحت ایک سمپوزیم ہوا جس کی صدارت
محترم سرپرست حلقہ نے فرمائی۔ آپ نے
اپنی گفتگو میں فرمایا کہ بنیادی مسائل ہر دور
میں یکساں رہے ہیں ان کی شکلیں بدلتی رہی ہیں۔
آپ نے اپنی گفتگو میں علمی تیاری پر بھی زور
دیا اور فرمایا کہ آج اسلام کی مختلف تعلیمات
کو معقول اور Relevent ثابت
کرنے کی ضرورت ہے اور اس کے لئے
ظاہر ہے تیاری کرنی پڑے گی۔ آپ نے
قریب و دور کے حالات سے واقفیت
کی اہمیت پر بھی زور دیا۔ آپ نے یہ بھی
فرمایا کہ ہمارے یہاں ایک بڑا مسئلہ ڈسپلن
کا ہے۔

ایک سمپوزیم تحریک اسلامی کو درپیش
چیلنج کے عنوان سے بھی ہوا اگرچہ یہ ایک
لیکچر تھا لیکن جن صاحب کے ذمہ تھا وہ بعض
مجبوریوں کی وجہ سے تشریف نہیں لا سکے
جس کی وجہ سے ایسا کرنا پڑا۔ اس کی صدارت
محترم احمد علی اختر صاحب (رکن شوریٰ جماعت
اسلامی بہار) نے فرمائی۔

دیہی علاقوں میں تحریکی سرگرمیاں اس
عنوان کے تحت ایک گروپ ڈسکشن بھی ہوا
جس میں شرکاء اجتماع نے حصہ لیا۔ محترم
وقار انور صاحب نے اسے کنڈکٹ کیا۔ اس
میں بعض اچھی اور مفید باتیں آئیں۔ شرکاء
نے اس پر اتفاق کیا کہ گاؤں میں کام شہروں
کی نسبت زیادہ آسان ہے۔ وہاں سادگی
نسبتاً زیادہ ہے اور لوگوں کے درمیان قربت
زیادہ ہوتی ہے۔ یہاں مسجد کے امام اسکول
کے اساتذہ وغیرہ زیادہ بہتر انداز سے کام
کر سکتے ہیں۔

دوسرا سیشن عام طور سے پہلے دن
کے لیکچر پر سوال و جواب کے لئے وقف
تھا۔ اس میں دو دن آپسی تعارف و علاقے
کے حالات کے لئے بھی رکھا گیا تھا۔ اس
میں رفقاء نے اپنا تفصیلی تعارف کرایا اور
اپنے علاقے کی تعلیمی، معاشی، معاشرتی و دینی
صورت حال کا جائزہ بھی سامنے آیا۔ ایک
دن اس کا بھی جائزہ لیا گیا کہ شرکاء نے پروگرام
کو کس حد تک سمجھا ہے اور نوٹس کتنے لئے ہیں۔
اجتماع کے آخری تین دن محترم جنرل سکریٹری

جانبِ منزل

ترتیب : جاوید اختر

مہاراشٹر

جالنہ :۔ "آج عوام الناس اور خصوصاً نوجوان نسل اپنے مقصدِ وجود کو بھلا بیٹھی ہے۔ اور مسلمان شہادتِ حق کے فریضہ کو چھوڑ چکے ہیں جس کی وجہ سے برادرانِ وطن کے اندر غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی زندگی کے مقصد کا شعور حاصل کریں اور اپنی سرگرمیوں کو مقصدِ زندگی کا آئینہ دار بنائیں۔ ایس۔ آئی۔ او ملک کی سطح پر اسی مقصد کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کر رہی ہے"۔ ان خیالات کا اظہار برادر محمد اشفاق احمد سابق صدر ایس۔ آئی۔ او آف انڈیا نے جالنہ یونٹ کی ماہانہ تربیتی اجتماع میں کیا۔

"تحریک کے لئے نقصان دہ عوامل" کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے مولانا عفران احمد صاحب نے بتایا کہ باہمی عدم تعاون، صبر کی کمی، سمع و طاعت کا نہ ہونا اور عدم مشاورت جیسی باتیں تحریک کے لئے نقصان دہ ہیں۔

گزشتہ دنوں حلقہ مہاراشٹر نے "تعلیمی بیداری و ترقی" ہفتہ منایا۔ اس پروگرام کے تحت جالنہ یونٹ نے بچوں میں ایک انعامی مقابلہ کرایا۔ جلسہ تقسیم اسناد کے موقع پر مولانا عبدالقیوم صاحب نے اپنی تقریر میں کہا کہ "مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اپنے اہل و عیال کی تعلیم و تربیت پر دھیان دیں۔ انھیں اسلامی لٹریچر پڑھنے کے لئے آمادہ کریں۔ تعلیمی بیداری کے لئے تعلیم یافتہ نوجوان رضاکارانہ طور پر بچوں کو پڑھائیں" مولانا نے مزید کہا کہ عصری و دینی علوم کا امتزاج معاشرہ کی تعمیر کا ضامن ہے۔

اس جلسہ میں عصری و دینی تعلیمی اداروں کے نمائندوں نے بھی تعلیم کی اہمیت پر زور دیا۔ مہمان خصوصی برادر واجد علی خاں نے اس بات پر زور دیا کہ اساتذہ سبق پڑھاتے وقت اسلامی تصورِ حیات کو ملحوظ رکھیں اور اپنی شخصیت کو بطور نمونہ پیش کریں۔ تعلیمی بیداری کے سلسلے میں اساتذہ اور نوجوانوں پر زیادہ ذمّہ داری عاید ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ مالی اور وقت کی قربانی دیں۔

اس ہفتے کے دوران مختلف مساجد میں خطباتِ جمعہ میں تعلیم کی اہمیت پر تقریریں کی گئیں۔ برادر شیخ متین نے اپنے خطاب میں مسلمانانِ ہند کی موجودہ صورت حال کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ مسلمانانِ ہند کو تعلیم کے حصول کی طرف خصوصی توجہ دینی چاہئے۔ تعلیم کے حصول کے بغیر مسلم قوم دوسری قوموں سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ مسلمان ذلّت و خواری سے نکلنا چاہتے ہوں تو قرآنی علم کے ساتھ ساتھ عصرِ حاضر کے تمام علوم پر دسترس حاصل کریں۔

نوری محفل :۔ جالنہ یونٹ کی نوری محفل نے گزشتہ دنوں پکنک ڈے منایا۔ اس موقع پر کھیل کود اور تقریر کے مقابلے بھی ہوئے۔

دیولگاؤں راجہ :۔ دیولگاؤں راجہ میں ایس۔ آئی۔ او سرکل کا قیام عمل میں آیا ہے۔ برادر محمد رفیق کو سرکل انچارج منتخب کیا گیا۔

اچلپور :۔ صدر حلقہ مہاراشٹر برادر عزیز محی الدین نے گزشتہ دنوں اچلپور کا دورہ کیا۔ آپ نے ایک جلسہ عام سے خطاب بھی فرمایا۔ اپنے خطاب میں آپ نے طلبہ اور نوجوانوں سے اپیل کی کہ وہ علمی اور فکری اعتبار سے اپنے آپ کو کامل کریں اور خود کو اسلامی شعار کا عملی نمونہ بنائیں۔ اپنے اندر خود اعتمادی اور ایثار و قربانی کا جذبہ پیدا کریں۔ آپ نے مزید کہا کہ ہمیں اپنے اندر خود احتسابی کی صفت پیدا کرنی چاہئے اور ایک دوسرے سے مل کر کام کرنا چاہئے کیونکہ کوئی انقلاب اجتماعیت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

آکولہ :۔ صدر حلقہ مہاراشٹر نے آکولہ کا بھی دورہ کیا۔ یہاں آپ نے اپنی تقریر میں کہا کہ وہی قوم عروج کی منزلیں طے کرتی ہے جس کے اندر اپنے نصب العین کو سمجھنے کی جستجو ہو۔ ہم خیر امّت ہونے کا فرض اسی وقت ادا کر سکتے ہیں جب ہم اپنے نصب العین کو سمجھیں اور اس کا حصول اپنا مقصدِ حیات بنائیں۔

ھتھرون :۔ ہتھرون سرکل کے زیر اہتمام پچھلے دنوں ایک خطاب عام ہوا۔ اس موقع پر جناب عبدالمحسن صاحب نے "مسلمانوں کی ذمّہ داریاں" کے عنوان پر تقریر کی۔ جناب حافظ الیاس صاحب نے مسلمانوں کی موجودہ صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ہماری پریشانیوں کا سبب یہ ہے کہ ہم نے اللہ کے احکام پر چلنا چھوڑ دیا ہے۔ جلسہ سے جناب رضاء اللہ خاں صاحب نے بھی خطاب فرمایا۔

راجستھان

سوائی مادھوپور :۔ گزشتہ ۱۲تا۱۴ جون سوائی مادھوپور سب زون کا تربیتی اجتماع ہوا۔ تین دنوں کے اس اجتماع میں تربیتی نوعیت کے مختلف پروگرام ہوئے — جن عنوانات پر تقریریں ہوئیں ان میں سے چند یہ ہیں۔ "تربیت کی ضرورت و اہمیت"، "تحریک اسلامی مقصد اور نصب العین"، "بنیادی عقیدہ اور اس کے تقاضے"۔ وغیرہ۔

"اسلام اور طاغوت کی کش مکش" کے عنوان پر اظہار خیال کرتے ہوئے — برادر محمّد سلیم نے کہا کہ طاغوت مختلف شکلوں میں ہمارے سامنے آتا ہے۔ ہمارا نفس بھی طاغوت بن سکتا ہے، باپ دادا سے چلی آ رہی رسومات اور حکومت وقت بھی طاغوت ہو سکتی ہیں۔ برادر محمد نعیم فلاحی نے کہا کہ ہر وہ آدمی جو اللہ کی مقررہ کردہ حدود سے تجاوز

یا کے طاغوت ہے۔

بہار

دربھنگہ:۔ برادر محمد علاؤ الدین مطلع کرتے ہیں کہ گذشتہ ۱۰ رجون کو دربھنگہ یونٹ کا دعوتی اجتماع ہوا۔ اس موقع پر ناظم علاقہ ایس۔آئی۔او دربھنگہ نے شرکاء سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ "بحیثیت مسلمان بحیثیت انسان اور بحیثیت نوجوان ہمارے اوپر تین ذمہ داریاں ہیں۔ ہمیں اپنی ان ذمہ داریوں کا شعور ہونا چاہئے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے اوقات کو منظم کریں۔ انہیں یوں ہی ضائع نہ ہونے دیں۔ ایک ایک پل اور لمحہ کو قیمتی سمجھتے ہوئے اسے قوم و ملت کی تعمیر میں لگائیں۔"

برادر افتخار احمد نے جنگ بدر کے مختلف گوشوں کا جائزہ لیتے ہوئے فرمایا کہ حق کی حمایت میں جان و مال کا خطرہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا بلکہ حمایت کے لئے اخلاص و جرأت کی ضرورت ہے۔

ارریہ:۔ ایس۔آئی۔او ارریہ کا ماہانہ اجتماع ۲۷ رجون ۸۸ء کو برادر آفاق الرحمٰن کے درس حدیث سے شروع ہوا۔ موصوف نے ایمان کے عنوان سے یہ بتایا کہ ایمان کی مٹھاس انھوں نے ہی پائی جنھوں نے اللہ کی بندگی میں اپنے آپ کو سپرد کر دیا۔ اسلامی شریعت کی پیروی کی اور حضرت محمدؐ کو اپنا پیشوا، رہنما اور رسول بنایا۔ اپنے ارادے و قلبی رجحانات کو رسولؐ کی لائی ہوئی ہدایت کے تابع کر دیا۔

بعد ازاں وفود کی شکل میں دعوتی کام ہوا۔ تیس طلبہ تک دعوت پہنچائی گئی۔

برادر احتشام الحسن نے طلبہ و نوجوانوں سے خطاب کرتے ہوئے ان کی ذمہ داریاں یاد دلائی۔ انھوں نے مقصد زندگی اور عبادت کا صحیح مفہوم پر روشنی ڈالی۔ ایس۔آئی۔او اور تحریک اسلامی کا مقصد بتاتے ہوئے انھوں نے کہا کہ اس دنیا میں اسلامی نظام قائم کرنا اور اسلام کو تمام ادیان پر غالب کرنے کی انتھک کوشش کرنا ہی اصل مقصد ہے۔ تیسری نشست میں برادر [illegible] کو ان کے صفات بتاتے ہوئے انھوں نے کہا کہ ہمیں کردار اخلاق اور حکمت سے آراستہ ہونا چاہئے۔ کردار اور اخلاق کے ساتھ ساتھ حکمت بہت ضروری چیز ہے۔ پھر ہمارے اندر اخلاص بھی ہو۔ نئے عزم اور حوصلے کے ساتھ کام کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے دعا پر اجتماع اختتام پذیر ہوا۔ اچھے تاثرات لے کر ۵۰ شرکاء اپنے اپنے گھروں کو واپس لوٹے۔

آندھرا پردیش

نظام آباد:۔ نظام آباد یونٹ کی جانب سے مرحوم عبدالرزاق صاحب کی یاد میں ایک تعزیتی جلسہ منعقد ہوا۔ مختلف لوگوں نے مرحوم کے تئیں اپنے عقیدت کا اظہار کیا اور انھیں خراج تحسین پیش کیا۔

ایس۔آئی۔او کی مرکزی مشاورتی کانسل کے ممبر برادر عبدالرؤف نے کہا کہ لوگوں کو حق و صداقت کی طرف بلانے کا ان کا وصف قابل تقلید ہے۔ CAC کے دوسرے رکن برادر محمد عبدالعزیز نے کہا کہ موصوف نے زندگی کے آخری لمحے تک فریضہ اقامت دین انجام دیا اور اس راہ میں آنے والی مصیبتوں اور مشکلات کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا۔

واضح ہو کہ مرحوم عبدالرزاق صاحب تحریک کے بہترین کارکن تھے وہ نظام آباد ضلع کے ناظم بھی رہ چکے تھے۔ موصوف کا انتقال عید الفطر کے دن ہوا۔

حیدرآباد:۔ اسٹوڈنٹس اسلامک آرگنائزیشن آف انڈیا۔ آندھرا پردیش زون نے ۱۲ رتا ۱۹ رجون ہفتہ تعلیمی بیداری منایا اس ہفتہ کا افتتاحی پروگرام ایک سمپوزیم تھا جو حیدرآباد کے پریس کلب میں ۱۲ رجون کو رکھا گیا۔ سمپوزیم کی صدارت برادر پی۔سی حمزہ صدر ایس۔آئی۔او۔آف انڈیا نے فرمائی جب کہ اس کا افتتاح مولانا عبدالعزیز سرپرست حلقہ نے کیا اور صدر نشین سرکاری زبان کمیشن مسٹر این راما کرشنا چاریہ نے بطور مہمان خصوصی شرکت کی۔ برادر حبیب احمد نے شرکاء کا استقبال کیا۔

مولانا عبدالعزیز نے سمپوزیم کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایا کہ تعلیم کے ساتھ کردار کو سنوارنا ناگزیر ہے اگر عمل نہ ہو تو علم زیادہ ٹھہر نہیں سکتا آپ نے سمپوزیم کے عنوان "ہندوستان کے موجودہ مسائل۔ تعلیم بطور حل" کا بھرپور جائزہ لیا اور خدا کی بندگی اور تصور آخرت کو مسائل کا حل تجویز کیا۔

سمپوزیم کے ایک مقرر مسٹر کے ایم عارف الدین سکریٹری مدینہ ایجوکیشنل سوسائٹی نے مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کو قابل افسوس قرار دیا اور منظم تعلیمی پروگرام ترتیب دینے کی ضرورت پر زور دیا۔ جناب محمد اسحاق صاحب پرنسپل مفخم جاہی ایڈ کالج نے ایس۔آئی۔او کی سرگرمیوں کو سراہا اور مزید کام کرنے کی ہدایت کی۔ برادر عزیز الرحمٰن ممبر ایس۔آئی۔او نے اپنے تلگو خطاب میں موجودہ نظام تعلیم کی خرابیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے بتلایا کہ موجودہ مسائل غلط تعلیمی پالیسی کا نتیجہ ہیں اور ہندوستان کے موجودہ مسائل کے حل کے لئے اقدار پر مبنی تعلیم ضروری ہے۔ مہمان خصوصی صدر نشین سرکاری زبان کمیشن حکومت آندھرا پردیش نے موجودہ مسائل کو سیاستدانوں کی کمزوری بتلایا اور طلبہ کو ان کی چال بازیوں سے دور رہنے کا مشورہ دیا اور کہا کہ آدمی پرندہ کے مانند فضا میں اڑنے کے قابل تو ہو گیا ہے لیکن انسانیت و شرافت سے بیگانہ ہے انھوں نے ہندو اور عیسائی اور دوسرے فرقے کے لوگوں سے تعلیم کی اس مہم میں ایس۔آئی۔او کا تعاون کرنے کی اپیل کی۔ صدارتی تقریر میں برادر پی۔سی حمزہ نے مقررین کے نکات کا جائزہ لیا اور بعض وضاحتیں بھی کیں اور موجودہ تعلیمی پالیسی کی کمزوریوں کو واضح کیا اور کہا کہ موجودہ مسائل کا حل تعلیم نہیں بلکہ مذہب ہے کیونکہ تعلیمی میدان میں کہیں آگے ممالک بھی بے انتہا و بے پناہ مسائل میں جکڑے ہوئے ہیں۔ ملک کا تعلیمی نظام صرف ملازمت کے قابل بنا رہا ہے (طلبہ کو) جو کہ انگریزی کی دین ہے اور حکومت نے دانشوروں اور ماہرین تعلیم کی سفارشات کو سرد خانہ میں ڈال رکھا ہے جو کہ اخلاقی تعلیم کی جانب رہنمائی تحریک نہیں

کیرلہ

کالی کٹ :۔ کیرلا کی ریاستی حکومت کے ایک تازہ اعلامیے کی رو سے ی۔ ایس۔ سی امتحان میں شرکت کرنے والے پرائیوٹ امیدواروں کی عمر ۱۸ سال سے بڑھاکر بیس سال کر دی گئی ہے۔

اس اعلان نے خصوصاً مذہبی اداروں میں پڑھنے والوں اور مسلم طلبہ کو پریشان کر دیا ہے۔ مختلف حلقوں سے اسے واپس لینے کی اپیل کی گئی ہے۔ ایس۔ آئی۔ او کیرلا زون کے کارکنوں نے پورے ریاست میں ڈپٹی ڈائریکٹر (تعلیم) کے دفاتر پر مظاہرے کرے۔

ایس۔ آئی۔ او کی زونل سکریٹریٹ نے اپنی ایک قرارداد میں حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ غیر سائنٹفک اور نامعقول حکم کو واپس لے۔

جی۔ آئی۔ او (کیرلہ) نے بھی اپنی ایک قرارداد میں اس اعلان کی مذمت کی ہے اور حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ اپنے اس فیصلے پر نظر ثانی کرے کیوں کہ اس سے ایسی لڑکیوں کا مستقبل تاریک ہو جائے گا جو دشواریوں کے باوجود تعلیم حاصل کرنا چاہتی ہیں۔

کوٹائم :۔ کوٹائم ڈسٹرکٹ کی سوشل سروس کمیٹی کی جانب سے گزشتہ دنوں ایک ہاسپٹل کے ارد گرد کی گندگیوں کی صفائی کے لئے ایک دو روزہ مہم چلائی گئی۔ اس مہم کا آغاز ہاسپٹل کے سپرنٹنڈنٹ مسٹر ایم۔ جے۔ جوسف نے کیا۔ ۱۱ کارکنوں نے اس مہم میں حصہ لیا۔

برادر سی۔ ایم عبداللہ کا انتقال :۔ برادر سی۔ ایم عبداللہ (ممبر ایس۔ آئی۔ او) جو تریچور ضلع کے کیمپس سرکل کے انچارج بھی تھے گزشتہ دنوں ایک اسکوٹر کے حادثے میں انتقال ہو گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

برادر عبداللہ فاروق کالج کی جانب سے کالی کٹ یونیورسٹی یونین کے لئے منتخب بھی ہوئے تھے۔ انھوں نے اپنی کوششوں سے فاروق کالج میں ایس۔ آئی۔ او کے کام کو آگے بڑھایا۔

صدر تنظیم نے صدر حلقہ کیرلا کو اپنے ایک خط میں برادر عبداللہ کے انتقال پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا ہے اور دعا کی ہے کہ اللہ ان کی مغفرت فرمائے اور مرحوم کے خاندان کو صبر عطا فرمائے۔

تامل ناڈ

مدراس :۔ ایس۔ آئی۔ او تامل ناڈ زون نے مسلم طلبہ اور نوجوانوں کی فکری، اخلاقی اور تنظیمی تربیت کے لئے ۳ تا ۵ رجون کو ٹمبٹور میں "اسلامک یوتھ کیمپ" کا انعقاد کیا۔

کیمپ کے افتتاحی تقریب کی صدارت کرتے ہوئے صدر حلقہ برادر آئی۔ کریم اللہ نے اس بات پر زور دیا کہ طلبہ اور نوجوانوں کو ملک کے تئیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہونا چاہئے۔ انھوں نے کہا کہ جوانی کے لمحات بہت قیمتی ہوتے ہیں لیکن آج کے نوجوان ان لمحات کو کھیل کود اور تفریح میں ضائع کر رہے ہیں۔ وہ ایک بے مقصد زندگی گزار رہے ہیں۔ ملک کی ترقی اس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ نوجوانوں میں کوئی تبدیلی آئے۔

پروفیسر ٹی عبدالرحمٰن نے اپنی افتتاحی تقریر میں شرکاء کو مشورہ دیا کہ وہ برائیوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔ زندگی تو نیکی اور بدی کے درمیان کشمکش کا نام ہے اور ہمیں اپنی آخری سانس تک برائیوں کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ آپ نے مزید کہا کہ قرآن کے علاوہ کوئی دوسری کتاب نہیں جو انسان کو اس کے صحیح مقصد زندگی سے روشناس کرا سکے۔

سرپرست حلقہ جو اُن دنوں جماعت اسلامی ہند کی مجلس شوریٰ کی اجلاس میں شرکت کی وجہ سے اس کیمپ میں شریک نہ ہو سکے اپنے پیغام میں کارکنان تنظیم کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے کاموں کا جائزہ لیں اور یہ دیکھیں کہ اس میں کیا خامیاں اور کمزوریاں رہ گئی ہیں۔ اپنی خود احتسابی کے ساتھ انھیں آگے بڑھنا چاہئے اور جو ذرائع اور وسائل موجود ہیں اسے بروئے کار لاتے ہوئے اسلام کے پیغام کو عام کریں۔

"تربیت : کیا، کیوں اور کیسے" اس عنوان پر تقریر کرتے ہوئے مولانا رحمت اللہ شریف صاحب نے فرمایا کہ "اسلامی تعلیمات کے مطابق اپنی زندگی گزارنے اور آخرت کی زندگی کے لئے اپنے آپ کو تیار کرنا تربیت ہے۔ تربیت کے ذریعہ ہی ہم آخرت میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

ایک نومسلم جناب کوڈیکل چلپا نے اپنے تجربات کی روشنی میں بتایا کہ اسلام ہی اس ملک کے ذات پات کے مسئلے کا حل ہے۔ انھوں نے کارکنان تحریک کو اپنی اس بات سے سوچنے پر مجبور کر دیا کہ "میں آپ کی کوششوں سے اسلام کے آغوش میں نہیں آیا ہوں۔ آپ نے اپنی ذمہ داریاں ادا نہیں کیں ہے۔"

اس کیمپ میں جن دوسرے عنوانات پر گفتگو کی گئی وہ ہیں۔ تنظیم کا اپنے کارکنان سے کیا مطالبہ ہے؟ ایس۔ آئی۔ او کی تاریخ اور اس کے اہم فیصلے، مسلم پرسنل لا کے تحفظ میں مسلم امت کا رول، تحریک اسلامی۔ مقصد اور طریق کار، قرآن اور نوجوان، ہندوستان کی سماجی، مذہبی اور سیاسی صورت حال میں ایس۔ آئی۔ او کا رول وغیرہ

اس کیمپ میں جنرل سکریٹری ایس۔ آئی۔ او آف انڈیا برادر جاوید علی نے بھی شرکت کی۔

سکریٹری حلقہ برادر ایس۔ این سکندر نے ایس۔ آئی۔ او کی سرگرمیوں کی روداد پیش کی۔ جس میں بطور خاص حلقہ تامل ناڈ کا تذکرہ کیا۔ اجتماع میں عمومی سوال و جواب کا بھی پروگرام رہا۔

اپنے الوداعی خطبے میں صدر حلقہ نے فرمایا کہ ہم نے یہاں جو کچھ سیکھا ہے اسے اپنی روزمرہ کی زندگی میں جاری کرنا چاہئے ورنہ اس کیمپ میں شرکت بے معنی ہو گی۔

ریاست کے مختلف علاقوں سے ۱۱۹ طلبہ اور نوجوانوں نے اس تین روزہ کیمپ میں شرکت کی۔

یوپی

صدر تنظیم کا دورہ :۔ برادر پی سی حمزہ نے ۲۹، ۳۰ رجون اور پہلی دوسری جولائی کو گورکھپور، بلریا گنج، نانپارہ اور لکھنؤ کا دورہ

کیا گیا جس میں SIO کے کارکنان نے ... کے علاوہ ... احمد اللہ صدیقی کے مکان پر تھا۔ جماعت اسلامی، SIM اور SIO کی ملی جلی نشست رہی۔ ڈاکٹر صاحب نے اس بات پر زور دیا کہ SIO اور SIM کو اب بہت دنوں تک ایک دوسرے سے دور نہیں رہنا چاہیئے اور ایسی راہیں تلاش کرنا چاہیئے جہاں دونوں کا اتفاق ممکن ہوسکے۔

بعد نماز مغرب دیوان بازار کی مسجد کے سامنے ایک خطاب عام ہوا جس میں کم وبیش ۵۰ افراد شریک رہے۔ صدر تنظیم نے فرمایا آج دنیا ایک ایسے مذہب کی تلاش میں ہے جو اس کو سکون، اطمینان اور برابری عطا کرسکے، یہ پیاس کمزور اور غریب طبقوں کے اندر بھی پیدا ہورہی ہے اور ذہین اور پڑھے لکھے افراد کے اندر بھی، مغرب بھی اس کی تلاش میں ہے اور مشرق بھی۔ لیکن ہم ادھر سے غافل اور بے خبر ہیں اس سمت میں ہماری کوششیں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ پھر بھی لوگ تیزی سے اسلام کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اگر منظم ہو کر ہم اپنی کوششوں کو دعوت دین کی طرف موڑ دیں تو یہ رفتار تیز ہوسکتی ہے۔ آپ نے بتایا کہ ملک کی ۱۷ ریاستوں میں SIO کا کام ہورہا ہے۔ SIO جماعت اسلامی کی سرپرستی میں مسلم طلبا اور نوجوانوں کی سب سے مضبوط اور فعال تنظیم ہے۔

بلریا گنج:- میں SIO کے کارکنان کی خصوصی نشست کے علاوہ طلبا اور نوجوانوں کی ایک عمومی نشست کو بھی خطاب کیا جس میں بلریا گنج شہر کے ۳۵، ۴۰ طلبہ اور نوجوان شریک تھے۔

جامعۃ الفلاح:- میں SIO کے ذمہ داران اور کارکنان کی خصوصی نشست کے علاوہ SIM کے کارکنان سے بھی گفتگو رہی اور جمعیۃ الطلبہ کو بھی موقع فراہم کیا۔ آپ نے جامعۃ الفلاح کے طلبہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

جامعۃ الفلاح دنیا کے مشہور اداروں میں سے ایک ہے۔ اس کے فارغین ہندوستان کے علاوہ باہر دنیا میں بھی دعوت دین کا کام کررہے ہیں یہ ایک خوشی کی بات ہے۔ جامعہ دوسرے دینی اداروں کی طرح صرف قرآن وحدیث پڑھانے کا ادارہ نہیں ہے بلکہ اس کے قیام کا ایک عظیم امتیازی مقصد ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ تحریک اسلامی کے افراد کے لئے میدان کارزار میں معاون دستہ فراہم کیا جائے، دنیا میں بے شمار ادارے اور یونیورسٹیاں ہیں مگر رہنمائی کی امید صرف آپ ہی سے کی جاسکتی ہے۔ اس لئے آپ اپنے قیمتی اوقات قرآن وحدیث اور دیگر علوم کے گہرے مطالعہ میں صرف کریں اور اہل ملک کی فکری اور اخلاقی رہنمائی کریں سطحی علم نفع کی بنیاد نہیں بن سکتا۔

لکھنؤ:- دفتر حلقہ میں SIO کے کارکنان اور دوسرے طلبا اور نوجوان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ وقت آپ کا شدت سے انتظار کررہا ہے۔ تاریکی بڑھنے سے پہلے آپ قرآن وحدیث کی صاف وشفاف اور پاکیزہ روشنی کو لیکر ساری دنیا میں پھیل جایئے تاکہ کفر وشرک اور باطل کی تاریکیاں دور ہوسکیں۔ دورہ میں صدر حلقہ یوپی بھی ساتھ رہے۔

بنام صدور مقامی سرکل انچارج

برادر محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

امید کہ بخیر ہونگے۔

رفیق منزل مہم کے دوران جن لوگوں نے سالانہ یا ششماہی خریداری کے لئے اپنے رقوم جمع کرائے ہیں ان کی فہرست (Original Subscribers List) جلد از جلد دفتر رفیق منزل دہلی بھیج دیں۔

رقوم بذریعہ منی آڈر یا ڈرافٹ روانہ کریں۔ ڈرافٹ پر صرف اتنا لکھوائیں۔

RAFEEQUE-E-MANZIL

منی آڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ ضرور لکھیں۔ خریداروں کو ان کا پرچہ (انشاء اللہ) ستمبر کے شمارے سے بھیجا جائے گا۔

جاوید اختر
(منیجر)

بقیہ صفحہ ۲۶

صاحب بھی شریک رہے اور ہمیں استفادے کا موقع فراہم کیا۔ اور اس اجتماع کا اختتام بھی ان ہی کی اختتامی گفتگو سے ہوا۔ آپ نے اپنی گفتگو میں بہار میں تربیتی اجتماعات کی تاریخ پر روشنی ڈالی۔

اجتماع کے اختتام پر شرکاء کے دو دعوتی گروپ بنائے گئے اور دونوں دو مختلف علاقوں میں دس دنوں کے لئے نکل گئے۔ ایک گروپ دھنباد اور گریڈیہہ کے علاقے میں گیا اور دوسرا مغربی چمپارن کے دیوراج کے علاقے میں۔ دھنباد اور گریڈیہہ میں چار مقامات کا دورہ ہوا اور کل ملاکر تقریباً ۲۵۰ طلبہ ونوجوانوں سے انفرادی واجتماعی ملاقاتیں کی گئیں۔ انھیں دین کے صحیح تصور سے واقف کرایا گیا اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے ان کی ذمہ داری یاد دلائی گئی۔ اس دورے میں تربیتی واحتسابی اجتماعات بھی ہوئے بہار کے ایک بھائی نے جو اس دورے میں شامل تھے ایک مقام پر نماز جمعہ بھی پڑھائی اور عام مسلمانوں سے خطاب فرمایا۔

دوسرا گروپ دیوراج کے علاقے میں گیا جہاں کے پانچ قصبوں کا دورہ کیا گیا اور تقریباً ۳۰۰ طلبہ ونوجوانوں سے ملاقاتیں کی گئیں۔ دو مقام پر سرکل کا قیام عمل میں آیا۔ اسی علاقے میں اسکول ومدارس کے اساتذہ سے بھی ربط قائم ہوا اور دو مدارس میں دعوتی پروگرام ہوا۔

اب لوگ اپنے گھروں کو واپس ہوچکے ہیں۔ ان کی آگے کی تیاری اور مطالعہ کے لئے ایک ۳ ماہ کا نصاب بنایا گیا ہے اور یہ اندازہ لگانے کے لئے انھوں نے اسے پورا کیا یا نہیں اور کیا تو کتنا سمجھا ہے سوالات مرتب کرکے انھیں بھیجنے کا پروگرام ہے اس کے لئے جماعت کے بزرگوں اور SIO کے مختلف ذمہ داروں کا تعاون حاصل کیا گیا ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ اس سے ہمیں ہر طرح کا فائدہ حاصل ہو۔

اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تجربہ مفید ثابت ہوسکتا ہے اور بہت سے پہلوؤں سے ہمیں جو کمزوریاں نظر آتی ہیں ان پر قابو بھی پایا جاسکتا ہے اگر اسے جاری رکھا جائے●

نئی ہندی مطبوعات

آدابِ زندگی (ہندی) از: مولانا محمد یوسف اصلاحی

اسلام نے اپنے پیروؤں کو زندگی بسر کرنیکا جو ادب وسلیقہ سکھایا ہے اُسے اس کتاب میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے مومن کی زندگی ابھر کر سامنے آتی ہے۔ اس کتاب میں خوشی وغم، رہن سہن معاملات وغیرہ امور کے ساتھ عبادات کے اصول وآداب پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ امید ہے ہندی داں طبقہ اس سے پورا فائدہ اٹھائیگا۔

خوب صورت ٹائیٹل۔ عمدہ طباعت۔ قیمت: -/۲۵

پردہ (ہندی) از: مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

اس مشہور ومعروف کتاب نے ہزاروں لوگوں کی زندگی بدل دی، اس کتاب میں پردہ کے مسائل ہی بیان نہیں کئے گئے ہیں بلکہ اسلام کے معاشرتی نظام پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

معاشرہ میں عورت کو عزت کا جو مقام اسلام عطا کرتا ہے اس کی قدر وقیمت کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے۔ جبکہ ہم قدیم وجدید تہذیبوں کا مطالعہ کرتے ہیں مصنّف نے دنیا کی قدیم وجدید تہذیبوں کا بھرپور جائزہ لیا ہے۔

خوب صورت وپاکیزہ ٹائیٹل۔ روشن طباعت۔ قیمت: -/۲۰

شہادتِ حسینؓ (ہندی) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

اس کتابچہ میں انسانی بادشاہت اور ملوکیت کی تباحتوں اور اسلامی دستور کے بنیادی اصولوں کو وضاحت کیساتھ بیان کیا گیا ہے۔ شہادت حسینؓ کا پس منظر پیش کرتے ہوئے حضرت حسینؓ کے مومنانہ کردار پر روشنی ڈالی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ وہ اصل مقصد کیا تھا جس کیلئے حضرت امام حسینؓ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ —— خوبصورت ٹائیٹل عمدہ طباعت قیمت: ۵۰/۱

مرکزی مکتبہ اسلامی۔ بازار چتلی قبر۔ دہلی ۶

Edited, Printed and Published by MUNAWWER HUSSAIN on behalf of S.I.O. of India, 239, Abul Fazal Enclave, Okhla, New Delhi - 110025. Printed at Bharat offset press, Delhi-6, for Jamal Printing Press, Delhi-6.

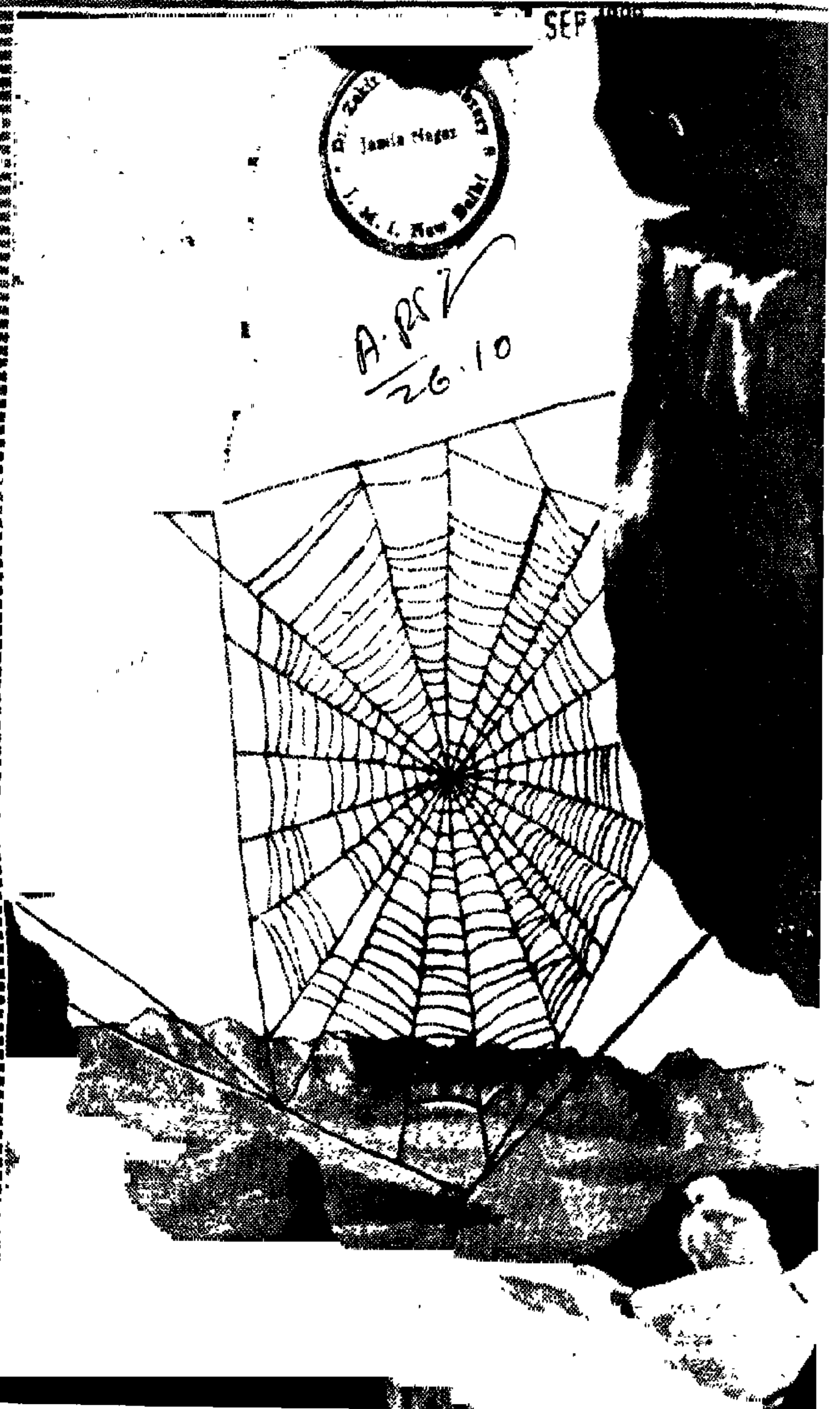
رفیق منزل

یوسف اسلام
انٹرویو

ایران۔ عراق جنگ
کا خاتمہ

تحریک اسلامی
ابتدائی دور

کیمپس نیوز



اردو آنرس کی پڑھائی شروع کی جائے

آپ کے موقر جریدہ کے ذریعہ طلبہ مسئلہ کی طرف عوام اور حکومت توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں۔

مہارانی جانکی کنور کالج بتیا، ضلع مغربی چپارن (بہار) کا سب سے پرانا کالج ہے۔ اس کالج کا نتیجہ پورے ضلع میں سب سے اچھا رہتا ہے۔ نئی تعلیمی پالیسی کے تحت یونیورسٹی نے صرف چند ہی کالجوں کا انتخاب آنرس کی پڑھائی کے لئے کیا ہے۔ یہ کالج بھی ان منتخب کالجوں میں سے ایک ہے۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ جہاں آرٹس اور سائنس کے سبھی مضامین میں آنرس پڑھانے کی اجازت ملی ہے وہیں صرف اردو اور سنسکرت آنرس میں داخلہ کرانے کی اجازت نہیں ہے جب کہ اس سلسلے میں کالج کی حد تک تمام ضروری کارروائیاں وغیرہ مکمل کر لی گئی ہیں۔ لیکن ابھی تک یونیورسٹی اور حکومت کی طرف سے اردو آنرس اور سنسکرت آنرس میں داخلے کیلئے اجازت نہیں ملی ہے جس کی وجہ سے اردو اور سنسکرت کے طلبہ کا تعلیمی سال برباد ہو رہا ہے۔ واضح رہے کہ یہاں اردو اور سنسکرت آنرس کی پڑھائی پچھلے کئی سالوں سے جاری تھی لیکن یہ پابندی اچانک اس سال سے لگائی گئی ہے۔

یہاں شعبۂ اردو کی طرف سے تین سالہ ڈگری کورس میں آنرس کی پڑھائی کے لئے کسی طرح کا کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اس شعبہ میں پہلے سے دو اساتذہ کام کر رہے ہیں۔

ان لوگوں کا کہنا ہے کہ کسی تیسرے آدمی کی بحالی فی الحال کوئی ضروری ہے اس لئے یونیورسٹی پر کسی طرح کا مالی بوجھ بھی نہیں پڑے گا۔

اس سلسلے میں پرنسپل صاحب کے ذریعہ سے بھیجا گیا ہے پرنسپل صاحب نے اس سلسلے میں تحریری طور پر تائید کی ہے اور اپنی طرف سے ہر ممکن تعاون کا وعدہ کیا ہے۔

لہٰذا ہم اردو طلبہ بہار یونیورسٹی مظفرپور اور حکومت بہار سے درخواست کرتے ہیں کہ ہماری پریشانیوں کی طرف جلد سے جلد توجہ دی جائے اور ہماری تعلیمی زندگی برباد ہونے سے بچایا جائے۔

ابو ظہیر ربانی
صدر اردو اسٹوڈنٹس یونین، ایم جے۔ کے۔ کالج بتیا۔

یہ امت ایک ہی امت ہے

محترم ڈاکٹر حسن رضا صاحب کا مضمون "اسلام تیر اویش ہے تو مصطفوی ہے" بہت پسند آیا۔ وہیں ایک چیز کھٹکی محترم ڈاکٹر صاحب کا لکھنا یہ بالکل درست ہے کہ ہمارے لئے علمائے کرام اور بزرگوں کا احترام نہایت ہی ضروری ہے مگر وہیں پر یہ لکھنا کہ ان کے آپسی اختلافات ہمارے لئے باعث رحمت ہیں کھٹکتا ہے۔ کیونکہ اگر علمائے کرام کے درمیان اختلافات پیدا نہ ہوتے اور وہ دھڑوں اور گروہوں میں تقسیم نہ ہوتے تو یہ امت ایک ہی امت ہوتی۔ تاریخ شاہد ہے جب ہم اس کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ہمیں بکثرت ایسی مثالیں ملتی ہیں جس سے یہ بات آسانی سے کہی جاسکتی ہے کہ امت کو تفرقہ اور انتشار میں ڈالنے والے یہ ہمارے بزرگ اور علمائے سوء ہی ہیں جنھوں نے اپنے بازار کو چمکانے کے لئے ایک دوسرے سے اختلاف کیا۔ اختلاف ہی نہیں بلکہ ایسے گروہوں کی شکل اختیار کرلی جو امت کے لئے نقصان دہ ثابت ہوئی۔

این اثر، اعظم گڈھ

مشورے

میں ہر ماہ "رفیق منزل" کا مطالعہ بڑے شوق سے کرتا ہوں۔ نوجوانوں میں دینی تحریک کا جذبہ ابھارنے کے لئے حسن البنا شہیدؒ و قطب شہید وغیرہ جیسی شخصیتوں کے کارنامے شائع کئے جاتے رہے گا۔ بجائے اس کے "میزان عمل" میں اضافہ کیا جائے۔ "تبصرہ" کے صفحات کو بھی ختم کردیں چونکہ تحریکی نوجوانوں کے لئے غیر موزوں ہے۔ مطالعہ حدیث یا درس قرآن کا سلسلہ جاری رکھیں تو مناسب ہوگا۔

خواجہ نصیر الدین، شکر نگر۔

سب کچھ اچھا ہے

"رفیق منزل" کا تازہ شمارہ باصرہ نواز ہوا سرورق جاندار ہے آئندہ اس میں مزید دلکشی پیدا کرتے رہیں تو بہتر ہوگا۔ اداریہ نپے تلے انداز میں جاندار ہے اور "چند باتیں شعور کی" تحریکی بھائیوں کے لئے مفید ہے۔ جاوید علی صاحب کا "تنظیم و ترتیب سے متعلق ایک خاکہ" بھی مفید اور کارگر ہے۔ کیریئر گائیڈلنس، جانب منزل وغیرہ ٹھیک ہیں اور اسی طرح کے مضامین کو آپ "رفیق" میں جگہ دیں تو بہتر ہوگا اور تربیتی مرکز 15 بہار کی رپورٹ اگر وقت پر چھپتی تو مزید سود مند ہوتی اور آئندہ کوشش کیجئے کہ رپورٹیں وغیرہ وقت پر چھپا کریں، مولانا حماد صاحب کا تراجم بھی بہت اچھا ہے "آغاخانی مسلک ایک تعارف" بہتر ہے آئندہ بھی کسی نہ کسی مذہب یا فرقہ کے بارے میں معلومات فراہم کریں۔ اس سے ہمارے علم میں مزید اضافہ ہوگا۔ متھلا یونیورسٹی پر مزید بحث کا انتظار ہے اور ایک چیز جس کی کمی محسوس کی گئی وہ یہ ہے کہ بہنوں کا کالم اس مرتبہ بھی نہیں آئندہ اس بات کا خاص خیال رکھیں کہ ان کے لئے بھی کچھ صفحات مختص کر دیئے جائیں۔

شمس نوید، اوکھلا، نئی دہلی۔

رسالہ کا معیار

رسالے کا موجودہ معیار عام طلبہ و نوجوانوں کے ذہنی و علمی معیار کے مطابق ہے مگر اس میں بتدریج اضافہ ہونا چاہیے تاکہ طلبہ کے ذوق و ذہن کی تربیت اور علمی استعداد میں اضافہ ہوسکے۔

رشاد عثمانی، جمشید پور

ماہنامہ

رفیقِ منزل

دہلی

جلد ۱ — ستمبر ۱۹۸۸ء محرم الحرام - صفر ۱۴۰۹ھ — شمارہ ۱

نقوشِ منزل

مدیر اعزازی

منور حسین فلاحی

منیجر : جاوید اختر

شرحِ خریداری

فی پرچہ	۲ روپے ۵۰ پیسے
ششماہی	۱۵ روپے
سالانہ	۲۵ روپے
غیر ممالک سے	۱۵۰ روپے

مقام اشاعت اور انتظامی امور میں مراسلت کا پتہ

Manager
RAFEEQUE-E-MANZIL
230, Abul Fazal Enclave
OKHLA, New Delhi - 110025

ڈرافٹ پر صرف اتنا لکھیں

RAFEEQUE-E-MANZIL

فون نمبر ____ 684 6530

خط و کتابت کرتے وقت اپنی خریداری نمبر یا ایجنسی نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔ منی آڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ ضرور لکھیں ____ منیجر

اداریہ — بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ خبر اسلامی دنیا میں بڑے رنج وغم کے ساتھ سنی گئی کہ ۱۷ اگست ۱۹۸۸ء مطابق ۳ محرم الحرام ۱۴۰۹ھ کی سہ پہر پاکستان کے صدر جنرل محمد ضیاء الحق ایک ہوائی حادثہ میں انتقال کر گئے۔ ان کی وفات سے پاکستانی تاریخ کا ایک اہم دور ختم ہو گیا ہے۔ ان کی شخصیت اور کارکردگی کے بارے میں مختلف رائیں ہو سکتی ہیں لیکن ان کی شرافت، مروت، شخصیت کی سادگی، جرأت، ذہانت و فراست کا ہر شخص معترف ہے۔ ان کی شخصیت کی عظمت کے لئے صرف اتنی بات کافی ہے کہ ان کے مخالفین جو ان کی زندگی میں ان کی خدمات کو نظر انداز کرتے رہے تھے آج بعد مرگ برملا طور پر ان کا اعتراف کر رہے ہیں۔

۱۹۷۷ء میں جب انتخابی بدعنوانیوں کے نتیجے میں پورا پاکستان سورشوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا اس وقت ضیاء الحق منظر عام پر آئے۔ ان کی پہلی نشری تقریر نے عام لوگوں کے ذہنوں پر ان کی اسلام سے محبت کا جو نقش چھوڑا تھا وہ آخر دم تک زائل نہیں ہو سکا گفتار میں ایسی یکسانیت دیکھنے کو کم ہی ملتی ہے۔ ذاتی زندگی کے مشاہدین اس کے کردار کی بلندی کے بھی گواہ ہیں۔ انھوں نے انصاف کے تقاضوں کی خاطر اپنے محسن مسٹر بھٹو کے ساتھ بھی جانبداری نہیں برتی۔ وہ شروع سے اخیر تک تمام نظامہائے حکومت کے مقابلے میں اسلام کی فوقیت کے دل سے قائل رہے اور پاکستان میں اسی نظام کی بالادستی چاہتے تھے۔ اپنے گیارہ سالہ دور اقتدار میں ان سے اس ضمن میں جو کچھ بن پڑا وہ سب کر دکھایا۔ گذشتہ تیس سالوں سے وہاں کے مختلف انتظامی شعبوں میں جس طرح کے ذہن اور ہاتھ سرایت کر چکے تھے ان کے ہوتے ہوئے اس سے زیادہ کر دکھانا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا۔ اسلامی نظام کے نفاذ سے مطلوبہ نتائج کے حصول میں وہاں جو ناکامی ہوئی ہے اس میں حکومتی اہل کاروں کی غالب اکثریت کا اس سے فکری طور پر ہم آہنگ نہ ہونا اور مختلف شعبہ ہائے زندگی میں کرپشن کی مستحکم بنیادوں کو بڑا دخل رہا ہے۔ اور یہی ناکامی اس حقیقت کو بھی واضح کرتی ہے کہ ایک موزوں حد تک معاشرے کی تعمیر واصلاح کے بغیر صرف منصب حکومت کی سطح سے کوئی اقدام اپنے حقیقی اثرات نہیں ڈال سکتا۔

اسلامی نظام کی بالادستی پر ان کے یقین کامل کا اس سے بڑا مظہر اور کیا ہو سکتا ہے کہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں تمام اسلامی ممالک کی نمائندگی کرتے ہوئے اس خیال کی ایسی جامع اور موثر ترجمانی کی جو اپنی نظیر آپ ہے۔ وہ دل وجان سے عالم اسلام کے اتحاد کے حامی اور اس کیلئے کوشاں تھے۔ افتراق کی ہر کوشش کو انھوں نے رد کر دیا۔ ایران وعراق جنگ میں ان کی پالیسی، سانحۂ مکہ کے سلسلہ میں ان کا موقف، مصر کی عرب ملکوں میں واپسی اس جذبہ کی بین مثالیں ہیں۔ یہ اسلامی نظام کی برتری پر ان کے ایمان کامل ہی کا اثر تھا کہ افغانستان میں روسی مداخلت کے بعد افغان مجاہدین کی اقتصادی وفوجی سرپرستی شروع کی اور لاکھوں مہاجرین کی وجہ سے ملک کے اقتصادی طور پر زیر بار ہونے کے باوجود کسی منصفانہ و پائیدار صورتحال کے بغیر ان مہاجرین کی واپسی کے لئے آمادہ نہیں تھے۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ مہاجرین عزت کے ساتھ اپنے وطن جا کر اپنی مرضی کی حکومت قائم کر سکیں۔ ان کے کارناموں میں سے ایک بڑا کارنامہ روسی افواج کی واپسی کا وہ سلسلہ ہے جو ابھی شروع ہوا ہے وہ تو دراصل مہاجرین کی باعزت واپسی کو اپنی دلی تمنا سمجھتے تھے جو ان کی بہت سی تمناؤں کی طرح ان کی زندگی میں پوری نہ ہو سکی۔ لیکن یہ بات واضح نہیں ہے کہ ملکی و غیر ملکی پالیسی کے سلسلہ میں انھوں نے جو خطوط کار مقرر کر دیئے ہیں آئندہ وہ برقرار رہ سکیں گے کہ نہیں کیونکہ وہ ملک کو کوئی پائیدار نظام دینے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ جہاز کے اس افسوس ناک حادثہ کے پس پشت ایک منظم تخریبی کارروائی تھی جس میں ان طاقتوں کے ملوث ہونے کا بڑا امکان ہے جن کے مفادات پر ان کی پالیسیوں کے ذریعہ ضرب پڑ رہی تھی۔

ملک کے اندر اسلامی کاز کے لئے کام کرنے والی تنظیموں کے ساتھ ان کی غیر ہم آہنگی کی توجیہہ بہت آسان ہے۔ سیاست کی یا عمل کی دنیا اس طرح سیدھی خط پر سفر نہیں کرتی جس طرح فکر کی دنیا میں انسان سفر کرتا ہے۔ اور ہر تنظیم کی ہر خواہش نہ پوری کی جا سکتی ہے اور نہ ہر اقدام کو حق بجانب قرار دیا جا سکتا ہے۔ جس طرح سیاسی دنیا کی نزاکتیں ہوتی ہیں اسی طرح اقتدار ومنصب بھی اپنی نزاکتیں رکھتا ہے۔ انھیں اگر پیش نظر رکھا جائے تو بہت سی غلط فہمیوں کے پیدا ہونے کا امکان ہے۔

اپنے پڑوسی ممالک کے ساتھ خوشگوار برادرانہ تعلقات قائم کرنے کے لئے انھوں نے جو جتن کئے وہ برصغیر کی تاریخ پر نظر رکھنے والوں کو ہمیشہ یاد رہیں گے۔ غیر جانبدار تحریک میں پاکستان کی شمولیت اور بغیر کسی دعوت کے مختلف بہانوں سے ہندوستان کے دورے اس کی اچھی مثالیں ہیں۔

غلطیوں اور کوتاہیوں سے عام انسانوں کی طرح وہ بھی مبرا نہیں تھے۔ لیکن اگر ایک فوجی شخص کی حیثیت سے ان کی زندگی کا جائزہ لیا جائے تو وہ برائے نام لغزشیں نظر آتی ہیں جو ان کی دیگر خوبیوں کی موجودگی میں کم ہو جاتی ہیں۔

انھوں نے اپنی سیاسی بصیرت کی بنیاد پر دنیا کے قائدین میں اہم مقام حاصل کر لیا تھا۔ اور عالم اسلام میں صف اول کے قائد شمار کئے جاتے [illegible] کے بارے میں سوچنے کی وجہ سے شاہ فیصل جیسی مرکزیت انھیں حاصل ہو گئی تھی۔ خدا انھیں ان کی خدمات کا بھرپور صلہ [illegible] اور عالم اسلام کو ان کا بدل عطا فرمائے۔ آمین

اخلاق کا تعلق انسانی زندگی سے

مولانا محمد فاروق خاں۔ (دہلی)

عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَؓ قَالَ: سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الْبِرِّ وَالْاِثْمِ، فَقَالَ: اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ، وَالْاِثْمُ مَا حَاکَ فِیْ صَدْرِکَ، وَ کَرِھْتَ اَنْ یَّطَّلِعَ عَلَیْہِ النَّاسُ ــــ (مسلم)

حضرت نواس بن سمعانؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نیکی اور گناہ کے بارے میں دریافت کیا۔ آپؐ نے فرمایا: "نیکی حُسن اخلاق ہے اور گناہ وہ ہے جو تمہارے سینہ میں کھٹک پیدا کرے اور تمہیں ناپسند ہو کہ لوگوں کو اس کی اطلاع ہو۔"

معلوم ہوا کہ نیکی اپنی حقیقت کے لحاظ سے حُسن اخلاق سے کوئی مختلف چیز نہیں ہے۔ حسن اخلاق ہی کا دوسرا نام نیکی ہے۔ جس کی زندگی حسن اخلاق سے خالی ہے وہ نیکی کے تمام محاسن سے محروم ہے۔ جس چیز سے آدمی کی طبیعت اِبا کرے، جس پر آدمی کا دل مطمئن نہ ہو جو دل میں چبھے جسے وہ خود معیوب سمجھتا ہو اور یہ پسند نہ کرتا ہو کہ وہ دوسرے لوگوں کے علم میں آئے، وہی گناہ ہے۔ اس کے برخلاف جو چیز ہماری فطرت کے مطابق ہو۔ جسے ہماری فطرت پسند کرے۔ جس کو عملاً اختیار کرنے سے دل کو خوشی اور فرحت حاصل ہو وہی نیکی ہے۔

نیکی اور گناہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ جس طرح سے روشنی اور تاریکی دونوں کا ایک ساتھ جمع ہونا ممکن نہیں اسی طرح نیکی (حسن اخلاق) اور گناہ کبھی جمع نہیں کیا جا سکتا۔ جو شخص گناہ کی راہ اختیار کرتا ہے وہ سب سے پہلے خود اپنے ساتھ بے وفائی کا رویہ اختیار کرتا ہے۔ گناہ درحقیقت ایک خیانت ہے جو آدمی اپنی فطرت اور اپنے ضمیر کے ساتھ کرتا ہے۔ جبکہ نیکی حقیقت میں خودشناسی، عزتِ نفس اور روح کی بیداری کا دوسرا نام ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَؓ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا الْاِیْمَانُ قَالَ اِذَا سَرَّتْکَ حَسَنَتُکَ وَسَاءَتْکَ سَیِّئَتُکَ فَاَنْتَ مُؤْمِنٌ۔ قَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! فَمَا الْاِثْمُ قَالَ اِذَا حَاکَ فِیْ نَفْسِکَ شَیْءٌ فَدَعْہُ ــــ (احمد)

حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ایمان کیا ہے؟۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: "جب تمہاری نیکی تمہارے لئے خوشی کا باعث ہو اور تمہاری بدی تمہارے لئے ناگواری کا سبب ثابت ہو تو تم مومن ہو۔" اس نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول پھر گناہ کیا ہے؟ ارشاد فرمایا: "جب کوئی چیز تمہارے دل میں تردّد پیدا کرے تو اسے چھوڑ دو۔"

جس طرح ایمان کا اخلاق سے گہرا تعلق ہے ٹھیک اسی طرح اخلاق ہماری پوری زندگی سے تعلق رکھتا ہے اور اسے متاثر کرتا ہے۔ مومنانہ اخلاق سے جو زندگی وجود میں آتی ہے اس میں نیکیاں محض نیکیاں نہیں ہوتیں بلکہ وہ آدمی کی زندگی میں سب سے بڑھ کر باعث سرور و راحت بھی ہوتی ہیں۔ اس طرح کی زندگی میں بدی اور برائی نہایت مکروہ اور ناپسندیدہ شئے کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر بشری کمزوری کے سبب سے کسی مومن سے کسی خطا اور برائی کا ارتکاب بھی ہو جاتا ہے تو اس کا ضمیر اسے جھنجوڑ کر رکھ دیتا ہے۔ اس کی ساری خوشی چھن جاتی ہے جب تک وہ اپنی غلطی کی تلافی نہیں کر لیتا اسے چین اور اطمینان حاصل نہیں ہوتا۔

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّؓ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِتَّقِ اللّٰہَ حَیْثُ مَا کُنْتَ وَاَتْبِعِ السَّیِّئَۃَ الْحَسَنَۃَ تَمْحُھَا وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ ــ (احمد، ترمذی، دارمی)

حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کا ڈر رکھو جہاں کہیں بھی ہو اور برائی کے بعد نیکی کر لو تاکہ نیکی برائی کو مٹا دے اور لوگوں کے ساتھ خوش خلقی کے ساتھ معاملہ کرو۔"

یہ ایک نہایت اہم حدیث ہے۔ آدمی جہاں کہیں اور جس حالت میں بھی ہو، امیر ہو یا مفلس، با اختیار ہو یا کمزور، رات کی تاریکی اور تنہائی میں ہو یا دن کی روشنی میں اور لوگوں کی نگاہوں کے سامنے خدا کی عظمت کا پاس و لحاظ اسے ہمیشہ ہونا چاہیئے۔ یہی چیز اسے ہر قسم کے ظلم و طغیان یا ذلت و پستی اور ہر قسم کے گناہوں سے بھی محفوظ رکھے گی اور یہی چیز اسے خدا سے بھی قریب کرے گی۔ یہاں تک کہ وہ خدا کا محبوب ترین بندہ بن سکتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر بدقسمتی سے آدمی سے کوئی برائی سرزد بھی ہو جائے تو خدا کی رحمت سے وہ مایوس نہ ہو فوراً تلافی کی فکر کرے۔ اس کی بہترین شکل یہ ہے کہ توبہ و استغفار کے ساتھ ساتھ کوئی ایسا نیک عمل بھی کرے جس سے اس

برادرانِ وطن اور ہماری داعیانہ سرگرمیاں

ڈاکٹر حسن رضا، رانچی

ہر مسلمان مبلغ ہے کیونکہ اسلام کا پہلا ستون توحید کی شہادت ہے جس کا مفہوم تحریکی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں اس لئے کہ جماعت اسلامی کے قیام کا مقصد ہی اسلام کی قولی اور عملی شہادت دینا ہے۔ مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتابچہ کے ذریعہ اسی شئی کی تفصیلی وضاحت بھی فرمائی ہے۔ چنانچہ برادران وطن میں اسلام کی دعوت کی دینی اور تحریکی اہمیت کو تحریک کے ابتدائی دور ہی سے واضح کیا جاتا رہا ہے۔ اور امت مسلمہ کے سامنے بھی یہ بات پورے دلائل کے ساتھ لائی جاتی رہی ہے کہ اس کی اصل حیثیت خیر امت کی ہے اور وہ (یعنی امت مسلمہ) اخرجت للناس کے منصب جلیلہ پر فائز ہے لہٰذا اس کے فرض منصبی کا عین تقاضا ہے کہ وہ عام انسانوں کے سامنے اسلام کی گواہی دے اور اس بھاری ذمہ داری کو ادا کرنے میں بڑی سے بڑی قربانیوں کے دینے سے گریز نہ کرے بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ بغیر قربانیوں کے یہ ذمہ داری ادا بھی نہیں کی جا سکتی۔

آزادی کے بعد بھی تحریک اسلامی نے اپنے لٹریچر میں مسلمانوں کے سامنے اس موقف کو شرح وبسط کے ساتھ پیش کیا ہے کہ مسلمان یہاں جن سنگین مسائل سے دوچار ہیں ان کا اصل حل بھی فاسق و فاجر اور خدا سے غافل قائدین سیاست کی مشروط و غیر مشروط حاشیہ برداری کے بجائے ان ذمہ داریوں کے ادا کرنے میں مضمر ہے جو بحیثیت خیر امت یا امت وسط ہم پر عائد ہوتی ہیں۔ کیونکہ اسلام کی قوت کا سرچشمہ مسلمانوں کے داعیانہ کردار میں پوشیدہ ہے لہٰذا داعی گروہ کو مدعو قوم کے ساتھ اپنے سیاسی و سماجی تعلقات میں اس اسوہ کو سامنے رکھنا چاہیئے جو انبیاء علیہ السلام، علماء حق اور صوفیائے عظام نے اپنے اپنے دور میں رکھا ہے۔

مولانا مودودیؒ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی آخری تقریر اجتماع مدراس میں آئندہ لائحہ عمل کے طور پر مشورہ دیا تھا کہ سیاسی مفادات کے حصول، معاشی حقوق کی کشمکش اور عہد حاضر میں زبان، رنگ، نسل اور محدود مذہبی تصورات پر بننے والی قوموں کے درمیان جو رقابتیں ہوتی ہیں اور اس کے سبب تحفظات کی جو جنگ برپا رہتی ہے ان معاملات میں دعوت کے وسیع تر مفاد اور قوموں کے اُخروی نجات کو سامنے رکھتے ہوئے اور اپنی تحریکی قوت کار کو پراگندی سے بچاتے ہوئے ایک طویل صبر آزما بے لوث دعوتی منصوبے کو لے کر چلا جائے۔

چنانچہ جماعت اسلامی ہند نے آزادی کے بعد اپنی پالیسی و پروگرام میں "دعوت" کو خصوصی اہمیت دی ہے اور برادران وطن میں اسلام کا حقیقی اور جامع تعارف، اس کے تقاضے اور اس کے سلسلے میں غلط فہمیوں کے ازالے کو اپنا ہدف بنایا ہے۔ اس کی اہمیت کو مختلف مضامین اور تربیتی اجتماعات کے ذریعہ ذہن نشین کرانے کی کوشش بھی کی جاتی رہی ہے۔

لیکن ان کوششوں کے باوجود یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس میدان میں خاطر خواہ کام نہیں ہو رہا ہے اس کے اسباب کا سراغ لگانا اور اس کا ازالہ ضروری ہے۔

پہلی بات دعوت کے میدان میں اصل چیز داعی کا خود اپنا جذبہ، اندرونی تڑپ اور فکر ہے یہی چیز داعی کو مدعو کے ساتھ ہر طرح کے ایثار، قربانی اور مطلوبہ جدوجہد پر آمادہ رکھتی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ لٹریچر میں اشاعت اسلام کی اہمیت اور اس کی وضاحت نیز شعوری سطح پر اس حقیقت کے اعتراف کے باوجود کہ اسلام اور تحریک اسلامی کا مستقبل اس ملک اکثریتی طبقے کے رویے سے متعین ہوگا جو وہ اسلام اور تحریک اسلامی کے ساتھ رکھیں گے۔ غیر شعوری اور جذباتی سطح پر ہم بھی اس قومی کشمکش سے متاثر ہوتے جا رہے ہیں جو اس ملک میں ہر سطح پر بدقسمتی سے برپا ہے۔ جس طرح ہندو احیائی تحریکیں جارحانہ رخ اختیار کرتی جا رہی ہیں اور مسلمانوں کو زندگی کے ہر شعبے میں فرقہ پرستی کو بھگتنا پڑ رہا ہے اس کے نتیجے میں ہماری داعیانہ تڑپ کو فرقہ پرستی کے ردعمل نے کند کر دیا ہے۔

اب ہم ان مسائل پر داعیانہ سطح کی بلندی سے گفتگو نہیں کرتے بلکہ ہماری آوازوں میں بھی قومی کشمکش کی جھنجھناہٹ،

سلہ یہ مقالہ دربھنگہ کے اجتماع ارکان منعقدہ اکتوبر ۸۷ء میں پڑھا گیا تھا نظر ثانی اور حذف و اضافے کے بعد عام استفادے کے لئے شائع کیا جا رہا ہے۔

یا پھر داعیانہ احساس اور قومی حمیت کے امتزاج سے پیدا ہونے والے تذبذب کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ اور یہ کوئی انہونی بات نہیں ہے ایسا ہونا انسانی گروہوں کی کمزوری ہے۔ میرا خیال ہے کہ اسی تعصب کے ردعمل نے ہماری داعیانہ سرگرمیوں میں وہ حرارت، جولانی، تازگی اور خلوص باقی نہیں رکھا جو ایک داعی میں مطلوب ہے۔

تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ احمد سرہندی رح کی زندگی پر بھی ہندو جارحیت کا ردعمل ہوا تھا۔ چنانچہ ان سے پہلے ہندوستان میں بزرگان اہل طریقت نے غیر مسلموں کے ساتھ سختی اور شدت کی تلقین نہیں کی تھی۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح کو بعض روایات کے مطابق ایک ہندو راجا نے تکلیفیں دیں انہوں نے اس راجا کے حق میں بددعا بھی کی لیکن ان کے ارشادات میں ایک عام ہندو کے خلاف انتقام اور غصے کا اظہار نہیں ملتا اور خواجہ بزرگ کے معتقدین میں ہندو بھی شامل تھے۔ یہی حال ان تمام بزرگوں کا ہے جنہوں نے عام باشندگان ملک کو اسلام کی ہدایت سے بہرہ ور کیا ہے۔

لیکن حضرت مجدد رح کا نقطہ نظر اس سے بہت مختلف تھا ان کے خطوط میں غیر مسلموں کے خلاف غیظ و غضب کا اظہار کثرت سے ہوا ہے اور انھیں ذلیل کرنے کی جا بجا تلقین بھی ہے وہ اپنے خط میں شیخ فرید کو بار بار ان کی اس رائے سے متفق نہ ہوتے تھے حضرت مجدد رح کا یہ طرز عمل ظاہر ہے اس جارحانہ ہندو احیائی تحریکوں کا ردعمل تھا جو ان دنوں زوروں پر چل رہی تھیں۔ کفار ہند بے تحاشا مسجدوں کو گرا رہے تھے اور اپنے مندر تعمیر کر رہے تھے۔ مسلمانوں کو طرح طرح کی مالی مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑ رہا تھا۔ حضرت مجدد رح کو ان واقعات کا بڑا قلق تھا بلکہ ہر باغیرت مسلمانوں کے دل مجروح تھے۔ اور ان کے دلوں میں ہندوؤں کے خلاف عداوت و نفرت کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ حضرت مجدد رح بھی اس سے متاثر ہوئے۔ اور ہندوؤں کے متعلق جو ان کا نقطہ نظر تھا وہ اسی کا ردعمل تھا۔ اگرچہ بعد میں ان کے طرز عمل میں ملائمت پیدا ہوئی جس کی بہترین مثال "المشرکون نجس" کی وہ تاویل ہے جو مجدد موصوف رح نے کی ہے۔

حضرت مجدد رح کی اس مثال سے خدانخواستہ ان کی تنقید مقصود نہیں ہے بلکہ حالات کے دباؤ اور ماحول کے اثرات کو دکھانا مقصود ہے کہ معاملہ جب دو قوموں کے دینی شعائر تک پہنچ گیا ہو تو حالات کتنے نازک ہو جاتے ہیں اور اس سے کیسے کیسے لوگ متاثر ہوتے ہیں۔ ایسے وقت میں نگاہوں کے سامنے اگر مستقبل کے دو چار سال نہیں بلکہ تیس چالیس سال نہ ہوں تو پھر حال میں الجھ جانا لازمی ہے۔ ماضی سے سبق لینا حال سے ایک مستقبل کے لئے نبرد آزما ہونا دوسری چیز ہے اور حال کے واقعات میں الجھ جانا ایک بالکل دوسری شئے ہے۔

خیر اس وقت تحریک اسلامی کی حکمت عملی ہمارا موضوع نہیں ہے۔ اصلاً جو چیز تاریخ کے حوالے سے ذہن نشین کرنا مقصود ہے وہ یہ کہ ہمارا داعیانہ جذبہ ان حوادثات سے منفی طور پر متاثر نہ ہو بلکہ جو اثرات اب تک ہوئے ہیں ان کا بھی ازالہ کیا جائے اور ایک نئے حوصلے کے ساتھ اس باب میں جدوجہد کی جائے اور حال کے واقعات حوادثات کا تجزیہ مستقبل کے وسیع ارضیئے کم از کم ایک نسل یعنی تیس چالیس سال کو سامنے رکھ کر کیا جائے۔

اس سلسلے میں دوسری بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے سامنے اس میدان کی وسعت اس کے مکمل ابعاد اور امکانات کا اندازہ نہیں آیا ہے اور اس میدان میں سماجی، معاشی، تہذیبی اور ثقافتی عوامل کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں اس پر کچھ زیادہ غور و فکر نہیں کیا گیا ہے۔

اس کام کی وسعت کا ایک اندازہ مولانا مودودی رح کے ان الفاظ سے کیا جا سکتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:-

"ہم نے ہر جگہ اس بات پر زور دیا ہے کہ مسلمانوں نے کبھی عیسائیوں کی طرح مشنری سوسائٹی بنا کر کام نہیں کیا ہے اس سے مراد یہ نہیں کہ ہم تنظیم کے ساتھ کام کرنے کے مخالف ہیں بلکہ دراصل مراد یہ ہے کہ یہ کام محض ایک جماعت یا چند جماعتوں کا نہیں ہے بلکہ اس کے لئے مسلمانوں میں تبلیغ دین کے ایک عام ذوق کی ضرورت ہے کہ ہر مسلمان اپنے آپ کو اس مقدس کام کے لئے مامور سمجھنے لگے اگر عام مسلمان اس ذوق سے بے بہرہ رہے اور محض ایک انجمن یا چند انجمنوں پر کام چھوڑ دیا جائے تو کبھی غیر مسلموں کے مقابلے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔"

اب جہاں تک ان کاموں پر اثر انداز ہونے والے عوامل کا سوال ہے ان کا صحیح اندازہ عہد وسطیٰ کی تہذیبی تصادم کی تاریخ اور جدید سماجیات کے مطالعے سے کیا جا سکتا ہے تفصیل کا موقع نہیں چند باتیں بطور اشارہ عرض کروں گا۔

بابا فرید گنج شکر رح کو اشاعت اسلام کے میدان میں جو کامیابی حاصل ہوئی وہ کامیابی نظام الدین اولیاء رح کو حاصل نہیں ہو سکی اس کا تقابلی مطالعہ ہمارے لئے نفسیاتی عوامل کا سراغ لگانے میں معاون ہو سکتا ہے۔ سندھ اور بنگال کی تاریخ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان جگہوں پر اسلام کی اشاعت میں بودھ مت کے اثرات نے مثبت رول ادا کیا ہے۔ آج بھی پیروان امبیڈکر کے نفسیاتی مطالعے کے بعد ہم ان کے دلوں پر دستک دے سکتے ہیں۔ کیونکہ بنگال میں اسلام جس وقت پھیلا اس وقت وہاں بودھ مذہب کی بگڑی شکل رائج تھی اور سندھ میں لوگ

بدھ مذہب کے پیرو تھے اور برہمن راجاسے سخت آزردہ تھے چنانچہ سندھ میں اشاعت اسلام کا اصل زمانہ وہ ہے جب مسلم حکومت کا دور ختم ہو چکا تھا۔

پھر کون نہیں جانتا کہ ۱۸۵۷ء کے بعد تقریباً چالیس سالوں تک اشاعت اسلام کا کام نہایت تیزی سے ہوتا رہا بلکہ انیسویں صدی کے نصف آخر کی تاریخ پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ اس زمانے میں باقاعدہ تبلیغی نظام قائم نہ ہونے کے باوجود نومسلموں کے تعداد میں ہر سال دس ہزار سے لے کر چھ لاکھ تک اضافہ ہوا ہے۔

مولانا عبدالحیؒ سید احمد شہیدؒ کی تحریک جہاد کے ایک ستون تھے۔ ان کا معمول تھا کہ جمعہ اور سہ شنبہ کو نماز ظہر کے بعد شام تک وعظ فرماتے تھے لوگ پروانہ وار جمع ہوتے اور روزانہ ۱۰ — ۱۵ اہل ہنود اس چشمے سے آزاد ہوتے۔ تاریخ کے یہ چند واقعات بظاہر آسان معلوم ہوتے ہیں لیکن اس کے پیچھے بہت سارے خاموش عوامل کارفرما ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر ہنٹر کا بیان ہے کہ ان لوگوں کے لئے جن میں مفلس، ماہی گیر، شکاری، قزاق اور رادنی قوم کے کاشتکار تھے اسلام ایک اوتار تھا جو ان کے لئے آکاش سے اترا تھا وہ حکمراں قوم کا مذہب تھا اس کے پھیلانے والے باخدا لوگ جنہوں نے توحید، مساوات کا مژدہ اس قوم کو سنایا جس کو سب ذلیل وخوار سمجھتے تھے۔ اسی ایک واقعہ میں معاشی اور سماجی عوامل کا اندازہ آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔

ایک مورخ کے خیال میں اسلام کی کامیابی کی اصل وجہ اس کی روحانیت اور مساوات تھی۔ اسلام نے شہروں سے زیادہ دیہات میں اونچی ذاتوں سے زیادہ نیچی ذاتوں میں فروغ پایا۔ آج کے ہندوستان میں مختلف علاقوں کے سماجی روایات، تہذیبی وثقافتی پس منظر، معاشی اور سیاسی صورتحال سے پیدا ہونے والے ذہنی شاکلہ اور شعوری افق کا جائزہ لے کر اشاعت اسلام کا کام زیادہ موثر انداز سے کیا جا سکتا ہے۔ مختلف زبانوں میں تراجم کی حد تک تو ہمارے یہاں کام ہو رہا ہے لیکن اس کام کے پورے ابعاد (Dimension) کا احاطہ اس پر اثر انداز ہونے والے تمام عوامل کے جائزے کے بغیر ممکن نہیں۔ سنوسی مبلغین نے وسط افریقہ میں خواتین کے اداروں سے اشاعت اسلام کا کام کس طرح لیا تھا اس سے بھی استفادہ کیا جانا چاہیئے۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ دعوت کے اس کام کو ہم سادہ Arithemetic progression کے انداز میں سوچتے ہیں جب کہ اس کی تہہ داری اور پیچیدگی ہم سے کچھ اور ریاض کا مطالبہ کرتی ہے۔

لہٰذا ہم کو چاہیئے کہ مذکورہ دو کام پہلا قومی کش مکش سے پیدا ہونے والے ردعمل کا مداوا جو داعیانہ جذبے کو گرد آلود کر دیتا ہے اس سے صرف کارکنوں کو نہیں بلکہ عام مسلمانوں کو بچایا جائے۔ میری مراد ملی شعار اور ان مسائل کے سلسلے میں خدانخواستہ مداہنت کی نہیں ہے۔ عزیمت جرأت داعی گروہ کی سب سے بنیادی خصوصیت ہے البتہ ان مسائل کے حل گفتگو اور اظہار میں ایک داعیانہ سطح اور حکیمانہ جرأت ہوتی ہے جس میں قومی لیڈروں کا سا گھن گرج چاہے کم ہو لیکن ہمالیائی وزن ضرور ہوتا ہے اور اس کے ساتھ بے سمتی اور بے صبری بھی نہیں ہوتی۔

دوسرا کام تہذیبی، ثقافتی عمل کا بہاؤ قوموں کے شعوری افق کے مطابق وحی الٰہی کی طرف کرنے کی کوشش کی جائے اور اس کام کے لئے نئی نسل میں قربانی کا شدید جذبہ پیدا کر کے ہر محاذ پر لگوایا جائے۔ پوری امت کے ذہین نوجوانوں اور ان کے اداروں کو دعوت کے دور رس اور نتیجہ خیز کاموں میں لگا دیا جائے اور ایسے لوگوں کو کہ اثر انداز ہونے کی صلاحیت رکھتے ہوں انھیں تمدن کے مراکز میں نفوذ کر کے اثر انداز ہونے کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ جہاں سے تاریخ کے بہاؤ کے رخ پر اثر ڈالا جا سکتا ہے پھر عوامی سطح پر اہل ملک سے زندہ، فعال روابط پیدا کر کے ایک بہتر روحانی زندگی کی عملی شہادت دے کر روحانی فتوحات کا دروازہ کھولا جائے کیونکہ اسلام کے روحانی فتوحات اس کے جغرافیائی فتوحات سے زیادہ وسیع ہیں۔ اور جس سطح پر کسی کے ساتھ ظلم، ناانصافی ہو رہی ہے اس تصور استحصال کے خلاف نفرت کا ایک عملی رویہ اور مظلوموں وکمزوروں کے ساتھ حمایت وتعاون کا ہاتھ بڑھا کر بین الانسانی کردار کا رول ادا کرنا چاہیئے جس کا محرک اپنا احساس عدم تحفظ نہ ہو بلکہ اسلام کے تصور عدل کا شعور اور جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ ہو اور یہ کردار فقط "وعظ" یا "خون جگر پینے" تک محدود نہ رہے بلکہ پہلے مرحلے میں جھپٹنا، پلٹنا اور پھر اگر چمن کی حنا بندی ہم سے لہو کی چند بوندوں کا نذرانہ مانگے تو اس سے بھی دریغ نہ کیا جائے۔

فطرت لہو، ترنگ ہے غافل نہ جل ترنگ
(اقبال)

مضمون نگار احباب سے

• نئے مضمون نگار پہلی مرتبہ مضمون لکھنے سے قبل اپنے مقام پر کسی اہل قلم کو ایک مرتبہ دکھا کر مشورہ لے لیں۔
• اپنے مضمون میں اگر کسی کی کتاب سے اقتباسات لئے گئے ہوں تو انکے حوالے ضرور دیجئے۔
• جواب طلب امور کے لئے بہتر یہ کہ جوابی کارڈ یا لفافہ جو مناسب سمجھیں ارسال فرمائیں ———— (ادارہ)

جناب یوسف اسلام سے ایک انٹرویو

یوسف اسلام کی شخصیت اب محتاج تعارف نہیں۔ سابق پاپ سنگر کیٹ اسٹیونس جنھوں نے اسلام کی حقانیت سے متاثر ہوکر ۱۹۷۷ء میں اسلام قبول کیا ان دنوں لندن میں اسلامک ایڈ نامی ایک ادارہ چلارہے ہیں۔ پیش ہے موصوف سے ایک انٹرویو جسے سعودی گزٹ نے لیا تھا۔ انگریزی سے ترجمہ کیا ہے ملک عزیز احمد فلاحی (دہلی) نے۔



سوال: آپ اس وقت مسلمان ہیں تو مسلمانوں کے سلسلے میں آپ کے کیا تاثرات ہیں؟

جواب: میرا خیال ہے کہ مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد اپنے مقصد کو بھلا چکی ہے۔ کیونکہ وہ بذات خود قرآن کا مطالعہ نہیں کرتے ہیں۔ یہ علم کا جوہر ہے اور ان لوگوں کو صراط مستقیم کی رہنمائی کرتا ہے جو ہمہ وقت اس کو سمجھنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اسلام کی حقیقت صرف ایک چیز ہے۔ اپنے آپ کو اللہ کے آگے جھکا دینا اور اس کے رسول محمدؐ کی پیروی کرنا۔ یہ ہمارے لئے جنت میں جانے کا سیدھا راستہ ہے۔ ہمیں اپنے علم کے ذریعہ حق و باطل میں فرق کرنا چاہیئے اور ان لوگوں سے قریب رہنا چاہیئے جو صراط مستقیم پر گامزن ہیں۔ یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے علم کے خزانے کو محفوظ رکھا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ تمام مسلمان آپس میں مل کر اسلام کی کوشش کریں۔

سوال: اسلام سے پہلے آپ جن غلط چیزوں کے عادی تھے انھیں چھوڑنے میں آپ کو کیا دقتیں پیش آئیں۔

جواب یہ کوئی مشکل بات نہیں تھی کیونکہ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ ان چیزوں کو چھوڑنے میں میں حق بجانب ہوں جو کہ مجھے تباہ کررہی تھیں۔ مثلاً شراب پینا، سگریٹ پینا اور سودخوری وغیرہ۔ ہاں، میرے لئے سب سے مشکل کام پرانے دوستوں سے بچنا تھا۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ وہ اسلامی تعلیمات کو کیوں نہیں اختیار کرلیتے۔ میں نے بغیر قطع تعلق کئے ان سے ممکنہ حد تک جڑے رہنے کی کوشش کی، لیکن ایک مرحلہ ایسا بھی آیا جب مجھے اپنے دین کی خاطر اپنے ماضی کے تعلقات اور اسلام کے درمیان حتمی تفریق کرنے کا فیصلہ کرنا پڑا۔ اس سلسلے میں مجھے کئی آزمائشوں سے بھی گزرنا پڑا۔ مثال کے طور پر جب میں غیر مسلموں کے درمیان ہوتا تو علیحدگی کے لئے ان سے معذرت کرتا اور خاموشی سے نماز کی ادائیگی کے لئے چلا جاتا میں ان کو اس کی اطلاع نہیں دیتا کہ کہاں جارہا ہوں اس لئے لوگوں کو اس پر معمولی حیرت ہوئی۔ لیکن میں ایک دن یہ اعلان کردینے کا فیصلہ کرلیا کہ میں اپنے رب کی عبادت کے لئے جارہا ہوں۔ اس پر تمام لوگوں نے میری بڑی پذیرائی کی۔ جب انسان اپنے فرض کی ادائیگی کیلئے اٹھ کھڑا ہوتا ہے تو اللہ اسے اس کے لئے آسان بنا دیتا ہے اس کے بعد مجھے کبھی کسی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

سوال: ایک بڑی تعداد آج کل پاپ میوزک کی دیوانی ہے جس میں کچھ مسلمان بھی شامل ہیں۔ اس سلسلے میں آپ کے کیا تاثرات ہیں؟

جواب: افسوس ہے آج کل لوگ اپنی فطری خواہشات کی تکمیل غلط اور گھٹیا طریقوں سے کررہے ہیں۔ ریکارڈس، فلم، ٹیپ، فلمی رسائل وغیرہ صرف پیسہ کمانے کے ذرائع ہیں پاپ میوزک سننا خواب کے مانند ہے۔ یہ روح کی عارضی سکون کے لئے ہے جو لوگ اس طرح کی میوزک سنتے ہیں عام طور پر پریشان حال ہوتے ہیں اور کسی سکون کی تلاش میں رہتے ہیں۔

سوال: کیا آپ نے میوزک کا کام بند کردیا ہے؟

جواب: میں نے میوزک کے سلسلے میں اپنی تمام ترمصروفیات کو ختم کردیا ہے۔ اس خدشے سے کہ یہ کبھی صراط مستقیم سے ہٹا دیں گے۔ لیکن میں ادعائی طور پر یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں آئندہ یہ شغل اختیار نہیں کرونگا۔ کیونکہ آپ انشاءاللہ کے بغیر کوئی بات نہیں کہہ سکتے۔

سوال: اپنے کیریئر کے طور پر آپ نے کس چیز کو اپنایا ہے؟

جواب: میں ابھی صرف اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لئے کام کررہا ہوں۔ اس نے مجھے نئی زندگی دی اور اس نے تمام ضرورتوں کی تکمیل کا انتظام کیا۔ میں اپنے ممکنہ وسائل و ذرائع سے برطانیہ میں اسلام کے پیغام کو عام کرنے کا ایک ذریعہ بن جانا چاہتا ہوں۔ سماج اس معاملہ میں دن بدن مضبوط تر ہوتا جارہا ہے۔ تو اس وقت یہی کام میری ذمہ داری ہے۔ میں عربی زبان سیکھ رہا ہوں اور اس کا مقصد قرآن کو سمجھنے کے لائق ہوجانا ہے۔ مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد قرآن کو پڑھ سکتی ہے لیکن اس کا پڑھنا کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا، میرے نزدیک قرآن سمجھنا چاہیئے اس کی ہر ہر آیت مکمل ہدایت ہے اور اپنے موضوع پر ایک مکمل باب۔ قرآن کے ساتھ لوگوں کے اس سلوک پر مجھے دکھ ہوتا ہے۔ جو اس کو خاطر خواہ اہمیت نہیں دیتے۔ حالانکہ یہ اللہ کا ابدی کلام ہے اور ہر مومن کے لئے مرکزی اہمیت

بقیہ صفحہ ۳۱ پر

یہ امت ایک ہی امت تھی

سید محمد اقبال، گیا

اسلام ہی ہمیشہ سے خدا کا دین رہا ہے۔ تمام انبیا نے اسی دین کی طرف اپنی قوم کو دعوت دی ہے۔ جس کی اصل توحید ہے۔ توحید کی اس دعوت کو قبول کرنے والے گروہ انسانی سے ایک امت تشکیل پاتی رہی ہے۔ إِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً۔ اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ انبیاء کی امتیں تھوڑے تھوڑے دن ہی اپنی وحدت کو باقی رکھ سکیں۔ علم آجانے کے بعد وہ جہالت کی طرف گامزن ہوگئیں، دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرلیا۔ دین کے بعض اجزاء کو ہی پورا دین مان لیا اور اسی میں مگن رہنے لگے۔ اس کا سبب آپس کا بغض و عناد بھی تھا، خوف خدا کی کمی اور مقصد اصلی سے انحراف بھی۔ ہر امت ایک خاص وقت تک ہی باقی رہ سکی۔ مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ۔ پھر بگڑی ہوئی انسانیت سے ایک دوسرا گروہ اٹھایا گیا ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قُرُونًا آخَرِينَ۔

جب انبیاء کا سلسلہ دنیا میں قائم تھا تو امتوں کے انحراف کو دور کرنے کے لئے ایک کے بعد دوسرے نبی آتے رہے۔ بعض اوقات تو ایک ہی وقت میں کئی کئی انبیاء ان کے بگاڑ کو دور کرنے میں مصروف رہے۔ لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ختم نبوت کے بعد صورت حال میں ایک بڑا فرق آگیا ہے۔ دین قیامت تک کے لئے محفوظ و مامون ہوگیا ہے مگر اس کے ماننے والے نسلاً بعد نسلٍ انحراف سے محفوظ و مامون نہیں رکھے گئے۔ اس کا وعدہ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ سے بھی نہیں کیا (البقرہ ۱۲۴) ان کی نسلوں کا انحراف خاتم النبیینؐ پر اس قدر واضح تھا کہ آپ نے کئی پیشین گوئیاں کیں، متنبہ کیا اور احتیاطی تدابیر بھی بتائیں۔ آپ نے صاف صاف فرمایا کہ تم وہ سب کچھ کروگے جو بنی اسرائیل نے کیا یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے بل میں گھسے ہوں گے تو تم بھی گھسوگے۔ آپ نے اس سے بچنے کی تدبیریں بھی بتادیں کہ تم قرآن اور میری سنت کو مضبوطی سے پکڑے رہنا۔

اس امت کو امت بنانے والی چیز امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نصب العین ہے۔ انبیاء کا مشن ایک ایسے معاشرے کا قیام ہوا کرتا تھا جس میں برائیاں مٹیں اور بھلائیاں پروان چڑھیں۔ اول درجے میں یہ کام تمام انسانوں کا ہے کہ وہ زمین میں خلافت الٰہی قائم کریں۔ پھر یہ کام ان لوگوں کے ذمہ کیا گیا جو خود کو نبیوں کی امت اور دین کا وارث سمجھتے ہیں۔ لیکن جب یہ امت بھی بحیثیت مجموعی اس کام سے غافل ہوجائے تو پھر ایک جماعت تو ہونی ہی چاہئے جو اس کام کو انجام دے۔ ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر۔

یہ جماعت امت کے بقیہ حصوں کو بھی ان کا مقام یاد دلائے گی اور انسانیت کے بقیہ حصوں کو بھی اسلام کی طرف بلاتی رہے گی یہاں تک کہ غلبۂ دین کی صورت پیدا ہوجائے۔ اس جماعت کے ساتھ کام کرنے والے لوگوں میں جماعت اور امت کا فرق بہت نمایاں اور واضح ہونا چاہئے کہ کہیں جماعت کو ہی امت نہ سمجھا جانے لگے۔ جماعت اور الجماعت کا فرق بھی سب پر واضح ہونا چاہئے۔ دنیا کے کسی حصے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے اٹھنے والے لوگوں کے اندر اپنے نصب العین سے والہانہ محبت کے ساتھ ساتھ اس اجتماعیت اور اس کے فیصلوں کا بھی پورا پاس و لحاظ ہونا چاہئے جسے انھوں نے قائم کیا ہو۔ یہ اجتماعیت ایک مفہوم میں ناقص ضرور ہوتی ہے مگر اپنے آپ میں مکمل بھی ضرور ہونا چاہئے۔ اس کے بغیر اس کا آگے بڑھنا محال ہے۔ اس سے وابستہ لوگوں کا اپنے نصب العین کی حد تک پورا پورا Fundamentalist ہونا بھی ضروری ہے بلکہ ان کے اندر ایک طرح کی مثبت عصبیت بھی پائی جانی چاہئے۔ ورنہ ہوا کا ہر جھونکا اور ماحول کی ہر تبدیلی ان پر اثر انداز ہوگی۔ اپنے مشن پر ان کا یقین کمزور ہوگا اور ان کی سرگرمیوں کا رخ اپنے ہدف سے دور ہونے لگے گا۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ دنیا میں ہونے والی بڑی بڑی تبدیلیاں ایک قلیل اور منظم گروہ کے ہاتھوں انجام پائی ہیں۔

یہ امت ایک ہی امت تھی۔ جب رسول کریمؐ دنیا سے رخصت ہوئے تو اپنے پیچھے ایک امت چھوڑ گئے۔ یہ امت ایک وحدت میں ایک وقت خاص تک باقی رہی۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا، پھر جنگ جمل اور جنگ صفین ہوئی، پھر گروہ بندیوں کا سلسلہ چلا۔ خارجیہ اور معتزلہ نے جنم لیا، پھر واقعہ کربلا ہوا، پھر خلق قرآن کے فتنے نے جنم لیا، پھر مہدویت کا سلسلہ شروع ہوا۔ لوگوں نے نبوت کے دعوے کئے اور ان دعووں کی پذیرائی بھی ہوئی اور اسی امت کے لوگوں نے اس پر لبیک کہا۔ قادیانیت کا فتنہ پھیلا تو اس پر ایمان لانے والے آریہ سماجی اور پارسی نہ تھے بلکہ اسی امت کے لوگ تھے۔ اس امت میں وہ لوگ بھی ہیں جو پورے خلوص دل سے ایک دوسرے کو کافر و مشرک سمجھتے ہیں اور ان کے جہنمی ہونے کے قائل ہیں۔ ایک دوسرے کو ہی نہیں معزز اصحاب

بقیہ صفحہ ۱۲ پر

اسلامی انقلاب کے اصل سرمائے

عربی تحریر: حسن البنا شہید
ترجمہ و تلخیص: صفدر سلطان اصلاحی
علی گڑھ

اسلامی انقلاب لانے کے ہمارے پاس وہی سرمائے ہیں جو ہمارے اسلاف کے پاس تھے۔ ہم انہی ہتھیاروں سے جنگ کریں گے جس سے ہمارے قائد و رہنما محمد مصطفیٰ ﷺ اور ان کے اصحاب نے جنگ کی تھی، انتہائی کم تعداد اور کمزور وسائل کے باوجود آج سے چودہ سو سال قبل باطل کے خلاف جو جنگ کی گئی تھی اسی طرح ہم بھی موجودہ باطل نظام کے خلاف جنگ کریں گے۔

ہمارے اسلاف کو اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی تائید پر پختہ یقین تھا۔" اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب ہونے والا نہیں"۔

ہمارے اسلاف کو اپنے قائد کی صداقت اور امانت پر مکمل اعتماد تھا۔" بلاشبہ تمہارے لئے رسولؐ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے"۔

ہمارے اسلاف کو اسلامی نظام کی خوبی اور عمدگی پر بھی کامل یقین تھا۔" بلاشبہ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے روشنی اور واضح کتاب آگئی ہے جس سے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت دیتا ہے جو اس کی رضا یعنی سلامتی کے راستوں کا اتباع کریں۔

ہمارے اسلاف کو اسلامی اخوت، اس کی پاکیزگی اور اس کے حقوق کا پورا پاس و لحاظ تھا۔" بلاشبہ مومن بھائی بھائی ہیں"۔

ہمارے اسلاف کو روز جزا کی آمد اور اس کی عظمت پر بھی یقین تھا انہیں اس بات پر بھی یقین تھا کہ وہ ایسی امت کے فرد ہیں جس پر خدا کی جانب سے پورے عالم کو بیدار کرنے کی ذمہ داری عائد کی گئی ہے اسی لئے ان کو عام انسانوں کے مقابلے میں ایک نمایاں اور ممتاز مقام حاصل ہے وہ خیر امت ہیں۔

بلاشبہ ہمارے اسلاف نے اللہ کی طرف دعوت دینے والے کی آواز سنی اور اس پر ایمان لائے چنانچہ ہم لوگ بھی اللہ سے امید کرتے ہیں کہ وہ ہمارے اندر ایمان کی محبت پیدا کر دے گا اور وہ اسے ہمارے دلوں میں اسی طرح مزین کر دے گا جیسے اس نے ہمارے اسلاف کے دلوں میں کیا۔ پس ایمان ہماری دعوت کا پہلا سرمایہ ہے

ہمارے اسلاف کو یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ ان کی دعوت جہاد، مال و جان کی قربانی اور انفاق کے بغیر کامیاب نہیں ہوسکتی۔ پس انہوں نے اپنی جانوں کو پیش کر دیا اور اللہ کی راہ میں یکسو ہو کر جہاد کیا۔ انہوں نے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے مطالبۂ جہاد و انفاق کو بغور سنا اور سمجھا۔ پھر اپنی ہر مرغوب شے کو راضی برضا اور خوش و خرم چھوڑ دیا۔ اللہ سے ملاقات کی خواہش اور اس کے انعامات کی تمنا نے انہیں دنیا و مافیہا سے بے نیاز کر دیا۔ تاریخ شاہد ہے کہ راہ جہاد میں نکلتے وقت بعض صحابۂ کرام نے اپنے گھروں میں اپنے بچوں کی کفالت کے لئے خدا اور رسول کے علاوہ اور کچھ نہ چھوڑا۔ وہ میدان جہاد میں موت سے معانقہ کرتے ہوئے جنت کی خوشبو محسوس کرتے تھے۔ جام شہادت نوش کر لینا ہی انکی سب سے بڑی آرزو تھی۔

بلاشبہ تاریخ میں سیکڑوں مثالیں بکھری پڑی ہیں جو صحابۂ کرام کے ایثار و قربانی کی واضح شہادت فراہم کرتی ہیں اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ جہاد ہمارا دوسرا اہم سرمایہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات پر مکمل ایمان اور اس کی راہ میں جہاد کرنے کے بعد ہمیں اللہ کی مدد پر پورا اعتماد اور اس کی تائید پر بھرپور یقین ہے۔ ارشاد باری ہے: "اور اللہ تعالیٰ ضرور مدد کرے گا ان کی جو اس کی مدد کریں گے۔ بلاشبہ اللہ مضبوط اور طاقت ور ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اگر ہم ہیں زمین میں اقتدار بخشیں تو یہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور بھلائیوں کا حکم دیں گے اور برائیوں سے روکیں گے اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے معاملات کا انجام ہے"

اس رائے کو دیکھ کر بعض لوگ یہ کہیں گے کہ یہ محض ایک خیال اور وہم ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ ان کا یہ دعویٰ ہوگا کہ صرف ایمان اور جہاد کے ذریعہ دور جدید کی سپر پاور طاقتوں اور مہلک ہتھیاروں کا مقابلہ کرنا ممکن نظر نہیں آتا۔ اس ایٹمی دور میں ایمان و جہاد سے اپنے حقوق کو حاصل کر لینا اسی طرح ناممکن ہے جیسے شیر کے دست و بازو میں ہوتے ہوئے نجات کی خواہش کرنا۔

اس خیال کا اظہار بہت سے لوگ کریں گے۔ در اصل یہ معذور لوگ ہیں۔ یہ اپنی ذات سے مایوس ہو چکے ہیں۔

ان کو خدا کی ذات پر اعتماد اور اس کی نصرت پر یقین نہیں۔ لیکن ہم اپنی حد تک خدا پر مکمل یقین اور اس کی نصرت پر محکم بھروسہ کرتے ہیں ہمارے سامنے اس کا یہ ارشاد ہے: "تم کافروں کی تلاش میں سستی نہ کرو اگر تمہیں دکھ پہنچتا ہے تو ان کو بھی دکھ پہنچتا ہے جیسا تم کو پہنچتا ہے۔ اور تم اللہ سے وہ امید رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔"

ہمارے اسلاف جنھوں نے دنیا کو زیر کیا اور جن کی حکومت کا ڈنکا بجا تعداد اور سامان میں زیادہ نہیں تھے۔ ان کے پاس مادی سروسامان کی وافر مقدار بھی نہ تھی۔ ہاں وہ اللہ پر ایمان رکھنے والے اور راہ جہاد میں بے خطر کود پڑنے والے تھے اپنے اسلاف کی طرح ہم کو بھی اللہ کی مدد پر یقین ہے۔ ہمارے سامنے رسول اکرمؐ کے یہ اقوال اور یقین دہانیاں ہیں۔ ایک روز آپؐ نے حضرت خبیبؓ یہ خوشخبری سنائی کہ یہ دین ضرور غالب ہوگا یہاں تک کہ سوار عدن سے عمان تک سفر کرے گا اسے اللہ کے علاوہ کسی کا خوف نہ ہوگا اور بھیڑیئے اس کی بکریوں کی نگرانی کریں گے۔ حضرت سراقہ بن مالکؓ جب بے سروسامانی کے عالم میں آپ ہجرت کر رہے تھے تو آپؐ نے ان کو کسریٰ کے پازیب پالینے کی بشارت دی تھی۔ مدینہ میں جب آپؐ محصور تھے تو اس وقت آپؐ نے روم کے سفید ایوانوں کو چیلنج کیا تھا۔

بعد کے حالات و واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ آپ کا اعلان برحق تھا۔ اس طرح قرآن آیات کی تصدیق ہوگئی اللہ کا وعدہ سچا ہوا اور آپؐ کے اصحاب کے ذریعہ ہر جگہ ہدایت کے چراغ روشن ہوگئے۔ دنیا میں ہر طرف امن و امان کا دور دورہ ہوگیا۔ اور انسانیت پہلی مرتبہ عدل اجتماعی کی برکتوں سے محظوظ ہوئی۔ محمدؐ کے شاگردوں کے ذریعہ غلاموں کو عافیت ملی۔ قیصر و کسریٰ کے فلک بوس ایوان لرز گئے اور پوری دنیا کی گردنیں اس روشن چراغ کے سامنے جھک گئیں۔

موجودہ دور میں ہم ایمان و جہاد کے ذریعہ جنگ کریں گے اور اپنے اسلاف کی طرح ہم بھی انشاءاللہ کامیابی سے ہم کنار ہوں گے۔ مدد اللہ قوی و عزیز کے علاوہ اور کسی سے ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہم سے اس کا وعدہ بھی کیا ہے۔ ارشاد باری ہے "اور ہمارا ارادہ ہے کہ ہم زمین کے کمزور لوگوں پر احسان کریں اور انھیں امام و زمین کا وارث بنائیں اور ان کو زمین میں اقتدار بخشیں۔" دوسری جگہ ارشاد ہے "پس آپ صبر کیجئے بلاشبہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور تم کو وہ لوگ ہرگز کمزور نہیں پائیں گے جو اللہ پر یقین نہیں رکھتے۔"

بقیہ مطالعہ حدیث

اس گناہ اور برائی کے برے اثرات اس کے دل و دماغ سے زائل ہو جائیں اور اس کی زندگی گناہ کی آلودگیوں سے پاک ہو جائے۔ یہ چیز خدا کی رحمت کو اس کی طرف متوجہ کرنے میں بے حد موثر ثابت ہوگی۔

پھر جس طرح خدا کا یہ خاص حق ہے کہ بندہ ہر مقام پر اور ہمیشہ اپنے خدا کو یاد رکھے اور اس کی طرف سے غافل نہ ہو، اسی طرح بندگان خدا کا بھی اس پر یہ حق ہے کہ ان کے ساتھ اس کا جو معاملہ بھی ہو اس میں وہ حسن اخلاق کو ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھے۔ مخلوق خدا کا ہم پر حق بھی ہے اور وہ ہمارے لئے اس کی کسوٹی بھی ہے کہ ہم کس طرح کے آدمی ہیں۔ خود غرض، مغرور اور پست قسم کے یا عالی ظرف، ملنسار اور باکردار۔

بقیہ یہ امت ایک ہی امت تھی

اصحاب رسولؐ کو جہنمی سمجھنے والے لوگ بھی ہیں وہ اصحاب رسول جن کے جنتی ہونے کی بشارت رسول صادقؐ نے خود دی۔ ان میں آغا خانی بھی ہیں اور وارث پیا کی دستگیری پر ایمان رکھنے والے لوگ بھی۔ ان میں وہ لوگ بھی ہیں جن کو امت محمدی ہونے کا دعویٰ سب سے زیادہ ہے اور جو شفاعت محمدیؐ پر بھی بے پناہ یقین رکھتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ بقیہ امت گمراہی میں مبتلا ہے۔ یہ مختلف النوع عقائد و طرائق رکھنے والے لوگ مٹھی بھر نہیں ہیں بلکہ یہی امت کا سواد اعظم ہے، یہی اس کی غالب اکثریت ہے۔ اب کیا اس امت کو اس امت پر قیاس کیا جا سکتا ہے جسے اللہ کے رسولؐ چھوڑ کر گئے تھے؟ کیا لفظ امت کا اس پر اطلاق ہوتا ہے؟ توحید کے چشمہ صافی سے نکلے ہوئے اس شفاف پانی کو جو گمراہیوں کے ریگستان میں سوکھ چکا ہو واپس لانا ممکن ہے؟ ممکن صرف ایک ہی بات ہو سکتی ہے وہ یہ کہ پوری انسانیت سے سعید روحوں کو ایک عقیدہ اور ایک نصب العین پر جمع کیا جائے۔ اور اسے جمع کرنے کا کام ایک منظم گروہ ادا کرتا ہے۔

کارکنانِ تنظیم کی خدمت میں

برادران محترم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے آپ حضرات بخیر و عافیت ہوں۔ ماشعور ہوں اسلامک آرگنائزیشن آف انڈیا کے دستور کی دفعہ ۲۶(۴) کے بموجب صدر تنظیم برادر پی سی حمزہ صاحب نے تنظیم کی مرکزی مشاورتی کونسل کے مشورے سے دفعہ ۱۵(۱۱) میقات رواں کی باقی مدت کیلئے (دفعہ ۱۰(ج))، برادر محمد نیر صاحب کا تقرر جنرل سکریٹری کی حیثیت سے کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ برادر موصوف کو اپنی مفوضہ ذمہ داریوں کو بحسن و خوبی ادائیگی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

آئندہ سے جملہ تنظیمی معاملات کیلئے راقم الحروف کے بجائے برادر محترم سے رجوع فرمائیں۔

جانی انجانی غلطیوں کی معافی کا خواستگار ہوں اور اگر کسی سے میرے سلسلے میں ایسا ہوا تو خود بھی معاف کرتا ہوں۔ والسلام

طالب دعا جاوید علی

نعت سید البشر

محمد الحسنی شاداب، مظفر پور

عاصی ہوں کیسے مجھ سے ہو نعت نبی رقم　　طاقت نہیں کہ نعت نبی میں اٹھے قلم
انکے کرم ہیں بیش، لیاقت ہے مجھ میں کم　　میں ہوں سیاہ کار، وہ شاہنشہ امم

تاہم ہے ذوق ان کی روایات میں لکھوں
ہے شوق میرے دل میں کہ اک نعت میں لکھوں

وہ آخری رسول محمدؐ ہے جن کا نام　　وہ رحمت خدا کہ ہوا فیض جسکا عام
وحدت کا جس نے سارے جہاں کو دیا تھا جام　　وہ ذات پاک جس پہ رسالت ہوئی تمام

حلقہ بگوش ہو گئے ہم جس کے نام پر
وہ صاحب الجمال جو ہے سید البشر

وہ جس کے اک اشارے سے مہتاب شق ہوا　　وہ جس کے دم سے یاد وفا کا سبق ہوا
وہ جسکی خو سے سارا جہاں پر رتق ہوا　　آمد سے جسکی چہرۂ کفار فق ہوا

قرآں کا جس کی ذات پہ رب نے کیا نزول
معراج جس کو رب نے عطا کی وہی رسول

وہ جسکو لوگ جانتے تھے صادق و امیں　　ضرب المثل ہے انکی امانت بھی بالیقیں
صادق بھی آپ جیسا جہاں میں کوئی نہیں　　سب نے کہا ہے انکی شرافت پہ آفریں

وہ ذات پاک جسکی دعا کر گئے خلیل
عیسیٰ مسیح جسکی بشارت کی تھے دلیل

یوسفؑ کہ جن کا حسن جہاں میں ہے بے مثال　　ان سے بھی ہے بڑھا ہوا سرکار کا جمال
ممکن نہیں کہ جائے وہاں تک مرا خیال　　میں ہوں نثار اس پہ جو ہے صاحب کمال

اقوال آپ کے جو ہیں سارے صحیح ہیں
یوسفؑ صبیح ہیں تو محمدؐ ملیح ہیں

آمد سے پہلے جسکی، تھے انسان جانور　　گمراہ ہو گئے تھے نہ اللہ کا تھا ڈر
دختر کو اپنی قتل وہ کرتے تھے بے خطر　　گر دیکھ لے انھیں کہے شیطان الحذر

آئے جو مصطفیؐ ہوا قرآں کا نزول
انساں کو عطا ہوا پھر زیست کا اصول

شاداب مصطفیؐ کی اطاعت پہ میں نثار　　اس اوّل ربیع کی برکت پہ میں نثار
سرکار دو جہاں کی رفعت پہ میں نثار　　ایمان اور یقین کی دولت پہ میں نثار

بے حد درود آپ پہ اے سید البشر
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

غزلیں

عبدالسلام، نوادہ

سجاؤ بزم محبت کہ ذکر یار چلے
جہاں تلک چلے یادوں کی یہ بہار چلے

رکے نہ قافلۂ صبح نو بہار کہیں
بلا سے راہ میں آندھی چلے، غبار چلے

یہ خار زار ہے، دامن بچا بچا کے چلو
سنبھل سنبھل کے چلے جو بھی کوئے یار چلے

یہ کہہ کے بیٹھ گئے رہبران منزل بھی
چلیں گے آگے، ہوا بھی تو سازگار چلے

سناؤ آج زمانے کو داستان حیات
فسانہ ہائے محبت تو صد ہزار چلے

بنا کے جاؤ زمانے میں ایسے نقش وفا
کہ تیرا نام و نشاں، تیری یادگار چلے

بزعم خویش یہ چارہ گران درد حیات
تمام زخم جگر اور بھی ابھار چلے

اسی کی جیت ہے اس کارزار ہستی میں
شکست کھا کے جو ہمت کبھی نہ ہار چلے

وفور شوق میں مجنوں کا حال زار نہ پوچھ
یہ چاک جیب و گریباں، جگر فگار چلے

نہ سوز و ساز محبت، نہ پاس عہد وفا
تمہاری بزم سے اٹھے تو اشکبار چلے

تم ہی بتاؤ سلامؔ! اور آذری کیا ہے
زباں پہ نام خدا ہو، بتوں سے پیار چلے

شیدا، بگھونوی

سب کو پیغام حق ہم سناتے رہے　　دشمن جان و ایماں بناتے رہے
خود بخود تھک گئیں بجلیاں دوستو!　　ہم نشیمن تو پیہم بناتے رہے
خوف کھا جاؤ گے ایک دن خود بخود　　یوں ہی گر دوسروں کو ڈراتے رہے
مجھ کو کانٹوں پہ نیند آ گئی جان جاں　　آپ پھولوں کا بستر لگاتے رہے

دل پہ شیدا کے بجلی سی گرتی رہی
اور وہ بے خبر مسکراتے رہے

تحریک اسلامی کا ابتدائی دور

نعیم صدیقی

رفقائے گرامی قدر!

میں آپ کے سامنے اپنے زمانے کی بات بیان کرنا چاہتا ہوں کہ مولاناؒ کی پکار پر جب جماعت کے ساتھ ہم منسلک ہوئے تو کیا پایا۔ مولاناؒ تحریک کے لیے کس قسم کے کارکن تیار کرنا چاہتے تھے۔ جو لوگ تحریک کے دورِ اوّل سے وابستہ ہوئے تھے وہ گزر گئے۔ اب نئی پود کا زمانہ ہے۔ ضرورت ہے کہ ان دونوں کے درمیان رابطے سے خلا نہ پیدا ہو۔ عمارت بلند ہو رہی ہے تو اوپر لگنے والی اینٹیں پہلی اینٹوں کے مطابق رہیں۔ وہ جو کہا گیا ہے کہ ؎

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

میں ایک اور بات کہنا چاہتا ہوں کہ معمار نے اگر پہلی اینٹ صحیح رکھی ہو، لیکن دوسری اینٹ صحیح نہ ہو تو بھی دیوار کج ہو جاتی ہے۔ دیوار تب سیدھی ہوتی ہے جب دوسرے ردّے پہلے ردّے کے مطابق ہوں، ورنہ ساری عمارت کج ہو جائے گی۔ اب میں پہلی اینٹ اور پہلے ردّے کی داستان سُنانا چاہتا ہوں۔ میں بتانا چاہتا ہوں کہ ہمارا دورِ اوّل کیسا تھا؟

سب سے پہلی چیز رکنیت تھی۔ یہ کسی شخص کا قدمِ اوّل ہے، جماعت کے ساتھ وابستگی کا۔ اس زمانے میں جو بھی لوگ جماعت کے قریب آتے تھے وہ سب سے پہلے جماعت کی دعوت کو سمجھتے تھے، پھر ان کا ایمان ان کو جماعت میں شامل ہونے پر اکساتا تو وہ رکنیت کی درخواست دیتے تھے۔ جماعت کا طریقہ یہ تھا کہ جو آدمی رکنیت کا امیدوار ہوتا، اس کو انتظار کرنے کے لیے کہا جاتا۔ یہ انتظار ٹالنے کے لیے نہیں بلکہ جائزہ لینے کے لیے ہوتا تھا کہ وہ صاحب شدتِ جذبات سے مغلوب ہو کر تو نہیں آ گئے، یا انھوں نے پورے ہوش و شعور کے ساتھ ٹھنڈے دل سے شرکتِ جماعت کے تقاضوں کو کیا ہے؟ ان کے کردار کو دیکھا جاتا، ان کے مزاج کو جانچا جاتا اور یہ جائزہ مہینوں جاری رہتا۔ بعض اچھے اچھے لوگوں کو اس معاملے میں بڑے مغالطے ہوئے اور ہمارے تیز چنچل مخالفین نے تو جان بوجھ کر اس طریقِ رکنیت سازی کے بل پر جماعت کو ایک سازشی تو نخوت تحریک ثابت کرنے کے لیے بڑی پُرزور منطق وضع کر لی اور خوب پروپیگنڈا کیا۔

حالانکہ ہمارے ابتدائی لٹریچر میں واضح کر دیا گیا تھا کہ موجودہ معاشرے میں جہاں نہ صرف جماعت جماعت کا مسلمان پایا جاتا ہے، بلکہ خالص اسلامی مقصد کے لیے پُرجوش نعرے بلند کر دیے تو ہر طرح کے لوگ نام لکھوانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ بعد میں متضاد مزاج و کردار کے ان مسلمانوں میں سے ہر ایک مقصد کے لیے رکاوٹ بن جائے گا، لہٰذا مولاناؒ محسنِ تحریک اور اس کے ساتھیوں نے سوچا کہ جوش انگیزی کے بجائے ہوش آموزی کا طریقہ اختیار کیا جائے اور استعجال کے بجائے سلیقے سے کام کیا جائے۔ اس دوران میں ان سے جماعت کے ساتھ کام کرنے کے لیے کہا جاتا اور یہ اندازہ کیا جاتا کہ جماعت کے نصب العین کے ساتھ ان کی شیفتگی کتنی ہے۔

اس کے بعد حلف لینے کا وقت آتا۔ میں موجودہ دور کی کیفیت کو زیادہ نہیں جانتا، لیکن ہمارے وقت میں حلفِ رکنیت ایک امیدوارِ رکنیت کے لیے گویا حشر کا وقت ہوتا تھا۔ وہ دیدہ و دانستہ دین کی ذمہ داریوں کو اٹھانے اور نبھانے کا عہد کرتا۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جس شخص نے ان ذمہ داریوں کی گرانی اور نزاکت کو سمجھ لیا ہو، حلف لیتے وقت اس کی کیا کیفیت ہوتی ہوگی۔ ذمہ داری کے احساس سے اس پر پہلا اثر یہ ہوتا تھا کہ حلف لیتے ہوئے وہ کانپتا اور لرزتا تھا۔ بعض اوقات ہم نے دیکھا کہ ایک شخص کی آواز منہ سے نہیں نکل رہی۔ وہ چند الفاظ بولتا ہے تو اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی۔ اس کو یوں محسوس ہوتا گویا وہ اجتماعِ ارکان میں نہیں بلکہ عدالت میں کھڑا ہے اور اپنی ادا کردگی کی جواب دہی کر رہا ہے۔ یہ ایک خاص کیفیت ایک مدت تک جماعت میں رہی اور جماعت کی پہلی صف انھی لوگوں سے بنی۔

مجموعہ اور احتساب کا ہوتا تھا۔ یہ دیکھا جاتا تھا کہ جو صاحب جماعت میں آئے ہیں وہ معیار مطلوب پر قائم ہیں یا نہیں۔ مگر وہ تقاضوں کو پورا نہ کرتے تو سب کی نگاہیں ان کی جانب اٹھ جاتیں اور ان کو سنبھالا دینے کے لیے ہاتھ بڑھ جاتے۔ ان کی اصلاح کے لیے سب فکرمند ہو جاتے، لیکن اگر وہ تمام مشوروں اور مسلسل تعاون کے باوجود سنبھل نہ پاتے تو پھر اس کی پروا نہ کی جاتی کہ ہماری تعداد کم ہو جائے گی بلکہ صورتِ اصل پر نگاہ رہتی۔ ان سے معذرت کی جاتی کہ فی الحال آپ رکنیت سے آزاد رہ کر کام کریں۔

اب اگر کام جاری ہے اور کوئی باز پُرسش نہ ہو تو یہ نظمِ جماعت کی بدخواہی ہے۔ نظم ایسی مداہنت سے تباہ ہوتا ہے، اس لیے ہمارے وقت میں جس کسی نے بھی نظم اور اصول کو توڑا اس کا محاسبہ ہوا۔ ہماری اصل فکر جماعت کو بچانے کی ہوتی تھی۔

چوتھی چیز عہدِ اوّل میں یہ تھی کہ جو کوئی جماعت میں داخل ہوتا تھا اس کو سب سے پہلے علمِ دین اور فہمِ احوال کی فکر ہوتی تھی۔ ایک جذبہ اُبھرتا تھا کہ دین کا صحیح علم حاصل کیا جائے کیونکہ دین کے صحیح علم کے بغیر صحیح عمل ممکن نہیں۔ ہم لٹریچر کا خود بھی ذوق و شوق سے مطالعہ کرتے اور دوسروں کو بھی ترغیب دیتے۔ کسی مجلس میں بیٹھتے تو ہماری خواہش ہوتی کہ دوسری باتوں کے علاوہ دین کی بھی باتیں ہوں۔ ہمیں اہلِ علم کی صحبت کا شوق ہو گیا تاکہ دعوتِ دین ہمارے دل و دماغ میں راسخ ہو، فہم اور تفقہ میں اضافہ ہو اور یہ معلوم ہو کہ دعوتِ دین کے کیا تقاضے ہیں۔ خاص طور سے مطالعۂ قرآن و حدیث کے ذریعے ہم یہ جاننے کی دھن رکھتے تھے، وہ کونسی چیزیں ہیں جو ہماری زندگی کو اسلامی بناتی ہیں اور کن چیزوں سے ہمیں اجتناب کرنا چاہیے اور کن سے زندگی جاہلی زندگی بنتی ہے اور ساتھ ہی قریبی مسائل، عالمی احوال، معروف دنیوی علوم اور مخالفانہ دلائل و مباحث کو بھی ہم جاننے کی کوشش کرتے۔

مجھے یاد ہے کہ اس زمانے میں ہم لٹریچر کا اس شغف و انہماک سے مطالعہ کرتے اور دوسروں کو سناتے تھے کہ اس کے بعض حصے ازبر ہو گئے۔ لٹریچر ہماری تحریک کی روح ہے، اس کا دامن اگر چھوڑ دیا گیا تو ہم اپنی روح سے کٹ کر رہ جائیں گے، پھر ماضی اور حال میں کوئی رابطہ باقی نہ رہے گا۔ آج بھی مجھے ڈر ہے کہ اگر ہم نے قرآن و سنت کی روشنی میں لٹریچر کے مطالعہ میں کوتاہی برتی تو وہ وقت آ جائے گا کہ ہمارے ذمہ دارانہ مناصب پر ایسے لوگ آ جائیں جو ہماری دعوت اور ہمارے لٹریچر سے بے بہرہ ہوں۔

پانچویں چیز میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے زمانے میں اپنی زندگی کا بار بار جائزہ لیا جاتا تھا۔ اس کی فکرمندی ہوتی تھی کہ ہماری زندگی میں کوئی غلط اور ناجائز چیز تو داخل نہیں ہو گئی۔ اگر معلوم ہوتا کہ فلاں چیز ہماری زندگی میں غلط ہے تو اس وقت تک چین سے نہ بیٹھتے جب تک اس کو اپنے اندر سے نکال نہ پھینکتے۔ میاں صاحب (میاں طفیل محمد) نے وکالت ترک کی، چودھری علی احمد خان مرحوم نے پولیس کی ملازمت چھوڑی، غرض جو بھی جماعت کے قریب آتا یا اس کی رکنیت اختیار کرتا وہ سب سے پہلے اپنی زندگی کا جائزہ لے کر غلط یا ناجائز اور اللہ کو ناپسند چیزوں کو اپنی زندگی سے خارج کرتا۔ میں نے خود اپنی زندگی کا جائزہ لیا اور اپنی ان چیزوں سے چھٹکارا حاصل کیا جو مجھے بے حد پسند، لیکن دین میں ناپسندیدہ تھیں۔ ہم نے فقہی گنجائشوں کو کبھی نہیں ڈھونڈا تھا۔ جو چیز قرآن و سنت سے ثابت ہو گئی پھر اس کو قبول نہ کرنا ہمارے لیے مشکل ہو جاتا تھا۔

یہ سلف کا جذبہ تھا جو اخلاف میں منتقل ہونا چاہیے۔ تحریک کا تسلسل اسی سے قائم رہے گا۔

چھٹی چیز رفقا کے لیے گہری محبت اور خیر خواہی کا جذبہ تھا۔ دارالاسلام میں چند رفقا رہتے تھے، لیکن ان کی حالت ایک درد مند گروہ کی سی تھی جو اپنے سے زیادہ دوسروں کے لیے سوچتے تھے۔ ہم اللہ کے لیے ملتے اور اللہ کے لیے بیٹھتے اور کوئی غرض سوائے دین کے ہمارے درمیان نہ تھی۔ یہی چیز جماعتی استحکام کا باعث بنی۔ باہمی محبت کے اس جذبے نے جماعتِ اسلامی کو سیسہ پلائی دیوار بنا دیا۔ کسی کو تکلیف ہوتی تو سب تڑپ اٹھتے۔ جماعت اسی جذبے سے پروان چڑھی۔

ساتویں چیز میں آپ کے سامنے یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ ہم میں بزرگوں کا احترام پیدا کیا گیا۔ آج نوجوان قیادت کے نعرے کہیں کہیں سے سُنے جاتے ہیں، لیکن جماعت میں جب ہم شامل ہوئے تھے تو ہمارا ابھی عہدِ شباب تھا، لیکن ہم نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ بزرگوں کے سامنے آواز کو بلند کیا جائے۔ ہم سمجھتے تھے کہ ہمیں جو کچھ ملے گا بزرگوں کے ادب اور ان کے احترام سے ملے گا؛ چنانچہ ہم نے اس سے فیض پایا۔ بڑوں کے لیے احترام کا جذبہ جماعت کا استحکام رہا ہے، جن لوگوں نے جماعت کے لیے

قربانیاں دی ہیں۔ ان کے سامنے ہمارے سر ہی نہیں ہمارے دل بھی جھکتے تھے۔ اگر انھوں نے پچھلوں کی قدر نہ کی تو زنجیر ٹوٹ جائے گی۔

آٹھویں چیز یہ ہے کہ ہمارے اندر تبلیغ دعوت کا ولولہ ہوتا تھا۔ یہ جذبہ تھا کہ جو حق ہمیں ملا ہے وہ دوسروں تک بھی پہنچ جائے۔ چلتے پھرتے، دفتر، دکان ہر جگہ ہم کو دعوت پھیلانے کی لگن رہتی تھی۔ گھر میں بیٹھتے تو بچوں کو دین کی تعلیم دیتے۔ اس کی فکر کرتے کہ ہمارا کوئی فعل ایسا نہ ہو جس سے بچوں کو غلط سبق ملے۔ ایک مرتبہ میری بیوی اور میں نے عہد کیا کہ ہم گھر میں کبھی جھوٹ نہیں بولیں گے تاکہ بچوں کے دلوں پر نقش ہو جائے کہ زندگی صرف سچ بولنے کا نام ہے۔ ہمارا معمول تھا کہ ہم اجتماع سے گھر آتے تو اجتماع کی روداد سب سے پہلے اپنے گھر میں بیان کرتے۔ اس طرح ہمارا گھریلو ماحول ہمارے لیے سدِ راہ بننے کی بجائے سازگار ہوتا چلا گیا۔

پھر گھر سے باہر نکلتے تو دعوت کی کوئی نہ کوئی چیز ہمارے پاس ضرور ہوتی۔ ہم لوگوں کے پاس چل کر جاتے اور یہ توقع نہ رکھتے کہ وہ ہمارے پاس آئیں گے۔ جماعت کا ہر کام خود کرتے اس سے ہمارے تحریکی جذبے کو تقویت ملتی۔ ہاتھوں سے پوسٹر لگانے سے جو جذبہ ابھرتا ہے وہ کرائے پر لگوانے سے نہیں ابھرتا۔ دارالاسلام کے قریبی دیہات میں ہم دعوت لے کر گھومتے پھرے۔ خود میاں صاحب (میاں طفیل محمد) گشت کرتے رہے تھے۔ اسی طرح پاکستان پہنچے تو اچھرہ کی ایک ایک گلی چھان ماری۔ ہم کو اس کی پروا نہ تھی کہ کوئی ہماری دعوت قبول کرے گا یا نہیں۔ ہمارے ذہن میں فقط ایک بات بیٹھی ہوئی تھی کہ ہمیں اپنی بات پہنچانا ہے۔

نویں چیز یہ تھی کہ ہمارے دلوں میں نظم کا بے حد احترام تھا۔ اُوپر سے کوئی ہدایت آتی تو اس کی بجاآوری کے لیے ہر ممکن سعی کرتے۔ سمع و طاعت کی روح کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرتے۔ اجتماعات میں لازماً شریک ہوتے۔ الا یہ کہ کوئی حقیقی اور واقعی عذر شرعی ہوتا۔ وقت مقررہ پر اجتماع گاہ میں پہنچتے۔ ہم نے عذر کبھی نہیں تراشا تھا۔ کوئی لیٹ ہو جاتا تو نہایت ندامت کے ساتھ وجہ بیان کرتا۔ اجتماع میں خاموشی اور احترام سے بیٹھتے۔

دسویں چیز یہ ہے کہ اس زمانے میں عہدوں کا کوئی تصور نہ تھا۔ کوئی ذمہ داری کسی پر ڈالی جاتی تو وہ اس سے جان چھڑانے کی کوشش کرتا، ہزار معذرتیں کرتا، کیونکہ نگاہ ذمہ داری پر ہوتی تھی جو لب دہی پر ہوتی، منصب پر نہ ہوتی تھی۔ عہدوں کے معاملے میں بڑی احتیاط پائی جاتی تھی۔ عہدوں سے گریز کا رجحان تھا۔ ذمہ داری کا نام لیا جاتا تو ہر فرد کے سامنے اپنی کوتاہیاں اور خامیاں صف در صف کھڑی ہو جاتیں۔

گیارھویں یہ کہ بیت المال کے بارے میں بڑی احتیاط کی جاتی تھی۔ یہ احساس ہر وقت مستولی رہتا کہ بیت المال کی کوئی ایک پائی بھی ہمارے ہاتھوں ضائع نہ ہونے پائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول گویا مجسم ہو کر سامنے رہتا کہ بیت المال مال یتیم ہے۔ اعانتوں کی وصولی میں مستعدی سے کام لیتے۔ اعانت لینے کا مطلب صرف اعانت لینا نہیں ہوتا تھا، بلکہ اعانت دینے والے کو دعوتِ دین سے قریب تر کرنا ہوتا تھا۔ اعانت کی وصولی کو معمولی کام نہ سمجھا جاتے۔ یہ افراد کو قریب لانے کا ذریعہ ہے، اس کے ساتھ دعوت پھیلتی ہے اور اس سے عدم توجہ گویا دعوت سے عدم توجہ ہے۔

بارھواں پہلو یہ ہے کہ اس زمانے میں غیبت و چغلی کی کوئی بات نہ ہوتی تھی۔ کسی کے بارے میں حتیٰ کہ مخالفین کے بارے میں بھی زبان سے کوئی ناشائستہ بات نہیں نکالی جاتی تھی۔ کنویسنگ سے یوں بچا جاتا تھا جیسے آگ سے بچا جاتا ہے۔ یاد رکھیے کہ جس نظم میں کنویسنگ، غیبت اور چغلی داخل ہو جائیں تو یہ اس کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیتے ہیں۔ یہ گھن کی طرح ہوتے ہیں کہ بظاہر لکڑی صحیح سالم معلوم ہوتی ہے لیکن ایک دن اچانک دھڑام سے نیچے آ رہتی ہے۔

تیرھویں چیز یہ ہے کہ وہ رضاکار کارکن کا دور تھا جو ہمہ وقتی کارکن کے مقابلے میں زیادہ موثر تھا۔ اب تو گویا تمام بار ہمہ وقتی کارکنوں پر ڈالنے کا رجحان پیدا ہو گیا ہے۔ لیکن یہ رجحان کام کے جذبے اور لگن کو ختم کر دیتا ہے۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ تھوڑے سے ہمہ وقتی کارکنوں کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔ مگر ایک تو عام کارکنوں میں یہ احساس رہنا چاہیے کہ اصل کام کرنے والی قوت رضاکار کارکنوں کی ہے۔ دوسرے یکجا کام کرنے والے ہمہ وقتی کارکنوں میں بھی روح کو بھی کا اخلاص پیدا ہو اور ہونا چاہیے اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ کبھی نہ کبھی وہ بھی عام کارکنوں کے ساتھ کام کریں، خواہ ہفتے میں ایک بار یا چھٹے میں دو بار۔ یہ میری ذاتی رائے ہے۔

چودھویں چیز اس زمانے کی یہ تھی کہ ہر اہم مسئلے میں مشورہ کیا جاتا تھا۔ مشورہ گویا نظم کے لیے بمنزلہ روحِ رواں تھا۔ مشورہ طلب کیا جاتا تھا تو پورے اخلاص اور دیانت سے اپنی رائے دی جاتی تھی۔ اس میں مداہنت نہیں ہوتی تھی، لیکن شائستگی ضرور ہوتی تھی۔ پھر جب فیصلہ ہو جاتا تو وہ لوگ بھی اس کو بخوشی قبول کر لیتے جو بحث کے دوران اپنی رائے میں جوش کا اظہار کرتے تھے۔

یہی صورت تنقید و احتساب کی تھی۔ یہ پندرھواں نکتہ ہے۔ تنقید و احتساب میں کمی آ جائے تو نظم اپنی خامیوں سے کبھی آگاہی نہیں پا سکتا۔ تنقید کرنے والے اخلاص سے تنقید کرتے تھے اور جن پر تنقید ہوتی وہ خندہ پیشانی سے سنتے تھے۔ مولاناؒ نے اس سلسلے میں بہترین نمونہ پیش فرمایا تھا۔ انھوں نے اپنے اوپر سخت سے سخت تنقید برداشت کی لیکن کسی کو ٹوکا نہیں۔ لیکن یہ یاد رکھیے کہ تنقید اخلاص سے ہونی چاہیے۔ اس میں نفسانیت کا کوئی عنصر شامل نہیں ہونا چاہیے۔ اپنی حقیقی رائے کا صاف صاف اظہار اجتماع میں کیجیے لیکن اسے ادھر اُدھر بیان نہ کیا جائے۔ پھر تنقید سننے والوں کو بھی وسیع الظرفی کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور تنقید کو وہ معنی نہیں پہنانے چاہئیں جو دراز مطلب ہوں۔

سولھویں چیز یہ ہے کہ ہماری رائے میں کمل ہم آہنگی ہونی چاہیے۔ ہمارے زمانے میں ذہن اس طرح ڈھل چکے تھے کہ خیبر سے کراچی تک ہر کارکن کی سوچ الفاظ سمیت ایک ہوتی تھی۔ جماعتوں کی ذہنی ہم آہنگی ان کے درخشاں مستقبل کی نشانی ہوتی ہے۔ حکومت ہو تو کیبنٹ اور اگر سیاسی جماعت ہو تو اس کی مجلس عاملہ کی صفِ اوّل اگر تمام بحثا بحثیوں کے بعد کسی ایک فیصلے تک پہنچ جائے تو پھر اس کے دائرے سے باہر اختلافی رجحانات کو بکھیرتے پھرنے کے معنی یہ ہیں کہ جماعت کے نہ صرف عام رکن اور کارکن اور اس کے مصنف اور ایڈیٹر سب اختلافی بحثوں میں پڑ جائیں اور ایک ایک مسئلے پر دو دو یا تین تین گروہ بندیاں پیدا ہو جائیں اور انھوں نے محسوس سب میں یہ چرچا ہو کہ انتشار پیدا ہو گیا۔ ایسی فضا کا نتیجہ مزید انتشار ہے۔ یہ عام سیاسی پارٹیوں کے کھیل تماشے ہیں۔ تحریکِ اسلامی اس کی متحمل نہیں۔ اب تک کی تاریخ گواہ ہے کہ ہمارے کثیر التعداد رفقاء کی طرف سے کبھی کوئی ہنگامہ اختلاف و انتشار نہیں اُٹھا، بلکہ دو ایک بار جو بھی غبار اُٹھا وہ اوپر والوں کی طرف سے اُٹھا۔

سترھویں چیز یہ ہے کہ ہمارے ذہن میں چھٹی کا کوئی تصور نہ تھا۔ ہم ہر وقت اور ہر لمحہ ڈیوٹی پر ہوتے تھے۔ کام کی کشش ہمیں باندھے رکھتی تھی۔ جہاں بھی جاتے تھے گویا ڈیوٹی پر جاتے تھے۔ داعی کے لیے حقیقت میں کوئی چھٹی نہیں ہوتی۔ ہم اس کے مصداق تھے کہ ع۔ اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا۔

آخری چیز یہ ہے کہ ہم دنیا کی چمک دمک سے مرعوب نہ ہوتے تھے۔ دنیا ہماری قوتِ ایمانی کے سامنے ہیچ معلوم ہوتی تھی۔ یہ حقیقت ہر وقت مستحضر رہتی تھی کہ دنیا ایک بے حقیقت اور فانی چیز ہے، اس لیے اس سے کبھی مرعوب نہ ہوتے تھے نہ اس کے ملال سے اور نہ اس کے جمال سے۔ دنیا کو ہیچ سمجھنے کا جذبہ توانا رہنا چاہیے۔ یہ چیز ہمیں دعوت کے لیے باہمت بناتی تھی۔ کسی سے خوف نہیں آتا تھا اور نہ کوئی پریشانی ہوتی تھی۔ یہ سوال بھی کبھی نہیں ستاتا تھا کہ مدت گزر گئی ہے منزل ابھی تک قریب کیوں نہیں آئی۔ ہم نے سمجھ لیا تھا کہ شہداء علی الناس ہونا بجائے خود ایک بلند مقام ہے۔

اس سارے بیان سے مقصود یہ ہے کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے بنا کردہ کام اور تیار کردہ کارکن کا معیار ہمارے سامنے رہے۔ اس سے ایسا آئینہ تیار ہو جائے جس سے ہم اپنے چہرے کے داغ دھبے وقتاً فوقتاً دیکھ لیا کریں۔ ہمیں ہر وقت اپنا موازنہ پہلی اینٹ اور پہلے مدے سے کرتے رہنا چاہیے۔

یاد رکھیے انحطاط کبھی اعلان کر کے نہیں آتا، یہ دبے پاؤں آتا ہے۔ ایک ایک ذرہ سرکتا رہتا ہے پھر کچھ مدت بعد دیوار گرتی ہے۔ اس کی پہلے خبر نہیں ہوتی، اچانک وقت آتا ہے کہ معمولی انحطاط اپنی خوفناک تعمیر تباہی پیش کرتا ہے۔ ہم لوگ جو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا اور ان کے دامن تھامے ہوئے ہیں، ہمیں ہر وقت اپنا احتساب کرتے رہنا چاہیے۔ ہم میں جذبۂ اصلاح ہو، اخلاصِ نیت ہو اور ہمارا اخلاقی معیار اور داعیانہ کردار ہر حال میں برقرار رہے۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ جس نیت سے میں نے یہ گزارشات کی ہیں اسی نیت سے دلِ اہلِ کا قبول کریں۔ آمین ثم آمین ○○

ایران۔عراق جنگ کا خاتمہ

سید محمد اقبال، گیا

ایران کے اسلامی انقلاب کی حمایت کرنے والے لوگ ہوں یا عراق کی پشت پناہی کرنے والی حکومتیں یا خود امریکہ ۸ سالہ جنگ کے خاتمہ کی خبر سے سبھوں نے اطمینان کا سانس لیا ہوگا. اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان دونوں ملکوں میں بسنے والے انسانوں کو کیسی غیر معمولی راحت کا احساس ہوا ہوگا. بموں کے برسنے، ٹینکوں کے گرجنے اور لڑاکا جہازوں کے گزرنے کی آوازیں اب خاموش ہو چکی ہوں گی مگر اجڑے ہوئے گھر، ویران کارخانے، شکستہ پل، زخموں سے نڈھال مجروحین خاص کر کیمیائی اسلحہ سے، ابھی ایک عرصے تک جنگ کی یاد دلاتے رہیں گے. اندازہ لگایا جا رہا ہے کہ اس جنگ میں دس لاکھ سے زیادہ جانیں گئیں اور بیس لاکھ کے قریب زخمی ہوئے. جنگ بند کرنے کی اپیلیں ایک عرصے سے جاری تھیں مگر ایران کسی غیر مشروط جنگ بندی کا قائل نہ تھا. وہ اس جنگ کو میدان جنگ ہی میں طے کرنا چاہتا تھا. اسے دنیا ایک بے معنی جنگ قرار دے رہی تھی اور اب بھی یہی کہا جا رہا ہے. بظاہر یہ جنگ بے معنی ہی تھی. بے معنی شاید اس لئے لگ رہی تھی کہ اس میں کوئی بھی اپنے حریف کو فیصلہ کن شکست دینے کا اہل نہ تھا. اگر کشتی کے کسی مقابلہ میں کوئی بھی پہلوان کسی کو شکست نہ دے سکے تو تماشائی اسے بے معنی ہی کشتی قرار دیں گے. بامعنی تو یہ تب ہوتی ہے جب ایک کی شکست کا اور دوسرے کی فتح کا اعلان ہوتا. کیا اس جنگ میں کوئی فاتح بھی ہے؟ جنگ بندی کے سمجھوتے کے بعد صدر صدام نے تین روزہ قومی جشن کا اعلان کیا. یہ جشن کیا ہے؟ کیا یہ جشن فتح ہے. کیسی فتح؟ ایران کو جنگ بند کرنے پر مجبور کرنے کی خوشی ہے؟ کیا یہ جشن بے معنی ہے؟ بہت شروع ہی سے جنگ بند کرنے کی ایرانی شرائط میں ایک یہ بھی ہے کہ عراق کو جارح قرار دیا جائے۔ یہ جنگ ایران پر مسلط کی گئی ہے کا اقرار کیا جائے مگر ساری دنیا اس مطالبے کو غیر اہم اور بے معنی ہی بتاتی رہی. ویسے پچھلے چھ سات ماہ سے اخبارات اپنے تبصروں اور خبروں میں اس بات کا اعتراف کرنے لگے ہیں کہ یہ جنگ عراق نے شروع کی تھی اور عراق ہی اس کا ذمہ دار ہے.

عراق نے یہ جنگ کیوں شروع کی؟ عراق اور ایران کے مابین شط العرب کی حق ملکیت پر بہت دنوں سے اختلاف چلا آ رہا ہے. شاہ ایران کے دور میں ایران اس علاقے کی سب سے مضبوط فوجی طاقت تھی جو امریکہ کی ضرورتوں کی کفیل بھی تھی اور عراق کے لئے تمام تر کوششوں کے باوجود اپنا حق حاصل کرنا ممکن نہ ہو سکا. فروری ۱۹۷۹ء میں ایران میں آئے انقلاب کے بعد امریکہ اور روس کی شہ پر عراق نے اس امید کے ساتھ حملہ کر دیا کہ اس وقت پورا ایران اتھل پتھل کی حالت میں ہے. عراق کا یہ اندازہ ابتداً صحیح بھی ثابت ہوا اور اس نے خرم شہر سمیت ایک وسیع علاقے پر قبضہ کر لیا. پھر جنگ بندی کی اپیلیں کی جانے لگیں. ایران نے جنگ بندی سے قبل تین اہم باتوں کا مطالبہ کیا. صدر صدام کی حکومت برطرف کی جائے. عراق کو جارح قرار دیا جائے اور جنگ کے نقصانات کا ہرجانہ ادا کیا جائے. عراق کے حلیف ممالک یہ ہرجانہ ادا کرنے کو تیار تھے مگر بقیہ دو شرائط کا پورا ہونا کسی طرح ممکن نہ تھا. ایران نے مصالحتی ٹیبل پر بیٹھنے سے انکار کیا اور جنگ جاری رکھی. اپنے مقبوضہ علاقوں کو واپس لیا اور عراق کے اندر پیش قدمی کی. بصرہ کی سمت کے مورچے میں خاصی پیش قدمی ہوئی. مگر پھر اس سے آگے نہ جا سکے. عراق کے لئے اس جنگ کا بوجھ برداشت کرنا ناممکن تھا. اس کے حلیف عرب ممالک نے اس کی بھرپور مدد کی. مصر اردن کی فوجیں بھی آئیں سعودی عرب اور کویت نے اپنے خزانوں کا منہ کھول دیا یہاں تک کے اپنے ملک کے بہت سے منصوبوں کو التواء میں ڈالا.

دنیا کے لال بجھکڑوں نے اسے طرح طرح کا نام دیا. اسے عرب اور غیر عرب کی جنگ قرار دیا. اسے شیعہ سنی جنگ کا نام بھی دیا گیا. جنگ قادسیہ کا حوالہ بھی آیا. مگر اسی جنگ کا یہ پہلو بڑا دلچسپ تھا کہ یہ آخر وقت شیعہ سنی جنگ نہ بن سکی. عراقیوں کی امید کے مطابق نہ تو ایرانی سنیوں نے عراق کی حمایت کی اور نہ ایرانی امید کے مطابق عراقی شیعوں نے صدام کے خلاف بغاوت کی.

ایران کی طرف سے اقوام متحدہ کی قرار داد ۵۹۸ کو مان لینے کا اچانک اعلان پوری دنیا کے لئے حیرت انگیز تھا. سیاسی مبصرین ابھی بھی اندازے اور تخمینے لگا رہے ہیں. یہ بات آسانی سے محسوس کی جا سکتی ہے کہ پچھلے ایک سال میں ایران کو جو جانی، مالی اور سیاسی نقصان اٹھانا پڑا ہے وہ غیر معمولی ہے. ایران کی قیادت یہ محسوس کر رہی ہوگی کہ وہ پوری دنیا میں تنہا رہ گئی ہے. شام اور لیبیا بھی اب عملاً اس کے ساتھ نہیں ہیں، افرادی قوت میں بھی کمی آتی جا رہی ہے اور مالی وسائل دن بدن گھٹتے جا رہے ہیں. معیاری ہتھیاروں میں کمی آتی جا رہی ہے اور عراق کے پاس جدید ہتھیاروں کا اضافہ ہوتا جا رہا ہے. اس صورتحال کی روشنی میں ایران نے ایک حقیقت پسندانہ فیصلہ کیا ہے. ایران کی طرف سے اسے انقلاب اسلامی کے تحفظ کی خاطر قبول کرنے کی بات کہی گئی ہے تو یہ صحیح معلوم ہوتی ہے. آیت اللہ خمینی نے اس جنگ بندی کے قبول کرنے کو زہر کا پیالہ پینے سے بھی زیادہ سخت قرار دیا ہے تو یہ بھی صحیح معلوم ہوتا ہے. زہر کا یہ پیالہ اگر ایرانی قیادت نے آج سے ٹھیک ایک سال پہلے پیا ہوتا تو نہ صرف یہ کہ بہت سی تباہی سے بچا جاتا بلکہ اسلامی ایران کا ہاتھ ہر طرح اوپر ہوتا، جنگ کے [illegible] اور مصالحت کے [illegible]

آئینہ سماج کا چہرہ آپ کا

سید علی ۔ کلکتہ

آپ مزدور ہوں یا تجارت پیشہ، فن کار ہوں یا صنعت کار، طالب علم ہوں یا استاذ، سیاسی لیڈر ہوں یا مذہبی رہنما جو کچھ بھی ہوں آپ اپنی ذاتی مشغلہ کے ذریعہ سماج سے کچھ وصول رہے ہیں، مگر جتنا وصول رہے ہیں اس کا بہت کم حصہ سماج کو لوٹا رہے ہیں وہ بھی زیادہ تر بے مقصد اور بے ترتیب انداز میں۔ کیا کبھی آپ نے اس سلسلے میں سوچا ہے؟ —

آپ نے غور کیا ہے کہ اپنی انفرادی اور اجتماعی سماجی ذمہ داریوں کو ادا نہ کرنے کے سبب آپ کا سماج دھیرے دھیرے اندر سے ٹوٹ پھوٹ اور بکھراؤ کا شکار ہو رہا ہے؟ اور وہ مرحلہ قریب آنے والا ہے جب آپ سب لوگ ایک خود غرض، بے ایمان ظالم اور بے غیرت سماج کے رحم و کرم پر زندہ رہنے کے لئے مجبور ہوں گے۔ پھر اس وقت آپ زندہ تو ہوں گے لیکن زندگی کی تمام امنگوں اور مسرتوں سے محروم ہونگے؟۔

ابھی مزدوروں کے پاس جوانی، قوت اور صلاحیت ہے، ابھی تاجروں اور صنعت کاروں کے تحویل میں دولت ہے، ابھی طلبا، اور اساتذہ کے پاس علم اور فکر کی روشنی ہے، سماج میں احترام کی جوت جگانے اور اخلاقی قدروں کو مستحکم کرنے کے لئے ابھی سیاسی اور مذہبی رہنماؤں کے پاس تھوڑا وقت بچا ہوا ہے — مگر افسوس کہ یہ ساری قوتیں اور صلاحیتیں خرچ تو ہو رہی ہیں لیکن غلط سمت میں، دولتیں لٹ رہی ہیں لیکن تسکین ذات کے لئے، تعمیر سماج کے لئے نہیں۔ ہاں بس اسی الٹی سمت کو سیدھا کرنا اور ٹیڑھے رخ کو سدھارنا ہے اس تھوڑی سی مہلت میں۔

سوچئے ہماری کتنی صلاحیتیں تاش، کیرم بورڈ، شطرنج، کرکٹ اور دوسرے کھیلوں میں لگائی جا رہی ہیں اور گھنٹوں، ہفتوں، مہینوں اس غیر پیداواری اور غیر مفید مشغلوں میں ضائع کی جا رہی ہیں، کتنی دولت ناچ رنگ، قوالی، جلسے جلوس اور دوسری تقریبات میں لٹائی جا رہی ہیں۔ کتنی جوانیاں شراب، جوا، زنا، ٹی وی، سینما، اسمیک، ہیروئن کی آگ میں جھلسائی جا رہی ہیں، کتنی قوتیں مار پیٹ، غنڈہ گردی، ہنگامہ فساد میں جھونکی جا رہی ہیں۔ کیا اس کا سنجیدہ احساس ہم لوگوں کو ایک لمحہ کے لئے بھی ہوتا ہے۔؟

آپ نے کبھی سوچا کہ آپ کے محلہ اور اڑوس پڑوس میں کتنی بیوائیں اور یتیم بچے ہیں جن کے گھر کا چولھا کیوں بجھا رہتا ہے، کتنی ہی لڑکیاں سماج کے لہکائے ہوئے جہیز کے شعلوں کی ایندھن کیوں بن رہی ہیں۔ یہ کھلتی کلیاں، یہ شاداب شگوفے جو آپ ہی کے بچے بچیاں ہیں آوارگی کے شکار کیوں ہیں ان کی تعلیم و تربیت کا کوئی معمولی سا نظم بھی کیوں نہیں ہو پاتا۔ بہتی نالیوں اور بکھری ہوئی غلاظتوں کے ڈھیر، بیماریوں کو جنم دینے والی گندگیاں جو ہر طرف بکھری ہوئی ہیں آپ کو متاثر نہیں کرتیں؟؟ خوب اچھی طرح سوچ لیجئے آپ چاہے دولت مند ہوں یا مزدور عالم فاضل ہوں یا سماجی کارکن، سیاسی لیڈر ہوں یا جو کچھ ہوں آپ کی پہچان آپ کے ماحول کے حوالہ سے ہوتی ہے۔

جس سماج میں بے حیائی، فحاشی اور بد اخلاقی کو روکنے والا ضمیر مردہ ہو، جس ماحول میں معذوروں، محتاجوں اور کمزوروں کو سہارا دینے والا ہاتھ مفلوج ہو جس سوسائٹی میں جہالت، مرض اور گندگی دور کرنے کا احساس چھن گیا ہو تو سمجھ لینا چاہیئے کہ آپ کی سوسائٹی کا زوال شروع ہو چکا ہے اور وہ سماج دولت، علم، قوت اور صلاحیت سمیت برباد ہونے والا ہے۔

ہم، آپ، سب سماج کی منتشر اینٹیں ہیں۔ ان اینٹوں کے باہمی تعاون اور ایک دوسرے کے ساتھ مضبوطی سے جڑنے اور ایک دوسرے کو سہارا دینے ہی پر مستحکم عمارت کا انحصار ہے، اور مستحکم عمارت کے لئے ٹھوس اور مضبوط بنیاد کی ضرورت ہے۔ با اخلاق اور صحت مند ماحول، منشیات، شراب، جوا، زنا، چوری، قتل اور فحاشی سے پاک ماحول سماج کی مضبوط بنیاد ہوتی ہے اور اس ماحول میں معذوروں کا سہارا بننا، کچلے اور گرے ہوئے لوگوں کو اوپر اٹھانا، صفائی ستھرائی اور تعلیم و تربیت کا نظم کرنا سماج کی مستحکم عمارت اٹھانی ہے۔

کیا آپ اپنی سماجی ذمہ داریاں قبول کرنے اور سماج کو اس کا حق دینے کے لئے تیار ہیں؟

ایجنٹ حضرات توجہ فرمائیں

- بل ملتے ہی فوراً ادائگی کی فکر کریں۔
- وی۔ پی۔ پہنچنے کی اطلاع ملتے ہی پرچہ ڈاک سے چھڑانے کی زحمت کریں۔

(ادارہ)

بدعنوانیوں کی سرپرستی

مسلم یونیورسٹی علی گڈھ :- آج کل یہاں مختلف قسم کی بدعنوانیاں سر اٹھا رہی ہیں۔ موجودہ شیخ الجامعہ خوشامدانہ پالیسیوں پر مسلسل عمل پیرا ہیں اور یہ روایت اس قدر عام ہوگئی ہے کہ جو ان پالیسیوں کی راہ میں مزاحم ہوا اسے اپنے منصب سے ہاتھ دھونا پڑا۔ حالیہ دنوں میں ڈی ایس ڈبلیو پروفیسر مہدی حسن اور صدر اسٹوڈنٹس یونین مسٹر سرور حسین کو ان کے منصب سے معزول کرنا ان کی اس آمرانہ روش کی ہی مثالیں ہیں۔ پروفیسر مہدی حسن انتظامی عہدے داروں میں اس لحاظ سے منفرد و ممتاز تھے کہ وہ صحیح معنوں میں اپنے منصب کا پاس رکھتے ہوئے طلبہ کے مفاد ہی میں کام کر رہے تھے۔ ان کے فکر و عمل کا واضح رجحان سیکولر کی بجائے اسلامی تھا۔ غالباً یہی وہ منفی صفت تھی جو ان کے منصب پر مزید برقراری کے لئے جواز فراہم نہ کرسکی۔

مسٹر سرور حسین نے طلبہ کے انفرادی و وقتی مسائل کی ہنگامہ پرور فضا سے ہٹ کر دوراندیشی سے کام لیتے ہوئے کچھ دائمی اور دیرپا مسائل کو اپنی سرگرمیوں کا موضوع بنایا۔ یونیورسٹی کی داخلہ پالیسی اور اوقاف کی جائیداد میں غیر قانونی تصرف دو ایسے مسائل تھے جو ان کے ذریعہ اٹھائے گئے۔ داخلہ پالیسی کے تحت اس اہم ضرورت کو پیش نظر رکھا گیا تھا کہ اس یونیورسٹی کے اصل کردار کو سامنے رکھتے ہوئے تمام شعبوں میں مسلم طلبہ کی واضح اکثریت ہو نیز تمام ریاستوں کو مناسب نمائندگی مل سکے اور کسی کے ساتھ جانبداری نہ برتی جائے۔ اس مسئلہ پر شیخ الجامعہ کی خواہش کے علی الرغم اکیڈمک کونسل کی بھرپور تائید صدر یونین کو ملی۔ اس طرح انتظامی عہدے داروں کی اس بدعنوانی کو بے نقاب کرنے کی کامیاب کوشش عہدہ کی طرف سے ہوئی جو وقف کی زمین کو غیر قانونی طریقے پر فروخت کرنے کے سلسلہ میں [illegible] تھی۔ اس طرح شیخ الجامعہ نے اپنے اہل [illegible] کی سرپرستی فرماتے ہوئے موجودہ صدر کو ہٹانے کے لئے اپنے خصوصی اختیارات اور قانونی پہلوؤں کا سہارا لیا۔

یونیورسٹی میں پھیلی ہوئی بدعنوانیوں ہی کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ یہاں ایسے عادی مجرم ہیں جنھیں بااثر و بارسوخ افراد کی سرپرستی و حمایت حاصل ہے۔ یونیورسٹی کے زیر سایہ اطمینان سے زندگی گزار رہے ہیں اگر کبھی ضابطہ کی زد میں آکر صبح کو وجہ بتاؤ نوٹس یا معطلی کا فرمان ان کی بابت صادر ہوتا بھی ہے تو شام کو نامہ اعمال کی سیاہی ڈھل جاتی ہے۔ دوسری طرف ایسے طلبہ جنھیں کوئی ایسا سرپرست میسر نہیں ہے اور وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ کتنی بار گاہوں میں سجدے کرنے سے گناہوں کی معافی ہوتی ہے وہ معمولی گناہوں کی بھی اس قدر سزائیں پاتے ہیں جو عادی مجرموں کے جرائم کا بھی کفارہ بن جاتے ہیں۔ اس ضمن میں یہاں کا پراکٹوریل ڈپارٹمنٹ کافی بدنام ہے اور شیخ الجامعہ اس کے معصوم آلہ کار۔

متھلا یونیورسٹی : صوبہ بہار کے پس منظر میں یہ بات بہت مشہور ہے کہ وہاں کے تمام سرکاری شعبوں کی طرح شعبہ تعلیم کا نظم بھی زبردست کرپشن کی زد میں ہے اور اب کوئی طاقت بھی ان خرابیوں کی اصلاح نہیں کرسکتی۔ حال ہی میں جب ڈاکٹر شکیل الرحمن متھلا یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہوئے اور ان کے بعض اقدامات منظر عام پر آئے تو یہ امید ہو چلی تھی کہ وہ روایتی مقولہ جو بہار کی بابت مشہور ہے غلط ثابت ہوگا۔ لیکن اس امید پر اس وقت پانی پھر گیا جب گورنر بہار نے ان کے کئے گئے اصلاحی اقدامات کے نفاذ کو کالعدم قرار دیا اور بالآخر ان کی وائس چانسلر شپ ہی ختم کردی۔ اس سے یہ بات بہت واضح ہوکر سامنے آگئی کہ گورنر جیسا معزز اور محترم منصب بھی نہ صرف یہ کہ ان بدعنوانیوں کو ختم کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتا بلکہ حقیقت حال کے اعتبار سے ان بدعنوانیوں کی سرپرستی فرماتا ہے۔ اس ضمن میں اس عہدہ کی بےبسی کا شکوہ بھی کیا جاسکتا ہے اور اس کی غیر اثر اندازی کی توجیہ بھی۔ یہ بات مسلم ہے کہ کوئی غیر معمولی واقعہ ہی اس بگاڑ کو درست کرسکے تو کردے ورنہ بظاہر دور دور تک اس ریاست میں بہتری کے آثار نظر نہیں آتے۔

دہلی یونیورسٹی میں انتخابی عارضہ

دہلی یونیورسٹی کے ۵۲ کالجوں میں ۲۶ اگست کو ہونے والے یونین انتخابات کی سرگرمیاں شروع ہوگئی ہیں۔ انتخابات پرسکون طریقے پر کرانے کے سلسلہ میں پولیس کے بھاری انتظامات کے باوجود حکام مطمئن نہیں ہیں۔ اس بےاطمینانی کا ایک مظہر کیمپس سے دور ووٹوں کی گنتی کا انتظام کرنا ہے۔

حالیہ برسوں میں تمام اہم مقامات پر لوہے کے لوکدار سلاخوں والے بڑے گیٹ لگا دیئے گئے ہیں تاکہ طلبہ کی رسائی وائس چانسلر آفس تک نہ ہوسکے۔ اسی آفس میں پرو وائس چانسلر، ڈائرکٹر آف ساؤتھ کیمپس کالجز کے ڈین اور رجسٹرار کے آفس بھی ہیں۔ طلبہ کی یہ شکایت ہے کہ برطانوی دور میں بھی وائسریگل لاج (ان کے لفظوں میں) تک پہنچنا اتنا مشکل نہ تھا جتنا آج بنا دیا گیا ہے۔ وائس چانسلر آفس تک رسائی بھی الیکشن کا ایک اہم مسئلہ بن گیا ہے۔ کیونکہ وہ وی سی کے گھیراؤ

کو اپنا مجبوری کو سمجھتے ہیں جن میں سے انھیں محروم کیا جا رہا ہے۔ اسی طرح کے اور دیگر مسائل بھی ہیں جو سیاسی پارٹیوں کی پشت پناہی سے طے کرلئے گئے ہیں اور جن کا براہ راست تعلیم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

یہ بیتے دنوں کی بات ہے کہ طلبہ نظریاتی بنیاد پر الیکشن لڑا کرتے تھے۔ وقتی اور ہنگامی قسم کے مسائل آج کل الیکشن کا موضوع بنتے ہیں۔ مثلاً فنڈ میں خرد برد، بارہویں کلاس کے تمام ان طلبہ کو داخلے دینا جنھوں نے چالیس فیصد نمبر حاصل کئے ہوں۔ داخلہ کی تاریخوں کا بڑھوانا وغیرہ۔ ایسے امیدواروں کی تعداد بہت کم ہے جو نئی تعلیمی پالیسی اور پیشہ ورانہ تعلیم اور سبھوں کی ملازمت جیسے مسائل پر اظہار خیال کرتے ہیں۔ انتخابی منشور میں اس طرح کے مسائل کی شمولیت بھی ہو جاتی ہے لیکن جب انتخابی داخلہ مکمل ہو جاتا ہے تو منتخب نمائندے بسوں، ٹیبا ہالوں میں کینٹین اور کیمپس میں کلچرل شو کے انعقاد جیسے مسئلوں ہی پر اپنی توجہ مرکوز کرتے ہیں۔

یونیورسٹی الیکشن میں رویہ کی اس تبدیلی کا ذکر کرتے ہوئے ہنس راج کالج کے ایک طالب علم رو پیش جین نے کہا کہ آج جس چیز کی اہمیت ہے وہ لہر کی ہے اور اس کی آپ کس طرح اسے پیدا کر سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر ۱۹۸۵ء – ۱۹۸۶ء کے الیکشن میں کانگریس آئی کی اسٹوڈنٹ ونگ NSUI نے بھارتیہ جنتا پارٹی کی طلبہ تنظیم جنتا ودیارتھی پریشد JVP اور اکھل بھارتیہ ودیارتھی پریشد ABVP کی بارہ سالہ مشترک اقتدار کو ختم کر کے صدارتی سیٹ پر قبضہ کر لیا۔ وہ اس طرح کہ للت ماکن اور اس کی بیوی کے قتل کے بعد اس کے بھتیجے اجے ماکن کو جن کی کوئی حیثیت اس وقت تک نہ تھی امیدوار نامزد کیا اور اس ماکن لہر نے اسے غیر معمولی اکثریت سے فتح دلا دی۔ اسی طرح ۱۹۸۶ – ۱۹۸۷ء کے الیکشن میں "بہاری لہر" کا اثر تھا یونیورسٹی ہاسٹلوں میں بہاری طلبہ کی خاصی تعداد رہتی ہے NSUI اور ABVP دونوں نے بہاری امیدوار کھڑے کئے۔ اب جو امیدواروں کو دونوں پارٹیوں سے ٹکٹ نہیں مل سکے انھوں نے راتوں رات دہلی چھاتر مورچا DCM کے نام سے نئی پارٹی بنائی اور مدن سنگھ بشٹ ایک آزاد امیدوار کی طرح سے الیکشن لڑے اور یہاں پر بہاری مخالف اور گڑھوالی موافق لہر نے اسے جیت سے ہمکنار کیا۔ ساوتھ کیمپس میں گڑھوالی طالب علموں کی بڑی تعداد رہتی ہے۔

ایک سینئر یونیورسٹی پرنسپل کے مطابق کسی امیدوار کے باوزن ہونے کے لئے اس کے اندر اس صلاحیت کا ہونا بھی ایک ضروری وصف ہے کہ وہ حکام کو ڈرا دھمکا سکتا ہے یا نہیں۔ وہ بجبر اگر کوئی کام کروانے کی صلاحیت رکھتا ہے تو قابل انتخاب ہے اور اس کے لئے ان کے پاس بہترین ذریعہ تشدد ہے جس سے کام بھی ہو جاتا ہے اور لوگوں کے دلئے اس میں کشش بھی ہوتی ہے۔ اس تشدد کا مظاہرہ پھولوں کے گملے، کمروں کے شیشے یا فرنیچر توڑنے سے کیا جاتا ہے تا کہ حکام کو امیدوار کی صلاحیتوں کا علم ہو سکے۔ یونیورسٹی کے ایک سینئر آفیسر کے بقول کیمپس سیاستدانوں کے مفادات کا اکھاڑہ بن گیا ہے۔ پروفیسر گوول جنھیں طلبہ اور یونیورسٹی دونوں سے رابطہ کا تجربہ ہے ان کے بیان کے مطابق طلبہ کے قائدین انتظامیہ کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں، ان کا احترام بھی ان کے دلوں میں ہے۔ اکثر اوقات انھیں خاص قسم کی حرکت کے لئے مجبور کر دیا جاتا ہے اور یہ سب پارٹی کے اشاروں پر ہوتا ہے۔ جبکہ طلبہ قائدین کا یہ کہنا ہے کہ سیاسی پارٹیوں کی پشت پناہی ناگزیر ہے۔ گذشتہ سال کے شکست خوردہ لیڈر رامی شنکر نے کہا کہ بہت سے ایسے مسائل ہوتے ہیں جنھیں یونیورسٹی کی سطح پر حل نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے سیاسی پارٹیوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ بدلے میں وہ بھی کچھ ہم سے چاہتے ہیں۔ سابق صدر یونین نریش ٹنڈن نے بھی سیاسی پارٹیوں کی راست مداخلت اور ان کے مسلسل بڑھتے ہوئے اثر کا اعتراف کرتے ہوئے بھی اس بات کی تردید کی کہ طلبہ اس سیاسی کھیل میں محض آلۂ کار ہوتے ہیں۔

یونیورسٹی کی انتخابی مہم کے لئے ہفتہ سے دس دنوں کا وقت دیا جاتا ہے تجربہ کے طور پر طلبہ امیدوار زیادہ سے زیادہ مدد کے خواہاں ہوتے ہیں اور سیاسی پارٹیاں بخوشی اس خواہش کی تکمیل کرتی ہیں۔ کسی پارٹی سے وابستگی نہ صرف مہم کو آسان بناتی ہے بلکہ مستقبل میں بہتر کیریر کی ضمانت بھی بن جاتی ہے اس لئے ان کی پیشکش ٹھکرائی نہیں جاتی۔ گذشتہ سالوں میں کانگریس آئی اور بی جے پی نے خاصی خطیر رقمیں ان انتخابات پر صرف کی ہیں۔ وزیر اعظم کی بھی راست دلچسپی نوٹ کی گئی ہے۔ انھوں نے اجے ماکن کی کامیابی پر ذاتی طور سے انھیں مبارکباد دی تھی۔ غیر سرکاری ذرائع کے مطابق NSUI تین سے دس لاکھ روپے تک ہر الیکشن میں خرچ کرتی رہی ہے اور ABVP اور JVM کا اتحاد ایک سے تین لاکھ تک خرچ کرتا ہے۔ جبکہ یہ بات یقینی ہے کہ ان کی سرپرست پارٹیاں اپنے بجٹ میں اس کے لئے کوئی رقم مخصوص نہیں کرتیں۔ پارٹی کے آفس میں مہم میں کام کرنے والوں کو دو وقت کا کھانا فراہم کیا جاتا ہے۔ اس طرح ضیافت آمد و رفت اور پوسٹروں پر بے حساب رقم خرچ کی جاتی ہے۔

ABVP کے الیکشن میں مسلسل فتح یاب ہونے کی وجہ ایک طالب علم کے بقول ان کے پاس RSS کے تربیت یافتہ رضا کاروں کا موجود ہونا ہے جو یونیورسٹی میں نچلی سطح تک نفوذ کے ارادے رکھتا ہے۔ NSUI کے برخلاف ان کے ہاں نظم و ضبط کا ایک درجہ میں شعور بھی ہے۔ نریندر ٹنڈن کا خیال ہے جنھیں پچھلے الیکشن میں NSUI کے غنڈوں نے چھرے سے زخمی کر دیا تھا کہ NSUI کا یونیورسٹی کو سب سے بڑا تحفہ غنڈہ گردی ہے اور اس کے پاس کوئی مؤثر قیادت بھی نہیں ہے۔ NSUI کے پاس تقریباً لیڈر ہیں اور سب مختلف عہدیداروں کے دعویدار ہیں اور یہ آخری وقت تک طے نہیں ہو پاتا کہ حتمی بات کس کی ہوگی۔ دیواروں پر لگنے والے پوسٹر اس کے شاہد ہیں۔ پارٹی امیدوار کے انتخاب میں اوسکار فرنانڈیس، ایچ کے ایل بھگت اور جگدیش ٹائیٹلر جیسی شخصیتیں شریک ہوتی ہیں۔ ان دو اہم پارٹیوں کے علاوہ بھی بعض کمیونسٹ طلبہ تنظیمیں

مذہب اور سیاست کی تفریق

منور حسین فلاحی

پنجاب کی عورتوں سے ہمارے حکمرانوں کو نیا حربہ مل گیا ہے جس کے ذریعہ وہ لوگوں کی توجہ اصل مسئلہ سے ہٹا کر ملک میں پیدا ہونے والے بیشمار مسائل کے حل کے سلسلے میں اپنی نااہلی پر پردہ ڈال رہے ہیں۔ یہ نکتہ کسی دیدہ ور نے انھیں سمجھا دیا ہے کہ ریاست کی دہشت گردی کے پیچھے جو تصور کار فرما ہے وہ مذہب و سیاست کی یکجائی ہے اور اس کی واضح علامت وہاں کی سیاسی سرگرمیوں کے لئے گولڈن ٹمپل کا مرکز بنالینا ہے۔ چنانچہ اس خطرناک رجحان کو ختم کرنے کے لئے مختلف حلقوں سے زبردست بیانات و اعلانات منظر عام پر آئے جس نے بالآخر مذہبی اداروں کو سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کئے جانے کے بل ۱۹۸۸ء کی صورت اختیار کی اور پارلیمنٹ سے اسے پاس بھی کرالیا گیا۔ اس ملک میں قانون کی دھجیاں بکھیرنے میں حکمراں طبقہ اور عوام دونوں مہارت رکھتے ہیں۔ اس بل کو پاس کرتے وقت ہی حکومت کو یہ احساس ہوا کہ یہ بل بھی اس کے مقاصد پورے نہیں کرسکتا۔ چنانچہ اسی دوران یہ بات بھی کہہ دی گئی کہ مذہب و سیاست کی تفریق کے لئے ایک جامع بل بھی تیار کیا جائے گا۔ جس سے شاید اصل مسئلہ حل ہوسکے۔ لیکن بنظر غائر دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ مذہب و سیاست کی تفریق کی بات اصولی طور پر صحیح ہے نہ عملی طور پر۔ اصولی طور پر تو اس لئے نہیں کہ اگر کوئی مذہب انسان کی پرائیوٹ زندگی ہی سے بحث کرتا ہے تو اس کی بات اور ہے لیکن جو مذہب انسان کی اجتماعی زندگی کے لئے بھی ہدایات دیتا ہے جیسے کہ اسلام ہے تو اس کے دائرے سے سیاست باہر ہو ہی نہیں سکتی۔ سیاست تو دراصل انسان کے اجتماعی امور کی تنظیم ہی کا نام ہے۔ یہ بات بھی کہی جاسکتی ہے کہ انسانی زندگی ایک کل ہے اس کے حصے بخرے نہیں کئے جاسکتے۔ اس کا ہر شعبہ دوسرے سے تعلق اور واسطہ رکھتا ہے، مذہب و سیاست اس کی زندگی کے اگر دو خانے ہیں تو ان دونوں کے درمیان تال میل اور تعلق ناگزیر ہے۔ عملی طور پر یہ تصور اس طرح غلط ثابت ہوتا ہے کہ اس نعرے کی دہائی دینے والے وزیراعظم پارلیمنٹ اور دیگر ایوانوں میں تو اسی نظریہ کی تکرار کرتے ہیں لیکن موقع آنے پر قشقہ بھی کھینچا جاتا ہے۔ مندروں میں پوجا بھی کی جاتی ہے۔ اور پنڈتوں کے آشیروادبھی حاصل کئے جاتے ہیں۔ الیکشنی مقاصد جو سراسر سیاسی مقاصد ہیں۔ ان کے حصول کے لئے خالص مذہبی جذبات کا استعمال بھی کیا جاتا ہے۔ ایسے حکمرانوں کو تو یہ زیب بھی نہیں دیتا کہ وہ مذہب و سیاست کی علیحدگی کی بات بھی زبان پر لائیں۔

مذہب و سیاست میں تفریق کا یہ تصور کلیسائی نظام کے جابرانہ عمل کے نتیجے میں پیدا ہوا لیکن آج کل حقیقت پسندی کی بنیاد پر یہ تصور مضمحل ہوچکا ہے۔ بڑے پیمانے پر مختلف ممالک اس تصور کے غلط ہونے کا اعلان کرچکے ہیں۔ اس صورتحال میں بھی اگر اس فرسودہ تصور کو ہمارے یہاں بار بار دہرایا جاتا ہے تو یہ ہماری نظریاتی پسماندگی اور مسائل کا مقابلہ کرنے میں ہماری بے بسی کی دلیل تو بن سکتا ہے کسی مسئلہ کا حل اور کسی درد کا مداوا ہرگز نہیں ہوسکتا۔

بقیہ کیمپس تحریر

ہیں جو یونیورسٹی کی سیاست میں شریک ہیں مثلاً AISF اور SFI جو اپنی انفرادیت کو باقی اور نمایاں کرنے کی کوشش کرتی ہیں لیکن ان کا زیادہ اثر طلبہ پر نہیں ہے جبکہ دہلی یونیورسٹی کے تدریسی عملہ پر بائیں بازو کا اثر نمایاں ہے۔

اسٹوڈنٹس ایکشن کمیٹی، دہلی چھاترا مورچہ بعض دوسری تنظیمیں ہیں جو غیر موثر ہیں DCM نے NSUI میں خود کو ضم کردیا تھا اس لئے گذشتہ سال کے صدر گارک کو صدارتی امیدوار بنالیا گیا تھا۔ ایک اور غیر معروف تنظیم چھاترجنتا پارٹی ہے۔

یونیورسٹی کے ہنگاموں کے لئے جہاں سیاسی پارٹیاں ذمہ دار ہیں خود یونیورسٹی اس خرابی سے خود کو الگ نہیں کرسکتی۔ گذشتہ سالوں میں اس نے طلبہ کے اس مطالبہ کو تسلیم کرلیا کہ یونین الیکشن کے لئے عمر کی حد میں اضافہ کیا جائے۔ نتیجہ کے طور پر وہ طلبہ جن کا تعلیمی کیریئر برائے نام ہوتا ہے۔ کیمپس میں حکمرانی کرتے اور اس کی فضا کو متاثر کرتے ہیں۔

معاملہ کا دلچسپ پہلو یہ بھی ہے کہ ان سب خرابیوں کے پس پشت یونیورسٹی کی بعض مراعات بھی ہیں مثلاً ایک طالب علم جب گریجویشن کرلیتا ہے تو کسی آنرس کورس کے سیکنڈ ایئر میں وہ پھر داخلہ لینے کا مجاز ہے اور اس طرح غلط قسم کے عناصر کو پھر قدم جمانے کا موقع مل جاتا ہے اور ان کی غلط حرکتوں پر بھی سیاسی دباؤ کے نتیجے میں معمولی ہی گرفت ہوتی ہے اور وہ یہ کہہ کر چھوڑ دیا جاتا ہے کہ یہ بچے ہیں انھیں چھوڑ دو۔ دوسری طرف جب طالب علموں کے معقول مسائل سامنے آتے ہیں تو انھیں نظر انداز کردیا جاتا ہے۔ اصل میں وائس چانسلر کے مشیر اسی کو بہتر سمجھتے ہیں کہ طلبہ کا سامنا کرنے کے بجائے دور ہی رکھا جائے۔

ابتدا میں انتخابات کا طریقہ بالواسطہ تھا۔ ۱۹۷۲ء تک کالج کے طلبہ اپنے نمائندوں کا انتخاب کرتے تھے اور پھر یہ نمائندے یونیورسٹی

بقیہ صفحہ ... پر

ایس آئی او آف انڈیا مرکزی مشاورتی کونسل کی

قرار دادیں

ایس آئی او کی مرکزی مشاورتی کونسل نے اپنے سالانہ اجلاس منعقدہ دہلی مورخہ ۲ تا ۹ اگست ۱۹۸۸ء میں ملک وملت کی موجودہ صورت حال پر غور وفکر کیا اور درج ذیل قرار دادیں منظور کی ہیں۔

۱۔ کونسل محسوس کرتی ہے کہ بابری مسجد کے سلسلے میں حکومت کی سرد مہری اور ناعاقبت اندیشی سے حالات دن بدن خراب ہوتے جا رہے ہیں اور ملکی فضا مسموم ہوتی جا رہی ہے۔ انتہا پسند عناصر کی حوصلہ افزائی اور عبادت گاہوں کی بے حرمتی اور ان پر جابرانہ قبضے سے مسلمانوں کے اندر عدم تحفظ کا احساس بڑھتا جا رہا ہے۔ لہٰذا کونسل پرزور مطالبہ کرتی ہے کہ حکومت جلد از جلد مبنی بر انصاف اقدام سے مسلمانوں کے اندر اعتماد پیدا کرے۔ ساتھ ہی کونسل اس خیال کا اظہار بھی مناسب سمجھتی ہے کہ ہمیں اپنے جائز حقوق کے لئے جد وجہد میں پر وقار انداز اختیار کرکے اکثریت کے انصاف پسند لوگوں کو بھی زیادہ سے زیادہ اپنے حق میں ہموار کرنے کی صورتیں اپنائی جائیں۔

کونسل اس مسئلہ کے حل کیلئے ملک کی بعض اہم شخصیتوں کی طرف سے کی گئی کوششوں کو بنظر تحسین دیکھتی ہے۔ اور توقع کرتی ہے کہ معقولیت کی اسی روش کے فروغ کیلئے موثر کوششوں کا سلسلہ جاری رہے گا۔

۲۔ کونسل ملک میں بڑھتے ہوئے اخلاقی زوال پر انتہائی تشویش کا اظہار کرتی ہے خصوصاً زنا بالجبر کے آئے دن ہونے والے واقعات اور ان میں مبینہ طور پر پولیس کا ملوث ہونا انتہائی شرمناک بات ہے۔ گذشتہ چند مہینوں میں بہار، آسام اور دیگر ریاستوں میں پولیس کے ذریعہ اجتماعی آبروریزی کے جن واقعات کی خبریں ملتی رہی ہیں وہ ہماری بدترین اخلاقی حالت کے مظہر ہیں۔ کونسل ایسے جرائم کی تحقیق اور مجرموں کیلئے عبرتناک سزاؤں کا مطالبہ کرتی ہے، عورتوں کے وقار اور شان کی اہمیت کو اجاگر کرنے کی کوششوں کے باوجود ہماری سماج میں ان کی یہ بے حرمتی ستم رسیدہ بہوؤں کا جلنا اور اسی طرح کے دوسرے واقعات عورتوں کے ساتھ کھلی ناانصافی کی ایک بھیانک تصویر پیش کرتے ہیں۔

۳۔ کونسل دوردرشن کے ذریعہ ہونے والی بے حیائی کے پرچار اور ایک مخصوص تہذیب کی مسلسل تبلیغ وترویج کی کوششوں پر بھی اظہار تشویش کرتی ہے اور حکومت کو توجہ دلاتی ہے کہ وہ اس معاملے میں جلد سے جلد نوٹس لے اور سماج کو غلط راہوں پر جانے کی ترغیب نہ دینے دے۔

۴۔ کونسل سرکاری نصابی کتابوں میں ایسے اجزاء کی شمولیت کو سخت قابل اعتراض گردانتی ہے۔ جن کے ذریعہ ایک مخصوص تہذیب کی چھاپ نئی نسل کے ذہنوں پر بٹھائی جاتی ہے اس سلسلے میں NCERT کی طرف سے درجہ ششم کے ہندی زبان کے نصاب میں سنکچھپت رامائن (مختصر رامائن) کو شامل کیا جانا اس کی نمایاں مثال ہے۔ ایک کثیر المذاہب ملک کے تعلق سے حکومت کی یہ بات نہایت قابل اعتراض ہے کہ وہ سبھی مذاہب کو مساوی حیثیت دینے کے بجائے کسی خاص مذہب کی تعلیم کو سب کے لئے لازمی قرار دینے کی صورتیں اختیار کرے۔

۵۔ عبادت گاہوں کے غلط استعمال کو روکنے کے خلاف بل ۱۹۸۸ء Religious Institutions (Prevention of Misuse) Bill 1988 کے دائرے کو جس طرح وسعت دی گئی ہے اسے کونسل مذہبی آزادی اور عبادت گاہوں کے استعمال کے حق میں بے جا مداخلت کرتی ہے اور اسے فی الفور واپس لینے کا مطالبہ کرتی ہے۔ کونسل کو یقین ہے کہ اس بل کے پاس ہو جانے سے بنیادی مذہبی حقوق پر بے جا دست درازی کا غیر ضروری اختیار حکومت کو مل جائے گا۔ کونسل کا خیال یہ ہے کہ مذہبی اداروں کے غلط استعمال سے روکنے کے لئے حکومت موجودہ قوانین سے کام لے کر کنٹرول کر سکتی ہے۔

۶۔ کونسل کا یہ اجلاس ایران عراق کے مابین نو سالہ طویل جنگ کے بند ہونے کے فیصلے پر اپنی خوشی واطمینان کا اظہار کرتا ہے اور امید کرتا ہے کہ تمام مسلم ممالک اپنی قوتوں کو مجتمع کرکے اسے قبلہ اول کی بازیابی کے لئے استعمال کریں گے۔

۷۔ یہ اجلاس افغانستان کی آزادی کے لئے اس ملک کے عوام کی طویل اور صبر آزما جد وجہد کے نتیجہ میں روسی فوجوں کی واپسی کے سلسلے میں بھی خوشی محسوس کرتا ہے اور مجاہدین کو ان کی کامیابی پر ہدیہ مبارکباد پیش کرتا ہے اور اس توقع کا اظہار کرتا ہے کہ افغان مہاجرین عزت ووقار کے ساتھ جلد از جلد اپنے وطن واپس جا کر اپنے ملک کے مسائل کو حسن وخوبی کے ساتھ حل کریں گے۔ یہ اجلاس کسی بھی ملک کے غیور عوام پر کسی کٹھ پتلی حکومت کو باقی رکھنے کی کوشش کو ان کی آزادی رائے کے منافی اور قابل مذمت سمجھتا ہے۔

بقیہ کیمپس نیوز

باڈی کو منتخب کرتے تھے لیکن جب کالج کے نمائندوں کا اغوا ہونے لگا تو طریقہ انتخاب بدل دیا گیا۔ لیکن موجودہ طریقے میں سیاسی پارٹیوں کی مداخلت کے نتیجے میں تشدد بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ تعلیمی سال کی ابتداء سے اگست تک انتخابات ہی سب کی توجہ کا مرکز ہوتے ہیں۔ ستمبر سے دسمبر تک یونین مظاہروں، ہڑتالوں میں مشغول رکھتی ہے۔ صرف جنوری سے مارچ تک تعلیم ہوتی ہے۔ تعلیم کے اس بڑے نقصان کے پیش نظر ایک تجویز یہ دی گئی ہے کہ مختلف کالجوں سے ممتاز طلبہ منتخب کئے جائیں جو یونیورسٹی یونین کونسل کا انتخاب کریں۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ کیا طالب علموں کے لئے قابل قبول ہوگا۔ NSUI کے راجیش گرگ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ذہین طالب علم الیکشن میں کھڑے ہونے کے بجائے IAS کے کمپٹیشن میں بیٹھنا پسند کریں گے۔

شرارت

مظفر حسین غزالی

چلچلاتی دھوپ تھی۔ سڑک پر بھیڑ کم تھی۔ تبھی اسکول کی چھٹی ہوئی۔ سڑکوں پر طلبا کے غول کے غول چل رہے تھے اسکول کی چھٹی کے وقت تو یہ سماں روز ہی ہوتا تھا۔ آج دھوپ کی تیزی نے طلبہ میں جلدی پیدا کر دی تھی۔ سب یہ چاہتے تھے کہ جلد گھر پہنچ جائیں۔ گرمی سے نجات ملے۔ ٹھنڈ نصیب ہو۔ کون نہیں چاہتا کہ گرمی میں ٹھنڈک ملے۔ طلبہ کے سیلاب میں نکلنے پڑنے والوں کو پریشانی ہو رہی تھی۔ نسیم جو کسی ضروری کام سے کہیں جا رہا تھا۔ گاڑی روکے سڑک کے کنارے کھڑا تھا۔ اس نے دیکھا کہ اس بھیڑ کے بیچ ایک ساڑھے تین فٹ کا لڑکا بھی ہے۔ اس نے سوچا یہ اتنا چھوٹا لڑکا کون ہے۔ چل کے ملاقات کی جائے۔

نسیم اس کے قریب پہنچا تو اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ جسے ابھی تک وہ لڑکا سمجھ رہا تھا۔ وہ ایک پورا آدمی تھا۔ اس کی عمر پچیس تیس سال رہی ہوگی۔ اس آدمی کے پیر نہیں تھے۔ اس کی آدھی ٹانگیں تھیں۔ وہ گھٹنے کے بل سڑک پر چل رہا تھا۔ پھر کرتا بھی کیا گھٹنے سے نیچے کی ٹانگیں تو تھی ہی نہیں۔ نسیم اسے دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔ اسے اس آدمی پر بہت رحم آ رہا تھا۔ اس نے سوچا میرے پاس گاڑی ہے۔ کیوں نہ میں گاڑی سے اس کو چھوڑ دوں۔ جہاں اس کو جانا ہے۔

قریب جانے پر نسیم کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ اس نے اپنی آنکھوں کو مسلا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ کیا وہ دن میں خواب دیکھ رہا ہے۔ اس نے اپنے آپ سے سوال کیا۔ یہ چھوٹا آدمی تو اس کے زمانے کا سینئر اسٹوڈنٹ تھا۔ جب نسیم چھٹی کلاس میں تھا تو مڈل میں پڑھ رہا تھا۔ اس کی زبان سے بے ساختہ نکلا خالد... نہیں نہیں یہ خالد نہیں ہو سکتا۔ وہ تو بہت اسمارٹ لڑکا تھا۔ نسیم کو بھی اسکول میں سب جانتے تھے۔ پھر خالد نے نسیم کا داخلہ ہی کرایا تھا۔ خالد اس کا بہت خیال بھی رکھتا تھا۔ نسیم آٹھویں کے بعد دہلی آگیا تھا۔ اور خالد وہیں رہ گیا تھا۔

نسیم آدھی ٹانگوں والے آدمی کے پاس آیا۔ اس نے معلوم کیا۔ آپ کا نام کیا خالد ہے۔ یہ چھوٹا آدمی چونکا پھر کہا ہاں میں خالد ہوں۔ مگر تم مجھے کیسے جانتے ہو۔ اس نے سوال کیا۔ نسیم نے جواب میں صرف اپنا نام بتایا۔ خالد اسے پہچان نہ سکا تھا کیوں کہ جب وہ اسکول میں تھا تو ایک بچہ تھا۔ نہ داڑھی نہ مونچھ۔ اب سب کچھ بدل چکا تھا۔ خالد نے نسیم کا نام سن کر کہا۔ کیا تم وہی نسیم ہو۔ جس کو دیوان جی چھٹی کلاس میں داخلہ دلانے اسکول لائے تھے۔ اور میں نے داخلہ کرایا تھا۔ پرنسپل صاحب نے صاف کہہ دیا تھا کہ اسکول میں جگہ نہیں ہے۔ مگر میرے زور ڈالنے پر وہ راضی ہو گئے تھے۔

ہاں میں وہی نسیم ہوں۔ مگر تمہارا یہ حال کیسے ہو گیا خالد صاحب۔ آپ تو کرکٹ، ہاکی کے اچھے کھلاڑی بھی تھے۔ ہاں تھا جو کچھ بھی تھا مگر اب نہیں خالد نے جواب دیا۔ نسیم بہت جذباتی ہو رہا تھا۔ اس نے بات پوری ہونے سے پہلے ہی سوال کر دیا مگر آپ کی یہ حالت کیسے ہو گئی۔ کیا بتاؤں یہ ایک لمبی داستان ہے۔ کچھ تو . . . .

سڑک پر بھیڑ کم ہو چکی تھی۔ نسیم نے خالد کو اپنی گاڑی میں بیٹھایا اور گھر لے آیا۔ خالد کو دیکھ کر نسیم کے والدین کو بھی بہت دکھ ہوا۔ انھیں بھی اس کی حالت پر بہت ترس آ رہا تھا۔ کھانے کا وقت تھا سب کھانے کے کمرے میں چلے گئے۔ کھانے کے بعد نسیم خالد کو اپنے ڈرائننگ روم میں لایا۔ ابھی ادھر اُدھر کی باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ گڑیا چائے لے آئی۔ گڑیا نسیم کی چھوٹی بہن تھی۔ اب دونوں چائے پی رہے تھے۔ نسیم نے پھر اپنا سوال دہرایا خالد صاحب یہ سب کیسے ہوا۔ آپ کی ٹانگیں گھٹنوں سے کیسے الگ ہو گئیں۔

یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ میں اسکول میں سب سے زیادہ شریر تھا۔ مجھ سے سب پریشان تھے۔ پڑھنے، کھیلنے اور مقابلوں میں اسکول کی ناک بھی تھا۔ اس لئے مجھ سے کوئی کچھ نہ کہتا تھا۔ پرنسپل، ٹیچر میری ہر بات مانتے تھے۔ مگر میں تھا بہت شریر۔ بس اور ٹرین میں ٹکٹ لینا تو میں جانتا ہی نہ تھا۔ ایک دن موسم بہت اچھا ہو رہا تھا۔ ہلکی ہلکی بارش، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا تھی۔ دوستوں نے کہا آج پکنک پر چلیں۔

میں راضی ہوگیا۔ طے ہوا کہ رشید کے گاؤں چل کر اسس کی کھیر کھائیں گے۔ مٹر کی پھلیاں بھی وہاں ملیں گی۔ مکا کے بھٹے بھی کھائیں گے۔ بس پھر کیا تھا۔ منہ میں پانی آگیا۔ پروگرام طے ہوا اور سب ریل میں بیٹھ کر رشید کے گاؤں کی طرف چل دیئے شرارت میں اب بھی کمی نہ تھی۔ ڈبہ کے لوگوں کا ناک میں دم ہوگیا تھا۔ کوئی گانا گا رہا تھا تو کوئی شور مچا رہا تھا۔ اور میں بہت سے بوڑھے لوگوں کو بیوقوف بنا رہا تھا۔

تبھی ڈبہ میں پولیس گھومتی نظر آئی۔ میں نے پولیس والوں کو بھی کھینچا۔ تھوڑی دیر میں معلوم ہوا کہ ٹرین چیک ہو رہی ہے۔ بلا ٹکٹ پکڑے جا رہے ہیں۔ مجسٹریٹ چیکنگ ہے۔ سب لڑکے فرار ہوگئے۔ میں اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ میں تو سوچتا تھا ریل اپنے گھر کی چیز ہے۔ اسس میں کون ہے جو مجھے پکڑ سکتا ہے۔ الغرض میرے ڈبہ میں بھی ٹکٹ چیکر آئے۔ مجھ سے معلوم کیا ٹکٹ ہے۔ اب خالد نے بہت افسوس کے ساتھ کہا کہ میں نے فوراً کہہ دیا میرے پاس ٹکٹ نہیں ہے۔ یہ کہنا تھا کہ دو پولیس والوں نے مجھے اپنے مضبوط ہاتھوں میں جکڑ کر پکڑ لیا۔ اور ایک طرف لے چلے۔ ریل گاڑی تیز چل رہی تھی مجھے اپنے اوپر افسوس ہو رہا تھا کہ کیوں نہ دوسرے ساتھیوں کے ساتھ اتر گیا۔ خیر پولیس والے کا ہاتھ تھوڑا ڈھیلا ہوا۔ اور میں نے زوردار جھٹکا مارا ہاتھ چھڑا کر میں چلتی گاڑی سے کود گیا۔ بس مجھ کو کودنا یاد ہے۔ اسس کے آگے کچھ یاد نہیں۔ جب مجھے ہوش آیا تو میری ٹانگیں مجھ سے الگ ہو چکی تھیں۔ اور میں اسپتال میں پڑا ہوا تھا۔ میری شرارت نے مجھ سے میری ٹانگیں چھین لی تھیں۔ تب سے میری یہ حالت ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں۔

یہ کہہ کر وہ خاموش ہوگیا۔ اس کی آنکھ سے دو آنسو ٹپکے ایک سرد آہ لی اور پھر اجازت طلب کر کے چل دیا۔ اور نسیم یوں ہی کھڑا اسے دیکھتا رہا۔

اے دلِ بیتاب ٹھہر

سہیل ساحل
موتی ہاری (بہار)

وہ اشتہار بازوں سے پریشان تھا۔ یہ ملک بھی کوئی ملک ہے جہاں اچھے بھلے مکانوں کو لوگ اشتہاروں، پوسٹروں، پمفلٹوں اور طرح طرح کے نعروں سے سیاہ کر دیتے ہیں۔ کھوئی ہوئی طاقت اور جوانی حاصل کیجئے۔ شادی سے پہلے اور شادی کے بعد رابطہ قائم کیجئے۔ ہائیڈروسل کا علاج بغیر آپریشن کے۔ کیا آپ سفید داغوں سے پریشان ہیں؟ صرف پندرہ دنوں میں شرطیہ علاج۔

اور جب الیکشن کا زمانہ آتا ہے تو ایک طوفان بدتمیزی ہی کھڑی ہو جاتی ہے۔ جلسے جلوس نعرہ بازی و جوابی نعرہ بازی کے علاوہ وال رائٹنگ کا سلسلہ بھی شروع ہو جاتا ہے۔ "لال قلعہ پر لال نشان مانگ رہا ہے ہندوستان"، "اندرا لاؤ دیس بچاؤ"، "یہ راجہ نہیں فقیر ہے دیس کی تقدیر ہے"، "یہ راجہ ہے نہ رنک ہے دیس کا کلنک ہے"، اس طرح کے نعروں سے دیوار سیاہ ہو جاتا اسی لئے پارلیامنٹ، اسمبلی اور میونسپل انتخابات کے بعد اس نے اپنے مکان کی وہائٹ واشنگ کرائی تھی پھر بھی وہ ہوشیار ہی رہتا تھا کیونکہ سیاسی وغیر سیاسی جماعتوں کی "نومولود" طلبا اور یوتھ تنظیمیں ہمیشہ ہی شہر میں ہنگامہ مچائے رہتی ہیں۔ ان کے کارکن رات کو چوروں کی طرح چپکے سے آتے ہیں اور دیواروں کو سیاہ کر کے چلے جاتے ہیں۔ آج شہر میں کسی طرح کی تحریک چلنے کی بھنک ملی تھی۔ اسس لئے رات کو وہ ذرا چوکنا ہو کر سوتا تھا اور ذرا سی آہٹ ملنے پر کھڑکی سے باہر جھانک لیتا تھا۔

جب وہ رات کو سویا ہوا تھا اسے آہٹ ملی ساتھ ہی بات چیت کرنے کی دھیمی دھیمی آوازیں۔ اسے شبہہ ہوا۔ ہونا ہو کسی جماعت کے "نومولود" آہی دھمکے ہوں۔ اسس نے کھڑکی کھول کر دیکھا اسس کا شک یقین میں بدل گیا۔ چند نوجوان اسس کی دیواروں کو سیاہ کرنے میں مشغول تھے۔ اس نے اپنے سرہانے سے ڈنڈا اٹھایا اور مصمم ارادہ کیا کہ آج دو چار کے ہاتھ پیر توڑ کر ہی دم لوں گا۔ تاکہ پھر کوئی دوسرا میرے مکان کا رخ نہ کرے۔ سڑک کے کنارے مکان ہونا بھی ایک آفت ہی ہے۔ وہ بدبداتا ہوا زینے سے نیچے آیا۔ جب اسس کی نظر دیواروں پر لکھے ہوئے نعروں ٭

٭ پر پڑی تو اسے اپنی آنکھوں پر اعتبار نہ آیا۔ اسس نے اپنی آنکھوں کو کئی بار مل مل کر دیکھا

جہیز ہٹاؤ سماج بچاؤ

दहेज का बहिष्कार समाज पर उपकार

DOWRY IS A SLUR ON THE FACE OF SOCIETY

وہ چپکے سے واپس لوٹ گیا۔ اسس کے دل سے ان لڑکوں کے لئے دعائیہ کلمات نکلے۔ جو جاڑے کی اس سرد ترین رات میں یہ کام انجام دے رہے تھے

اسس کے گھر میں ایک نوجوان لڑکی تھی۔

مذہب اور زندگی

محفوظ عالم ۔ نیوکریم گنج ۔ گیا (بہار)

مذہب زندگی کی روح ہے۔ اس کے بغیر ہمارا وجود ناقص ہے۔ کیونکہ مذہب ہی آدمی کو انسان بناتا ہے۔ وہ جینے کا سلیقہ اور بامقصد زندگی گذارنے کی ترکیب بتاتا ہے۔ عام فہم زبان میں مذہب زندگی گذارنے کے طریقے کا نام ہے۔ ایسے تو جانور بھی کھاتے پیتے ہیں اور اپنی جسمانی ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں۔ ان میں بھی احساس، ادراک، سوچ و فکر، جذبات وغیرہ کا عمل جاری و ساری رہتا ہے۔ فرق صرف ہوتا ہے ان کے استعمال کے ڈھنگ کا۔ اس لئے مذہب ہی انسان کو اس سے ممیز کرتا ہے اور انہیں اشرف المخلوقات بناتا ہے۔ ایک فلسفی نے بالکل صحیح کہا ہے کہ اگر خدا موجود نہ ہوتا تو ہم پر واجب تھا کہ اسے ایجاد کر لیں اور پھر اس پر ایمان لائیں۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان فطری طور پر مذہبی ہے۔ یہ بات دعوے کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ ہر انسان شعوری یا لاشعوری طور پر ایک بڑی طاقت کا اقرار کرتا ہے۔ جیسے وقت آنے پر وہ پکارتا ہے اور اس کی پوجا کرتا ہے۔ اس حقیقت کو ایک مثال کے ساتھ سمجھا جا سکتا ہے۔ ایک انسان تن تنہا ایک سنسان و بیابان میں چلا جا رہا ہے، جہاں دور دور تک آبادی کا نام نہیں۔ اسی دوران اس پر کوئی خطرناک جانور حملہ کر دیتا ہے تو اس کے اندر سے ایک عجیب چیخ نکلتی ہے۔ اور یہی چیخ اس کی حقیقت کا پتہ دیتی ہے۔ اسی بات کو قرآن پاک نے اس طرح پیش کیا ہے:

ترجمہ: جب سمندر میں تم پر مصیبت آتی ہے تو اس ایک کے سوا دوسرے جن جن کو تم پکارا کرتے ہو، وہ سب گم ہو جاتے ہیں، مگر جب وہ تم کو بچا کر خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو اس سے منہ موڑ جاتے ہو، انسان بڑا ناشکرا ہے۔ (بنی اسرائیل ع ۷)

ہاں! کچھ انسان شعوری طور پر اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب کہ دوسری جانب کچھ لوگ ایسے ہیں جو شعوری طور پر اس سے تجاوز کرتے ہیں جنہیں ہم منکر یا ملحد کے نام سے جانتے ہیں۔ ان دونوں کی زندگی میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ ایک مذہبی شخص کی [illegible]

۱۔ **توحید**:- ہر مذہب چاہے وہ ہندومت ہو یا جین مت، اسلام ہو یا عیسائیت سبھی مذہبوں نے ایک خدا کے وجود کا اقرار کیا ہے۔ جب ایک شخص خدا کے وجود کا اقرار کر لیتا ہے تو اس کی زندگی کچھ خوبیوں سے سرشار ہوتی ہے۔ اس میں گھمنڈ، تکبر اور شان و شوکت نہیں ہوتی، اس میں خودداری ہوتی ہے، اس میں بھرپور اعتماد ہوتا ہے، وہ پرامید ہوتا ہے، وہ کسی کو ذلیل نہیں سمجھتا، وہ کسی کو نیچا نہیں دیکھتا بلکہ وہ سب کو ایک خدا کا بندہ مانتا ہے۔ وہ کسی سے مرعوب نہیں ہوتا، وہ کسی سے ڈرتا نہیں کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ ایک ہی شکتی ہے جو سروپری ہے۔ وہ مصیبت میں گھبراتا نہیں، وہ خوشی میں اتراتا نہیں بلکہ وہ مصیبت میں صبر کرتا ہے، اسی کو پکارتا ہے اور خوشی میں اس کا شکر ادا کرتا ہے۔ اس کے قلب کو وہ سکون اور طمانیت نصیب ہوتی ہے۔ جو ایک بیش بہا دولت ہے۔ وہ ایک ملحد شخص کو کبھی نصیب نہیں ہوتی۔ چاہے وہ دنیا کی جنت میں ہی کیوں نہ رہتا ہو۔ اگر اس پر مصیبتوں کے پہاڑ ہی ٹوٹتے ہیں تو وہ پاگل نہیں ہو جاتا کیونکہ وہ اپنے سارے دکھ و درد اور دل کی بھڑاس اس بڑی طاقت کے سامنے پرارتھنا یا دعا یا کسی اور ذریعہ سے نکال لیتا ہے اور پھر وہ اپنے میں ایک نئی تازگی محسوس کرتا ہے جسے علم نفسیات کے لفظ میں کتھارسس (Catharsis) کہا جاتا ہے اس کتھارسس کے لئے ترقی پذیر ممالک میں جگہ جگہ کلینک کھلے ہوئے ہیں جہاں ماہر علاج نفسیات (Psychiatary) کو بھاری رقم دے کر اپنے دل کی بھڑاس ان کے سامنے نکالتے ہیں۔

صرف امریکہ جیسے ترقی پذیر ملک پر ایک نظر ڈالئے۔ ۱۹۶۳ء کی رپورٹ کے مطابق امریکہ میں دس کھرب ڈالر کی شراب کی کھپت ہوتی تھی اور آج تو یہ شرح دوگنی ہو گئی ہے۔ ہر سال دس ملین ڈالر (Personality Adjustment) میں خرچ کر رہا ہے۔ اس کے نتیجے میں بھی 1,00,00,000 امریکی ذہنی مریض (Neurotic) ہیں 50,00,000 امریکی شراب پینے کی وجہ سے حل طلب شخص (Pro-blem man) بن گئے ہیں 70,000 لوگ پاگل خانے میں ہیں 30,00,000 لوگ بدکرداری (character disorder) میں [illegible]

[illegible] اس کی وجہ صرف یہ [illegible]

سے عمل میں سے یہ اعتقاد نکل گیا کسان کے فعل کو کوئی دیکھنے سننے اور جاننے والا بھی ہے۔ وہ اپنے ہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھے اور یہاں کی زندگی کو ہی کافی سمجھا۔

۲ - آخرت: - ہر شخص موت کی حقیقت کو تسلیم کرتا ہے جو اس سے ایک معبود کے وجود کو منواتی ہے۔ زیادہ تر مذاہب نے موت کے بعد دوسری زندگی کا تصور دیا ہے۔ چاہے وہ آواگون کا تصور ہو یا آخرت کا۔ وہ یہ سوچتا ہے کہ موت حقیقی ہے اور موت کے بعد ایک دوسری زندگی ہوگی اور یہ زندگی دنیا میں کئے گئے اعمال پر ہی منحصر ہوگی۔ اب آپ آخرت کے تصور کو لے لیجئے۔ یہ بہت ہی مضبوط دلیل ہے جو انسانی نفسیات پر گہرا اثر چھوڑتی ہے اور اس کی زندگی کے سفر کو طے کراتی ہے۔

جب ایک شخص کا دل اس حقیقت کو تسلیم کر لیتا ہے تو اس میں کئی خوبیاں پروان چڑھتی ہیں۔ وہ خود غرض، خود پسند، مکر و فریب، بخل، لالچ، جھوٹ، چوری وغیرہ سے محفوظ رہتا ہے یا پھر ان سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس سے اچھے اخلاق کا صدور ہوتا ہے۔ وہ بغیر کسی مادی یا عارضی لالچ کے دوسروں کے ساتھ بھلائی کرتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اسے کبھی کبھی مادی نقصان بھی اٹھانا پڑتا ہے۔ دوسری طرف ایسا شخص جس کا دل اس یقین سے خالی ہو۔ اگر اس سے اچھے اخلاق کا صدور بھی ہوتا ہے تو وہ خود غرضانہ، وقتی اور عارضی ہوں گے۔ وہ روٹی کے عوض روٹی چاہے گا۔ اس کی نظر وقتی فائدے پر ہوگی، وہ کوئی خدمت بے لوث نہیں کر پائے گا، وہ ہمیشہ نقدی فائدے کا طلبگار ہوگا۔ لیکن ایک مذہبی شخص بغیر نقدی فائدے کے بھی فلاح و بہبود کے کام کرتا رہے گا کیونکہ وہ دائمی فائدے کا لالچی ہے، اسے یہ یقین ہے کہ اگر یہاں نہیں ملا تو اس کا یہ قرض باقی ہے اور مرنے کے بعد دوسری زندگی میں اسے ملے گا۔ انھیں خوبیوں کے تحت وہ دوسروں کا مخلص دوست، ہمدرد، غمگسار ہو جاتا ہے۔ وہ انسان ہوتا ہے آدمی نہیں۔

اس طرح جب ہم ان دو بنیادوں پر نفسیاتی تجزیہ کرتے ہیں تو نتیجتاً ان دو طرح کے شخص کے رویے میں بڑا فرق پاتے ہیں۔ جس کی بنا پر یہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ بے شک اچھی زندگی کے لئے مذہب کو ماننا اور اس پر عمل کرنا بہت ضروری ہے۔

مضامین خوشخط اور کاغذ کے ایک طرف تحریر فرمائیں۔

اسلام کا اقتصادی نظام

محی الدین حسینی یونس

اقتصاد کے معنی لغوی لحاظ سے میانہ روی کے ہیں۔ اور اسے اصطلاح میں ایسے وسائل کی دریافت کو کہتے ہیں جو دولت و ثروت کے پیدا کرنے کے مناسب طریقے، اس شے کے مصرف کے صحیح استعمال اور اس کی ہلاکت و بربادی کے حقیقی اسباب بتائیں۔

موجودہ دینی تنظیموں کے علاوہ ہمیں بہت سی تنظیمیں کام کرتی ہوئی نظر آئیں گی۔ اور وہ تحریکیں معاشی و معاشرتی دونوں حیثیتوں سے اسلام کے خلاف صف آرا رہیں۔ ان میں پیش پیش اشتراکیت اور سرمایہ دارانہ نظام ہے۔ یہ دونوں اپنے اپنے پاس عجیب قسم کے نظریات رکھتے ہیں۔ اشتراکیت کا کہنا ہے کہ مال و دولت پورے کا پورا تمام انسانوں کے درمیان برابر تقسیم ہونا چاہیئے اور سرمایہ دارانہ نظام کا کہنا ہے کہ صرف ذاتی منفعت کو پیش نظر رکھا جائے۔ لیکن اسلام ان دونوں سے ہٹ کر تیسری راہ اختیار کرتا ہے۔ یہ انفرادی و اجتماعی ملکیتوں کو ملحوظ رکھتا ہے۔ جب تک اجتماعیت کو نقصان نہ پہنچے اس وقت تک انفرادی ملکیت کو جائز ہی نہیں بلکہ بنیادی حیثیت دیتا ہے۔

اسلام اقتصادیات کے باب ایسے اصول قائم کرتا ہے جو اخلاقی و تمدنی اصول کے موافق ہو۔ وہ اصول بتاتا ہے جو فطرت کی راہ روک کر کھڑے نہ ہوں۔ اس لئے کہ اسلام ایک فطری نظام حیات ہے۔ اپنے اس مقصد کو کامیابی کے ساتھ انجام تک پہنچانے کے لئے اسلام قانونی ضابطہ بندی اور ہدایت و تلقین کی راہ اختیار کرتا ہے۔ قانون کے ذریعہ ایسے عملی مقصد حاصل کرتا ہے جو اپنی جگہ ایک صالح، ترقی پذیر سماج کی تعمیر کے لئے کافی ہیں۔ اور ہدایات و تلقین کے ذریعہ وہ حاجات کی غلامی سے بلند ہونے، زندگی کے بلند تر تصور کی طرف متوجہ ہونے اور بحیثیت مجموعی زندگی کو آئیڈیل کی حد تک بلند کر دینے جیسے اعلیٰ مقاصد کی طرف اقدام کرتا ہے۔

انفرادی ملکیت کے بارے میں اسلام اس حق کو تسلیم کرنے پر مرتب ہونے والے لازمی نتائج کو بھی تسلیم کرتا ہے۔ اور بغیر پورا معاوضہ دیئے ہوئے کسی کی ملکیت کو چھین لینے کو غلط قرار دیتا ہے۔ اصلاحی ہدایات و تلقینات بھی اپناتا ہے جن کے ذریعہ نفس کو ان چیزوں کی طرف لپکنے سے روکا جائے جو ان کے پاس ہیں اور دوسروں کے پاس ہیں۔ ذاتی ملکیت کے دوسرے لوازم بھی تسلیم کرتا ہے یعنی تجارت، اجارہ۔

ہے اور وصیت وغیرہ چنانچہ فرمایا گیا۔۔۔۔
للرجال نصیب مما اکتسبوا و
للنساء نصیب مما اکتسبن۔
مردوں کے لئے اس میں سے حصہ ہے جو وہ
کمائیں اور عورتوں کے لئے اس میں سے
حصہ ہے جو وہ کمائیں۔ وآتوا الیتامیٰ
اموالھم تم یتیموں کو ان کے مال ہے
دو۔ اور حدیث میں ہے۔ من
قتل دون ماله فهو شهيد
(متفق علیه) جو شخص اپنے مال
حفاظت میں قتل کر دیا گیا وہ شہید ہے۔
اور حفاظت کے لئے یہ حد نافذ کی کہ
والسارق والسارقة فاقطعوا
ایدیھما جزاء بما کسبا نکالاً
من اللہ
چور چاہے مرد ہو یا عورت دونوں کے
ہاتھ کاٹ دو یہ ان کی کمائی کا بدلہ ہے
اور اللہ کی مقرر کردہ سزا۔

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ اسلام
نے ایسے فطری اصول و مبادی بتائے ہیں جن
پر اس کی قوانین معیشت کی بنا رکھی گئی۔ ان
میں سے چند یہ ہیں

(۱) اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو زمین پر پیدا
کر کے ان کی روزی کا سامان بھی اس زمین
میں فراہم کیا۔ اور ان سب کے لئے زمین کے
وسائل سے اکتساب رزق کو مباح کر دیا
پھر جب ان کے درمیان خود غرضانہ
مسابقت اور باہمی تنازع کا سلسلہ
شروع ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان خرابیوں کو
دور کرنے کے لئے یہ حکم نازل فرمایا کہ جو شخص
کسی جگہ پہلے قابض ہو جائے یا کسی وسیلہ
اکتساب رزق کو پہلے حاصل کرلے تو اس
سے نفع اٹھانے کا حق ترجیح اس کو حاصل
ہے۔ دوسرا اس حق سے اس کو محروم
نہیں کر سکتا۔
من احیا ارضا میتة فھی له۔

(۲) نظام تمدن ایسا ہو جس میں سب
افراد جماعت حصہ لیں اور تعاون کریں او
بجز معذور لوگوں کے کوئی شخص تمدن کے
کاروبار میں شریک ہونے سے خالی نہ رہے۔

(۳) جو چیزیں قدرت نے تمام فائدہ کے
لئے بنائی ہیں اور جن کو کارآمد بنانے میں کسی
خاص شخص یا گروہ کی محنت و قابلیت کا
دخل نہیں ان کو حتی الامکان اپنی اصل
یعنی اباحت عام پر باقی رہنے دیا جائے۔
مثلاً پانی، آگ اور چارہ وغیرہ۔

(۴) احتکار و اکتناز کی حرمت کی گئی کہ
دولت ایک ہی جگہ سمٹ کر نہ رہ جائے۔

(۵) آخری بات یہ ہے کہ فاسد نظام معیشت
کا انسداد ہو اور سرمایہ و محنت میں
عادلانہ توازن باقی رہے۔ اسی لئے سود،
قمار بازی وغیرہ کا انسداد اور ناپ
تول میں برابری کا حکم دیا گیا۔

اللہ سے دعا ہے کہ اللہ ہمیں اقتصادی
نظام کے بارے میں اسلام کے اصول
و مبادی پر عمل کرنے کی توفیق و ترغیب
عطا فرمائے۔۔۔۔۔۔ آمین۔

سلطنت کی اصلاح اور شاہ ولی اللہؒ

امتیاز احمد
ریسرچ اسکالر شعبۂ عربی۔ اے ایم یو

سیاسی صورت حال | اورنگ زیب عالمگیر
کا دور نہایت ہی تابناک اور حوصلہ افزا
تھا۔ لیکن جوں ہی ۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب
کی شمع گل ہوئی افراتفری کا عالم ہو گیا اور
مغلیہ سلطنت جس کے بارے میں ابھی
گمان تھا کہ اس کا آفتاب ابھی کافی دنوں
تک امن و امان کے ساتھ چمکتا رہے گا۔
اس میں مختلف شگاف و دراڑ پڑ گئی۔

اورنگ زیب نے سلطنت کے
تین علاقے کر کے اپنے تینوں صاحبزادوں
کو وراثتاً تقسیم کر دیا تھا۔ ہر ایک کے لئے
ایک مخصوص حصہ تھا لیکن اس کے باوجود
شیطان نے انھیں دھوکہ دیا۔ وہ ایک
دوسرے کے پیچھے لگ گئے۔ معز الدین
کو کسی طرح کامیابی ہوئی اور سیاست کی
باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں رہی۔ یہ نہایت
ہی نااہل اور ناکارہ تھا۔ اس کے اندر سیاسی
بصیرت اور دور اندیشی نام کی نہ تھی۔ لہٰذا
سیاسی ذمہ داری ادا نہ کر سکا۔ ہر طرف
بے اطمینانی اور مایوسی کا سماں چھا گیا۔ خاص
طور پر سُنّی مسلک کے لوگ کو بہت زیادہ
مایوسی اس وقت ہوئی جب اس نے شیعوں
کی جانب غیر معمولی التفات کیا۔

اسی طرح برابر مغلیہ سلطنت میں بغض
ونفرت اور آپسی خونریزی کی دیوار مستحکم
ہوتی رہی۔ اس کا فائدہ دوسری قوموں
نے اٹھایا۔ کئی علاقے مسلمانوں کے ہاتھ سے
دوسروں کے ہاتھوں میں چلے گئے۔ دوسری
قومیں بغاوت پر آمادہ ہو گئیں۔ انھوں نے
چہار جانب قتل و خونریزی کا ایک لامتناہی
سلسلہ شروع کر دیا۔ خاص طور پر سکھ،
مرہٹہ، جاٹ، ہر ایک نے مغلیہ سلطنت کی
بنیاد کو ڈھانے کی کوشش کی۔ ان میں
خاص طور پر سکھوں نے مسلمانوں کے
ساتھ جو برتاؤ کیا وہ ہر تاریخ داں کی نظر
کے سامنے ہے۔ ہر جگہ درندے کے مانند
موجود رہتے اور جہاں بھی کسی مسلمان کو
پاتے زندہ نہ چھوڑتے۔ نوجوان لڑکیوں کی
عزت و آبرو لوٹتے۔ حاملہ ماؤں کے حمل
کو گرا دیتے۔ معصوم اور بے گناہ بچوں تک
کو معاف نہ کرتے۔

۱۷۱۰ء میں راجپوت راجاؤں کا اجمیر
شریف میں ایک سازشی جلسہ ہوا جس
میں حکومت سے بغاوت کا نعرہ لگایا گیا
طباطبائی جو مشہور تاریخ نویس ہے ایک
جگہ گرو گوبند کی شیطانیت کا ذکر کرتے
ہوئے لکھتا ہے۔

"اہل اسلام کے گاؤں اور آبادیوں
پر جہاں کہیں قابو پاتا چڑھ دوڑتا
تھا اور باشندوں میں سے جس
کسی کو پاتا، خواہ وہ چھوٹے کمسن بچے

بچوں تک کو زندہ نہیں چھوڑتا' قساوت اور جبارت کا یہ عالم تھا کہ حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کرکے بچّہ کو باہر نکال کر مار ڈالتے تھے۔

(بہجۃ الرحیم ج ۴ ص ۱۵۰ [illegible])

اس صورت حال میں کتنے ہی لوگوں نے عاجز آکر خودکشی کرلی۔

شاہ صاحب کا رد عمل

افراتفری کے اس عالم کو دیکھ کر شاہ ولی اللہ کو نہایت ہی تکلیف ہوئی۔ ایک طرف تو وہ اس بات سے کچھ مایوس سے نظر آتے تھے کہ اب مغلیہ حکمراں مسلم قوم کی حفاظت نہیں کرسکتے یہ خود ہی اپنی جان کی حفاظت پر قادر نہیں۔ اس کے باوجود آپ نے مایوسی کو اپنے پاس نہ آنے دیا بلکہ برابر ان کے لئے دعاگو رہے اور پند و نصائح کرتے رہے۔ ایک جگہ نصیحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ امیدواری از فضل حضرت باری آنست کہ اگر بموجب این کلمات عمل کنند تقویت امور سلطنت و بقائے دولت، و رفع منزلت بظہور می رسد فرد"۔

"اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ اگر ان کلمات کے بموجب عمل کریں گے تو امور سلطنت کی تقویت، حکومت کی بقا اور عزت کی بلندی ظہور پذیر ہوگی"۔

(تاریخ دعوت وعزیمت ص ۳۰۱)

اپنے سیاسی مکتوبات میں ایک جگہ سیاسی مشینری کو درست کرنے اور اچھے قاضی وحاکم بنانے کی درخواست کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"قاضی اور محتسب ایسے لوگوں کو بنایا جائے جن کو رشوت ستانی کی تہمت نہ لگی ہو اور مذہب اہل سنت وجماعت کے ہوں، نیز یہ کہ ائمہ مساجد کو اچھے طریقے پر تنخواہ دی جائے۔ نماز باجماعت میں حاضری کی تاکید کی جائے اور اس کا پورے اہتمام کے ساتھ اعلان کیا جائے کہ ماہ رمضان کی بے حرمتی نہ ہونے پائے۔ آخر میں یہ ہے کہ بادشاہ اسلام اور امرائے عظام ناجائز عیش وعشرت میں مشغول نہ ہوں۔ گذشتہ گناہوں سے سچے دل سے توبہ کریں اور آئندہ گناہوں سے بچتے رہیں۔ اگر ان کلمات پر عمل کیا جائے گا تو مجھے امید ہے کہ بقائے سلطنت کو تائید غیبی اور نصرت الٰہی میسر ہوگی

وما توفیقی الا باللہ والیہ انیب

(سیاسی مکتوبات ص ۸۱ – ۸۰)

آپ مغلیہ سلطنت کے لئے مخلص اور سچے شیدائی تھے جس کا احساس مغلیہ خاندان کے بادشاہوں کو بھی تھا۔ ہر وقت آپ کے پاس مختلف خطوط آتے جن میں آپ سے دعاگو ہونے کی درخواست کی جاتی۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ آپ مشائخ و بزرگوں کی قبروں کی زیارت کے لئے گئے ہوئے تھے بادشاہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اس واقعہ کا ذکر یوں کرتے ہیں۔ "جمعرات کے روز حضرت نظام الدین اور دیگر مشائخ کی مزاروں کی زیارت کے لئے سوار ہوکر گیا۔ مجھے پہلے سے مطلع کئے بغیر کابلی دروازہ سے سادہ تخت پر سوار ہوکر غریب خانہ پر وارد ہوا۔ فقیر کو کوئی اطلاع ہی نہ تھی۔ مسجد میں بوریوں پر آکر بیٹھ گیا۔ اس قدر توقیر سلطان لازم ہوئی کہ فقیر جس مصلے پر بیٹھتا ہے اور نماز اذکار کرتا ہے اس کو اس طریقہ سے بچھا دیا گیا کہ اس کی ایک جانب بیٹھ گیا اور دوسری جانب بادشاہ۔ بادشاہ نے اول مصافحہ کیا۔ بڑی تعظیم کے ساتھ بعد ازاں کہا' میں مدت سے آپ کی ملاقات کا خواہاں تھا لیکن اس نوجوان کی رہنمائی میں آج یہاں پہونچا ہوں۔ اشارہ وزیر کی طرف کیا' پھر کہا کہ غلبہ کفر اور رعیت کا تفرق و انتشار اس درجہ پہنچ گیا ہے کہ سب کو معلوم ہے) چنانچہ مجھے تو سونا اور کھانا پینا دوبھر اور تلخ ہوگیا ہے اس بارے میں آپ سے دعا مطلوب ہے۔ میں نے کہا کہ پہلے بھی میں دعا کرتا تھا اور اب تو انشاء اللہ اور زیادہ دعا میں مشغول رہوں گا"۔

(تاریخ دعوت وعزیمت ج ۵ ص ۳۰۳ سیاسی مکتوبات ص [illegible])

آپ نے اس کے بعد نہایت ہی موقع ومحل کے اعتبار سے بادشاہ کو ایک تاریخی حقیقت سے آگاہ کیا اور کہا کہ ہر زمانے میں اس طرح مسائل پیش آتے ہیں۔ آپ نے بادشاہ کو ابوبکرؓ کی وہ نصیحت سنائی جو آپ نے حضرت عمرؓ کو خلیفہ بناتے وقت کی تھی۔

"خلیفہ کو بھی عجیب عجیب مشکلات درپیش ہوتی ہیں اور اپنے دین کی طرف سے بھی اور منافقین کی طرف سے بھی۔ ان تمام مشکلات کا بس ایک ہی علاج ہے کہ مرضیات حق کو اپنا نصب العین بنا کر حق تعالیٰ ہی سے مدد طلب کی جائے اور اس کے غیر سے قطع نظر کی جائے

(سیاسی مکتوبات ۳۷-۱۳۶)

شاہ صاحب حالات کا جائزہ لینے کے بعد سمجھ گئے تھے کہ شاید اب مغلیہ حکمراں کچھ کرنے سے قاصر ہیں۔ مغلیہ حکومت کو پند ونصائح کرنے کے علاوہ پر عزم و بااثر لوگوں سے خط وکتابت شروع کی اور مغلیہ حکومت کی صورت حال سے باخبر کیا۔ مثال کے طور پر وزیر مملکت آصف جاہ، نواب فیروز جنگ، نظام الملک احمد شاہی، عماد الملک، میاں نیاز گل خاں، سید احمد روہیلہ اور نواب عبداللہ خاں کشمیری وغیرہ سے برابر خط وکتابت کا سلسلہ جاری رکھا، مغلیہ حکومت کے زوال اور حالت زار سے آگاہ کرتے رہے۔

ان کے علاوہ آپ نے نجیب الدولہ، اور افغان کے والی احمد شاہ ابدالی کو بھی اس سلسلے میں آگاہ کیا۔ آپ نجیب الدولہ

کے پاس ایک خط میں لکھتے ہیں:-

"خدائے عزوجل امیر المجاہدین کو نصر ظاہر اور تائید واضح کے ساتھ مشرف فرمائے۔ اور اس عمل کو قبولیت کا درجہ بدر پہنچا کر بڑی بڑی برکتیں اور رحمتیں اس پر مرتب کرے۔ فقیر ولی اللہ عفی عنہ کی جانب سے بعد سلام واضح ہو کہ نصرت مسلمین کے لئے یہاں دعا کی جا رہی ہے اور سروش غیبی سے آثار قبول محسوس ہوتے ہیں۔ امید یہ ہے کہ آپ کے ہاتھ پر دینی جدوجہد کو زندہ کر کے اس کی برکات اس دنیا اور آخرت میں فرمائے گا" انہ قریب مجیب (قریب مجیب)

(سیاسی مکتوبات ص۹۔ تاریخ دعوت و عزیمت ص۴)

ایک دوسرے خط میں آپ نجیب الدولہ کے پاس لکھتے ہیں۔

"معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں تائید ملت اسلامیہ اور امداد امت مرحومہ کا کام آپ ہی کے ذریعہ انجام پائیگا جو اس کار خیر کا سرچشمہ اور ذریعہ ہے۔ آپ کسی طرح کے وساوس و خیالات کو دل میں جمنے نہ دیں۔ انشاء اللہ تمام کام دوستوں کی مرضی اور خواہش کے مطابق انجام پائے گا۔

(سیاسی مکتوبات ص ۲۸)

آپ نے دہلی پر حملہ کرتے وقت درج ذیل نصیحت کی:-

"جب افواج شاہی کا گذر دہلی میں ہو تو اس بات کا پورا انتظام و اہتمام ہو کہ شہر سابق کی طرح ظلم سے پامال نہ ہو جائے۔ دہلی والے کئی مرتبہ لوٹ مار، ہتک عزت اور بے آبروئی کا تماشہ دیکھ چکے ہیں اسی وجہ سے مطلب برآری میں تاخیر پیش آرہا ہے آخر میں مظلوموں کی آہ بھی اثر رکھتی ہے۔ اگر اس بار آپ چاہتے ہیں کہ وہ کام جو تشنۂ تکمیل تھے، وہ مکمل ہو جائیں تو اس بات کی پوری تاکید و پابندی ہونی چاہیئے کہ کوئی فوجی دہلی کے مسلمانوں اور غیر مسلموں سے جو ذمی کی حیثیت رکھتے ہیں تعرض نہ کرے"[1]

(تاریخ دعوت و عزیمت ص۳۹)

چونکہ مرہٹوں اور جاٹوں کی ریشہ دوانیاں اتنی زیادہ ہو گئیں تھیں کہ عنقریب مسلمان حکومت یہاں سے بالکل ہی ناپید ہو جاتی۔ آپ نے احمد شاہ ابدالی کے پاس مختلف خطوط لکھے اور ہندوستان سے مخالف قوتوں کو ختم کرنے کی دعوت دیتے رہے۔ آپ ایک خط میں احمد شاہ کے پاس مندرجہ ذیل باتیں لکھتے ہیں۔

"اس زمانے میں ایسا بادشاہ جو صاحب اقتدار اور شوکت ہو اور لشکر مخالفین کو شکست دے سکتا ہو۔ دور اندیش ہو جنگ آزما ہو، سوائے آنجناب کے اور کوئی موجود نہیں ہے۔

ایک دوسرے خط میں آپ نے لکھا:

"قوم مرہٹہ کو شکست دینا آسان کام ہے بشرطیکہ غازیان اسلام ہمت باندھ لیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قوم مرہٹہ خود قلیل ہے۔ لیکن ایک گروہ کثیر ان کے ساتھ ملا ہوا ہے، ایک گروہ میں سے ایک صف کو بھی اگر درہم برہم کر دیا جائے تو یہ قوم منتشر ہو جائے گی اور اصل قوم اسی شکست سے کمزور ہو جائے گی، چونکہ یہ قوم قوی نہیں ہے، اس لئے ان کا تمام تر سلیقہ ایسی کثیر فوج جمع کرنا ہے جو چیونٹیوں اور ٹڈیوں سے زیادہ ہو۔ دلاوری اور سامان حرب کی ان کے پاس بہتات نہیں ہے۔

[1] ملاحظہ ہو۔ سیاسی مکتوبات۔ تاریخ دعوت و عزیمت

ان کی کوشش کے نتیجہ میں احمد شاہ ابدالی ہندوستان پر حملہ آور ہوا جہاں قوم مرہٹہ اور جاٹ سے گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ احمد شاہ کو فتح نصیب ہوئی۔ اور دوبارہ مسلم حکمرانوں نے مختلف صوبوں اور علاقوں میں سیاسی باگڈور سنبھال لی جس کی تقسیم خود شاہ ابدالی نے کی تھی۔

یہ وہ سیاسی کارنامہ ہے جو شاہ صاحب نے انجام دیا۔ علم، تقویٰ، ذہانت، بزرگی اور شجاعت و بلند ہمتی ان کے اندر بے پایاں اور لامحدود تھی۔

مولانا مودودیؒ کی خوش طبعی

۱۹۷۰ء کی بات ہے۔ علماء کے مختلف حلقوں کی جانب سے مولاناؒ پر اعتراضات کی بوچھاڑ ہو رہی تھی۔ ایک روز گوجرانوالا کے دو عالم لاہور آئے۔ تجدید و احیائے دین کے حوالے سے بات چل نکلی تو مولاناؒ نے فرمایا:

"علماء اور دیگر لوگ اس کتاب کی جن باتوں پر معترض ہیں وہ در اصل شاہ ولی اللہؒ صاحب کی تصنیف، تفہیمات الٰہیہ سے ماخوذ ہیں، چنانچہ مجھے جتنی بھی گالیاں اب تک پڑ چکی ہیں وہ میں جمع کرتا جا رہا ہوں۔ قیامت میں شاہ صاحبؒ سے ملاقات ہوئی تو ان کے حوالہ کرتے ہوئے کہوں گا کہ یہ ہیں تو آپ کے مگر غلط پتے پر آگئی تھیں۔"

پروفیسر آسی ضیائی صاحب نے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ لوگ ملک لال خان کا ذکر کر رہے تھے۔ ملک صاحب مولانا محترم کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔ اور دلچسپ بات یہ ہے کہ موصوف مولانا نصر اللہ خان عزیز کے خسر تھے۔

میں نے پوچھا: "مولانا! یہ ملک لال خان کیا ملک نصر اللہ خان عزیز کے خسر ہیں؟"

مولانا نے برجستہ جواب دیا: "جی ہاں یہ ہمارے ملک صاحب کے خسر ان مبین ہیں۔"

جانبِ منزل

ترتیب: ضیاء الدین ملک فلاحی

مہاراشٹر

اودگیر: ایس آئی او آف انڈیا طلبہ اور نوجوانوں میں تعلیمی بیداری کو پروان چڑھانے کے لیے مختلف طریقے اختیار کرتی رہتی ہے۔ چنانچہ اودگیر سرکل نے چند دنوں پیشتر میٹرک اور سینیر سکنڈری میں کامیاب ہونے والے طلباء کی تشجیع کیلئے "جلسہ تہنیت" کا انعقاد کیا۔ اسی موقع پر سرکل نے مقامی تعلیمی اداروں میں کئے گئے سروے کی رپورٹ بھی پیش کی۔ مسلم طلبہ وطالبات کو احساس کمتری اور مایوسی کے شکار نہ ہونے پر ابھارا۔ نادار طلبہ کو ہر طرح کی مدد اور تعاون کا یقین دلایا گیا جو ذہانت کے باوجود صرف معاشی زبوں حالی کی وجہ سے ناخواندہ رہ جاتے ہیں۔

اس موقع پر ڈاکٹر محمد اصغر صاحب، عبدالغنی چودھری صاحب، عبدالملک ڈپٹی صاحب اور عبداللہ قادری صاحب نے شرکت فرما کر طلبہ کی ہمت افزائی کی اور ایس آئی او کی کوششوں کو مزید تیز کرنے کی ہدایت کی۔

ناندیڑ: برادر عبدالستار کی اطلاع کے مطابق بلڈانہ کی اس یونٹ نے ہفتہ تعلیمی بیداری وترقی کے سلسلہ میں دہم اور دوازدہم کے طلباء کو استقبالیہ دیا۔ ناظم ضلع جناب محمد مسیح صاحب نے طلبہ کو علمی، فکری اور تحقیقی میدان میں سخت محنت لگن اور جستجو کے ساتھ جہد مسلسل کی تلقین کی۔ خطاب کے دوران آپ نے طلبہ کو پیغام دیا کہ:

نقش ہے سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر

نوجوانوں کو پرعزم رہنے کی تاکید کرتے ہوئے آپ نے یہ شعر پڑھا۔

یہاں درکار ہیں عزم سفر ہے
چلی آئے گی منزل آپ سے آپ

[illegible]

نمبرات حاصل کرنے والے بھائیوں کو یونٹ نے تشجیع کے طور پر "شہادتِ حق" اور مجموعی طور پر ۲۵۴۳ روپے نقد انعام میں دیئے گئے۔

پنجاب

دو روزہ تربیتی کیمپ: ۹، ۱۰ جولائی کو صدر تنظیم نے پنجاب زون کا دورہ اپنے متعینہ پروگرام کے مطابق کیا۔ الحمد للہ دورہ کافی کامیاب رہا۔ پنجاب زون نے اس موقع سے فائدہ اٹھاکر دو روزہ تربیتی کیمپ منعقد کیا۔ پہلے دن مطالعہ قرآن، درس حدیث، رپورٹس کا جائزہ، مشقی تقاریر اور صدر تنظیم کا خطاب وغیرہ پروگرام تھا۔ صدر محترم نے حضور اکرمؐ کی حکمت انقلاب اور تعمیر سیرت کی اہم بنیادیں کے عنوانات پر روشنی ڈالی۔ صدر محترم کے اعزاز میں ایک مشاعرہ بھی منعقد کیا گیا۔

دوسرے دن کھیل کود، جسمانی ورزش، سمپوزیم اور باہمی تعارف وغیرہ کے پروگرام ہوئے۔ معاون سرپرست حلقہ جماعت اسلامی اور ہندو وسکھ بھائیوں نے شرکت کرکے پروگرام کو دلچسپ ومفید بنایا۔ "پنجاب میں دعوت اسلامی کے فروغ کی راہیں" کے عنوان پر حافظ محمد عیسیٰ صاحب نے گفتگو کی۔ "ہندوستان میں اسلامی انقلاب کے امکانات" پر صدر محترم نے سیر حاصل گفتگو کی۔ "مشترکہ سماجی مسائل اور نوجوانوں کا رول" کے عنوان پر کئی ہندو وسکھ بھائیوں نے کہا کہ اگر ہمارے نوجوان سماجی لعنتوں سے دور ہو جائیں تو ملک کے اخلاقی بحران میں کمی واقع ہو سکتی ہے۔ تمام لوگوں نے ایس آئی او کو سراہا اور برادر پی سی حمزہ کو خوش آمدید کہا۔ سمپوزیم کے بعد کئی اخباری نمائندوں نے صدر ایس آئی او آف انڈیا سے گفتگو کی اور تنظیم سے [illegible]

دیا گیا۔ آخری نشست میں "ہمارے مخاطب طلبہ اور نوجوان ہی کیوں؟" کے عنوان پر تقریر کرتے ہوئے برادر عبدالشکور نے پورے ملک میں SIO کی کوششوں کا جائزہ لیا۔ صدر تنظیم واہیانہ اور امرتسر بھی گئے اور مسلم وغیر مسلم حضرات سے ملاقاتیں کیں۔

راجستھان

کوٹہ: زونل سکریٹری برادر عبدالحیٰ نے ضلع کوٹہ کا تنظیمی دورہ کیا، موڑک میں مسلمانوں سے خطاب کیا۔ سانگور میں درس قرآن، خطاب عام اور طلبہ ونوجوانوں کی نشست رکھی گئی۔ بگرولی وکھاتولی میں انفرادی ملاقاتیں کی گئیں۔ اٹاوہ اور باراں کا بھی دورہ ہوا۔ برادر محمد نعیم فلاحی اس دورے میں ساتھ تھے۔

زونل سکریٹری سیکر بھی گئے۔ ذمہ داران سرکل اور دیگر لوگوں سے ملاقاتیں ہوئیں۔ مقامی نظم کے استحکام کے سلسلے میں مشورے دیئے گئے۔

ٹونک: برادر نعیم فلاحی نے اواخر جولائی میں ٹونک کا دورہ کیا۔ نزرائی میں انفرادی ملاقاتیں کیں۔ ٹونک شہر میں وفد کی شکل میں لوگوں سے رابطہ قائم کیا گیا۔

کرناٹک

رائچور: "ملت کے نوجوان بیدار ہوکر تعمیری رول ادا کریں تو ملک وملت کا مستقبل روشن ہوگا" ان خیالات کا اظہار محترم سراج الحسن صاحب سکریٹری جماعت اسلامی ہند نے ایس آئی او کی ایک نشست سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ آپ نے اسلام کو انسانی زندگی کی کنجی قرار دیا۔ نوجوانوں کو کردار سازی کی تلقین کی۔



تمل ناڈو

دولت آباد : دھرمپوری میں ضلع کل ۔۔۔ کا قیام عمل میں آیا ہے۔ اس کا افتتاحی پروگرام Z.A.C. کے ممبر برادر ٹی۔ایچ۔ ارشاد کی موجودگی میں ہوا۔ برادر صادق پاشا صدر اور برادر اسلم سکریٹری منتخب ہوئے۔

بہار

گوپڈیہہ : گذشتہ دنوں برادر راشد نیر صدر حلقہ بہار نے گریڈیہہ کا دورہ کیا۔ اس موقع پر ایک پروگرام کے دوران آپ نے نوجوانوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ "جتنے انقلابات آئے ہیں انھیں نوجوانوں نے ہی کامیاب کیا۔ انبیاء کی دعوت کو نوجوانوں نے ہی پہلے قبول کیا حضرت موسیٰؑ کا ساتھ دیکر نوجوانوں نے ہی فرعون کے ظلم وستم برداشت کئے۔ اصحاب کہف نوجوان ہی تھے حضرت عمرؓ وحضرت علیؓ نوجوان ہی تھے۔

اس سرکل کا ایک سہ روزہ تربیتی اجتماع سکریٹری حلقہ برادر شفیق الرحمن صاحب کی نگرانی میں ہوا۔

مدھیہ پردیش

جبلپور : گذشتہ دنوں جبلپور یونٹ نے پکنک کا پروگرام طے کیا۔ یونٹ کے رفقاء کا ایک مختصر قافلہ جبلپور سے قریب بھیڑا گھاٹ نامی مقام پر خیمہ زن ہوا۔ جناب غلام رسول صاحب نے کارکنوں کی رہنمائی کی۔ ایک روز کا یہ پروگرام مختلف پہلوؤں سے کافی مفید رہا۔

کیرلہ

۳۰ر جون کو کیرلہ زون نے "یوم مطالبہ" کے طور پر منایا۔ طلبہ نے دوسری پارٹیوں کے ساتھ کمیونسٹ حکومت کی غلط اور غیر منطقی تعلیمی پالیسی کو ختم کرنے کا مطالبہ کیا۔ تعلیمی سال کے آغاز میں کتابوں کی فراہمی اور طلبہ کی آمدورفت کے مسائل کے حل کا مطالبہ بھی کیا گیا۔ دوسری تنظیموں اور جماعتوں کے برعکس ایس آئی او نے بیرون کلاسوں کے بائیکاٹ، توڑ پھوڑ، ہنگامہ اور تشدد کے بغیر منایا۔

کیرلہ زون نے فیصلہ کیا ہے کہ SSLC میں ممتاز آنے والے ایس آئی او کے دو کارکنان کو نقد انعام دیا جائے گا۔

کالی کٹ یونٹ نے پچاس غریب طلبہ کو کاپیاں اور پڑھنے لکھنے کی دوسری اشیاء تقسیم کیں تاکہ طلبہ غربت کی وجہ سے تعلیمی دوڑ میں میدان سے پیچھے نہ ہٹیں۔

تریچور : S10 علاقہ واٹا نایلی نے "دانت اور کینسر" کے مریضوں کے لئے میڈیکل کیمپ کا اہتمام کیا۔ ۱۲۷ مریضوں نے اس کیمپ سے استفادہ کیا۔ غریبوں اور ضرورت مندوں کو مفت دوائیں بھی فراہم کی گئیں۔ ●

ایس آئی او کی مرکزی مشاورتی کونسل کے اجلاس (منعقدہ ۳ تا ۹ر اگست ۸۸ء) میں کئے گئے بعض فیصلے

(۱) (الف) طے پایا کہ جو ممبران سمجھانے کے باوجود "غیر متحرک" ہوں، ان کے خلاف ضابطہ کی کارروائی شروع کر دی جائے۔

(ب) جو ایسوسی ایٹ چھ ماہ تک مستقل غیر متحرک (لاتعلق) ہوں، ان کا نام ایسوسی ایٹ کی فہرست سے خارج کر دیا جائے۔

(ج) جو یونٹ یا سرکل ایک سال سے غیر متحرک ہو اسے تحلیل (Dissolved) کر دیا جائے۔

افراد کے غیر متحرک ہونے کا مطلب درج ذیل ہے۔

۱۔ ہفتہ وار اجتماع میں عدم شرکت۔
۲۔ دعوتی اور دوسرے تنظیمی کام نہ کرنا۔
۳۔ مقامی بیت المال میں اعانت ادا نہ کرنا۔

شاخوں کے غیر متحرک ہونے کا مطلب درج ذیل ہے۔

۱۔ ہفتہ وار اجتماعات کا نہ ہونا۔
۲۔ بیت المال کا Maintain نہ ہونا۔
۳۔ ماہانہ رپورٹ اور حصہ حلقہ نہ روانہ کرنا۔

(۲) عمر میں ترمیم سے متعلق یہ طے ہوا کہ تنظیم سے ریٹائرمنٹ کی عمر ۳۲ (بتیس) سال ہوگی۔ البتہ مرکز و حلقوں کے دستوری مناصب پر فائز افراد دوران میقات مذکورہ عمر پوری کرنے پر بھی اپنے عہدوں پر اس میقات کی تکمیل تک برقرار رہیں گے۔

(۳) طے پایا کہ ہر میقات کے دوسرے سال ماہ جون کے آخر تک صدر تنظیم اور مرکزی مشاورتی کونسل کے انتخابات مکمل کر لئے جائیں تاکہ آغاز میقات (اگست) میں ہی پالیسی و پروگرام کی تشکیل جدید کے لئے نئی مرکزی مشاورتی کونسل کا اجلاس بلایا جا سکے۔

(۴) میقاتی پروگرام کے ضمن میں یہ بات طے پائی کہ حلقہ اور مقامی سطح (یونٹ) پر سالانہ پروگرام بنایا جائے۔ ہر حلقہ مرکزی اور حلقہ جاتی پروگراموں کو سامنے رکھ کر مقامی سطح کے سالانہ پروگرام کی منظوری دیگا۔

(۵) طے پایا کہ مقامی شاخیں ملکی، ملی، سیاسی اور اہم ایشوز پر کسی اقدام کا فیصلہ لینے سے قبل اپنے حلقہ سے ضروری منظوری حاصل کرلیں۔

(۶) بلڈنگ پروجیکٹ کمیٹی کی تشکیل جدید کی گئی اور اس کے کنوینر برادر طارق فارقلیط فلاحی صاحب (یوپی) مقرر ہوئے۔ آئندہ ۳۱ مد میں فنڈ جمع کرنے کا منصوبہ بنایا گیا۔

(۷) "رفیق منزل" کے مسائل زیر بحث آئے۔ نظم کو مزید بہتر بنانے کے لئے بعض فیصلے کئے گئے۔

(۸) طالبات میں تحریک کے کام کے ضمن میں کونسل نے اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ تنظیم سے منسلک افراد اپنے گھروں اور محرم رشتہ داروں کے درمیان تحریک کی دعوت کو فروغ دینے کی کوشش کریں۔ ساتھ ہی ضرورت پڑنے پر اس کام کے لئے اپنا بھرپور تعاون دینے سے بھی گریز نہ کریں۔

سیاسی قوت اخلاقی قوت سے ہی حاصل ہوتی ہے

——— رپورٹ: محمد حامد حسین

دھلی: ماؤ (Mao) کے مشہور قول "سیاسی قوت بندوق کی گولی سے آتی ہے" کے برخلاف جناب ڈاکٹر کوثر یزدانی صاحب امیر حلقہ دہلی نے فرمایا کہ "سیاسی قوت اخلاقی قوت سے ہی حاصل کی جاسکتی ہے" موصوف نے یہ بات ایس آئی او دہلی یونٹ کی جانب سے منعقد کی گئی ایک خصوصی نشست میں فرمائی۔ یہ نشست SIO کے CAC کے دو ممبران کی پاکستان سے واپسی کے موقع پر رکھی گئی تھی جو وہاں IIFSO کیمپ، اسلام آباد میں شرکت کے لئے گئے ہوئے تھے۔

برادر حافظ منظور علی خاں کا احساس تھا کہ پاکستان میں اسلامیانے کا عمل ایک دھوکہ اور دکھاوا ہے۔ وہاں ہر پارٹی اور سیاسی لیڈر اسلام کے نام پر سیدھے سادھے عوام کو بے وقوف بنا رہا ہے۔

برادر راشد نیر نے بتایا کہ اس وقت پاکستان میں دو رجحانات واضح طور پر دیکھے جاسکتے ہیں ایک اسلامی اور دوسرا مادی۔ لیکن مادی نظریات کا حامل گروہ بھی اپنے تمام کاموں کو اسلامی لبادے میں پیش کرتی ہے۔ عوام کے سامنے اسلام کے نام پر اس طرح سے بھانت بھانت کی چیزیں پیش کی گئی ہیں کہ عوام کے لئے اسلام کے نام میں کوئی دلچسپی باقی نہیں رہی۔

انھوں نے بتایا کہ پاکستانی حکومت اس کے مختلف ادارے اور ایجنسیاں عوام کو ایک نامعلوم سمت کی طرف لئے چلی جارہی ہیں۔

ان کا یہ تاثر تھا کہ تحریک اسلامی پاکستان کی نئی قیادت سے ایک نیا جوش و ولولہ وہاں کے کارکنان میں دیکھا جارہا ہے جمعیۃ الطلبہ پاکستان اور جماعت اسلامی پاکستان میں تعاون و اشتراک کافی مضبوط ہے جمعیۃ الطلبہ میں نظم و ضبط اور اطاعت امر کی صفت بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔

افغانستان کے سلسلے میں پاکستانی عوام اور تحریک اسلامی کے جذبات کو واضح کرتے ہوئے انھوں نے بتایا کہ اب وہ لوگ جغرافیائی حدود سے آگے بڑھ کر سوچتے ہیں اور افغانستان کی تحریک کو اپنی تحریک مانتے ہوئے افغان مجاہدین کا ہر طرح تعاون کررہے ہیں۔

بعد میں شرکاء مجلس نے مختلف سوالات کے ذریعہ وہاں کے حالات کو سمجھنے کی کوشش کی۔ اخیر میں جناب کوثر یزدانی صاحب نے یہ بتایا کہ آج آپ پاکستان میں جو کچھ دیکھ رہے ہیں وہ تحریک اسلامی پاکستان کی مسلسل جد وجہد کا نتیجہ ہے۔ اس نے شروع سے ہی اپنے افراد کی تربیت ایک خاص انداز میں کی ہے اور آج وہ لوگ ایسے مقام پر ہیں جہاں انھیں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

بقیہ انٹرویو

رکھتا ہے۔

سوال: برطانیہ کے عیسائی مشنریوں کی [illegible] سرگرمیوں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: ہمیں دعوت کے سلسلے میں عیسائیوں کے طرز تبلیغ کی اتباع سے محتاط رہنا چاہیے۔ اسلام کی دعوت صرف زبانی نہیں پھیلائی جانی چاہیے۔ دعوت دیتے وقت آپ کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ آپ کے اخلاق اور اعمال درست ہوں۔ [illegible] ایک مناسب اور شائستہ انداز میں کہیں کہ [illegible] اللہ ہی ہے جو ایک ہے۔ اسلام کی [illegible] کے بارے میں [illegible] جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف [illegible] کے پاس جارہے ہو ایسے لوگوں کی طرف جو ایک کتاب رکھتی ہے۔ تو [illegible] پہلے جس چیز کی دعوت دینی ہے وہ اللہ کی وحدانیت ہے۔ اگر وہ اسے سمجھ جائیں تو ان سے کہو کہ اللہ تم لوگوں کو دن رات میں پانچ وقت نماز ادا کرنے کا حکم دیتا ہے اور اگر وہ اسے مان لیں تو ان سے کہو کہ اللہ نے تم لوگوں پر تمہارے مالوں میں سے زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے [illegible] لی جائے گی اور ان کے محتاجوں کو دی جائے گی وہ اس کے لئے تیار ہوجائیں تو ان سے [illegible] ان کے بہترین مال سے احتراز کرنا۔ ایک مسلم کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ [illegible] کا سچا [illegible] ان اوصاف کا حامل ہو [illegible] اگر ہم لوگ [illegible] وہ خوشی [illegible] اور [illegible] انھوں نے آپ کو براہ راست [illegible] نہیں دیکھا ہے۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم چلتے پھرتے قرآن تھے [illegible] کلیہ ہے۔ اور یہ بات بھی ہمیشہ پیش نظر رہے کہ وہ صرف اللہ ہی کی ذات ہے جو انسانوں کو ہدایت دیتی ہے۔

Rafeeque-e-Manzil Monthly
NEW DELHI 110025

SEPTEMBER 1988

VOL. I NO
R.N I 47227
Regd NO D(SE)90
Licence No U(SE)23
To Post Without Prepayment

Edited, Printed and Published by MUNAWWER HUSSAIN on behalf of S.I.O of India, 230, Abul Fazal Enclave, Okhla, New Delhi - 110 025. Printed at Bharat offset press, Delhi-6, for Jamal Printing Press, Delhi-6

رفیق منزل



رفیق کی ڈاک

اسلام تیرا دیش ہے

"رفیق منزل" کا نیا شمارہ پیشِ نظر ہے۔ ڈاکٹر حسن رضا کے مضمون "اسلام تیرا دیش ہے تو مصطفوی ہے" کو پڑھ کر میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے۔ اصولی حیثیت سے جو بات کہی گئی ہے اس سے اختلاف نہیں کیا جا سکتا، لیکن اس پورے مضمون سے جو مجموعی تاثر پیدا ہوتا ہے اور جو بات دل کو کھٹکتی ہے، وہ امت اور جماعت کے درمیان وہ باریک سا فرق ہے اور دونوں کے بیچ کی وہ لکیر ہے جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے جس پر گزرنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں۔ میرے خیال میں جماعت، تنظیم صرف تحزب و تنگ نظری کا نام نہیں ہے۔ اس طرح کا عمومی حکم لگایا جائے تو اس دورِ انتشار میں کوئی تنظیمی و اجتماعی کوشش نہیں کی جا سکتی۔ آج یہ امت، امتِ واحدہ ہونے کے باوجود جس انتشار، خلفشار اور اختلاف و افتراق کی شکار ہے اس کی عملی تصویر پورا عالمِ اسلام ہے۔ یہ اس بیچاری امت پر آج جتنا برا وقت پڑا ہے، ایسے وقت میں حالی کی زبان میں یہ ہی کہ "اے خاصۂ خاصانِ رسل وقتِ دعا ہے"۔ وہیں ایک بھرپور اجتماعی کوشش ہی اس کا مداوا ہے اور کوئی اجتماعیت بغیر نظم و ضبط، تنظیم و ڈسپلن کے نہیں پیدا کی جا سکتی۔ یہ کہہ کر کہ "کوئی ادارہ یا فرد امت سے بالاتر نہیں اور کوئی تنظیم یا جماعت امت کا بدل نہیں" معنًا کتنا ہی صحیح ہو لیکن کسی فرد کے ذاتی احساسات و آرا اور اس کی تمناؤں اور آرزوؤں کو کسی تنظیم و جماعت سے بالاتر یا بدل نہیں قرار دیا جا سکتا۔ اجتماعیت و انفرادیت کے درمیان بھی ایک بڑا باریک فرق ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ انسانی نفسیات و خواہشات غیر شعوری طور پر سینوں میں اپنی تصویریں بنا لیتی ہیں اور پھر عمر بڑی مشکل سے ہوتی ہے بر آہی نظر پیدا۔

اس مضمون کی اصولی و نظری خوبیوں کے باوجود اس کے بین السطور سے جو احساسات قارئین کے درمیان پیدا ہو سکتے ہیں، ان کا اظہار کیا گیا ہے، اس سخن گستری کے پیچھے خدانخواستہ کوئی بدگمانی مقصود نہیں ہے۔

رشاد عثمانی۔ جمشید پور

پیداوار کے عوامل

رفیق منزل (جولائی ۱۹۸۸) میں "کھانے زکا زنگ" کے تحت محمد جمال الدین صاحب کا مقالہ پسند آیا مگر نہ جانے کیوں موصوف نے پیداوار کے عوامل میں زمین (LAND) کو شامل نہیں کیا ہے جبکہ پیداوار کا یہ بالاتفاق سب سے اہم عامل ہے۔

جناب نے پیداوار کے چار عوامل گنوائے ہیں ۱۔ سرمایہ ۲۔ محنت ۳۔ عقل ۴۔ وقت۔ جبکہ اصلاً اور اصولاً پیداوار کے چار عوامل یہ ہیں ۱۔ زمین ۲۔ محنت ۳۔ سرمایہ ۴۔ تنظیم۔ مارشل نے تو محنت کو بھی تنظیم میں شامل کر لیا ہے۔

مزید برآں موصوف نے وقت کو چوتھے عامل میں شمار کیا ہے جبکہ علمِ معاشیات میں وقت کو پیداوار کے عامل کے طور پر لیا ہی نہیں جاتا اور نہ پیداوار کی تقسیم میں وقت کو کوئی حصہ ملتا ہے جبکہ زمین کو اس کا حصہ کرایہ کی شکل میں ملتا ہے محنت کو مزدوری کی شکل میں، سرمایہ کو سود کی شکل میں اور تنظیم کو منافع کی شکل میں۔

اس سلسلے میں اسلام کا صاف، سادہ اور منصفانہ اصول یہ ہے کہ پیداوار کی تقسیم خواہ کسی نام سے ہو۔ سے ہاں میں مندرجہ بالا چاروں عوامل کے بیچ نفع اور نقصان دونوں صورتوں میں اسی تناسب میں ہونی چاہئے جس تناسب میں ان کا تعاون ہو۔ سرمایہ کے لیے سود کی رقم پہلے سے مقرر کر لینا سرمایہ داروں کو گویا اس بات کی ضمانت دینا ہے کہ پیداوار میں نقصان کی صورت میں بھی اسے نفع ہی دیا جائے گا۔ یہ سراسر ناانصافی اور پیداوار کے باقی عوامل کے ساتھ ظلم ہے جو انھیں مزید نقصان کی طرف لے جاتی ہے۔

محمد انیس۔ پورنیہ

تبصرہ

تازہ "رفیق منزل" ملا۔ اللہ کا شکر ہے کہ پرچہ اچھا ہوتا جا رہا ہے۔ "رفیق کی ڈاک" لگتا ہے رفیق کا سب سے مزیدار صفحہ بنے گا۔ پچھلے ماہ ڈاکٹر احمد سجاد صاحب نے پورے صفحے کا ایک جواب چھپوایا ہے تو اب کی بار سید علی صاحب نے اپنی نازک مزاجی سے قارئین کو آگاہ کیا ہے۔ "۲۔۳ سطری تجریدی تبصرہ جو بے سمتی کا شکار ہے" ان کی طبعِ گراں پر بہت گراں گزرا۔ سید علی صاحب کو اگر یہ بتایا جائے کہ سب قصے "احسن القصص" نہیں ہوتے تو کہیں وہ اس کو بھی بیسویں صدی کا سب سے بڑا علمی دھماکا نہ قرار دیں اور مجھے بھی ناصحِ مشفق قرار دے کر غصہ ٹھنڈا نہ کریں۔ جو لوگ رفیق میں مضمون لکھا کرتے ہیں ان کے اندر تاثرات کو برداشت کرنے کا کچھ بل بوتا تو ہونا چاہیے۔ ورنہ رفیق کی ڈاک کے صفحہ کا نام بدل کر "ناصحین کا صفحہ" رکھ دیں۔

محفوظ عالم۔ گیا

غلطیاں

حالیہ چند شماروں کو دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ یہ افسوس کی بات ہے کہ تذکیر و تانیث اور تحریری غلطیوں کو شمار کرنا محال ہے۔ بالخصوص جولائی کے شمارہ میں مسلم یونیورسٹی سے متعلق مضمون میں تو تذکیر و تانیث کی غلطیاں بے شمار ہیں۔ میں مانتا ہوں کہ عارف صاحب اس سلسلے میں لائقِ عفو و درگزر ہیں لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ جب رفیق منزل حبیب پٹنہ سے شائع ہوتا تھا تو اس وقت اس قسم کی کوئی شکایت نہیں تھی دراں حالیکہ پٹنہ یا بہار ایک طرح سے اردو زبان کے لیے دیارِ غیر کی حیثیت رکھتا ہے۔ مگر اب جبکہ رفیق اردو زبان کی جائے پیدائش دہلی سے شائع ہو رہا ہے تو اس قسم کی شکایت کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ ایس۔ آئی۔ او جیسی تنظیم کے آرگن کا یہ معیار فی الواقع بہت فروتر ہے۔

عابد حسین۔ مظفر نگر

غیر مسلم شخصیات کا انٹرویو

رفیق کے ادبی معیار کی ترقی قابلِ تحسین ہے۔ اہم شخصیات سے انٹرویو کا سلسلہ کافی دلچسپ اور مختلف افکار و نظریات کو سمجھنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ بہتر ہوگا کہ اہم غیر مسلم شخصیات سے بھی متعارف کرایا جائے۔

حبیب خاں ناظم علاقہ ضلع ٹونک

ماہنامہ

رفیقِ منزل



جلد ۱ | اکتوبر ۱۹۸۸ء - صفر - ربیع الاول ۱۴۰۹ھ | شمارہ ۱۰

نقوشِ منزل

مدیر اعزازی

منور حسین فلاحی

مینیجر : جاوید اختر

شرحِ خریداری

فی پرچہ ۲ روپے ۵۰ پیسے
ششماہی ۱۵ روپے
سالانہ ۲۵ روپے
غیر ممالک سے ۱۵۰ روپے

انتظامی امور میں مراسلت کا پتہ

Manager
RAFEEQUE-E-MANZIL
230, Abul Fazal Enclave
OKHLA New Delhi - 110025

ڈرافٹ پر صرف اتنا لکھیں

RAFEEQUE-E-MANZIL

فون نمبر ---- 684 6530

خط و کتابت کرتے وقت اپنی خریداری نمبر یا ایجنسی نمبر کا حوالہ ضرور دیں منی آڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ ضرور لکھیں ---- مینیجر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا وحید الدین خان صاحب اس دور کے چند اہم علماء میں شمار کئے جاتے ہیں۔ موصوف اپنے منفرد اسلوب تحریر کی وجہ سے معروف ہیں اور خاص مزاجی کیفیت کی بنا پر مبغوض بھی۔ ان کے بعض خیالات ایسے نادر ہیں جن سے کوئی بھی ہوش مند انسان بمشکل ہی اتفاق کر سکتا ہے۔ الرسالہ (اگست ۸۹ء) میں ایک سفر کی روداد بیان کرتے ہوئے صفحہ ۳۵ پر ایک ناخوشگوار واقعہ کا ذکر فرمایا ہے کہ ۱۵ جون ۸۹ء کی دوپہر میں بمقام حیدرآباد ان کی معقولیت سے بوکھلا کر ایک اسلامی تحریک کے چند نوجوانوں نے ان کے جلسہ کو ناکام بنانے کی کوشش کی اور وہ انہیں قتل یا زخمی کرنے کا ارادہ بھی رکھتے تھے اس واقعہ کے راوی ایک سے زیادہ اصحاب اور بعض اصحاب ہیں جن کی روایت غیر معتبر خبر کے سلسلہ میں بہت مفید ثابت ہوتی ہے۔ اس واقعہ کو مولانا نے ملک کی ایک اسلامی تحریک کی یوتھ ونگ سے جس طرح مربوط کر دیا ہے اس پس منظر میں اس کا تجزیہ ناگزیر ہے۔

مذکورہ تاریخ کو پیش آنے والے واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ مولانا جوں ہی تقریر کے لئے کھڑے ہوئے چند نوجوان اسٹیج پر آ گئے اور انہوں نے یہ مطالبہ کیا کہ پہلے مولانا ان کے سوال کا جواب دیں پھر تقریر ہوگی۔ ان سے یہ کہا گیا کہ آپ سوال دے دیں تقریر کے بعد جواب مل جائے گا وہ اپنے مطالبہ پر مصر رہے "نتیجۃً سامعین نے انہیں اجتماع گاہ سے باہر کر دیا۔" یہ ممکن [illegible] ہے کہ ان نوجوانوں نے سوال کے جواب پر اصرار کیا ہو اور وہ اکھاڑے گئے ہوں۔ رہی یہ بات کہ ان کے پاس سے ایک چھرا بھی برآمد کیا گیا تو یہ ایسے غنڈوں کا کام تو ہو سکتا ہے جو کسی اسلامی تحریک کے نوجوان نہیں ہو سکتے۔ بعض اصحاب کی اس روایت کو تسلیم کر کے کہ یہ نوجوان ایک اسلامی تحریک کی "یوتھ ونگ" سے متعلق ہیں اور ان کے پاس سے ایک چھرا بھی برآمد ہوا ہے اور یہ آپ کے اجتماع کی غیر معمولی کامیابی سے بوکھلائے ہوئے ہیں "اس پر اپنی جس تقریر کی عمارت کھڑی کی ہے۔ وہ سراسر ان نصیحتوں کے برخلاف ہے جو اسی شمارہ کے صفحات [illegible] پر درج کی گئی ہیں کہ اجتماعی زندگی کا یہ اصول ہے کہ اگر کوئی غلطی کرے تو عوام میں غلطی سرکی [illegible] والا غلط کار [illegible] قرار پائے گا۔ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ایک غلطی ان نوجوانوں نے کی لیکن اس واقعہ سے متعلق [illegible] تسلیم کر کے ساری اسلامی تحریکوں کو پیغمبر کے اسوہ سے منحرف سیاسی جماعتوں کی مقلد نوجوانوں کے ذریعہ توڑ پھوڑ اور [illegible] کرانے والی [illegible] اور ہنگامہ پرور قرار دے کر وہ ملک کی تمام [illegible] کے مرتکب ہوئے۔ [illegible] کو واقعہ تسلیم کرنا قرآن کی صریح خلاف ورزی ہے پھر ساری جماعتوں پر اس قسم کے الزامات عائد کرنا [illegible] قسم [illegible] ہے۔ فرد کی عزت پر حملہ جب ایک سنگین جرم ہے تو اجتماعیت پر اس طرح کے اخلاقی الزامات کا عائد کرنا کتنا سنگین جرم ہوگا [illegible] وقت کی اجتماعیتوں کو ملزم ٹھہرانا۔ مولانا کا یہ فرمانا بھی صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ میں نے اس [illegible] بار بار [illegible] سوال یہ ہے کہ آپ کے پاس تو ایک حقیر سا آلہ تحریر ہے اگر اس سے آپ نے دوسروں کو ذبح کرنے کا کام نہ لیا ہوتا تو یہ بات صحیح ہوتی کہ آپ نے صبر سے کام لیا۔ نوجوان تنظیموں کا قیام اگر سیاسی پارٹیوں کی تقلید ہے تو اس سے یہ پتہ [illegible] کہ ان کا مقصد [illegible] ہی ہے۔ کیا اسے اس نظر سے نہیں دیکھا جا سکتا کہ اسلامی تحریک تمام [illegible] تنظیموں کے اندر [illegible] اسلامی [illegible] تنظیموں کے اندازو اطوار کو بطور آئیڈیل پیش کرنا چاہتی ہے۔ جماعت اسلامی ہند نے [illegible] قائم کی ہے۔ اس کے اغراض و مقاصد، پالیسی و پروگرام تحریری شکل میں موجود ہیں [illegible] کوئی مستحق اس کے اجتماعی کردار میں ان امراض میں سے کسی کی نشاندہی کر دے جن کا ذکر مولانا نے کیا ہے تو تسلیم اس کی ممنون ہوگی۔ خود مولانا کو یہ بات معلوم ہے کہ جماعت اپنے افراد کو کن اخلاقی حدود کی پاسداری سکھاتی ہے کہ اسلام کا کام کرنے والا کوئی مستحق [illegible] ہوتے بغیر کسی نتیجہ کے حصول کی تمنا کر ہی نہیں سکتا۔ حیدرآباد میں بھی تنظیم کی ایک فعال یونٹ موجود ہے ناقابل تسلیم ہے کہ اس کے افراد اس واقعہ میں شریک ہوں۔ مولانا اگر عجلت اور بدگمانی سے کام نہ لیتے اور ذرا تحقیق کی زحمت فرماتے تو ان سے یہ بڑی غلطیاں سرزد نہ ہوتیں جو ان کی نصیحت کے مطابق انسان کو زیادہ بڑا خطاکار بنا دیتی ہیں۔ مولانا فرما سکتے ہیں کہ میں نے جماعت اسلامی کا نام تو نہیں لیا لیکن وہ اپنے پرچوں میں کبھی نام لے کر اور کبھی اس کے بغیر جس طرح جماعت کو اپنے اعتراضات کا ہدف بناتے رہے ہیں اور ہندوستان کے سیاق میں اسلامی تحریک اور یوتھ ونگ جیسے الفاظ اس احتمال کی توضیح اور معنیٰ مراد کی تعیین کرنے کے لئے کافی ہیں۔ مولانا جس منفی انداز فکر و عمل کی مسلسل مخالفت کرتے ہیں یہاں اسی پر عمل پیرا نظر آتے ہیں کاش مولانا اپنی اس ذہنیت میں تبدیلی لے آتے۔ راقم سطور نے خود بھی اس واقعہ کی تحقیق کی ہے کہ اس میں SIO یا SIM کا کوئی فرد شریک نہیں تھا۔

منظور حسین

اخلاق کی جامعیت

مولانا محمد فاروق خاں

عَن ابنِ مسعودٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلّی اللّٰهُ علیه وسلم: اِنَّ اللّٰهَ تعالیٰ قَسَمَ بینکُم اَخلاقَکُم کَمَا قَسَمَ بَینَکُم اَرزاقَکُم۔ اِنَّ اللّٰهَ تعالیٰ یُعطِی الدُّنیَا مَن یُحِبُّ وَمَن لَّا یُحِبُّ وَلَا یُعطِی الدِّینَ اِلَّا مَن اَحَبَّ فَمَن اَعطَاهُ اللّٰهُ الدِّینَ فَقَد اَحَبَّهٗ وَالَّذِی نَفسِی بِیَدِهٖ لَا یُسلِمُ عَبدٌ حَتّٰی یُسلِمَ قَلبُهٗ وَلِسَانُهٗ وَلَا یُؤمِنُ حَتّٰی یَامَنَ جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ ——— احمد، بیہقی

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے تمہارے اخلاق کو تمہارے درمیان اسی طرح تقسیم کیا ہے جس طرح کہ اس نے تمہارے رزق کو تمہارے درمیان تقسیم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ دنیا تو اس کو بھی دیتا ہے جس سے محبت فرماتا ہے اور اس کو بھی جس سے محبت نہیں فرماتا مگر دین صرف اسی کو عطا کرتا ہے جس سے اسے محبت ہوتی ہے۔ پس جس شخص کو خدا نے دین عطا کیا ہے لازماً اس سے اس کو محبت ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کوئی بندہ اس وقت تک مسلم نہیں ہوتا جب تک کہ اس کا دل اور اس کی زبان مسلم نہ ہو۔ اور وہ اس وقت تک مومن نہیں جب تک کہ اس کا ہمسایہ اس کی برائیوں سے مامون و محفوظ نہ ہو۔“

اخلاقیات کے مطالعہ کے سلسلہ میں یہ ایک اہم حدیث ہے۔ دنیا کی زندگی میں دو چیزیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔ ایک رزق یا دولت وغیرہ جس کی طرف بالعموم لوگوں کی توجہ ہوتی ہے اور اس کے حصول میں وہ غفلت سے کام نہیں لیتے۔ مال کے ذریعے آدمی اپنی مادی ضروریات پوری کرتا یا اپنی زندگی کے عیش اور آرام میں اضافہ کرتا ہے۔ دوسری چیز وہ ہے جسے حسن اخلاق سے تعبیر کیا گیا ہے اخلاق کا اصل تعلق آدمی کی اپنی ذات اور شخصیت سے ہوتا ہے۔ آدمی کیسا ہے؟ یہ اس کی دولت سے نہیں اس کے اخلاق ہی سے معلوم کر سکتے ہیں۔ آدمی اخلاق کے لحاظ سے اگر بہتر نہیں ہے تو مال یا دولت کی فراوانی سے اس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کوئی شخص لاغر اور دائم المریض ہو اور اس کا مرض بھی ایسا ہو کہ اس کی وجہ سے وہ مسلسل تکلیف اور درد و کرب میں مبتلا ہو تو اس کے دولت مند ہونے کے باوجود اس کی زندگی ہمارے لئے قابل رشک نہیں ہو سکتی۔ اخلاق کی خرابی جسمانی مرض سے کہیں زیادہ تشویشناک ہوتی ہے۔ یہ لوگوں کی کوتاہ نظری ہے کہ وہ اخلاق کی قدر و قیمت کو عام طور پر محسوس نہیں کرتے۔

مال اور دولت کی خدا کی نگاہ میں کوئی بڑی اہمیت نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ خدا اپنے دشمنوں تک کو دولت سے نواز دیتا ہے۔ لیکن اخلاقی خوبیاں اپنے ان ہی بندوں کو عطا فرماتا ہے جن سے اسے محبت ہوتی ہے۔ اس کی پہچان کہ کس شخص سے خدا کو کتنی محبت ہے اس سے ہوتی ہے کہ کس شخص کو اس کی طرف سے حسن اخلاق کا سرمایہ بے بہا عطا ہوا ہے۔

اس حدیث میں اخلاق کو عین دین قرار دیا گیا ہے چنانچہ فَمَنْ اَعْطَاهُ اللّٰهُ الدِّیْنَ (پس جس شخص کو خدا نے دین عطا کیا ہے) میں دین کا لفظ اخلاق کی جگہ استعمال فرمایا گیا ہے۔ اخلاق کو دین قرار دینے سے اصل مقصود اس کے سوا کچھ نہیں کہ انسان اپنے اخلاق کو بلند کرے۔ زندگی میں دین کی اصل بنیاد درحقیقت اخلاق حسن ہی ہے۔ خدا کی طاعت اور بندگی اور دین کے جملہ احکام کی بجا آوری حقیقت میں ہمارا اخلاق ہے۔ دین حق سے گریز خواہ وہ کسی بھی انداز میں ہو حقیقت کی نگاہ میں ایک سنگین اخلاقی جرم ہے۔

وَعَن عَمرِو بنِ عَبَسَةَؓ قَالَ: اَتَیتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ فَقُلتُ یَا رَسُولَ اللّٰهِ مَن مَّعَكَ عَلٰی هٰذَا الاَمرِ؟ قَالَ: حُرٌّ وَعَبدٌ قُلتُ مَا الاِسلَامُ؟ قَالَ: طِیبُ الکَلَامِ وَاِطعَامُ الطَّعَامِ، قُلتُ: مَا الاِیمَانُ؟ قَالَ: الصَّبرُ وَالسَّمَاحَةُ، قَالَ قُلتُ: اَیُّ الاِسلَامِ اَفضَلُ؟ قَالَ مَن سَلِمَ المُسلِمُونَ مِن لِسَانِهٖ وَیَدِهٖ قَالَ قُلتُ: اَیُّ الاِیمَانِ اَفضَلُ؟ قَالَ: "خُلُقٌ حَسَنٌ"۔ قَالَ: قُلتُ: اَیُّ الصَّلٰوةِ اَفضَلُ؟ قَالَ: طُولُ القُنُوتِ" قَالَ: قُلتُ: اَیُّ الهِجرَةِ اَفضَلُ؟ قَالَ: "اَن تَهجُرَ مَا کَرِهَ رَبُّكَ"۔ قَالَ: فَقُلتُ: فَاَیُّ الجِهَادِ اَفضَلُ؟ قَالَ: "مَن عُقِرَ جَوَادُهٗ وَاُهرِیقَ دَمُهٗ"۔ قَالَ: قُلتُ: اَیُّ السَّاعَاتِ اَفضَلُ؟ قَالَ: "جَوفُ اللَّیلِ الآخِرِ ——— احمد

حضرت عمرو بن عبسہؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اس امر دین میں آپ کے ساتھ (ابتدائے دعوت کے موقع پر)

کون تھا؟ آپؐ نے فرمایا: " ایک آزاد اور ایک غلام[1]"۔ میں نے عرض کیا کہ اسلام کیا ہے؟ فرمایا: " پاکیزہ وعمدہ کلام اور کھانا کھلانا[2]"۔ میں نے عرض کیا کہ ایمان کیا ہے؟ فرمایا: " صبر و سخاوت[3]"۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ سب سے بہتر اسلام کون سا ہے؟ فرمایا! " اس شخص کا جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں[4]"۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ سب سے بہتر ایمان کون سا ہے؟ فرمایا: " اچھا اخلاق۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ کون سی نماز سب سے بہتر ہے؟ ارشاد فرمایا: " قیام طویل کرنا[5]"۔ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ کون سی ہجرت سب سے بہتر ہے؟ فرمایا: یہ کہ جو کچھ تیرے رب کو ناپسند ہو اسے چھوڑ دو[6]" کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ کون سا جہاد سب سے بہتر ہے؟ فرمایا: " اس شخص کا جس کا گھوڑا مارا جائے اور جس کا اپنا بھی خون بہایا جائے[7]"۔ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ ساعتوں میں کون سی ساعت سب سے بہتر ہے؟ فرمایا: " وسط شب کا آخری حصہ[8]"۔

[1] اشارہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت زید بن حارثہؓ کی طرف ہے جو ان اشخاص میں شامل ہیں جنھیں ایمان لانے میں اولیت کا شرف حاصل ہوا ہے۔

[2] معلوم ہوا کہ اسلام محض خیال کی دنیا میں محدود ہو کر رہنا نہیں چاہتا بلکہ مطلوب یہ ہے کہ زندگی کے مختلف امور و معاملات میں اس کا ظہور بہتر سے بہتر انداز میں ہو۔ بطور مثال آپؐ نے یہاں دو چیزوں کا ذکر فرمایا جن کے مواقع عوام اور خواص سبھی کی زندگیوں میں پیش آتے رہتے ہیں۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام سراپا خیر اور خوئے دلنوازی کا دوسرا نام ہے۔ شیریں کلامی، عمدہ گفتگو اور فیاضی (کھانا کھلانا جس کا ایک واضح ثبوت ہے) صرف کلام کا ہی حسن اور عمل ہی کی خوبی نہیں ہے۔ یہ چیز خود آدمی کی اپنی خوبی اور اس کی محبوبیت کی بھی دلیل ہے۔ آدمی اگر ہر دل عزیز نہ بھی ہو تو اس وصف کے اختیار کرنے کے بعد بہت جلد لوگوں کے دلوں میں اس کے لئے جگہ پیدا ہو جائے گی۔ اور وہ محبوب خلائق بن جائے گا۔ یہ وصف ایسا ہے کہ جس سے خود اس کے اختیار کرنے والے شخص کی شخصیت میں بھی خوشگوار تبدیلی رونما ہوگی اور لوگوں کے لیے اس کی شخصیت میں خاص جاذبیت پیدا ہو جائیگی۔

[3] ایمان دراصل غیر مرئی حقائق پر یقین کرنے کا نام ہے اس کے برخلاف غیر ایمانی حالت یہ ہے کہ آدمی کی نظر محض ظاہر پر ہو۔ ایسا آدمی مادی طور پر جلد حاصل ہونے والے فائدے ہی کو سب کچھ سمجھ لیتا ہے اور اس کے حاصل کرنے کے لئے مناسب اور غیر مناسب ہر تدبیر اختیار کرتا ہے۔ جائز اور ناجائز یا حلال و حرام کی اسے کوئی پروا نہیں ہوتی۔ ایسا شخص کسی ایسے کام میں روپے خرچ کر سکتا ہے جس میں اسے دنیوی فائدے کی قوی امید ہو۔ لیکن کسی مسکین کی مدد یا کسی کار خیر میں روپیہ خرچ کرنا اس کے لئے کسی بڑی مصیبت سے کم نہیں۔ جب کہ ایمان آدمی کو اس تنگی سے نکال لیتا ہے۔ ایمان آدمی کو دور اندیش بناتا اور اس کے دل میں فراخی پیدا کرتا ہے۔ صبر اسی دور اندیشی اور سخاوت اسی فراخئ دل کی علامت اور مظہر ہے۔ صبر اس بات کا ثبوت ہے کہ آدمی کی نظر کسی ایسی چیز پر ہے جو عام نگاہوں سے اوجھل ہے۔ اور سخاوت اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ آدمی کی روح حرص و ہوس اور بخل و آز کی قید و بند سے آزاد ہو چکی ہے۔

ایک مومن شخص کو کوئی اذیت اور تکلیف پہنچے یا وہ معاشی تنگی اور کسی قسم کی پریشانی میں مبتلا ہو وہ سمجھتا ہے کہ سب کچھ اس کے رب کی نگاہوں میں ہے۔ وہی بہترین حامی و ناصر اور محافظ ہے۔ اسے اپنے رب کی کارسازی پر پورا بھروسہ ہوتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہمیں تو اسی فرض کی ادائیگی میں اپنی توانائی اور اپنے اوقات کا بہترین حصہ صرف کرنا چاہیئے جو خدا نے ہم پر عائد کیا ہے۔ رہے مسائل اور الجھنیں تو ان سے نمٹنے کے لئے ہمارا رب کافی ہے۔ اس لئے تمام پریشان کن حالات میں جن میں عام طور پر لوگ صبر کا دامن چھوڑ بیٹھتے ہیں بلکہ بعض لوگ تو خودکشی تک کے مرتکب ہو جاتے ہیں ایک مومن صبر و استقلال کا ثبوت دیتا ہے۔ اور یہ محض اس کی ایمانی قوت کا کرشمہ ہوتا ہے۔

[4] منفی اعتبار سے اسلام کا یہ اثر ظاہر ہونا چاہیئے کہ ایک مسلمان سے اس کے کسی بھائی کو کسی قسم کا اندیشہ اور کوئی نقصان پہنچنے کا خوف باقی نہ رہے۔ اگر کسی مسلمان کی زندگی میں اسلام کا یہ اثر ظاہر نہیں ہوتا تو سمجھ لیجئے اسلام کی بہترین حالت ابھی اسے میسر نہیں آسکی ہے۔

[5] یہاں متن میں ' طول القنوت ' کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا مفہوم طویل قیام کے علاوہ طویل قرأت اور خشوع کی زیادتی بھی لیا گیا ہے۔ قنوت حقیقت میں نماز کی اصل روح ہے۔ نماز میں یہ چیز جتنی زیادہ پائی جائے گی اتنا ہی زیادہ اسے افضل قرار دیا جائے گا۔

[6] عام اصطلاح میں ہجرت خدا کی خوشنودی کے لئے اپنے وطن اور گھر بار کو چھوڑ کر کسی دوسرے مقام پر منتقل ہو جانے کو کہتے ہیں۔ وطن اور اہل وطن کس کو عزیز نہیں ہوتے لیکن مہاجر ان سب کے مقابلہ میں خدا کی رضا کو ترجیح دیتا ہے۔ اپنی خوشی اور پسند کے مقابلہ میں خدا کی خوشی اور اس کی پسند کو اختیار کرنا یہی ہجرت کی اصل روح ہے جس کی کارفرمائی مکان کی منتقلی ہی میں نہیں بلکہ زندگی کے جملہ امور میں مطلوب ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم

باقی صفحہ ۳۶ پر

ممتاز قانون داں ڈاکٹر طاہر محمود سے ایک انٹرویو

ڈاکٹر طاہر محمود ——— دہلی یونیورسٹی میں شعبۂ قانون کے صدر ہیں۔ لکھنؤ یونیورسٹی سے گریجویشن اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ماسٹر ڈگری حاصل کرنے کے بعد آپ نے لندن سے ڈاکٹریٹ کیا۔ آپ ہندی، انگریزی اور اُردو کے ساتھ ساتھ فارسی، عربی، سنسکرت جرمن اور مالے زبانوں میں بھی اچھی استعداد رکھتے ہیں۔ Personal Law in Islamic Countries آپ کی مشہور کتاب ہے۔

زیر نظر انٹرویو ایس آئی او کا ملیالی ترجمان "یوواسارتھی" نے لیا تھا جسے ہم جریدہ کے شکریہ کیساتھ آپکی نذر کر رہے ہیں۔

سوال: آپ کے خیال میں کیا ہندوستان جیسے سیکولر ملک میں اسلامی اصولوں پر اصلاحات کے امکانات ہیں؟

جواب: ہمیں اپنے اعتماد کو بحال رکھنا چاہیئے۔ ہندوستان کا آئین ملک کے تمام مذاہب کو برابری کے حقوق دیتا ہے تاکہ لوگ اپنے پرسنل لا کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ ہمیں ایک بات ذہن میں ضرور رکھنی چاہیئے کہ آج مسلم پرسنل لا، پورے طور سے اسلامی اصولوں پر قائم نہیں ہے۔ کیونکہ جب برٹش حکومت نے "۱۹۵۶ شریعت ایکٹ" کو نافذ کیا تو دراصل اس وقت معاشرے میں رائج رسوم ورواج کو بھی شریعت کے نام پر اس ایکٹ میں داخل کر دیا گیا جس کی وجہ سے بے شمار غیر اسلامی رسم ورواج کو بھی قانونی حیثیت حاصل ہوگئی۔

سوال: کیا آپ کے خیال میں مسلم پرسنل لا میں اصلاحات کی ضرورت محسوس ہوتی ہے؟

جواب: ہاں کچھ بنیادی تبدیلیاں ناگزیر ہیں تبھی آنے والی نسل بھارت کی سرزمین پر حقیقی اسلام سے کچھ حد تک فائدہ حاصل کر سکتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ مسلم پرسنل لا میں اصلاحات کا نام سن کر مسلمان مایوس ہو جاتے ہیں مگر اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں کے سیاسی نظام سے مسلمانوں کا اعتماد اٹھ چکا ہے۔ ملک کے ترقی پسند اور دانشور حضرات بھی مسلمانوں کے درمیان شکوک وشبہات پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔

سوال: نام نہاد دانشوروں اور خود حکومت کا موقف ہے کہ ملک کے اتحاد اور سالمیت کے لئے یکساں سول کوڈ کا نفاذ ضروری ہے۔ اس ضمن میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: سب سے پہلے اس بات پر غور کیجئے کہ یکساں سول کوڈ کہتے کس کو ہیں۔ کیا ملک کی ستر کروڑ آبادی پر اس کا نفاذ کیا جا سکتا ہے؟ بالفرض اگر ایسا ہو تو اس کی نوعیت کیا ہوگی؟ اگر کہا جائے کہ یہ ہندو سول کوڈ ہوگا تو مجھے اس پر اعتراض ہے۔ اگر کیرسچین سول کوڈ ہوگا تو اس پر بھی مجھے اعتراض ہے۔ اگر یہ Consolidatory civil code ہوگا۔ یعنی ملک کے مختلف مذاہب سے اچھی باتیں لیکر ایک سول کوڈ بنایا جائے تو اس پر مجھے سخت اعتراض ہے کیونکہ یہ ناقابل عمل اور بے سر وپا نعل ہوگا۔ اگر اسے مسلم سول کوڈ کی حیثیت سے منظور کیا جاتا ہے تو مجھے یہ منظور ہے۔ ملک کے ۱۲ کروڑ مسلم عوام بھی اس پر بخوشی راضی ہو جائیں گے۔ مگر ملک کے ۵۸ کروڑ عوام کا کیا ہوگا؟

یہ بات سرے سے ہی لغو ہے کہ ملک میں یکساں سول کوڈ کے نفاذ سے قومی اتحاد اور یگانگت کا تصور پیدا ہوگا۔ ۱۹۵۵ء کے ہندو کوڈ کے مطابق ملک کے چار مذاہب کے لوگ (ہندو، سکھ، بدھ، جین) کو ایک ہی قانون کے تحت کر دیا گیا۔ کیا اس قانون کی رو سے اتحاد واتفاق پیدا ہو سکا؟ بلکہ سکھ اور ہندو ایک انچ بھی ایک دوسرے کے قریب نہ آسکے؟ خلا بڑھتا ہی گیا، سکھ اپنے کو غیر ہندو شمار کرنے لگے جس کے نتیجہ میں سکھوں کے اندر انتہا پسندی زور پکڑتی گئی اور ایک الگ اسٹیٹ کی مانگ ہونے لگی جس کے نتیجے میں پنجاب میں خون کا فوارہ رواں ہوگیا۔

سوال: شاہ بانو کیس کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: دراصل فیصلے کو تحریر کرنے کا سہرا دانیال لطیفی کے سر بندھتا ہے مگر فیصلے سپریم کورٹ کی زبان سے صادر کئے گئے ہیں۔ مسٹر لطیفی اسلامی شریعت کے خلاف اس سے قبل بھی لکھتے رہے ہیں۔

سوال: مسلم خواتین تحفظ بل کے بارے میں آپکی رائے جاننا چاہوں گا؟

جواب: یہ بل ایک نمونہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ دنیا میں یہ اپنی نوعیت کا پہلا بل ہے جس میں مطلقہ مسلم خواتین کے تحفظ پر قانون بنانے کی مانگ کی گئی ہے۔ ۱۲۵ د، CRPC میں جو تحفظ دیا گیا ہے وہ بہت محدود اور الجھاؤ پیدا کرنے والا ہے۔ مطلقہ

بقیہ صفحہ ۱۰

غنیمت جانو

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو

۱- جوانی کو بڑھاپے سے پہلے
۲- فرصت کو مشغولیت سے پہلے
۳- خوشحالی کو محتاجی سے پہلے
۴- صحت کو بیماری سے پہلے
۵- زندگی کو موت سے پہلے

(ترمذی)

انفاق کا صلہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس مسلمان نے کسی مسلمان کو جس کے پاس کپڑا نہیں تھا، کپڑا پہنایا، اللہ اس کو جنت کا سبز لباس پہنائیگا اور جس مسلم نے کسی مسلم کو بھوک کی حالت میں کھانا کھلایا، اللہ اسکو جنت کے پھل کھلائیگا، اور جس کسی نے مسلم کو پیاس کی حالت میں پانی پلایا، اللہ اس کو (جنت کی) مہر بند شراب پلائیگا۔ (ابوداؤد، ترمذی)

چند باتیں ضروری

مولانا محمد سلمان ندوی

نوجوان ساتھیو! رفیق منزل بابت اگست ۱۹۸۸ء میں اس عنوان کے تحت آپ سوتے وقت، بیدار ہونے پر، بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت، وہاں سے نکلتے وقت، وضو کے بعد، گھر سے نکلتے وقت، مسجد میں داخل ہوتے وقت اور مسجد سے نکلتے وقت کی مسنون دعائیں اور ان کا ترجمہ اور ان کا ماحصل پڑھ چکے ہیں۔ لیکن صرف رفیق منزل میں پڑھ لینے سے وہ افادیت جو مسنون دعاؤں کی ہے حاصل نہیں ہو سکتی، بلکہ انھیں اوقات میں ان کو شعور اور فہم کے ساتھ پڑھنے سے برکت حاصل ہو سکتی۔ جن اوقات میں ان کا پڑھنا مسنون ہے۔ اس لئے رفیق منزل کا شمارہ اگست ۱۹۸۸ء کو ایکبار پھر اٹھائیے، اور اس میں سے مذکورہ دعائیں یاد کر لیجئے، اور ان کے پڑھنے کا اہتمام کیجئے! اللہ تعالیٰ آپ کی زندگی میں نور اور نکھار پیدا فرمائے گا۔ آپ کی سیرت میں مومنانہ روح، آپکے اخلاق اور کردار میں مسلمانہ رنگ اور آپکے مزاج میں اتباع نبوی کی رونق اور تابانی جلوہ گر ہوگی، انشاءاللہ۔

فجر کی نماز سے فارغ ہو کر آپ اپنے گھر میں یا بورڈنگ ہاؤس میں داخل ہوں گے، اس وقت اور جب بھی آپ اپنے یا کسی کے گھر میں داخل ہوں تو مسنون طریقہ پر سلام کریں، آپ تو جانتے ہی ہیں کہ جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے ملتا ہے تو السلام علیکم کہتا ہے اور دوسرا مسلمان بھی جواب میں وعلیکم السلام کہتا ہے۔ اس چھوٹے سے فقرہ میں معنی اور مفہوم کی ایک دنیا پوشیدہ ہے۔ اول تو یہ اسلامی تہذیب کا ایک شعار اور علامت ہے۔ دنیا کے کسی خطہ کا مسلمان ہو، کسی رنگ و نسل سے اس کا تعلق ہو، چاہے وہ کوئی بھی پیشہ رکھتا ہو، دنیا کی کوئی زبان بولتا ہو، خواہ کسی قبیلہ سے اس کا تعلق ہو، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، خواہ وہ دولت مند ہو یا فقیر، بہر حال جب وہ اپنے مسلمان بھائی سے ملتا ہے تو السلام علیکم کہتا ہے۔ اور جواب میں بھی وعلیکم السلام کا فقرہ سنتا ہے۔ اس طرح دونوں میں ایک خدا، ایک دین، ایک کلمہ، ایک کتاب اور ایک قبلہ سے وابستگی کا احساس ابھرتا ہے اور وہ ایک ہی تہذیب کا حامل ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کو قریب و محبت کے رشتہ میں منسلک محسوس کرنے لگتے ہیں۔ اور یہ پہچان جاتے ہیں کہ ہم دونوں مسلمان ہیں، باہمی رفیق ہیں، ہم دونوں کا نصب العین، مقصد زندگی، مشن اور طریقہ کار ایک ہی ہے۔

السلام علیکم کا جملہ ایک دعا ہے جو ایک مسلمان اپنے مسلمان بھائی کو دیتا ہے۔ اس دعا میں بڑی جامعیت ہے۔ گویا وہ کہتا ہے خدا کرے تم سلامت رہو، تمہارے بیوی بچے، ماں باپ، بھائی بہن، سب سلامت رہیں۔ تمہیں فلاح دارین حاصل ہو، تم بچے ہو تو تمہیں بچپن کی شرارتوں اور آفتوں سے سلامتی ملے۔ تم جوان ہو تو جوانی کی لغزشوں سے سلامتی نصیب ہو، تم بوڑھے ہو تو بڑھاپے کی حرص و ہوس سے خدا تمہیں بچائے، تم مالدار ہو تو اللہ تمہیں دولت کے غرور و گھمنڈ سے اور غریب ہو تو فقر و فاقہ کی آلائش سے سلامتی اور طمانیت بخشے، تم اقتدار پر فائز ہو یا مجبور و بے بس اور بے کس ہو، ہر حالت میں اور زندگی کے ہر موڑ پر، خدا تمہاری سلامتی کا انتظام فرمائے اور عافیت سے نوازے، اور جواب میں دوسری جانب سے بھی یہی دعا ہوتی ہے اور انھیں جذبات کا اظہار ہوتا ہے تو دونوں جانب سے محبت کے سوتے پھوٹنے لگتے ہیں۔ یہ ہے اسلام کے سلام کی خوبی اور جامعیت، دنیا کی کسی قوم کے سلام میں نہ یہ خوبی ہے اور نہ جامعیت ہے۔ اسی لئے حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے۔ سلام کو پھیلاؤ، سلام کیا کرو، ہر شناسا اور ناشناسا مسلمان بھائی کو سلام کیا کرو، اس سے محبت بڑھتی ہے۔ مسلمان لڑکیاں، بہنیں اور خواتین بھی آپس میں ایک دوسرے کو اسی طرح سلام کرتی ہیں اور اسی طرح کرنا چاہئے۔ سلام کا طریقہ مردوں اور خواتین کا بالکل ایک ہی ہے۔

نوجوان ساتھیو! اگر آپ کسی خالی مکان میں داخل ہوں، جہاں کوئی بشر نہ ہو، وہاں بھی آپ کو سلام کرنا چاہئے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ جب بھی آپ کسی مسجد، گھر، مکان، باغ یا گودام وغیرہ میں داخل ہوں اور وہاں کوئی آدمی نہ ہو تو آپ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْن کہیں یعنی سلامتی ہو، ہمارے اوپر، اللہ ہمیں ہر قسم کی آفت اور بلا اور مصیبت سے بچائے اور سلامتی ہو اللہ کے تمام صالح بندوں پر یعنی اگرچہ یہاں کوئی آدمی نہیں ہے مگر اس کا امکان بہر حال ہے کہ یہاں جنات ہوں، یا اللہ کے فرشتے ہوں اور فرشتے تو ساتھ رہتے ہی ہیں اور چونکہ مسلمان تنگ نظر، تنگ دل اور تنگ ظرف نہیں ہوتا اس لئے وہ صرف اپنے ہی لئے نہیں بلکہ اللہ کے تمام نیک بندوں کے لئے دعا کرتا ہے۔ فرشتے ہر انسان کے ساتھ رہتے ہیں اس لئے [illegible] سے دعا کی گئی [illegible] بھی تو ساتھ رہتا ہے مگر وہ صالح بندہ نہیں ہے اس لئے وہ دعاؤں کا مستحق نہیں ہے اور اگر وہاں مسلمان نہ ہو بلکہ کوئی غیر مسلم خدا کا بندہ موجود ہو تو آپ هَدَاكَ اللّٰه کہیے! یعنی اللہ تمہیں ہدایت کی توفیق عطا

غیر مسلم بھائیوں کا بھی خیر خواہ ہوتا ہے اور انہیں بھی ہدایت کی دعائیں دیتا ہے۔ غیر مسلموں کو سلام جب بھی کریں انہیں ھداک اللہ ہی کہیں۔ اس سے دعوتی گفتگو کا موقعہ بھی فراہم ہوسکتا ہے۔

فجر کے بعد گھر میں پہونچ کر تلاوت وغیرہ سے فارغ ہو کر آپ ناشتہ کریں گے۔ ناشتہ ہو یا کھانا اور پینا اللہ کے نام سے شروع کرنا چاہیئے! پوری بسم اللہ پڑھ لیں تو زیادہ اچھا ہے۔ کیونکہ کوئی اچھا، جائز اور حلال کام اگر اللہ کے نام سے شروع نہ کیا جائے تو اس میں برکت نہیں ہوتی، وہ ناقص رہتا ہے۔ کھانے سے فارغ ہو کر، پڑھیئے! اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَ سَقَانَا وَ جَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ؕ یعنی سب تعریفیں اور سارے شکریئے اللہ تعالی کے لئے ہیں۔ جس نے ہم کو کھلایا پلایا اور مسلمان بنایا کھانے کے دوران ایک مسلمان کے جذبات کیا ہونا چاہیئے حضورؐ کے اس فرمان سے معلوم ہوتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا اِنِّیْ اٰکُلُ کَمَا یَاْکُلُ الْعَبْدُ میں ایسے کھاتا ہوں جیسے غلام کھاتا ہے۔ یعنی اللہ میرا آقا ہے میں اس کا غلام ہوں اسی کا دیا کھاتا ہوں، حضورؐ آگے کو جھک کر اکڑوں بیٹھ کر یا ایک پیر کھڑا کر کے اور دوسرا بچھا کر یا دونوں پیر اس طرح موڑ کر جس طرح نماز میں بیٹھتے ہیں۔ غرض ان تینوں طریقوں میں سے کسی ایک طرح بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے تھے۔ پالتی مار کر یا ٹیک لگا کر یا کسی بھی ایسے طریقے سے جس سے غرور گھمنڈ اور رعونت ظاہر ہوتی ہو ہرگز کھانا نہیں کھاتے تھے۔ ناشتہ کے بعد، آپ مدرسہ جائیں گے، کسی اسکول یا کالج جائیں گے ہنرمند ہیں تو اپنے پیشے اور حرفے کا کام کرنے جائیں گے، آپ کی جو بھی مصروفیت ہوگی، آپ کا جو بھی مشغلہ ہوگا اسے انجام دینے کے لئے جائیں گے، آپ گھر سے نکلیں تو گھر سے نکلتے وقت کی دعا پڑھ لیں جو اس مضمون کی پہلی سائیکل، اسکوٹر، گھوڑا، کار وغیرہ کسی بھی سواری پر سوار ہوں تو اس پر بیٹھتے ہی اللہ اکبر کہیئے! اور جب اسے آپ اسٹارٹ کریں اور وہ چلے تو بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ۝ وَاِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ؕ پڑھیں، یعنی اللہ کے نام سے اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اس کو ہمارے لئے مسخر کر دیا، حالانکہ ہم اس کو تابع نہیں کر سکتے تھے اور ہم اپنے رب ہی کی جانب پلٹنے والے ہیں۔ سواری خواہ ہوائی جہاز ہو یا پانی کا جہاز یا کوئی بھی پرانی سے پرانی اور نئی سے نئی سواری ہو اس پر بیٹھ کر اور اس کے چلنے پر یہی دعا پڑھیئے۔

بقیہ انٹرویو

کے لئے زیادہ سے زیادہ رقم طے کی گئی ہے وہ صرف ۵۰۰ روپیے ہے جبکہ نئے قانون کے تحت مطلقہ ایک بڑی رقم حاصل کرنے کی حقدار ہے۔ نفقہ کے اندر وسعت ہے کیونکہ اس کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ غیر مسلم خواتین تنظیمیں بھی اب اس قانون کے تحت مانگ کرنے لگی ہیں تاکہ خواتین زیادہ سے زیادہ مستفید ہوسکیں۔ پاکستان میں بھی اب اس قانون کی بازگشت سنائی دینے لگی ہے۔

تاہم اس میں کچھ خامیاں بھی ہیں۔ بل کی تیاری کے وقت نہ مسلم پرسنل لا۔ بورڈ سے مشورہ طلب کیا گیا اور نہ ہی مجھ جیسے لوگوں کی طرف رجوع کیا گیا۔ وزارت قانون کے افراد نے اسے تیار کیا ہے۔ صرف اتنا ہوا کہ ابتدائی مرحلہ میں ہمارے خیالات کو جاننے کی کوشش کی گئی۔

عوام تو عوام خود ہمیں بھی بل کی تفصیلات کا علم اخبارات کے ذریعہ ہوا۔ بل میں بہت سارے الفاظ کی تعریف واضح نہیں ہے مجسٹریٹ کو نفقہ مقرر کرنے کا غیر محدود اختیار دیدیا گیا ہے جو نہایت افسوسناک ہے اور قابل مذمت کی توجہ بروقت مبذول کرائی گئی تھی ضرورت اس بات کی ہے کہ اس سلسلے میں متعلقہ ذمہ داروں کو کچھ رہنما خطوط فراہم کئے جائیں۔

سوال: کیا خلاف شریعت رجحان صرف طلاق کے سلسلے میں پایا جاتا ہے؟

جواب: نہیں تعدد ازدواج کے معاملے میں بھی یہ رجحان پایا جاتا ہے کیونکہ اسلام نے اسے حلال قرار دیا ہے۔ لیکن ہمیں غور کرنا چاہیئے کہ تعدد ازدواج کے کون لوگ اور کب مستحق ہیں؟ کیا یہ اسلامی اصول کے مطابق ہے کہ کچھ لوگ دو تین عورتوں سے نکاح کرلیں؟ کیوں ہمارے علماء۔ اس غیر اسلامی طریقہ کا رپر خاموش ہیں جس کی وجہ سے ہمارا معاشرہ اس المیہ سے دوچار ہے۔

سوال: سول کوڈ کے ساتھ ساتھ کریمنل کوڈ کی مانگ ہم کیوں نہیں کرتے؟

جواب: سول کوڈ وہ قانون ہے جن کا اطلاق ہماری نجی زندگی کے معاملات پر ہوتا ہے۔ ہر حال میں ایک مسلمان اپنی نجی زندگی میں اسلامی اصولوں پر کاربند رہنے کا پابند ہے مگر ایک غیر اسلامی اسٹیٹ میں اسلام کے کریمنل قوانین کو نافذ کرنے کا پابند نہیں۔

سوال: کیا آپ بنیاد پرست ہیں؟

جواب: اس اصطلاح کا استعمال کس حیثیت سے کیا جاتا ہے؟ اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی اپنے مذہبی امور میں سختی کے ساتھ پابند اور مذہب پر اسے پختہ یقین ہو تو اس حیثیت سے یقیناً میں بنیاد پرست Fundamentalist ہوں۔ آپ کو بھی بنیاد پرست ہونا چاہیئے تمام دیگر مذاہب کے ماننے والوں کو بنیاد پرست ہونا چاہیئے۔ لیکن اگر اس اصطلاح کا مطلب انتہا پسند اور جنونی (Extremist and Fanatic) لیا جائے تو اس حیثیت سے میں بنیاد پرست نہیں ہوں۔

یہ شمارہ آپ کو کیسا لگا، ہمیں اپنی رائے سے آگاہ کیجئے۔

رویت ہلال

{ رفیق منزل ۱۵ جون کے شمارہ میں اس مسئلہ پر پروفیسر اسرار احمد صاحب کے بعض خیالات کو بحوالہ تہذیب الاخلاق پیش کیا گیا ہے اور اہل علم کو اظہار خیال کی دعوت دی گئی ہے یہ مضمون اہل علم کے غور و فکر کے لئے ہے تاکہ آغاز کلام ہو سکے }

صباح الدین ملک فلاحی۔ کھیڑا

تقریباً ہر سال کسی نہ کسی نوعیت سے عیدالفطر کے موقع پر رؤیت ہلال کا مسئلہ زیر بحث آجاتا ہے، کبھی یوں ہوتا ہے کہ ملک کے الگ الگ علاقوں اور شہروں میں یوم عید مختلف ہوجاتا ہے۔ کچھ لوگ اس صورت حال پر پریشانی محسوس کرنے لگتے ہیں اور اپنی دانست میں مسلمانوں کے انتشار پر رونا اور اتحاد ملت کی دہائی دینا شروع کر دیتے ہیں مگر بہتیرے لوگ اس اختلاف رؤیت کو طبعی بلکہ شرعی سمجھ کر مطمئن رہتے ہیں۔ البتہ کبھی ایسا ہوتا ہے جیسا کہ امسال بہت سے مقامات پر ہوا کہ ایک ہی شہر میں دو دن عید منائی گئی۔ یہ صورت یقیناً اہل دانش کے لئے فکر مندی کا باعث اور تشویش انگیز ہے۔ اگر عید کے معاملہ میں کوئی انتشار و افتراق ہو سکتا ہے تو یہی کہ ایک ہی جگہ کے مسلمان دو دلوں میں تقسیم ہو کر عید منائیں۔ یہ نہ طبعی اعتبار سے درست ہے اور نہ شرعی اعتبار سے ہی اسے درست کہا جا سکتا ہے۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے انتشار کا سبب دراصل رؤیت ہلال کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی گروہ بندی اس کی بنیادی وجہ ہے۔ اس موقع پر مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد محض خواہشات نفس پر عمل کرتی ہے اور ان کے لئے ۲۹ر کا چاند ہر شکل میں معتبر ہوتا ہے خواہ اس کی خبر و اطلاع کوئی دے رہا ہو لیکن عام طور پر مسلمانوں کے مختلف گروہوں کے اپنے اپنے مراجع ہیں۔ ہر گروہ اپنے مرجع و مرکز کے فیصلہ و اعلان پر ہی اعتماد کرتا ہے اور یہ مراکز بسا اوقات ایک ہی مقام پر کئی کئی ہوتے ہیں۔ نتیجہ اختلاف عید کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ لہٰذا فکر مند ہونے والوں کو فکر مند اس حقیقی افتراق پر ہونا چاہئے نہ کہ اس کے سطحی اور منطقی مظاہر پر۔

ثبوت ہلال اور اس سے متعلق جو واقعی مسائل ہیں ان کی واضح تفصیلات احادیث و فقہ کے ذخیرہ میں موجود ہیں۔ یہاں آسانی کی خاطر تین اجزا میں انھیں محصور کرکے مختصر گفتگو کی جائے گی۔

روزہ اور عید کا مدار رؤیت ہلال پر

شمسی سال میں چونکہ سورج کے گرد زمین کی ایک مکمل گردش کا لحاظ کرتے ہوئے بارہ مہینوں کے ایام متعین کر لئے گئے ہیں اس لئے اس حساب میں کوئی دشواری نہیں ہوتی تھوڑا سا فرق ہوتا بھی تھا تو ہر چار سال پر فروری کو ۲۹ دن کا بنا کر معاملہ درست کر لیا جاتا ہے۔ اس طرح ایک غیر متنوع اور جامد قسم کا دائمی کلینڈر بنا لیا گیا ہے لیکن قمری سال میں ایسا کوئی یقینی اور متعین حساب چاند کی زمین کے ساتھ سورج کے گرد دہری گردش کے مطابق فراہم کرنا ممکن نہیں ہو سکتا ہے۔ جس طرح ہر شمسی مہینے کے ایام کی تعداد متعین ہے اس طرح قمری مہینوں کے بارے میں یہ تعین کرنا ممکن نہیں کہ فلاں ماہ لازماً ۲۹ یا ۳۰ کا ہوا کرے گا۔ کوئی بھی مہینہ ۲۹ یا ۳۰ دن کا ہو سکتا ہے۔ البتہ یہ بات اجماعی ہے کہ کوئی عربی مہینہ ۲۹ دن سے کم یا ۳۰ دن سے زائد نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبیؐ نے فرمایا: ہم ایک ان پڑھ قوم ہیں، مہینہ یوں ہے، یوں ہے اور یوں ہے۔ اس کے بعد آپؐ نے اپنے انگوٹھے کو موڑا" یعنی آپؐ نے ہاتھ کے اشارے سے ایک بار یہ سمجھایا کہ مہینہ ۲۹ دن کا ہوتا ہے اور ایک دفعہ یہ بتایا کہ مہینہ ۳۰ دن کا ہوتا ہے۔

بعض لوگ علم فلکیات و علم نجوم Astronomy کے حوالے سے کہتے ہیں کہ چاند کا وجود متعین کرنا کچھ مشکل نہیں ہے۔ لیکن درحقیقت اس طرح کے کسی مصنوعی ذریعہ پر اعتماد کرنا ایک عالمگیر اور آفاقی دین کے مزاج سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ اس کے بجائے وہ ان ہی ذرائع پر اعتماد کرے گا جو زیادہ سے زیادہ فطری ہوں۔ ریاضی کا معاملہ یہ ہے کہ اگر اس میں ایک سوت کا بھی فرق ہو جائے تو وہ آگے چل کر سیکڑوں میل کا فرق پیدا کر دیتا ہے۔ اسی لئے ریاضی کے مشہور امام ابوریحان البیرونی نے اپنی کتاب 'الآثار الباقیہ' میں تصریح کی ہے کہ ہلال کے بارے میں قطعی حساب لگانا ممکن نہیں۔ لہٰذا شریعت نے ان حسابی پیچیدگیوں پر ان احکام کی بنیاد رکھنے کے بجائے رؤیت پر رکھی۔ اسلام میں ثبوت شہر کا مدار رؤیت ہلال پر ہے نہ کہ اس کے وجود پر۔ اسی لئے محض جنتری اور تقویم کے حساب سے چاند کے افق پر ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کرکے ثبوت شہر نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں واضح ہدایات احادیث رسول میں موجود ہیں:

اِذَا رَأَیْتُمُوا الْهِلَالَ فَصُومُوا و

اِذَا رَأَیْتُمُوْہُ فَاَفْطِرُوْا (بخاری)

جب تم چاند دیکھو تو روزہ شروع کرو اور جب اسے دیکھو تو روزہ ختم کرو۔

لَا تَصُوْمُوْا حَتّٰی تَرَوُا الْھِلَالَ وَلَا تُفْطِرُوْا حَتّٰی تَرَوْہُ فَاِنْ غُمَّ عَلَیْکُمْ فَاقْدُرُوْا لَہٗ (بخاری)

روزہ رکھنا شروع نہ کرو جب تک چاند نظر نہ آجائے اور اسی طرح روزہ ختم نہ کرو جب تک کہ چاند نہ دیکھ لو۔ پس اگر مطلع صاف نہ ہو تو اس کا حساب لگا لو یعنی ۳۰ مکمل کر لو۔

صُوْمُوْا لِرُؤْیَتِہٖ وَاَفْطِرُوْا لِرُؤْیَتِہٖ فَاِنْ غُمَّ عَلَیْکُمْ فَصُوْمُوْا ثَلَاثِیْنَ یَوْمًا (مسلم)

چاند دیکھ کر روزہ شروع کرو اور چاند دیکھ کر اسے ختم کرو۔ اگر بادل ہوں تو تیس دن روزے رکھو۔

ان احادیث سے چند باتیں انتہائی واضح ہیں: ایک یہ کہ اسلام میں عبادات کے لئے شمسی مہینوں کو نہیں بلکہ قمری مہینوں کو اختیار کیا گیا۔ تاکہ اللہ کے بندے زمانہ کی تمام گردشوں میں ہر قسم کے حالات اور کیفیات میں اس کے احکام کی اطاعت کے خوگر ہوں۔ نیز اس لئے کہ کوئی بھی شمسی مہینہ تمام اہل زمین کے لئے یکساں سہولت کا موسم نہیں ہے نیز شمسی حساب اختیار کرنے میں فلکیات اور نجوم کا علم یا جنتری وغیرہ دین کا ایک جزو لازم بن جاتا جب کہ آسمانی کلینڈر ہر جگہ اور ہر عامی و عالم کی رسائی میں ہے۔

دوسرے یہ کہ روزے کی ابتدا اور ہلالِ عید کا ثبوت رؤیت کی بنیاد پر ہو۔ یہ ہدایت امر و نہی دونوں اسالیب میں دی گئی ہے۔ لہٰذا یہ بات بطور منصوص اور اجماعی اصول کے فقہاء امت میں طے ہے کہ رمضان کی ابتداء اور انتہا کا حساب چاند کو دیکھ کر کیا جائے گا۔ نہ کہ Astronomers اور علم فلکیات کی بنیاد پر نہیں۔ رؤیت اپنے سادہ اور حقیقی مفہوم میں عام آنکھوں سے کسی چیز کو دیکھنا ہے نہ کہ دوربین یا بادلوں کے اوپر جاکر دیکھنا اس طرح کا دیکھنا مجازی مفہوم میں تو درست ہو سکتا ہے حقیقی اور واقعاتی مفہوم میں نہیں۔ خصوصًا اس صورت میں جب کہ چاند کا وجود مغرب میں کہیں نہ کہیں قریب و بعید میں ہوتا ہی ہے۔ مگر سطح زمین کی گولائی اس کی رؤیت میں مانع ہوتی ہے یا سورج کی شعاعیں ننگی آنکھوں سے دیکھنے میں حارج ہوتی ہیں۔ دیکھنا تو اصل میں یہ معتبر ہے کہ وہ عام انسانی نگاہوں میں crystal clear ہو جائے۔

تیسری بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ نہ سائنس کا ہے اور نہ محکمۂ موسمیات و فلکیات سے اس کا کوئی علاقہ ہے یہ تمام تر واقعاتی معاملہ ہے۔ ہاں اگر مسئلہ چاند کی رؤیت و شہود کے بجائے اس کے وجود کا ہوتا تو بے شک وہ ماہرین فلکیات ہی دیکھ سکتے۔ کوئی قاضی یا جج بھی اس کا فیصلہ کرتا تو ماہرین فلکیات کے بیان ہی پر کرتا۔

آنحضورؐ کے عہد مبارک میں مصر و شام اور ہندوستان میں رصدگاہیں قائم تھیں اور دنیا میں ریاضی کے فنون بہت پہلے سے رائج تھے۔ خلافت راشدہ کے فاروقی دور میں تو مصر و شام اسلام کے زیر نگیں آچکے تھے۔ اگر یہ مجبوری کا حکم ہوتا تو اسے عمر فاروقؓ جیسے دانشمند امام کبھی باقی نہ رکھتے۔ مگر تاریخ اسلامی شاہد ہے کہ پورے خلافتِ راشدہ اور اس کے بعد تمام عالم اسلامی میں یہی اصول مانا گیا اور اسی پر امت کا عمل پیہم رہا۔

تیسری بات یہ کہ اگر مطلع پر غبار، بادل یا دھواں وغیرہ کی وجہ سے چاند کی عام انداز کی رؤیت محال ہو جائے تو بغیر کسی تہمت اور شک و تردد کے اسے ماہِ رواں کا تیسواں دن شمار کرنا چاہیے اور اسی پر عمل کی بنیاد رکھنی چاہیے۔ کیونکہ شک کی حالت میں روزہ شروع یا ختم کرنا دین قیم کی روح اور منشائے نبوی کے خلاف ہے۔ حضرت عمار بن یاسرؓ فرماتے ہیں کہ مَنْ صَامَ الَّذِیْ یَشُکُّ فِیْہِ فَقَدْ عَصٰی اَبَا الْقَاسِمِ (ابوداؤد، ترمذی) یعنی جس نے شک کے دن روزہ رکھا اس نے ابوالقاسمؐ کی نافرمانی کی۔ یہ اثرِ صحابی دراصل ۳۰ شعبان کو شک کی حالت میں روزہ شروع کرنے کی ممانعت کے سلسلہ میں ہے۔ ایسا ہی شک ۳۰ رمضان کو پیدا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس اثر کے مدعا کی پیروی میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ من افطر الذی یشک فیہ فقد عصی اباالقاسمؐ جس نے شک کے دن روزہ ختم کیا اس نے ابوالقاسمؐ کی نافرمانی کا ارتکاب کیا۔ غرض یہ کہ مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں چونکہ یہ یقین حاصل نہیں ہوتا کہ چاند واقعی طلوع ہو گیا ہے اس لئے سابق یقینی عمل کو جاری رکھا جائے گا یعنی رمضان کی ابتدا کے معاملہ میں اگر یہ صورت ہو تو ۳۰ تاریخ کو شعبان ہی یقینی مانا جائے گا۔ اسی طرح عید کے موقع پر رمضان ہی کو ۳۰ کا تصور کیا جائے گا۔ اس لئے کہ سابق یقینی عمل سے ہٹنے کے لئے یقینی ہی حالت درکار ہو گی۔

رمضان و عید کی تاریخ کو صحیح طور پر متعین کرنے کے لئے اور یقین کی صورت پانے کے لئے آپؐ شعبان کا چاند دیکھنے کا خود اہتمام کرتے اور دوسروں کو تلقین فرماتے: اَحْصُوْا ھِلَالَ شَعْبَانَ لِرَمَضَانَ (ترمذی)

رمضان کے لئے شعبان کا ہلال دیکھنے کا اہتمام کرو۔

یہ اہتمام اس لئے تھا کہ شعبان کی صحیح تاریخ کی تعین پر بڑی حد تک رمضان کے تعین کا انحصار ہے۔ خصوصًا جب کہ شعبان کی آخری تاریخ میں مطلع ابر آلود ہو۔ چنانچہ ۲۹ رجب کو شعبان کا چاند دیکھنے کا اہتمام کرنا مستحب ہے جب کہ رمضان المبارک کا چاند دیکھنا مسلمانوں پر واجب کفایہ ہے یعنی بحیثیت اجتماعی ۲۹ شعبان کو چاند دیکھنے کا خاص التزام کرنا چاہیے۔

مسلم شریف میں ابو البختری تابعی رسول اللہ کے بعد کے دور کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ چاند دیکھ کر باہم یہ بحث چھڑ گئی کہ یہ چاند کس دن کا ہے۔ کسی نے کہا دوسری تاریخ کا چاند ہے اور کسی نے تیسری کا بتایا۔ ہم عبد اللہ بن عباسؓ سے ملے اور اس بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ مَدَّہٗ لِلرُّؤْیَۃِ فَھُوَ لِلَیْلَۃٍ رَأَیْتُمُوْہُ یعنی آپ نے مہینے کی مدت چاند کی رؤیت تک قرار دی ہے۔

اور ایک روایت کی رو سے ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ قَدْ اَمَدَّہٗ لِرُؤْیَتِہٖ فَاِنْ اُغْمِیَ عَلَیْکُمْ فَاَکْمِلُوا الْعِدَّۃَ یعنی اللہ تعالیٰ نے مہینے کے امتداد کو رؤیت ہلال تک رکھا ہے اور اگر ۲۹ تاریخ کو چاند نظر نہ آئے تو پھر مہینے کے دنوں کی تعداد ۳۰ تک پوری کی جائے۔ ابر ہونے کی وجہ سے اگلے روز بحث چھڑ جانے سے دلوں میں جو شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں عبد اللہ بن عباس نے اس طرح ان کا تدارک کیا ہے۔ محض کی چاند کی لمبائی یا موٹائی کو دیکھ کر چاند کی تاریخ کا فیصلہ کرنا سراسر خود کو شک میں مبتلا کرنے والی بات ہے۔ فیصلہ کا مدار رؤیت ہے۔ خواہ مخواہ کے قیاسات کر کے بلا وجہ اپنے لئے مشکلات پیدا کرنے سے احتراز کرنا چاہیئے۔

روزہ و عید شہادت کی بنیاد پر

رؤیت ہلال کے باب میں ایک اہم مسئلہ شہادت کا ہے۔ مطلع صاف نہ ہونے پر جب کہ عام رؤیت ممکن نہیں ہوتی بعض اوقات مخصوص صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ یہ کہ ایک دو یا چند افراد ابر، غبار یا دھواں وغیرہ کے ذرا دیر کے لئے مطلع سے ہٹ جانے یا کسی ان کے کسی جگہ پر موجود ہونے پر چاند دیکھ لیتے ہیں باقی لوگ محروم رہتے ہیں۔ ایسی صورت میں شہادت کا مسئلہ پیش آجاتا ہے۔ چنانچہ آپؐ کے دور کا ایک واقعہ کتب احادیث میں درج ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِیٌّ اِلَی النَّبِیِّ فَقَالَ اِنِّیْ رَأَیْتُ الْھِلَالَ یَعْنِیْ ھِلَالَ رَمَضَانَ فَقَالَ اَتَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ قَالَ نَعَمْ قَالَ اَتَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ قَالَ نَعَمْ، قَالَ یَا بِلَالُ اَذِّنْ فِی النَّاسِ اَنْ یَّصُوْمُوْا غَدًا (ابوداؤد، ترمذی)

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبیؐ کی خدمت میں ایک بدو نے آکر عرض کیا: میں نے رمضان کا چاند دیکھا ہے۔ اس پر آپؐ نے اس سے گواہی لی کہ وہ اللہ اور محمدؐ پر ایمان رکھتا ہے تو اس نے اثبات میں جواب دیا۔ چنانچہ آپؐ نے حضرت بلال سے فرمایا کہ کل روزہ رکھنے کا اعلان کر دو۔

دوسرا واقعہ۔ ربعی بن حراش کسی صحابی سے نقل کرتے ہیں کہ نبیؐ کے زمانے میں رمضان کی انتیسویں تاریخ کو چاند نظر نہ آیا تو لوگوں نے تیسواں روزہ رکھا۔ صبح کے وقت دو بدو آئے اور انھوں نے رات کو چاند دیکھ لینے کی شہادت دی تو نبیؐ نے لوگوں کو حکم دیا کہ اپنا روزہ ختم کر دیں۔ (احمد، ابوداؤد)

مذکورہ احادیث سے مندرجہ ذیل باتیں مترشح ہوتی ہیں: اول یہ کہ مطلع صاف نہ ہو تو ہلال رمضان کے ثبوت کے لئے صرف ایک آدمی کی گواہی اور خبر کافی ہے۔ البتہ خبر دینے والے میں دو باتیں ضرور پائی جاتی ہوں ایک یہ کہ وہ مجلس قضا میں خود حاضر ہو کر یہ خبر دے کہ اس نے خود اپنی آنکھوں سے چاند دیکھا ہے۔ دوسری یہ کہ خبر دینے والا عاقل، بالغ اور دیندار مسلمان ہو۔ البتہ ہلال عید کے ثبوت کے لئے ضروری ہے کہ کم از کم دو دیندار مسلمان گواہی دیں۔ دو سے کم کی گواہی آپؐ نے کافی نہیں قرار دی۔ اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ رمضان کے چاند کے لئے لوگوں میں وہ بے تابی نہیں ہوتی جو عید کے چاند کے لئے ہوتی ہے۔ اس لئے اس معاملہ میں احتیاط کا پہلو غالب رہنا چاہیئے۔ یہ اکثر علما، سلف کا مسلک ہے۔ امام احمد عبد اللہ بن مبارک، امام شافعی اور امام ابو حنیفہؒ کا یہی مسلک ہے۔ لیکن امام مالک، سفیان ثوری، اوزاعی اور ایک روایت میں امام شافعی کے نزدیک رمضان کے چاند کے لئے بھی کم از کم دو قابل اعتبار آدمیوں کی شہادت ضروری ہے۔ البتہ اس پر اتفاق ہے کہ مطلع صاف ہونے کی صورت میں جمّ غفیر یعنی بڑی جماعت کی شہادت ضروری ہوگی۔

دوم یہ کہ شہادت دینے والے کا مومن ہونا ضروری ہے۔ اس لئے کہ اس کی شہادت کی بنیاد پر صوم و افطار کی حلت و حرمت جیسے اہم اجتماعی امور کا فیصلہ ہوتا ہے۔ مومن کے مقابلہ میں کافر کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ شاہدوں کے بارے میں چھان بین نہیں کی جائے گی۔ ان میں صرف یہ دیکھنا کافی ہوگا کہ یہ لوگ سچے ہیں یا نہیں اور نماز روزے کے پابند ہیں یا نہیں۔ جب تک مسلمان کا فاسق ہونا معلوم نہ ہو جائے شہادت رد نہیں کی جائے گی۔

سوم یہ کہ رؤیت ہلال کے معاملہ میں پہلے مرحلہ پر شہادت درکار ہوتی ہے اور دوسرے مرحلہ پر صرف خبر کافی ہو جاتی ہے۔ یعنی سب سے پہلے اس امر کی شہادت قائم ہونی چاہیئے کہ چاند چند معتبر آدمیوں نے دیکھا ہے۔ یہ شہادتیں کسی معتبر مجلس یا کسی مفتی یا قاضی نے لی ہوں۔ ان شہادتوں کی بنا پر جب وہ مطمئن ہو کر رؤیت ہلال کا اعلان کر دے یا مفتی یا قاضی کے اعلان کی بنا پر اگر سائرن یا نقارے بجیں یا شہر میں چاند ہونے کا عام چرچا ہو تو کافی ہے۔

روزہ وعید دوسرے مقام کی رویت کی بنا پر

رؤیت ہلال کے معاملہ میں تیسرا انتہائی اہم مسئلہ یہ ہے کہ ایک مقام کی رؤیت دوسرے مقام کے لئے واجب العمل ہوگی یا نہیں۔ یہ مسئلہ رؤیت ہلال کا سب سے زیادہ مختلف فیہ رہا ہے۔ اور بنیادی طور پر اختلافِ مطالع کے معتبر ہونے یا نہ ہونے سے جڑا ہوا ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں فقہائے امت، صحابہ و تابعین اور بعد کے علماء کے تین مسلک ہوگئے۔ ایک یہ کہ اختلاف مطالع کا ہر جگہ ہر حال میں اعتبار کیا جائے۔ دوسرا یہ کہ کسی جگہ کسی حال میں اعتبار نہ کیا جائے تیسرا یہ کہ بلاد بعیدہ میں اعتبار کیا جائے اور قریبہ میں نہ کیا جائے۔ یہ تینوں طرح کا اختلاف فقہائے امت حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی چاروں فقہ کے فقہاء میں کم و بیش موجود رہا ہے۔ مگر اب متاخرین فقہاء نے تیسری شکل کو اپنا لیا ہے اور اختلاف کی پہلی اور دوسری شکلیں مسترد ہو چکی ہیں۔

تیز رفتار آلات مواصلات اور ذرائع ابلاغ کے نتیجہ میں آج اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک مقام پر رؤیت و شہادت کی کوئی صورت سامنے نہیں آتی بلکہ کسی دوسری جگہ سے عام رؤیت یا شہادت کی خبر ملتی ہے تو کیا اس دوسرے مقام کی رؤیت یا شہادت کی بنیاد پر روزہ و عید کے اعمال انجام دیئے جائیں۔ اس سلسلہ میں عہد صحابہ کا ایک واقعہ ترمذی شریف میں یوں منقول ہے کہ:

"حضرت کریبؒ بیان کرتے ہیں کہ ام الفضل بنت الحارث نے ان کو معاویہ کے پاس شام بھیجا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں شام گیا اور اپنی ضرورت پوری کی۔ میں شام میں ہی تھا کہ طلوع ہلال کا وقت آگیا چنانچہ ہم نے جمعہ کی شب میں چاند دیکھا۔ پھر جب ماہ کے آخر میں میں مدینہ واپس آیا تو ابن عباسؓ نے مجھ سے چاند کے بارے میں پوچھا تو میں نے کہا کہ ہم نے شب جمعہ کو دیکھا اور لوگوں نے نیز معاویہؓ نے روزہ رکھا۔ ابن عباس نے کہا کہ ہم نے تو سنیچر کی شب میں چاند دیکھا۔ ہم روزے رکھتے رہیں گے یہاں تک کہ ۳۰ پورے ہو جائیں یا چاند نظر آجائے۔ اس پر میں نے کہا کہ کیا آپ معاویہؓ کی رؤیت اور روزہ کو کافی نہیں سمجھتے۔ انہوں نے جواب دیا: لَا هٰكَذَا اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ، نہیں، یہی رسول خدا کا حکم ہے۔ (ترمذی)

اختلاف مطالع کا اعتبار کرنے والے فقہاء کا ایک مستدل یہ حدیث بھی ہے۔ لیکن جو لوگ اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں کرتے ان کا کہنا ہے کہ رسول اللہ کا ارشاد " اسے دیکھ کر روزہ رکھو اور اسے دیکھ کر ختم کرو" کا حکم عام ہے۔ اس لئے اگر کسی مقام پر چاند نظر آجائے تو دوسرے مقام پر بھی لوگوں کے لئے روزہ رکھنا یا ختم کرنا ضروری ہے۔

یہ امام ابو حنیفہ، لیث بن سعد اور اکثر فقہاء کا مسلک ہے۔ بعض مالکیہ، حنابلہ اور شوافع کا بھی یہی مسلک ہے۔ لیکن اکثر شافعی علماء کے نزدیک دوسری جگہ کے لوگوں پر روزے کی ابتداء یا اختتام ضروری نہیں۔ اسی مسلک کی روایت حضرت ابن عباسؓ، عکرمہ، سالمؒ اسحاق بن راہویہ سے بھی ملتی ہے۔ ان حضرات کے نزدیک نبیؐ کے ارشاد میں خطاب ہر جگہ کے لوگوں کے لئے الگ الگ ہے۔ البتہ اگر دونوں جگہیں قریب قریب ہوں تو دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔ حنفیہ میں بھی بعض علماء اختلافِ مطلع کے قائل ہیں۔ اہل حدیث علماء میں سے بعض اختلاف مطلع کے قائل ہیں۔

دو جگہوں کے فاصلہ کے متعلق مختلف علماء کی رائے مختلف ہے۔ بعض کے نزدیک یہ دوری دو جگہوں کے درمیان مطلع کا مختلف ہونا ہے جیسے حجاز، عراق اور خراسان وغیرہ۔ اس کے مقابلہ میں قربت یہ ہے کہ دونوں کا مطلع ایک ہو جیسے بغداد، کوفہ، قزوین وغیرہ۔ بعض کے نزدیک یہ دوری قصر کی مسافت ہے اور بعض کے نزدیک یہ دوری ملک کے ایک یا الگ الگ ہونے کے لحاظ سے متعین کی جائے گی۔

ان سارے اختلافات کے باوجود دو جگہوں میں غیر معمولی فاصلہ ہونے کی صورت میں (جیسے حجاز اور اندلس)۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ ان کا حکم الگ الگ ہے۔ متاخرین حنفیہ نے اسی قول پر فتویٰ دیا ہے اسی طرح متاخرین احناف کے نزدیک یہ بات بھی متفق علیہ ہے کہ بلاد مشرق کی رؤیت بلاد مغرب کے لئے واجب العمل ہوگی۔

اختلاف مطالع کی حقیقت

یہ ایک حقیقت ہے کہ سورج اور چاند کرۂ ارضی پر ہر وقت کہیں نہ کہیں موجود رہتے ہیں۔ آفتاب ایک جگہ طلوع ہوتا ہے دوسری جگہ غروب، ایک جگہ نصف النہار ہوتا ہے تو دوسری جگہ عشاء کا وقت۔ اسی طرح چاند ایک جگہ ہلال بن کر چمک رہا ہے ایک جگہ پورا چاند بن کر اور کسی جگہ بالکل غائب ہے۔

چنانچہ بعض فقہاء نے اسی حقیقت کو پیش نظر رکھ کر اختلاف مطالع کو معتبر قرار دیا ہے لیکن بعض فقہاء نے اس حقیقت کو سمجھنے کے باوجود عملاً اسے ایک فرضی قضیہ قرار دیتے ہوئے اختلافِ مطالع کو احکام شرعیہ میں معتبر قرار نہیں دیا کیونکہ ازمنۂ ماضیہ میں بلاد بعیدہ سے خبروں کا پہنچنا عملاً محال تھا۔ لیکن آج آلاتِ مواصلات اور ہوائی جہازوں وغیرہ کی ایجاد نے دنیا کے مشرق و مغرب کو ایک کر ڈالا ہے انتہائی بعید مقامات کی شہادت دوسری جگہ انتہائی قلیل وقت میں پہنچنا روزمرہ کا معمول بن گیا ہے۔ اب اگر مشرق کی شہادت مغرب میں اور مغرب کی مشرق میں حجت

باقی صفحہ ۲۳ پر

کھلونے والا

حبیب احسن
گورکھپور

"اندرا بال و ہار" کی رونق اپنے شباب پر تھی۔ خوبصورت خوش پوش اور صحت مند بچے بچیاں اپنے والدین اور سرپرستوں کے ساتھ اس چھوٹے حسین پارک کی خوبصورتی کو دو بالا کر رہے تھے۔ یہ ننھے منے بچے پارک میں لگے ہوئے جھولے، چرخیاں اور طرح طرح کے اپنے من پسند کھیل کود کے سامانوں سے دل بہلا رہے تھے۔ پارک کے فٹ پاتھ پر رنگ برنگے غبارے، کھلونے، آئس کریم، جوس و دیگر کھانے پینے کی اشیاء ٹھیلوں پر فروخت ہو رہی تھیں۔ رشید بھی اپنے ٹھیلے پر رنگ برنگے غبارے اور کھلونے سجائے ہوئے تھا۔ بچوں اور ان کے سرپرستوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ کچھ بچے ضد کر رہے تھے، مچل رہے تھے۔ یہ نہیں وہ لیں گے۔ ایک لڑکا کہہ رہا تھا ممی ممی! میں غبارے والا بندر لوں گا۔

رشید بڑی خوش اسلوبی سے بچوں کی من پسند چیزیں اٹھا اٹھا کر دکھا رہا تھا۔ اس بھیڑ میں سے کسی نے اس کا نام لے کر پکارا۔

"رشید بھائی! ہمارے بچوں کو بھی کھلونا دو"

رشید چونک گیا۔ یہاں پر ابھی تک اس کا کوئی نام نہیں جانتا تھا۔ لوگ کھلونے والے، غبارے والے کہہ کر پکارتے تھے۔ اس نے نظر اٹھا کر دیکھا تو اس کا بچپن کا دوست شاہد اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ کھڑا ہے۔ چند منٹ میں وہ گاہکوں سے فرصت پا کر شاہد سے لپٹ گیا۔

"تمہارا یہ حال!" شاہد نے تعجب کا اظہار کیا۔

ہاں شاہد! رشید نے ایک سرد آہ بھر کر کہنا شروع کیا۔ تم تو جانتے ہی تھے کہ ہمارا ہینڈلوم کا کاروبار تھا۔ زندگی بڑے مزے میں گزر رہی تھی۔ کسی طرح کا کوئی غم نہ تھا۔ صرف اپنے تانے بانے میں لگا رہتا تھا۔ والد صاحب کی انجمن امداد باہمی سے مجھے کوئی سروکار نہ تھا۔ اس تیس رکنی انجمن کے وہ تنہا مالک تھے۔ سرکار کی جانب سے انجمن امداد باہمی کو ملنے والی تمام سہولیات کو لے کر وہ خود ہڑپ کر جاتے۔ اور ممبروں کے نام اس کا اندراج کر لیتے۔ ان کے اس فعل میں متعلق محکمہ کا پورا پورا تعاون رہتا۔ جس سے مجھے سخت اختلاف تھا۔ اسی معاملے کو لے کر اکثر بحث و تکرار ہو جاتی۔

اکثر بیشتر ہینڈلوم کی صنعت بحران کا شکار ہو جاتی۔ کبھی سوت کی قیمتوں کے اضافہ کے سبب تو کبھی رنگ و کیمیکل کی گرانی کی وجہ سے ایسے وقت میں بنکروں کو بہت زیادہ پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ تیار مال کی لاگت بڑھ جانے کی وجہ سے کھپت کم ہوئی مہاجن اور آڑھتیے بھی اپنی خریداری بند کر دیتے۔ یا پھر لاگت سے بھی کم دام لگاتے۔ اس پر بھی اپنی روزمرہ کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کم قیمت پر اپنے تیار مال کو بیچنا پڑتا۔ جس سے کاروباری سرمایہ کم ہوتا رہا۔

اور جب والد صاحب بہت ضعیف ہو گئے تو انھوں نے ہماری کاروباری پریشانیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ اب بھی اگر تم انجمن امداد باہمی کی ذمہ داریاں سنبھال لو۔ اور متعلق محکمہ کے انسپکٹر اور سپروائزرس کے صلاح و مشورہ سے صرف کاغذی خانہ پری کر دو گے تو زندگی عیش سے گذرے گی۔

"آپ پھر دوسروں کے حقوق مارنے کی تلقین کر رہے ہیں۔ آپ اس کے لئے کیوں نہیں تیار ہوتے کہ ممبروں کا حق دیا جائے۔" میں نے کہا۔

"آپ نے جو رنگین ٹیلی ویژن اور اسکوٹر خریدی ہے وہ روپیہ کہاں سے جمع کریں گے۔" میں نے کہا دیکھو! تم فضول باتیں مت کرو۔ انھوں نے تہدیدی لہجے میں کہا۔

"تو پھر ایسا غلط کام کیا ہی کیوں جائے۔" میں نے کہا۔

ابتدا میں جیسی میری تربیت ہوئی تھی اس کے اثرات میرے اعصاب پر مرتسم ہوئے تھے وہ کیسے زائل ہو سکتے تھے۔ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ میں دوسروں کا حق مار کر غاصب بنوں۔ انھیں باتوں کو وہ مجھ سے ناراض رہا کرتے۔ میں اپنا کاروبار الگ کرتا رہا والد صاحب کے انتقال کے بعد انجمن امداد باہمی کے جملہ کاغذات اور جو روپیہ تحویل میں تھا میں نے ممبروں کو بلا کر ان کے حوالے کر دیا اور اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

وقت گذرتا رہا اور پھر ہینڈلوم صنعت سے وابستہ افراد پر مصیبت کے بادل گھر آئے۔ سوت کی قیمتوں میں مسلسل اضافہ کے سبب ہینڈلوم صنعت عظیم بحران کا شکار ہوئی۔ بنکر بستیوں میں جہاں زندگی تھی جد و جہد تھی اب وہاں شہر خموشاں جیسا سناٹا ہو گیا۔ کاروبار بند ہو گئے لوگ تلاش معاش میں در بدر کی ٹھوکریں کھاتے رہے، سوت کی بڑھتی ہوئی قیمتوں کو روکنے کے لئے جلسے ہوئے، جلوس نکلے، مظاہرے، گھیراؤ اور جیل بھرو اندولن بھی ہوا مگر حالات میں ذرا بھی تبدیلی نہ ہوئی۔ ہمارا بھی مختصر سا سرمایہ گھاٹے اور پیٹ کی نذر ہو گیا۔ اور



[illegible]

جامعہ بل...

جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی!

جاوید علی، دہلی

بالآخر ۲ستمبر ۱۹۸۸ء بروز جمعہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کو مرکزی یونیورسٹی بنانے کا بل ہندوستانی پارلیمنٹ نے حکومت کی یقین دہانیوں کے درمیان پاس کر دیا۔

آج سے تقریباً ۶۸ سال پہلے ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء مطابق ۱۴ صفر ۱۳۲۹ھ بروز جمعہ اسیر مالٹا شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب کے ہاتھوں اس کا افتتاح عمل میں آیا تھا۔ اور جامعہ کے پہلے بانی رئیس الاحرار مولانا محمد علی مرحوم و مغفور تھے جو اس کے سب سے پہلے شیخ الجامعہ (پرنسپل) بھی تھے (Prospectus of Jamia – 1923-24) حکیم اجمل خاں امیر جامعہ (چانسلر) بنائے گئے تھے۔ جامعہ کی علی گڑھ سے دہلی منتقلی کے بعد ۱۹۲۶ء میں ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب شیخ الجامعہ مقرر ہوئے۔

قیام جامعہ کے وقت اس کے مقاصد درج ذیل تھے:

"مقاصد: اس درس گاہ کو خالص تعلیمی اصول پر چلایا جاتا ہے، ساتھ ہی ملک اور اہل وطن کی مفید تحریکوں سے باخبر رہنے اور طلبہ کے لئے اس کے مواقع مہیا کرنے کی پوری کوشش کی جاتی ہے۔ لیکن سیاسی تعصب سے کام نہیں لیا جاتا نہ کسی کو جامعہ کی علمی برکات سے بربنائے عقائد سیاسی محروم کیا جاتا ہے۔

اس کے مقاصد حسب ذیل ہیں۔

۱۔ قوم کے نوجوانوں کو جملہ علوم و فنون خصوصاً علوم مشرقی اور اسلامیات میں ایسی تعلیم دینا جو ان کے سارے جسمانی ذہنی اور اخلاقی قویٰ کی تربیت کرے۔ ان کی سیرت میں گہرائی، وسعت اور ہم آہنگی پیدا کرے انھیں اسلامی تمدن کا مفید رکن ہندوستانی قومیت کا جانباز ہراول اور مسلمان طلبہ کو اسلام کا سچا خادم بنائے۔

۲۔ مسلمانوں کے لئے اسلامی تمدن اور اسلامی روایات اور دوسرے مذاہب کے طلبہ کے لئے ان کی تمدنی اور مذہبی روایات پیش نظر رہے گی۔

۳۔ تعلیم کا ایک معیار قائم رکھنے کیلئے امتحان لینا اور سند اور تصدیق نامے دینا۔

۴۔ قوم کے عام افراد میں مدارس شبینہ عام لکچروں اور اسی قسم کے دوسرے ذرائع سے ابتدائی تعلیم کا رواج دینا۔

۵۔ علمی تحقیقات کے ذرائع علم انسانی کے موجودہ ذخیرے میں حتی الامکان اضافہ کرنا خصوصاً اسلام کے متعلق خود مسلمانوں اور دنیا کی دوسری قوموں کو صحیح معلومات بہم پہنچانا۔

۶۔ مشرق و مغرب میں ذہنی مفاہمت کی کوشش کرنا اور ان قدیم و جدید علوم میں صحیح امتزاج کرنا جن میں اس کا امکان ہو۔

۷۔ علوم کی اشاعت کرکے انھیں انسانی زندگی کے لئے کارآمد بنانا خصوصاً اسلامی تہذیب کے بہترین ثمرات کو ہندوستان کے سامنے پیش کرکے ان سے قومی زندگی کو تازگی اور قوت پہنچانا۔

۸۔ اپنے طلبہ کے لئے مفید صنعتوں، حرفتوں اور پیشوں کا انتظام کرنا تاکہ وہ آگے چل کر خودداری اور آزادیٔ ضمیر کو قائم رکھتے ہوئے کسب معاش کر سکیں۔

۹۔ ہندوستان میں جو دوسرے مذاہب موجود ہیں ان کے مسلمات اور معتقدات سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا تاکہ علم سے اعتبار اور اعتبار سے اعتماد کی بنیادیں مضبوط ہوں۔

۱۰۔ تمام مذاہب عالم کے ساتھ رواداری برتنا۔"

(دستور العمل ۱۹۳۲ء)

۲۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو جلسہ افتتاح میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کے لئے جو فاؤنڈیشن کمیٹی (مجلس تاسیسی) بنائی گئی اس میں صوبائی خلافت کمیٹی کے نمائندے اور دیگر ممتاز افراد شامل تھے۔ حالانکہ ۹ افراد کی فاؤنڈیشن کمیٹی میں سب کے سب مسلمان تھے لیکن "اس نے اول روز سے ہی طے کیا تھا کہ اہل ہنود کے لئے یونیورسٹی کے دروازے کھلے رہیں" اور "مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کے ساتھ ہندوؤں کی مذہبی تعلیم کا بھی انتظام کیا جائے۔" (ہندوستانی مسلمانوں کی قومی تعلیمی تحریک ـ جامعہ ملیہ اسلامیہ صفحہ ۲۴)

یہاں جامعہ ملیہ اسلامیہ کی تاریخ بتانے کا موقع نہیں۔ دکھلانا یہ ہے کہ جامعہ کا قیام کن احساسات کے ساتھ عمل میں آیا تھا۔ یہ بات صحیح ہے کہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کو مرکزی یونیورسٹی تسلیم کرکے حکومت نے محبان جامعہ کی ایک دیرینہ خواہش پوری کی ہے لیکن اصلاً کیا کچھ ملا ہے اس کا بھی جائزہ ضروری ہے۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ بل ۱۹۸۸ء ۱۴ دفعات پر مشتمل ہے۔

۱۔ اس بل کی دفعہ ۲ (سیکشن اے) کے تحت اس یونیورسٹی کی تعریف متعین کرتے ہوئے جہاں ایک طرف اس حقیقت کا اعتراف کیا گیا ہے کہ "اس سے مراد وہ ادارہ ہے جو جامعہ ملیہ اسلامیہ کے نام سے جانا جاتا ہے اور ۱۹۲۰ء میں خلافت اور عدم تعاون کی تحریکات کے دوران گاندھی جی کی سرکاری امداد (Government Sponsored) سے چلنے والے تمام تعلیمی اداروں کے بائیکاٹ کی اپیل پر قائم ہوا"۔ وہیں دوسری طرف ان میں اس ادارے کے جلیل القدر بانیوں اور

معاونین مولانا محمد علی جوہر، شیخ الہند مولانا محمود الحسن، حکیم اجمل خان، ڈاکٹر مختار احمد انصاری اور ڈاکٹر ذاکر حسین صاحبان کے نام شامل نہیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ گاندھی جی سے کہیں زیادہ بلکہ راست طور پر مذکورہ افراد کا اس کے قیام میں حصہ رہا ہے۔

۲۔ دفعہ ۵ میں ادارہ کے اغراض و مقاصد کی توضیح میں اس کے بنیادی ملی و تاریخی کردار کو بالکل نظرانداز کر دیا گیا ہے موجودہ جامعہ ملیہ اسلامیہ سوسائٹی دہلی کے میمورنڈم آف ایسوسی ایشن (M O A) میں درج اس مقصد کو بھی شامل نہیں کیا گیا ہے کہ "جامعہ ملیہ اسلامیہ ہندوستانیوں بالخصوص مسلمانوں کی مذہبی اور سیکولر تعلیم کا انتظام کرے گی اور فروغ دے گی" حالانکہ اس کو حکومت ۱۹۶۲ء میں یو۔جی۔سی کے ماتحت یونیورسٹی کا درجہ (Deemed University) دیتے وقت تسلیم کر چکی ہے۔ پورے بل سے کہیں بھی یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس کو مسلمانوں یا مذہبی تعلیم سے کوئی ادنیٰ تعلق بھی ہے جبکہ قومی یکجہتی سیکولرزم اور بین الاقوامی سمجھ کو بطور خاص مقاصد کی حیثیت سے شامل کیا گیا ہے۔

۳۔ بل میں اردو کا بھی کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ حالانکہ جامعہ میں ہمیشہ اردو کو خاص مقام حاصل رہا ہے۔ یونیورسٹی بننے سے قبل جامعہ سوسائٹی کے میمورنڈم آف ایسوسی ایشن جس کا سابق حوالہ گزر چکا ہے یہ صاف طور پر درج تھا کہ "اس سوسائٹی کے تمام اداروں میں تعلیم کے تمام مراحل میں ذریعہ تعلیم اردو ہوگا۔ لیکن مخصوص حالتوں میں دوسری زبانوں میں بھی تعلیم دی جا سکتی ہے" کسی ادارے کی زبان کو نظرانداز کرنا اس کے کردار کو نظرانداز کرنا ہے۔

۴۔ دفعہ ۴ میں بتایا گیا ہے کہ یونیورسٹی کے دروازے تمام لوگوں کے لئے کھلے رہیں گے۔ یہ اچھی بات ہے۔ اس کے ساتھ ہی مندرج قبائل، خواتین، جسمانی طور پر معذور افراد اور خواتین کے لئے ریزرویشن کی بات کی گئی ہے۔ اس فہرست میں "کمزور طبقہ" کو بھی شامل کیا جا سکتا تھا مسلمانوں کو اس فہرست میں شامل نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ کون نہیں جانتا کہ مسلمان تعلیم میں کتنے پیچھے ہیں۔ ضرورت کے علاوہ خود ادارہ کی تاریخ مسلمانوں کو اس کا مستحق بناتی ہے۔

۵۔ امیر جامعہ (چانسلر) اور شیخ الجامعہ (وائس چانسلر) سے اوپر ایک الگ عہدہ وزیٹر (VISITOR) کا ہے جو کہ صدر جمہوریہ ہوگا۔ وہ جامعہ کے کسی بھی معاملہ کی تحقیقات کرا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں وزیٹر کی ہدایات کی پابندی کرنا مجلس منتظمہ کے لئے ضروری ہوگا۔ بل میں وزیٹر اور حقیقتاً مرکزی وزارت تعلیم کو غیر معمولی اختیارات دے دیئے گئے ہیں۔ شیخ الجامعہ کی تقرری کا اختیار بھی وزیٹر کو ہی ہے۔

۶۔ مذکورہ بل میں یونیورسٹی کے لئے ایک انجمن (کورٹ) کا بھی تذکرہ ہے۔ جس کے اختیارات اور کاموں میں موٹے طور پر جامعہ کی پالیسی و پروگرام کا جائزہ لینا اور مشورہ دینا شامل ہوگا۔ کورٹ امیر جامعہ کا بھی انتخاب کرے گی۔ جس کا کام اجلاس کی صدارت کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اس بے اختیار کورٹ کی تشکیل بھی اس طرح ہوتی ہے کہ بر بنائے عہدہ جامعہ کے ملازمین اور نامزد ممبران ہی چھا گئے ہیں۔ جہاں انڈسٹری، کامرس، ٹریڈ یونین، بینکنگ سے تعلق رکھنے والوں کی نمائندگی کا خصوصی خیال رکھا گیا ہے وہیں اولڈ بوائز اور علماء کے لئے کوئی جگہ نہیں رکھی گئی ہے مسلمانوں کی تعلیمی انجمنوں کی بھی کوئی نمائندگی نہیں ہے۔ طلبہ کے نمائندے بھی اس میں موجود نہیں ہیں۔ حالانکہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ایکٹ میں ان سب کو نمائندگی ملی ہے۔ ایک بے اختیار کورٹ میں اتنی احتیاط کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

۷۔ **مجلس منتظمہ:** یہ جامعہ کی سب سے اہم انتظامی باڈی ہے اس میں وزیٹر صاحب کی مقرر کردہ افراد کی بڑی تعداد موجود ہے۔ لیکن نوجوان اساتذہ کے انتخاب کی کوئی گنجائش اس میں نہیں ہے۔ غیر تدریسی طلبہ کے افراد کو بھی کوئی نمائندگی نہیں دی گئی ہے۔

۸۔ **اولڈ بوائز:** اس سے مراد جامعہ کے صرف وہ پرانے طالب علم ہیں جنھوں نے یہاں سے گریجویشن کیا ہے۔ یاد رہے حکومت نے ستمبر ۱۹۵۱ء میں جامعہ کی بی۔ اے۔ کی سند کو تسلیم کیا گیا تھا گویا جامعہ کے وہ طالب علم جنھوں نے یہاں دس بارہ سال بھی تعلیم حاصل کی ہو مگر گریجویشن کی ڈگری نہ حاصل کر سکے ہوں تو انھیں اولڈ بوائز شمار نہیں کیا جائے گا۔ اولڈ بوائز کی مندرجہ بالا تعریف کی کیا مصلحت ہے سمجھ میں نہیں آتی۔ ضرورت ہے کہ اس کی تعریف متعینہ مدت تعلیم کی بنیاد پر ہو۔ گریجویشن کو ہی معیار مان لیں تو یہ مدت تعلیم تین سال سے زیادہ نہیں ہونی چاہیئے۔

۹۔ اس بل کی دفعہ ۲۴ کی ضمنی دفعہ ۶ کے تحت حکومت نے اختیار حاصل کر لیا ہے کہ اگر یونیورسٹی کی مجلس منتظمہ نہ چاہے تب بھی وزیٹر (یعنی مرکزی وزارت تعلیم) اس کے ضوابط (Status) میں کوئی بھی ترمیم و اضافہ خود ہی کر سکتا ہے۔

۱۰۔ **جامعہ کے ملازمین:** یونیورسٹی اور جامعہ کے ملازمین کے درمیان اختلاف کی صورت میں۔ یونیورسٹی کا ٹریبونل اس کا فیصلہ کرے گا۔ جو فریقین کے لئے حتمی ہوگا۔ اس کے بعد عدالتی چارہ جوئی کا حق نہیں ہوگا۔

اس طرح بل کی دفعہ ۲۹ کی ضمنی دفعات ۲ اور ۳ کے تحت عدالتی چارہ جوئی کے بنیادی حق سے بھی جامعہ ملیہ اسلامیہ کے ملازمین کو محروم کر دیا گیا ہے۔ ایسی

بقیہ صفحہ ۳۱

غزلیں

شفیع خاں رازؔ اٹاوی

دستِ قاتل میں ہے جب تک آدمی کی آبرو
خون میں ڈوبی رہے گی زندگی کی آبرو
بزم آراؤں نے یہ کیسے جلائے ہیں چراغ
تیرگی کے ہاتھ میں ہے روشنی کی آبرو
آفتِ جاں بن گیا ہنگامۂ فصلِ بہار
گلستاں میں لٹ رہی ہے ہر کلی کی آبرو
آپ کا سایہ مرے سر پر سدا قائم رہے
آپ کے دم سے ہے میری زندگی کی آبرو
میکدے میں پینے والے تو ہزاروں تھے مگر
چند رندوں نے بچالی میکشی کی آبرو
راہبر ہیں رہزنوں کے قرض میں جکڑے ہوئے
بے دھڑک نیلام ہوگی رہبری کی آبرو
موم کے پتلوں کی نظروں کو پرکھنے کے لئے
برف زاروں میں بھی ہے شعلگی کی آبرو
حامیٔ جبر و تشدد کی یہی کوشش ہے رازؔ
خاک میں مل جائے امن و آشتی کی آبرو

سالکؔ بستوی، رجے پور

پیہم فریب کھا کے غمِ عاشقی کے ساتھ
آسودہ دل رہے ہیں جہاں میں خوشی کے ساتھ
حالات دے رہے ہیں پتہ انقلاب کا
بیدار ہو رہے ہیں بڑی بے حسی کے ساتھ
اب کس کی محبت کا بھروسہ کرے کوئی
وہ آج بھی رہے ہیں کسی اجنبی کے ساتھ
مشقِ جفائے دوست ہے یہ نذرِ زندگی
سو درد لگ چکے ہیں مری زندگی کے ساتھ
کچھ راز ہو تو ہو، مجھے اس کی خبر نہیں
گزرے وہ کئی بار مگر بے رخی کے ساتھ
سالکؔ خدا گواہ محبت انھیں سے ہے
ہوں قدرداں حسن بھی پوری خودی کے ساتھ

اللہ کی شان

ابوالبیان حمادؔ

ہیں اللہ کی شان کے سب مظاہر
یہ دلچسپ جلوے یہ دلکش مناظر
کسی کو گرادے کسی کو اٹھادے
ہر ایک بات پر ربِّ عالم ہے قادر
محمدؐ کا احساں ہے سارے جہاں پر
رسالت کا منکر خدا کا بھی منکر
ثنا جس کی اللہ نے خود ہی کی ہے
ہے میری زباں اس کی مدحت سے قاصر
شریعت کا مقصودِ اصلی یہی ہے
ہوں افکار صالح، ہوں اعمال طاہر
جو اللہ سے کر رہا ہو بغاوت
ہے وہ ذہن فاسق، ہے وہ فکر فاجر
ہوستاکیوں کا نشیمن بنے ہیں
مساجد، معابد، شوالے، منادر
کہیں زندہ انسان بت بن گئے ہیں
مسلسل کہیں پج رہے ہیں مقابر
وہاں کیسے اصلاح احوال ہوگی
جہاں جمع ہوجائیں مفسد عناصر
یہی ہے کمالِ خلوص و محبت
کہ باطن کا غماز ہوجائے ظاہر
بہر حال ثابت قدم مردِ مومن
مصائب میں جو مسکرائے وہ صابر
جو یکساں ہو حمادؔ قول و عمل میں
وہ ایمان میں کامل وہ سیرت میں ماہر

غزل

قمرؔ رام نگری

جو دیکھنے کو "آج" تو "کل" دیکھتے رہے
ناکام اپنی سعیٔ عمل دیکھتے رہے
کیا شاہراہِ زیست پہ ہوتے وہ گامزن؟
بیٹھے جو انتظارِ اجل دیکھتے رہے
بیشک گئے وہ عالمِ فانی سے کامیاب
جو رب سے ڈر کے اپنے عمل دیکھتے رہے
آئے نہ پھر بھی ہوش میں بدلی نہ زندگی
گو لوگ اپنی کرنی کا پھل دیکھتے رہے
سلجھاتے کیا مسائلِ گیتی وہ اے قمرؔ
بیٹھے جو اپنی زلفوں کے بل دیکھتے رہے

پرنٹنگ میں کیریئر کے مواقع

موجودہ دور میں طباعت کی اہمیت سے ہر شخص واقف ہے۔ الیکٹرونک اور کمپیوٹر نے طباعت کے روایتی طریقوں پر بھی اپنا اثر ڈالا ہے۔ حالانکہ ابھی بھی لیٹر پریس، اسکرین پرنٹنگ اور لیتھو کی طباعت عام ہے۔ لیکن صرفہ کی کمی خوبصورتی اور وقت کی بچت کی وجہ سے الیکٹرونک ان کی جگہ تیزی سے لے رہا ہے۔ جس کی وجہ سے آفس پرنٹنگ، فوٹو ٹائپ سیٹنگ، کلر اسکینگ وغیرہ میں زبردست انقلاب آگیا ہے۔

طباعت کی صنعت کا دائرہ بے حد وسیع ہے۔ اخبارات و رسائل کی طباعت سے لے کر مختلف طرح کے کارڈس، کتابوں کی طباعت و بائنڈنگ، کلینڈر، ہینڈبل، فلم میکنگ، پلیٹ میکنگ وغیرہ اس کے دائرہ میں آتے ہیں۔

پرنٹنگ میں تربیت یافتہ افراد کے لئے ملازمت کے بھی اچھے مواقع ہیں بہت سے اخبارات اپنا پریس خود چلاتے ہیں اس کے علاوہ مرکزی اور ریاستی حکومتوں، یونیورسٹیز ریسرچ انسٹی ٹیوٹس، ریلویز وغیرہ کے شعبہ طباعت میں بھی ایسے افراد کی ضرورت ہوتی ہے۔ ۱۹۸۱ء کی اعداد و شمار کے مطابق ۱۸۱۴۰ اخبارات کے شعبہ طباعت سے ۴۵۰۶۰۰ افراد منسلک تھے۔ تعلیم کے فروغ سے اس میدان میں افراد کی کھپت کے مواقع اور بڑھ گئے ہیں۔ اور اس بات کا امکان ہے کہ آئندہ چند سالوں میں یہ پیشہ مزید پرکشش بن جائے گا۔ اور اس وقت ایسے افراد کی ضرورت پڑے گی جو اس میدان میں تربیت یافتہ ہوں۔ یہ کورسیز انٹرمیڈیٹ تک پاس طلبہ کے لئے ہیں۔

ذیل میں ان اداروں کے پتے دیئے جا رہے ہیں جو پرنٹنگ کی تربیت دیتے ہیں۔

INSTITUTIONS OFFERING TRAINING FACILITIES IN PRINTING TECHNOLOGY

Sl No	Name and Address of the Institution	Courses Offered	Admission Requirements	Duration	Age limits
1	2	3	4	5	6
1	Northern Regional School of Printing, Allahabad	1 Diploma Course in (i) Letter Press Printing (ii) Lithography	S S S Examination	3 years (Also 4 years part-time course)	
2	The Regional Institute of Printing Technology, Government of West Bengal, Raja Subodh Mullick Road, Jadavpur Calcutta 32	1 Licentiate (Diploma) Course in Printing & Graphic Art (i) Letter Press (ii) Lithography (iii) Commercial Photography	Madhyamik or equivalent Examination	3 years (5 years part-time course) (Part time course is for those who have done Madhyamik and are bonafide apprentices of Junior Jorneyman in recognised printing establishments for at least one year).	15–20 years
3	Pusa Polytechnic, Pusa, New Delhi-110012	Diploma in Printing Technology	Higher Secondary or 10th Class of the 10+2 pattern	3 years	No age limit
4	Institute of Printing Technology (Southern Region) C I T Campus Adyar, Madras-600020	1 Diploma Course in (i) Letterpress Group (ii) Lithography Group (iii) Letterpress (Part-time)	S S L C Or XI Standard Examination	(i) & (ii) 3½ years plus 1 year apprenticeship (iii) 4 years, part-time course open to apprentices working craftsmen in a printing press	
		2. Certificate Course in (i) Hand Composing (ii) Lino and intertype (iii) Letterpress Printing (iv) Binding and Packaging (v) Lithographic Printing (vi) Lithographic Plate Making & Art Work (vii) Photo Engraving and Camera Operation	VIII Standard	3 years (part time course)	
5	School of Printing Technology, Dr D N Road, Bombay-400001	1 Diploma in (i) Letterpress Printing (ii) Litho-offset Printing	S S C or equivalent examination with physics, Chemistry or Gen Science and English	3 years (Also 4 years) part-time course for those engaged in approved printing presses 3 years	
		(iii) Photo Offset Printing	SSC (with Physics, Chemistry and Mathematics)		
6	Spicer Memorial College, Aundh Road, Ganesh Khind, Poona-4.	1 Degree in Graphic Arts Printing	S S C	4 years	
		2 Diploma in Graphic Arts Printing	Do	2 years	
7	Pune Vidyarthi Griha's Maharashtra Institute of Printing Technology, Pune-411030	1. Diploma (Full-Time) (i) Letterpress Printing (ii) Litho-offset Printing	S S S Examination with Physics, Chemistry, Gen Science and English	4 years	
		2. Diploma (Part-time) (i) Letterpress Printing (ii) Litho-offset Printing	S S C or equivalent examination with physics, Chemistry, Gen Science and English	4 years	

		3 Certificate Course in (i) Letterpress Mach. Work (ii) Hand Composing (iii) Book Binding	S S C or equivalent examination with Physics Chemistry Gen Science and English	1 year	
8	Department of Technical Education, Institute of Printing Technology *Shoranpur- Kerala*	1 Diploma in Printing Technology	S S L C./J.T.S.L C Examination	3 years	...
9	Kala Niketan Jabalpur (M P)	Diploma Course in (i) Hand & Machine Composing (ii) Letterpress Printing (iii) Book Binding & Packaging	Matriculation	3 years	...
10	School of Printing Technology Shri Jayachamrajinder Polytechnic Building, Bangalore-560001	Diploma Course in (i) Letterpress Printing (ii) Lithography Printing	S S L C Pass S S L C Pass	3 years 3 years	
11	M H Saboo Siddik Technical Institute, 8 Shepherd Street Byculla, Bombay-8	Certificate Course in Composing (Advanced)	Xth Class	2 yrs	
12	Maharashtra Mudranshala 1786, Sadashiv Peth, Poona 2	(i) Advanced Certificate course of Composing	Xth Class	3 years	
		(ii) Advanced Certificate course in Printing	VIIth Class	1 year	
		(iii) Craftsmen course in Hand Composing	VIIth Class	1 year	
		(iv) Craftsmen course in Letterpress Printing	VIIth Class	1 year	
13	K E S Topiwala Industrial School Alibagh (Distt Kolaba)	Composing (Certificate)	VIIth Class	1 year	
14	K E S K High School, Panvel (Distt Kolaba)	Composing (Certificate)	VIIth Class	1 year	
15	Topiwala Memorial Technical School Sawantwadi (Distt Ratnagiri)	Composing (Certificate)	VIIth Class	1 years	
16	I T I Howrah Home Santragachi, Howrah-711104	1 Hand Composing (Certificate) 2 Printing Mach Operator	VIIIth Class		
17	Phulia Polytechnic Phulia 24 Pargana, West Bengal	Composing (Certificate)	VIIIth Class	2 years	
18	National Institute of Design, Paldi Ahmedabad-7	1 Professional Education Programme	Higher Secondary	5½ years	
		2 Professional Education Programme (Advanced Entry Programme)	Pre Engineering or +2 of the 10+2	3 years	
19	Govt Kalaniketan Jabalpur, Govt of Madhya Pradesh	National Certificate Course In printing Technology (equivalent to Diploma) (i) Letterpress Printing (ii) Lithography	S S C or Higher Secondary School Certificate Examination	3 years	15—21 years
20	Board of Technical Education, Uttar Pradesh, Lucknow	Printing Technology (i) Letterpress (ii) Lithography		3 years	

ایس آئی او آف انڈیا کے بعض فیصلے

[تنظیم کے قیام سے لیکر ستمبر ۱۹۸۷ء تک مرکزی شاورتی کونسل، ایس. آئی. او آف انڈیا کے بعض تنظیمی فیصلے و ہدایات پیش خدمت ہیں۔ بہتر ہے کہ فیصلوں سے متعلق حسب ضرورت ضروری رہنمائی و وضاحت مرکز تنظیم سے حاصل کرلی جائے۔]

• تنظیم کا نام اسلامی تنظیم طلبار سے بدل کر اسٹوڈنٹس اسلامک آرگنائزیشن آف انڈیا کر دیا گیا اور دستور میں پہلی ترمیم عمل میں آئی۔ (یکم اگست ۱۹۸۲ء)

• ممبران کے علاوہ ایسوسی ایٹ کی کٹگری بنائی گئی۔ مقامی طور پر اس کو "سرکل" کا نام دیا گیا۔

• حلقے علاقائی زبانوں میں اپنے آرگن نکال سکتے ہیں۔ البتہ اردو و انگلش میں صرف نیوز لیٹر کی اجازت ہے۔

• منفرد ممبران اور مقامی یونٹس اپنی رپورٹس ہر ماہ اپنے حلقہ کے دفتر کو روانہ کریں گی اور صدور حلقہ اپنے حلقہ کی رپورٹ اور اپنی کارگزاریوں کی تفصیل کو ہر تیسرے ماہ مرکز روانہ کریں گے۔ (دو ماہی رپورٹ)

• ہر مقامی یونٹ ماہانہ اپنے بیت المال کی آمدنی کا ۴۰٪ حلقہ کے بیت المال (حصہ حلقہ) کو اور ہر حلقہ دو ماہ پر اپنے بیت المال کی آمدنی کا ۳۰٪ مرکزی بیت المال (حصہ مرکز) کو روانہ کریگا۔ بیت المال سے مراد کل آمدنی ہے نہ کہ صرف اعانت ممبران مراد ہے۔

• ہر جگہ تنظیم کا ایک ہی نام (انگریزی) کا استعمال منظور کیا گیا۔ البتہ تنظیم کے اردو نام کے زبانی استعمال کی گنجائش رکھی گئی۔ (اکتوبر ۱۹۸۳ء)

• بیرون ملک کی تنظیموں کے دعوت نامے جو کسی ممبر کو اس کی ذاتی حیثیت میں موصول ہوا ہو یا تنظیم کی کسی ذمہ داری کے منصب و مقام پر ہونے پر ملا ہو، اسے صدر تنظیم سے دعوت نامہ قبول کرنے کی اجازت لینی ہو گی۔

• اگر کوئی ممبر چھ ماہ سے زاید کے لئے بیرون ملک جاتا ہے تو اس کی ممبر شپ معطل سمجھی جائے گی۔ بیرون ملک سے واپس آنے پر تنظیم کے تعلق سے اس کے رویہ پر دو ماہ تک غور کیا جائے گا۔ اگر وہ شرائط ممبری کو پورا کرتا ہو گا تو اس کی ممبر شپ بحال کر دی جائے گی۔ بصورت دیگر ممبر شپ سے اخراج کی کارروائی کی جائے گی۔

• چھ ماہ سے زائد کے لئے اگر کوئی ممبر ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہوتا ہے تو جس مقام پر وہ منتقل ہوا ہے اسی مقام سے اس کا تعلق سمجھا جائے گا۔ (ایسے ممبران کے نام، ولدیت، عمر، مستقل اور موجودہ پتہ اور متعلق ضروری معلومات سے اس ممبر کا سابق حلقہ یا یونٹ دوسرے حلقے یا یونٹ کو مطلع کرے اور ممبر کو بھی اپنے نئے حلقہ/یونٹ سے از خود ربط پیدا کرنے کی ہدایت کی جائے۔)

• تنظیم کا فرد اپنے پیڈ یا اپنے نام سے بیرونی امداد کیلئے کوئی خط باہر نہیں لکھ سکتا۔

• تنظیم کا ممبر کسی دوسری ریاستی یا کل ہند تنظیم کا ممبر نہیں ہو سکتا الا یہ کہ تنظیم سے اس کی اجازت ملی ہو۔

• طے پایا کہ رپورٹ کا ایک خاکہ ترتیب دیا جائے اور اسی کے مطابق حلقوں سے رپورٹیں طلب کی جائیں۔ (جولائی ۱۹۸۴ء)

• کسی سرکل میں بیت المال کے قیام کا فیصلہ و اجازت کا اختیار صدر حلقہ کو دیا جانا مناسب ہو گا۔ اور بیت المال کے قیام کے سلسلے میں ضروری احتیاط کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہاں اس کے قیام کی کوشش ہو۔

• فائنانس سکریٹری کا اصل کام فنڈ جمع کرنا اور مرکز اور حلقوں کے اکاؤنٹس کی دیکھ بھال ہے۔ (جولائی ۱۹۸۵ء)

• تعلیمی ادارے اور حلقہ کے اجتماعات: (۱) تعلیمی اداروں کے طلبہ پر خصوصی توجہ یقیناً ضروری بلکہ تنظیم کا اصل کام ہے۔ اس سلسلہ میں تنظیم کی شاخوں اور یونٹوں کو ضروری نکات سے سے واقف کرا دینا مناسب ہو گا۔ (۲) حلقہ جات کے لئے جن اجتماعات کی بات بطور خاص طے کی گئی ہے امید ہے ان کے لئے مقامات و تاریخوں کا تعین پہلے سے کر لیا جائے، اس طرح کہ تنظیم کے مرکزی ذمہ داروں کو بھی وہاں شرکت کا موقع مل سکے۔ (ستمبر ۱۹۸۵ء)

• ۱۵ سال سے کم عمر کے بچوں کو چلڈرن سرکل کے تحت منظم کیا جائے۔

• حلقے اپنے منتخب ممبران کے خصوصی مطالعے (Specialised Study) کا انتظام و انصرام کریں گے۔

• صدر حلقہ ضرورت پڑنے پر ایک شہر میں ایک سے زیادہ یونٹ کے قیام کی اجازت دے سکتا ہے۔

• حلقوں کو یہ اختیار ہو گا کہ اپنی مشاورتی کونسلوں کے مشورے سے طلبہ یونین کے الیکشن میں حصہ لے سکیں۔

• جہاں ممکن ہے وہاں حلقے مستحق و ضرورت مند طلبار کو اسکالرشپ جاری کریں (مرکزی سطح پر یہ کام نہ ہو)۔

• تعلیمی اجتماع، تربیتی اجتماع سے مختلف ہونا چاہئے۔

• دینی مدارس میں کام پر خصوصی توجہ دی جائے۔

• (۱) اگر کوئی ممبر جہیز کا مطالبہ کرے تو اس کے خلاف ضابطہ کی کارروائی (Disciplinary Action) کی جائے گی۔

(۲) اگر والدین جہیز کا مطالبہ کریں تو ممبر اس سلسلے میں سخت مخالفت (Strong Resesment & Disapproval) کرے تو اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوگی دوسری صورت میں کارروائی ہوگی۔

• حلقے ضرورت پڑنے پر باحتیاط جلوس اور ریلی نکالنے کا فیصلہ کرسکتے ہیں یا یونٹ کو اس کی اجازت دے سکتے ہیں۔ (باحتیاط کا مطلب ہے۔ ۱۔ متعلقہ سرکاری عہدہ داروں کو جلوس اور اس کے راستوں کی پیشگی اطلاع کرنا۔ ۲۔ جلوس کی موزوں منصوبہ بندی۔ ۳۔ متعلقہ سرکاری ضوابط کی پابندی۔ ۴۔ یونٹ جلوس و ریلی نکالنے کیلئے حلقوں سے باضابطہ اجازت حاصل کریں۔ ۵۔ حلقے دیگر ضروری ہدایت سے یونٹ کو مطلع کردیں)

• دھرنا کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

• حلقہ کی مشاورتی کونسل جلوس میں نعرے لگانے کی اجازت مقام و حالات کے لحاظ سے دے سکتی ہے۔ (دسمبر ۱۹۸۵ء)

• مالیات کے استحکام کے سلسلے میں طے پایا کہ: (اگست ۱۹۸۶ء)

(۱) فائنانس سکریٹری بطور خاص حلقوں کے اکاؤنٹ کو چیک کریں۔

(۲) حلقوں میں Account Maintainance حسابی عمل کو Standarised یا معیاری ویکساں بنایا جائے۔ اس کے ضوابط بنائے جائیں جو حلقے سے یونٹ تک نافذ ہوں۔

(۳) جن حلقوں میں رقم باقی ہے یا مرکز کو ملنے والی رقم نہیں ملی ہے، وہاں سے بقایاجات وصول کئے جائیں۔

(۴) بیت المال کے استحکام وغیرہ کیلئے جو حلقے رقومات جمع کریں یا جو رقومات حلقوں میں آئیں اس پر Special Fund خصوصی فنڈ / اعانت کا اطلاق نہیں ہوگا صرف لائبریری یا اسی نوعیت کی کسی مد پر خصوصی اعانت کا اطلاق ہوسکتا ہے۔

(۵) حلقے حصہ مرکز خرچ نہ کریں۔ لازماً ہر دو ماہ پر رقم مرکز بھیج دیں۔

(۶) شمالی اور جنوبی ہند کے لئے دو فائنانس سکریٹری بنائے گئے۔

• انتخابات :- صدر تنظیم، مرکزی و صوبائی مشاورتی کونسل، صدر حلقہ اور صدور مقامی کے انتخاب میں رائے برابر آنے کی صورت میں قرعہ سے فیصلہ کیا جائے گا۔

• مہمان :- مرکز میں تنظیمی کاموں سے آنے والے افراد تنظیم کے مہمان ہوسکتے ہیں۔ ضرورت سے مرکز میں آنے والے مہمانوں کو حکمت سے بتایا جائے کہ تنظیم کے وسائل و مالیہ کے استعمال میں احتیاط کی ضرورت ہے۔

• محترم ظہیر صدیقی صاحب کا لکھا ہوا ترانہ تنظیم کے ترانے کے طور منتخب کیا گیا۔

• تنظیم کا سولو گرام طے پایا۔

• بینک میں ملازم افراد کو تنظیم کی ممبر شپ نہیں دی جائے گی اور اگر کوئی ممبر بینک میں ملازمت حاصل کرے تو اس کے خلاف ضابطہ (Disciplinary Action) کی کارروائی کی جائے گی۔ (جولائی ۱۹۸۷ء)

• جو ممبر اس فیصلے سے پہلے بینک میں ملازم ہوں انھیں صدر حلقہ کے مشورے سے وقت دیکر اصلاح کا موقع دیا جائے گا بصورت دیگر کارروائی کی جائے گی۔

• دیوانی و فوجداری مقدمات کی وکالت کرنے والوں کو ممبر شپ نہ دی جائے گی۔

• ہم خیال تنظیموں سے تعاون کے ذیل میں ہم اپنی پالیسی و پروگرام کے حدود کے اندر رہیں گے۔ (ستمبر ۱۹۸۷ء)

• بہتر ہو کہ حلقے اپنے ایسوسی ایٹس کا رجسٹر حسب ضرورت Maintain کریں۔ مقامی طور پر تو ایسا رجسٹر لازماً رکھا جائے۔

• ایسوسی ایٹ کی تعریف میں تھوڑی سی تبدیلی کی گئی۔ "وہ طالب علم اور نوجوان جو ایس۔ آئی۔ او۔ کے تعارفی لٹریچر کے ذریعے تنظیم کے اغراض و مقاصد سے واقف ہو کر اتفاق رکھتے ہوں اور اس کی سرگرمیوں میں حصہ لینے کو تیار ہوں انھیں تنظیم کا ایسوسی ایٹ بنایا جائیگا۔"

• حلقہ جاتی مشاورتی کونسل کے ممبران کیلئے مرکز ایک نصاب تیار کرے گا۔ جس کا مطالعہ ضروری ہوگا۔ ہونا چاہئے

• "طالبات میں کام" میں ہمارا تعاون

اخبارِ عالم

ترتیب: عارف اقبال، دہلی

مجاہدین عزیمت کی راہ پر

حزبِ اسلامی افغانستان کے صدر گلبدین حکمت یار نے کہا ہے کہ افغان مجاہدین کابل میں غیر اسلامی حکومت کے خلاف جہاد جاری رکھیں گے۔ انھوں نے بتایا کہ ماسکو کی حاشیہ بردار کابل حکومت مجاہدین کے حملے سے اپنے کو بچانے میں بُری طرح ناکام ہے۔ اسی لئے اپنی طاقت کو برقرار رکھنے کے لئے ماسکو سے فوجی امداد کی درخواست کی ہے۔

مجاہدین کے ان حملوں سے سوویت یونین بے حد فکر مند ہے اور نجیب کی حکومت سے مایوس ہو چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سوویت یونین کے وزیر داخلہ مسٹر شیوارڈ ناڈزے نے حالات کا جائزہ لینے کے لئے پچھلے دنوں کابل کا دورہ کیا ہے۔

مسٹر اوزال نے حج کیا

اس سال ۲۳ جولائی کو دس لاکھ سے زائد مسلمانوں نے فریضۂ حج ادا کیا۔ جن میں مسلم ممالک کی کئی اہم شخصیتیں بھی شامل تھیں۔ ان میں وزیر اعظم ترکی مسٹر ترگت اوزل کا نام اس لحاظ سے قابلِ ذکر ہے کہ موصوف خلافتِ عثمانیہ کے بعد ترکی کے وہ پہلے وزیر اعظم ہیں جنھیں حج کی سعادت نصیب ہوئی۔ ایک برطانوی اخبار نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ مسٹر ترگت اوزال کے اس عمل سے کمال اتاترک کی روح کو ضرور تکلیف پہنچی ہوگی۔

مذہبی آزادی پر ایک اور حملہ

بھارتی حکومت کی طرف سے مذہبی اداروں کے غلط استعمال کے سلسلے میں جو آرڈی نینس جاری کیا گیا تھا، جلد ہی قانونی شکل اختیار کرنے والا ہے۔ اس قانون کی رو سے کسی بھی مذہبی مقام کو سیاسی مقاصد کے لئے استعمال نہیں کیا جا سکتا ہے۔ واضح رہے کہ یہ قانون سکھوں کے "سنہری مندر" کے تناظر میں بنایا گیا ہے لیکن اس کی زد میں بالخصوص مسلمان ہی آئیں گے۔ کیونکہ دوسرے مذاہب کی طرح اسلام، مذہب اور سیاست میں فرق نہیں کرتا ہے۔ اس نئے قانون کے مطابق جب کوئی مسلمان مسجد میں اسلام کے معاشرتی سیاست پر گفتگو کر رہا ہو تو کوئی بھی پولیس آفیسر آکر اسے گرفتار کر سکتا ہے جبکہ دستوری طور پر ہر شہری کو آئین کی دفعہ ۲۵ (۱) کے تحت اپنے مذہب کی اشاعت کا اختیار حاصل ہے نیز اس قانون کا سب سے دلچسپ اور مضحکہ خیز پہلو یہ ہے کہ اگر وہی مسلمان اپنی بات کو مسجد سے باہر آکر بیان کرے تو اس کا یہ عمل اس قانون کے تحت نہیں آئے گا۔ اس قانون کی زد میں صرف مساجد ہی نہیں بلکہ مدرسے اور دینی ادارے بھی آ سکتے ہیں۔

اسلامی بینکنگ پر ایک سیمینار

گزشتہ دنوں International Association for Islamic Economics کی جانب سے LOUGH BROUGH UNIVERSITY لیسٹر (لندن) میں مذکورہ یونیورسٹی کے تعاون سے ایک روزہ سیمینار منعقد ہوا۔ اس میں سعودی عرب، برطانیہ، مغربی جرمنی، بنگلہ دیش، پاکستان اور سوڈان کے اسکالرس نے اپنے مقالات پیش کئے۔

پاکستان کے پروفیسر خورشید احمد نے سیمینار کی افتتاحی تقریر میں کہا کہ دنیا میں اسلامی بینکنگ نے اپنی ایک نظیر قائم کر لی ہے اور مستقبل میں ہر طرح سے نبرد آزما ہونے کے لئے تیار ہے۔ یونیورسٹی بینکنگ سینٹر کے ڈائریکٹر مسٹر جے۔ آر۔ پرسلے نے اسلامی بینکنگ کے مغربی تناظر پر گفتگو کی۔ انھوں نے کہا کہ اسلامی بینکنگ کو ہر طرح کے چیلنجوں کا سامنا کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ جن دوسرے عنوانات پر مقالے پیش کئے گئے وہ ہیں۔ Economic Rationale of Islamic Banking, Competition in Islamic Banking, Islamic Banking Experience in Sudan, The Islamization of Banking; The Case, Need for regulation History of Kuwait in relation to the Islamization of Banking System. وغیرہ۔

مصر میں بے روزگاری

مصر اس وقت سخت مالی بحران کا شکار ہے۔ ملک میں بے روزگاری کے سبب شدید افراتفری اور بدامنی رونما ہو چکی ہے اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ مصر نے اپنے آپ کو مسلم ممالک سے کنارہ کش ہو کر اپنی نکیل غیر اسلامی ممالک کے ہاتھوں میں دے رکھی ہے۔

مصر کے Central Statistics Office کی جانب سے جو حالیہ اعداد و شمار شائع ہوئے ہیں ان کے مطابق اس وقت ملک میں بے روزگاروں کی تعداد ۱۱۰۳۷ء تک پہنچ چکی ہے۔ ماہرین معاشیات کا خیال ہے کہ بے روزگاری کی شرح میں مزید اضافہ کا امکان ہے۔

سلسلۂ روز و شب

ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی

...فروری کو تقریباً تین بجے ہمارا قافلہ ... کالی کٹ ... فیروز نصرت رحیم ... پہنچ گیا یہیں عبدالغفور ... الدین انور ... رفیق احمد اور دوسرے ... استقبال کو موجود تھے۔ نماز ... رحیم صاحب نے ایک شاندار ... جس کے فوراً بعد ہی میوزیم ... ہوئے ہم سب ایک ہال ... کے ہال میں پہنچ گئے۔ "فکر و فن کا ... امتزاج ہی عظیم ادب کی اساس ..." کے موضوع پر کامیاب مذاکرہ ہوا ... میں مقامی ادبا حفیظ سعید، اعجاز حسین ... کے علاوہ ڈاکٹر احمد سجاد، ... میرٹھی اور اس خاکسار نے ... خیال کیا۔

دس بجے رات میں ہم سب ایک ... کے ذریعہ مشہور سنیما ہال لکشمی ٹاکیز ... سنیما ہال اور اسلامی ادب ... سے والی بات تو دور رہی۔ لیکن ... بلاسٹی فلموں کے پکچر بورڈوں کے ... ادارہ ادب اسلامی کے زیر اہتمام ... سمینار و مشاعرے کا پوسٹر اور چمکتے ... حروف میں "ایک خدا، ایک انسان ... ایک نظام" کا بینر خرابات کی تخریب ... اور حرم کی تعمیر کا اعلان کر رہا تھا۔ باہر سڑک ... ٹریفک کی بھیڑ تھی، شور تھا، غل تھا، اندر ... سکوت تھا ... سنجیدگی تھی۔ مشاعرہ ... وقت ... [illegible] ... ہال ... بھرا ہوا تھا ... [illegible]

سلسلے میں مشاعرے کے آغاز میں ڈاکٹر احمد سجاد نے فرمایا کہ "بلاشبہ خواتین و طالبات کو اپنے مخصوص دائرے میں رہتے ہوئے اپنی ادبی و شعری صلاحیتوں کو بڑھانا چاہئے اور اس سلسلہ میں ان کی الگ ادبی و شعری نشستیں ہونی چاہئیں تاکہ ان کا ادبی ذوق پروان چڑھ سکے۔"

میرے خیال میں یہ ایک علمی مسئلہ ہے کہ ہماری خواتین ادیبہ اور شاعرات کا ادب اسلامی کے فروغ میں کیا حصہ ہوگا اور ان کے علمی رول کی کیا صورت ہو سکتی ہے، ان سوالوں پر ہمارے ارباب فکر و نظر کو غور و خوض کرنا چاہئے کیونکہ ہماری تحریک کے فروغ کے ساتھ ساتھ موجودہ معاشرے میں اس طرح کے تہذیبی مسائل آئندہ اور ابھر کر سامنے آئیں گے۔

ہاسن میں ایس آئی او کے کئی نوجوان احباب سے ملاقات ہوئی جن سے طلبہ اور نوجوانوں میں کام کی رفتار کا اندازہ ہوا۔

دوسری صبح بھٹکل جاتے ہوئے منصورہ عربک کالج میں گھنٹہ بھر کے لئے ہم لوگ ٹھہرے۔ درسگاہ کے اساتذہ و طلبہ کے ساتھ ایک نشست ہوئی۔ فیروز نصرت رحیم اور رفیق احمد یہاں بھی سرگرم نوازش تھے۔ بچے اپنے چچا میاں مائل خیرآبادی کو حیرت و مسرت سے دیکھ رہے تھے، مائل صاحب بھی ان بچوں کے درمیان بہت خوش نظر آرہے تھے۔ یہاں ڈاکٹر احمد سجاد اور مائل خیرآبادی نے بچوں سے خطاب کیا۔ اساتذہ ... [illegible] ... چاہتے تھے۔

جو کریم گنج گیا

خصوصاً سب لوگ حفیظ میرٹھی کے کلام سے محظوظ ہونے کے خواہشمند تھے مگر ہمارے امیر سفر کی پابندی وقت کی سختیوں نے جو ناگزیر بھی تھی کسی کو اپنی خواہش پوری کرنے کا موقع نہ دیا اور ہم سب ایک دوسرے سے ملاقات کی تشنگی لئے ہوئے رخصت ہوئے۔

تین بجے شام ہم منگلور شہر میں داخل ہوئے، بحیرۂ عرب کے ساحل پر واقع یہ ایک خوبصورت شہر ہے۔ یہاں ایک بڑا اسلامی مرکز ہے جس کی دو منزلہ عمارت میں کنڑ زبان کا ہفت روزہ "سن مارگ" کا اپنا پریس، دینی لٹریچر کا مکتبہ اور دوسرے مختلف دفاتر ہیں، اس عمارت میں مزید تعمیر کا کام ہو رہا تھا۔ یہاں سیف الدین اور بشیر احمد سے ملاقات ہوئی، حسرت بھٹکلی بھی خلوص سے ملے اور مہمان نوازیاں کیں۔

تقریباً ساڑھے پانچ بجے شام میں ہم ایک ایسے مقام سے گذر رہے تھے جہاں میری بائیں جانب بحیرۂ عرب موجزن تھا اور دائیں جانب ہرے بھرے گھنے باغات نگاہوں کو ٹھنڈک پہنچا رہے تھے۔ یہ منظر کچھ عجیب قسم کا کیف و دلکشی اور مستی لئے ہوئے تھا۔ گاڑی روک کر ہم لوگ نیچے کھلے میدان میں نکل آئے۔ سمندر کی موجیں مچل مچل کر قدموں کو چوم رہی تھیں، ہم سب اپنے اپنے ... سمندر کی موجوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ خوش ... [illegible] ... اذان کی آواز آئی

شام کا سماں بڑا دلفریب تھا۔

بھٹکل، ہبلی اور بلگام ہوتے ہوئے ۱۴؍ کی شام کو جب ہم رائچور پہنچے تو تھکن سے چور چور ہو چکے تھے۔ رات بھر جاگنے کے باعث بدن میں کوئی حلاوت باقی نہ رہی تھی۔ وہ تو کہیے کہ دن بھر کی تکان کے بعد شام کو جب ہم منزل پر پہنچتے تو احباب کی چاہت و اپنائیت، اخلاق و مروت، اجلاس کے عظیم مجمع اور اس کے پُر محبت مظاہرہ کو دیکھ کر نشاط و تازگی پیدا ہو جاتی اور ہم وہاں ستعدی کے ساتھ اپنے فرائض منصبی انجام دینے لگتے۔

۱۵؍ فروری کو پانچ بجے شام میں ہم لوگ مشہور تاریخی و تہذیبی شہر بیجاپور پہنچے، جہاں محمود تاشی، سلیمان خمار، منظور احمد، مسلم بیجاپوری، محبوب عالم اور دوسرے نوجوان احباب چشم براہ تھے۔ یہ لوگ بڑی تندہی سے انتظامات میں لگے ہوئے تھے۔ گورنمنٹ ہائی اسکول کے میدان میں خوبصورت اسٹیج بنایا گیا تھا اور میدان میں سینکڑوں کرسیاں بچھائی گئی تھیں۔ تقریباً نو بجے شب میں ادبی و شعری اجلاس شروع ہوا، اجلاس کی صدارت مسعود جاوید ہاشمی اور نظامت خوش فکر غزل گو شاعر سلیمان خمار نے فرمائی۔ ابتدا میں پروفیسر عمر حیات خاں غوری نے ادارہ ادب اسلامی کا تفصیلی تعارف کرایا، اگرچہ ان کی طول بیانی بعض سامعین کے چہرے پر گرانی کے آثار پیدا کر رہی تھی تاہم مجمع تہذیب و شائستگی کے دائرے میں تمام پروگرام سنتا رہا۔ میرے ذمے یہاں "تحریک ادب اسلامی، امن عالم کی نقیب" کے عنوان پر لکچر دینا تھا، چنانچہ میں نے موجودہ صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے کہا کہ عصری معاشرے کو شکست و ریخت اور جنگ و جدال سے دوچار کرنے میں مغربی لادینی اور مادی نظریات کا بڑا دخل ہے۔ دراصل ان نظریات کی بنیاد انسان اور انسان کے درمیان کشمکش پر قائم ہے، یہ کشمکش کہیں طبقاتی اور کہیں علاقی ہے، جس نے جدید معاشرے کو معاشی استحصال، غربت و افلاس، بے حیائی و فحاشی اور ہر طرح کی انارکی سے دوچار کر دیا ہے۔ اس ناگفتہ صورت حال نے ادب کو بھی متاثر کیا ہے۔ چنانچہ آج ہمیں خدا بیزاری اور آخرت فراموشی کے بجائے، خدا پرستی اور آخرت پسندی کی اساس پر معاشرے کی تعمیر کرنی ہوگی، اسلامی نظریۂ حیات کی روشنی ہی میں سماج میں عدل و انصاف اور امن و سلامتی کا قیام ہو سکتا ہے۔"

ع

امن عالم پیام خدائی میں ہے
آشتی حکمت انبیائی میں ہے

راز جس وقت دنیا یہ پا جائے گی
یہ زمیں اپنے محور پہ آ جائے گی

اس کے بعد عزیز بلگامی کی نعت سے مشاعرے کا باضابطہ آغاز ہوا۔ عزیز کو اللہ تعالیٰ نے لحن داؤدی سے نوازا ہے، جس سے وہ مشاعرے میں خوب خوب مصرف لیتے ہیں، انھوں نے اپنی نعت میں رسول اکرمؐ سے محبت و عقیدت کے اظہار کے ساتھ ہم مسلمانوں کے موجودہ کردار کو بھی آئینہ دکھایا ہے ؎

کفر زدہ ماحول میں لمبی تان کے سونے والے ہم
کفر زدہ ماحول میں ایک پل چین نہ پانے والا وہ
ذکر و عبادت ہی کو پورا دین سمجھنے والے ہم
باطل سے ٹکرا جانے کو دین بتانے والا وہ

دوسرے دن ہم لوگ بیجاپور کے تاریخی مقامات کی سیاحت کے لئے نکلے منیر احمد ہمارے گائیڈ تھے۔ جن کے ساتھ سب سے پہلے ہم ابراہیم روضہ دیکھنے گئے۔ یہ روضہ شہر سے ایک میل کی دوری پر مغربی سمت میں ہے۔ اس میں ابراہیم دوم، اس کی ملکہ تاج سلطانہ اور دوسرے چار افراد کے مزارات ہیں۔ اس کے دو حصے ہیں، ایک مزارات کا، دوسرے حصے میں مسجد ہے۔ اس عمارت کو ابراہیم عادل شاہ نے ۱۶۲۶ء میں اپنی بیوی کی یادگار کے لئے بنوایا تھا مگر چونکہ بادشاہ کا انتقال پہلے ہو گیا، اس لئے اس کی ملکہ نے بادشاہ کے نام پر اس کا نام ابراہیم روضہ رکھا۔

ابراہیم عادل شاہ کا مقبرہ گول گنبد کی شکل میں اپنی بے کسی کی داستان سناتا ہوا میرے سامنے کھڑا تھا، اس گنبد کی گولائی تقریباً ۴۱ مربع فٹ ہے، اس کے چاروں سمت چار دروازے چار کھڑکیاں ہیں، یہ شیشم کی لکڑی کے ہیں، جن پر خوبصورت نقاشی کی گئی ہے۔ دیواروں پر سنہرے رنگ سے قرآنی آیات لکھی ہوئی ہیں، اس کی سنگ تراشی قابل تعریف ہے۔

مسجد کے سنگی مینار، کٹہرے، پتھر کی زنجیر اور مسجد کے نقش و نگار قابل دید ہیں۔ مسجد اور مقبرہ کے درمیان ایک بڑا حوض، حسین سبزہ زار، خوبصورت کتبے، اس کے چاروں طرف حفاظتی دیواریں ہیں۔

کچھ دیر بعد ہم لوگ جامع مسجد پہونچے، جس کی تعمیر کا کام علی عادل شاہ نے ۱۵۷۶ء میں شروع کیا تھا، اس کی تکمیل محمد عادل شاہ نے کی۔ اس مسجد میں بیک وقت ہزاروں مسلمان نماز ادا کر سکتے ہیں۔ باہر سے یہ عمارت مضبوط قلعے جیسی نظر آتی ہے۔

آخر میں ہم لوگ دنیا کے ساتویں عجائب میں شمار ہونے والے گول گنبد دیکھنے گئے۔ اس نادر عمارت کو محمد عادل شاہ نے ۱۶۲۶ء سے ۱۶۵۶ء میں اپنی یادگار کے لئے تعمیر کیا تھا۔ چار اونچے مینار یا ستون کو درمیان سے جوڑ کر ہال تعمیر کیا گیا ہے، جس کی اونچائی ۲۰۶ فٹ بتائی جاتی ہے۔ نیچے تہہ خانہ بنایا گیا ہے، اندر بہت اندھیرا ہے، اس کے بیچ میں محمد شاہ اور اس کے خاندان کے لوگوں کی قبریں ہیں۔ ان ستونوں کے اندر چکردار زینے بنائے گئے ہیں جو سات منزل تک جاتے ہیں۔ ہر منزل پر باہر کی طرف آرام کرنے کے لئے

باقی ص۔۔ پر

ریڈور بنایا گیا ہے جس پر پتھر کی بنچیں
بیٹھنے کے لئے بنی ہوئی ہیں۔ ساتویں منزل
پہونچ کر اسی قسم کا کوریڈور جاروں طرف
ہے۔ اس ہال کے درمیان ایک بہت
عظیم الشان گنبد تعمیر کیا گیا ہے، درمیان
میں کوئی ستون نہیں ہے۔ گنبد کے اندر
کی جانب ۱۱ فٹ کی دائرہ نما گیلری بنی ہے
جس کو وہسپرنگ گیلری کہتے ہیں۔ اس
کی خاص بات یہ ہے کہ یہاں ایک آواز کی
بازگشت سات بار بالکل صاف سنائی دیتی
ہے۔ اس ہال کے دونوں کناروں پر آمنے
سامنے بیٹھ کر آپ اطمینان سے گفتگو کر سکتے
ہیں۔ (حالانکہ گائیڈ کے مطابق گنبد کی گولائی
۱۶۶ فٹ ہے، اس کی اونچائی ۱۷۷ فٹ
ہے اور اس کا مکمل محیط ۱۸۳۲۷ مربع
فٹ ہے) ہاں بات کرنے والے کو دیوار
کی طرف رخ کر کے بولنا پڑتا ہے۔

بقیہ - مطالعہ حدیث

کے ارشاد سے معلوم ہوا کہ ہمارے رب کو جو ناپسند ہو
اسے ہم چھوڑ دیں تو یہ ایک بہترین قسم کی ہجرت ہے
گرچہ اس ہجرت میں انتقال مکانی نہ پایا جاتا ہو۔ اس
رجحان و ذوق اور اس کام کو ترک کر دینا جو خدا کو
پسند نہ ہو ترک مکان سے کہیں بڑا اور انقلاب
آفریں ترک ہے اس لئے بہترین ہجرت سے اس
کی تعبیر ایک نہایت معنی خیز تعبیر ہے۔

یعنی میدان جہاد میں نہ صرف یہ کہ وہ خود
قربان ہو گیا بلکہ اس کا گھوڑا بھی لوٹ کر گھر نہ آیا۔
فدائیت کی یہ ادا کس درجہ وجد آفریں ہے۔ اسے بہترین
جہاد سے موسوم کرنا اسلام کی صداقت کا بین ثبوت
ہے۔ اس لئے کہ اسلام کی اصل خوبی یہ ہے کہ وہ
انسان کو وہ نگاہ عطا کرتا ہے جس کی وجہ سے دنیوی
و مادی سود و زیاں کے حجابات سامنے سے ہٹ
جاتے ہیں اور آدمی کو نظر آنے لگ جاتا ہے کہ اس
کے لئے اصل نفع کی بات کیا ہے اور اصلاً خسارہ
اس کے لئے کس چیز میں ہے۔

وسط شب کا آخری حصہ رات کا وہ حصہ
ہے جو نہایت پرسکون اور روح پرور ہوتا ہے۔
اس وقت کے قیام اور رکوع و سجود کے اثرات
روح انسانی پر نہایت گہرے پڑتے ہیں۔ جو یکسانی
اور یکسوئی رات کی اس ساعت میں حاصل ہوتی ہے
وہ کسی دوسری ساعت میں حاصل نہیں ہوتی۔ جذبہ
عبودیت سے معمور قلوب کے لئے تو یہ ساعت ایک
بڑی نعمت ہے۔ یہ وہ وقت خاص ہے جو مناجات
اور اظہار عجز و نیاز کے لئے نہایت موزوں ہے
اس لئے اس وقت دعا کے قبول ہونے اور
بندے کی جانب اس کے رب کی رحمتوں کے متوجہ
ہونے کے امکانات بھی بڑھ جاتے ہیں۔ یہ وہ
وقت ہوتا ہے جب عام دنیا عالم خواب میں محو ہوتی
ہے جس کی وجہ سے فتنۂ ریا میں مبتلا ہونے کا
بھی اندیشہ کم ہی ہوتا ہے۔

بقیہ - رویت ہلال

مان لی جائے تو کسی جگہ مہینہ ۲۸ دن کا اور کسی جگہ
۳۱ دن کا ہونا لازم آئے گا۔ جب ایک شہر کے
لوگوں نے عام رؤیت یا ضابطۂ شہادت کے مطابق
مہینہ شروع کیا تو دور کی شہادت کی بنا پر خود
مقامی شہادت یا رؤیت کو غلط یا جھوٹا قرار دینا
نہ عقلاً معقول ہے اور نہ شرعاً جائز۔ اس لئے ایسے
بلاد بعیدہ میں جہاں مہینہ کے دنوں میں کمی بیشی کا امکان
ہو اختلاف مطالع کا اعتبار کرنا ناگزیر ہے۔ چنانچہ
فتح الملہم میں اس کا معیار یہ تجویز کیا ہے کہ جو بلاد
اتنی دور ہوں کہ ان کے اختلاف مطالع کا اعتبار
نہ کرنے سے دو دن کا فرق پڑ جائے وہاں اختلافِ
مطالع معتبر ہوگا۔

ماحصل یہ کہ کسی بستی میں چاند نظر نہ آئے اور
دوسرے قریبی مقامات سے چاند ہونے کی خبریں
موصول ہوں تو اس کے مطابق رمضان یا عید
کر سکتے ہیں بشرطیکہ اس بستی میں رؤیت ہلال کا
ثبوت شرعی طریقہ سے ہو جائے یعنی شہادت سے
یا شہادت علی الشہادت سے یا شہادت علی القضاء
سے یا استفاضۂ خبر سے (یعنی خبر دینے والے اس
کثیر تعداد میں ہوں کہ عقلاً اس کے جھوٹ ہونے
کا کوئی احتمال نہ رہے۔

ہلال رمضان کے ثبوت کے لئے خط اور
آلات جدیدہ کی خبر کافی ہو سکتی ہے بشرطیکہ خبر
دینے والا یہ کہے کہ اس نے خود چاند دیکھا ہے
اور جس ذمہ دار کو خبر دی جا رہی ہو وہ اس کو
جانتا ہو، اس کا خط اور آواز پہچانتا ہو اور وہ
اس کو قابل اعتماد سمجھتا ہو۔

اگر ریڈیو یا ٹیلی ویژن پر کسی شہر کے معتبر قاضی
یا ہلال کمیٹی کا فیصلہ نشر کیا جائے اور ٹھیک ٹھیک
وہی الفاظ نشر کئے جائیں جن الفاظ میں ہلال کمیٹی یا
قاضی نے فیصلہ دیا ہے تو اس کی بنیاد پر ہلال
رمضان اور ہلال عید کا ثبوت دوسرے شہروں
میں ہو سکتا ہے اگر یہ اطمینان ہو کہ اختلاف مطالع
نہ ہوگا اور قرائن یہ بتاتے ہوں کہ جھوٹ کا احتمال
نہیں ہے۔

یہ بات کہ عید اسلامی اتحاد کا ایک اہم
نشان ہے اور اختلاف رؤیت کی وجہ سے اتحاد
کو ٹھیس پہنچتی ہے نیز یہ کہ ساری دنیا میں مسلمانوں
کی عید ایک ہی ہونی چاہیئے ایک لغو بات ہے
کیونکہ تمام دنیا میں رؤیت ہلال کا ایک ہی دن
ہونا ممکن نہیں۔ کسی ملک میں شرعی قواعد کے مطابق
رؤیت کی شہادت اور اس کے اعلان کا
انتظام ہو جائے تو مضائقہ نہیں مگر شریعت کا
یہ مطالبہ ہرگز نہیں ہے کہ ضرور ایسا ہی ہونا چاہیئے۔
اور نہ شریعت کی نگاہ میں یہ کوئی برائی ہے کہ مختلف
علاقوں کی عید مختلف دنوں میں ہو۔ خدا کا دین
تمام انسانوں کے لئے اور ہر زمانے کے لئے ہے۔

○ برادر کلیم احمد کو گجرات کا آرگنائزر مقرر
کیا گیا ہے ان سے رابطہ کا پتہ ہے۔
کلیم احمد، دفتر ایس آئی او، شاہین ویکلی،
کالوپور ٹاور، احمد آباد ۳۸۰۰۰۱

○ برادر سمیع الزماں (ورنگل) کو ZAC
حلقہ آندھرا پردیش کی ایک خالی نشست
کے لئے منتخب کیا گیا ہے۔ یہ جگہ برادر عبدالرؤف
(نظام آباد) کے بیرون ملک چلے جانے کی وجہ
سے خالی ہوا تھا۔

○ آئندہ ۲۵ تا ۳۰ دسمبر ۸۸ء اورنگ آباد
مہاراشٹر میں ZAC ممبران اور منتخب
ممبران کا ایک چھ روزہ تربیتی اجتماع منعقد
کیا جائے گا۔ برادر عبدالقدیر (پربھنی) کو
اجتماع کا ناظم مقرر کیا گیا ہے۔

○ صدر تنظیم برادر پی بی حمزہ ۲ تا ۲۲
اکتوبر ۸۸ء بہار کا دورہ کریں گے۔

چونا کالم

انصاف

ابو عبداللہ۔ علی گڑھ

منو اب ہوشیار ہو چلا تھا۔ لیکن جب ضد پر اتر آتا تو بچوں کے کان کاٹتا۔ ایک دن اس نے امی سے کہانی سننے کی ضد ٹھانی۔ اس کی دلجوئی کے لئے امی نے ایک کہانی سنائی:

ایک جنگل میں بہت سے جانور رہتے تھے۔ سب نے مل کر اپنے معاملات کی نگرانی کے لئے لومڑی کو اپنا سردار بنا رکھا تھا۔ لومڑی اپنی چالاکی سے سبھی جانوروں پر دھاک جمالیتی۔ اسی کی عدالت میں سب کے جھگڑے فیصل ہوتے تھے۔

ایک دفعہ ایک بلّا کو کچھ پنیر ہاتھ لگا۔ ایک دوسرا بلّا بھی جھٹ آدھمکا۔ اس نے بھی اس پنیر میں اپنے حصّے کا مطالبہ کیا۔ پہلے بلّے نے اس کا حصّہ دینے سے انکار کردیا۔ بہت مشکل سے یہ طے پایا کہ ہم دونوں آپس میں آدھا آدھا بانٹ لیں۔ لیکن بٹوارے کے وقت ہر ایک کی یہی خواہش تھی کہ وہ زیادہ لے لے۔ دونوں میں توتو میں میں ہوگئی۔ بات آگے بڑھی، عدالت تک جانے کی نوبت آئی۔ دونوں اپنے سردار لومڑی کے پاس پہنچے۔ لومڑی نے سارا قصّہ غور سے سنا اور کہا:

"اس میں لڑنے جھگڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں ابھی اس کا فیصلہ کئے دیتی ہوں۔"

لومڑی اندر گئی اور ایک ترازو لائی۔ دونوں بلّے اب خوش تھے اور فیصلے کی گھڑی قریب جان کر بے قرار ہو رہے تھے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے آنکھیں نیچے کرلیں۔

اب پنیر ترازو کے دونوں پلڑے پر تھا۔ لومڑی نے گردن ہلا ہلا کر دونوں پلڑے پر نظر ڈالی۔ ایک پلڑا تھوڑا جھکا ہوا تھا۔ اس پلڑے پر پنیر زیادہ تھا۔ لومڑی نے اس پلڑے سے پنیر اٹھا کر دوسرے پلڑے پر ڈالا۔ ڈالتے ہی دوسرا پلڑا بھی جھک گیا۔ کئی بار ایسا کرنے کے بعد اس دفعہ لومڑی نے ایک نئی ترکیب نکالی۔ جھکے پلڑے سے پنیر اٹھائی، اور اپنے منہ میں ڈال لیا۔ اب دوسرا پلڑا جھک گیا۔ پھر لومڑی نے اسی طرح معائنہ کیا۔ اس دفعہ بھی وزن برابر کرنے کی اس نے نئی ترکیب دہرائی۔ یہ سلسلہ چلتا رہا اور اس وقت ختم ہوا جب دونوں پلڑے کا پنیر ختم ہوگیا۔

دونوں بلّے اس کا منہ تکتے رہے مگر کسی میں ہمت نہ ہوئی کہ ٹوکے۔

لومڑی نے اپنے ہونٹ صاف کرتے ہوئے ایک لمبی سانس لی اور کہا: "آپ لوگ اطمینان سے جائیں۔ اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ میں نے بہت کوشش کی کہ یہ کمبخت برابر ہوجائیں۔ لیکن انہوں نے میری ایک نہ مانی۔ اس لئے میں نے یہ سزا دی ہے۔ تمہیں بھی خوش ہونا چاہئے کیونکہ اسی کمبخت نے تمہیں آپس میں لڑایا۔ ہماری عدالت نے اسے قرار واقعی سزا دی ہے۔"

دونوں بلّے آنکھیں ملتے اپنے گھر کو لوٹے۔

منو ہمہ تن گوش پوری کہانی سنتا رہا۔ منو کے خلافِ معمول اس خموشی سے ماں نے سمجھا کہ وہ کہانی سنتے سنتے سو گیا ہے۔ لیکن منو جاگ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اپنے پڑوسی کی تصویر آگئی جہاں وہ روزانہ کھیلنے جاتا اور اس کا دکھڑا سنتا۔ اس نے امی جان سے پوچھا: "کیا یہ جنگل کا قانون ہے؟ حیرت ہے! ہم بھی کسی جنگل میں تو نہیں آ ٹھہرے! نہیں امی، ہم تو جنگل میں نہیں رہتے بلکہ شہر کی رونق میں بستے ہیں۔ شہر کی عدالت میں جگو ہارا پڑوسی گیا۔ واپس لوٹا تو جگو کی جیب صاف۔ تھوڑے ہی دنوں میں دکان صاف۔ اب وہ گھر بھی ان (...) کرنے والا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ بھی صاف ہوجائے۔ مقدمہ ابھی عدالت میں موجود ہے۔ انصاف تک پہنچتے پہنچتے سب کچھ صاف! بلّے کا پیالہ صاف! جگو کی جیب صاف!! کیا انسان بھی اسی طرح پاتا رہے گا انصاف!!"

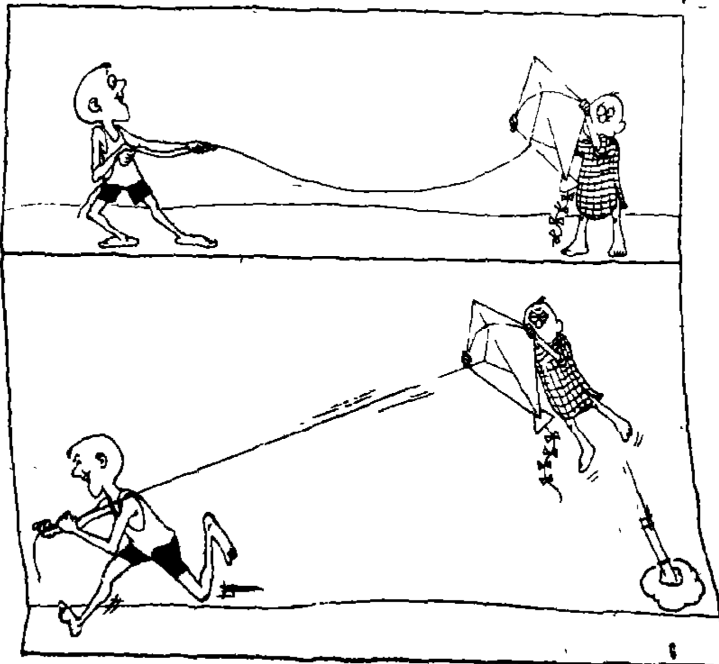
امی کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔

لطیفے

* استاد۔ بتاؤ مغلوں کے عہد میں سب سے زیادہ شکستیں کس بادشاہ کو ہوئیں۔
شاگرد: شطرنج کے بادشاہ کو۔

* ممی ممی ہم کل رکشہ سے اسکول کو نہیں جا سکیں گے!
ماں۔ کیوں بیٹا؟
بیٹا۔ رکشہ پر لکھا ہوا ہے "بچے صرف دو یا تین۔"

(مرسلہ۔ شیخ ابراہیم۔ کرناٹک)



کیا شان تھی ان کی

سالک دھامپوری

آج جس دین پر ہم چل رہے ہیں اور جس کے لئے ہم اپنی زندگی وقف کرنے کے دعوے کرتے ہیں وہ دین ہم کو کس طرح ملا یہ بات ہم نہیں جانتے۔ کیونکہ ہم نے یہ دین وراثت میں پایا ہے اس لئے ہمیں اس کی اہمیت اور اس کی عظمت کا کوئی احساس نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم آج اسلام کے ایسے ماننے والوں کی تعداد زیادہ دیکھتے ہیں جو اسلام کا دعویٰ کرنے کے باوجود اسلام کی تعلیمات اور اسلام کے احکام کی سراسر خلاف ورزی کرتے نظر آتے ہیں۔ آج ہم ایسے لوگوں کو اپنے اردگرد بڑی تعداد میں دیکھتے ہیں جن کے قول و فعل میں بڑا تضاد ہوتا ہے۔

اسلام کی راہ میں اصل میں ایسے ہی لوگ بڑی رکاوٹ ہیں اگر ہم اسلام کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ جن لوگوں نے اس کو اپنایا اور اس کو قبول کیا انھوں نے اسے اپنی زندگی میں اس طرح داخل کر لیا کہ ان کی زندگی سراپا اسلام کی تصویر بن کر رہ گئی۔ وہ اسلام کے چلتے پھرتے نمونہ تھے۔

اسلام کی ابتدا کی تاریخ سے ہم آپ کو حضرت عمرؓ کی زندگی کا ایک واقعہ سناتے ہیں جس سے پتہ چلے گا کہ اسلام ان کے لئے کیا اہمیت رکھتا تھا۔

ذرا مکہ کے اس دور کا تصور کیجئے جب اسلام لانے والوں کو سخت آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑتا تھا۔ گھر والوں کی طرف سے الگ ستایا جاتا تھا۔ قبیلوں کے سردار الگ ظلم و ستم کرتے تھے سماج سے ان کا بائیکاٹ الگ کیا جاتا تھا اس دور میں اسلام لانے والوں پر کیا کیا ظلم کئے جاتے تھے یہ تو بڑی طویل داستان ہے مختصر یہ کہ گرم ریت پر لٹا کر پتھر رکھ دئے جاتے۔ گرم سلاخوں سے داغا جاتا۔ گلے میں رسی باندھ کر آوارہ لڑکوں کے حوالے کر دیا جاتا۔ کمرے میں بند کر کے دھواں کر دیا جاتا۔

ان ظلم و ستم کو وہ لوگ خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتے اور اف نہ کرتے۔

ہجرت کا حکم آیا تو کچھ لوگ ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے۔ پھر جب مدینہ میں امن و امان سے رہنے کا ایک ٹھکانا میسر آگیا تو اللہ کے رسولؐ نے مسلمانوں کو مدینہ ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔

ہجرت بھی لوگ چھپ چھپ کر کرتے کیونکہ مکہ کے سردار یہ کب برداشت کرتے کہ مسلمان کسی سکون کی جگہ قیام کر کے اسلام کے فروغ کی کوشش کریں چنانچہ انہوں نے یہ راستہ بھی بند کرنا چاہا لیکن وہ ایسا نہ کر سکے اور مسلمانوں کی خفیہ ہجرت ہوتی رہی حضرت عمرؓ کو یہ طریقہ پسند نہ آیا۔ ان کی غیرت اور مردانگی نے انھیں للکارا۔ حضرت عمرؓ جب اسلام لائے تھے تو اس وقت تک مسلمان چھپ کر نماز پڑھتے تھے آپ نے نبی کریم (صلعم) سے کہہ کر اعلانیہ نماز پڑھنے کی اجازت چاہی اور اس طرح پہلی بار حرم پاک میں کھل کر نماز ادا کی گئی۔ حضور (صلعم) نے حضرت عمرؓ کی اس بہادری و شجاعت سے متاثر ہو کر آپ کو فاروق اعظم کا خطاب عطا کیا تھا۔

جب حضرت عمرؓ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو آپ نے اپنے بدن پر ہتھیار سجائے اپنے لڑکوں کو ساتھ لیا اور حرم پاک میں آ کر اعلان کیا۔

"میں عمر بن خطاب آج مکہ سے مدینہ کے لئے ہجرت کر رہا ہوں جس کو اپنے بچے یتیم کرانا ہوں یا اپنی بیوی بیوہ کرانی ہو وہ آ کر مجھے ہجرت سے روکے۔"

مکہ کے وہ سردار جو کمزور مسلمانوں پر ظلم و ستم کرنے میں بڑی بہادری کا مظاہرہ کرتے تھے حضرت عمرؓ کی اس للکار سے سہم کر رہ گئے کوئی بھی آپ کو روکنے کے لئے نہیں آیا۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام پر مکمل عمل کرنے اور اللہ پر پوری طرح بھروسہ کرنے سے اسی طرح کی طاقت و ہمت پیدا ہو جاتی ہے۔ کاش ہم اپنے اندر اسی طرح کی ایمانی طاقت پیدا کریں اور اسلام کے اوپر عمل کر کے چلتے پھرتے نمونہ بن جائیں۔

جانبِ منزل

ترتیب : عبدالرحمٰن فلاحی

مہاراشٹر

اورنگ آباد

اورنگ آباد یونٹ کے زیر اہتمام منعقدہ ایک جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے محترم اشفاق احمد صاحب (سابق صدر ایس آئی او) نے فرمایا کہ منشیات کے کثرت استعمال اور فحاشی کی وجہ سے کروڑوں انسان ایڈز جیسی بیماریوں کے شکار ہیں۔ آپ کا احساس تھا کہ مسلم امت داعی کے بجائے مدعو بن کر رہ گئی ہے۔ موصوف نے نوجوانوں کی قوت کا ذکر کرتے ہوئے انھیں مستقبل کا سرچشمہ قرار دیا۔

اورنگ آباد یونٹ کی جانب سے عثمان پورہ میں خطاب عام کے انعقاد کی خبر موصول ہوئی ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ اس اجتماع میں امیر مقامی جناب جاوید مکرم صاحب نے عوام سے خطاب کرتے ہوئے بحیثیت مسلمان سماج میں ان کی ذمہ داریاں یاد دلائیں۔ آپ نے قول و فعل کا عملی نمونہ بننے کے تعلق سے قرآن و حدیث کے شعوری مطالعہ کی طرف توجہ دلائی۔

اورنگ آباد یونٹ کی جانب سے اس سے قبل دولت آباد میں ایک روزہ تفریحی و تربیتی اجتماع کا انعقاد بھی عمل میں آچکا ہے۔ اس اجتماع میں برادر بدر الاسلام، احسن الرحمٰن، محترم عبد القیوم صاحب، محترم اشفاق احمد صاحب مختلف عنوانات کے تحت اظہار خیال کر چکے ہیں۔ نوری محفل کے بچوں نے بھی اس میں غیر معمولی دلچسپی کا مظاہرہ کیا تھا۔

اودگیر

اودگیر ایس آئی او سٹی سرکل نے ایک اجتماع منعقد کیا جس کا آغاز محمد حقانی صاحب کے درس قرآن سے ہوا۔ اس اجتماع میں کی جانے والی بیشتر تقاریر نماز اور اس کے متعلقات سے تعلق رکھتی تھیں۔ برادر ہاشمی سید وسیع احمد، محمد شہباز احمد نے نماز کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ برادر ہاشمی سید مصباح الدین، ڈاکٹر شیخ محمد اصغر، محمد اصغر اور برادر شفیق الرحمٰن نے بھی مختلف عنوانات کے تحت اظہار خیال کیا۔

ناگپور

ایس آئی او ناگپور کی جانب سے چوتھا سالانہ بین المدارس تقریری مقابلہ بعنوان "اسلام کا پیام رحمت انسانیت کے نام" منعقد ہوا۔ مقابلہ میں حامیہ بوائز ہائی اسکول اور شری شیواجی اردو ٹائپ ہائی اسکول کو بالترتیب اول دوم ٹرافیاں دی گئیں۔ نیز برادر یحییٰ جمیل، عبدالمنان اور برادر ابرار عارف انفرادی طور پر ٹرافی حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ انجمن ہائی اسکول کی طالبہ راشدہ جبیں مومن نے مطلوبہ مدت کو پورا کر کے میرٹ ٹرافی حاصل کر لیا۔

دھولیہ

دھولیہ یونٹ کی جانب سے سید یوسف صاحب کی صدارت میں ایک خطاب عام ہوا جس کا آغاز حافظ عبدالحی صاحب کی تلاوتِ کلام پاک سے ہوا۔ تلاوتِ کلام پاک کے بعد برادر محمد عارف نے ایس آئی او کا تعارف کراتے ہوئے طلبہ و نوجوانوں کو اس سے تعاون کی اپیل کی۔ مولانا حبیب الرحمان صاحب نے اپنی تقریر میں ثابت کیا کہ جماعت اسلامی ایک اصولی جماعت ہے جو لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے اٹھی ہے۔ جلسہ کے آخر میں سید یوسف صاحب نے اپنے صدارتی کلمات میں جماعت اسلامی کے متعلق کہا کہ یہ وہی چاہتی ہے جو آپ چاہتے ہیں آپ کا ضمیر چاہتا ہے۔ آپ نے مسلمانوں کے داعیانہ کردار کا ذکر کرتے ہوئے برادران وطن کو اسلام کی دعوت پہونچانے کی تلقین کی۔

ہتھرون

ہتھرون یونٹ کی جانب سے ایک اجتماع کا انعقاد ہوا جس کا آغاز نقیب خان کی تلاوت سے ہوا۔ تلاوت کے بعد حافظ الیاس خان نے امت مسلمہ کی علمی کمزوریوں کا ذکر کرتے ہوئے عصری و دینی علوم حاصل کرنے پر ابھارا۔ طلبہ کی علمی صلاحیت کو پروان چڑھانے کیلئے خالد بن ولید کے نام سے کوچنگ کلاسیز شروع کی گئیں۔ حافظ الیاس صاحب نے خطبہ جمعہ میں لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے اس عزم کا اعادہ کیا کہ ہمیں باطل تحریکوں کا متحد ہو کر مقابلہ کرنا ہے۔

ناندورہ

ناندورہ یونٹ کی جانب سے برادر واحد علی خان صاحب ممبر ZAC حلقہ مہاراشٹر و گجرات کی آمد پر ۱۸ اگست کو ہائی اسکول کالج و ڈی ایڈ کالج کے طلباء کو ٹی پارٹی دی گئی جس میں برادر واحد علی خان صاحب نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تعلیم یافتہ قومیں ہی ترقی کرتی ہیں اس ملک میں مسلمانوں کا تعلیم کے میدان میں آگے بڑھنا بہت ضروری ہے۔ آپ نے دورِ حاضر کے مشکل حالات کی طرف بھی اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں ان حالات کا مقابلہ کرنا چاہیے۔

برادر عبدالرحمان صاحب نے تنظیم کا تعارف کرایا۔ اس موقعہ سے برادر فیروز خان کو جنھوں نے B. Sc. میں امتیازی نمبرات

سے کامیابی حاصل کی ہے یونٹ کی جانب سے انعام دیا گیا۔

اسی یونٹ سے انتخاب کی خبر بھی موصول ہوئی ہے۔ برادر محمد اسحاق کو یونٹ کا صدر منتخب کر لیا گیا ہے۔

دفتر حلقہ کی بمبئی منتقلی

ایس آئی او حلقہ مہاراشٹر و گجرات کا دفتر اب بمبئی منتقل ہو گیا ہے اب خط و کتابت درج ذیل پتہ پر کریں۔

دفتر ایس آئی او حلقہ مہاراشٹر
۴ - بی رحمانیہ بلڈنگ پہلی منزل
۹۶ - ایم اے روڈ مومن پورہ بمبئی ۴۰۰۰۱۱
فون ۳۹۲۹۲۰

بہار

دربھنگہ: جماعت اسلامی اور ایس آئی او دربھنگہ یونٹ کا مشترکہ اجتماع منعقد ہوا۔ صدر مقامی برادر بدرالدین صاحب نے تنظیم کا تعارف کرایا جس میں انھوں نے اس کا مقصد تربیت اور آخرت کی نجات کو قرار دیا۔ محمد حسین صاحب نے اپنے درس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دعوتی مشن کا تذکرہ کرتے ہوئے انھیں ایک عظیم مجاہد قرار دیا۔ برادر مشتاق مدنی نے تنظیم کے مقصد کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارا مقصد طلبہ اور نوجوانوں کو اللہ کی فرمانبرداری اور رسول کی پیروی پر آمادہ کرنا ہے۔

نیز ڈاکٹر وزیر الحق صاحب کی صدارت میں ایک سمپوزیم بعنوان "مذہبی آزادی اور بنیادی حقوق" بھی ہوا۔ محمد فاروق حسین نے درس حدیث میں مومن کی حیثیت کو واضح کیا۔ پروفیسر امتیاز احمد نے "ہندو احیاء پرستی اور اس کی شکلیں" کے عنوان پر اظہار خیال کرتے ہوئے ہندوستان میں ہندو احیاء پرستی کا جائزہ پیش کیا۔ آپ نے مزید کہا سیکولرزم کا لبادہ اوڑھنے والے قومی رہنماؤں میں اچھی خاصی تعداد ہندو احیاء پرستوں کی موجود ہے۔

بتیا: برادر کلیم احمد نے بتیا کی جانب سے میٹرک امتحان میں کامیاب طلبہ کے اعزاز میں منعقدہ علمی مجلس کو خطاب کیا جس میں انھوں نے طلبہ کو قرآن و حدیث کے لیے اوقات فارغ کرنے کی توجہ دلائی۔ صدر مقامی برادر ارشاد عالم نے یہ اشارہ دیا کہ لوگوں میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لئے ہم نوجوانوں کو اہم کردار ادا کرنا ہے۔

یوپی

سہارنپور: "جو لوگ مذہب کو سیاست سے الگ کرنے کی بات کرتے ہیں انھیں مذہب کا صحیح علم نہیں ہے۔ ایک طرف دنیا کا عظیم سربراہ مسٹر گورباچوف اپنی عوام کو مذہب پر عمل کرنے کی چھوٹ دے رہا ہے تو دوسری طرف ہماری پارلیمنٹ مذہب سے سیاست کو الگ کرنے کا بل پاس کر رہی ہے۔" ان خیالات کا اظہار صدر تنظیم برادر علی محمد نقوی نے سہارنپور میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ آپ نے مزید فرمایا کہ صدیوں کے بعد عروج و زوال کے بعد نئے طلبہ اور نوجوان کو میدان میں آنا چاہئے۔

اس سے قبل صدر حلقہ یوپی برادر طارق فلاحی نے اپنی تقریر میں قرآن پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کی تلقین کی۔ آپ نے کہا کہ قرآن مسلمانوں کے عروج و زوال کی علامت ہے۔ جب تک مسلمانوں نے اس پر عمل کیا وہ دنیا کے امام رہے اور جب چھوڑ دیا تو ذلیل و محکوم ہو کر رہ گئے۔

واضح رہے کہ یہ جلسہ صدر تنظیم کی سہارنپور آمد پر ۹ ستمبر کو منعقد کیا گیا تھا جو ان دنوں حلقہ یوپی کے دورے پر تھے۔

میرٹھ: اپنے دورے کے دوران صدر تنظیم ۵ ستمبر کو میرٹھ تشریف لائے۔ جہاں ایک ہزار سے زاید افراد کے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ "آج جب کہ ہم ۲۱ ویں صدی میں داخل ہو رہے ہیں انسانیت میں تفریق ہے۔ پوری دنیا مختلف بلاکوں میں تقسیم ہو چکی ہے اور ایسے مسائل سے دوچار ہے جن کا کوئی حل ان کے پاس نہیں ہے۔ صرف اسلام ہی ایسا نظام رحمت ہے جو تمام مسائل کا حل بتاتا ہے۔"

صدر موصوف نے ملک کی موجودہ صورتحال کا ذمہ دار حکومت وقت کو بتایا۔ نئی تعلیمی پالیسی کی نکتہ چینی کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ اس میں کردار کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی ہے۔ آپ نے طلبہ اور نوجوانوں سے اپیل کی کہ وہ ایس آئی او کے پیغام کو سمجھیں اور اس کا ساتھ دیں۔ اس موقع پر صدر حلقہ برادر طارق فاروق فلاحی نے بھی خطاب کیا۔

دھلی: گزشتہ دنوں برادر جاوید علی صاحب (سابق جنرل سکریٹری) کی نگرانی میں ایس آئی او دہلی کے نئے صدر مقامی کا انتخاب عمل میں آیا۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے طالب علم برادر ایاز احمد اصلاحی کو صدر مقامی منتخب کر لیا گیا۔

راجہ کا تاج پور: ایس آئی او کی مقامی سرکل کی جانب سے ۴ اگست کو خطاب عام ہوا۔ مولانا سراج الدین ندوی نے "سماج کی تشکیل میں نوجوانوں کا حصہ" کے موضوع پر موثر تقریر کی۔ اس کے بعد ایک مشاعرہ ہوا۔

رامپور: رامپور میں ۱۱ جولائی ۹۰ء کو نوری محفل کا قیام عمل میں آ چکا ہے۔ برادر عدنان یوسف کو صدر منتخب کر لیا گیا ہے۔

الہ آباد: الہ آباد سرکل کا نیا انتخاب ہوا جس میں محمد عالم صاحب کو صدر نامزد کیا گیا۔

مغربی بنگال

کلکتہ: C.M.O اسکول کلکتہ میں ایس آئی او کی جانب سے میٹرک اور ہائر سکنڈری میں پاس ہونے والے طلبہ کو استقبالیہ

دیا گیا۔ جس میں تقریباً ۳۰ طلبہ نے شرکت کی۔ صدر و سکریٹری ایس آئی او (مغربی بنگال زون) نے طلبہ کو ان کی کامیابی پر مبارکباد پیش کی اور انھیں ایس آئی او کا تعارف کرایا۔ اسکول کے اساتذہ جو اس پروگرام میں شریک تھے انھوں نے ایس آئی او کی سرگرمیوں کو سراہا اور مبارکباد دی۔ آخر میں تمام طلبہ کو اسلامی لٹریچر اور ایس آئی او کا فولڈر تقسیم کیا گیا۔

کیرلہ

کالی کٹ: کیرلہ زون سے دو ڈسٹرکٹ کنونشن، ایک ایریا کنونشن اور چار تربیتی کیمپ لگائے جانے کی اطلاع موصول ہوئی ہے۔ کئی نئے یونٹس اور سرکلس کے قیام کی خبر بھی ملی ہے۔

ایس آئی او کیرلہ زون نے اپنے ایک بیان میں اس بات پر خوشی کا اظہار کیا ہے اور وزیر اعلیٰ و وزیر تعلیم کو مبارک دی ہے کہ انھوں نے پرائیویٹ طور پر SSLC کا امتحان دینے والے طلبہ کی عمر میں اضافہ کے اعلان کو واپس لے لیا ہے۔ بیان میں کہا گیا ہے کہ حکومت کا یہ ایک دانش مندانہ اقدام ہے۔ واضح رہے کہ عمر میں اس اضافہ کی ایس آئی او اور جی آئی او نے مخالفت کی تھی اور اسے واپس لینے کا مطالبہ کیا تھا۔

کالی کٹ سے موصول شدہ خبروں کے مطابق ایس آئی او نے گذشتہ سال کے مقابلے امسال طلبہ یونین کے انتخابات میں زیادہ سیٹیں حاصل کی ہیں۔ امسال اس نے ۸۰ سیٹیں حاصل کی ہیں۔ اپنے ایک بیان میں صدر حلقہ برادر ٹی۔ عارف نے ایس آئی او کے کارکنوں کو اس کامیابی پر مبارکباد دی ہے اور طلبہ کا شکریہ ادا کیا ہے کہ انھوں نے ایس آئی او کی حمایت کی۔

ایرنٹو پیٹا: ایس آئی او کی اس یونٹ نے ۱۵۰۰ روپے کی ابتدائی رقم سے بلا سودی قرض اسکیم شروع کی ہے۔ برادر وی۔ کے۔ شریف الدین اور برادر کے۔ پی۔ بشیر کو اس اسکیم کا انچارج بنایا گیا ہے۔

بقیہ: جامعہ ملیہ اسلامیہ

قانونی شق کسی یونیورسٹی میں ابھی تک شامل نہیں ہے۔ دراصل یہ شق Hospital and Other Institutions Bill سے مستعار ہے جس پر متعلقہ حلقوں کی طرف سے کافی عدمِ اطمینان کا اظہار پہلے ہی آچکا ہے۔

۶۔ یونیورسٹی کے اختیارات Authorities والے ادارے ۱۔ کورٹ ۲۔ مجلس منتظمہ ۳۔ مجلس تعلیمی ۴۔ مجلس مالیات ۵۔ فیکلٹیز اور ۶۔ پلاننگ بورڈ ہیں۔ ان سب میں انتخاب کے ذریعہ نمائندگی کے معروف جمہوری طریقے سے حکومت نے اساتذہ اور کارکنان کو محروم رکھا ہے۔ طلباء اور عام غیر تدریسی عملہ کا ذکر ہی کیا۔ نامزدگی کے ذریعہ ہی کچھ اساتذہ وہاں جگہ پاسکیں گے۔ جامعہ کے اسکولوں کے اساتذہ تو اپنے اسکول کے انتظامی بورڈ میں اس طریقہ نامزدگی سے بھی محروم کر دیئے گئے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جامعہ ملیہ اسلامیہ بل ۱۹۸۸ء میں مقاصد کے ساتھ Structure کی بھی ایسی خامیاں موجود ہیں جن میں تبدیلی نہ ہونے کی صورت میں خدانخواستہ وہ خدشات صحیح ثابت ہو جائیں جن کا اظہار مولانا محمود الحسنؒ شیخ الہند نے جامعہ کے افتتاح کے موقع پر اکتوبر ۱۹۲۰ء میں کیا تھا۔ "مسلمانوں کی تعلیم تمام باہری اثرات سے آزاد ہو کر مسلمانوں کے ہاتھ میں ہونی چاہیئے۔ تاکہ ہمارے نظریات، عقائد اخلاق اور اعمال و کردار بُرے اثرات سے بچے رہیں۔ ہمیں اپنے کالجوں سے سستے غلام نہیں پیدا کرنا ہے۔"

Edited, Printed and Published by MUNAWWER HUSSAIN on behalf of S I.O of India, 230, Abul Fazal Enclave, Okhla, New Delhi - 110 025. Printed at Bharat offset press, Delhi-6, for Jamal Printing Press, Delhi-6

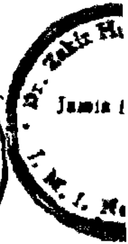
RAFEEQUE-E-MANZIL
230, Abul Fazal Enclave
OKHLA, New Delhi - 110025
OCTOBER 1988

Vol 1. No 11
R N I. No 47227/87
Regd No D(SE)90
Lic No U(SE) 23
To Post without prepayment

اس گروہ

میں سے اوّل حق کی طرف وہ لوگ سبقت کرتے ہیں جو جوان عمر اور جوان ہمّت ہوتے ہیں۔ حضرت موسیٰ کے متعلق قرآن میں تصریح ہے کہ ان کی دعوت پر سب سے پہلے ان کی قوم کے کچھ نوجوان ایمان لائے۔ کم و بیش یہی صورت آنحضرت صلعم کی دعوت میں بھی پیش آئی۔ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ابتدائی دور میں جو لوگ ایمان لائے ان میں زیادہ تر نوجوان ہی تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نوجوانوں کے خون میں حرارت اور ان کے اخلاق میں قوت ہوتی ہے۔ ان کی حمیت وغیرت کچھ تو طبعاً بیدار ہوتی ہے کچھ آسانی سے بیدار کی جا سکتی ہے۔ یہ مخالفتوں سے بہت کم مرعوب ہوتے ہیں اور مصلحتوں کو بہت کم خاطر میں لاتے ہیں۔ یہ جب کسی بات کا حق ہونا محسوس کر لیتے ہیں تو انھیں اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی کہ اس کے قبول کر لینے کے بعد انھیں کن جانی و مالی مصائب سے دوچار ہونا پڑے گا؟ وہ ان ساری باتوں سے بالکل بے پروا ہو کر اس کو قبول کرتے ہیں اور مصائب کی تلخی ان کے جوش کو سرد کرنے کے بجائے اور زیادہ تیز کرتی ہے۔)

رفیق منزل



دہلی

یہ مال و دولتِ دنیا، یہ رشتہ و پیوند
بتانِ وہم و گماں! لاالٰہ الا اللہ

نعت شریف

عزیز الدین عزیزؔ
(بیلگام، کرناٹک)

مصطفیٰ کا اسوۂ حسنہ مثالی ہے
کہ آقا نے عدل و قسط کی بنیاد ڈالی ہے
تمہاری خدمتِ اقدس میں درد انگیز نالے ہیں
زبانِ قلبِ بسمل اے نبیؐ اب کھلنے والی ہے
وہ امّت جس کے ذمّہ رہنمائی تھی زمانے کی
وہی اب غیروں کی دہلیز کے آگے سوالی ہے
قدم اس قوم کا ہو انقلابی کیسے ممکن ہے
کہ جس کے نوجوانوں کی طبیعت لاابالی ہے
بظاہر پارسائی سجدہ ریزی، شب گذاری ہے
مئے توحید سے پیمانۂ دل خالی خالی ہے
خطا سے درگذر کیجیے، ادھوری نعت ہے آقا
کہ میں نے نعت کے پردے میں خود بیتی سنائی ہے
میری حکمت بھری باتوں پہ دنیا داد دیتی ہے
مگر یہ تو تمہارے در ہی کا فیضِ عالی ہے
عزیزؔ اب ان کی گلیوں میں گذر اوقات کر لیں گے
یہ حسرت زندگی بھر ہم نے اپنے دل میں پالی ہے

محافظینِ شریعت کے نام

مولانا ابوالاعظم قاسمی

میرے عزیزو وفاشعارو، خدا کے بندو، خدا کے پیارو
رسول اکرمؐ کے جاں نثارو قلمرو دیں کے تاجدارو

تمہیں سے ہمت جواں ہماری، تمہیں سے ہے شادماں ہماری
خدا کا سایہ تمہارے اوپر، تمہارے اوپر ہے فضل باری

تمہیں سے امّت کا کام ہوگا، تمہیں سے ملّت کا نام ہوگا
تمہیں شریعت کے ہو محافظ، تمہارا نعرہ ہی عام ہوگا

یہ گرم جوشی، یہ رزم کوشی، یہ حق گذاری، یہ جاں سپاری
کوئی تنزلزل، نہ کچھ تذبذب، نہ دل میں دہشت، نہ خوف طاری

بڑھا قدم جو مجاہدانہ، نہ گرد دیکھا، نہ پیش جانا
ہو راہِ عشقِ نبیؐ کے رہرو، تمہارے جذبات والہانہ

تمہارا خوں رائیگاں نہیں ہے، تمہارا چہرہ کہاں نہیں ہے
فضا دعاؤں سے گونج اٹھی، اثر سے خالی جہاں نہیں ہے

یہ عزم محکم، یہ سعیِ پیہم، جہاں میں سرخرو کرے گی
تمہارا ہی ہوگا بول بالا، عدو کو بے آبرو کرے گی

یہ سرخ قطرے بنیں گے شعلہ، یہ گرم آہیں دھواں بنیں گی
قدم جو اب بھی نہیں رکا تو یہ آہیں پھر بجلیاں بنیں گی

یہ بجلیاں جگ کو پھونک دیں گی، یہ شعلے سب کو بھسم کریں گے
جنھیں شریعت ہے سب سے پیاری کبھی نہ گردن کو خم کریں گے

دعا ہے یہ قاسمی کی ہر دم، خدا تمہیں کامیاب رکھے
رہِ طلب کی صعوبتوں میں تمہارا جوشِ شباب رکھے

غزل

مجاہد لکھیم پوری

کسی کو آسکا اے دل یقیں بھی
بشر انساں بھی ہے، انساں نہیں بھی

شکستِ دل سے ہے اندوہگیں بھی
یہی ہے عشق کی، فتح مبیں بھی

ترے ذوقِ نظر پر منحصر ہے
وہ بے پردہ بھی ہے، پردہ نشیں بھی

بظاہر، زندگی ہے شعرِ مہمل
جو سوچو، تو ہے معنی آفریں بھی

کرو گے چاند پر کیا جا کے یارو!
نہ سنبھلا تم سے تو کارِ زمیں بھی

یہ بازارِ جہاں ہے، ہم نے دیکھے
یہاں بکتے ہوئے ایماں و دیں بھی

مسیحائی کا بھی دعویٰ ہے ان کو
لہو سے تر ہے، ہے تیغ و آستیں بھی

مجاہدؔ، جب نہ ہو دشتِ عمل میں
نہ کام آئے گی شمشیرِ یقیں بھی

رباعیات

کلیم ضیاء، جوگیشوری

سورج کی تمازت کو جِلا بخشی ہے
کرنوں کی صداقت کو صدا بخشی ہے
یہ اشرفِ مخلوق کو سوغات ملی
انساں کی فطرت کو دغا بخشی ہے

مظلوم نے ظالم کی خطا بخشی ہے
بیمار نے شافی کو شفا بخشی ہے
پتھر میں صدف اور صدف میں موتی
تقدیر نے مفلس کو جفا بخشی ہے

ہر نفس کو فطرت ہی جدا بخشی ہے
مردے کو بھی زندے کی ردا بخشی ہے
ناشکری میں انسان نے رتبہ کھویا
بچے کو شکم میں بھی غذا بخشی ہے

ہر رات کو تاروں کی ردا بخشی ہے
ہر صبح کو سورج کی ضیا بخشی ہے
دریاؤں سے موتی بھی نکالے انساں نے
انسان کے فکر کو رسا بخشی ہے

غزل

فہیم ناؔدر (دربھنگہ)

اٹھ! مسیحائی تری درکار ہے
زندگی پھر کرب سے دوچار ہے

دوستی کا جو سدا قائل رہا
دوستوں سے اب وہی بیزار ہے

اپنے گرد و پیش سے رہ باخبر
ہر طرف آزار ہی آزار ہے

مصلحت کو میں نے رد کر بھی دیا
وہ مگر اب تک پسِ دیوار ہے

اس کا کہنا کس قدر آسان تھا
میرا کرنا کس قدر دشوار ہے

خودکشی کرنے سے پہلے سوچ لو
یہ تمہاری جیت ہے یا ہار ہے

کوئی ناؔدر اب تمہارے شہر میں
امن و الفت کا علم بردار ہے

ماہنامہ

رفیقِ منزل

دھلی

جلد ۱۰   نومبر ۱۹۸۸ء - ربیع الاول ۱۴۰۹ھ   شمارہ ۱۱

نقوشِ منزل

مدیرِ اعزازی

منور حسین فلاحی

منیجر: جاوید اختر

شرحِ خریداری

فی پرچہ	۲ روپے ۵۰ پیسے
ششماہی	۱۵ روپے
سالانہ	۲۵ روپے
غیر ممالک سے	۱۵۰ روپے

انتظامی امور میں مراسلت کا پتہ

Manager
RAFEEQUE-E-MANZIL
230, Abul Fazal Enclave
OKHLA, New Delhi - 110025

ڈرافٹ پر صرف اتنا لکھیں
RAFEEQUE-E-MANZIL

فون نمبر ------ 684 6530

ادارتی امور سے متعلق خط و کتابت کا پتہ:
منور حسین فلاحی
۱۴۹، ایس۔ ایس۔ ہال (نارتھ)
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عصر حاضر کی اسلامی تحریکوں نے اسلام کا تعارف بحیثیت نظام زندگی کے جس موثر طریقے پر کرایا، مختلف روایتی حلقوں اور ارباب سیاست کی طرف سے اس کی مخالفت بھی اسی انداز سے ہوئی۔ جب یہ بات کہی گئی کہ اسلام جس طرح انفرادی زندگی کا دین ہے اسی طرح وہ اجتماعی مسائل میں بھی رہنمائی کرتا ہے تو سیاست کے ایوانوں سے یہ بات سننے کو ملی کہ یہ مذہب و سیاست کی یکجائی کی آواز بڑی خطرناک ہے۔ مذہب کو سیاست میں شامل کرنا درست نہیں، مذہب کے تقدس کو سیاست کی آلودگیوں سے محفوظ رکھنا چاہئے۔ سیاست سیاستدانوں کا کام ہے اور مذہب مذہبی رہنماؤں کا۔ مذہبی مقاصد کے لئے سیاست کو استعمال کرنا یا سیاسی مقاصد کے لئے مذہب کو استعمال کرنا صحیح نہیں۔ عوام الناس کا سادہ لوح طبقہ بھی اس رو میں عملاً شامل ہو گیا۔ تحریکوں نے جب یہ بات کہی کہ اسلام ہمارا غالب ہونے کے لئے آیا ہے، اسے محکومیت کی زندگی پسند نہیں، تو سیاسی حلقوں کی طرح روایتی حلقوں سے بھی اس تصور کی مخالفت مختلف انداز سے ہوئی۔ کبھی یہ کہا گیا کہ یہ مذہب کے نام پر اقتدار کے حصول کی مذموم خواہش ہے تو کبھی یہ کہ یہ ایک ناقابل عمل مقصد ہے جو سہانے خواب کی حیثیت رکھتا ہے یا یہ کہ اسلام کے بارے میں فی نفسہ یہ تصور ہی غلط ہے۔ اس طرح کے رد عمل کا بھی عوامی حلقوں میں ایک اثر پایا گیا چنانچہ ان دو مخالف محاذوں کی مشترک کوششوں سے اسلامی تحریکوں کی راہ بڑی حد تک روکنے میں کامیابی حاصل کر لی گئی۔

ایک طرف ایسی تعارفی کوششوں کے نتیجے میں باشعور مسلمانوں کا ایک قابل لحاظ طبقہ نہ صرف یہ کہ اسلام کے اس تصور سے ہم آہنگ ہوا بلکہ اسلام کی فوقیت و برتری اس کے دل کی تمنا بن گئی اور بات یہاں تک پہنچی کہ حکومت کے ایوانوں سے اسلام اور سماجی انصاف اور اسلامی نظام کے نفاذ کی باتیں کی جانے لگیں۔ ہمیں اس سے غرض نہیں کہ اخلاص کہاں پایا گیا اور کہاں ان کو اقتدار کی برقراری کے لئے استعمال کیا گیا تاہم عصر حاضر کی تحریکوں کی بدولت وہ منزل بھی آئی جو موہوم یا ممکن الحصول اور ایک سہانے خواب کی حیثیت رکھتی تھی اور ہمیں ان غلط بیانیوں اور غلط فہمیوں کا ازالہ ہوتا بھی نظر آیا کہ اسلام اجتماعی امور سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا، مذہب اور سیاست کا کوئی تعلق نہیں ہے وغیرہ وغیرہ۔ ہماری تاریخ نے یہ بھی دیکھا کہ ان تصورات کی ترجمانی الفاظ کا جامہ بدل کر ان روایتی حلقوں سے بھی ہوئی جن کے نزدیک وہ درست نہیں تھے۔ ایسا شاید اس لئے ہوا کہ ان کی روایتی ترجمانی میں عوام الناس کے لئے کوئی جاذبیت باقی نہیں تھی اور اس سے بھی کہ صحیح بات کو زیادہ دنوں تک رد نہیں کیا جا سکتا۔ اس مقام پر یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی کی ہے کہ اسلام کی عصری ترجمانی کوئی نئی چیز نہیں تھی، ہر دور میں مستند علماء کے یہی تصورات رہے ہیں۔ چنانچہ ماضی قریب کی تاریخ میں ایک بلند پایہ عالم دین حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ نے بہت زوردار طریقے سے یہ ترجمانی فرمائی ہے یہ الگ بات ہے کہ ہماری ناواقفیت اور قلت فہم نے عجیب عجیب گل کھلائے ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اپنی معاصرانہ چشمکوں اور فروعی اختلافات نے ہماری کامیابی کی راہ کس قدر کھوٹی کی ہے؟ اور کب تک ہم اپنی کوتاہ نظریوں اور قلبی تنگیوں کی بدولت ذلتوں اور ناکامیوں کو سینے سے لگائے رکھنے کا حوصلہ رکھتے ہیں؟

مکارم اخلاق

ادراک ونظر

جناب مولانا فاروق خاں
دہلی

اخلاص

عَنْ عمر بن خَطَّابؓ قال: سَمِعْتُ النَّبِی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: الاَعْمَالُ بِالنِّیَّۃِ فَمَنْ کَانَتْ هِجْرَتُہٗ اِلٰی دُنْیَا یُصِیْبُھَا اَوِ امْرَاَۃٍ یَتَزَوَّجُھَا فَھِجْرَتُہٗ اِلٰی مَا ھَاجَرَ اِلَیْہِ وَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

——— بخاری

حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ "اعمال کا دار ومدار نیت پر ہے[1] پس جب کسی کی ہجرت دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے شادی کرنے کی غرض سے ہوگی تو اس کی ہجرت اسی کے لئے ہے جس کے لئے اس نے ہجرت کی۔ اور جس کسی شخص نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر ہجرت کی تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے۔[2]

[1] بخاری ہی کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: انما الاعمال بالنیۃ (اعمال کا دار ومدار تو بس نیت پر ہے) مفہوم کے لحاظ سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

[2] یہ ایک اہم حدیث ہے جس میں ایک نہایت بنیادی بات واضح الفاظ میں بیان ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کے آغاز میں اس حدیث کو رکھا ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے اپنی کتاب میں اس حدیث کو سات مقامات پر نقل کیا ہے، جس سے اس حدیث کی افادیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ اس حدیث کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اسے تین تابعی (یحیی، محمد اور علقمہ) ایک دوسرے سے نقل کرتے ہیں۔

امام شافعیؒ کا قول ہے کہ یہ حدیث اسلام کا ثلث ہے۔ یعنی اسلامی تعلیمات کے ایک تہائی حصے کو اس حدیث نے اپنے اندر لے رکھا ہے۔ بعض دوسرے بزرگوں نے اسے ربع اسلام قرار دیا ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اس حدیث کو فقہ کے ستر ابواب میں دخل حاصل ہے۔ یہ اس حدیث کی جامعیت کا بین ثبوت ہے،

غلط ارادے سے یا بے ہوشی اور بے خبری کی حالت میں آدمی جو کچھ کرتا ہے اس سے اس کی ترقی نہیں ہوتی۔ اخلاقی وروحانی ارتقا کے لئے ضروری ہے کہ اعمال کا صدور شعور کی سطح پر ہو۔ آدمی اگر اعلیٰ وارفع چیزوں کے مقابلہ میں چھوٹی اور حقیر چیزوں کو اپنا مقصد قرار دے کر زندگی کے میدان میں قدم رکھتا ہے تو وہ کبھی بھی اعلیٰ مقام تک نہیں پہنچ سکتا. اور اس صورت حال کا وہ خود ذمہ دار ہوتا ہے۔ اعلیٰ مقام کے حصول کا انحصار تو اس کے اپنے فیصلے اور ارادے پر ہے۔ آدمی کے کسی عمل کے پیچھے اگر اصل محرک خدا اور اس کے رسولؐ کے حکم کی تعمیل ہے تو یقیناً یہ اعلیٰ مقام کی طرف اس کی ایک پیش قدمی ہے۔ زندگی کے اعلیٰ مقاصد سے اس کی نگاہ بے گانہ نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام وارشادات ہی سے ہمیں اپنی اصل فلاح وکامرانی کا علم حاصل ہوتا ہے۔ خدا ورسولؐ کے حکم کی تعمیل میں نہ صرف یہ کہ ہماری زندگی، زندگی کے اعلیٰ مفہوم ومقاصد سے ہم آہنگ ہوجاتی ہے بلکہ ان مقاصد کے حصول کا ذریعہ بھی خدا اور رسولؐ کی اطاعت ہی ہے۔

یہ حدیث ہمیں متنبہ کرتی ہے کہ ہم اپنے طرز عمل میں ہمیشہ اپنے ارادوں اور نیتوں کا جائزہ لیتے رہیں۔ تاکہ کسی وقت بھی ہماری زندگی حقیقت سے بے گانہ ہوکر نہ رہے۔

وَعَنْ ابن عَبَّاس رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا عَنِ النَّبِی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْمَا یَرْوِیْ عَنْ رَبِّہٖ عَزَّوَجَلَّ قَالَ: اِنَّ اللّٰہَ کَتَبَ الْحَسَنَاتِ وَالسَّیِّاٰتِ ثُمَّ بَیَّنَ ذٰلِکَ فَمَنْ ھَمَّ بِحَسَنَۃٍ فَلَمْ یَعْمَلْھَا کَتَبَھَا اللّٰہُ لَہٗ عِنْدَہٗ حَسَنَۃً کَامِلَۃً فَاِنْ ھُوَ ھَمَّ بِھَا فَعَمِلَھَا کَتَبَھَا اللّٰہُ لَہٗ عِنْدَہٗ عَشْرَ حَسَنَاتٍ اِلٰی سَبْعِمِائَۃِ ضِعْفٍ اِلٰی اَضْعَافٍ کَثِیْرَۃٍ وَمَنْ ھَمَّ بِسَیِّئَۃٍ فَلَمْ یَعْمَلْھَا کَتَبَھَا اللّٰہُ لَہٗ عِنْدَہٗ حَسَنَۃً کَامِلَۃً فَاِنْ ھُوَ ھَمَّ بِھَا فَعَمِلَھَا کَتَبَھَا اللّٰہُ لَہٗ سَیِّئَۃً وَّاحِدَۃً

——— بخاری

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ اپنے رب عزوجل کے متعلق بتاتے ہیں کہ اللہ نے نیکیاں اور برائیاں لکھ دی ہیں پھر اسے واضح کر دیا ہے[3] چنانچہ جس شخص نے کسی نیکی کا ارادہ کیا اور اس پر عمل نہیں کیا تو اللہ اس کے لئے اپنے پاس ایک پوری نیکی لکھ دیتا ہے۔ اور اگر اس نے ارادہ کرکے اس پر عمل بھی کرلیا تو اللہ اس کے لئے اپنے پاس دس نیکیوں سے لے کر سات سو گنا تک لکھ لیتا ہے۔ اس کے برخلاف جس نے کسی برائی کا ارادہ کیا اور وہ اس کا مرتکب نہیں ہوا تو اللہ اس کے لئے اپنے پاس پوری ایک نیکی لکھ دیتا ہے اور اگر وہ اس کا ارادہ کرکے اس کا مرتکب بھی ہوگیا تو اللہ اس کے حق میں محض ایک برائی لکھتا ہے۔[4]

ہے۔ نیکی کیا ہے؟ اور بُرائی کسے کہتے ہیں؟ یہ کوئی معمّہ نہیں ہے۔ خدا کے یہاں یہ چیز مبہم یا غیر متعین نہیں ہے۔ دائمی قدروں سے جو چیزیں مناسبت رکھتی ہیں حقیقت کی نگاہ میں وہی نیکی ہے برائی وہ ہے جس کا مستقل اور اعلیٰ اقدار سے کوئی تعلق نہ ہو۔ یہ خدا کی رحمت ہے کہ اس نے بالتفصیل بتا بھی دیا ہے کہ کون سے افعال و اعمال دائمی اور اعلیٰ اقدار سے تعلق رکھتے ہیں اور کون سے افعال و اعمال ایسے ہیں جو دائمی و آفاقی قدروں سے متصادم ہیں۔

ﷺ یہ حدیث بتاتی ہے کہ خدا کی رحمت اس کے غضب سے بڑھی ہوئی ہے قرآن میں بھی ہے، قَالَ عَذَابِیْٓ اُصِیْبُ بِہٖ مَنْ اَشَآءُ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ (الاعراف: ۱۵۶) "فرمایا، اپنے عذاب میں تو میں اسی کو مبتلا کرتا ہوں جسے چاہتا ہوں اور میری رحمت تو ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے" خدا کے یہاں ظلم و بے انصافی نہیں پائی جاتی۔ وہ فیاض اور کریم ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کی فیاضی اور کریمی اندھے کی بانٹ نہیں ہے۔ نیکی اگر نیکی ہے خواہ وہ بظاہر کتنی ہی چھوٹی اور معمولی کیوں نہ ہو خدا اسے ضائع نہیں ہونے دیتا۔ وہ نیکی بھی آدمی کے کسی نہ کسی کردار و اخلاق کی مظہر ہوتی ہے۔

وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ، ضَمَّنِی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلٰی صَدْرِہٖ وَقَالَ: اَللّٰھُمَّ عَلِّمْہُ الْحِکْمَۃَ ——— بخاری

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے سینے سے لگایا اور فرمایا: اے اللہ، اسے حکمت عطا فرما۔"

حکمت کیا ہے؟ اس کے بارے میں اسلاف کے مختلف اقوال پائے جاتے ہیں اور جو دراصل حکمت ہی کے کسی نہ کسی پہلو کی وضاحت کرتے ہیں اپنی اصل کے لحاظ سے حکمت ایک ایسی روشنی، بصیرت یا کیفیت ہے جس سے حسن و قبیح یا خیر و شر دونوں ہی پہلو اجاگر ہو جاتے ہیں۔ حکمت کوئی اکتسابی چیز نہیں ہوتی۔ یہ ادراک و بصیرت یکسر توفیقِ ربانی ہوتی ہے۔ یہ حقیقت میں ایک طرح کا الہامی ادراک ہے۔ اس کی کیفیت بالکل ایسی ہوتی ہے جیسے آدمی کسی لذیذ شے کو چکھے اور اس کی لذت کو اپنی نازک ترین حسیات سے پہچانے اور اس سے پورے طور پر لذت اندوز ہو۔ مالک اور ابو رزین کے قول سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ حکمت تفقہ فی الدین (دین میں گہری سمجھ) اور اس وجدان کا نام ہے جس کو طمانیت اور نورِ ربانی کہا جا سکتا ہے۔ اس حکمت کا ظہور جب آدمی کے اقوال، اعمال اور اس کے علمی دائرے میں بھی ہوتا ہے تو اسے مختلف ناموں سے موسوم کرتے ہیں۔ مثلاً وعظ و نصیحت، شکر، سخاوت، عدل، حلم، پاکبازی وغیرہ۔ مثال کے طور پر دیکھیں، قرآن کی سورہ لقمان میں ہے: وَلَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِکْمَۃَ اَنِ اشْکُرْ لِلّٰہِ (لقمان: ۱۲) "اور ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی تھی کہ خدا کا شکر گزار ہو" اس سورہ میں آگے اس شکر و حکمت کے تحت توحید، ایمان بالآخرۃ، نماز، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، مصائب میں صبر، تکبر اور لوگوں سے بے رخی اختیار کرنے سے اجتناب، چال اور رفتار میں میانہ روی اور گفتگو میں پست آواز، ان دس امور کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ جن میں سے دو کا تعلق عقائد سے ہے۔ باقی آٹھ امور میں سے چار عزائم اور مصائب میں صبر و استقلال سے کام لینے سے متعلق ہیں۔ اور باقی چار کا تعلق اخلاق سے ہے۔ دراصل شکر ایمان کی اساس اور حکمت کا خاص مظہر ہے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ حکمت پوری زندگی میں حکمراں ہوتی ہے۔ قرآن کا یہ ارشاد کس درجہ حقیقت پر مبنی ہے وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا (البقرہ: ۲۶۹) "اور جس کسی کو حکمت عطا ہوئی اُسے تو خیر کثیر ہاتھ آ گیا۔" اس سے بڑھ کر کوئی دوسری دولت نہیں ہو سکتی۔

عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّؓ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الْقِتَالِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَقَالَ الرَّجُلُ یُقَاتِلُ غَضَبًا وَیُقَاتِلُ حَمِیَّۃً قَالَ فَرَفَعَ رَاْسَہٗ اِلَیْہِ وَمَا رَفَعَ رَاْسَہٗ اِلَیْہِ اِلَّا اَنَّہٗ کَانَ قَائِمًا فَقَالَ مَنْ قَاتَلَ لِتَکُوْنَ کَلِمَۃُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَا فَھُوَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ——— مُسْلِمٌ

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے راہِ خدا میں جنگ کے بارے میں دریافت کیا۔ کہا کہ آدمی غصہ میں لڑتا ہے اور حمیت قومی کی وجہ سے (یا حمیت جاہلیت کے سبب) جنگ کرتا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ آپؐ نے اپنا سر اٹھایا۔ یہ اس لئے کہ وہ شخص کھڑا تھا (اور آپ بیٹھے ہوئے تھے) پھر آپؐ نے فرمایا: جو شخص اس لئے لڑے کہ خدا ہی کا بول اونچا رہے تو وہ جنگ راہ خدا میں ہے۔"

نیت کی درستی اور اخلاص کی اہمیت کے علاوہ یہ حدیث اس بات کی بھی شاہد ہے کہ اسلام میں جنگ یا قتال کا مقصد کس قدر پاک اور بلند ہے۔ ذاتی بغض و عناد اور قومی یا جاہلی حمیت و تعصب جیسی چیزیں اسلام میں ہرگز جنگ کے لئے جواز فراہم نہیں کرتیں۔ اسلام میں جنگ کی اصل غرض و غایت کلمۂ حق کی سربلندی اور نظامِ عدل کا قیام ہے۔ جس جنگ کا حاصل ظلم و فساد ہو اس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰیؓ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰہِ اَحَبَّ اللّٰہُ لِقَاءَہٗ وَمَنْ کَرِہَ لِقَاءَ اللّٰہِ کَرِہَ اللّٰہُ لِقَاءَہٗ ——— بخاری

حضرت ابوموسیٰؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا" جو کوئی اللہ سے ملنے کو پسند کرتا ہے تو اللہ بھی اس سے ملنے کو پسند فرماتا ہے۔ اور جو شخص اللہ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے تو اللہ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔"

اپنے رب سے ملاقات ہو یہ مومن کے دل کی اصل مراد ہے۔ یہی خواہش اور امید اس کے دل کو زندہ رکھتی اور اسے ہر قسم کی تاریکیوں سے دور رکھتی ہے، جو خدا سے ملنے کا آرزومند ہو اس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ اپنے دل میں کسی ایسی چیز کو جگہ دے گا جو قابلِ نفرت ہو۔ پسند اور ناپسند کا تعلق درحقیقت آدمی کے اپنے دل سے ہوتا ہے۔ اگر خدا سے ملاقات کی چاہ اور رغبت اس کے اندر نہیں پائی جاتی تو خدا کی ذات تو بے نیاز ہے خدا کو کیا پڑی ہے کہ وہ ایسے قدر ناشناس کا قدرداں ہو۔

خرم مراد سے ایک انٹرویو

جناب خرم (جاہ) مراد اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان کے ناظمِ اعلیٰ (۵۲ - ۱۹۵۱ء) رہے ہیں۔ آپ جماعت اسلامی پاکستان کی مرکزی مجلس شوریٰ اور مرکزی پارلیمانی بورڈ کے رکن بھی رہے۔ ۱۹۷۶ء میں اسلامک فاؤنڈیشن (انگلینڈ) سے بطور ڈائریکٹر جنرل وابستگی اختیار کی۔ ۱۹۸۶ء میں اس ذمہ داری سے سبکدوش ہو کر لاہور (پاکستان) تشریف لائے اور یہیں قیام پذیر ہیں۔ خرم مراد صاحب متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ "تحریک اسلامی میں کارکنوں کے باہمی تعلقات" آپ کی مشہور کتاب ہے ——————— (ادارہ)

سوال: بعض اوقات جمعیت کے کام میں، دعوت و توسیع اور تربیت و استحکام میں، عدم توازن کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ کیا آپ کو بھی اس مسئلہ کا سامنا کرنا پڑا؟ آپ نے کیا حل سوچا؟

جواب: دعوت و توسیع اور تربیت و استحکام کے درمیان توازن کا مسئلہ نظری طور پر زیرِ بحث تو آیا ہوگا۔ لیکن اس پورے دور میں عملاً ہم کو یہ مشکل کبھی پیش نہ آئی۔ ہمیں اس بات میں کوئی شک نہ تھا کہ ہمارا سب سے اہم کام توسیعِ دعوت ہے اور بنیادی طور پر ہم ایک دعوتی تحریک ہیں۔ تربیت ناگزیر ہے لیکن تربیت خود دعوت کا ایک مؤثر ذریعہ ہے اور دعوت تربیت کا سب سے زیادہ کامیاب میدان ہے۔ اس اصول اور ان تصورات کے تحت ۴۹ سے ۵۲ تک کا دور ایسا تھا کہ بڑی تیزی سے ہماری دعوت پھیلی۔ کثرت سے نئے افراد آئے اور ہمارے برادرانہ ماحول اور تربیتی نظام نے ان کو اچھی طرح جذب کیا۔ ہم انسان تھے اور خامیوں سے لبریز۔ لیکن میں اب بھی جب پلٹ کر اس دور میں دعوت و تربیت کے کام پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے کوئی ندامت و حسرت محسوس نہیں ہوتی۔

میں اس مسئلہ کے وجود یا اس کی اہمیت کا انکار نہیں کرتا۔ لیکن اب کافی طویل تجربہ کے بعد میری رائے یہ ہے کہ یہ مسئلہ اسی وقت زیادہ شدت سے پیدا ہوتا ہے اور سنگین ہو جاتا ہے جب توسیع دعوت کا بہاؤ رکنے لگے۔ پانی ٹھہرنے لگے، گدلا ہونے لگے تو ہم بجائے اس کے کہ توسیع دعوت کے کام کو تیز تر کریں۔ اس کو مزید روک کر تربیت کی طرف توجہ کرتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دونوں ہی ہاتھ سے جاتے ہیں۔ ہماری تو ساری تحریک اس نوعیت کی ہے کہ ہم کو مسلسل ہمہ تن دعوت میں لگا رہنا چاہیئے۔ اس کے ساتھ تربیت کے سارے ممکنہ ذرائع اختیار کرنے چاہئیں۔ ان شاء اللہ، انسان کی خامیوں کی حدود میں دونوں ہی کام آگے بڑھیں گے۔ ہاں تنظیمی کام برائے تنظیمی کام اکثر دعوت و تربیت دونوں کی راہ میں رکاوٹ بن جاتے ہیں اور وہ ایک الگ مسئلہ ہے۔

سوال: آپ کے دور میں دعوت کے ذرائع کیا ہوتے تھے؟ اس سلسلے میں سب سے مؤثر ہتھیار آپ نے کسے پایا؟

جواب: دعوت کی ایک سطح تو یہ ہے کہ عام لوگ بھر کر دعوت کی طرف آنے لگیں عمومی اثر و نفوذ بڑھے۔ گویا ماحول و افراد دعوت کے ساتھ آجائیں خواہ افراد دعوت کے معیار کے مطابق تیار ہوں یا نہ ہوں۔ یہ سطح بہت اہم ہے اور اس پہلو سے یقیناً ہمارے دور میں کوئی اہم پیش قدمی نہ ہوئی۔

ایک دوسری سطح یہ ہے کہ افراد کی بڑھتی ہوئی تعداد دعوت سے متاثر ہو۔ روز نئے نئے لوگ اس کے دائرہ میں داخل ہوں ایسے لوگ جو اس کو اپنا مقصدِ زندگی قرار دیں۔ اور دعوت ان کو جذب کر لے اور وہ دعوت میں جذب ہو جائیں۔ اس پہلو سے میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے دور میں خاصی نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ ہمارے ذرائع وہی سیدھے سادے عام ذرائع تھے۔ جن کو "اسٹینڈرڈ ذرائع" کہا جا سکتا ہے۔ اولاً انفرادی روابط اور آگے بڑھ کر ملاقاتیں یا مچھلیوں کے بجائے "آدمیوں کا شکار کرنا" تھا۔ ان کو ایسے ماحول سے روشناس کرانا جس میں وہ محبت کی چاشنی، اخوت کا ذائقہ، یگانگت کی کشش اور روحانیت کا جذب پائیں۔ جہاں ان کی شخصیت تعلقات کے ایسے نظام کا جزو بن جائے جو اس کو نکھار دے، سنوار دے، اُجال دے اور خود اعتمادی کی دولت دے۔ تاثر ایسا چلتا پھرتا تربیتی نظام جس میں پہنچتے ہی وہ دعوت کو سمجھا اور اس میں جذب و انجذاب کے عمل سے گزرنا شروع کر دیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ تینوں ہی پہلوؤں سے اور خصوصاً دوسرے پہلو سے، ساری خامیوں کے باوجود ہم نے خاصا کامیاب معاشرہ پیدا کر لیا تھا۔ ساتھ ہی اپنی ہی کوششوں سے، ہم نے اپنے پروگراموں کا علمی، روحانی اور تربیتی معیار بھی کم سے کم اتنا رکھا تھا کہ لوگ اپنے شوق سے ان پروگراموں میں آتے تھے۔ مدعو کے بلائے جاتے تھے۔ اردو کالج اور ایس ایم کالج کے بیشتر پروگرام میرے ذہن میں اب تک تازہ ہیں۔ خصوصاً اپنے بہت سارے درس اور تقریریں مثلاً مجددین کے کارناموں کی سیریز (جس کے تفصیلی نوٹس حادثۂ ڈھاکہ کی نذر ہو گئے)

میں اب بھی یہ سمجھتا ہوں کہ مدعو کی ذات و شخصیت میں دلچسپی اس کی نفسیات و کیفیات کا لحاظ، اس کو اعلیٰ مقاصد اور پُرمحبت ماحول کی پیش کش — انفرادی سطح پر دعوت کے یہی ہتھیار سب سے زیادہ مؤثر اور کارگر تھے اور اب بھی یہی ہو سکتے ہیں۔

سوال: جمعیت کا تربیتی نظام کیا تھا؟ اس سلسلے میں آپ کے زمانے میں کس نئی چیز یا سرگرمی کا آغاز ہوا؟

جواب: شاید تربیت کے نظام میں آج کل جو کچھ ہے وہ سب ہی ہمارے زمانے میں شروع ہوا اس میں سے کچھ چیزیں نئی تھیں اور جو نئی نہ تھیں ان کو بھی ہم نے سوچ سمجھ کر مناسب ترمیم اور حذف و اضافہ کے ساتھ ایک نئے روپ میں اختیار کیا۔

ہم نے اس بات کو شروع ہی میں محسوس کر لیا کہ طلبہ کی تنظیم ہونے کے باوجود ہماری تربیت اور استحکام کا اصل سرچشمہ رہائشی حلقہ ہی ثابت ہوگا۔ چنانچہ پہلے ہی منصوبہ میں اس کو مناسب مقام اور اہمیت دی گئی اگرچہ کالجوں اور اسکولوں میں بھی اجتماعات عام اور کارکنان کا اہتمام تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ حلقہ جاتی نظام کی بنیاد ڈالی گئی۔ اور اس کو پوری طرح مستحکم کیا گیا۔ یہ بڑی دوررس اہمیت کا حامل فیصلہ تھا اور اس وقت بھی میرا یہ احساس تھا کہ کراچی میں جمعیت کے کام کو جو برتری حاصل ہے اس میں اس کے مستحکم حلقہ جاتی نظام کو بڑا دخل ہے اسی طرح اخوت کا ماحول پیدا ہوا۔ اور ہماری تربیتی کوششیں پوری زندگی میں رچ بس سکیں۔ گھروں میں ملاقاتیں، طویل نشستیں، مساجد میں ساتھ نمازیں، نمازوں کے بعد گفتگوؤں کے سلسلے (نئے افراد کو ساتھ لے کر نہ کہ اپنے ہی اپنے میں) اور حلقہ کے مطالعے اور بعد میں نظام الاسرہ — یہ سب کام رہائشی بنیادوں پر تھا۔

حلقہ مطالعہ (اسٹڈی سرکل) کا لفظ اپنے اندر کوئی ندرت نہیں رکھتا لیکن ہم نے اس کو اس وقت اختیار کیا تھا جب شاید اس کی کوئی نظیر نہ تھی۔ طلبہ کی تنظیم میں مطالعہ کا شوق اور اس کی رغبت، اس کا اہتمام، ذہنی و فکری، نشو و نما اور ارتقاء بنیادی اہمیت کی حامل چیزیں ہیں ہم نے اس چیز کو فوراً محسوس کر لیا۔ باقاعدہ نصاب مرتب کیے جو کتب وار کے بجائے موضوعات کے لحاظ سے تھے۔ موضوعات لٹریچر سے بھی لیے اور قرآن و حدیث اور سیرت سے بھی۔ یہ سارا کام ہم نے بغیر کسی کی راہنمائی اور ہدایت کے کیا۔ ہفتہ وار اسٹڈی سرکل نے تربیت اور صلاحیتوں کی نشو و نما میں بڑا نمایاں حصہ ادا کیا۔ ہم نے ایسے طریقے اختیار کیے کہ شرکاء صرف بیٹھے رہنے کے شرکاء اور سامعین بن کر نہ آئیں بلکہ پڑھ کر، تیاری کر کے آئیں

اسی طرح سے ہیں ۔ ہم اس میں ہم خاصے کامیاب ہوئے بعد میں پھر ہم نے ان میں
ذہانت کے لحاظ سے درجات بھی بنائے ۔

ہم نے لٹریچر اور تفسیر پڑھنے کے طریقہ کو بالکل ترک کر دیا ۔ اس وقت تک تقریباً ساری تحریک میں یہی طریقہ رائج تھا اور خود دوسرے مقامات پر جمعیت میں بھی ۔ ہم نے یہ لازمی کیا کہ پڑھنے کے لئے تیاری کر کے آئیں اور پھر یا تو بولیں اور یا اچانک لائیں اس طرح پروگرام کرنے والوں کی استعداد بھی بڑھی اور گفتگو میں سرد یکی سننے کا رواج بھی ختم ہوا ۔

اس وقت تک تحریک میں جو بھی تربیت گاہیں ہوتی تھیں وہ طویل تربیت گاہیں تھیں ۔ ہم نے پہلی دفعہ ایک روزہ اور دو روزہ تربیت گاہوں کی بنا ڈالی ۔ اس وقت تک تو ہماری ساری منصوبہ بندی اپنی سوجھ بوجھ پر مبنی تھی ۔ لیکن اب جب کہ میں تربیت کے نظام پر بہت پڑھ چکا ہوں تو دلائل اور تجربہ کی روشنی میں بھی ON-JOB TRAINING اور SHORT COURSES وغیرہ جیسے تصورات کی اہمیت واضح ہو چکی ہے ۔ سینٹرل پریٹ پر کراچی جمعیت کی پہلی دو روزہ تربیت گاہ مجھے ابھی تک یاد ہے جو پروگرام اور اثرات کے لحاظ سے انتہائی کامیاب تھی ۔ اس میں قرآن ، حدیث ، سیرت ، اسلام ، جدید نظریات ، تقریری مقابلے ، کھیل کود ، تفریح سب ہی کچھ تھا اور بعد میں ذہنی امتحانات بھی ۔ اور پھر اس سارے پروگرام کو ترتیب دینے اور کامیابی سے چلانے میں ہم نے سارا انحصار اللہ تعالیٰ کی مدد اور اپنی صلاحیتوں پر کیا اور اپنے حلقے سے باہر کسی کو بھی پروگرام کرنے کی زحمت نہ دی ۔

شب بیداری تو اب جمعیت اور ساری تحریک میں خاصی معروف و رائج ہے ۔ لیکن اس کی ابتداء بھی ہم لوگوں نے کی ۔ خیال (IDEA) تو یقیناً اخوان سے اخذ کیا تھا ۔ لیکن شکل و صورت ساری ہماری اپنی ہی بنائی ہوئی تھی ۔ جہاں دعوتی کام کے ذریعہ فیلڈ ورک کی اور اسٹڈی سرکل کے ذریعہ علم و فکر کی تربیت ہو رہی تھی وہاں ہم روحانی بالیدگی ، تلاوت و حفظ قرآن ، قیام اللیل اور ان ذرائع سے تعلق باللہ کی افزائش کی ضرورت شدت کے ساتھ محسوس کرتے تھے ۔ ہو سکتا ہے شب بیداری ایک مکینیکل سا پروگرام بن جائے یا ایک مصنوعی سی کوشش اور یہ کبھی بھی فرد کی ذہنی کوشش کا بدل نہیں ہو سکتی ۔ مگر ایک جذبہ ، ایک امنگ پیدا کرنے اور ایک راہ کھول دینے کا کام کر سکتی ہے ۔ جمعیت کے زمانے سے لے کر آج فاؤنڈیشن تک جب بھی میں نے شب بیداری کا کوئی پروگرام کیا ہے تو پورے التزام و اہتمام سے اس پہلو کو قائم کر دیا ہے ۔ لیکن اس کی افادیت اپنی جگہ مسلم ہے اور اس نے تربیت کے نظام میں بڑا اہم حصہ ادا کیا ہے ۔ مجھے یاد ہے کہ سب پہلے سالانہ اجتماع میں ہم نے اپنے اس پروگرام کو متعارف کرایا تھا تو نعارہ کہ یہ بڑا اجنبی سا پروگرام لگا تھا ۔ بڑی جرح ہوئی تھی اور اکثر سوالات سے ایک دبیا دبیا بلکہ تمسخر سا جھلکتا تھا ۔

شب بیداری کے ساتھ ساتھ ہم نے پکنک کے پروگرام بھی مرتب کیے ۔ ان پکنکوں میں بالعموم کوئی علمی پروگرام نہ ہوتے تھے ۔ بلکہ سارا وقت تفریح اور باہمی تعلقات کے نشو و نما میں صرف ہوتا تھا ۔ گویا ہم کو اس بات کا بھی احساس تھا کہ علم و روح کے ساتھ بدن اور ذہن کو تفریح کی بھی ضرورت ہے اور تربیت کے نظام میں اس کو مستقل جگہ ملنی چاہیئے ۔ اس کے علاوہ اجتماعی کھانے ، تقریری و تحریری مقابلے اور کئی پروگرام تھے جن کا آغاز ہم نے پہلی دفعہ کیا ۔

میں سمجھتا ہوں کہ ہم نے اپنے تربیتی نظام میں جس طرح تربیت کے سارے پہلوؤں کا اس دور میں انتظام کرنا آسان نہ تھا ہر پہلو کا اہتمام کیا ۔ اور اگر ہماری کوششوں کو اس روشنی میں غور کیا جائے کہ ہمارے سامنے کوئی روایات نہ تھیں ، نہ نقش راہ ، نہ ہمارے پاس مشیر تھے نہ پروگرام کرنے والے ۔ ہم نے جو کچھ سوچا ، جو کچھ کیا ، اپنے وسائل محدود تھے کے بل پر ہی کیا ۔ تو سر بے اختیار سجدہ شکر میں جھک جاتا ہے ۔

تربیتی نظام کے سلسلے میں ایک اور اہم تجربہ نظام الاسرہ کا تھا ۔ جو اب شاید متروک ہو چکا ہے ۔ اس کا خیال بھی ہم نے اخوان سے اخذ کیا تھا ۔ لیکن اس کی صورت گری بھی ہم نے خود کی تھی ۔ اتنا مجھے یاد ہے کہ اس نے بھی تربیت میں اہم حصہ ادا کیا ۔ اب اس کی تاریخ پیچھے ابھی طرح یاد نہیں کہ کب شروع ہوا ۔ شروع ہونے کے بعد ایک لمبے عرصہ بہت کامیابی سے

چلا ۔ پھر کچھ عرصہ تک کے ذہنوں میں اس سلسلہ کے بارے میں کچھ شبہات پیدا ہوئے ۔ ان کی بنیاد وحدت و قومیت کا عدم توازن ، اپنے خول میں بند ہو جانے کے خطرہ کا احساس اور گروہ بندی کی بو وغیرہ قسم کی چیزیں تھیں ۔ میں اس وقت بھی ان خدشات کو موہوم سمجھتا تھا اور اب بھی یہی سمجھتا ہوں ۔ پھر اس مسئلہ پر خاصی بحثیں ہوئیں ۔ نرم بھی گرم بھی ۔ ان کے پس منظر میں ۱۹۶۰ء میں کراچی کے سالانہ اجتماع والا خلفشار بھی تھا ۔ (اب سارے نام مجھے یاد نہیں لیکن مخالفت کرنے والے چند افراد تو اب تحریک کیا اسلام کو بھی خیرباد کہہ چکے ہیں) بہرحال ایک حقیقت پسند (REALIST) آدمی ہونے کی حیثیت سے میں نے ان اعتراضات کو قبول کر لیا ۔ نظام الاسرہ کی تشکیل نو ہوئی ۔ یہ خدمت بھی میرے سپرد ہوئی ۔ اختلاف رائے اور خدشات کے پیش نظر اس موقع کے لیے میں نے اپنی پوری تقریر لکھ کر تیار کی ۔ اس میں اسلام میں تزکیہ و تربیت کا تصور ، اس کی اہمیت و مقام ، اس کے ذرائع و نتائج اور نظام الاسرہ کے خدوخال اور پروگرام اور ممکنہ خطرات کے موضوعات پر سیر حاصل بحث تھی (یہ خاصی طویل تقریر تھی جس کے نوٹس بد قسمتی سے حادثہ ڈھاکہ کی نذر ہو گئے) نظام الاسرہ دوبارہ قائم ہوا ۔ اس کے بعد میں نہیں جانتا کہ یہ کب تک چلا ، اب بھی ہے یا ختم ہو چکا ۔ لیکن مستقل بنیادوں پر چھوٹی کوششوں کو روزمرہ کی زندگی میں سمونے کے لیے میں اس وقت بھی اسے ایک مفید کوشش سمجھتا تھا اب بھی سمجھتا ہوں ۔ اور خصوصاً جبر و تشدد کے کسی دور میں تحریک کو زندہ رکھنے کے لیے یہ کافی موثر ذریعہ ثابت ہو سکتا ہے لیکن کیونکہ ہماری تحریک کا مزاج شاید اس کو ہضم کرنے کا متحمل نہ ہو سکتا تھا ۔ اس لیے میں نے دوبارہ اس تجربہ کو دہرانا مناسب نہ سمجھا ویسے ڈھاکہ میں اجتماعات کارکنان کو بغیر کسی نام اور نظام کے میں نے اسی انداز میں ڈھالنے کی کوشش کی اور وہ میرے خیال میں ، کامیاب رہی ۔

آخر میں یہ بات واضح کر دوں جیسا میں کئی جگہ اشارہ کر چکا ہوں کہ اس سارے نظام میں اصل اہمیت (الف) تربیت کے ایک چلتے پھرتے ماحول (ب) اخوت و محبت کی فضا جس کی زیادہ تفصیل جمعیت سے کیا پایا ؟ میں ملے گی) اور (ج) فرد کے اپنے ارادہ و عزم اور سعی کو ابھارنے اور مدد دینے کو حاصل تھی ۔ ہماری ساری کوشش یہ تھی کہ ہمارا ہر لمحہ اور ہر کام تربیت کے لیے مفید و معاون ہو ۔ مثلاً جب ہمارا ڈی ایس ایف سے مقابلہ ہوا اور ہم نے اسٹوڈنٹس وائس کے خصوصی شمارے نکالے تو ان کو خود صدر میں کھڑے ہو کر ہاکروں کی طرح فروخت کیا اور جو کارکن بھی پتلون ٹائی یا سوٹ پہنتے تھے ان کے لیے یہ لازم کیا کہ وہ اپنے پورے لباس میں آ کر ہاکری کریں ۔ مجھے یاد ہے کہ ہمارے خصوصی شمارے دس ہزار تک فروخت ہوئے ۔ اسی طرح ہمارا ہفتہ وار درس قرآن کا نظام بڑا جاندار اور موثر تھا ۔ یہ ایک بے جان ضابطہ کی خانہ پری کا نام نہ تھا میں نے ہفتہ وار اجتماع کارکنان کو ڈھاکہ تک میں دس سال تک تحریک کو جاندار رکھنے اور اس کے نشوونما کے لیے کامیابی کے ساتھ استعمال کیا ۔ اسی طرح عام نمازوں ، رمضان کے روزوں ، مطالعہ قرآن جیسے دوسرے دینی اعمال کو بھی ہم نے تربیت کے لیے موثر کیا ۔ اس طرح ہمارا سارا انحصار اضافی اور خصوصی اجتماعی پروگراموں پر ہی نہ تھا ۔

سوال : آپ کے خیال میں تربیت کا انحصار کن چیزوں پر ہے ؟

جواب : اس کا جواب بھی بڑی حد تک آ چکا ہے ۔ ماحول اور پروگرام تو ناگزیر ہیں ان کے بغیر تربیت ممکن نہیں اور صراط مستقیم پر گامزن رہنا آسان ہے لیکن بالآخر اصل چیزیں ہیں فرد کا اپنا ارادہ (خواہش نہیں) جس میں اخلاص ، یکسوئی اور عزم شامل ہو اور سعی ، جو صحیح طریقوں سے ہو ۔ مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا[1] اور اگر ذرائع پر غور کرنا ہو تو سورۃ الاعلیٰ کی آخری آیات پر تدبر کریں ۔ اس سے مختصر اور جامع بیان ممکن ہی نہیں ۔

ترجمہ : فلاح پا گیا وہ جس نے پاکیزگی اختیار کی اور اپنے رب کا نام یاد کیا ۔ پھر نماز پڑھی ۔ مگر تم لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو ، حالانکہ آخرت بہتر

---

[1] ترجمہ : جو آخرت کا خواہشمند ہو اور اس کے لئے سعی کرے ، جیسی کہ اس کے لیے سعی کرنی چاہیئے ۔ (بنی اسرائیل ـ آیت ۱۹)

[illegible]

[illegible] اصلاحی کتاب "تزکیہ نفس" کے [illegible] پڑھ جائے۔ میری یہ کیفیت
تھی کہ ایک [illegible] ہو جاتا تھا شاید انہی کیفیت وہ تھی کہ قرآن کی ابتدائی
پچیس چالیس اسی زمانے میں میں نے سورۃ المدثر پوری یاد کر لی، صرف اس لیے کہ میں
اس پر تدبر کر سکوں۔

سوال: اب آپ کا کیا تاثر ہے یہ تربیتی نظام کہاں تک کامیاب رہا؟

جواب: یہ بڑا مشکل سوال ہے۔ میں اب بھی یہ سمجھتا ہوں کہ انسانوں کی کوشش جس حد تک جامع، موثر اور کامیاب ہو سکتی تھی، اس حد تک ہماری کوشش ضرور تھی اگرچہ اب جب میں اس زمانے کے رفقاء کی ایک خاصی تعداد کو "دولت ازم" کے سمندر میں محصور، اطمینان و سکون سے اپنے "ہاتھ کی کھجوریں" ختم کر کے فراغت حاصل ہونے کا انتظار کرتا دیکھتا ہوں تو مجھے خاصا دکھ اور رنج ہوتا ہے۔ ویسے دعوت و تربیت کے لحاظ سے اس وقت کا نظام اتنا کامیاب تھا کہ اگر آج بھی آپ ۱۹۴۹ء تا ۱۹۵۳ء تک کے کراچی جمعیت کے سارے کارکنوں کو اسی لگن اور ولولہ کے ساتھ ایک جگہ جمع کر دیں۔ تو یہ کہنا شاید مبالغہ نہ ہو گا کہ وہ ایک بڑی ریاست چلانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

سوال: قومی نوعیت کے سیاسی معاملات میں جمعیت کس حد تک حصہ لیتی تھی؟

جواب: یہ تو شاید کبھی خیال بھی نہ آیا ہو کہ قومی نوعیت کی سیاسی معاملات اور ملک کے اہم نظریاتی مسائل سے ہم بے تعلق رہ سکتے ہیں گفتگو صرف اس حد تک ہوتی تھی کہ کن مسائل میں اور کس حد تک ہم یہ بھی سمجھتے تھے کہ ملک میں سیاسی معاملات میں پالیسی کی تشکیل اور راہ عمل کا تعین قومی پیمانہ پر تحریک کی قیادت کے ذمہ ہے ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اپنی فکر اور رائے سے مطلع کر دیں۔ پھر جو پالیسی بنے اس کے ساتھ حتی الامکان تعاون کریں گویا ہم اپنی ذمہ داری یہ نہ سمجھتے تھے کہ ہم INITIATIVE لیں۔ پیش قدمی کریں اسی طرح ہم اس پر بھی مطمئن تھے کہ ہماری شرکت کی نوعیت اور مقدار کیا ہو اس کا تعین بھی ملک گیر تحریک کی ذمہ داری ہے۔ ہمارا اصل کام اپنے کو تیار کرنا اور طلبہ میں ایک مضبوط اور طاقتور تحریک برپا کرنا ہے۔ ویسے ذہناً اور عملاً ہم نے خود کو ہمیشہ اس بات کے لیے تیار پایا ہے کہ جب ضرورت ہو یا پکار بلند ہو تو ہم کتابیں بند کر کے اور درس گاہوں کو خیرباد کہہ کر بھی بیٹھ جائیں۔ ۱۹۵۳ء کے حادثات کے بعد مرکزی شوریٰ کی بحثوں میں یہ بات واضح ہو گئی تھی اور تحریک کے ذمہ دار افراد نے بھی اس بات کو صاف کر دیا تھا کہ وہ ابھی تک حالات کو اس درجہ سنگین نہ سمجھتے تھے کہ اس درجہ کی پکار بلند کریں۔

ان حدود (FRAME WORK) میں جمعیت کے کارکن اسلامی دستور کی مہم کے ہر پہلو میں نمایاں اور گرم جوشی سے حصہ لیتے رہے اور طلبا کی دنیا میں بھی اسی مقصد کے لیے کام کرتے رہے۔ مظاہرے کرنا، جلوس نکالنا، دستخط حاصل کرنا، مساجد اور کالجز میں تقریریں کرنا، غرض یہ کہ جو بھی کام [illegible] تھے وہ پوری قوت سے کیے گئے۔ مولانا مودودی کی سزائے موت کے خلاف ملک گیر مظاہروں میں جمعیت کا بڑا اہم حصہ تھا۔ ایک نعرہ پر ملک گیر [illegible] ... کے بعد مولانا کی نظربندی کے خلاف صف اول تک احتجاج کو پہنچانے کا کام بھی جمعیت کے کارکنوں کے سپرد ہوا تھا۔

دراصل یہ کوشش تھی کہ اس دائرے میں ہم نے اپنے پلیٹ فارم کو ان کاموں کے لیے اس حد تک استعمال نہیں کیا تھا جس حد تک آج استعمال ہوتا ہے۔ ارباب اقتدار کے [illegible] کرنا بھی ہمارے کام کا حصہ تھا۔ موری [illegible] اسلامی دستور کے مسئلہ پر ہمارے ساتھیں اہم [illegible] گئے تھے۔

[illegible]

[illegible] ہوتا ہوں۔ یہ اس وقت تھی۔ بے تکلفی، خیرخواہی، احساس، غم اور خوشی میں [illegible] فیاضی سے تعریف اور حوصلہ افزائی، حکمت سے تنقید اور اصلاح، چند خصوصیات [illegible] فضا بدگمانی، غیبت، بے وقعتی، جھگڑوں اور سختی، نکتہ چینی، عدم اعتماد، [illegible] بے نیازی جیسی بیماریوں سے بھی پاک تھی۔ میرا خیال ہے کہ شاید اس دور کے سارے [illegible] رفقاء اس احساس کی تائید کریں گے۔ اور جیسا میں کہہ چکا ہوں یہ تعلقات، دعوت اور تربیت دونوں کا سب سے موثر ذریعہ تھے۔ اور اب بھی یہی ہو سکتے ہیں۔

سوال: کیا جمعیت کا کام کرنے سے ایک کارکن کی تعلیم کا حرج نہیں ہوتا؟ تعلیم کا بہت حرج ہوتا ہے تو کیا اسے زیادہ اہمیت نہیں دی جانی چاہیئے؟ آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: یہ کہنا تو شاید مشکل ہو گا کہ جمعیت کے کام سے تعلیم کا حرج نہیں ہوتا، یہ کہ ہوتا ہے تو اس کی کوئی کمی بیشی نہیں۔ لیکن اس کا اطلاق سب پر نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ سب کارکن ایک طرح سے کام نہیں کرتے۔ اور بہت سے طالب علم ایسے ہوتے ہیں جو تحریک سے متعلق نہیں ہوتے۔ ان کے نتائج بھی خراب ہوتے ہیں۔ تعلیمی کیریئر میں نشیب و فراز آتے رہتے ہیں چنانچہ تعلیم کے نقصان کو صرف تحریک کے کام سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ پھر ہر صورت کسی حد تک یہ بھی ممکن ہے کہ نقصان کو پورا کیا جا سکے۔ ویسے میرا اپنا خالص ذاتی تجربہ تو یہ ہے کہ کوئی حرج نہیں ہوتا جس زمانے میں ناظم اعلیٰ تھا۔ اسی زمانے میں میں نے فائنل ایئر کا امتحان دیا اور فرسٹ کلاس فرسٹ پوزیشن حاصل کی۔ لیکن اس کے کچھ اور اسباب بھی تھے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص مدد تھی جس کی وجہ سے میں ایسا کر سکا۔

دین کے کام کی اہمیت کی وجہ سے اگر تھوڑا بہت حرج ہوتا ہے تو وہ برداشت کرنا چاہیئے البتہ جمعیت کو بھی اس معاملہ میں کوشش کرنی چاہیئے کہ بظاہر جلدی ملنے والے فوائد کے لیے لوگ دیرپا فوائد کی قربانیاں نہ کریں۔ مثلاً میں اس کو ترجیح دیتا ہوں کہ کارکن ایک مختصر مدت جمعیت کا بھرپور کام نہ کرے اور اچھی طرح سے امتحان پاس کرنے کے بعد اس سے کہا جائے کہ اب تم ایک طویل مدت تک لگ کر کام کرو۔ بجائے اس کے کہ اس سے امتحان سے قبل تک کام لیا جائے اور اس کے بعد ایک لمبی مدت اور شاید زندگی بھر اس کا ذہن پریشان رہے کہ میری تعلیمی زندگی برباد ہو گئی ہے اور کچھ نہیں کر سکا۔ میرا خیال ہے کہ اس طرح زیادہ ضیاع ہوتا ہے۔ ترقیوں کا بھی اور حوصلوں کا بھی۔

تعلیمی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ آدمی اچھا کیریئر اختیار کرے۔ اس کے لیے جمعیت کو کوشش کرنی چاہیئے خواہ بظاہر یہ محسوس ہو کہ اس سے تھوڑے عرصہ تک کے لیے کام کا نقصان ہو رہا ہے ساتھ ہی اس کی کوشش کی جائے کہ لوگ اچھے کیریئر کے ساتھ جلدی فارغ ہو جائیں اور اس کے بعد وہ ایک سال یا دو سال ہمہ وقتی کام کریں۔ مثلاً میں نے بی اے کرنے کے بعد ایک سال تک کوئی ملازمت نہیں کی۔ جمعیت کے ساتھ کام کرتا رہا۔ نہ میں نے کوشش کی کہ بلا دیر امتحان میں دیر سے شرکت کروں۔ چنانچہ میں نے اسے ٹالا نہیں اور جب میں نے فائنل کا امتحان چھ مہینے مؤخر کیا تھا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ مجھے ٹائیفائڈ ہو گیا تھا اور امتحان دینا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔ بی اے میں میری اچھی پوزیشن سے تحریک کو اور مجھے بے انتہا فائدہ ہوا ہے۔

کام کرتے ہوئے اکثر یہ محسوس ہوتا ہے کہ جو کام ہمارے پیش نظر ہے وہ اتنا اہم ہے کہ اس کا نقصان برداشت نہیں ہو سکتا لیکن بعد میں جو نقصانات ہوتے ہیں وہ زیادہ سنگین ہوتے ہیں بہرحال اگر نظم اور کارکن دونوں کی طرف سے کوشش ہو تو وقت کا اور کام کا ایسا نظام الاوقات بن سکتا ہے جس میں تعلیم کا حرج بھی نہ ہو اور جمعیت کا کام بھی ہوتا رہے

سوال:۔ تعلیم اور جمعیت کے کام کے ساتھ ساتھ ہمارے کارکنوں کی مصروفیات کا ایک تیسرا محاذ گھر بھی ہے۔ اکثر والدین جن کے بچے تحریک سے وابستہ ہیں شکایت کرتے ہیں کہ جمعیت کے کام کی وجہ سے ان کے بچے گھر پر بہت کم وقت دیتے ہیں۔ آپ اس سلسلے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟

جواب:۔ اس مسئلہ کا انحصار اس پر ہے کہ کارکن کا تصور آپ کے سامنے کیا ہے اگر کارکن ایک متوازن شخصیت ہے تو بہر حال اس کو دعوت اور تحریک کے ساتھ گھر، پڑوس، محلے اور سب ملنے جلنے والوں کے لیے، جتنا ان کا حق ہے وقت نکالنا چاہیے ان چیزوں میں کوئی تصادم نہیں ہے۔ مجھے بعض دفعہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تحریک کے اکثر لوگ جو شروع میں عملی زندگی میں تھے تحریک کے کام میں مصروفیت کی اسی دلیل کی بنا پر اپنی اولاد سے غافل رہے جس طرح جمعیت کے کارکن تحریکی کام کی وجہ سے گھر میں وقت نہیں دے پاتے اسی طرح وہ بھی نہیں دے پائے چنانچہ جمعیت اور تحریک کی صفوں میں تحریکی گھرانوں سے آنے والے لوگ آپ کو کم ہی ملیں گے، الا ماشاء اللہ یہ سب شاید اسی غلط دلیل کی وجہ سے ہوا ہے۔ اسی طرح تحریک اسلامی کے لوگ خود اپنے پڑوس، محلے اور خاندان میں کوئی وزن نہیں رکھتے اور اس کی وجہ سے دعوتی طور پر اور سیاسی طور پر بہت نقصان ہوا ہے۔ ہمیں اس پر بھی غور کرنا چاہیے کہ جہاں تقریروں اور اسی قسم کی چیزوں کا اصل مقصد کیا ہے اور اس سے کتنے لوگوں کے دل جیتے جا سکتے ہیں، اور خدمت سے اور لوگوں میں گھل مل کر ان کے مسائل میں شریک ہو کر کتنے لوگ دعوت کے ساتھ آ سکتے ہیں۔ ان میں موازنہ کرنے کی ضرورت ہے اس کے بعد ہی صحیح فیصلہ ہو سکتا ہے۔

سوال:۔ بعض اوقات محسوس ہوتا ہے کہ مغربی ثقافت کے اثرات خود ہمارے اندر سرایت کرتے جا رہے ہیں۔ ہم اخروی فلاح سے زیادہ دنیاوی مقاصد زندگی (مادیت) کے اسیر نظر آتے ہیں۔ آپ کیا سوچتے ہیں؟

جواب:۔ ایک فرد کے لیے اسلام کی بنیادی دعوت یہ ہے کہ وہ صرف اپنے اللہ کا ہو کر رہ جائے اور دنیا کو دنیا والوں سے بہتر اور زیادہ انہماک سے برتنے کے باوجود اس کی نگاہیں آخرت کے ابدی انعامات پر مرکوز رہیں اس کا ارادہ "کا محور آخرت ہو اور نگاہ بہکنے نہ پائے۔

وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا [1]

اسلام صرف فقر و فاقہ کا نام نہیں۔ نہ زہد کے معنی چیتھڑے پہننے اور صرف روکھی سوکھی کھانے کے ہیں بلکہ زہد کے اصل معنی یہ ہیں کہ دل دنیا سے بے رغبت ہو جائے دنیا کا ہونا نہ ہونا برابر ہو جائے۔ آدمی وہ مسہری پر سوتا ہو یا کھردری زمین پر، پلاؤ حلوہ سامنے ہو یا سوکھی روٹی اور چٹنی دونوں میں دل و نگاہ کو کوئی فرق محسوس نہ ہو اور مطلوب حقیقی بس "وہی" ہے۔

اندرون ملک کے حالات سے میں زیادہ واقف نہیں۔ خوش گمانی سے کام لیتا ہوں۔ اگرچہ جب رفقاء کو رہتے اور کھاتے نہیں بلکہ سوچتے، فکر کرتے اور باتیں کرتے دیکھتا ہوں تو خوش گمانی پیچھا چھڑانے لگتی ہے پھر بھی یہ خیال ہے کہ اندر کا ماحول بیرون جیسا بہتر ہے لیکن ملک سے باہر امریکہ اور مشرقِ وسطیٰ میں جو تاثر کارکنوں کے بارے میں بیٹھا ہے اس کو دیکھ کر بعض دفعہ بہت دکھ ہوتا ہے۔ چلئے، باہر آنا تو کاوشِ معاش کے لیے ضروری ہوا لیکن اللہ تعالیٰ نے جس فراوانی سے رزق دیا ہے، الا ماشاء اللہ اس کے ساتھ اس کی راہ میں انفاق کو کوئی تناسب نہیں۔ خدا کی قسم نہیں ہے۔ آپ کہیں میاں یہاں بیٹھے لگا دو ایک سال میں دو گنے ہو جائیں گے۔ ہزاروں نکل آئیں گے۔ مکان بنانا ہے، زمین خریدنا ہے۔ لاکھوں موجود ہیں آپ "کل" سات سو کا نشرہ سنائیں مشکل سے جیب کھلے گی۔ یہ کیسا یقین ہے؟ کیسا ایمان ہے؟ کیسی لگن ہے؟ یہی وہ مقصدِ زندگی ہے جس کے لیے شب بیداریاں ہوتی تھیں، آنسو بہائے جاتے تھے؟ بعض دفعہ دل چاہتا ہے کہ سر کے بال پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا جائے اس سے پہلے کہ ربِ عزیز جھنجھوڑنے پر آ جائے۔

مجھے معلوم ہے کہ بعض ڈاکٹر امریکہ میں پچاس ہزار ڈالر صرف انکم ٹیکس ادا کر دیتے ہیں اگر جمعیت کے سارے سابق کارکن یہی عہد کر لیں کہ اپنی ضروریات پوری فراخی سے پوری کر کے وہ نصف اس دنیا کے لیے جمع کریں گے اور نصف آخرت کے لیے جمع کریں گے تو سارے وسائل و ذرائع کی کمی بڑی حد تک پوری ہو سکتی ہے بہر حال اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ ہم کو قرآن و سنت کے سرچشموں سے کام لے کر بلا رو رعایت اپنے رفقاء کو انذار و تبشیر کرنا چاہیے اور پوری کوششیں اس بات پر صرف کر دینا چاہئیں کہ وہ اسلام کی اس بنیادی دعوت کا نمونہ بنیں جس کا ذکر میں نے شروع میں کیا تھا اور تضاد و نفاق سے پیچھا چھڑائیں ایک زمانہ تھا کہ ہم سینما دیکھنے پر جمعیت سے اخراج کر دیا کرتے تھے (اگرچہ میں جب بھی اس سختی کا قائل نہ تھا) اور اب کس کا گھر ہے جو مہیا کر سکتا ہے اور اس کے ہاں رنگین ٹیلیویژن نہیں۔ آخر دونوں میں کیا فرق ہے۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ زندگی کا قبلہ درست ہو جائے۔ مقاصد صحیح ہو جائیں، فکر و سوچ کا رخ بدل جائے، اقدار اور پسند و ناپسند کے معیار اسلامی ہو جائیں تو مغرب کے ثقافتی تصادمات کا مقابلہ خود بخود ہو جائے گا۔

یہ مقاصد زندگی میں اختلال ہی کا نتیجہ ہے بتایئے کیا تیس سال کام کے بعد ہم تین سو نوجوان ایسے نکال سکتے ہیں جو اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوں اور کسی گاؤں دیہات کو مرکز بنا کر بیٹھ جائیں اور تحریک اسلامی کی آبیاری کریں۔ صوفیا حضرات نے ایسا کیا ہے عیسائی مشنری آج بھی شاید اس پہلو سے ہم سے بہتر ہیں۔ لیکن ہم کو کیا ہو گیا ہے؟

---

[1] :۔ پوری آیت کا ترجمہ یہ ہے: اور اپنے دل کو ان لوگوں کی معیت پر مطمئن کرو جو اپنے رب کی رضا کے طلب گار بن کر صبح و شام اسے پکارتے ہیں اور ان سے ہرگز نگاہ نہ پھیرو۔ کیا تم دنیا کی زینت پسند کرتے ہو؟ کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ کرو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جس نے اپنی خواہشِ نفس کی پیروی اختیار کر لی ہے اور جس کا طریق کار افراط و تفریط پر مبنی ہے۔ (الکہف، آیت ۲۸)

خریداروں سے:

اللہ کا شکر ہے کہ رفیق منزل کے انتظامی امور پر بڑی حد تک قابو پا لیا گیا ہے۔ اور اب گذشتہ ایک سال سے تمام شمارے وقت پر آ رہے ہیں۔ اس انتظام کو موثر بنانے کے لئے ہمیں اپنے قارئین کے تعاون کی بھی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

۱۔ عموماً ہر ماہ کی ۲۰ تا ۲۲ تاریخوں کے درمیان پرچہ حوالہ ڈاک کیا جاتا ہے۔ اگر ماہ رواں کے پہلے ہفتہ تک آپ کو دستیاب نہ ہو تو یہ آپ کی بھی اخلاقی ذمہ داری ہے کہ آپ پوسٹ آفس میں شکایت کے ساتھ ہمیں مطلع کریں۔

۲۔ رقوم ارسال کرتے وقت لازماً اس کا اہتمام کریں کہ منی آرڈر کوپن پر آپ کا پتہ درج ہو اور اس کی صراحت ہو کہ یہ کس غرض کے لئے بھیجی گئی ہے۔ ورنہ آپکو شکایت ہوگی اور ہمیں پریشانی۔ ابھی بھی چند ایسے منی آرڈر کوپن سادہ حالت میں یہاں موجود ہیں اگر آپ کے آرڈر کی تکمیل نہ ہو سکی ہو تو تاریخ کے حوالہ سے اپنی رقم کی ترسیل کی اطلاع دیں اور بصراحت غرض تحریر فرمائیں۔

۳۔ انتظامی امور سے متعلق خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر یا ایجنسی نمبر کا حوالہ لازماً دیا کریں۔ یہ نمبر آپ کے پتہ کے اوپر درج رہتا ہے۔

۴۔ اگر آپ کی زرِ اعانت اس ماہ ختم ہو رہی ہے تو فوری طور پر سالِ رواں کے لئے متعین رقم ارسال فرمائیں۔ تاکہ پرچہ حسبِ معمول آپ کی خدمت میں روانہ کیا جاتا رہے۔

قسط اوّل

وحدت تنظیم — ایک موقف

نوٹ: ۱۹۸۲ء کے حالات میں یہ مقالہ ترتیب دیا گیا تھا اب نئے حالات میں افادۂ عام کی خاطر اسے شائع کیا جا رہا ہے۔

صباح الدین ملک فلاحی

طویل عرصہ سے تحریک اسلامی کے تقریباً تمام ہی متعلقہ حلقوں میں طلبہ تنظیم سوچ بچار گفت وشنید اور بحث وتمحیص کا موضوع بنی رہی ہے۔ بنیادی مسائل دو تھے۔ ایک یہ کہ کل ہند سطح پر طلبہ کی واحد اسلامی تنظیم ہونی چاہیئے، دوسرے یہ کہ اس کل ہند طلبہ تنظیم کو اصل تحریک اسلامی سے منسلک اور ان کی سرپرستی میں ہونا چاہیئے۔ پہلے مسئلے پر بالآخر تمام ہی حلقے متفق ہوگئے۔ البتہ دوسرا مسئلہ اختلاف کا شکار ہوا۔ درج ذیل مقالہ میں صرف ایک موقف کی ترجمانی کی گئی ہے۔

امت مسلمہ کی تاریخ

اسلام دین ودنیا میں فرق کا قائل نہیں اور نہ وہ مذہب وسیاست کی تفریق کو قبول کرتا ہے نیز وہ فرد اور اجتماعیت کے درمیان بھی کسی دوری کا قائل نہیں۔ بلکہ وہ فرد کے لئے اجتماعیت کو لازم اور ناگزیر قرار دیتا ہے۔

نبی صلعم نے صحابہ کرامؓ کی ایک مثالی اجتماعیت قائم کی آپؐ اس جماعت کے دینی رہنما بھی تھے اور دنیاوی قائد بھی۔ فرد کے لئے بھی ایک مربی کی حیثیت رکھتے اور اجتماعیت کے لئے بھی۔ نبیؐ نے اسلام کو ایک کلی نظام کی حیثیت سے پیش کیا اور عملاً ایک آئیڈیل انسان اور ایک آئیڈیل اجتماعیت کا نمونہ دنیا کے سامنے رکھ دیا۔

آپؐ کی وفات کے بعد خلیفہ راشد چہارم تک یہ نظام اپنی اصل شکل میں قائم رہا اور وہ جماعت اپنی اصل صورت میں برقرار رہی۔ لیکن خلافت راشدہ کے بعد بدقسمتی سے نہ وہ نظام قائم رہ سکا اور نہ وہ اجتماعیت اپنی صحیح شکل میں برقرار رہی۔

مذہبی وسیاسی پیشوائی کی تقسیم

ایک طرف نظام اسلامی میں اختلال رونما ہوا اور اسلام کا کلی نظام سیاسی و مذہبی دو خانوں میں تقسیم ہوگیا۔ مذہب و سیاست میں تفریق پیدا ہوئی۔ دین اور دنیا الگ ہونے لگے نتیجہ یہ ہوا کہ خلافت ایک خالص سیاسی ادارہ بن کر رہ گیا جس پر کچھ تقدس کا رنگ بھی چڑھا رہا۔ خلافت کا یہ سیاسی ادارہ مختلف نشیب وفراز سے گذرتا ہوا چودھویں صدی ہجری کے نصف تک پہنچا اور آخر کار اپنا وجود کھو بیٹھا۔

عقائدی اختلاف

خلافت راشدہ کے شورائی نظام کے ختم ہوتے ہی اور خلافت کے خالص سیاسی ادارہ میں تبدیل ہونے کے بعد دینی پیشوائی کا شیرازہ بکھر گیا۔ کوئی ایک دینی رہنما نہ تھا جس کی لوگ بات مانتے اور اطاعت کرتے چنانچہ امت میں عقائدی اختلافات رونما ہوئے اور امت واحدہ کی تقسیم ہونی شروع ہوگئی۔ شیعہ وسنی کی تقسیم سیاسی اختلافات کے ساتھ ساتھ عقائدی اختلافات کی واضح مثال ہے۔ کچھ مخصوص معتقدات اور عقیدوں کی بنا پر بہت سے دوسرے گروہ اور فرقے پیدا ہوئے۔ جن کے نام تاریخ مشہور ومعروف ہیں۔ یہ فرقہ بندی کسی ایک صدی یا ایک عہد تک مخصوص ومحدود نہیں رہی بلکہ اس کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔ مثلاً قادیانیت اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ ان تمام فرقوں کا اگر سراغ لگایا جائے تو بہت سے فرقے عالم اسلام میں کہیں کسی نہ کسی شکل میں موجود ہیں اور بہت سے معدوم ہوگئے۔ ان کے عقائد کی بازگشت انفرادی شکل میں تو سنائی دیتی ہے لیکن اس نے اپنی فرقہ وارانہ حیثیت کھو دی ہے۔

فقہی ومسلکی اختلاف

اعتقادی اختلافات کے پہلو بہ پہلو شریعت کی تعبیر میں اجتہادی اختلافات رونما ہوئے جن کی شیرازہ بندی خلافت راشدہ کے زمانے میں خلافت کا ادارہ کیا کرتا تھا خلافت راشدہ کے خاتمے کے بعد کوئی ایسا ادارہ نہ رہا جو ان اجتہادی مسائل میں ایک راہ پر امت کو لگا سکتا۔ بالآخر فقہی اور مسلکی گروہ اور فرقے بننے شروع ہوئے۔ آگے چل کر ان میں بے جا تعصب پیدا ہوا۔ اسی بنا پر مسجدیں الگ ہوئیں اور معاشرتی تعلقات تک متاثر ہوئے۔ ان اختلافات کی واضح مثالیں آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اور یہ اختلافات وراثتاً منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ ان اختلافات کا دائرہ اتنا پھیلا ہے کہ کوئی مسلمان کسی نہ کسی فرقے میں شامل ہونے پر مجبور ہے۔ ان تاریخی اختلافات کو فرد کرنے کے لئے عالمی خلافت کے قیام کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

ولتکن منکم امة یدعون

امت مسلمہ کی تاریخ میں مسلمانوں کے جمود کو دور کرنے اور ان کی اصلاح

[illegible] اور [illegible]

[illegible] مقام دینے میں کیا [illegible] دراصل خلافت کے ادارے کو [illegible] لیکن اس کی غیر موجودگی میں علمائے [illegible] کام کرتے رہے۔ زمانہ کی ستم ظریفی [illegible] نے گھروں کو فرقہ بنا کر رکھ دیا۔ آج [illegible] اللہ کے فضل سے تمام مسلم ممالک نیز [illegible] ممالک میں اسلامی تحریکیں سرگرم عمل [illegible] اور ہماری دعاؤں اور تعاون کی [illegible] ہیں۔

[illegible] تاریخ کا سبق

امت مسلمہ کی یہ تاریخ [illegible] بتاتی ہے کہ نبی کی قائم کردہ آئیڈیل [illegible] اجتماعیت کی دو بنیادیں تھیں۔ عقیدہ ونظریہ کی وحدت اور امارت کی وحدت۔ ان ہی [illegible] چیزوں نے مل کر اس اجتماعیت کو [illegible] خالص اسلامی اور مثالی اجتماعیت کی شکل دی تھی جسے قرآن نے بنیان مرصوص کے الفاظ سے تعبیر کیا۔ مرور زمانہ کے ساتھ اسی بنیان مرصوص میں مختلف [illegible] پڑنے شروع ہوئے اور آخر امت وحدت سے بتدریج افتراق کی طرف بڑھتی [illegible] ساڑھے تیرہ سو سال امت کا رخ افتراق کی طرف رہا ہے؛ اور یہ افتراق وعلیحدگی [illegible] خیالات اور ذہنوں میں اتنی رچ بس [illegible] ہے کہ اس کے خلاف وحدت کی مثالی [illegible] صورت کو قائم کرنے کا خیال ذہنوں میں کم [illegible] آتا ہے۔

وحدت کی بلندی سے افتراق کی پستی کی طرف امت مسلمہ کے اس تاریخی سفر کے رخ کو بالکل برعکس سمت میں پھیرنا [illegible] امت مسلمہ کے ہر فرد کا عظیم ترین مقصد ہے۔ تاریخ ہم پر یہ ذمہ داری ڈالتی ہے اور ہمیں بہرحال انجام دینا ہے۔ ایک طرف بکھرے ہوئے افراد کو اجتماعیت [illegible] بدلنا ہے اور دوسری طرف چھوٹی [illegible] سے جس [illegible] کا [illegible] ملی اسلامی خلافت یا بالفاظ دیگر الجماعت اور امت واحدہ کے قیام کا مرحلہ قریب تر آسکے گا۔ تاریخ ہمیں سبق دیتی ہے کہ ہر اسلام پسند کے پیش نظر اس باب میں اتحاد کے نکات کی تلاش ہو نہ کہ علیحدگی کے نکات کی تلاش۔ اس کے سوچنے کا رخ وحدت کی طرف ہو نہ کہ افتراق کی گنجائش نکالنے کی طرف۔ اس کے استدلال کا رخ یکجائی کی طرف ہو نہ کہ تفریق اور انتشار کی طرف۔

پچھلی صدیوں کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ دین کے ساتھ اس معاملہ میں بڑا ظلم کیا گیا۔ کبھی سیاست کا دائرہ اس کی رہنمائی سے خارج کر دیا گیا۔ کبھی اسے عبادت گاہوں تک محدود کرکے اور دنیا سے بے دخل کیا گیا۔ کبھی فرد کی انفرادی زندگی کے مسائل تک محدود کرکے اجتماعیت کی رہبری سے اسے سبکدوش کر دیا گیا۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر خود انسانی زندگی پر ظلم کیا گیا۔ اسے حصوں بخروں میں بانٹ دیا گیا۔ زندگی کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا گیا۔ اس کا شکار پوری انسانیت ہوئی۔ مشرق و مغرب سب اس کی زد میں آئے۔

اصل میں انسان ایک مکمل باہم دگر مربوط ایک پیچیدہ نظام ہے۔ انسانی اجتماعیت بھی باہم دگر مربوط ایک کل ہے۔ اس کے شعبوں کو قطعی انداز میں نہیں بانٹا جاسکتا مغرب نے بڑی عظیم غلطی یہی کی ہے، اس نے انسانی فطرت کے خلاف ایک عظیم جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ ہمیں اس خلاف فطرت عمل کو پھر فطری شکل میں لانا ہے۔ یہ بڑی عجیب اور مضحکہ خیز بات ہوگی کہ ہم ایک چیز کے غیر فطری ہونے پر مطمئن بھی ہوں اور پھر اسی پر اپنی جدوجہد کی عمارت تعمیر کرنے لگیں۔ اسلام دراصل [illegible] اور زندگی کے مختلف حصوں کے لئے الگ الگ نہیں ہے۔ بلکہ سب کے لئے ایک ہی ہے۔ سماجی ضرورتوں کی بنا پر جو طبقے وجود میں آتے ہیں اگر وہ سماج سے الگ رہ بس رہے ہوں تو یقیناً ان کا ماحول کچھ الگ ہوتا ہے اور اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے لیکن اگر وہ سماج کے اندر رہتے ہوں اور ان کا ماحول کوئی جدا ماحول نہ ہو تو پھر اس کے مسائل بھی یکساں ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاءؑ کی دعوت میں کبھی طبقہ واریت نہیں رہی اور وہ کبھی طبقاتی نہیں رہی۔ انھوں نے سماج کے ہر طبقہ کو ایک ہی دعوت دی۔ حقیقت یہ ہے کہ جب سماج کے تمام طبقے باہم مل کر جدوجہد کرتے ہیں تب ہی وہ انقلابی جدوجہد پیدا ہوتی ہے جو ایک جمے جمائے نظام کے خاتمہ اور اس کی جگہ دوسرے نظام کے قیام کا باعث بنتی ہے۔

قرآن وسنت کا سبق:

امت مسلمہ کے اتحاد وافتراق کی تاریخ پر ایک نظر ڈالنے کے بعد ہم کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ وہی ہمارے لئے ہدایت کا سرچشمہ اور ہر مسئلہ میں حکم ہے۔

قرآن میں اتحاد کے احکام اور تفریق سے بچنے کی جو ہدایات دی گئی ہیں انھیں سے چند آیتیں ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔ بہت ہی معروف آیت ہے کہ "اللہ کی رسی کو مضبوطی سے سب مل کر پکڑ لو۔ اور الگ الگ نہ رہو" (آل عمران ۱۰۳) "ولا تفرقوا" کا کیا مطلب ہے؟ اسے ذرا ٹھہر کر سمجھ لینا چاہیئے۔ اصل میں وحدت اور تفرق کی دو جہتیں ہیں ایک قسم کی وحدت نظریاتی وحدت ہے اور دوسرے امارت کی وحدت۔ اسی طرح تفرق دو طرح کا ہے۔ ایک عقائد ونظریات میں اور دوسرے نظم وامارت میں۔ اسلام کی نظر میں ان میں سے

کون پسندیدہ ہے اور کون مبغوض؟ اس سوال کا جواب ہر صاحب عقل کے نزدیک ایک ہی ہے۔ عقائد و نظریات میں تفرق جسے قرآن میں بارہا "اختلاف فی الدین" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ انتہائی شنیع ہے اور امارت میں تفرق اس سے کم تر۔ نظریاتی وحدت بہت محبوب ہے جیسا کہ واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً سے واضح ہے لیکن اس کے ساتھ نظم و امارت کی وحدت معیار مطلوب اور مثالی صورت ہے۔ اسی مثالی اتحاد کو قرآن نے اس آیت میں واضح کیا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو محبوب رکھتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح صف بندی کر کے جنگ کرتے ہیں جیسے وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں (صف۔ ۴) ظاہر ہے کہ بنیان مرصوص علیحدہ علیحدہ نظم و امارت کے اندر رہتے ہوئے نہیں بنا جا سکتا ہے۔ قرآن نے ایک دوسری جگہ اسی مثالی جماعت بندی کی تاکید اس طرح کی ہے۔ "اللہ و رسول کی بات مانو باہم جھگڑو نہیں ورنہ تم کمزور و بزدل ہو جاؤ گے اور تمہارے دشمنوں پر سے تمہاری دھاک اٹھ جائے گی" (انفال ع ۲) نیز سورہ شوریٰ میں فرمایا: دین قائم کرو اور اس مسئلہ میں تفرق مت ہو۔ ۱۳

آج امت مسلمہ سیاسی نوعیت سے اسلام کے نظریہ پر متفق ہوتے ہوئے بھی سیاسی اعتبار سے چالیس سے زائد ممالک میں بٹی ہوئی ہے اور دینی حیثیت سے بے شمار ٹکڑیوں میں منقسم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری دھاک ہمارے دشمنوں پر سے اٹھ چکی ہے۔ قرآن نے کہا ہے کہ ان امتکم امۃ واحدۃ۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ ہمیں وحدت کی اعلیٰ شکل اپنانا چاہیئے اور پوری امت ایک نظم اور ایک امارت کے تحت ایک جماعت ہو

اسی وحدت و اتحاد کی اہمیت ذیل میں مذکور حدیث سے معلوم ہوتی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وحدت کی اہمیت اس قدر ہے کہ اس کے بغیر اسلام ہی غیر معتبر ہے۔ ارشاد رسول ہے: انا آمرکم بخمس اللہ امرنی بھن الجماعۃ والسمع والطاعۃ والھجرۃ والجھاد فی سبیل اللہ فانہ من خرج من الجماعۃ قید شبر فقد خلع ربقۃ الاسلام من عنقہ الا ان یراجع ومن دعا بدعوی الجاھلیۃ فھو من جثی جھنم قالوا یا رسول اللہ وان صام وصلی؟ قال وان صلی وصام وزعم انہ مسلم (احمد و حاکم) حضرت عمرؓ کا یہ قول بھی اس اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے:

لا اسلام الا بجماعۃ ولا جماعۃ الا بامارۃ ولا امارۃ الا بطاعۃ۔ (جامع بیان العلم ابن عبدالبر)

ظاہر ہے کہ یہاں الجماعت سے مراد جماعت اسلامی نہیں ہے بلکہ امت مسلمہ کی پوری جماعت ہے جو امام عادل کی امارت میں بنی ہو لیکن یہ حدیثیں صراحت کر رہی ہیں کہ اتحاد بذات خود کتنا اونچا عمل ہے اور بغیر کسی معقول اور شرعی دلیل یا کسی اضطرار کے اس سے پہلو تہی کرنا کس قدر شنیع بلکہ ناقابل گرفت ہے۔ قرآن و حدیث کا صاف رجحان اور رخ مکمل اتحاد ایک امارتی وحدت کی طرف ہے۔ اور یہ چیز جہاں بھی جس حد تک، جس دائرے میں حاصل ہو اسے لازماً حاصل کرنا ہے۔

قرآن میں مسلمانوں کو یہ تاکید کی گئی ہے کہ "اور ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جو ٹکڑیوں میں بٹ گئے اور واضح ہدایات کے آجانے کے بعد اس میں اختلاف کیا" (آل عمران ۱۰۵) اس آیت میں الذین تفرقوا سے مراد بنی اسرائیل ہیں۔ بنی اسرائیل کے اندر دین کے معاملے میں اختلافات پیدا ہوئے اور پھر وہ الگ الگ بے شمار فرقوں میں بٹ گئے۔ قرآن میں اس تفرق کی وجہ جگہ جگہ بتائی ہے: اہل کتاب واضح ہدایات آجانے کے باوجود متفرق ہو گئے۔ (البینۃ ع) دوسری جگہ ہے: وما تفرقوا الا من بعد ما جاءھم العلم بغیاً بینھم (الشوریٰ ع ۱) ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ تفرق کی وجہ اختلاف فی الدین ہی ہے یعنی علم ہو [illegible] ہی تفرق پیدا ہو [illegible] لیکن امارت کے معاملہ میں کوئی اختلاف نہ ہوتے ہوئے بھی تفرق اور افتراق کی روش پر گامزن ہونا کسی طرح معقول ہے ہی نہیں۔ چنانچہ قرآن میں اس قسم کے تفرق کا بیان ہی نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ مثبت انداز میں مثالی اتحاد کے بارے میں اللہ کی پسند بتا کر چھوڑ دیا گیا کہ یہ اپنی اجتماعیت میں بنیان مرصوص ہوتے ہیں تاکہ اقامت دین کا مقصد بہترین طریقہ سے پورا ہو سکے اور دشمنوں پر دھاک قائم رہے۔

عقل و فہم کی نظر میں:

ہمارے سامنے یہ تاریخی حقیقت آچکی کہ نبیؐ نے ایک امارت کے تحت ایک مثالی جماعت قائم کی تھی۔ خلافت راشدہ تک وہ مثالی شکل میں باقی رہی اور پھر اس مثالی جماعت و امارت میں رخنے پڑنے شروع ہو گئے۔ دینی و سیاسی دونوں حیثیتوں سے جماعت و امارت کا شیرازہ منتشر ہو گیا اور اب تک منتشر ہے اور ہم آج اس مثالی اجتماعیت سے بہت دور ہیں۔

یہی وہ مثالی اجتماعیت تھی جس کی اہمیت اور حفاظت کو قرآن کی متعدد آیات اور احادیث شریفہ واضح کرتی ہیں جن کا مختصر تذکرہ پیچھے گذر چکا ہے۔ اب اس روشنی میں درپیش مسئلہ پر ایک نظر ڈالنی چاہیئے تاکہ مسئلہ کی حقیقت واضح ہو کر سامنے آئے اور ہمیں اس سلسلے میں کوئی قطعی رہنمائی مل سکے۔

امت مسلمہ کی اجتماعیت کی بنیاد ایک طرف عقائد ثلاثہ کو ماننے اور ارکان اربعہ کی ادائیگی پر تھی اور دوسری طرف ایک امارت کی اطاعت پر۔ اس بات کو صریح الفاظ میں حدیث میں واضح کر دیا گیا کہ صرف عقائد کو ماننا اور ارکان پر انفرادی طور سے عمل کرنا کافی نہیں ہے بلکہ وہ دائرہ اسلام ہی سے خارج ہو جاتا ہے جو امارت اور جماعت سے علیحدہ ہونے کی کوشش کرتا ہے

چاہے وہ عقائد پر کتنا ہی مستحکم ایمان رکھتا ہو اور ارکان اربعہ پر عامل ہو۔ ایسی صورت میں کیا شریعت ہمیں کھلی چھوٹ دے دیتی ہے کہ ہم جتنے گروہ بن سکتے ہوں بن جائیں یا یہ کہتی ہے کہ ہر فرد مسلم پر مثالی اجتماعیت کی بازیابی کی ذمہ داری ہے ہر چھوٹی اجتماعیت جو کسی غلطی سے اب تک بن چکی ہے اسے اپنی اصلاح کرکے بڑی اجتماعیت میں ضم ہونا چاہئے تاکہ مثالی اجتماعیت قائم ہو سکے۔

اسلام ایک تحریک اور انقلاب کا نام ہے۔ وہ اس طرز فکر کو مسترد کرتا ہے کہ ایک غیر محمود اور اضطراری صورتحال کو اصل فرض کرکے اتنی رعایتیں اور گنجائشیں نکال دی جائیں کہ پھر محمود اور مثالی صورتحال کے قیام کے لئے جدوجہد کا کوئی جذبہ ہی باقی نہ رہے۔ اس کا تقاضہ ہے یہ کہ اضطرار میں صرف سد رمق بھر گنجائش دی جائے اور اپنے ہاتھوں پیدا کئے ہوئے اضطرار کو ختم کرنے کے لئے سعی و کوشش کریں۔ اضطرار دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک وہ جو خود انسان کی اپنی کوتاہی سے پیدا ہوا ہو جسے دور کرنا اس کے اختیار میں ہو اور دوسرا وہ جس کے پیدا ہونے میں اس کا کوئی دخل نہ ہو اور نہ اسے دور کرنے کی اسے سکت ہو، الجماعت کی عدم موجودگی پہلے قسم کا اضطرار ہے جو خود امت کا قصور ہے اور اس کی بازیابی اس کے اختیار میں ہے اور ایسا کرنا اس کی ذمہ داری ہے۔ اپنے ہی کرتوت کو بہانہ بناکر یا اپنی ذمہ داریوں سے بچنے کے لئے گنجائشیں نکالنا صحیح شرعی نقطۂ نظر نہیں ہے۔

عام طور پر یہ بات کہی جاتی ہے کہ چونکہ الجماعت موجود نہیں ہے اور دین کا شیرازہ منتشر ہے لہذا اصلاح کرنے والوں کا گروہ ہونا چاہئے اور وہ متعدد ہو سکتے ہیں۔ لیکن کیا اس سے صدفی صد اتفاق کیا جاسکتا ہے، اس حد تک تو بات صحیح ہے کہ مصلحین کا گروہ ہونا چاہئے جیسا کہ فرمان ہے، ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر۔ لیکن متعدد اور کثیر کیوں ہو سکتے ہیں؟ اس سوال کا جواب بمشکل ہی دیا جاسکتا ہے۔

ہاں اس وقت جبکہ کوئی گروہ دین کے صحیح تصور کو صحیح طریق کار کے ساتھ نہ لے کر چل رہا ہو تو فقہ نہ صرف گنجائش دیتی ہے بلکہ رہنمائی کرتی ہے کہ صالحین کا گروہ وجود میں آنا چاہئے۔ لیکن داعیوں کا گروہ موجود ہو پھر اس کے باوجود علیحدہ جماعت بنائی جائے تو یہ کسی طرح صحیح نہیں ہے یا پھر اس کے لئے کوئی ایسی مضبوط دلیل موجود ہونی چاہئے جو شریعت کی نگاہ میں بھی اتنی قوی ہو کہ اس کی بنا پر علیحدہ جماعت بنائی جاسکے۔ (جاری)

سیرت محمدی کا اعجاز

ابوعبداللہ، علی گڈھ

دن اور رات کی گردشوں کی طرح زمانے کی بھی گردشیں ہوتی ہیں۔ کبھی سدا بہار صبح آتی ہے تو کبھی ظلمتوں کے بادل چھا جاتے ہیں کبھی حق باطل کے پردوں سے مبرہن ہو کر لوگوں کے سامنے آجاتا ہے تو کبھی باطل کا گھٹا ٹوپ اندھیرا اس پر چھا جاتا ہے۔ اسی کشمکش کے تسلسل میں آذری اندھیرے میں شعاع براہیمی ضوفشاں ہوتی ہے فرعونی ظلمتوں میں موسوی چراغ چمکتا ہے لیکن ظلمتوں کی تنگ پوش دمادم سب پر پانی پھیر دیتی ہے۔

دنیا کروٹ بدلتی ہے اور ہزاروں سال کی تاریخ مکمل کرکے شعور کی منزل پر قدم رکھتی ہے اب اس کی قسمت کا نیا سویرا ہونے والا ہے ظلمتوں کے مارے ہوئے لوگوں نے اس شعور کے سائے میں حلف الفضول کا معاہدہ کیا حق کے ٹمٹماتے چراغوں کی روشنی یکجا کر کے سحر کا سراج منیر طلوع ہوا اور چہار سو حق کی روشنی غالب ہو گئی۔ یہ نور محمدیؐ دنیا کے کس کس گوشے میں پہنچا یہ سوال نہیں بلکہ کہاں نہیں پہنچا کائنات کا کوئی گوشہ اس نور سے محروم نہیں رہا۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو موافق اور مخالف سب کے نزدیک مسلم ہے اس نور کے آتے ہی انسانوں کے سوچنے کے انداز بدل گئے حق کا معیار متعین ہو گیا۔ دنیا کو جس شے کی تلاش تھی وہ اسے مل گئی ظلمتوں کے تار و پود بکھر گئے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا ہر گوشہ ایک معجزہ ہے۔ نبوت سے پہلے کی زندگی دعوتی زندگی، مصائب کا پُر محن دور اور حزن و ملال کے دل شکستہ جھٹکوں میں عزم و ثبات کا مرحلہ داخلی اور خارجی سازشوں کا دور، کامیابی اور غلبے کا دور، گفتار و کردار میں رحمت انسانی کا جوش جہاں نگاہ ڈالئے ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ ایک معجزہ ہے۔ سیرت محمدیؐ کا یہ سراج منیر ہی وہ منارۂ ہدایت ہے جس سے منہ پھیر کر نور کی جستجو کبھی مراد نہ پا سکی دنیا چاہے مانے یا نہ مانے مگر اس کے نور سے اکتساب فیض کے بغیر ایک قدم بھی آگے بڑھنا محال ہے۔ انسانی حقوق کا مسئلہ ہو، عدل اجتماعی کی الجھن ہو، اخلاقی قدروں کے قیام کی بات ہو، یا محبت و مواخات کے نمونے کی تلاش ہو۔ نظر ٹکتی ہے آستانۂ محمدیؐ پر۔ ڈیڑھ ہزار سال قبل جب ظلمتوں کو چیرتا ہوا یہ نور چاروں طرف پھیل رہا تھا تو نہ صرف یہ کہ ایوان ظلمت زمین بوس ہو رہے تھے بلکہ جو باقی رہ گئے ان میں بھی اسی ہدایت کے چراغ جلائے جارہے تھے۔ بادشاہ اپنی حکومتوں کو منظم و مستحکم کرنے کے لئے اسی ہدایت سے کسب فیض کرتے اسی نور نے عرفان و ہدایت کی راہ ہموار کر دی ہے اس دنیا نے زبردست مادی ترقی کی ہے لیکن یہ ترقی بھی اسی نور کی مرہون منت ہے۔ یہ ترقی انسانی زندگی کے لئے محمود نہیں ہو پا رہی ہے تو اس لئے کہ یہ محروم ہے اس نور ہدایت سے۔ آج بھی انسانی معراج کی قدریں وہی ہیں جو دین محمدیؐ کی بدولت مکمل اور متعین ہوئیں۔ یہی وجہ ہے کہ ظلم کو کوئی انسانی قدر کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا ہم یہ تسلیم نہیں کر سکتے کہ انسانی دنیا میں قدروں کا زوال آ گیا

بقیہ صفحہ ۴۹ پر

تعلیمات نبویؐ اور عہد حاضر کے مسائل

محمد ظفر محفوظ نعمانی
علی گڑھ

آپؐ کی تشریف آوری سے پہلے عرب کی حالت روبہ زوال تھی۔ انسان گمراہی کے اندھیروں میں بھٹک رہا تھا۔ جہالت توہم پرستی کے غار میں لوگ رہ رہے تھے۔ آپؐ نے ان لوگوں کو انسانیت کے مرتبہ پر فائز کیا۔ آپؐ نے جو ہدایتیں قوم کو دیں اسے ہی ہم آسان لفظوں میں تعلیمات نبوی سے تعبیر کرتے ہیں۔ عہد حاضر کے مسائل نے قیامت کے ظہور کے تمام ممکنات کو واضح کر دیا ہے۔

آج دنیا کے مسلمان بالعموم تعلیمات نبوی سے کنارہ کش ہیں۔ محسن انسانیت کی بدولت انھیں امت وسط کے بلند ترین منصب پر فائز کیا گیا تھا۔ حق کی امانت ہمیں اس لئے تفویض کی گئی تھی کہ حضورؐ کی نیابت میں ہم قیامت تک انسانیت کے نجات دہندہ بنیں گے اور جب بھی زندگی اپنے مسائل میں گھر جائے اور تمدنی بحران میں الجھ جائے تو اس کے لئے ہم سہارا بنیں گے۔ لیکن ہم نے اس حق کی مشعل کو بلند رکھنے میں کوتاہی کی اور اس نظام حق کا ستیاناس اپنے ہاتھوں سے کر کے رکھ دیا۔ نتیجے کے طور پر دور حاضر کا قافلۂ فکر غلط موڑ مڑ گیا۔ یہ ہماری ہی کوتاہیوں کا کرشمہ ہے کہ آج پوری دنیا ایک بحران کا شکار ہے۔ متضاد مادہ پرستانہ نظریات کی آویزش ذہنی سکون کو برباد کر رہی ہے۔ عالمی قیادت خدا ناشناس طاقتوں کے ہاتھ میں ہے اور ہم ان ہی طاقتوں کے دریوزہ گر بن گئے۔ حالات کی ٹھوکریں ہمیں بیدار نہیں کر سکیں، ذلت اور نامرادیاں ہمارے اندر احساس ندامت ابھار نہیں سکیں۔ عالم اسلام کا انتشار اور انسانیت کا بحران ہمیں اسلاف کی پیروی پر آمادہ نہ کر سکا۔

موجودہ عالمگیر مادہ پرستانہ تہذیب میں گرفتار انسانیت کا جائزہ لیں تو وہ حال زار سامنے آتا ہے کہ روح کانپ جاتی ہے۔ پوری نسل آدم کو چند خواہشات نے اپنے شکنجے میں کس لیا ہے اور ہم ان دنیاوی خواہشوں کے دلدادہ بن چکے ہیں۔ ہر طرف دولت، اقتدار، شہرت کے لئے ہاتھا پائی ہو رہی ہے۔ آدمیت کے اخلاقی شعور کی مشعل گل ہے۔ جرائم، تمدنی ترقی کے ساتھ تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔ نفسیاتی الجھنوں کا دور ہے اور ذہنی سکون یکسر غائب ہو چکا ہے۔ انسانی ذہن و کردار میں ایسا بنیادی فساد آ گیا ہے کہ زندگی کا کوئی گوشہ اس کی منحوس پرچھائیں سے محفوظ نہیں ہے۔ فلسفہ و حکمت سے سچائی کی روح کھو گئی ہے۔ اعتقادات و نظریات میں توازن نہیں رہا ہے۔ روحانی قدریں پامال ہو رہی ہیں۔ قانون، روح عدل سے خالی ہو رہا ہے۔ سیاست میں جذبۂ خدمت کی جگہ اغراض پرستی گھس گئی ہے۔ معیشت کے میدان میں ظالم اور مظلوم طبقے پیدا ہو گئے ہیں۔ عقل ترقی کر گئی ہے لیکن اس کی حماقتیں ہمارے درپے آزار ہیں۔ علم کے سوتے ابل رہے ہیں مگر اس کی پروردہ جہالتوں کے ہاتھوں آدم زاد کی ناک میں دم ہے۔ دولت کے خزانے ہر چہار طرف بھرے پڑے ہیں مگر خاکی مخلوق بھوک، ننگ اور محرومی کے عذاب میں گھری ہوئی ہے۔

ہزار گونہ تنظیمیں، سیاسی ہیئتیں، نظریاتی وحدتیں، معاہداتی رابطے نمودار ہیں لیکن انسان اور انسان کے درمیان بھائی بھائی سا تعلق نہیں ہے۔ عقلی، سیاسی اخلاقی اور تہذیبی شعور کے چرچے ہیں مگر تشدد اور ظلم کے انتہائی ناپاک حربے آج بھی انسانیت کے خلاف کام میں لائے جا رہے ہیں۔ موجودہ دور کی تاریخ ایک اکھاڑا بن چکی ہے جس میں کہیں امپیریلزم اور حریت پسندی کے درمیان کہیں کمیونزم اور سرمایہ داری کے درمیان، کہیں جمہوریت اور آمریت کے درمیان کہیں فرد اور اجتماعیت کے درمیان اور کہیں مغربیت اور مشرقیت کے درمیان ایک خوفناک آویزش ہو رہی ہے۔

ہمارے لئے بحیثیت عالمی بحران کا چیلنج لئے کھڑی ہے۔ چیلنج کا جواب دینے کی صلاحیت موجودہ مادہ پرستانہ تہذیب اور اس کے بنائے ہوئے انسان میں نہیں ہے۔ اضطراب کے اس لمحے میں جب میں چاروں طرف نگاہیں گھماتا ہوں تو تاریکی کا سمندر شش جہت سے محاصرہ کئے ہوئے دکھائی دیتا ہے۔ اس سمت میں دور ۔۔۔ تیرہ صدی کی دوری پر ۔۔۔ ایک نقطۂ نور دکھائی دیتا ہے۔

یہ انسانیت کے سب سے بڑے محسن حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی مشعل ہے۔

رسولؐ ایک نسخۂ کیمیا بن کر اس دنیا میں تشریف لائے۔ آپؐ نے انسانی قدروں کو وقار و بلندی عطا کی۔ آپؐ کی باتیں اور تعلیمات ہرگز ہرگز فلسفیانہ موشگافیاں (نعوذ باللہ) نہیں تھیں بلکہ آپؐ نے ان پر عمل پیرا ہو کر ساری دنیا کو دکھلایا۔ لیکن ہم آج بھی تعطل کے شکار ہیں۔ افسوس صد افسوس! آپؐ اخلاق کے بلند ترین منصب پر فائز تھے۔

آپؐ دونوں جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے تھے۔

حضورؐ کی تعلیمات اور قرآن کی تعلیمات ایک ہی ہیں۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک صحابی نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ حضورؐ کے اخلاق کیسے تھے۔ حضرت عائشہؓ نہایت استعجاب سے بولیں "کیا آپ نے قرآن نہیں پڑھا؟"

اس سے یہ بات صاف طور پر سامنے آتی ہے کہ حضورؐ کی تعلیمات کی بنیاد قرآن کریم

آج روحانی قدریں پامال ہو رہی ہیں۔ لوگوں کے دل میں ایمان کا حقیقی جذبہ نہیں ہے۔ ان لوگوں کا جن کا ایمان نچلے درجے میں ہے اور جن کا ایمان اس خدا وحدہٗ لاشریک پر نہیں ہے وہ لوگ یقیناً فلاح نہیں پا سکتے ہیں۔ نتیجے کے طور پر جو روحانی پامالی ہو رہی ہے وہ اسی کمزور ایمان کی وجہ سے ہے۔ اگر انسان اس کے لئے قرآنی ہدایت پر عمل کرے تو یقیناً آج کی جو روحانی قدریں روبہ زوال ہیں ان کی پھر سے بحالی ممکن ہو سکتی ہے۔

آج دنیا میں اخلاقی گراوٹ بتدریج بڑھتی

ہی جا رہی ہے۔ حضورؐ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ آپ اخلاق کے بلند ترین منصب پر فائز ہیں۔ آپؐ نے کبھی دشمنوں سے بھی انتقام نہیں لیا۔ انتقام کی بات تو دور بلکہ آپؐ نے ان سے ویسا ہی سلوک کیا جیسے کہ عام مسلمانوں کے ساتھ آپ کا رویہ تھا۔ آپؐ نے سراقہ بن جعشم کو جس نے آپؐ کی خاتمے کی ناپاک سازشیں کیں درگذر کردیا۔ طائف کے لوگوں نے انتہائی تکلیفیں دیں آپؐ کی ایڑیوں سے خون بہہ نکلا اس کے باوجود آپؐ نے ان کے لئے برے الفاظ نہ استعمال کئے، نہ ان کے لئے بد دعائیں کیں حتیٰ کہ خدا کی طرف سے جبرئیلؑ آئے اور کہا اے رسول خداؐ اگر آپ حکم دیں تو ان دو پہاڑیوں کے بیچ بسنے والے اہل طائف کو چکی کی طرح پیس دیں۔ اتنی عظیم حفاظتی طاقت کے حصول کے باوجود آپؐ نے انہیں کچھ نہیں کہا۔

آج کا انسان ایک نفسیاتی بحران میں مبتلا ہے۔ اسے سکون نہیں میسر ہے آپؐ نے فرمایا سکون ذکر اللہ میں ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ نماز دین کا ستون ہے۔ نماز کی ادائیگی سے بندہ خدا سے قریب ہوتا ہے۔ اس ذہنی نفسیاتی بحران کی وجہ یہ بھی ہے کہ انسان اپنے آپ کو نماز سے غافل کئے ہوئے ہے۔ آج کا انسان لغویات میں کھو کر رہ گیا ہے۔ فضول کی باتوں اور حرکتوں کے شکنجے میں پھنس کر رہ گیا ہے۔ سورہ مومنون میں ارشاد فرمایا گیا (مومن) لغویات سے دور رہتے ہیں۔ یعنی ایک مومن کے پاس اتنا وقت کہاں کہ اس طرح کے فضول کاموں میں اپنے آپ کو پھنسائے۔ ایک مومن کی صفت یہ ہے وہ وقت کی بہت قدر کرتا ہے۔ جب انسان اس نہج پر سوچنا شروع کردے گا تو شاید لغویات کے شکنجے سے آزاد ہو سکتا ہے اور اس کے زد میں جو برائیاں آتی ہیں اس سے آزاد ہو سکتا ہے۔

آج منشیات کا استعمال کثرت سے ہو رہا ہے۔ ہر طبقہ اس کا عادی ہے المیہ یہ ہے کہ پڑھے لکھے اور دانشور بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ حتیٰ کہ کمسن بچے بھی اس جرم میں ملوث ہو چکے ہیں۔ اور اس کے نتائج خود نئی تہذیب کے تناور درخت کو کھوکھلا کرچکی ہے

قرآن کا حکم ہے:

لا تقربوا الصلوٰة وانتم سکاریٰ

(نشے کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ)

یعنی جس شخص کے دل میں خدا کا خوف ہوگا وہ نماز ادا کرے گا۔ وہ پاک و صاف رہے گا اور برائیوں سے بچے گا۔ اور اس کو ادا کرنے سے وہ منشیات کی برائی سے پاک بھی ہو جائے گا۔

دنیاوی خواہشات میں انسان بری طرح گھر چکا ہے۔ تشنگی کو بجھانے کے لئے وہ ہر ناجائز اور غیر شرعی اور حتیٰ کہ غیر انسانی حربے استعمال کر رہا ہے۔

حضورؐ نے فرمایا کہ جو شخص دو چیزوں کی حفاظت کا وعدہ کرے گا اسے میں جنت کی ضمانت دے سکتا ہوں، یعنی زبان اور اپنی شرم گاہ۔ ان دونوں کی حفاظت کو آپؐ نے جنت کی حصول کا ذریعہ بتایا ہے۔ قرآن میں ہے (مومن) اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ اگر آج کا انسان حضورؐ کی ان تعلیمات پر کاربند ہو جائے تو سرے سے یہ برائی ختم ہو جائے گی جو ہماری اخلاقیات کو گھن کی طرح چوس رہی ہے۔

آج دنیا میں تعصب کا بازار گرم ہے۔ ہر چہار طرف سیاسی، معاشی، سماجی، ثقافتی، علاقائی، نظریاتی، لسانی بنیادوں پر دنیا کے ہر ملک الگ الگ ہیں۔ نسلی امتیاز آج بھی زوروں پر ہے اور لوگوں کے حقوق کی پامالی ہو رہی ہے۔ امریکہ تمام دعووں کے باوجود آج تک اس فرق و تعصب کو ختم نہ کرسکا۔ وہاں APARTHIED کا مسئلہ گورے اور کالے کا مسئلہ ہے۔ ایک عجیب خلفشار انسان اور انسان کے درمیان ہے۔ اس کے برخلاف حضورؐ نے مساوات کی تعلیم دی۔ تعصب کو برا قرار دیا یہی وجہ ہے کہ یہود اور نصاریٰ بھی ان کے اخلاق سے متاثر تھے۔ آپؐ نے اپنے حجۃ الوداع کے موقع پر آخری خطبہ میں کہا تھا۔

اے میری امت کے لوگو! آج دین مکمل ہو گیا ہے۔ آج کے بعد گورے کو کالے پر، عربی کو عجمی پر کوئی فوقیت اور برتری نہیں ہے سب ایک ہیں سارے انسان بھائی بھائی ہیں۔ تم سے وہی برتر ہے جو تقویٰ میں آگے ہو۔ یعنی آپؐ نے بڑائی اور چھوٹائی کا معیار تقویٰ رکھا۔ تمام متعصبانہ نظریات کو جن کی بنیاد پر دوسروں کو ترجیح دی جاتی تھی حرام قرار دیا۔ آج لوگ اس نہج پر سوچنے لگیں تو مختلف بنیادوں پہ بٹے ہوئے انسان متحد ہو سکتے ہیں۔

آج سینکڑوں تنظیمیں انسانی حقوق کی بحالی میں مصروف عمل ہیں لیکن پھر بھی اس سمت میں ان کی پیش رفت خاطر خواہ نہیں ہے۔ بین الاقوامی بل برائے حقوق انسانی پر عمل پیرا ہونے کے لئے تمام ممبر ملک نے U.N چارٹر پر اس بات کا حلف لیا کہ انسانی حقوق کی پامالی کو دور کریں گے اور انہیں بحال کریں گے لیکن ان لوگوں کا یہ اقرار صرف قانونی شکل میں محفوظ رہا اور اس کا نفاذ نہیں ہو سکا۔ آنحضرتؐ کی زندگی میں حقوق انسانی کے تحفظ کی بہت عمدہ مثالیں ملتی ہیں۔ آپؐ کو غیر مسلین بھی امین و صادق کے نام سے یاد کرتے تھے۔ نسل پرستی اور استعماریت، حق تلفی کا دور دور تک شائبہ نہیں تھا۔

غرض عہد حاضر کے تمام مسائل اس حقیقت کو مجموعی طور پر پیش کرتے ہیں کہ دور جدید کی تمام تنظیمیں، سیاسی ہیئتیں، نظریاتی وحدتیں، علاقائی رابطے ان کے خاطر خواہ حل برآمد کرنے سے قاصر ہیں۔ ایسی پرآشوب حالت میں اگر تعلیمات نبویؐ کا پورا پورا نفاذ ہو تو اس کا ازالہ جلد ہی ہو سکتا ہے۔

بقیہ: سیرت محمدی کا اعجاز

ہے اگر ایسا ہو جائے تو اس معجزے کی جاودانی کہاں اور کہاں تکمیل حجت جسے ہم قدروں کا زوال کہتے ہیں دراصل یہ قدروں کے حصول کے ذرائع کا زوال ہے ہم انہیں قدروں کو پانا اور فروغ دینا چاہتے ہیں مگر مطلوب وسائل اختیار نہیں کرتے۔ تشنہ لبی میں آب حیات کی تلاش میں صحرا کے سراب کی طرف ہماری پیش قدمی ہے۔ ❋

امتِ مسلمہ

فرید احمد فلاحی، اعظم گڈھ

امت مسلمہ کے کسی فرد سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ اس کا فرض کیا ہے۔ اس کا وجود اس کائنات میں کس لئے ہے اور کس وجہ سے یہ تمام اقوام پر ممتاز و نمایاں حیثیت کی حامل ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد نوع انسانی کو راہِ ہدایت پر لانے کے لئے اور اس کو تاریکی سے روشنی میں لانے کے لئے، شرک و کفر سے نکال کر توحید و ایمان کی دولت سے سرفراز کرنے کے لئے، مخلوق کی سجدہ ریزی سے ایک خدا کی بندگی سے قلب کو راحت عطا کرنے کے لئے ایک پُرامن معاشرہ تعمیر کرنے کے لئے امت مسلمہ کو برپا کیا گیا ہے۔

اس عظیم فریضہ کی اہمیت اور اس کا وجوب غالباً امت کے ہر تعلیم یافتہ فرد پر عیاں ہے لیکن اس وقت ایسے افراد پر مشتمل کثیر تعداد اس سے غافل ہے۔ اور یہ اس لئے کہ اس امت نے دورِ حاضر میں زندگی کے جزئی مسائل کو اہم ترین مسئلہ اور اس عظیم ذمہ داری کو حقیر سمجھ لیا ہے۔ ان کے دلوں میں بھی آخرت کی محبت کی مقدار کم ہے۔ ان کے دلوں میں ایمان و یقین کی روشنی مضمحل ہو گئی ہے۔

اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی محبت ہر ایک مسلم کے لئے لازم قرار دیا ہے۔ حتی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ سب سے زیادہ محبت ایک مسلم کے دل میں میری ہونی چاہیئے ورنہ ایمان کی تکمیل ممکن نہیں ہے۔

جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث میں فرمایا:
کہ تم میں کا کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے باپ بیٹے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

اور عبداللہ بن ہشام سے مروی ہے کہ ہم ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمرؓ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے عمرؓ نے کہا یا رسول اللہؐ! آپ میرے نفس کو چھوڑ کر سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ آپؐ نے کہا۔ نہیں، ابھی محبت ناقص ہے۔ کہا واللہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ تم اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتے۔ جب تک میں تمہارے نزدیک خود تمہارے نفس سے بھی زیادہ نہ محبوب ہو جاؤں یہ سن کر حضرت عمرؓ نے کہا۔ اب واللہ میری جان سے بھی آپ میرے نزدیک محبوب ہیں۔ تب آپؐ نے فرمایا: (الآن یا عمرؓ) یعنی عمر اب تم مکمل مومن ہو گئے۔

اس مختصر سی حدیث نے نبیؐ سے مومن کے تعلق کو واضح کر دیا ہے۔ آگے اس سلسلے میں ایک آیت مذکور ہے جس میں مختلف اقوال ہیں۔ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ امام بغوی نے اس آیت کے نزول کے بارے میں لکھا ہے۔ کہ جب نبی کریمؐ لوگوں سے جہاد فی سبیل اللہ کے لئے کہتے تو لوگ جواب دیتے کہ والدین سے اجازت لے لیں۔ ایسے موقع پر اس آیت کا نزول ہوا کہ وجوب اطاعت اور اطاعت امر میں نبی کریمؐ کا درجہ ماں باپ سے بڑھا ہوا ہے۔ حکم نبی کے مقابلہ میں کوئی لائق اعتنا نہیں۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس نے اس آیت کا یہ مطلب بیان فرمایا کہ اگر نبی کسی کام کی دعوت دے اور نفس کی خواہش کچھ اور ہو تو نبی اطاعت کا زیادہ مستحق ہے۔

سورۂ یوسف آیت ۵۳ میں فرمایا گیا اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ بلاشبہ نفس بدی پر اکساتا ہے الا یہ کہ کسی پر میرے رب کی رحمت ہو، بے شک میرا رب مغفرت کرنے والا اور رحیم ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نفس اگر آزاد ہو تو وہ کبھی کسی اچھی بات کی طرف ہدایت نہیں کر سکتا۔ اس سے بچنا کھیل نہیں ہے۔ اس لئے نفس سے بچنے کے لئے تقویٰ اختیار کرنا پڑے گا۔ اور تقویٰ کیلئے اللہ واحد پر ایمان اور آخرت و رسالت پر ایمان ضروری ہے۔ جو شخص ان چیزوں پر ایمان نہیں رکھتا وہ مومن نہیں۔ اور اس کے عوض میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے جنت کا وعدہ کیا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کے نفس اور مال و عیال جنت کے بدلہ میں خرید لیا ہے۔ وہ اللہ کی راہ میں لڑتے اور مرتے رہیں۔ اور جہاد کرنے کے لئے ہمیشہ کمربستہ رہیں۔ اور یہ قربانی وہی شخص دے سکتا ہے جو اپنے اہل و عیال مال دولت سے زیادہ توحید و رسالت کو محبوب رکھتا ہو۔ اور یہی مومن جہاد فی سبیل اللہ میں کامیاب ہو سکتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ قربانی دینا کوئی کھیل نہیں ہے جیسا کہ کچھ لوگ کہتے رہتے ہیں کہ موقع آئے گا تو ہم سب کچھ قربان کر دیں گے۔ نہیں اس کے لئے اپنے آپ کو پہلے ہی سے اسی طرح تیار کرنا پڑتا ہے جس طرح سے ایک فوجی ٹریننگ وغیرہ سے اپنے آپ کو تیار کرتا ہے۔ اور اپنے اندر بہت سی صفات پیدا کرنی ہوتی ہے۔

ایک مجاہد فی سبیل اللہ کے اندر اخلاقی کردار صبر و ثبات، ایثار اور قربانی کی صفات زیادہ مقدار میں ہوں۔ تب کہیں جا کر وہ گنا باطل پرستوں کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

صبر ہی وہ چیز ہے جس سے پچھلی قومیں کامیاب ہوئیں۔ ہر شخص کو ہر کام پیہم صبر کے ساتھ کرنا چاہیئے اور بزدلی برائے نام نہ ہو۔

جتنے رسول اور نبی دنیا میں آئے۔ ان کی خاص صفت یہ تھی کہ انھوں نے صبر کا دامن آخری دم تک نہ چھوڑا بلکہ اس کو مضبوطی سے پکڑے رہے۔ ان کو کافروں نے کتنی تکلیفیں دیں لیکن وہ پیہم اس شہادت کے کام پر ڈٹے رہے۔ اور اسلام کو دنیا میں پیش کرتے رہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہمیشہ اس لئے ہوتی رہی کہ وہ باطل کو مٹا دیں اور اس کی جگہ حق کا قیام عمل میں لائیں اور یہ کام کوئی آسان نہیں ہے۔ اس کے لئے ان افراد

کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو اخلاق و کردار، صبر و ایثار کے طاقت سے کافی مضبوط ہوں۔ تب جا کر وہ کہیں دشمنوں کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن سکتے ہیں۔

اور اب نبوت کے بعد یہ فریضہ ہم پر عائد ہوتا ہے کہ ہم دنیا میں اسلام کا بول بالا کریں اور اس کے لئے ہمیں اپنے اندر یعنی امت مسلمہ کے اندر ان تمام صفات حمیدہ کو پیدا کرنا چاہئے جو ایک مجاہد کے اندر ضروری شئے قرار دی جاتی ہے۔ اور اتحاد سے اس فریضہ کو انجام دیں۔

اتحاد ایک بہت بڑی طاقت ہے۔ جیسا کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا **لا تتفرقوا فیہ**۔ یعنی متحد رہو۔ تاکہ ہم اس کے ذریعہ اپنے مقصد وجود کو پورا کر سکیں اور اپنے فرض سے فرداً فرداً سبکدوش ہو سکیں۔ اور آخرت میں اپنی موعودہ شئے کو حاصل کر سکیں۔ ہماری یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

ہم کو دنیا میں ان مذکورہ صفات سے لیس ہونے کے لئے اور اپنے نقائص کو دور کرنے کے لئے ابھی سے اپنا جائزہ لینا چاہئے۔ تاکہ فرداً فرداً ہر شخص ان صفات کا جامہ پہن لے۔ اور تمام متحد ہو کر اپنا کام بحسن و خوبی پایۂ تکمیل کو پہنچا سکیں۔ چونکہ انسان کا اس کے قلب سے بڑھ کر کوئی دوسرا ٹھیک ٹھیک مطابق واقعہ احتساب نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **اقرأ کتابک کفیٰ بنفسک الیوم علیک حسیبا**۔ (بنی اسرائیل ۱۴)

ترجمہ: پڑھ اپنا اعمال نامہ۔ آج اپنا حساب لگانے کیلئے تو خود کافی ہے۔ یہ بات بروز قیامت کہی جائے گی۔ اور اس روز تلافیٔ مافات کا کوئی موقع نہ ہوگا۔ تو بجائے اسکے کہ اس روز ہم کف افسوس ملیں اور مایوس و نا امید ہوں۔ آج ہی ہم دنیا میں تلافیٔ مافات کر لیں۔ اور تمام نقائص کا قلع قمع کر کے اپنا مقصد حاصل کر سکیں۔ دوسری جگہ سورہ قیامہ میں فرمایا: **بل الانسان علیٰ نفسہ بصیرہ ولو القیٰ معاذیرہ** کہ انسان خود اپنے نفس کے لئے دلیل ہے۔ چاہے وہ کتنا ہی بہانا بنائے اور عذر پیش کرے۔

ہر انسان اپنی برائی بھلائی جانتا ہے۔ اپنے نقائص اور خوبیوں کو جانتا ہے۔ اگرچہ دوسروں سے کتنا ہی بہانہ کرے۔ لیکن نفس اندر سے حقیقت پر زور دیتا ہے۔

دوسری جگہ خدا سے ڈرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ اے مومنو! اللہ سے ڈرو۔ نفس کو دیکھنا چاہئے کہ اس نے کل کے لئے کیا چیز بھیجی ہے۔ اللہ سے ڈرو بلاشبہ وہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ یہاں دو مرتبہ ڈرنے کے لئے فرمایا گیا ہے۔ دل میں خدا کا خوف ہی وہ چیز ہے۔ جو برائیوں سے بچا کر سیدھی راہ پر چلاتا ہے۔ اور اچھے کاموں پر اکساتا ہے۔ اور اپنے اعمال کے احتساب پر آمادہ کرتا ہے۔ اگر ہمارے اندر خدا کا خوف ہے تو ہمارے لئے خوش نصیبی اور سعادت ہوگی۔ اور یہ چیز ہمارے لئے فلاح و کامرانی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

خاتم النبیینؐ نے احتساب نفس پر کافی زور دیا ہے۔

قال: الکیس من دان نفسہ وعمل لما بعد الموت والعاجز من اتبع نفسہ ھواھا وتمنی علی اللہ۔

کہ عقلمند اور دانشمند وہ شخص ہے جس نے اپنے نفس کا احتساب کیا اور موت کے بعد کی زندگی کے لئے نیک اعمال کئے اور عاجز و درماندہ (بیوقوف) وہ شخص ہے جس نے اپنے نفس اور خواہشات کی اتباع کی۔ اور اللہ سے بہت ساری امیدیں باندھ رکھیں۔

تو عقلمندی و دانشمندی اس بات میں ہے کہ برابر اپنا احتساب کرتے رہیں۔ اور مقصد وجود کو سامنے رکھ کر اپنا کام انجام دیں۔ تاکہ امت مسلمہ پر جو فریضہ عائد ہوتا ہے اس کو ہم انجام دے سکیں۔

اور اس بات پر ہم کو غور کرنا چاہئے کہ کیا واقعی ہم نے قریب ترین رشتہ داروں، اعزہ و اقارب اہل و عیال اور مال و دولت کی محبت کو اپنی زندگیوں میں ثانوی اور ضمنی حیثیت دے رکھی ہے۔ اور جو امت مسلمہ پر ذمہ داری آتی ہے اس کو ہم پوری طرح سے انجام دے رہے ہیں؟

اگر جواب نفی میں ہے تو ہم صدق دل سے توبہ کر کے اس کی طرف متوجہ ہوں۔ اور اگر ایسا ہے تو انشاء اللہ ہم کامیاب ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اقامت دین کی جدوجہد کا بے لوث و مخلص سپاہی بنائے اور بروز قیامت اپنے سایہ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔

آنکھ کی کہانی اس کی زبانی

محمد اسلام گونڈوی

میرا وجود با مسعود انسانی زندگی کی بقا کیلئے لازم ہے اگر اس سے میرا وجود ختم ہو جائے تو وہ ناقص اور عیب دار ہو جاتا ہے۔ دنیا کی لذیز چیزوں سے وہ ہرگز لطف اندوز اور بہرہ ور نہیں ہو سکتا۔ خود میری تخلیق سے خالق کائنات اپنی ایک قدرت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ ہم اکثر و بیشتر جوڑے پائے جاتے ہیں کبھی صرف ایک ہی کا وجود ہوتا ہے جس سے انسانی ساخت میں فطور پیدا ہو جاتا ہے حاصل یہ کہ میرا وجود پیکر انسانی کے مکمل ہونے کے لئے ناگزیر ہے۔

میرا وجود انسانی معاشرہ کے صالح و نیک ہونے کے لئے بھی از حد ضروری ہے، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ کسی پر حدِ زنا اس وقت تک جاری نہیں ہو سکتی جب تک کہ میں اس کی شہادت نہ دوں ام المومنین حضرت عائشہؓ جو ایک باعصمت اور پاکدامن عورت تھیں جب منافقین نے ان کی پاکدامنی پر الزام لگایا تو منافقین پر حد قذف جاری کی گئی کیونکہ وہاں عینی شہادت نہیں تھی۔ دیکھا آپ نے میرا وجود ظاہراً و باطناً جسم انسانی اور معاشرۂ اسلامی کے لئے کس قدر اہمیت رکھتا ہے۔

ایک ہرے بھرے گلشن میں مختلف قسم کے پھول، پتے، درخت، ڈالیاں اور شاخیں ہوتی ہیں۔ اس کے عمدہ پھول کو سونگھ کر اس کی خوشبو معلوم کی جا سکتی ہے، نرم و گداز ہاتھوں سے اسے چھو کر اس کی ملائمت تو معلوم ہو سکتی ہے گلشن کی ہری بھری ڈالیوں پر بیٹھنے والی کوئل کی "کوکو" کانوں میں رس گھول سکتی ہے لیکن گلاب یا دوسرے اور رنگ برنگ کے پھول ان کی ساخت و بناوٹ خوشنما پنکھڑیوں کا تناسب، ایک دوسرے کا باہم پیوست ہونا ان تمام مناظر کا مشاہدہ کر کے میں ہی اس کی تصدیق کرتی ہوں کہ گلشن اپنی خوبصورتی میں کوئی نظیر نہیں رکھتا میرے بغیر

پیمعلوم کرنا ناممکن اور محال ہے۔

"شنیدہ کے بود مانند دیدہ" کا مقولہ میرے ہی لئے تو خاص ہے مختلف باتیں آپ کے گوش گزار ہوتی ہونگی۔ وقتی طور پر آپ کو اس پر یقین ہوجاتا ہوگا اس سے انکار نہیں لیکن جب میں کسی معاملہ کا مشاہدہ کرلیتی ہوں تو شک وشبہہ ذہن ودماغ سے کوسوں دور ہوجاتا ہے۔ جب ہمارے وجود کی یہ اہمیت ہے تو میری موجودگی انسان کیلئے کس قدر ضروری ہے اور میں انسانی زندگی کے لئے کس قدر ناگزیر ہوں۔ نہ میں عقاب وشاہین کی طرح تیز نہ گدھ و بھیڑیے کی طرح سست بلکہ ایک چاق وچوبند وجود ہوں۔ ثریا جیسی بلندی پر بھی میرا وجود رہتا ہے۔ میری ہی موجودگی میں اس کے رونے سے شبنم کے حسین ودلربا قطرے پتوں اور پھولوں پر اپنے حسن کی عکاسی کرتے نظر آتے ہیں۔ میں ایک بحر بیکراں ہوں، میرے کئی روپ ہیں، میرے ہی جسم خاکی سے خوشی، شان وشوکت اور طمطراق کے ایام میں جبکہ شہنائیاں بج رہی ہوں تو میں خوشی ومسرت کی ایک لہر دوڑا دیتی ہوں اور موتیوں کا ایک ہار چہرہ انور پر ڈال دیتی ہوں، رنج وغم کے عالم میں اسی جسد خاکی سے دل شکستہ خون کے قطرے بھی نکالتی ہوں گویا میں ایک انقلاب کی چمک ہیرے اور موتی کی دمک ہوں میں ہی وہ ذات ہوں جو اپنے عمیق جھیل سے بیش بہا اور گراں قدر موتی نکالتی ہوں اس میں سے اگر ایک قطرہ پانی بہہ پڑے تو ساری دنیا پر صف ماتم بچھ جائے، دل پاش پاش ہوجائے، آباد دنیا ویرانیوں اور کھنڈروں میں تبدیل ہوکر رہ جائے۔

جب میری تخلیق انتہائی سیاہی وسفیدی کی حالت میں ہو تو مجھ میں ایک مقناطیسی کشش پیدا ہوجاتی ہے جو سارے عالم کو اپنے دام میں پھانس لیتی ہے۔ نرگس نے بھی میری نقالی کی لیکن بے سود رہا لوگ وقت ضرورت تو اس سے استفادہ کر لیتے ہیں لیکن اس کا دوام وثبات ہو یہ ناممکن ہے۔ دل کا پتھر جب چور چور ہوجاتا ہے تو اس سے ایک سوزدار چنگاری نمودار ہوتی ہے جس کو میرے گیٹ سے گزر کر سارے عالم میں پھیلنا یقینی ہوتا ہے لیکن میری ایک خداداد صلاحیت وخصوصیت ہے کہ میں اس کو بجائے ایک چنگاری کے ایک قطرہ آب میں تبدیل کردیتی ہوں خدانخواستہ اگر وہ چنگاری عالم وجود میں پہونچ گئی تو ساری دنیا کو جلاکر خاکستر کردیگی۔ اب آپ میری حقیقت کا بخوبی اندازہ لگاسکتے ہیں کہ میرے اندر کیا طاقت ودیعت کی گئی ہے اور میں کتنی کارآمد ہوں۔ ایسے ہی میرا ایک دوسرا روپ ہے کہ میں ہی ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ کر ایک کردیتی ہوں جبکہ ٹوٹی ہوئی آہ میرے مکان سے گزرتی ہے تو میں اس کو ایک ایسے مادے میں تبدیل کردیتی ہوں جس سے وہ جوڑنے کا کام بخوبی انجام دیتا ہے اور پاش پاش دل کو جوڑ کر اس میں محبت واخوت کی ایک دنیا آباد اور ایک خوشگوار فضا تیار کردیتی ہوں۔

ہمارے اتنے دشمن ہیں جن سے ہر وقت ہماری جان کے لالے پڑے رہتے ہیں لیکن ہماری حفاظت وصیانت خدا کی جانب سے ہے، ایک تنگ وتاریک غار جس کے اوپر مضبوط دروازے ہوتے ہیں ان پر بھی سنہری کڑیلوں کی زنجیر اپنے کام میں ہمیشہ سرگرم عمل رہتی ہے۔ ہتھیاروں سے لیس پلکوں کا ایک حفاظتی دستہ اس پر طرہ بھولوں کا ایک عظیم قلعہ جو اپنے اندر کی حفاظت پہ ہمہ وقت سینہ سپر رہتا ہے، جب ہمارے کسی دشمن نے ہمیں ایذا رسانی کی کوشش کی تو فوراً پلکیں اپنی حفاظت میں لے لیتی ہیں۔

میں اتنی غیرت مند ہوں کہ اغیار کو اپنے ساتھ رکھنے میں ذرا بھی رواداری نہیں رکھتی کیونکہ اغیار کی اصطلاح ہی بہت خطرناک ہے۔ ان کی وجہ سے ہمیشہ ہم کو تکلیف پہونچتی ہے۔ کسی چیز کے ایک تنکے کو اپنے اندر ایک سکنڈ بھر کے لئے برداشت کرنے کی قوت نہیں رکھتی اس وقت صبر کا پیمانہ لبریز ہوجاتا ہے اور موتیوں کا ایک سنہرا ہار گلے میں ڈال دیا جاتا ہے۔ میرے اندر نیند کا ایک بحر زخار ہے دل جو خوف خدا اور خشیت الٰہی کی ایک بھٹی ہے جب دل خوف خدا سے خالی ہو تو میں اس کو ملامت وسخت سست کہکر خوف خدا پر اس کو آمادہ کرتی ہوں وہ رات کی تاریکیوں میں اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہوکر اپنی جبین عقیدت کا نذرانہ پیش کرتا ہے تو میرے ہی وجود سے آنسو کی ایک لہر دوڑ جاتی ہے ہمارے ہی لئے اللہ تعالیٰ نے خاص کر فرمایا "آنسو کا وہ قطرہ جو خوف خدا سے بہہ جائے تو اس پر جہنم کی آگ ہمیشہ کے لئے حرام ہوگی" اپنے گناہوں کے درد کا درماں کا خواستگار تقصیرات کی کسک سے بے کل کردیتی ہے۔ لوگ شب کی تاریکی کی خنک ہواؤں سے لطف اندوز، شعاع آفتاب سے ملاقات کے وعدے پر آغوش خواب میں پڑے رہتے ہیں لیکن میں ہوں کہ اپنے سے نیند کے ضمیر کو جگاکر مرد مومن کے لئے اس کے نرم وگداز بستر کو بستر خار مغیلاں بنادیتی ہوں۔ اسے تڑپا کر نیند کے آغوش سے جگاتی ہوں پھر اللہ کے حضور ما سے کھڑا کردیتی ہوں تو وہ اللہ کی راہ میں داد ودہش، صبر وشکر، تقویٰ وطہارت، عدل وانصاف اور تواضع وانکساری کے آبدار سے وہ مالامال ہوتا ہے۔ میرے ضمیر میں خیر وشر دونوں موجود ہے۔ میں جب کسی حسین وخوبصورت دوشیزہ کو دیکھتی ہوں تو دل میں تمناؤں اور آرزوؤں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر پیدا کردیتی ہوں۔ لیکن میرے اندر یہ بھی ایک بلند قوت خداداد صلاحیت اور بلند طریقہ ہے کہ جب کسی غیر محرم پر سے میرا گزر ہوتا ہے تو میں اپنے کو بالکل نیچی کرلیتی ہوں کیونکہ ہمارے ہی لئے اللہ تعالیٰ کو یہ حکم نازل کرنا پڑا۔ **قل للمومنین یغضوا من ابصارھم وقل للمومنات یغضضن من ابصارھن**۔ جب سے یہ آیت نازل ہوئی اس وقت سے میں ایک محتاط طریقے پر زندگی کے سفر میں رواں دواں ہوں کہ کہیں خالق دوجہاں کا قول مجھ پر صادق نہ آجائے اور میں مستحق عقاب وعذاب نہ قرار دی جاؤں۔

اظہار بندگی، عجز ونیازی، خاکساری وانکساری ومحبت وخشیت کی کیفیت جو فلاح وکامرانی کی ضمانت دیتی ہے یہ کیفیت محض چند لمحوں اور گھڑیلوں کے لئے ایک مرد مجاہد کا سرمایہ زندگی نہیں بنتی ایسی کیفیت تو چند لمحات کے لئے ہر کہ ومہ کے اندر رونق افزائی کرسکتی ہے درحقیقت

خشیت الٰہی کی کیفیت جسے میں انسان کے دل میں پیدا کرتی ہوں اس کا سرچشمۂ حیات ہوتی ہے۔

دل کی دھڑکن، خون کی گردش، نبض کی حرکت ہو جاتی ہے اس کیفیت کے بقاء تحفظ کی ضمانت اسی وقت مل سکتی ہے جب ایک قلب سلیم رکھنے والا مرد یا عورت مالک دو جہاں کے دربار میں اپنے گھٹنے ٹیک کر دست بدعا ہو لرزاں و ترساں اپنے خالق حقیقی کے حضور میں سجدہ ریزہ ہو اس وقت ایک بندہ مومن سے عبدیت کی تڑپ اور کبریائی کی ہیبت بخشندہ کے نہایت بے کرم کی امید اس کی میٹھی نیند چھین لیتی ہے وہ ایک دلآویز کسک کے ساتھ بستر سے اٹھ بیٹھتا ہے اور پھر وہ نورانی لمحہ آتا ہے کہ بندہ مومن کا سارا وجود تابناک ہو جاتا ہے اس کی گڑگڑاہٹ اس کی ہچکیاں اس کی آہ و زاریاں اس کا استغفار اس کی دعائیں اس کی عبدیت کا نذرانہ بن کر در کبریا پر پہونچتی ہیں اور شان کریمی ان عرق انفعال کو موتی سمجھ کر چن لیتی ہے یہ مقبولیت و محبوبیت جو کبریا کے ساتھ ہوتی ہے۔ مرتے مرتے ہی بیدار مغزی کی مرہون منت ہوتی ہے۔ والذین یبیتون لربھم سجداً وقیاماً (فرقان) اگر میں کسی کے سامنے بے بس، کم حیثیت اور لاچار ہوں تو وہ خالق حقیقی کی ذات کی محبت ہے۔ کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا۔ لاتدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار۔ آنکھیں اسے پا نہیں سکتیں البتہ اس کی گرفت میں یہ آنکھیں بھی ہیں۔

آج کے مسلمان

محمد وصی الدین اشرف، عمرآباد

دنیا میں ان گنت مذاہب پائے جاتے ہیں جن کا احاطہ و ادراک محال ہے۔ البتہ چند معروف و مشہور مذاہب ہیں جن کو ہم جانتے ہیں اور جن کو تاریخ کے صفحات نے محفوظ رکھا ہے۔ مثلاً مذہب اسلام، بدھ مت، عیسائیت یہودیت، سوشلزم، ہندوازم وغیرہ اگر ہم ان کی تاریخ پر غور کریں گے تو ہمیں اپنا کھویا ہوا مقام اور منصب، علوم اور تناقل و مداہنت کی عبرتناک داستانیں یاد آنے لگتی ہیں، موجودہ دور میں ملت مسلمہ کی بدچلنی، بدکرداری اور تفرقہ بازی پر بےحد افسوس ہوتا ہے، ہمارے مذہب کی تمام خوبیاں اور اچھائیاں غیر قوموں نے اپنالی ہیں۔ اور ان کی تمام خرافات اور بے اعتدالیاں ہم مسلمانوں میں آگئی ہیں۔ سب سے بڑھ کر افسوس اس امر کا ہے کہ ہم لوگوں نے غلامانہ زندگی کو قابل فخر سمجھ رکھا ہے۔ جس کے بُرے اثرات ہماری آئندہ نسلوں پر بھی پڑ سکتے ہیں۔

غیر مسلم مسلمانوں کی مخالفت میں اپنے باہمی اختلافات ختم کرکے متحد ہو جاتے ہیں اس کے برعکس ہمارے مسلمان بھائی اتفاق و اتحاد کی دولت سے یکسر محروم ہیں حتیٰ کہ کسی مسلمان بھائی پر کوئی مصیبت آتی ہے تو اس کی مدد کرنے کے بجائے خوشی اور مسرت کا اظہار کیا جاتا ہے۔ خود غرضی اور مفاد پرستی کی لعنت عام ہو چکی ہے۔ یہ قومیں تو اپنی قومی مفاد کی خاطر ہر قسم کی قربانیاں پیش کریں اور ہم مسلمان سوائے گروہ بندی اور تفرقہ بازی کے کوئی مقصد نہیں رکھتے۔ افسوس صد افسوس ہے ذرا ذرا سی بات پر وہ ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جاتے ہیں، پارٹی بندی کرنے لگتے ہیں۔ ایک دوسرے کی مخالفت پر اتر آتے ہیں، باہمی مفاد ان کا شعار ہے۔ تعصب اور تنگ نظری ان کا شیوہ ہے" انما المومنون اخوۃ" کا زریں درس ذہنوں سے اوجھل ہو گیا ہے۔

آج جماعتیں محض اس لئے بنائی جاتی ہیں کہ وہ ایک دوسرے کی تحقیر و تذلیل کریں، ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالیں، ایک دوسرے کا مذاق اڑائیں اور اپنے آپ کو بڑا اور اونچا ثابت کریں، حالانکہ قرآن نے یہ کہہ کر وعید سنائی۔ ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاء ھم البینات واولٰئک لھم عذاب عظیم" (ال عمران)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب نے ایسی جماعت سازیوں، فرقہ بندیوں اور آپس کے جھگڑوں سے منع کرتے ہوئے کہا کہ اگلے لوگ اسی طرح باہم اختلاف کرکے ہلاک ہو گئے۔ حضرت عمرؓ کے تعلق سے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں "امر امیر المومنین بالجماعۃ ونہاھم عن الاختلاف والفرقۃ واخبرھم انما ھلک من کان قبلکم بالمراء والخصومات فی الدین" مگر آج کے مسلمان کے قلب و نظر سے یہ حقیقت اوجھل ہو گئی ہے۔ اسی کا ثمرہ ہے کہ آج ہم دنیا میں کروڑوں کی تعداد میں ہوتے ہوئے اور ہر قسم کے ہتھیاروں سے مسلح ہونے کے باوجود ہر جگہ تباہ حال اور پریشان ہزیمت کا منہ دیکھ رہے ہیں۔

ہماری عزت، آبرو، جان اور ہمارا مال کچھ بھی محفوظ نہیں ہے۔ کہیں ہمارے لئے کوئی پناہ گاہ نظر نہیں آرہی ہے۔ افسوس کہ ایسے نازک موقع پر بھی ہمارے معمولات میں کوئی نمایاں تبدیلی واقع نہیں ہوئی بلکہ آج بھی ایک دوسرے کی تذلیل و تحقیر میں ہم اپنا قیمتی وقت ضائع کر رہے ہیں۔ آج اس بات کے بھیانک نتائج ہمارے سامنے ہیں۔ لہٰذا دوسروں پر اپنی بربادی کا الزام رکھنے اور غیروں کو قصوروار ٹھہرانے کے بجائے ہمیں خود اپنے اعمال اور اطوار کا جائزہ لینا چاہیئے۔

آج مسلمان جہاد کے نام پر اپنے ذاتی اغراض و مقاصد کے لئے جنگ کر رہا ہے اور ہر جگہ شکست سے دوچار ہو رہا ہے لیکن اگر واقعی وہ دین کا خادم ہوتا اور اس کی جدوجہد دین کے لئے ہوتی تو یقیناً نصرت خداوندی اس کو ضرور حاصل ہوتی، خدا کا وعدہ ہے "ان تنصروا اللہ ینصرکم" واقعات ہمارے سامنے ہیں کہ لوگ تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ ایک دوسرے کو رسوا اور ذلیل کرنے اور نیچا دکھانے کی فکر میں مبتلا ہیں۔ بے جا فتوے صادر کئے جاتے ہیں، ایک مسلمان کو دائرۂ اسلام سے خارج کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے۔ حالانکہ ہمارا فرض تھا کہ اپنی اور اپنے بھائیوں کی اصلاح کی کوشش کرتے اور باہر کی دنیا سے جو چیلنج ہو رہے ہیں ان کی مدافعت کرتے۔ اللہ تعالیٰ

ہے۔ یعنی ضرورت اس بات کی ہے وہ مومن بن کر رہیں، خدا کا وعدہ تو غلط نہیں ہو سکتا البتہ ہمیں اپنی اصلاح کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ جنگ بدر کا واقعہ ہمارے سامنے ہے کہ صرف تین سو تیرہ مسلمانوں نے بھاری تعداد رکھنے والے دشمن کی نہ صرف سرکوبی کی بلکہ آئندہ سر اٹھانے کے قابل نہ رکھا۔

آج بھی ہم اپنے سلف صالحین کی طرح وہ بلند مرتبہ اور شاندار منصب حاصل کر سکتے ہیں شرط یہ ہے کہ وہ جذبۂ خلوص خود میں پیدا کریں جیسے ہمارے اسلاف ہمیں ورثہ میں دے گئے ہیں، اور آپس میں متحد و متفق ہو کر "واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعا ولا تفرقوا" کا کامل نمونہ پیش کریں۔

آیئے ہم مسلمان عہد کر لیں کہ "انما المومنون اخوۃ" کے پیکر بن کر آپس کی تمام کدورتوں اور بغض و عناد کو ختم کر دیں اور اپنا اصل اور حقیقی مقام حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ بے کار اور لاحاصل چیزوں کے پیچھے پڑیں گے تو ہم ناکارہ ہو کر رہ جائیں گے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو! تمہاری ہدایت کے واسطے دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جب تک تم ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رہو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ اللہ کی کتاب اور میری سنت۔

اگر ہم ٹھنڈے دل سے سوچیں تو ہم خود اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ ہماری تباہی و بربادی کا واحد سبب قرآن و حدیث کو ترک کر دینا ہے۔ خدا کا یہ فیصلہ سچا اور اٹل ہے کہ اسلام کے علمبرداروں کو عزت و سربلندی سے ہمکنار کریگا۔ ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال پیشتر جو پیشین گوئی فرمائی تھی وہ آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگ تم پر اس طرح ٹوٹ پڑیں گے جس طرح تعداد اتنی کم ہو گی؟ آپ نے فرمایا تم کثیر تعداد میں ہو گے مگر اس وقت تم سیلاب کے جھاگ کے مانند ہو گے اور تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب ختم ہو جائیگا اور اس کے برعکس تمہارے دلوں میں وہن پیدا ہو جائیگا۔ صحابہ نے عرض کیا وہن کیا چیز ہے۔ فرمایا آپ نے دنیا کی محبت اور موت کا کھٹکا۔ (مشکوۃ)

قرآن اسی وہن اور کمزوری کو دور کرنے آیا ہے۔ نہ کہ بزدلی اور بدبختی میں مبتلا کرنے کیلئے لہذا قرآن مجید ہر اعتبار سے کتاب ہدایت اور مشعل راہ ہے۔ یہ حق کو غالب کرنے اور باطل کو مٹانے کے لئے آیا ہے۔

اس سرچشمہ ہدایت کے ہوتے ہوئے ہم اس سے فائدہ نہ اٹھائیں اور دنیا و آخرت کے مستقبل کو تابدار اور روشن نہ بنائیں تو یہ ہماری انتہائی بدقسمتی ہو گی، قرآن حکیم یوں تو سارے عالم کے لئے اور خصوصاً مومنوں کے لئے سراپا ہدایت بن کر نازل ہوا ہے۔

"کسی نے امام احمد بن حنبل رح سے یوں شکایت کی کہ مجھے فلاں امیر سے خوف ہوتا ہے تو آپ نے جواب دیا اگر تیرا دل بیمار نہ ہوتا تو قطعاً تجھے اس قسم کا خوف لاحق نہیں ہوتا یہ خوف محض دل کی بیماری ہے۔" آج "خدا کا بے پایاں شکر ہے" ہماری تعداد بہت زیادہ ہے۔ لیکن کروڑوں کی تعداد میں ہونے کے باوجود غیر اقوام کے مقابلے میں ہر اعتبار سے ہم بہت پیچھے ہیں، خواہ وہ علمی میدان ہو، یا صنعت و حرفت کا میدان ہر ایک میں ہم بہت پیچھے ہیں۔ مزید برآں دینی اعتبار سے بھی ہمارا معاملہ افسوس ناک ہے۔ نہ ایمان ہمارا پختہ ہے اور نہ ہی کتاب و سنت سے ہمارا تعلق مضبوط ہے۔ ہماری ساری دلچسپیاں نام و نمود کی نذر ہو کر رہ گئی ہیں، نیز طرح طرح کی بدعات و خرافات کو ہم نے اصل دین سمجھ لیا ہے اور اسلام نے جس اتفاق و اتحاد کا سبق دیا تھا اسے فراموش کر دیا اور آپس کے بغض و عناد کو اپنا شیوہ اور وطیرہ بنا لیا ہے، آئے دن کے فرقہ وارانہ فسادات خواب گے تو ہمیں خسارے سے دوچار ہونا پڑے گا ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک نعمت کے بارے میں پوچھے گا۔ ہمارا یہ فریضہ ہے کہ ہم "واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعا" اور "ولا تفرقوا" کی جیتی جاگتی تصویر پیش کریں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کے مطابق خود کو ڈھالیں اور مخالفین اسلام کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں کے دفاع کے طریقے ڈھونڈیں، ہماری زندگی خالص اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے وقف ہو جائے اور قلم و زبان سے ہم دین کی اشاعت کی کوشش میں لگے رہیں اور ہر بات میں ہم سلف صالحین کا نمونہ بن جائیں۔

ایمان دراصل ایک خرید ہے

ناصر ادیب

انسان کی جان و مال کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ وہی اس کا اور ان چیزوں کا خالق ہے جو اس کے پاس ہیں۔ اس نے وہ سب کچھ اسے بخشا ہے جس پر وہ تصرف کر رہا ہے۔ اس حیثیت سے خرید و فروخت کا کوئی سوال ہی نہیں ہوتا۔ نہ انسان کا اپنا کچھ ہے کہ وہ اسے بیچے نہ کوئی چیز خدا کی ملکیت سے خارج ہے کہ وہ اسے خریدے۔ لیکن ایک چیز انسان کے اندر ایسی ہے جسے اللہ نے کلیتہً اس کے حوالے کر دیا ہے اور وہ ہے اس کا اختیار یا اس کا اپنا انتخاب ... اپنے ارادہ میں آزاد ہونا اس اختیار کی بنا پر حقیقت نفس الامری تو نہیں بدلتی مگر انسان کو اس امر کی خود مختاری حاصل ہو جاتی ہے چاہے تو حقیقت کو مانے ورنہ انکار کر دے۔ اس اختیار کے معنی یہ نہیں ہیں کہ انسان فی الحقیقت اپنے نفس کا اور اپنے ذہن کا جسم کی قوتوں کا اور ان اختیارات کا جو اسے دنیا میں حاصل ہیں مالک ہو گیا ہے بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اسے اس امر کی آزادی دے دی گئی

ہے کہ خدا کی طرف سے کسی زبردستی کے بغیر وہ خود ہی اپنی ذات پر اور اپنی ہر چیز پر خدا کے حقوق مالکانہ تسلیم کرنا چاہے تو کرے ورنہ آپ ہی اپنا مالک بن بیٹھے اور اپنے زعم میں یہ خیال کرے کہ خدا سے بے نیاز ہو کر اپنے حدودِ اختیار میں اپنے حسب منشا دخل دینے کا حق رکھتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے خرید کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ دراصل خرید کے معنی یہ نہیں ہے کہ جو چیز انسان کی ہے خدا اسے خریدنا چاہتا ہے۔ بلکہ اس معاملہ کی صحیح نوعیت یہ ہے کہ جو چیز خدا کی ہے اور جسے اس نے امانت کے طور پر انسان کے حوالے کیا ہے اور اس میں امین رہنا یا خیانت کرنے کی آزادی جس نے انسان کو دے رکھی ہے اس کے بارے میں وہ انسان سے مطالبہ کرتا ہے کہ تو امین ہونے کی حیثیت سے تصرف کرنا قبول کرلے اور خیانت کی جو آزادی تجھے میں نے دی ہے اس سے خود بخود دست بردار رہو۔ اس طرح اگر تو دنیا کی موجودہ عارضی زندگی میں اپنی خود مختاری کو جو تیری اپنی نہیں ہے میرے ہاتھ فروخت کردے گا تو میں تجھے بعد کی لامحدود زندگی میں اس کی قیمت بصورت جنت ادا کروں گا۔ جو انسان خدا کے ساتھ خرید کا یہ معاملہ طے کرلے وہ مومن ہے اور ایمان دراصل اسی خرید کا دوسرا نام ہے اور جو شخص اس سے انکار کردے یا اقرار کرنے کے باوجود ایسا رویہ اختیار نہ کرے وہ کافر ہے۔

اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو بہت بڑی آزمائشوں میں ڈالا ہے پہلی آزمائش اس امر کی کہ آزاد چھوڑ دیئے جانے پر یہ اتنی شرافت دکھاتا ہے یا نہیں کہ مالک سمجھے اور نمک حرامی و بغاوت پر نہ اتر آئے۔ دوسری آزمائش اس امر کی کہ یہ اپنے خدا پر اتنا بھروسہ کرتا ہے یا نہیں کہ جو قیمت آج نقد نہیں مل رہی ہے بلکہ مرنے کے بعد دوسری زندگی میں جس کے ادا کرنے کا خدا کی طرف سے وعدہ ہے اس کے بدلہ اپنی آج کی خود مختاری اور اس کے مزے بیچ دینے پر بخوشی راضی ہو جائے۔

(۲) دنیا میں جس فقہی قانون پر اسلامی سوسائٹی بنی ہے اس کی رو سے تو ایمان بس چند عقائد کے اقرار کا نام ہے جس کے بعد کوئی قاضی اسلام سے نکلنے کا حکم نہیں لگا سکتا جب تک اس امر کا کوئی صریح ثبوت اسے نہ مل جائے کہ وہ اپنے اقرار میں جھوٹا ہے۔ لیکن اللہ پاک کے ہاں جو ایمان معتبر ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ خیال اور عمل دونوں میں اپنی آزادی و خود مختاری کو خدا کے ہاتھ بیچ دے۔ اور اس کے حق میں اپنے ادعائے ملکیت سے کلیتہً دست بردار ہوجائے۔ پس اگر کوئی شخص کلیتہً اسلام کا اقرار کرتا ہے اور صوم وصلوٰۃ اور چند احکام کا بھی پابند ہو لیکن اپنے جسم و جان کا۔ اپنے دل ودماغ اور بدن کی قوتوں کا اپنے مال اور وسائل وذرائع کا۔ اور اپنے قبضہ اور اپنے اختیار کی ساری چیزوں کا مالک اپنے آپ ہی کو سمجھتا ہو اور ان میں اپنے حسب منشا تبدیلی کرنے کی آزادی اپنے لئے محفوظ رکھتا ہو۔ تو ہو سکتا ہے کہ دنیا میں وہ مومن سمجھا جاتا رہے مگر خدا کے ہاں یقیناً وہ غیر مومن ہی ہوگا کیونکہ اس نے خدا کے ساتھ خرید وفروخت کا معاملہ سرے سے کیا ہی نہیں جو قرآن کی رو سے ایمان کی اصل حقیقت ہے۔ جہاں خدا کی مرضی ہو وہاں جان نہ دی جائے اور جہاں خدا کی مرضی نہیں ہے وہاں جان اور مال خرچ کیا جائے۔ یہ دونوں طرز عمل ایسے ہیں جو اس بات کا قطعی فیصلہ کردیتے ہیں کہ مدعیٔ ایمان نے یا تو جان اور مال کو خدا کے ہاتھ بیچا نہیں ہے یا سودا کرلینے کے بعد بھی وہ بیچی ہوئی چیز کو بدستور اپنی سمجھ رہا ہے۔

(۳) اگر آپ غور کریں تو ایمان کی یہ حقیقت اسلامی رویۂ زندگی اور کافرانہ رویۂ زندگی کو شروع سے آخر تک بالکل ایک دوسرے سے جدا کردیتی ہے مسلمان جو صحیح معنی میں خدا پر ایمان لایا ہو اور اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں خدا کی مرضی کا تابع و فرمانبردار بن کر کام کرتا ہے اور اس کے رویّہ میں کسی جگہ بھی خود مختاری کا رنگ نہیں آنے پاتا۔ اِلاّ یہ کہ عارضی طور پر کسی وقت اس پر غفلت طاری ہوجائے خدا کے ساتھ اپنے معاہدہ پر صرف وہی شخص اور وہی گروہ قائم سمجھا جائے گا جو اپنا پورا رویۂ زندگی خدا کی کتاب اور محمد رسول اللہؐ کی ہدایت سے اخذ کرتا ہو۔

اس تفصیل سے یہ بات بھی خود بخود سمجھ میں آجاتی ہے کہ اس خرید وفروخت کے معاملہ میں قیمت (یعنی جنت) کو موجودہ زندگی کے خاتمہ پر کیوں رکھا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جنت صرف اس اقرار کا معاوضہ نہیں ہے کہ مومن نے اپنا نفس و مال خدا کے ہاتھ بیچ دیا۔ بلکہ وہ اس عمل کا معاوضہ ہے کہ مومن اپنی دنیاوی زندگی میں اس بیچی ہوئی چیز پر خود مختارانہ دخل دینا چھوڑ دے اور خدا کا امین بن کر اس کی مرضی کے مطابق کام کرے۔ لہذا یہ خرید وفروخت مکمل ہی اس وقت ہوگی جب کہ مومن کی دنیوی زندگی ختم ہوجائے اور فی الواقع یہ ثابت ہو کہ اس نے معاہدہ کرنے کے بعد سے اپنی دنیاوی زندگی کے آخری لمحہ تک خرید کی ان شرائط کو پورا کیا جو خدا کے اور اس کے درمیان میں ہوئی ہیں۔ اس سے پہلے وہ ازروئے انصاف قیمت پانے کا مستحق نہیں ہوسکتا۔

بقیہ جینے والا

جیسے آج بھی وہ ساتویں کلاس کا طالب علم ہی ہے۔ وہ ابو کو گھر لایا منو کی امی نے صادق کو پہچان لیا۔ صادق اس گھر اور کاروبار کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ منو نے کہا۔ یہ آپ کی دعا اور محنت کی حلال روزی کا ہی نتیجہ ہے۔ *

سلسلۂ روز و شب

ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی

تاریخ اردو میں بیجا پور کے عادل شاہی دور اور گولکنڈہ کے قطب شاہی دور کو اہم مقام حاصل ہے۔ گولکنڈہ قلی قطب شاہ کے زمانے میں اصل شہر تھا۔ جہاں اس کا قلعہ واقع ہے۔ بعد میں اس نے حیدر آباد شہر کی بنیاد ڈالی چارمینار اور مکہ مسجد اس کی یادگار ہیں۔ چارمینار سے قلعہ گولکنڈہ کی دوری پندرہ کیلومیٹر ہے۔

۱۸ر فروری ۸۸ء کی شب حیدر آباد میں مدیر فنکار مسعود جاوید ہاشمی کے دولت کدے پر گزری۔ موصوف بڑے خوش مزاج اور خلیق و شفیق انسان ہیں۔ اس پورے سفر میں قدم قدم پر ان کی محبتیں اور نوازشیں شامل حال رہیں۔ میرے ساتھ حفیظ میرٹھی اور مائل خیر آبادی بھی تھے۔ دوسرے دن ہم تینوں پرانی حویلی دفتر حلقہ پہنچے جہاں حافظ انوار اللہ محمود سے ملاقات ہوئی۔ موصوف کی پرخلوص شخصیت ہم سب کے لئے باعث تقویت رہی۔

محترم امیر حلقہ مولانا عبدالعزیز صاحب شہر میں موجود نہ تھے لیکن دوسرے دن ہماری موجودگی میں مولانا عبدالقدوس لطیفی (برادر عزیز عبدالرزاق لطیفی مرحوم) کے ساتھ صوبہ کے مختلف اضلاع کے دورے کے بعد واپس آگئے۔ دونوں ہی بڑے خلوص و محبت سے ملے۔ عبدالعزیز صاحب کی شخصیت نگہ بلند، سخن دلنواز اور جان پرسوز سے عبارت ہے۔ گفتگو میں انداز خطابت نمایاں ہے۔

شام ۴ بجے جناب س۔م۔ ملک سے ملاقات ہوئی جو ایک متحرک نوجوان، اردو کے اچھے ادیب اور تلگو صحافی ہیں۔ آپ تلگو دارالاشاعت اسلامی کے انچارج اور "گیٹو رائی" کے مدیر ہیں۔ ان کے ساتھ میرولکڑ کوٹ جانا ہوا۔ جہاں تلگو اسلامک پبلیکشنز کا دفتر، گیٹو رائی کا دفتر اور تلگو پریس قائم ہے۔ ان سے تلگو زبان میں دارالاشاعت کے کام اور مسائل پر گفتگو ہوتی رہی۔ انھوں نے بتایا کہ گیٹو رائی کے ذریعہ غیر مسلم عوام میں اسلام کے تعارت کا کام بڑے پیمانے پر ہو رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ گیٹو رائی کے ۴۰ فی صد خریدار غیر مسلم حضرات ہیں۔ اس ادارے نے اسلامی موضوعات پر تقریباً ۴۲ کتابیں شائع کی ہیں۔ پریس کے معائنہ کے دوران ہزاروں کی تعداد میں رسالۂ دینیات کا تلگو ترجمہ چھپ کر بائنڈنگ ہوتے ہوئے دیکھا۔ ان کاموں کو دیکھ کر بے حد مسرت ہوئی جو ہمارے احباب اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے سلسلے میں پوری ملت اسلامیہ ہند کی جانب سے بطور فرض کفایہ انجام دے رہے ہیں۔ اسی ادارے میں ہمارے ادبی ماہنامہ "فنکار" کا بھی دفتر ہے۔ جہاں تھوڑی دیر مدیر فنکار کے ساتھ رسالہ کے مختلف مسائل پر تبادلۂ خیال کا موقع ملا۔

رات ہم سب یہاں کی بزرگ شخصیت امیر مقامی سید منظور الحسن ہاشمی صاحب کے یہاں مدعو تھے۔ ہاشمی صاحب اس دور کے لوگوں میں سے ہیں جب اسلامی ادبی تنظیم کی ابتداء ہو رہی تھی۔ یہ ۵۰-۵۲ کی بات ہے۔ موصوف رام پور میں رہتے تھے۔ درس گاہ اسلامی کے ناظم تھے اور افسانہ نگاری کا خاص ذوق رکھتے تھے۔ اس زمانے میں انھوں نے درجنوں افسانے اور ڈرامے تخلیق کئے۔ اسی زمانے میں علی گڑھ رامپور اور لکھنؤ میں م۔نسیم، طیب عثمانی، ابن فرید، اصغر علی عابدی، ابوالمجاہد زاہد، رشید کوثر فاروقی، شبنم سبحانی، نجات اللہ صدیقی، عروج قادری، عبدالحق انصاری، انور صدیقی، حفیظ میرٹھی، افتخار اعظمی ادارہ ادب اسلامی کو منظم کر رہے تھے۔ اسی زمانے میں یعنی ۱۹۵۴ء میں لکھنؤ سے والد محترم طیب عثمانی نے م۔نسیم کے ساتھ ماہنامہ "نئی نسلیں" کا اجراء کیا جو تقریباً چار سال تک پابندی سے نکلتا رہا۔ اور ادارہ ادب اسلامی کو متحرک کرنے کا ایک بڑا ذریعہ بنا۔ اس تحریک کو آگے بڑھانے اور عام تعارف کرانے میں اس رسالہ کا ایک تاریخ ساز رول رہا ہے۔

میں نے ان سے دریافت کیا کہ ان دنوں فکشن پر آپ کی توجہ کیسی ہے موصوف نے بتایا کہ یہ "ساری باتیں اب قصہ پارینہ بن چکی ہیں۔ اب تحریکی مصروفیات ادب و تخلیق کی طرف توجہ کا موقع کہاں دیتی ہیں"۔ ویسے مجھے ادھر ان کے افسانے دیکھنے کو ملے ہیں جس سے اندازہ ہوا کہ تحریکی مشاغل کے باوجود تخلیق کے سوتے ابھی خشک نہیں ہوئے ہیں۔ ادبی و تحریکی مسائل پر گفتگو کے ساتھ ہی تقریباً آدھ گھنٹہ میں ہم لوگ اس کیمپس میں داخل ہو گئے جہاں ہاشمی صاحب اپنے بھائی کے ساتھ رہتے ہیں۔

بعد نماز عشاء ایس آئی او کے نوجوانوں کے ساتھ ایک جلسے میں شریک ہونا تھا۔ چنانچہ ہاشمی صاحب کے یہاں سے واپسی میں گاڑی نے مجھے اور مائل صاحب کو چھتہ بازار دفتر ایس آئی او کے گیٹ پر اتارا۔ جہاں اقبال کے شاہین صفت اور جانباز نوجوان استقبال کو موجود تھے۔ ایس آئی او کی یہ زونل آفس بڑی سلیقہ کی ہے۔ اس سے متصل ایک وسیع و عریض میٹنگ ہال ہے۔ یہاں کے تمام تحریکی جلسے یہیں ہوتے ہیں۔ اس جلسے میں جذبہ جہاد اور شوق شہادت سے معمور ایک کشمیری نوجوان شفیق

ان وقت بعد
الدین سے خاص
ہماری قیام گاہ پر آئے
ظہیر الدین کے مکان پر
پہ وقت طے ہو چکا تھا
الدین کے چھوٹے سے خوبصورت
پر پہنچا تو گھڑی میں
دس منٹ ہو چکے تھے.
سے ملاقاتی کمرے میں

سادگی مکین کی سادگی کا پتہ دے
ایک معمولی صوفہ پڑا تھا
تھے۔ زمین پر CARPET
دیوار میں الماری تھی جس کی
SAY YA ... کا ایک خوبصورت
تھا جو مکینوں کے روایتی
کی شاندہی کر رہا تھا۔ دوسری
کی یاد دلا رہا تھا۔
موت کا ہو یا محبوب کا
آزما۔ تقریباً دس منٹ
مزید انتظار کی تاب نہ تھی
الدین مسکراتے ہوئے نمودار
نے کھلاڑی اظہر سے
کرایا۔ سلام و مصافحہ کے ساتھ
سب سے پہلے انھیں.
ملنے پر مبارک باد دی۔
سے پوچھا کہ ابھی آپ کو جو
اس پر آپ نے کیا محسوس کیا۔
فرمایا "یہ سب صرف اللہ کا فضل
نا ہی کیا کر سکتا ہے۔ یہ سب خدا
ہے اور کچھ نہیں" میں نے
اس وقت ملت کے نوجوانوں
بہت بڑھ رہی ہے

کھیلتا ہے یا جو ریزلٹ ہوتا ہے سب خدا
کی مرضی سے ہوتا ہے۔ آدمی کہتا ہے کہ اگر
ہم یوں کھیلتے اور اس طرح چلتے تو اتنے
رن بنتا اور یہ نتیجہ نکلتا، یہ سب صرف کہنے کی
باتیں ہیں ورنہ جو ہونا ہوتا ہے خدا کی طرف
سے ہی ہوتا ہے"۔ چند لمحہ سکوت کے بعد
ان سے اجازت لی اور قیام گاہ آ پہنچے۔

حیدر آباد کے ابوالفہیم وحید ہمارے
پرانے کرم فرما ہیں۔ ان سے ملاقات ہوئی۔
محبت سے ملے اور اصرار کے ساتھ اپنے
دولت کدے پر لے گئے۔

چار بجے شام میں چار مینار کی طرف
گھومنے نکلے۔ چار مینار ایک خوبصورت سی
چوکور عمارت ہے۔ جس کے چاروں کونوں
پر بلند مینار بنے ہیں۔ یہ عمارت آج سے
پانچ سو سال قبل کی بنی ہوئی ہے۔ جسے محمد قلی
قطب شاہ نے تعمیر کرایا تھا۔ یہ ایک دو منزلہ
عمارت ہے۔ ایک چبوترہ ہے جس پر کمانیں
بنا کر اوپر چھت ڈالی گئی ہے اور کونوں
پر مینار ہیں۔ پہلے لوگ اس کے اوپر چڑھ
کر سارے شہر کا نظارہ کیا کرتے تھے مگر ایک
حادثہ کے بعد اب اس پر چڑھنا ممنوع ہے۔
اس مینار کی تعمیر میں ہندو مسلم طرز تعمیر کو سمو دیا
گیا ہے۔

چار مینار عمارت کے چار در ہیں اور
اس سے نکلتی ہوئی سڑکیں چاروں سمت
میں گئی ہیں۔ چار مینار کی اصل عمارت سے
ذرا ہٹ کر چاروں راستوں پر کمانیں ہیں۔ ان
کے درمیان چوراہا ہے، بیچ میں ایک حوض ہے
چاروں طرف بڑا ہی پر رونق بازار ہے۔ یہاں
بھی وہی بڑی بڑی جگمگاتی دکانیں، صاف
و شفاف کشادہ سڑکیں اور وہی چوراہے
ہیں جو بڑے شہروں کی خصوصیات ہوتے ہیں۔

ترین بس اسٹینڈ اور قریب ہی خوبصورت
بھرپور بازار ہے اور ذرا آگے بڑھیے تو
نئے طرز کے فلیٹ اور اونچے مکانات!

یہاں کی مکہ مسجد بہت ہی وسیع و عریض
ہے۔ مسجد کا دالان بہت بڑا اور اونچا ہے
دیواریں مضبوط پتھر کی بنی ہیں۔ صحن میں جنوبی
سمت شاہان آصفیہ کی قبریں ہیں۔ مسجد کے
احاطہ میں ایک کتب خانہ ہے۔ اس میں
اسلامیات سے متعلق کافی کتابیں جمع کی گئی ہیں۔
یہ چیز میرے لئے نئی اور مسرت انگیز تھی۔
ضرورت ہے کہ ملک کی تمام مساجد میں اسی
طرح کا گوشہ قائم کیا جائے تاکہ ملت کی
تعلیم و تربیت اور رہنمائی میں ہماری مسجدیں
اپنا تاریخ ساز رول ادا کر سکیں۔

مکہ مسجد بھی سلطان محمد قلی قطب شاہ
کی تعمیر کردہ ہے۔ روایت ہے کہ سلطان نے
اس کی تعمیر کے وقت مکہ معظمہ سے تھوڑی مٹی
منگوا کر اس کی اینٹیں بھی لگوائی تھیں جو ابھی
تک موجود ہیں۔ جب مکہ مسجد کی تعمیر شروع کرنے
کا وقت آیا تو سلطان محمد قطب شاہ نے علماء کو
جمع کرکے یہ کہا کہ جس کی کوئی نماز قضا نہ ہوئی
ہو وہ اس کا سنگ بنیاد رکھے۔ لیکن کوئی
آگے نہ بڑھا۔ اس پر بادشاہ نے یہ کہہ کر کہ
بارہ برس کی عمر سے میری تہجد بھی قضا نہیں
ہوئی ہے خود ہی مسجد کی بنیاد رکھی

آج کی رات دفتر جماعت اسلامی
میں ماہنامہ مشاعرہ تھا۔ یہاں بھی آغاز
مشاعرہ میں ادب اور انقلاب اور ادب
اسلامی کی افادیت کے موضوع پر میری
مختصر سی تقریر ہوئی۔ نظامت کے
فرائض نوجوان شاعر اور ادارہ کے جنرل
سکریٹری ابوالفاروق شعور انجام دے
رہے تھے۔ اشعار سنانے کے لئے مقامی شعراء

کی کثیر تعداد موجود تھی۔ حفیظ میرٹھی اور سائل خیرآبادی بطور مہمان خصوصی شریک تھے۔

دوسری صبح ہم سب حیدرآباد کا مشہور چڑیا گھر دیکھنے گئے۔ کئی ایکڑ زمین پر چڑیوں کا یہ عجائب گھر پھیلا ہوا ہے۔ تقریباً تین تین گھنٹے ہم لوگوں نے اس چڑیا گھر میں گزارے۔

دوپہر میں ہم حفیظ میرٹھی اور سائل خیرآبادی کے ساتھ شہر سے کافی دور وادیٔ ہدیٰ میں پہنچے۔ دامنِ کوہ میں وہ ایک چھوٹا سا گھر تھا۔ پہاڑی کے نیچے، مختلف پھلوں اور پھولوں کے درختوں سے گھرا یہ مکان امیر حلقہ مولانا عبدالعزیز صاحب کا دولت کدہ ہے۔

یہاں سے فارغ ہوکر ہم سب جامعہ دارالہدیٰ پہنچے جو قریب ہی ہے۔ جیسے ہی جامعہ کے احاطہ میں ہماری کار داخل ہوئی اساتذہ وطلبہ کی ایک بھیڑ استقبال کے لئے موجود نظر آئی۔ یہ ایک بڑا تعلیمی ادارہ ہے ہوسٹل میں تقریباً ڈیڑھ سو طلبہ رہتے ہیں۔ یہاں ایک مختصر سی نشست ہوئی جس میں کئی بچوں نے حمد ونعت سنائیں۔ حفیظ و سائل نے کئی غزلیں سنائیں۔ آخر میں مجھ سے طلبہ کو خطاب کرنے کی فرمائش کی گئی۔ میں نے نہایت اختصار کے ساتھ مطالعہ کی اہمیت مطالعہ کا طریقہ اور اظہار کے وسائل تقریر و تحریر پر قدرت حاصل کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔

سائل خیرآبادی کو یہاں بھی بچے گھیرے ہوئے تھے۔ انھیں حیرت ومسرت سے دیکھ رہے تھے۔ بچوں کا یہ اشتیاق، ان کی چاہت اور ان کی محبت بڑی متاثر کن تھی البتہ اتالیق عبدالغفور صاحب کی سخت گیری اور خشک مزاجی مجھے بےانتہا کھٹکی۔ استاد کو بچوں کے لئے ہمیشہ شفیق و مہربان ہونا چاہئے۔ گفتگو نرم وملائم لہجے اور دھیمی لے میں ہو تو بات کچھ زیادہ بنتی ہے۔ نفسیات کے نئے تقاضوں کے تحت ان کے ساتھ اخلاق ومحبت کا رویہ زیادہ مفید ہوتا ہے۔ تاہم بچوں کی تعلیم وتربیت کا نظام عمدہ اور معیاری ہے۔

وادیٔ ہدیٰ سے واپسی میں ہم سب عثمان پورہ پہنچے۔ جہاں اسلامک سوشل سروس سوسائٹی کے زیر اہتمام چلنے والے مسلم زنانہ ہوسپٹل کی وسیع وعریض عمارت زیر تعمیر ہے۔ ایک ایکڑ زمین پر پھیلی ہوئی دومنزلہ مضبوط ومستحکم عمارت دیکھ کر طبیعت خوش ہوگئی۔ تین سو بیڈ پر مشتمل یہ عمارت اپنی تمام طبّی ضرورتوں کے ساتھ قابل دید ہے۔

حیدرآبادی دعوت وتحریک اور خدمت خلق کے مختلف اداروں کو دیکھ کر یہاں کے کارکنوں کی زندہ دلی، حرارت ایمانی اور حرکت وعمل کا اندازہ ہوا اور اپنے ان مخلص دینی بھائیوں کے لئے بے اختیار دل سے دعائیں نکلیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں میں برکت عطا فرمائے اور ان کی مساعیٔ جمیلہ کو قبول فرمائے۔ آمین

سکندرآباد سے بذریعہ اے۔ پی۔ ایکسپریس حفیظ میرٹھی اور سائل خیرآبادی کے ہمراہ روانہ ہوئے اور ۲۳ر فروری کی صبح دہلی مرکز جماعت پہنچ گئے۔

(بقیہ آئندہ)

جی۔ آئی۔ او

چکودھرپور، بہار: ڈاکٹر ثناءاللہ صاحب کی نگرانی میں چکردھرپور میں گرلس اسلامک آرگنائزیشن کا قیام عمل میں آیا ہے۔ جس کا مقصد اقامت دین ہے۔

بہن نسیمہ یاسمین کو اس کا ذمہ دار منتخب کیا گیا ہے۔ انھوں نے اپنے گھر پر جی آئی او کا پہلا اجتماع ۲۲ر جولائی کو منعقد کیا جس میں کافی تعداد میں بہنوں نے شرکت کی۔

تبصرے:-

کتاب:- اسکالرشپ گائیڈ
مؤلف:- لئیق مظہر
ناشر:- AICMEU وزیر بلڈنگ ابراہیم رحمۃ اللہ روڈ، بمبئی۔ ۳
قیمت ۱۵ روپے صفحات: ۷۳

اُردو میں اپنی نوعیت کا یہ منفرد کام پہلی مرتبہ لئیق مظہر صاحب کے ہاتھوں انجام پایا ہے۔ جس کے لئے وہ اُردو دنیا کی طرف سے مبارکباد کے مستحق ہیں۔ اپنی طالب علمی کی جس منزل میں انھوں نے تالیف کا سلسلہ شروع کیا ہے وہ اور بھی حیرت انگیز اور خوشگوار ہے۔ یہ کتاب مؤلف کے اپنے لفظوں میں "پانچ سال کے بچے سے لے کر پچاس سال کے بوڑھوں تک کے لئے ہے۔ اپنے موضوع پر مکمل نہ ہونے کے باوجود اس میں جس قدر وسیع معلومات کا احاطہ کیا گیا ہے انھیں دیکھ کر مؤلف کی دیدہ ریزی اور جانفشانی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے، اس میں مختلف اداروں۔ علاقوں، ریاستوں کی سطح پر دی جانے والی اسکالرشپ کے علاوہ مختلف سطحوں کی اسکالرشپ کا بھی تذکرہ ہے حکومت ہند اور دیگر ممالک سے ملنے والی اسکالر شپس بھی اس میں مندرج ہیں۔ پرائمری سے لے کر پوسٹ ڈاکٹریٹ سطح کی مختلف ومتنوع گرانٹس ووظائف کا اس میں ذکر ہے۔

اس کتاب میں امارت شرعیہ بہار واڑیسہ، اشاعت اسلام ٹرسٹ، بھارت سیوا ٹرسٹ جیسے مختلف اداروں سے ملنے والی اسکالرشپس کا تذکرہ نہیں ہے اور اسی طرح مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور ریسرچ انسٹی ٹیوٹ حیدرآباد جیسی تعلیم گاہوں میں دی جانے والی اسکالرشپ کا بھی تذکرہ نہ ہونا ایک بڑی کمی ہے۔ دوسری طرف سود پر ملنے والی اعانتی قرض کی رقوم کا تذکرہ ناموزوں معلوم ہوتا ہے۔ کتاب میں مندرجات کی بعض غلطیاں بھی ہیں۔ اسی طرح بعض اسکالرشپس کے بارے میں جو معلومات دی گئی ہیں وہ خاصی پرانی ہیں۔ مجھے امید ہے کہ لائق مصنف نظر ثانی کرتے وقت ان امور کی طرف توجہ دیں گے ST/SC کے لئے مخصوص اسکالرشپس 'مبصر کے خیال میں' اس کتاب کے دائرے میں نہیں آتیں ہم نے

چنے والا

مظفر حسین غزالی

رات کا وقت تھا منو سو رہا تھا۔ اس کی امی سرہانے بیٹھی تھیں۔ اچانک منو چونک کر اٹھ بیٹھا۔ اس کے چہرے پر دو تین ٹھنڈی بوندیں گری تھیں۔ منو نے دیکھا اس کی ماں زار و قطار رو رہی ہیں۔ اس نے معلوم کیا امی جان کیا بات ہے۔ آپ کیوں رو رہی ہیں۔ بات تو صاف تھی مگر چھوٹے منو کو کیا معلوم تھا۔ اس کے والد کو گھر سے گئے ہوئے پورے دس دن ہوگئے تھے۔ گھر میں وہی تو تھے جو گھر کا خرچ چلاتے تھے۔ منو کا اسکول کی فیس اور کتابوں کے پیسے دیتے تھے۔ اس کے ابو ناؤ چلاتے اور اس کی آمدنی سے گھر کا خرچ چلتا تھا۔ پچھلے دس دنوں سے سمندر میں طوفان آیا ہوا تھا، جس میں منو کے ابو پھنس گئے تھے۔ زندہ بچنے کی کوئی امید نہ تھی۔

منو اور اس کی امی روز انتظار کرتیں۔ مگر منو کے ابو صادق صاحب نہ آج آئے نہ کل دھیرے دھیرے گھر کے سب پیسے خرچ ہوگئے۔ وہ چاہتی تھیں کہ منو پر کوئی بات ظاہر نہ ہونے دیں۔ آخر کب تک یہ بات سامنے نہ آتی۔ وہاں کوئی ایسا کام نہ تھا کہ اس کی امی اس کو کر کے گھر کا خرچ چلاتی رہتیں۔ اب گذارا مشکل ہونے لگا، وہ اپنے جگر پارے سے کس کام کو کہتیں اور وہ کر بھی کیا سکتا تھا۔ وہ تو ابھی بہت چھوٹا تھا اور ساتویں کلاس میں پڑھتا تھا۔

منو نے امی کی پریشانی کو بھانپ لیا۔ اس نے کہا امی جان مجھے پانچ روپئے دے دیجئے یہ مطالبہ اس کی ماں کے لئے پورا کرنا بہت مشکل تھا۔ انھوں نے بہت ادھر اُدھر کے بہانے بنائے لیکن وہ اپنے جگر پارے کو ناراض نہ کر سکیں۔ انھوں نے معلوم کیا کیا کروگے۔ منو نے کوئی جواب نہ دیا۔ بہت معلوم کرنے پر اس نے ایک بہانہ بنایا مجھے اپنے ایک غریب دوست کی مدد کرنی ہے۔ امی کے لئے یہ بات بہت حیرت کی تھی۔ ان کو تو خود مدد کی ضرورت تھی۔ مگر ان کا بیٹا دوسروں کی مدد کرنا چاہتا ہے۔ ابھی وہ یہ سوچ ہی رہی تھیں کہ منو نے کہا کیا اللہ میاں نے یہ نہیں کہا ہے کہ تم دوسروں کی مدد کرو میں تمہاری مدد کروں گا۔ اب ان سے اور زیادہ برداشت نہ ہوا اور اپنے بٹوے میں رکھے ہوئے آخری پانچ روپے کے نوٹ کو منو کے ہاتھ میں تھما دیا۔

وہ روپے لے کر وہاں سے چلا گیا۔ اس نے اپنے ایک دوست راشد کو گھر سے بلایا۔ منو نے اس سے کہا دیکھو یار سمندر کے کنارے کچھ بھی نہیں ملتا۔ میں چاہتا ہوں کہ وہاں کسی چیز کی دوکان کھولوں راشد نے کہا یار دوکان کے لئے تو پیسے چاہئے۔ کیا تمہارے پاس ہیں۔ منو نے بہت جوش کے ساتھ کہا ہاں میرے پاس پانچ روپئے ہیں۔ راشد نے کہا چلو چچا میاں سے مشورہ کریں۔ راشد کے چچا بہت سمجھدار تھے۔ انھیں راشد اور منو کی دوستی کا حال بھی معلوم تھا۔ انھوں نے بچوں کی ہمت بڑھائی اور کہا۔ تم ان روپیوں کے چنے لاؤ۔ اور صبح صبح سمندر کے کنارے چلے جایا کرو۔ وہاں بہت سے لوگ گھومنے آتے ہیں۔ تمہیں جب چنے بیچتے پائیں گے تو وہ خریدیں گے۔ اس طرح تم روز صبح صبح کچھ پیسے کما سکتے ہو۔ تمہاری پڑھائی کا خرچ چل سکتا ہے، مگر جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ منو کے ابو طوفان میں مر چکے ہیں، تو انھیں بہت دکھ ہوا۔ ساتھ ہی وہ اس کی عقل مندی پر دنگ رہ گئے۔ دونوں سلام کر کے چلے آئے۔

اگلے دن صبح صبح منو نے منڈوالا سے چنے لئے اور ساحل پر پہنچ گیا۔ وہاں راشد آچکا تھا۔ دونوں نے چنے لو چنے، تازہ چنے کی آواز لگائی بمشکل سے ایک گھنٹہ میں ان کے سب چنے بک گئے۔ کل نو روپے حاصل ہوئے منو نے راشد سے معلوم کیا راشد تم کتنا حصہ لوگے۔ راشد نے کہا بھئی میں تو تمہاری مدد کروں گا مجھے پیسے نہیں چاہئیں اس بہانے میں صبح کو جلدی اٹھنے لگوں گا اور ساحل کی تازہ ہوا میں ٹہل سکوں گا۔

منو آیا اور اسکول چلا گیا، دوپہر کو اس نے امی کے روپیے واپس کر دیئے امی نے معلوم کیا تم نے اپنے دوست کو نہیں دیئے۔ نہیں امی اس نے لئے ہی نہیں یہ کہہ کر بات ٹال دی۔ اب روزانہ منو صبح کو چنے بیچنے لگا۔ اس کی امی نے ایک دن معلوم کیا کہ وہ صبح صبح کہاں جاتا ہے۔ تو منو نے یہ کہہ دیا کہ میں ساحل پر ٹہلنے جاتا ہوں۔ بات آئی گئی ہوگئی۔

دو تین دن تو کسی طرح گذر گئے۔ ایک دن اس کی ماں اداس بیٹھی تھیں آج تو گھر میں کھانے کو کچھ بھی نہیں تھا۔ منو نے جب ان کو اداس پایا تو معلوم کیا، پہلے تو وہ اس کو ٹالنے کی کوشش کرتی رہیں مگر بعد میں سچی سچی بات بتا دی منو نے کہا امی جان آپ فکر نہ کریں میں تو ہوں۔ آپ میری گولک کے سب پیسے لے لیں۔ منو کے ابو اس کو جو پیسے دیتے تھے وہ اس میں ڈال دیتا تھا۔ جب بہت سارے پیسے جمع ہو جاتے تو کوئی اچھی کتاب، کھلونے خرید لاتا تھا۔ امی نے منع کیا مگر منو نے سب پیسے ان کے سامنے رکھ دیئے۔ پھر صبح صبح چنے بیچنے کی بات بھی امی کو بتا دی۔

دھیرے دھیرے منو کے پاس پیسے ہوتے گئے۔ اس نے کچھ دنوں بعد ہی ساحل پر ایک ہوٹل بھی کھول لیا۔ سمندر کے کنارے اس نے کئی دوکانیں بھی بنوائیں۔ اس کی لگن، محنت سے ہوٹل بھی اچھا چلنے لگا۔ دھیرے دھیرے وہ اپنے شہر میں مشہور ہوگیا۔ اب لوگ اس کو منو نہیں منو سیٹھ کہنے لگے۔ ماسٹر بچوں کو اسکول میں اس کی کہانی سناتے اور جو بچہ اپنی ماں کا کہنا نہ مانتا اس کو بھی منو کی کہانی سنائی جاتی۔ اس نے اپنے ابو کے نام سے اسکول بھی کھلوایا جس میں غریب بچوں کو مفت تعلیم دی جاتی تھی۔

ایک دن وہ ہوٹل میں بیٹھا تھا کہ ایک بوڑھا ناؤ والا ساحل پر اپنی ناؤ لایا۔ وہ بھوک سے بہت بے تاب ہو رہا تھا۔ ہوٹل میں داخل ہوا۔ اس نے کھانا کھایا چین کی سانس لی۔ کھانے کے بعد جب پیسے دینے کا مرحلہ آیا تو بوڑھے نے اپنی کہانی سنائی کہ کس طرح وہ سمندری موجوں میں پھنس کر ایک عرصہ تک موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا رہا ہے۔ اس نے بتایا کہ میرا نام صادق ہے میں جلد ہی آپ کے پیسے ادا کر دوں گا فی الحال میرے پاس دینے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ سنتے ہی منو اس بوڑھے سے لپٹ گیا۔ اس کو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے

بقیہ صفحہ ۲۳ پر

صدر تنظیم اور صدر حلقہ کے دورۂ یوپی کی رپورٹ

تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا

رپورٹ: طارق فارقلیط فلاحی

یوپی کا دورہ ۴ر ستمبر ۸۸ء سے شروع ہوا اور ۲۷ر ستمبر ۸۸ء کو اختتام پذیر ہوا۔ خطاب عام کے موقع پر مختلف جگہوں پر وہاں کے حالات کے لحاظ سے گفتگو آئی لیکن جن باتوں کی طرف خاص طور پر توجہ مبذول کرائی گئی وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

"صدر تنظیم نے فرمایا اس وقت ساری دنیا میں ایک نظریاتی خلاء پیدا ہو گیا ہے۔ مغربی اور مشرقی بلاک اپنے ہی ہاتھوں لائی ہوئی مصیبت سے دوچار ہیں۔ اخلاقی گراوٹ، کرپشن، غربت و افلاس، جہالت وبا کی طرح پھیل رہی ہیں۔ نوجوان نسل نشیلی دواؤں سے سکون حاصل کرنے لگی ہے۔ اور مشرق اور مغرب، کمیونزم اور سرمایہ داری انسان کو سکون دینے میں ناکام رہے ہیں۔ انسانیت کو اگر نجات مل سکتی ہے تو اسلام سے اور اس کام کو لے کر نوجوان نسل جو سماج کا سب سے فعال عنصر ہوتا ہے سامنے آنے کی ضرورت ہے ورنہ کل قیامت میں ہم جوابدہ ہوں گے۔ ہمارے پاس قرآن و حدیث اور رسول اکرم کی سیرت ہے جو انسانیت کے دکھوں کا مداوا ہے۔ S.I.O. اس کے لئے کوشش کر رہی ہے اور افراد تیار کر رہی ہے۔"

مندرجہ ذیل جگہوں کا دورہ ہوا۔

مراد نگر: ۴ر ستمبر ۸۸ء بروز اتوار مراد نگر سے دورہ کا آغاز ہوا۔ مراد نگر کو خط نہ ملنے کی وجہ سے پروگرام کی تیاری پہلے سے نہ کی جا سکی تاہم وہاں دو پروگرام ہوئے ایک تنظیمی نشست جس میں صدر تنظیم نے رفقاء سے گفتگو کی اور ایک خطاب عام جس میں ۴۰، ۵۰ر افراد شریک رہے۔ صدر تنظیم اور صدر حلقہ نے خطاب کیا۔

میرٹھ: ۵ر ستمبر کو میرٹھ میں پروگرام تھا تربیتی نوعیت کا پروگرام ۱۱ بجے دن میں شروع ہو گیا جسمیں مولانا عبدالغفار ندوی مولانا یوسف اصلاحی وغیرہم نے تقریریں کیں۔ ۵ بجے سے تنظیمی نشست ہوئی۔ میرپور، میرٹھ، کھٹور، باغپت، رادھنا عنایت پور سے آتے ہوئے رفقاء نے سوالات پوچھے اور وہاں کے ذمہ داروں نے رپورٹیں پیش کیں۔ یہاں کام نسبتاً پھیلا ہے۔ رات میں خطاب عام ہوا جس میں ایک ہزار سے زیادہ افراد شریک تھے۔

سہارنپور: ۶ر ستمبر کو سہارنپور میں پروگرام ہوا تنظیمی نشست کے علاوہ رات میں خطاب عام ہوا جس میں ڈھائی تین سو افراد تھے۔ سہارنپور میں کام کسی حد تک آگے بڑھا ہے اور نئے رفقاء قریب آتے ہیں۔ پروگرام کافی کامیاب رہا۔

راجہ کا تاج پور: ۷ر ستمبر کو ہم لوگ کوشش کے باوجود دیر سے پہنچے۔ وہاں ضلع بجنور سے آتے ہوئے رفقاء پہلے ہی سے موجود تھے اور ان کا تعارفی پروگرام چل رہا تھا۔ بعد نماز عصر آئے ہوئے رفقاء کا تعارف ہوا اور سوال وجواب کی مختصر نشست رہی۔ تاج پور، نگینہ، بجنور، شیر کوٹ، چاندپور، نجیب آباد اور سیوہارہ کے رفقاء نے رپورٹیں پیش کیں پورے ضلع سے ۵۵، ۶۰ طلبہ اور نوجوان جمع ہو گئے تھے۔ عطاء الرحمن وجدی صاحب اور جناب داؤد صاحب نگینہ سے تشریف لائے تھے۔ رات کو خطاب عام ہوا جو دیر تک جاری رہا۔ میلہ کے باوجود خطاب میں ۲، ڈھائی سو افراد شریک تھے۔ پروگرام کافی اچھا رہا۔ مولانا عبدالوحید صدیقی صاحب نے ہر ممکن تعاون پیش کیا اور انھیں کے پریس پر یہ پروگرام ہوا۔

مراد آباد: مراد آباد میں عصر اور مغرب کے درمیان خطاب رکھا گیا تھا جس میں ۷۰، ۸۰ افراد شریک تھے۔ "ہندوستان کے سلگتے مسائل اور ان کے حل" پر سیر حاصل گفتگو ہوئی۔ بعد نماز عشاء تنظیمی نشست ہوئی۔ مراد آباد SIO کے کام میں سدھار آیا ہے۔

رامپور: رامپور میں SIO کے لڑکوں نے کافی محنت کی اور ایک پروگرام بعد نماز عصر مرکزی درس گاہ میں رکھا جس میں کالج کے طلبہ اور نوجوانوں کو مدعو کیا تھا اور چائے کا پروگرام رکھا تھا۔ ۳۰، ۳۵ طلبہ اور نوجوان شریک پروگرام رہے رات کو صولت لائبریری میں ایک خطاب ہوا جس میں ۶۰، ۷۰ افراد شریک رہے۔ اکثریت طلبہ اور نوجوانوں کی تھی۔ امیر مقامی کی صدارت میں پروگرام کافی کامیاب رہا۔

بریلی: رامپور سے روانہ ہو کر ہم لوگ ٹھیریا پہنچے جو بریلی شہر سے ۸، ۱۰ کلومیٹر دور ہے۔ وہاں SIO کا کام جلد ہی شروع ہوا ہے اور خدا کے فضل سے کافی آگے بڑھا ہے۔ وہاں طلبہ کے اندر کافی ذوق و شوق پایا گیا۔ وہاں دو پروگرام ہوئے ایک دعوتی اور ایک تعلیمی اور کامیاب رہا۔ شام کو بریلی شہر آئے۔ بریلی شہر میں دفتر جماعت اسلامی کے پاس پروگرام ہوا۔ طلبہ اور نوجوانوں کے علاوہ۔ طالبات بھی آئی ہوئی تھیں ان کے لئے الگ پردے کا نظم تھا۔ اس شہر میں SIO کا یہ پہلا پروگرام تھا اور یہاں طلبہ اور نوجوانوں نے بڑی محنت کی تھی۔ ڈھائی تین سو افراد تشریف لائے تھے۔ ناظم علاقہ محترم عبدالغنی صاحب کی نگرانی میں یہ پروگرام کافی اچھا رہا۔

بدایوں: بدایوں شہر میں SIO کا تعارف ابھی جلد ہی ہوا ہے۔ وہاں کام

کا آغاز ہوگیا ہے درس گاہ اسلامی میں ایک نشست ہوئی جس میں اساتذہ اور دیگر شہر کے نوجوان شریک رہے۔

ککرالہ: ککرالہ وہ جگہ ہے جہاں SIO کا تعارف بہت پہلے ہوا اور کام بھی شروع ہوا مگر کام کی رفتار بڑی سست رہی اور اب بھی ہے۔ بعد نماز عصر ایک تعارفی نشست ہوئی جس میں شہر کے ۴۰، ۴۵ نوجوان شریک رہے رات میں ایک خطاب عام ہوا جس میں دو سو کے قریب افراد شریک رہے۔ پروگرام کامیاب رہا۔ البتہ کام کی رفتار یہاں تیز ہونی چاہیئے۔

شاہ جہاں پور: SIO کا تعارف ابھی حال ہی میں ہوا ہے اور پروگرام کا باقاعدہ آغاز بھی۔ یہاں شاہ آباد اور میران پور کٹرہ سے رفقاء آتے ہوئے تھے۔ ایک تنظیمی نشست ہوئی جس میں ۱۸ افراد تھے اور ایک دعوتی نشست اسلامیہ انٹر کالج کی مسجد میں ہوئی جس میں کچھ زیادہ افراد شریک نہ ہوسکے، ۲۵، ۳۰ افراد تھے۔ تاہم یہاں کام کے آگے بڑھنے کے امکانات روشن ہے۔ ڈاکٹر ولی اللہ صاحب نے کافی تعاون کیا اور انھیں کے مکان پر پروگرام ہوا۔

لکھنؤ: لکھنؤ میں SIO کا تعارف بہت پہلے ہوا اور یہاں کام کی رفتار بھی قدرے بڑھی ہے۔ گنگا پرشاد میموریل ہال میں بعد نماز مغرب ایک پروگرام ہوا جس میں چار پانچ سو طلبہ اور نوجوان شریک رہے سرپرست حلقہ کی صدارت میں اور مولانا فاروق خان صاحب کی رفاقت میں پروگرام کافی کامیاب رہا۔ رات کو ایک تنظیمی نشست بھی رہی۔

نیوتنی: لکھنؤ سے ۲۵، کلومیٹر کے فاصلے پر ایک ادارہ جامعہ اسلامیہ کے نام سے موجود ہے وہاں SIO کی ایک سرکل بہت پہلے سے موجود ہے۔ برادر محمد احمد صاحب اور پی سی حمزہ صاحب وہاں بھی تشریف لے گئے، اساتذہ اور شہر کے لوگوں کا ایک پروگرام رات میں ہوا اور طلبہ اور چلڈرن سرکل کا پروگرام صبح کو ہوا۔ یہ ادارہ بڑی تیزی کے ساتھ اپنے روشن مستقبل کی طرف بڑھ رہا ہے۔

چوکونیا: مدرسہ مصباح العلوم جامعۃ الفلاح بلریا گنج سے ریکاگنائزڈ ادارہ ہے اور بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ اپنی منزل کی طرف گامزن ہے۔ وہاں جدید و قدیم دونوں علوم کی تعلیم دی جاتی ہے اور عربی سوم تک تعلیم ہوتی ہے طلبہ اور اساتذہ تعلیم و تعلم میں بڑی محنت کرتے ہیں۔ وہاں اسی دورہ میں SIO سرکل کا قیام عمل میں آیا۔ دو پروگرام ہوئے جس میں اکثر طلبہ شریک رہے۔ ایک پروگرام SIO کے تعارف کا ہوا اور ایک طلبہ کی طرف سے تعلیمی مظاہرہ ہوا۔ برادر پی۔سی۔ حمزہ صاحب نے ایک بار اردو میں اور دوسری بار انگریزی میں تقریر کی۔

تلکھنا: چوکونیا سے روانہ ہوکر ردولی پہنچے وہاں امیر احسن فلاحی کی نگرانی میں ایک مدرسہ جامعۃ الحق السلفیہ قائم ہے وہاں جمعہ کی نماز پڑھی گئی اور نماز کے بعد SIO کا تعارف کرایا گیا اس کے بعد فوراً تین بجے کے قریب بانسی بس اسٹیشن آئے اور شام ۶ بجے تک انتظار کرتے رہے کوئی بس نہ مل سکی۔ داروغہ کی زیادتی کی وجہ سے پرائیویٹ گاڑیاں بند تھیں جس کی وجہ سے بھیڑ بہت جمع ہوگئی تھی۔ سوا ۶ بجے ایک بس آئی جو جلد ہی بھر گئی اور جگہ نہ مل سکی اس کے بعد بارش کے آثار نمودار ہوئے پھر وہاں سے کسی طرح آخری بس سے ہم لوگ بستی شہر آئے اور وہاں رات کو قیام کیا صبح گورکھپور کے لئے روانہ ہوئے۔

گورکھپور: SIO کے لئے گورکھپور ایک سنگلاخ زمین رہی ہے مگر اب کچھ نمی پیدا ہو رہی ہے اور زرخیزی کی بھی امید ہے گورکھپور میں دو خطاب عام ہوا۔ ایک جارج اسلامیہ انٹر کالج میں اور دوسرا مرکا نیور میں دونوں جگہوں میں ۵۰، ۶۰ افراد موجود تھے۔ جارج اسلامیہ انٹر کالج میں پروگرام امیر مقامی جناب اعجاز حسین خان صاحب کی صدارت میں ہوا اور اختتامی کلمات اور دعا پر جلسہ ختم ہوا۔ صبح کو رفقاء سے تنظیمی امور کے سلسلے میں گفتگو ہوئی۔

اعظم گڈھ: اعظم گڈھ شہر میں سہیل نرسری اسکول میں بعد نماز مغرب خطاب عام کا پروگرام تھا۔ تقریباً ۱۰۰ افراد شریک رہے۔ بعد نماز عشا تنظیمی نشست رہی۔ بلریا گنج، فلاح، نصیر پور، چاند پٹی لاہی ڈیہہ، فخرالدین پور سے آئے ہوئے رفقاء نے اپنی اپنی رپورٹیں پیش کیں۔ ساڑھے ۱۱ بجے شب میں پروگرام ختم ہوا۔ ۵۰ کے قریب SIO کے رفقاء مختلف جگہوں سے آئے تھے ماسٹر اشتیاق صاحب نے ہر طرح کا تعاون پیش کیا۔

جامعۃ الفلاح: جامعۃ الفلاح پہلے سے جانے کا کوئی پروگرام نہیں تھا مگر طلبہ کے اصرار پر ایک گھنٹے کے لئے وہاں جانے کا موقع ملا۔ "تذکیر" کے وقت صدر تنظیم کی ۱۰ منٹ کی تقریر ہوئی اور اساتذہ سے ملاقات کے بعد فوراً ہی واپس آگئے۔

جونپور: جونپور شہر کے رفقاء نے ہندی بھون میں بعد نماز عصر و مغرب ایک ٹی پارٹی کا اہتمام کیا جس میں تقریباً ۷۵ افراد شریک رہے۔ رات کو ایک تنظیمی نشست رہی جس میں معروف پور، کچ گاؤں رشید آباد اور ظفر آباد سے آئے ہوئے رفقاء نے رپورٹیں پیش کیں تقریباً ۳۵ رفقاء مختلف جگہوں سے آئے تھے۔ پروگرام کامیاب رہا۔ تحریک اسلامی کے رفقاء نے کافی تعاون کیا۔ پروگرام میں ڈاکٹر اسلام الحق صاحب کی بھی ایک تقریر ہوئی۔ دوسرے دن صبح جاکر ان سے ایک انٹرویو لیا گیا۔

پرتاپ گڑھ: پرتاپ گڑھ میں SIO کا کام ابھی بہت کمزور ہے۔ وہاں

کے صدر مقامی برادر منیب اللہ صاحب نے بڑی محنت کی اور ایک پروگرام خطاب عام کی شکل میں رکھا۔ ۱۰۰ آدمی شریک پروگرام رہے۔ یہ خطاب بیگم وارڈ میں ہوا۔ معلوم ہوا کہ یہاں .S .I والے طلبہ کو کافی پریشان کر رہے ہیں۔ کام کے امکانات روشن ہیں ہمت اور محنت کی ضرورت ہے۔

الہ آباد : الہ آباد میں پہلی بار کوئی بڑا پروگرام ہوا ہے۔ دولت حسین انٹر کالج میں ہوا تھا۔ پروگرام شروع ہوا اور پونے بارہ بجے تک [illegible] رہا۔ ڈھائی سو کے قریب طلبہ اور نوجوان شریک رہے۔ غیر مسلمین نے بھی [illegible] استفادہ کیا۔ ایک تنظیمی نشست [illegible] [illegible] بات [illegible]۔

سرائے عاقل اور کھوبیا : سرائے عاقل اور کھوبیا میں [illegible] کا تعارف بہت پہلے سے ہے وہاں [illegible] احباب کی ایک بڑی تعداد ہے تین بجے سے ایک تنظیمی نشست سرائے عاقل میں ہوئی جس میں ۲۵ افراد شریک رہے اور رات کو کھوبیا میں خطاب عام ہوا جس میں ۸۰ افراد شریک رہے۔

کردی ماندہ : کھوبیا سے صبح کے وقت دو موٹر سائیکلوں پر کردی کے لئے روانہ ہوئے۔ ۱۷ کلو میٹر کا فاصلہ طے کر کے ہم لوگ جمنا کے کنارے پہنچے۔ وہاں ڈھائی تین فٹ گہرے پانی میں چل کر جانا پڑا اور پھر کشتی کے ذریعہ جمنا ندی کو پار کیا اس کے بعد ایک کلو میٹر کا فاصلہ طے کر کے قریب کے قصبہ میں پہنچے ندی کے کنارے جماعت کے ایک رفیق محمد سعید صاحب موجود تھے۔ انھوں نے تعاون کیا۔ ان کے گھر گئے اور ایک نشست ہوئی۔ موصوف کا گھر واحد تحریک اسلامی کا گھر ہے اور وہاں آپ کے والد محترم بہت سی زیادتیوں کا سامنا کر چکے ہیں۔ وہاں سے ہم لوگ کردی پہنچے وہاں شہر ماندہ، مانک پور اور کردی کے رفقاء موجود تھے۔ عصر کے بعد ایک تعارفی نشست ہوئی جس میں ۴۰ افراد شریک تھے اور بعد نماز عشاء خطاب عام ہوا جس میں ۵۰۰، ۶۰۰ افراد تھے۔ شدید بارش کی وجہ سے پروگرام مقررہ جگہ سے ہٹا کر مسجد میں رکھنا پڑا۔ انشاء اللہ اس علاقہ میں کام کے امکانات روشن ہیں۔ ناظم علاقہ جھانسی محترم سمیع اللہ صاحب اپنی بیماری کے باوجود رہے۔

فتح پور : کردی سے ہم لوگ فتح پور پہنچے۔ وہاں جماعت اسلامی کا سہ ماہی اجتماع ہو رہا تھا اور صدر تنظیم کا بھی پروگرام تھا۔ SIO کے تعارف اور سوال و جواب پر نشست اختتام کو پہنچی۔ سوا سو کے قریب افراد شریک تھے۔

کانپور : فتح پور کے بعد اسی روز ہم لوگ کانپور پہنچے۔ فوراً ایک خطاب مدرسہ معارف الاسلام بابو پروہ کانپور میں تھا۔ اس میں ۵۰ کے قریب طلبہ اور نوجوان تھے۔ دوسرے دن ۹ بجے سے مسجد عاشقین میں پروگرام تھا جس میں ۳۵ افراد تھے۔ ابھی لاتریزی جماعت اسلامی میں میڈیکل کالج کے طلبہ کو مدعو کیا گیا تھا۔ ۲۵ طلبہ و نوجوان شریک رہے انگریزی میں تقریر ہوئی۔ رات کو ۹ بجے گوال ٹولی میں خطاب عام ہوا جس میں تین سو طلبہ و نوجوان شریک تھے۔ صدر تنظیم کے علاوہ سید یوسف صاحب نے بھی مجمع کو خطاب کیا۔ پروگرام کافی کامیاب رہا۔ شہر کا معروف اسلام پسند گھرانہ سید ابراہیم صاحب صبح سے رات تک ہم لوگوں کے ساتھ رہے اور ہر طرح کا تعاون پیش کیا۔ SIO کے رفقاء نے بڑی محنت کی خدا ان کو اجر سے نوازے۔

قائم گنج : یہاں پہلی بار SIO کا تعارف ہوا اور کوئی پروگرام نہ تھا۔ بعد نماز عصر ایک تعارفی نشست ہوئی جس میں ۲۵ افراد شریک رہے اور بعد نماز عشاء ایک خطاب عام ہوا جس میں ۱۲۵ کے قریب افراد تھے۔ پروگرام کافی کامیاب رہا۔ یہاں کے احباب نے پروگرام کو کامیاب بنانے کے لئے بڑی محنت کی تھی۔

علی گڈھ : علی گڈھ میں ساڑھے تین بجے تنظیمی نشست تھی مگر صرف ۱۵ افراد شریک ہو سکے۔ اور وہ بھی چار بجے تک انتظار کرنا پڑا۔ جبکہ یہاں ۲۰ ممبر، ۲ امیدوار اور ۳۰ ایسوسی ایٹ ہیں۔ رات کو بعد نماز مغرب خطاب عام ہوا جس میں ۶۰ کے قریب افراد تھے، رات میں دس بجے ایک اور نشست ہوئی جس میں ۲۰ کے قریب افراد شریک ہوئے۔ ایسا محسوس ہوا کہ یہاں بالکل واجبی انداز میں کام کیا گیا ہے اور کوئی پلاننگ اور منصوبہ بندی اس کے پیچھے نہیں رہی ہے افسوس ناک بات یہ رہی کہ صدر تنظیم کے دورہ پر وہاں ممبرس اور ایسوسی ایٹس بھی شریک نہیں ہو سکے۔ اسی پوئنٹ پر خصوصی توجہ اور محنت کی ضرورت ہے۔

صدر تنظیم کے پاس وقت نہ ہونے کی وجہ سے بہت سی جگہوں کا پروگرام ملتوی کرنا پڑا اور کئی اضلاع باقی رہے۔ انشاء اللہ آئندہ ان کا پروگرام بنایا جائیگا۔

مولانا مودودیؒ کی خوش طبعی

○ نثار احمد قریشی صاحب نے بتایا کہ ۲-۱۹۷۱ء میں خرابیٔ صحت کی وجہ سے مولانا بار بار ارکان جماعت سے کہہ رہے تھے مجھے امارت کی ذمہ داریوں سے فارغ کر دیں۔ شوریٰ کے ایک اجلاس میں کچھ لوگوں نے مشورہ دیا کہ نئی نوجوان قیادت کو متعارف کرانے کے لئے مولانا چند حضرات کو ساتھ لیں اور ملک بھر کا دورہ کریں۔ اس پر مولاناؒ نے برجستہ جواب فرمایا:

”گویا استاد اپنا طائفہ لے کر نکل پڑے۔“

اس پر ساری محفل کشتِ زعفران بن گئی۔

○ ایک صاحب نے اہل کتاب عورتوں کے نکاح کے بارے میں سوال کیا۔ مولانا نے فرمایا: ”جائز ہے لیکن دو شرطوں کے ساتھ۔ ایک یہ کہ عورت محصن ہو۔ دوسرے یہ کہ وہ شوہر جن کر رہے“ اس پر پوری محفل کشتِ زعفران بن گئی۔ جواب میں حقیقت حکمت اور ظرافت سبھی کچھ تھا۔

جانبِ منزل

رپورٹ : شکیل احمد فلاحی

مہاراشٹر

ناندیڑ: ناندیڑ یونٹ کی جانب سے محلہ میدان اسماعیل مادری میں ایک روزہ تربیتی اجتماع کا انعقاد عمل میں آیا۔ مولوی عبدالمجید خاں صاحب نے سورہ حج کے آخری رکوع پر درس دیا۔ موصوف نے جہاد کی تشریح کرتے ہوئے کہا کہ اصل جہاد یہ کہ مسلمان اپنے قول و عمل کے فاصلے کو ختم کرے اور اپنے قول و عمل سے اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو تمام لوگوں تک پہنچائیں تاکہ یوم آخرت یہ دوسرے لوگوں پر گواہ بن سکیں۔

دوسری نشست کا آغاز مولانا عظیم خورشید صاحب کے درسِ حدیث سے ہوا۔ موصوف نے امیر و مامور کے فرائض اور ذمہ داریوں کو مختلف احادیث اور واقعات کی روشنی میں پیش کیا۔

چائے کے وقفہ کے بعد مولانا چاند خان صاحب امیر جماعت اسلامی ناندیڑ کی تقریر ہوئی۔ تقریر کا موضوع تھا "مولانا مودودیؒ اور حسن البنا شہید" مولانا نے بتایا کہ مودودیؒ نے لوگوں کے بگڑے ہوئے ذہن کو کس طرح سے صحیح رخ پر ڈالا اور کس طرح سے جماعت اسلامی کی بنیاد ڈالی اور انھیں اس کام میں کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ حسن البنا شہید کے بارے میں بتلاتے ہوئے کہا کہ اس وقت مصری معاشرہ اور حکومت کا کیا حال تھا۔ حسن البنا شہیدؒ نے کس طرح سے افراد کی اصلاح اور اخوان نامی تنظیم کی بنیاد ڈالی اور ان کے ساتھ کیسے کیسے ظلم و ستم کئے گئے لیکن پھر بھی وہ جس مقصد کو لیکر اٹھے تھے اس میں لگے رہے۔ آخر میں مولانا رفیق احمد صاحب نے دن بھر کی کارکردگی پر تبصرہ کیا اور دعا پر اجتماع کا اختتام ہوا۔

جالنہ: SIO جالنہ کے زیر اہتمام طلبہ و نوجوان کا ایک تفریحی پروگرام جالنہ شہر کے عظیم موتی باغ میں ہوا۔ درس قرآن برادر واجد علی نے دیا اور یہ بات بتلانے کی کوشش کی کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو انسان کی خدمت کے لئے پیدا کیا ہے۔ ہر مخلوق اللہ کے حکم مطابق کام کر رہی ہے مگر انسان جسے تمام مخلوقات پر تفوق حاصل ہے۔ خدا کی پیدا کی ہوئی نعمتوں کا تو استعمال کرتا ہے مگر خدا کی ہدایت کے مطابق اپنی زندگی نہیں گزارتا بلکہ اپنے نفس کی پیروی کرتا ہے انسان کو چاہیئے کہ وہ اپنے اشرف ہونے کا ثبوت فراہم کرے۔

اس کے بعد باہمی تعارف اور جنرل نالج ٹیسٹ وغیرہ کے پروگرام ہوئے اور جنرل نالج ٹیسٹ میں کامیاب ہونے والے طلبہ کو انعامات سے نوازا گیا۔

آخر میں مولانا عبدالقیوم ناظم جماعت اسلامی مرہٹواڑہ نے طلبہ و نوجوان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اپنی صحیح منزل کا رخ متعین کریں خوفِ خدا اور احساس آخرت ہر وقت اپنے ذہن میں مستحضر رکھیں اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کو تعمیری کاموں میں استعمال کریں اور اسلام کی بنیاد پر ہم رشتہ ہو جائیں۔ اس پروگرام میں تقریباً ایک سو طلبہ و نوجوان شریک تھے۔

پاچورہ: عبدالرؤف سابق ناظم ایس آئی او نے پاچورہ کا دورہ کیا آپ نے اردو ہائی اسکول کے طلبہ و طالبات کو خطاب فرماتے ہوئے کہا کہ ہماری تعلیم صرف حصول معاش کے لئے نہ ہو بلکہ تعلیم کے ذریعہ ہم اپنی زندگی سنواریں اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی تعلیمات پر عمل کرنے کی بھرپور کوشش کریں۔ ایس آئی او پاچورہ سرکل کا انتخاب بھی عمل میں آیا برادر عبدالقدوس ناظم سرکل متعین کئے گئے۔

بہار

دربھنگہ: دربھنگہ یونٹ سے انتخاب کی خبر موصول ہوئی ہے برادر نظیر احمد کو یونٹ کا صدر منتخب کیا گیا ہے۔ واضح رہے یہ انتخاب برادر تنویر الزماں نمائندہ ایس آئی او کی نگرانی میں ہوا۔ اسکے بعد موصوف نے رفقاء کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تنظیم کسی فرد سے نہیں چلتی بلکہ اس کی تدریج و ترقی میں تمام کارکنان کا تعاون ضروری ہے ہمیں شعوری طور پر تنظیم سے وابستہ ہونا چاہیئے اور اپنے اندر نام و نمود کا جذبہ بالکل نہ ہو بلکہ ہماری تمام کوششوں کے پیچھے یہ خیال ذہن نشین ہو کہ ہمارا رب ہم سے خوش ہو اور آخرت میں کامیابی نصیب ہو۔ ہم اپنے دوسرے تنظیمی بھائیوں پر نظر رکھیں اور ان کی غلطیوں کی ناصحانہ و ہمدردانہ طور پر نشاندہی کریں۔ تنقید کوئی بری چیز نہیں اگر وہ اصلاح کی نیت سے کی جائے۔

اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں تھوڑی مہلت دی ہے اسے غنیمت جان کر اس کا بھرپور استعمال کریں ہم اپنے مطالعہ پر خاص دھیان دیں، ہمارا مطالعہ آخرت کے پہلو سے زیادہ ہو اور اطمینان قلب کا ذریعہ ہو۔ وسیع مطالعہ کے بغیر آپ اسلام دشمن طاقتوں کا مقابلہ علمی میدان میں نہیں کر سکتے۔

آندھرا پردیش

حیدرآباد: ایس آئی او کے زیر

اہتمام "امن انصاف کا اسلامی تصور" کے عنوان پر پروفیسر آف لاء تاگرجیا یونیورسٹی ڈاکٹر احمد اللہ خاں نے اپنے توسیعی لکچر میں فرمایا: "اسلام ہی دنیا کا پہلا مذہب ہے جس کی ابتداء امن و سلامتی سے ہوتی ہے اور وہی نظام حیات ہے جس کو نافذ کر کے سماج میں امن و امان کے قیام کو ممکن بنایا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر خان نے کہا کہ اسلام کا آغاز ایسے حالات میں ہوا تھا جبکہ تہذیب و تمدن کے چراغ گل ہو چکے تھے اور انسانی سماج مکمل طور پر تصور امن و انصاف سے بے بہرہ ہو چکا تھا لیکن یہ محض اسلامی تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ پھر ایک بار سماج میں ظلم و استبداد کا دور ختم ہو کر امن و سلامتی کی راہیں ہموار ہوئیں۔ موصوف نے کہا کہ قرآن مجید کا دو تہائی حصہ انسان کے درمیان امن کے ساتھ رہنے کی تلقین کرتا اور زمین پر فتنہ و فساد پھیلانے کی سختی سے ممانعت کرتا ہے۔ موصوف نے مزید کہتے ہوئے فرمایا کہ اسلام نے ظلم کے برداشت کرنے والوں کو بھی ظالم قرار دیا ہے اور اس بات کی اجازت دی ہے کہ ظلم کا بدلہ اسی قدر لیا جائے جتنا کہ ظلم ہوا ہے۔ اسی طرح قیام امن کے لئے ظالم سے نبرد آزما ہونا اور انھیں کیفر کردار تک پہونچانا عین اسلامی تعلیمات کے مطابق ہے جس کا پورا کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اگر ظلم کی روک تھام نہ کی جائے تو ظالم کا ظلم بڑھتا ہی جائے گا۔ اور معاشرہ میں امن و انصاف کے دروازے ہمیشہ کے لئے مظلوموں پر بند ہو جائیں گے انھوں نے کہا کہ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمانوں میں دینی شعور کو پیدا کرنے کے ساتھ غیر مسلموں میں اسلام کی تبلیغ کی جائے اور ان کے درمیان پائی جانے والی غلط فہمیوں کو دور کیا جائے۔ انھوں نے نوجوانوں کو مشورہ دیا کہ وہ جذباتی نعروں کا شکار ہوئے بغیر ٹھوس اور مثبت کام انجام دیں تاکہ موجودہ دور میں اسلام کے ایک نئے دور کا آغاز ہو سکے۔

مشرقی عادل آباد کی جانب سے دو مقامات پر دعوتی کیمپ لگائے گئے ایک دعوتی کیمپ بمقام اندرویلی اور دوسرا تعلقہ خانہ میں ہوا۔ دعوتی کیمپ میں رحمت علی زاہد ڈسٹرکٹ آرگنائزر اور زونل سکریٹری شریک رہے۔

اندرویلی دعوتی کیمپ میں ایجرڈہ سرکنڈہ عادل آباد کے رفقاء شریک تھے اندرویلی مسلم آبادی کا سروے کیا گیا اور وفود کی شکل میں ان تک دعوت پہنچائی گئی۔ صدر کا انتخاب بھی عمل میں آیا۔ برادر سلطان احمد کو صدر منتخب کیا گیا۔ تعلقہ خانہ دعوتی کیمپ میں ایجرڈہ نرمل اور مدھول رفقاء شریک ہوئے ایک دعوتی اجتماع کیا گیا جس میں خاص طور پر طلبہ و نوجوانوں کو مدعو کیا گیا۔ زونل سکریٹری نے طلبہ و نوجوانوں کو خطاب کر کے ان کی ذمہ داریاں انھیں یاد دلائیں۔ آخر میں اس سرکل کا انتخاب عمل میں آیا۔ برادر عبدالسمیع صاحب کو صدر اور شیخ چاند صاحب کو سکریٹری شیخ نذیر احمد صاحب کو خازن مقرر کیا گیا۔

گجرات

برادر کلیم احمد صاحب ۲۶ راگست سے ۱۰ راکتوبر تک گجرات کے دورے پر ہیں۔ موصوف نے ۲۸ راگست کو چار ضلعی اجتماع بمقام بھروچ میں طلبہ و نوجوانوں کی ایک کثیر تعداد کے سامنے ایس آئی او کا تعارف کراتے ہوئے ان کی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا۔ ۲۹ راگست کی شب میں طلبہ و نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد اکٹھا ہوئی برادر کلیم نے ان کے سامنے تنظیم کا تعارف مقصد اور طریقہ کار واضح کیا اور ایس آئی او سے تعاون کی درخواست کی ۱۸ طلبہ و نوجوانوں نے اسی وقت ان کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنے فارم پُر کئے اور تنظیم سے ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا۔ ۳۰ راگست کو بڑودہ پہنچے برادر شاہد اعظمی بھی ان کے ہمراہ تھے وہاں پر بھی طلبہ و نوجوانوں سے خطاب فرمایا۔

یکم ستمبر تا ۸ ستمبر آپ نے شہر احمد آباد کے مختلف علاقوں کا دورہ کیا۔ شاہ پور، رکھیال وغیرہ میں درس قرآن اور خطابات کئے ۴ ستمبر کو احمد آباد یونٹ کی جانب سے رکھیال میں ایک تربیتی اجتماع سے خطاب فرماتے ہوئے کہا کہ ہمارے نوجوان و طلبہ مغرب کی چکا چوند روشنی سے مرعوب ہیں آپ نے اس کی نفی کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ ملت امامت کے منصب پر فائز ہے اس لئے مرعوبیت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ہمیں اپنے آپ کو مسلمان بنائے رکھنا چاہئے اور اس کا ثبوت ہمیں اپنے قول و عمل سے فراہم کرنا چاہئے۔

۹ تا ۱۳ ستمبر آپ نے سنجانی کو سما کا دورہ کیا۔

مدھیہ پردیش

جبل پور: گذشتہ دنوں جبل پور میں ایک روزہ تربیتی اجتماع ہوا۔ جناب غلام رسول صاحب نے اس کی نگرانی فرمائی۔ آپ نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ اللہ کو اپنا رب تسلیم کر لینے کے بعد ہم پر بہت ساری ذمہ داریاں عائد ہو جاتی ہیں۔ ہمیں ان ذمہ داریوں کا احساس ہونا چاہئے اور اس کی ادائیگی کیلئے ہر وقت فکر مند رہنا چاہئے۔

برادر محمد امتیاز احمد نے "راہ حق کے مہلک خطرے" کے عنوان پر تقریر کرتے ہوئے تحریک کے اندرونی خطرات کی نشاندہی کی۔ آپ نے کہا کہ اخلاص وللہیت کی کمی، دینی علم و بصیرت کی خامی، شخصیت پرستی تصور دین کی بے اعتدالی، گروہی تعصب اور آزادی رائے کا غلط استعمال تحریک کے لئے مہلک ہیں۔

RAFEEQUE-E-MANZIL
230, Abul Fazal Enclave
OKHLA, New Delhi - 110025
NOVEMBER 1988

Vol 1. No 1
R.N.I. No 47227/87
Regd No. D(SE)90
Lic. No. U(SE) 23
To Post without prepayment.

عاشقانِ رسولؐ کے لئے بیش بہا تحفہ

چند تصویریں

سیرت کے البم سے

خرم مُراد کی پُرکشش تاثر اور تاثیر سے لبریز تحریر

جو:
- جذبات کو مرتعش اور دل کی دھڑکن کو بڑھا دیتی ہے
- خون میں حرارت اور قلب میں اطمینان پیدا کرتی ہے
- ہندوستان میں پہلی بار ایس۔ آئی۔ پی کے زیرِ اہتمام شائع ہوئی ہے۔

مصنف کی طرزِ تحریر اور اسلوبِ بیان میں داعیٔ اعظمؐ کی تصویر اس طرح دیکھی اور محسوس کی جاسکتی ہے جس طرح ہم اپنے چاروں طرف پھیلی ہوئی دنیا اور اس کی رنگینیوں کو دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں۔

قیمت ۴/۵۰ روپے

اسٹوڈنٹس اسلامک پبلیکیشنز

۲۳۰ ابوالفضل انکلیو
اوکھلا، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

ملنے کے دیگر پتے
مرکزی مکتبہ اسلامی ۱۳۵۳، چتلی قبر، دہلی ۶
کریسنٹ پبلشنگ کمپنی ۲۰۳۴۔۳۵، قاسمجان اسٹریٹ، بلیماران، دہلی ۶

Edited, Printed and Published by MUNAWWER HUSSAIN on behalf of S I O of India, 230, Abul Fazal Enclave, Okhla, New Delhi - 110 025 Printed at Bharat offset press, Delhi-6, for Jamal Printing Press, Delhi-6